سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

سوتیلے

PDFBOOKSFREE.PK

حصہ
20

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

بیس واں حصہ

ترتیب و پیشکش: سعید خان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں دو لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت صنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک ملاقات ہمارے موافق ہو گئی۔ کالو کمرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو کمرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔ خوش قسمتی سے کالو کمرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کمرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنول کے متعلق مخبری کر دی۔ اس کا نتیجہ ہرے حسب منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مار گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اولبی میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اولبی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی تو لطف سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا۔ میں وہاں سی ایس ڈی اور نیم کمین لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فور پر تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اولبی نے دفتر خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اولبی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا اور دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

مایوسی اور بددلی کے غلبے سے جنم لینے والے میرے اس غیر ارادی ردِ عمل نے دونوں عورتوں کو مضطرب کر دیا۔ غزالہ کے اضطراب میں دردمندی اور دکھ کے عناصر غالب تھے۔ ویرا نے غصیلی آواز میں فہمائش کرتے ہوئے میری بائیں کلائی دوبارہ سلنگ میں ڈال دی۔

"ویرا بالکل صحیح بات کہہ رہی ہے" اول خان نے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے فیصلوں پر ایسی جھنجلاہٹ اور خود آزاری کا مظاہرہ کر کے تم اپنی شکست قبول کر رہے ہو۔"

"میں اوبرائن کا نرخرا چیر سکتا ہوں مگر تمہارا باس؟ اس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں؟" مجھے اپنی آواز میں شدید غم و غصے کا پوری طرح ادراک تھا۔

"میں نے گلی لپیٹی رکھے بغیر تم کو پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ خود بھی بے بسی کا شکار ہے۔"

"ہر شخص بے بس ہے.... تمہارا باس پروٹوکول کا پابند ہے' اپنے ہم منصبوں سے اوپر کی سطح پر رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ تم بھی اپنی فورس کے ڈسپلن کے تابع ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اوبرائن کا ڈھول صرف اور صرف میرے گلے میں باندھ دیا گیا ہے۔"

"میں تمہارے ہر فیصلے میں پوری طرح شریک رہوں گا۔ خود کو اس قدر تنہا محسوس مت کرو۔ کل تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ ہم لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بیوروکریٹ اور حکمراں اس ملک کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر آڑے وقت میں ہمارے کام آتے ہیں۔"

"بہت سے فیصلے تم اپنی مرضی اور صوابدید سے کرتے آئے ہو" ویرا نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "ان فیصلوں کے نتیجے میں کامیابیوں نے تمہارے قدم چومے ہیں۔ چند روز کے لیے سب کو بھول جاؤ..... سمجھ لو کہ تم تنہا میدان میں اترے ہوئے ہو۔"

ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے اول خان بول پڑا "دشمن کے کچھار میں اپنی کمان سے بچھڑا ہوا سپاہی کسی کمان دار کے حکم کا تابع نہیں ہوتا۔ تم فیصلہ کرو' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"مجھے کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو" میں نے تلخی سے کہا "جب ٹھوس حقائق سامنے ہوں تو مفروضوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ اسلام آباد کی خبریں سنا کر تم نے میرا دل خون کر دیا ہے۔ میں اپنی جاگیر کے لیے نہیں' اس ملک کے لیے لڑ رہا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہاری فورس کا سربراہ ایسے نازک موقع پر بزدلی دکھائے گا..."

"ڈینی!" اول خان نے اونچی آواز میں میری بات کاٹ دی۔ "آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم بھول رہے ہو کہ ایس ٹی ایف نے ڈسپلن کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ سخت ترین ڈسپلن کے سوا اس کا کوئی تحریری ضابطہ کار نہیں ہے۔ اپنے باس کی مجبوریوں کو صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ جب اس نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تو اس کی آنکھوں سے بے پایاں کرب جھلک رہا تھا۔"

"یہ کیسا ڈسپلن ہے کہ باس مجبور مگر اس کا ماتحت اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہے؟" میں نے تلخ اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ اندھا ڈسپلن کہتے ہیں" اول خان نے میری دلیل سے مرعوب یا متاثر ہوئے بغیر دفاع کیا۔ "اس نے فیصلہ صادر نہیں کیا' اس کی مرضی۔ اس نے اپنا اختیار مجھے منتقل کر دیا' یہ بھی اس کی مرضی۔ مجھے اس پر حرف گیری کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی بل پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایس ٹی ایف زندہ ہے۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے... شاید اس لیے کہ میں فورس سے باہر کا آدمی ہوں۔"

"اب تم باہر کے آدمی نہیں رہے" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔ "جب تک تم کرنل جمال دستی کے روپ میں ہو' ایس ٹی ایف کے مخبر بلکہ اہل کار ہو۔ تمہارے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ کام روکا نہیں گیا' جاری ہے اور تم بالکل آزاد ہو۔"

"مگر نتائج کی پوری ذمے داری میری اور تمہاری ہوگی" میں نے کہا۔

"یہ کہنے کی بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باس نے خاموشی اختیار نہیں کی ہوگی۔ معمول کے ذرائع ناکام ہونے کے بعد اب وہ اوپر سے اپنی بات منوانے کے دوسرے ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔"

"کوششیں جاری تھیں تو اس نے پروٹوکول کی آڑ لے کر تمہیں کیوں ٹال دیا؟" اس بار ویرا نے میرے موقف کی حمایت میں زبان کھولی تھی۔

"میری کراچی میں موجودگی ضروری تھی" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مجھے غیر معینہ مدت تک اسلام آباد میں بٹھا کر کام نہیں روک سکتا تھا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اس نے مجھے بلینک چیک دے کر بھیجا ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ بات تمہیں اب سوجھ رہی ہے۔ وہاں سے تم منہ لٹکائے واپس آئے تھے۔ بلینک چیک حاصل کرنے والے اداس اور پژمردہ نہیں ہوا کرتے۔"

"دشمن کی رسائی اور بالا دستی کا کوئی توڑ سوچنے کے بجائے تم آپس میں لڑ رہے ہو" سلطان شاہ نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایس ٹی ایف میں نیچے سے اوپر تک کوئی بھی ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اول خان کے باس نے اگر پسپائی اختیار کی ہے تو اس کی بہت سی مضبوط وجوہ ہوں گی۔"

"ہمیں ان وجوہ کو اپنی مجبوری سمجھ کر مان لینا چاہیے" غزالہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل لقمہ دیا "یہ سوچو کہ موجودہ حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"بظاہر صبر کرنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"آپ زخمی ہیں" غزالہ نے ناصحانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ "آپ کی جھلاہٹ کا سبب سمجھ میں آتا ہے۔ کوئی حرج نہیں' آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔ ہم آپس میں مغز زنی کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔ اس پر آپ سے بھی رائے لے لی جائے گی۔"

"میں زخمی ہوں' مجبور ہوں' معذور ہوں' مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال کر الگ پھینک دو" میرا پارہ چڑھنے لگا "میں تماشا دیکھتا رہوں گا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا" میرے غصے سے غزالہ سہم گئی "آپ کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔ ہم چاروں کو بھی کچھ نہ کچھ سوچنا اور کرنا چاہیے۔ کب تک..."

"بس' غزالہ!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر درمیان میں دخل اندازی کی "تم خاموش ہی رہو تو بہتر رہے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ڈینی کی شرکت کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر سکیں؟"

ویرا کی بھویں تن گئیں۔ اس نے اول خان کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا "کیا ہم سب کی کھوپڑیوں میں بھوسا بھرا ہوا ہے کہ ہم ڈینی کی مدد کے بغیر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے؟ یہ ایسا ہی بقراط ہوتا تو اس وقت زخمی بازو نہ لیے بیٹھا ہوتا۔"

اول خان نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنی پیشانی تھام لی اور بے بسی سے بولا "اس وقت تم سب جذباتی ہو رہے ہو۔ کوئی میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔"

ویرا کے اشتعال انگیز فقروں پر مجھے طرارہ آیا تھا مگر اول خان کے فوری ردِّعمل نے مجھے زبان کھولنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ یقیناً کوئی اہم بات کہنے والا تھا۔

سب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا "ہم سب پس منظر میں ہیں۔ صرف ڈینی ہی اوبرائن سے رابطے میں ہے۔ اسے الگ رکھ کر ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا کے تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ڈینی پر اتنا بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کا زخم بگڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اس کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر گزروں۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا رہا ہوں۔ ڈینی کا زخم تیزی سے بھر رہا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چند منٹ پہلے اس نے غصے میں سلنگ سے کتنی تیزی سے اپنی کلائی نکالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اول خان کے تیز مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنا بازو کرسی کے ہتھے پر ٹکاتے ہوئے تکلیف ضرور ہوئی تھی لیکن وہ بہت شدید یا ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔

"تم کیوں نہیں بولتے؟ گم صم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" ویرا میری طرف گھوم گئی۔

"میں صرف تماشائی ہوں۔ تم لوگ بحث کرتے رہو۔ میں سکون کے ساتھ کسی فیصلے کا انتظار کروں گا" میں نے ویرا کو سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ڈینی سے مت الجھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اب کیا ہوگا" اول خان نے تحمل سے سمجھایا۔

"جلدی بتا ڈالو۔ میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتی" ویرا بھنّا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولی۔

"جب تک زخم بالکل صحیح نہیں ہو جاتا' ڈینی کو جسمانی مشقت سے الگ تھلگ رہنا ہوگا۔ ہم اوبرائن کو اس کے قلعہ نما فلیٹ میں نہیں گھیر سکتے۔ ڈینی کو اسے کسی طرح باہر نکالنا ہوگا۔ باقی کام ہم خود کرلیں گے۔" اول خان کے آخری فقرے سے اس کے عزائم واضح ہو گئے۔

"دفتر جانے کے لیے وہ روز ہی گھر سے نکلتا ہوگا۔ اسے کہیں بھی گھیر کر جہنم واصل کیا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی مخلصانہ رائے پیش کی۔

"وہ ایک اہم آدمی ہے" اول خان اسے سمجھانے لگا۔ ذہنوں پر چھایا ہوا تناؤ بتدریج ختم ہو چکا تھا اور چاروں ایک دوسرے کی بات سننے کے موڈ میں آ چکے تھے۔

جب سے امریکا نے پاکستان کو اپنے شہریوں کے لیے ہائی رسک زون قرار دیا تھا' اس کے اہم سیاسی اور سفارتی عہدے دار مقامی آبادیوں میں سے گزرنے کے لیے آرمرڈ اور بلٹ پروف گاڑیاں استعمال کر رہے تھے جن میں مسلح محافظ بھی موجود ہوتے تھے۔

یہ جان' ایڈی اور ان کے دونوں کمانڈوز کی مجبوری اور بدقسمتی تھی کہ وہ کھٹمول کو سرِعام قتل کرنے کے لیے اپنی کوئی محفوظ ترین گاڑی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے انہوں نے کھٹمول کے ایک ہندو دوست کی جیپ استعمال کی اور ارتکابِ جرم کے بعد مقامی پولیس کی گولیوں کی خوراک بن گئے۔

ان چاروں کے برعکس' اوبرائن کو ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لیے وہ آمد و رفت میں ہر احتیاط برت رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں نے پچھلے چند دنوں میں اس کا خفیہ تعاقب کر کے یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا' ایسے کسی سفر میں اوبرائن پر کامیابی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ میں اسے کسی مجرمانہ کامیابی کا لالچ دے کر شیشے میں اتار سکتا تھا۔ کسی خفیہ مشن کے لیے اوبرائن یقینی طور پر سرکاری آرمرڈ گاڑی کے استعمال سے گریز کرتا اور شاید محافظوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی۔ اس وقت اسے راستے میں کہیں بھی للکار کر یا بے خبری میں مارا جا سکتا تھا۔ اسے راہ سے ہٹائے بغیر پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا زور توڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی موت سے وہ قتنے ایک لمبی مدت کے لیے دب سکتے تھے۔

اول خان نے اپنی تجویز میں میرا کردار بھی متعین کر دیا تھا۔ مجھے صرف فون پر اوبرائن سے رابطے کر کے غیر محسوس طریقے پر اپنے دام میں لانا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اگلے دو تین روز میں میرا زخم اتنا بہتر ہو سکتا تھا کہ میں تھوڑی سی احتیاط کے ساتھ تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہونے تک پانچوں افراد پوری عرق ریزی کے ساتھ اسی ایک موضوع پر جٹے رہے۔ بھانت بھانت کی تجاویز بنتی اور مسترد ہوتی رہیں۔ اس بحث مباحثے سے مجھے اپنے کام کے لیے خاصا مواد مل رہا تھا' میں باتوں کو دانستہ طول دیتا رہا۔

کھانے کے بعد اول خان اپنے گھر جانے کا ارادہ ترک کر کے اسٹیشن فور پر ہی رک گیا۔

اس نے حالات میں تیزی سے پیدا ہونے والے بگاڑ کی وجہ سے غزالہ کو اپنی فیملی کے ساتھ پشاور بھیجا تھا۔ میرے زخمی ہونے کی وجہ سے اسے ہنگامی طور پر غزالہ کو واپس کراچی بلوانا پڑ گیا لیکن اس کے بیوی بچے بدستور پشاور میں تھے۔ وہ کئی دن تک گھر نہ جاتا تب بھی کوئی اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوتا۔

اسٹیشن فور پر ملک بھر سے کئی اخبارات آتے تھے تاکہ ایس ٹی ایف کی مقامی قیادت ہر وقت تازہ ترین واقعات اور حالات سے باخبر رہ سکے۔

خان کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ کرنل جمال دستی کے خلاف دفتر خارجہ میں امریکی سفیر کی شکایت کو مقامی اور بین الاقوامی پریس نے خاصی اہمیت دی تھی کیونکہ اس میں ایک مرتبہ پھر اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کی بازگشت سنائی دی تھی۔

اس شکایت کی واپسی کے چوتھے روز تمام اخبارات نے امریکی سفیر کی معذرت کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ شکایت سے دستبردار ہونے میں بکی ہوئی تھی اس وجہ سے امریکیوں نے شاید وہ اطلاع براہِ راست اخبارات کو فراہم نہیں کی تھی۔ پاکستانی حکام نے اپنی سہولت کے مطابق تین دن کی تاخیر کے بعد وہ خبر اخبارات اور ایجنسیوں کو جاری کر دی تھی۔

میرے لیے اس خبر کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اعلیٰ سطح پر ہونے والی وہ کارروائی اخباروں کے ذریعے عام آدمی تک پہنچ گئی تھی ورنہ اول خان نے اسی رات تصدیق کرلی تھی کہ اوبرائن نے میرے دکھائے ہوئے سبز باغ کے نتیجے میں اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا اور میں کرنل جمال دستی کے روپ میں دوبارہ ایس ٹی ایف میں بحال ہو گیا تھا۔

ان دنوں پاکستان میں اخبارات پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں تھیں۔ کئی نامہ نگاروں نے جان اور ایڈی کے قتل کے بعد پاکستان اور امریکا کے درمیان شروع ہونے والی سفارتی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کو شکایت کی واپسی سے منسلک کر دیا تھا۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ محاذ پر منہ کی کھانے کے بعد امریکیوں نے اپنے جارحانہ تیور ترک کے نرم مدافعانہ پالیسی اپنائی تھی۔ اس دلیل سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ یوں امریکا نے جان اور ایڈی کے جرم کے بارے میں کراچی پولیس کے موقف کو بڑی حد تک تسلیم کرلیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک طویل تبصرے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ سفارتی پروٹوکول کے تحت امریکا سے آئے ہوئے دونوں سراغ رسانوں کو گھٹوں کے قتل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

چوہدری اسلام کے بارے میں مجھے کسی اخبار میں ایک سطر تک نہ مل سکی۔ وہ معاملہ پرانا ہو کر دب چکا تھا یا اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جا رہا تھا۔

ناشتے پر اول خان میرے ساتھ موجود تھا۔ بعد میں سلطان شاہ بھی شریک ہو گیا۔ رات بھر سوچنے کی مہلت دینے کے بعد وہ دونوں ہی میرے عزائم جاننا چاہتے تھے۔

"میں آج بلکہ ناشتے کے فوراً بعد اسے فون کرنے کے لیے تیار ہوں" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "سوال یہ ہے کہ موضوعِ سخن کیا ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا ایجنڈا چار نکات تک محدود ہے۔" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "میری دانست میں تو وہ صرف میری یعنی ڈینی کی جان کا خواہاں ہے۔ تم کن چار نکات کی بات کر رہے ہو؟"

"ایس ٹی ایف کی نفری اور اس کے دس مراکز کا محلِ وقوع اس کے پہلے دو مطالبے تھے۔ تیسرے نمبر پر تمہارے فنگر پرنٹس اور چوتھے نمبر پر تمہارا سراغ۔"

"چلو، یوں ہی سمجھ لو۔" میں نے نیم دلی سے کہا "میری نشان دہی اس کے لیے شاید زیادہ اہم ہو۔"

"اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ کہانی وہیں ختم ہو جائے گی" اس نے سرعت سے کہا "وہ بہت چالاک ہے۔ فون پر ہی تم سے سب کچھ جاننا چاہے گا اور پوری تسلی کے بعد اپنے مسلح گرگے تمہارے بتائے ہوئے مقام کی طرف روانہ کر دے گا۔ وہ خود ایک ذمے دار اور اعلیٰ انتظامی افسر ہے۔ خود مار دھاڑ میں حصہ نہیں لے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"اس سے کم کسی بات پر اسے اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکالا جا سکے گا۔"

"تمہارے فنگر پرنٹس بھی اس کے لیے مساوی اہمیت رکھتے ہیں" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "وہ اسکیچ سے کہیں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے وہ پہلے ہی اس کی تحویل میں ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بس ان پر لیبل کرنل جمال دستی کے نام کا ہے۔"

"سلطان شاہ کی تجویز مناسب ہے۔" اول خان نے اس کی حمایت کی "اسٹیشن، فوریر کچن اور میس وغیرہ میں کام کرنے والے متعدد آدمی ایسے ہیں جو کبھی فیلڈ میں نہیں نکلتے اور ان کا زندگی بھر امریکیوں سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔"

"تم چاہتے ہو کہ ڈینی اپنے نام پر ان میں سے کسی کے فنگر پرنٹس اس کے حوالے کر دے۔"

"اس کے سوا اور کیا، کیا جا سکتا ہے؟ ڈینی چاہے تو بھی اپنے صحیح فنگر پرنٹس اسے نہیں دے سکتا۔ راز کھل جائے گا کہ جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" مزاحیہ انداز میں یہ کہہ کر اول خان دھیرے سے ہنس پڑا۔

میں ناشتے کے اختتام تک اس تجویز پر غور کرتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم لوگ اوبرائن کو ٹریپ کرنے کے لیے کوشش ہی کر سکتے تھے، کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہماری قسمت پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اوبرائن کے ڈائریکٹ نمبر پر رابطہ کیا تو وہ موجود تھا۔ میری آواز سن کر وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "کیا تم نے کسی خاص سلسلے میں فون کیا ہے؟"

"میں ہنسی مذاق کے لیے تمہیں فون نہیں کرتا۔ آج تم نے ایسا اکھڑا اکھڑا سوال کیوں پوچھا ہے؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ ہماری باتیں کہیں اور بھی سنی جاتی ہوں گی۔"

"تم خود بھی جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

"تم ایس ٹی ایف کے سربراہ نہیں ہو۔ جن لوگوں نے تمہارے فون پر یہ آلہ لگوایا ہے وہ اس کا توڑ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہارا یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میرے اپنے تحفظات ہیں۔ آج کل تم شکوک و شبہات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اس کے لب و لہجے سے اس کی بے اطمینانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اسی قدر خوف زدہ ہو تو فون بند کیے دیتا ہوں۔ تم سے ملاقات کے بعد مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔ تعلق توڑ کر شاید میں پرسکون ہو جاؤں۔"

"فون کیا ہے تو جلدی سے مدعا بھی بتاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"شاید میں نے تمہارے مطلوبہ فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔" میں نے کہا۔

"گڈ، یہ اچھی اطلاع ہے۔ لیکن یہ کس چیز پر ہیں؟" اوبرائن نے پوچھا۔

"میں تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکا۔ اس کے استعمال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آیا ہوا گلاس میں نے محفوظ کرلیا ہے۔"

"اس پر دوسروں کی انگلیوں کے نشان بھی موجود ہوں گے؟" اوبرائن نے خود مجھے راہ دی۔

"شاید خدمتگار کے پرنٹس ہوں۔ اس سے پہلے میں نے گلاس صاف کردیا تھا۔"

"اسے احتیاط سے رکھو اور کل دوپہر بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر لے آؤ۔ بلیکی وہاں تمہارا انتظار کرے گا۔ اس سے بقیہ ہدایات بھی ملیں گی۔"

"تو کیا تم مجھے بلیکی کے حوالے کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ عارضی احتیاط ہے۔ اب تم براہِ راست مجھے فون نہیں کروگے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔

"حالات اور میرے تحفظات۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "کل بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ پہنچنا نہ بھولنا' بلیکی وہاں زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے میرا ردِعمل جانے بغیر فون بند کردیا۔

"بلیکی کا کیا چکر چل پڑا؟" جوں ہی میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا' سلطان شاہ تجسس آمیز لہجے میں سوال کر بیٹھا۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم کچھ پریشان تھے۔"

میں نے ان دونوں کو اوبرائن ڈی ہنٹ کے بدلے ہوئے رویے کی کہانی سنادی۔

"شاید تمہاری طرف سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ایسی صورت میں تمہارا ایمپریس مارکیٹ جانا مخدوش بھی ہوسکتا ہے۔"

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ "کھٹو مل' جان' ایڈی اور دو میرین کمانڈوز کا انجام اس کے سامنے ہے۔ کسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے موت کی بو سونگھ لی ہے۔"

میری دانست میں اوبرائن کی باتیں خاصی بے ربط اور شکستہ تھیں۔ میں نے اس سے ہونے والی گفتگو کو اپنے ذہن میں دہرایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سلطان شاہ صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اوبرائن نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے بغیر اچانک اسے فون کیا تھا۔ شاید بلیکی فوری طور پر دستیاب نہیں رہا ہوگا۔ اوبرائن نے اسے سمجھانے اور وقت کی پابندی کے لیے اگلے دن کا وقت مقرر کیا تھا۔

میرے لیے ایک دن کی وہ مہلت نعمت سے کم نہیں تھی۔ میرے بازو کا زخم تیزی سے مندمل ہورہا تھا۔ میں نے اگلے دن کی پیشگی تیاری کے لیے سلنگ اتار کر اپنا بایاں بازو آزاد کردیا۔ زخم میں چند ٹانکوں کے لیے ٹیسیں اٹھیں جو زیادہ شدید نہیں تھیں۔

غزالہ نے اس تبدیلی کو خوشگوار حیرت سے دیکھا اور مجھے مزید چند روز احتیاط کا مشورہ دیا۔ جب میں نے اسے اوبرائن سے طے ہونے والے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے اپنے مشورے پر اصرار نہیں کیا۔ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس شام بھی ڈاکٹر آیا۔ زخم کا معائنہ کرکے اس نے دواؤں میں کچھ ردوبدل کی۔ اول خان سے مشورے کے بعد ایک انجکشن لگایا اور مختصر سی پرامید گفتگو کے بعد واپس چلا گیا۔

دن بھر کی مشق کے بعد میں نے چلتے ہوئے' اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں میں لٹکائے رکھنے کی اتنی عادت ڈال لی تھی کہ اگلے دن مجھے کسی پریشانی کا اندیشہ نہیں تھا۔

اول خان نے اپنی دفتری مصروفیات سے فارغ ہوکر شام میں اطلاع دی کہ اس کے باس کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں اسلام آباد میں برف پگھلنی شروع ہوگئی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو شجر ممنوعہ قرار دینے والے بزرجمہروں کو اوپر والوں نے نظرانداز کردیا تھا۔

اوپر والے اوبرائن کو پوری احتیاط سے راہ سے ہٹانے کی تجویز سے متفق ہوگئے تھے۔ پہلی ترجیح یہ تھی کہ اسے اس قدر دہشت زدہ کردیا جائے کہ وہ خود گھبرا کر اپنے وطن لوٹ جائے۔ اس طریقۂ کار میں ناکامی کی صورت میں اس کے لیے اسی قدر مہارت اور ہوشیاری ضروری قرار دی گئی تھی جتنی جان اور ایڈی کے معاملے میں اختیار کی گئی تھی۔

تسلسل

ایک گھرانا جو تنگ مکان میں رہتا تھا' ایک کشادہ مکان میں منتقل ہوگیا۔ ایک شخص نے اس مکان میں آنے والے بچے سے پوچھا "تمہیں یہ مکان کیسا لگا؟"

بچے نے بتایا "مجھے یہ مکان بہت پسند ہے۔ میرا کمرا بھی الگ ہے اور میری دونوں بہنوں کے بھی اپنے اپنے کمرے ہیں" بچے نے یہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کیا پھر کچھ دیر سوچتے ہوئے بولا "مگر بے چاری ممی! انہیں اب بھی ڈیڈی کے کمرے میں ہی سونا پڑتا ہے۔"

جہلم سے محمد آصف جمروز خان کی عنایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ نکات غیر معمولی نہیں تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اندازہ تھا کہ امریکیوں کے جانی نقصانات کا تسلسل کسی بھیانک انتقامی کارروائی کا پیش خیمہ بھی بن سکتا تھا۔ کسی بھی واقعے میں کسی ایجنسی کے ملوث ہونے کا کوئی سراغ باقی رہ جاتا تو ایسی کارروائی کے امکانات بڑھ سکتے تھے۔

وہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔ اوبرائن میرے رابطے میں تھا اور مجھ سے بار بار بات کرنے کا آرزو مند تھا تو کہیں سے پیش قدمی کا کوئی موہوم ترین اشارہ نہیں ملا تھا۔ ہم آپس میں لڑتے اور سر کھپاتے رہے تھے۔ وہ بلیکی کو آگے بڑھا کر غائب ہوا تو اسلام آباد سے کرین سٹیل آ گیا۔

اگلی صبح میرا زخم بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شاید انجکشن کا کمال تھا کہ میں ہلکی سی تکلیف کے ساتھ اپنے لٹکتے ہوئے بازو کو اوپر نیچے حرکت دینے کے قابل ہو چکا تھا۔

بلیکی سے ملاقات کی تیاری میں میں یہ نکتہ فراموش کیے بیٹھا تھا کہ بائیں بازو کا زخم بڑی حد تک بھر جانے کے باوجود میں ڈرائیونگ کے قابل نہیں تھا۔ دس بجے اول خان نے مسکرا کر اس بارے میں پوچھا تو میری نظریں بے اختیار سلطان شاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"نہیں!" اول خان نے سختی سے کہا۔ "ہم میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارے گلے کا پھندا بن سکتی ہے۔"

سلطان شاہ مہم جوئی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "میں دور رہ کر ڈینی کی حفاظت کرتا رہوں گا۔"

"اس سے دور رہ کر تم اس کی زیادہ خدمت کرو گے۔ میں گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر چکا ہوں۔" اول خان نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میں گیارہ بجے اسٹیشن فور سے روانہ ہوا تو میری جیبوں میں نیم گن کے ساتھ موبائل فون بھی موجود تھا۔ فون میں نے بند کیا ہوا تھا۔ بلیکی کو موبائل فون کی بھنک مل جاتی تو وہ اس کا نمبر مانگ سکتا تھا۔ جب کہ میں ان لوگوں سے اپنا ہر سراغ پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔

وہ سفر وسوسوں، اندیشوں اور خوش گمانیوں کے دوران میں طے ہوا۔ اول خان نے میرے لیے کراچی کی روایتی زرد و سیاہ ٹیکسی کا بندوبست کیا تھا۔ اسے چلانے والا اپنی وضع قطع سے کوئی پیشہ ور ڈرائیور نظر آ رہا تھا مگر اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کی فورس کا ایک ممتاز اہل کار تھا۔

میں صدر کی مصروف اور پُرہجوم سڑکوں پر وقت گزاری کرتا ہوا مقررہ وقت پر ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر پہنچا تو قوی الجثہ بلیکی بھی ایک ٹیکسی سے اتر رہا تھا۔

وہ قد آور اور گٹھیم جسم تھا اس لیے اسے نظر انداز کرنا ناممکن نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے جسم پر سرمئی رنگ کا قمیص شلوار سوٹ موجود تھا۔ لباس پہننے کے بے پروایانہ قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مقامی لباس اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس حلیے میں وہ دور سے کوئی قد آور مکرانی معلوم ہو رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اسے شہر کی بھیڑ بھاڑ میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا گیا تھا۔

بلیکی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ متوسط قامت اور جسامت والا کوئی مقامی شخص بھی تھا جو قمیص پتلون میں ملبوس تھا۔ ٹیکسی سے اترتے ہی ان دونوں کی متلاشی نظریں مارکیٹ کے بڑے داخلی راستے سے ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور پھر بلیکی نے مجھے دیکھ لیا۔

میں اس کی طرف لپکا اور وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے۔

"گلاس کہاں ہے؟" بلیکی نے آتے ہی کسی سلام دعا یا تمہید کے بغیر سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اس سے متوقع مصافحے کی امید میں اپنا داہنا ہاتھ خالی رکھا تھا۔ گلاس والا ہلکا سا پیکٹ بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے گستاخانہ مطالبے پر میں نے بائیں ہاتھ سے وہ پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے فوراً لے لیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمہارا بایاں بازو مفلوج ہو گیا ہے؟" اس نے اپنی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بے رحمانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، کوئی پٹھا اکڑ گیا ہے۔" میں نے اس کی بدتمیزی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ میں اس کے بارے میں پہلے ہی خراب رائے قائم کر چکا تھا۔ بلیکی اس وقت بھی اپنی بول چال سے خود کو انتہائی گھٹیا درجے کا سیاہ فام امریکی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"میں جا رہا ہوں، یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ دھن راج تمہیں آئندہ طریقۂ کار کے بارے میں بریف کرے گا۔" اس نے واپسی کے لیے پر تول لیے۔

"اوبی نے مجھ سے صرف تمہارا ذکر کیا تھا۔ میں دھن راج کو نہیں جانتا۔"

"تم نہیں جانتے مگر میں نے تعارف کرا دیا ہے۔ اب دھن راج ہی تم سے ڈیل کرے گا.... بائے!" یہ کہہ کر اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے یوں حیرت سے نہ دیکھو۔" مقامی نظر آنے والے شخص نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ "اپنا ذہن صاف رکھو۔ ابھی ہمیں کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

میں اس وقت ذہنی طور پر ابھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اوبرائن میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ پہلے بلیکی اور اب دھن راج میرے سامنے تھا۔ جب تک وہ خاموش رہا، میں اسے مقامی ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھتا رہا لیکن اس کے بولنے پر مجھے شبہ ہوا کہ اس کا لب و لہجہ مقامی نہیں تھا۔

"بلیکی کی طرح تم بھی دساور سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری بے خوفی سے کہا۔ "بھارتی ہو؟"

"پاکستان اور بھارت ایک ہی ملک کے دو نام ہیں۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "جو چاہو، سمجھ لو۔ آج کی ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اور تم مجھ کو دیکھ لو۔ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اب تم اولی یا بلیکی کے بجائے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"اگر اس کاغذ پر تمہارا ہوٹل کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا ہے تو یہ چیزیں اوبرائن مجھے فون پر بھی بتا سکتا تھا۔ اس کی خاطر سرِ راہ یوں ملنا ضروری نہیں تھا۔" میں نے کاغذ دیکھے بغیر اپنی جیب میں ڈال کر بدمزگی سے کہا۔ "پتا نہیں میرے ساتھ کیا ناٹک رچایا جا رہا ہے۔"

"برا نہ مانو کرنل!" اس نے نرمی سے مجھے جتا دیا کہ وہ پہلے سے میرے بارے میں بریف کیا جا چکا ہے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "گلاس دینے کے لیے تمہیں کہیں نہ کہیں آنا ہی تھا۔ اولی کا خیال تھا کہ ہمیں بہت دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا ہے، آپس میں تعارف ہو جائے تو اچھا رہے گا.... یوں بیچ میں رکنے کے بجائے کنارے سے آ جاؤ.... زیادہ باتیں کرنی ہیں تو ہوٹل چل کر میرے ساتھ کچھ پینے کی دعوت قبول کرو۔"

"میں تعارف کا ہی منتظر ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے مگر میں تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ انجان لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرا کوئی لمبا چوڑا تعارف نہیں ہے۔ تم نئے ہو، میں پرانا ہوں۔ رفتہ رفتہ تم بھی میری طرح پرانے ہو جاؤ گے۔"

اس کا جواب بہت مبہم لیکن اپنی جگہ مکمل تھا۔ میری الجھن دور نہیں ہو سکی۔ میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم قونصل خانے میں کام کرتے ہو؟"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہاری طرح ہوں۔ بس ذرا پرانا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھ پر بھروسا کیا جاتا ہے۔"

اس کے پراسرار رویے اور پر پیچ جوابوں سے میری طبیعت مکدر ہونے لگی۔ جی چاہا کہ اسی وقت اس مردار کی گردن دبوچ کر جوتے لگانے شروع کر دوں مگر وہ مشتعل ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اپنا غصہ پیتے ہوئے کہا۔ "بلیکی گلاس لے کر چلا گیا، تمہیں پرچہ دے کر لوٹ جانا چاہیے تھا۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تم جس فورس میں ہو، وہ اپنے آدمیوں کے لیے بھی بہت موذی اور خطرناک ہے۔ پھر بھی ایمرجنسی کے لیے کوئی نہ کوئی رابطہ تو ہونا ہی چاہیے۔"

"ہمارا کی ضرورت نئے آدمی کو ہوتی ہے۔ تم پرانے ہو۔ میری ضرورت محسوس نہیں کرو گے۔ یہ بات اولی اچھی طرح جانتا ہے۔" میرے الفاظ تلخ تھے مگر لہجہ نرم تھا۔

اس نے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ "کبھی رنگ ریوں میں ڈوب کر چند گھنٹے گزارنے کا موڈ ہو تو فون کر کے میرے پاس آ جانا۔ میں اپنے مہمانوں کی فراخ دلی سے دیکھ بھال کرتا ہوں۔"

میری دانست میں وہ شراب نوشی کی دعوت تھی۔ میں نے اس کی تضحیک کی نیت سے پوچھا۔ "دیسی پر گزارہ کرتے ہو یا ولایتی بھی مل جاتی ہے؟"

"یہ پسند اور موڈ پر منحصر ہے۔ شراب اور لڑکیاں..... دونوں ہی دیسی بھی مل جاتی ہیں اور پردیسی بھی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "شہر کے اوباش روسا کو ترسانے والیاں میری ایک فون کال پر سر کے بل چلی آتی ہیں کیونکہ میں کام سے پہلے پورے مگر گنے بندھے دام ادا کر دیتا ہوں۔"

وہ غلاظت کی طرف جانے لگا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ پوری طرح صحت مند تھا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔

ٹیکسی بسوں اور بھانت بھانت کی گاڑیوں کی رینگتی ہوئی بے ترتیب بھیڑ سے گزر کر زیب النساء اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی شارع فیصل پر آئی تو میرے ڈرائیور نے پرتشویش آواز میں کہا۔ "سر! شاید ایک کالی گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"کرنے دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سیدھے اسٹیشن فور کی طرف چلو۔"

"سوسائٹی میں داخل ہو کر اسے کہیں بھگا نہ دوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں معلوم ہے کہ میں اسٹیشن فور پر ہوتا ہوں۔ چھاؤنی کی چیک پوسٹ سے پہلے ہی وہ گاڑی واپس چلی جائے گی۔ تم اسے بھول کر ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

میں نے خود بھی مڑ کر مشتبہ گاڑی پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میرا ذہن مسلسل دھن راج میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بدنصیب تھا۔ اوبرائن نے اسے قربانی کا بکرا بنا کر میرے سامنے ڈال دیا تھا۔ اس کا نام اور پتا میری جیب میں موجود تھا۔ اول خان کا کوئی بھی ذہین آدمی چند گھنٹوں میں اس کا پورا شجرہ نکال کر لا سکتا تھا۔ اس کے بعد دھن راج کے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ہماری مرضی سے ہوتا اور ہمارے منتخب کیے ہوئے وقت پر ہوتا۔ دھن راج اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارہ بجے ہونے والی وہ ملاقات بہت مختصر رہی تھی۔ واپسی پر شہر کے وسط سے مضافات کی طرف جانے والا ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو کر اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے عین مطابق سیاہ کار چھاؤنی کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔

میرے ایما پر ڈرائیور گاڑی براہِ راست اول خان کے دفتر کی طرف لے گیا۔

اول خان ٹیکسی کے انجن کی آواز پہچان کر دفتر سے برآمدے میں نکل آیا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنی اہم ملاقات مختصر سے وقت میں ختم ہو گئی تھی۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کی طرح دھن راج کا نام بھی اسپیشل ٹاسک فورس کی فہرست میں نہیں تھا۔ دھن راج سے میری ملاقات کے بعد یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ وہ کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارے خلاف سنگین ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اور خود کو ہر ایجنسی کی نگاہوں سے بچائے رکھنے میں پوری طرح کامیاب تھا۔

اس قسم کے سنگین مجرموں کی ابتدائی نشان دہی عام طور پر ایس ٹی ایف ہی کیا کرتی تھی کیونکہ اس کا دائرۂ کار بیشتر پابندیوں سے یکسر آزاد تھا۔ ابتدائی شواہد کی دستیابی کے بعد فورس اپنے ہدف کا ریکارڈ متعلقہ وفاقی اداروں کو فراہم کر دیتی تھی۔

اول خان نے اپنے دفتر میں دو تجربے کار اہل کاروں کو بلا کر دھن راج کے جملہ کوائف اور سرگرمیوں کا کھوج لگانے پر مامور کر دیا اور پھر لنچ کے لیے میرے ساتھ رہائشی بیرکوں کی طرف ہو لیا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں کسی دنگا فساد میں ملوث ہوئے بغیر خیر و عافیت سے واپس لوٹ آیا تھا اور میرا زخمی ہاتھ مزید مجروح نہیں ہوا تھا۔

"جہاز کے وزنی لنگر کی طرح، تمہارا ٹھہرا ہوا بازو بلیکی کی نظروں سے پوشیدہ تو نہ رہ سکا ہو گا؟" ویرا نے اپنے معمول کے مطابق استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں ایسی اچھوتی مثالیں کیسے سوجھ جاتی ہیں؟"

"غور کرتیں تو تمہیں بھی اندازہ ہو جاتا کہ ڈینی کا بایاں بازو کس طرح ساکت ہے۔"

"بلیکی میرے ساتھ زیادہ دیر رکا ہی نہیں۔ گلاس لے کر چلا گیا۔ پٹھا اکڑنے کا عذر اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ سلنگ سے نجات کے بعد زخم کی بحالی کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ ایک آدھ روز میں یہ لنگر بنڈولم میں تبدیل ہو جائے گا۔"

ایمپریس مارکیٹ پر جو کچھ ہوا، وہ بہت ہی پھسپھسا اور روکھا پھیکا تھا۔ پہلے ہم اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اوبرائن اپنے چار ساتھیوں کے انجام کی وجہ سے مجھ سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اپنے اس خوف کے تحت اس نے مجھے بلیکی کے سپرد کر دیا مگر پھر بلیکی جیسا نڈر اور قدرے کم عقل شخص کیوں غائب ہو گیا؟ اس نے مجھے کس وجہ سے دھن راج کے حوالے کیا تھا؟

وقت گزارنے کے لیے وہ سوال بہت سا مواد فراہم کرتے تھے لیکن ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دھن راج کے اصل خدوخال سامنے آنے کے بعد صورتِ حال کچھ واضح ہو سکتی تھی۔

شام کو اول خان نے ایک نئی خبر فراہم کی۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ اپنے ذرائع سے اوبرائن ڈی ہنٹ پر مسلسل کام کر رہا تھا۔ اسے امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن سے خبر ملی تھی کہ اوبرائن کا تعلق امریکا کی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس سے تھا۔

وہ ادارہ سی آئی اے کی طرح بین الاقوامی سطح پر رسوا نہیں ہوا تھا مگر اس کے مقاصد سی آئی اے سے کہیں زیادہ خطرناک اور ہمہ گیر تھے۔ وہ ہر ملک کے مخصوص علاقائی حالات اور ماحول کے تحت سازشوں کے تانے بانے بُن کر مقاصد سے کام لینے میں ماہر تھے۔

سٹے بازوں کی مضبوط پشت پناہی کر کے ابھرتے ہوئے ملکوں میں بھیانک اقتصادی بحران پیدا کر کے اپنی منڈیوں کو قبضے میں رکھنا اور مقبول حکومتوں کا تختہ الٹ کر کٹھ پتلی اور چوہدری سلام جیسے کرپٹ سیاست دانوں کو آگے لانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

ہم سب کے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔ اس وقت تک ہم اوبرائن کو سی آئی اے کا مہرہ سمجھ رہے تھے۔ وہ اس سے بھی اونچے درجے کا فن کار نکلا تھا۔

"فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس بھی ایس ٹی ایف جیسی فورس معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کا موازنہ کر کے تم میری فورس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" اول خان نے پُرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ "ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ فرق مجھے تو نظر نہیں آتا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم پاکستانی مفادات کا تحفظ کرتے ہو' وہ امریکا کے لیے کام کرتے ہیں۔"

"ہمارا کام مدافعانہ ہے۔ ہم اپنی سلامتی اور وقار کے دشمنوں کی بیخ کنی کرتے ہیں جبکہ ان کے ہدف جارحانہ ہوتے ہیں۔ وہ حکومتوں اور ملکوں کی توڑ پھوڑ میں ملوث ہیں۔"

ویرا مسکرانے لگی "میں نے یہ فرق نظرانداز کردیا تھا۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کا کام بھی سی آئی اے سے مختلف نہیں ہے۔ بس مہارت اور طریقۂ کار کا فرق ہوسکتا ہے۔"

"ہم سب بوڑھی بیواؤں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہاں پناہ گزین ہوگئے ہیں۔" یکایک سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا "میرے لیے یہ بے کاری ناقابلِ برداشت ہے۔ میں شہر کی طرف جارہا ہوں۔ دیر ہوگئی تو رات کسی دوست کے گھر بسر کرلوں گا۔ میری طرف سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"شہر میں ہمارے لیے خطرات موجود ہیں۔ تمہارا یوں نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔" غزالہ نے اسے سمجھایا "ایک دو روز میں حالات بہتر ہوجائیں گے۔"

"شہر میں کچھ نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "ڈینی نے بلیکی سے ملاقات کی اور کچھ نہیں ہوا۔ ہم لوگ بلاوجہ ہی احتیاط میں گھلے جارہے ہیں۔"

ہر ایک نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گیا اور تیار ہوکر تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور سے نکل کھڑا ہوا۔ ہماری بحث سے چڑ کر اس نے سواری فراہم کرنے کی پیشکش بھی قبول نہیں کی۔ کسی بھی منی بس یا ٹیکسی سے شہر کے مرکزی حصے میں پہنچنے کا قصد کرکے پیدل چل دیا۔ جاتے جاتے غزالہ نے اسے ایک ریوالور ضرور تھمادیا تھا۔

اسٹیشن فور میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ مجھے سلطان شاہ کی طرف سے ویسے تو کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن یہ تشویش ضرور لاحق تھی کہ وہ اوبرائن کی طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ عاجلانہ انداز میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا بیٹھتا تو کسی بھی بدترین خطرے سے دوچار ہوسکتا تھا۔

شام تک دھن راج کے بارے میں کچھ مواد یک جا ہوچکا تھا۔ وہ سندھ کے ایک دور افتادہ' سرحدی شہر عمرکوٹ کے ایک بڑے جاگیردار کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے کام کاج اور آمدنی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ باپ کی زمینوں سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ پورا خاندان بے فکری اور عیاشی سے زندگی بسر کرنے کے باوجود ہر سال کچھ نہ کچھ پس انداز کرلیتا تھا۔

سرپرائز

ایک خاتون سڑک کے حادثے میں زخمی ہونے والوں کو فوری طبی امداد دینے کے ادارے سے منسلک تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ زخمی ہونے والے کی اداکاری کرے۔ شوہر نے ہامی بھرلی۔ خاتون نے اسے سر سے گردن تک چڑھانے کا ماسک دیا جس پر زخموں کے نشان تھے۔ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا لباس دیا جس پر خون کے دھبے تھے۔ پھر ایمبولینس منگوا کر اسے لٹادیا۔ وہ کراہتے ہوئے بے ہنگم آوازیں نکالتا رہا۔ ایمبولینس دیر تک سڑکوں پر دوڑتی ہوئی رک گئی۔ اٹینڈنٹ نے دروازہ کھولا اور فرضی زخمی کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ معاً فضا تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھی۔ اس نے اپنی کامیابی پر خوش ہوکر بظاہر ڈولتے اور لڑکھڑاتے ہوئے سر پر سے ماسک کھینچا تو ششدر رہ گیا۔ وہ اپنے مکان کے لان میں مرد و خواتین دوست احباب کے درمیان کھڑا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس روز اس کی شادی کی پچاسویں سالگرہ تھی اور اپریل کی پہلی تاریخ بھی۔

عمرکوٹ جیسے پس ماندہ شہر میں دھن راج کا زیادہ دل نہیں لگتا تھا کیونکہ اس نے کراچی کی بہت سی بدنام خواتین کے ساتھ دل لگایا ہوا تھا۔ اسی لیے وہ اکثر و بیشتر کراچی کے ایک خاص ہوٹل میں پایا جاتا تھا۔

چند ماہ پہلے بھارتی قونصل خانے میں ریکارڈ آفیسر کی اسامی پر بھارت سے میجر بخشی کا تقرر ہوا تو دھن راج وہاں بھی دیکھا جانے لگا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے سراغ لگایا تھا کہ تقسیم سے پہلے میجر بخشی کا باپ بھی عمرکوٹ میں رہتا تھا۔ انگریز کی رخصت کے بعد وہ جان کے خوف سے اپنے پورے خاندان سمیت' سرحد پار کرکے اودے پور میں جابسا تھا۔

ان دونوں خاندانوں میں پرانی آشنائی نے میجر بخشی اور دھن راج کی گہری دوستی کا روپ دھار لیا۔ کبھی کبھی میجر بخشی بھی دھن راج کے کمرے میں دیکھا جانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میجر بخشی انڈین آرمی کا ریٹائرڈ افسر تھا اور بظاہر اسے فارن آفس نے کراچی کے قونصل خانے میں مامور کیا تھا لیکن خفیہ اطلاعات یہ تھیں کہ میجر بخشی کو آرمی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ دے کر را کے اسپیشل سروسز بیورو میں مامور کردیا گیا تھا۔ وہیں سے اسے فارن آفس کی معرفت کراچی بھیجا گیا تھا۔

میرے لیے اسپیشل سروسز بیورو کا نام نیا نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف پاکستان کے خلاف شورشیں برپا کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ انڈین ایس ایس بی کو اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد اور امریکی سی آئی اے کا قریبی تعاون حاصل تھا۔

اس وقت تک دھن راج اور میجر بخشی کے درمیان کسی گٹھ جوڑ کے بارے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی مگر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میجر بخشی نے عمر کوٹ میں راج خاندان کی ممتاز سماجی حیثیت اور کراچی میں دھن راج کے وسیع مراسم کو اپنے مفادات کے لیے ضرور استعمال کیا ہوگا۔

کمزور کردار کے حامل لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے تین ڈبلیو یعنی ویلتھ' وائن اور وومن یا دولت' شراب اور عورت جیسے تینوں موثر حربے دھن راج کی دسترس میں تھے۔ میجر بخشی اس کے ان وسائل سے استفادہ نہ کرتا تو اپنے فرائض سے انحراف کا مرتکب ہوتا۔

میری نگاہوں میں دھن راج کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔

"فی الحال گاڑی یوں ہی چلنے دو۔" اول خان نے میری دلچسپی کو بھانپتے ہوئے کہا "چند روز میں میرے آدمی کچھ ٹھوس مواد اکٹھا کرلیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں کو دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں دشمن کے خلاف کسی مواد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ کام فوراً شروع ہوجاتا ہے۔"

"ایک وقت میں کئی دشمنوں سے بھڑنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے....."

"مصلحت کے مقابلے میں ضرورت زیادہ اہم ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی ہے کہ اوبرائن نے مجھے اچانک دھن راج کے حوالے کیوں کردیا؟ اب میجر بخشی اور اوبرائن کے عہدوں پر غور کرو تو تمہیں دھن راج درمیانی رابطے کا اہم آدمی نظر آئے گا۔"

"سی آئی اے اور را کا گٹھ جوڑ نیا نہیں ہے۔ پاکستان میں یہ دونوں ادارے شانہ بہ شانہ کام کرتے ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہوگا۔"

"دونوں میں سے کسی ایک کی کمر توڑ دی جائے تو دوسرا خود بخود پسپا ہوجائے گا۔"

"اوبرائن کے خلاف تم کو گرین سگنل مل چکا ہے۔ اپنی توجہ اسی پر مرکوز رکھو۔"

"اوبرائن کے ہوش و حواس پر چار لاشیں مسلط ہیں۔ میرے لیے دھن راج زیادہ اہم ہوچکا ہے۔" میں نے... پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"شاید اس لیے کہ اوبرائن اور ملیکی تمہیں اس کے حوالے کرکے اچانک درمیان میں سے نکل گئے ہیں۔" ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہی سمجھ لو۔" میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے مختصراً کہا۔

"آپ اس کے خلاف کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟" غزالہ نے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی اس سے پینگیں بڑھانے کا ارادہ ہے تاکہ اس کا اصل چہرہ میرے سامنے آسکے۔ ممکن ہوا تو میجر بخشی کو بھی ٹٹولا جائے گا۔"

"مل بیٹھنے کی حد تک تمہیں اجازت دی جاسکتی ہے۔" اول خان نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "وہ خود بھی یہی چاہتا ہے۔"

میں نے شکریے میں سر کو ہلکی سی جنبش دے کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

دھن راج کے دیے ہوئے رقعے پر اس کے کمرے کا ایک فون نمبر ڈائرکٹ تھا' دوسرے نمبر آپریٹر کے ذریعے کمرے سے ملائے جاسکتے تھے۔ میں نے اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والی کی آواز بہت دلکش اور ہوش ربا تھی۔ اس کی زبان سے ڈھلکتے ہوئے الفاظ سن کر ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دھن راج کے ساتھ مے نوشی کررہی تھی۔

عورت کے اصرار پر بھی میں نے اپنا نام نہیں بتایا اور دھن راج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ثانیوں بعد وہ فون پر آگیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے خوشی سے ہاکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں شاید تمہیں میری پیشکش بری لگی تھی۔ اب کیسے یاد کیا ہے؟"

"میں مسلسل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے الجھن آمیز آواز میں کہا "یہ بتاؤ کہ تم سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

"اس وقت کی معافی چاہتا ہوں۔ کل کا کوئی وقت رکھ لو۔" جواب آیا۔

"چار بجے شام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اقرار کرتے کرتے وہ ایک دم چونک پڑا۔ "شام کے بجائے تم صبح گیارہ بجے آجاؤ تو تمہاری ملاقات ایک مزے دار دوست سے کراؤں گا۔"

"مرد ہے یا عورت؟" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کل ہی پتا چلے گا۔ آسکتے ہو تو گیارہ بجے چلے آؤ۔" وہ اوبرائن کی طرح تنک مزاج نہیں تھا۔

"ڈن!" میں نے لمحہ بھر میں اس کا مجوزہ پروگرام قبول کرلیا "اب تم اپنی سویٹی کے ساتھ عیش کرو۔ میں تمہارا مزید وقت نہیں لوں گا۔"

"تھینک یو یار۔ تم واقعی گریٹ ہو۔" اس کی تحسین آمیز آواز سن کر میں نے فون بند کردیا۔

دھن راج سے بات کرکے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ وہ بے تکلف اور یار باش آدمی تھا۔ اوبرائن تحکم کے ساتھ دوسروں کی تذلیل کرنے کا بھی عادی تھا۔

اس رات ہم دیر تک سلطان شاہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ بارہ بجے میں مایوس ہوگیا۔ مجھے علم تھا کہ پٹھان کالونی میں اس کے قبیلے اور برادری کے کچھ لوگ رہتے ہیں جن سے وہ کبھی کبھی ملتا رہتا تھا۔ شاید اس نے وہیں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

روشنیاں گل کرنے کے بعد نیند آنے سے پہلے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ صبح میں کسی محافظ یا نگراں کے بغیر بالکل یکہ و تنہا دھن راج سے ملنے جاؤں گا۔

اگلی صبح میری چھٹی حس کچھ زیادہ ہی فعال تھی۔ میں اوبرائن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا تھا جہاں حفاظت اور آنے والوں کی جامہ تلاشی کا خود کار الیکٹرانک نظام نصب تھا جبکہ دھن راج سے میری ملاقات ہوٹل کے ایک کمرے میں ہونے والی تھی جہاں ایسی رکاوٹوں کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے چلنے سے قبل بیم گن جیب سے نکال کر ویرا کو تھما دی۔

"تو کیا بالکل خالی ہاتھ وہاں جاؤ گے؟" ویرا نے ہتھیار لے کر حیرت سے پوچھا۔

"میں وہاں لڑنے نہیں، مذاکرات کرنے جارہا ہوں۔ تم ہی لوگوں نے مجھے کسی بھی محاذ آرائی سے روکا ہوا ہے۔" میں نے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی۔

"اگر اس کے دل میں کوئی شرارت آگئی تو تم کیا کرو گے؟" ویرا دوبارہ بولی۔

"وہ شرارت پر آمادہ ہے تو وہاں نفری بھی زیادہ ہوگی۔

اُلّو کا پٹھا

ایک آدمی اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ پاس ہی اس کا چھوٹا بیٹا ٹرین سے کھیل رہا تھا۔ بچہ ٹرین کو چابی دے کر چھوڑ دیتا اور جب وہ ٹرین ایک دائرہ مکمل کرلیتی تو انگلی سے روک کر کہتا۔ "اسٹیشن آگیا ہے، جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اترجائے۔"

جب بچے نے دو تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا تو باپ نے سوچا بچہ غلط بات سیکھ رہا ہے لہٰذا اس نے ٹرین اٹھالی۔ تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا، بچہ خاموشی سے مسکین صورت بنائے بیٹھا رہا۔ آخر باپ کو ترس آگیا۔ اس نے بچے کو ٹرین دے دی اور کہا۔ "اب پہلے والی غلطی مت کرنا۔"

بچے نے ٹرین کو چابی دی۔ جب گاڑی نے چکر مکمل کرلیا تو گاڑی روک کر بچے نے کہا "جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اترجائے۔ پہلے ہی اس اُلّو کے پٹھے کی وجہ سے گاڑی تیس منٹ لیٹ ہوگئی ہے۔"

نکاح خواں اور چھوہارے

پطرس بخاری کے کسی عزیز کا نکاح تھا۔ اس کے لیے مولوی درکار تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک مولوی کو ڈھونڈ کر لایا گیا جو بہت دبلا پتلا تھا۔ پطرس صاحب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔

"نکاح کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح خواں اور چھوہارے کی۔ ماشاء اللہ ان میں دونوں صفات موجود ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیم کن سے میں کتنے آدمیوں کو گرا سکوں گا؟ آخر کار وہ مجھے زیر کر ہی لیں گے۔"

"حیرت ہے کہ اس وقت تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا جز بز ہو کر رہ گئی۔

"جب تک میرا بازو بالکل صحت مند نہیں ہو جاتا، میں نے افسانوی خوش نصیبوں سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ ہوا تب بھی میرا نہتا ہونا میرے حق میں جائے گا۔"

"اپنی ترجیحات کو تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے رہ گئی۔

اول خان نے اپنی گاڑی میں مجھے ایسی جگہ چھوڑا جہاں خالی ٹیکسی موجود تھی۔ میں اسے الوداع کہہ کر شارع فیصل کے آغاز پر واقع کثیر المنزلہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں، میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی حکمتِ عملی پر غور کیا۔ میرا وہ مشن صلح کل کا تھا۔ دھن راج کے ارادے کچھ بھی ہوتے، میری سلامتی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس کے لیے میں کرنل جمال دستی تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک ایسا افسر جو زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے اور مقررہ انعام حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے ساری اہمیت ڈینی کی تھی۔ جمال دستی کو مار کر وہ اس امکان کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

ہوٹل کی بالائی منزل تک گئے ہوئے ڈرائیو وے پر میں نے ٹیکسی چھوڑی اور ہال میں داخل ہو کر انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اردگرد ہوٹل کا نکھرا ہوا تر و تازہ ماحول تھا۔

میں نے ٹھیک گیارہ بجے دھن راج کو فون کیا۔ وہ خوش ہوا کہ میں وقت کا پابند تھا۔

میری ہلکی سی دستک کے جواب میں دروازہ کھل گیا۔ اس وقت مجھے دھن راج کے مسکراتے ہوئے چہرے پر کوئی غصہ نظر نہیں آیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔

پانچویں منزل کا وہ کمرا مختصر سا سوئٹ تھا۔ آگے پانچ نفری نشستوں کی گنجائش کے ساتھ ایک آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کے پیچھے دہری خواب گاہ تھی۔ دھن راج مجھے لے کر خواب گاہ میں بڑھتا چلا گیا۔ وہاں صوفے پر ایک اور شخص براجمان تھا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک سنجیدہ رو شخص تھا جس کی آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ وہ ہلکے کپڑے کے گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی نشست چھوڑ دی۔

"کرنل جمال دستی.... اور یہ میرے دوست میجر بخشی ہیں۔" دھن راج نے تعارف کرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی کے عقبی حصے میں یکایک کوئی دھماکا ہوا ہو۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میجر بخشی سے یوں اچانک ملاقات ہو جائے گی۔

"سر! مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں جو لب و لہجہ اختیار کیا وہ تم کے بجائے آپ کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔

"تم کہاں، کس یونٹ میں ہوتے ہو؟" میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"سر! میں انڈین آرمی میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی...."

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "انڈین آرمی! پھر یہ سر، ور کا تکلف چھوڑو۔ ہم سب برابر کے دوست ہیں۔ بے تکلفی سے بات کرو۔"

"سر! رینک، رینک ہوتا ہے۔ آرمی میں ہمیں بس ڈسپلن ہی تو سکھایا جاتا ہے۔ مجھے تو آج بھی وہ دن یاد ہیں جب میں کیڈٹ آفیسر ہوا کرتا تھا اور ڈرل کے دوران میں جونیر کمیشنڈ آفیسر سر، سر کہہ کر اپنی مغلظات سے میرا سینہ چھلنی کر دیا کرتا تھا۔"

اس کے اخلاق نے مجھے متاثر کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھے پھونک دے کر کسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ لیے بیٹھا ہو۔ بہرحال، اس کی باتیں مخاطب کا دل موہ لینے والی تھیں۔

"اب ہم دونوں وردی اتار چکے ہیں، دھن راج کے دوست ہیں، برابری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں تکلف برداشت نہیں کروں گا۔" بات پوری کر کے میں ہنسنے لگا۔ ان دونوں نے بھی پوری فراخ دلی سے میرا ساتھ دیا اور دیر تک ہنستے رہے۔

"حکم ہے تو میں اس کی تعمیل پر مجبور ہوں۔" میجر بخشی بولا "تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف چائے۔" میں نے ان دونوں کے تپائی پر رکھے ہوئے گلاسوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "میں دن میں الکحل سے پرہیز کرتا ہوں۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔"

"بھارت میں میرا بھی یہی اصول ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں جب اور جہاں مل جائے پی لیتا ہوں۔ تمہارے ملک میں یہ پابندی بڑی عجیب سی ہے۔ مسلمان کا پینا حرام اور جرم ہے مگر لاکھوں پیتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"غیر ملکیوں اور سفارت کاروں کو قانون سے استثنیٰ ملا ہوا ہے۔ ڈیوٹی ادا کیے بغیر جتنی چاہو' منگوا سکتے ہو پھر اپنا اصول کیوں توڑتے ہو؟"

"مفت کی پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بہت کم میزبان دھن کی طرح الکحل پیش کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر الفاظ ہلکے پھلکے قہقہوں میں گھلتے چلے گئے۔

دھن راج نے روم سروس کو فون پر چائے کا آرڈر دیا۔ چائے آنے تک اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں پھر میجر بخشی نے اچانک ہی پہلو بدل کر ایک سنگین موضوع چھیڑ دیا۔

"مجھے دھن سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان کی ایس ٹی ایف میں تم جیسے باضمیر لوگ بھی موجود ہیں جو قانون سے ماورا اقدامات سے نفرت کرتے ہیں۔" وہ تعریفی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں نے اپنی استفسار طلب نگاہیں دھن راج کے چہرے پر مرکوز کر دیں "کیا میجر بخشی بھی ہمارے معاملات میں کسی قسم کا دخل رکھتے ہیں؟"

"بالکل' بالکل!" دھن راج نے جلدی سے کہا "میجر بخشی میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ اوبرائن سے بھی ان کے گہرے ذاتی مراسم ہیں۔"

"کیا میری دخل اندازی تمہیں ناگوار گزری ہے؟" میجر بخشی نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا "میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اسی کی طرح پورے اخلاق کے ساتھ اس کے سوال کی تردید کی "یہ بہت نازک معاملات ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں کسی غیر متعلق آدمی کے سامنے تو نہیں ہوں۔"

میجر بخشی نے سگریٹ سلگائی' گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور آگے جھکتے ہوئے کہا "کرنل! اب اوبرائن اس معاملے سے بالکل باہر ہے۔ پوری ڈیل ہم تینوں کے درمیان ہوگی۔"

"اوبی سے سارے معاملات طے ہو چکے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا "اس نے اس تبدیلی کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ بہت تجربے کار آدمی ہے۔ اسے بھارت سے پاکستانیوں کی عداوت کا خوب اندازہ ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ تم اپنے سے جونیئر' ایک انڈین آرمی آفیسر کا ذکر سن کر بھڑک نہ جاؤ۔ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے تمہیں دھن سے متعارف کرایا اور اب میں سامنے ہوں۔"

"تم یا دھن راج؟" میں نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا "تم میں بڑا کون ہے؟"

"تمہارا رابطہ دھن راج سے رہے گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ شرائط جوں کی توں ہیں۔ بیس لاکھ ڈالر اور گرین کارڈ تمہارے منتظر ہیں۔" وہ متانت سے بولا۔

"میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔" میں نے متفکرانہ انداز میں کہا "ایک اہم ایجنسی میں ذمے دار عہدے پر فائز ہو... اوبرائن کو مجھے تبدیلیوں کے بارے میں بریف کرنا چاہیے تھا۔"

"اس نکتے پر تمہارا اصرار بجا ہے مگر اس کا اندیشہ بھی بے بنیاد نہیں تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ امریکا کے لیے کام کرنے والا بھارت کے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہو۔"

"تو کیا بھارت بھی ڈینی کے سر کا خواہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"امریکا کے لیے۔" اس نے میری تصحیح کی "اوبرائن سے تمہارے معاملے میں ایک سنگین غلطی ہوئی اور اسے تم سے بالکل الگ ہو جانے کا حکم دے دیا گیا۔ تم ڈینی کے خلاف اس کی سب سے بڑی امید ہو۔ وہ تمہیں اتنی آسانی سے فراموش

جاسوسی ڈائجسٹ کا مشہور و مقبول سلسلہ

نئی سوچ نیا رنگ نیا لہجہ نیا آہنگ

اعواقبال کے شہرۂ آفاق اور شہرہ آفاق قلم سے

قیمت فی حصہ: ۵۰ روپے
ڈاک خرچ فی حصہ: ۱۰ روپے

معاشرے کے ان ناسوروں کی روداد' جو گوشت پوست سے گزر کر انسانی ہڈیوں میں اتر رہے تھے۔ ایک کمسن بردہ فروش نوجوان کی کہانی جس کے شب و روز موت کی بستی میں گزر رہے تھے۔ جلتے دن' سلگتی راتیں' آنسو یاس' خوف و ہراس' شیریں خطیب' تلخ حقیقتیں

کتابیات پبلی کیشنز ۞ پوسٹ بکس ۲۳ کراچی۔۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ذاتی سطح پر مجھ سے بات کی اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"اس نے میرے خلاف دفتر خارجہ میں شکایت کرکے میرے ساتھ بہت زیادتی کی۔ بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"شکایت کرکے سب سے بڑی غلطی کی گئی۔ تمہارے دباؤ پر شکایت کی واپسی دوسری بڑی غلطی تھی۔ اس کے اوپر والے اسے ڈینی جیسے دو ٹکے کے آدمی کے لیے قربان نہیں کرسکتے تھے۔ وہ آج نہیں تو کل مارا جائے گا۔ اوبرائن کا کام کوئی دوسرا آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"

"اوبرائن تو کہہ رہا تھا کہ ڈینی کی موت اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔" میں نے انجان بن کر حیرت سے کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اوبرائن کی بتائی ہوئی دوسری باتیں تم بھول رہے ہو۔ ہمالیہ کے جنوب میں ایک عظیم تر ریاست اوبرائن کا بنیادی مشن ہے۔ وہ تم سے مسلسل رابطے میں رہتا تو اس کے ستارے گردش میں آسکتے تھے۔ واشنگٹن والوں نے اسے بچالیا۔ رہا ڈینی تو وہ امریکا جیسی عالمی قوت سے ٹکرا کر کتنے دن پنپ سکے گا؟ وہ ہاتھی کی دُم پر اپنا پورا زور لگاتی ہوئی مکھی سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس کے لیے ہم تینوں موت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اوبرائن کی کہی ہوئی بات سے واقف ہو۔ اب میں تم سے زیادہ مکمل کربات کرسکوں گا۔" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "وہ اپنے مشن کی راہ میں ایس ٹی ایف اور ڈینی کو بڑی رکاوٹیں قرار دے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی سوچ ہے۔ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے منصوبہ ساز ان دونوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ تم ہمارے ساتھ ہو۔ یہ ایس ٹی ایف اور ڈینی کی بربادی کی ابتدا ہے۔"

"اوبرائن مجھے بتا رہا تھا کہ اکیسویں صدی کے اوائل تک وجود میں آنے والی نئی ایشیائی ریاست کا نام پاکستان بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ اس کے تجربے اور مردم شناسی کی بات رہی ہوگی۔ تم اندر سے بہرحال پاکستانی ہو۔ اس نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ وقت ابھی آٹھ دس برس دور ہے۔" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اس کی جگہ تم نے لے لی ہے۔ تم کو معلوم ہوگا کہ ایک نام ریاست ہائے متحدہ ایشیا بھی زیرِ غور ہے۔" میں نے پاکستان اور بھارت کے چکر میں الجھے بغیر اس منصوبے کے مزید خدوخال سے واقف ہونے کی نیت سے ایک عمومی سوال کیا۔

"امریکیوں کے لیے نئی ریاست کا نام غیر اہم ہوگا۔" اس نے اوبرائن کی کہی ہوئی بات دہرائی "نگران کو علاقے کی اکثریت کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا ہوگا۔ بھارت کی آبادی علاقے کے دوسرے تمام ملکوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے لیے بھارت ہی بہتر نام ہوگا۔"

"اور یہ بھی ایک اصول ہے۔" دھن راج نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیا "چھوٹی اکائیاں بڑے وجود میں ضم ہوکر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ دریائے سندھ میں ملنے والے نہ جانے کتنے دریا پہاڑوں اور میدانوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ سب مل کر بھارت یا پھر اکھنڈ بھارت کہلائیں گے۔"

میں دھن راج کی ہرزہ سرائی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ عمر کوٹ کی وسیع و عریض جاگیروں پر پلنے والا وہ امیرزادہ پاکستان میں رہ کر بھی پاکستانی نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر ہندو تعصب کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ وہ کراچی میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ باتیں ظاہر کرنے والی نہیں تھیں۔ میں نے لاتعلقانہ انداز میں کہا "صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ میں نئی ریاست کے نام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوں ریز تصادم کی پیش گوئی ضرور کرسکتا ہوں۔"

"تم جیسے سنجیدہ، بردبار اور غیر جذباتی مسلمان دوسروں کو قائل کریں گے۔" میجر بخشی نے زور دے کر کہا "نام ہر علاقے اور تہذیب کی تاریخی شناخت ہوتا ہے۔ جب پاکستان کا نام و نشان بھی نہیں تھا تو پورے بھارت پر صدیوں مسلمان حکمران رہے۔ آنے والے وقت میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج بنگلہ دیش کی مسلمان آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ نام پر ان کے دعوے کو کون مسترد کرے گا؟"

"مجھے ان باتوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرکے اکتاہٹ سے کہا "اس برے وقت سے بہت پہلے میں امریکی شہری بن چکا ہوں گا۔"

"اسے برا وقت مت کہو۔ ہم دل سے اس مبارک گھڑی کے منتظر ہیں جب یہ چھوٹی چھوٹی، لنگڑی لولی اور مفلوک الحال ریاستیں ایک لڑی بن جائیں گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جن کشمیریوں کے لیے پاکستان اور بھارت نے کروڑوں انسانوں کے پیٹ پر پتھر باندھ کر انہیں بارود کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھیر پر بٹھایا ہوا ہے' وہ علاقے کی کل آبادی کے ایک فیصد سے بھی بہت کم یعنی اس کا ساتواں حصہ ہیں۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ میجر بخشی اپنے دوست اوبرائن کی بولی بول رہا تھا۔ یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ امریکا کا وہ منصوبہ بھارت کی رضامندی سے تیار ہوا تھا۔ اس سازش کا ایندھن بننے والے دوسرے ملک اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے تاریک سایوں سے بے خبر تھے۔

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بخشی کے الفاظ کی تلخی کو پی کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری آج کی ملاقات کامیاب رہی کیونکہ تم غیر مسلح ہو کر یہاں آئے ہو۔ تمہاری نیت صاف نہ ہوتی تو باتوں کی ابتدا اتنی خوش گوار نہ ہوتی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نہتا ہوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دھن راج یہاں آتا ہے تو کمرے میں اپنے بگ لگا دیتا ہے۔ آج کے دور میں خلائی آنکھ سے صحرا میں گری ہوئی سوئی دیکھی جا سکتی ہے تو ہتھیاروں کا پتا چلانا کیا مشکل ہے۔"

"تم نے صحیح کہا تھا۔" میں نے دھن راج سے مخاطب ہو کر کہا "میجر بخشی واقعی بہت دلچسپ اور مجلسی آدمی ہے۔ اس کے سامنے تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔"

"میں رواداری اور احترام سے کام لینے کا عادی ہوں۔" وہ ہنس کر بولا "کام کی باتوں میں غیر ضروری دخل اندازی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔"

"گفتگو ختم ہو گئی ہو تو میں اجازت چاہوں گا۔" میں نے صوفے کے سرے پر سرک کر کہا۔

میجر بخشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم سے براہِ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ممکن ہو گا؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"قونصل خانے کے آپریٹر کے ذریعے مجھ سے دفتر میں بات ہو سکتی ہے مگر میں اس سے اجتناب کا مشورہ دوں گا۔ اوبرائن کی غلطی کی وجہ سے شاید اب بھی تم پر نگاہ رکھی جا رہی ہو۔ میں کسی اسکینڈل میں ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ دونوں دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئے۔ اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی۔

میرے ذہن میں غم و غصے کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ امریکی اور بھارتی حکام اپنی پے در پے ناکامیوں کے باوجود نہایت مستقل مزاجی سے پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ہر بار ان کی کوششوں میں زیادہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف بہت سی سمتوں سے کام کر رہے تھے۔ کچھ پہلو ہمارے ہاتھوں بے نقاب ہو چکے تھے لیکن ان کے لگائے ہوئے بعض پودے بددیانت اور خائن ریاستی ملازمین کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے۔

میں نے منصوبے کی تکمیل کے بارے میں اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا' وہ صحیح نشانے پر لگا تھا۔ میجر بخشی نے آٹھ دس سال کا تعین کر کے یہ بات واضح کر دی تھی کہ بیسویں صدی کے اختتام سے نئی صدی کے آغاز کے درمیان امریکی حکمراں ایشیا میں نئے جغرافیائی نقشے کے نفاذ کے لیے جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔ پاکستان میں ان کا کلیدی مہرہ اوبرائن تھا۔

جہاں ہمارے بہت سے راز دشمنوں سے پوشیدہ تھے' وہاں بعض باتیں کھل بھی چکی تھیں۔ میں ہوٹل سے سیدھا اسٹیشن فور روانہ ہو گیا۔

وہاں.... سلطان شاہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ اس احمق نے رسی تڑا کر بھاگنے کے بعد فون پر بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

جان اور ایڈی نے کھٹمول پر قاتلانہ حملے میں جس عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' وہ اس وقت حیرت ناک محسوس ہوئی تھی لیکن جان نے بتا دیا تھا کہ کھٹمول نے اوبرائن ڈی ہنٹ کا نام لے کر ایک ناقابلِ معافی جرم کیا تھا کیونکہ امریکی پاکستان سے اس کی واپسی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

اوبرائن کو بچانے کے لیے پہلے کھٹمول کے ساتھ چار امریکی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس بار وقت نے یہ بھی دکھا دیا تھا کہ اپنی بچھائی ہوئی بساط پر اوبرائن کو برقرار رکھنے کے لیے امریکیوں نے مجھے ڈینی کی حیثیت میں بھول جانے کا عارضی فیصلہ کر لیا تھا۔

"جب وہ تمہیں تمہارے منہ پر دو ٹکے کا آدمی قرار دے رہے تھے تو تمہیں برا محسوس نہیں ہوا تھا؟" ویرا نے پوری کتھا سن کر مجھے چڑانے کے لیے سوال کیا۔

"اس کے اپنے بیانات میں تضاد ہے۔" غزالہ نے میری حمایت کی "ایک طرف انہیں دو ٹکے کا آدمی کہہ رہا تھا تو دوسری طرف ان کی گرفتاری کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی قرار دے رہا تھا۔ میجر بخشی کا پہلا مطالبہ اب بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہی ہے۔"

"اوبرائن پوری سرکاری حمایت سے کام کررہا تھا۔ میجر بخشی ذاتی سطح پر اس کے لیے میدان میں اترا ہے۔" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ان دونوں کے لیے تم مستند طور پر کرنل جمال دستی کا روپ دھار چکے ہو۔ ہم ڈینی کی طرف سے آسانی سے ان کی گردنیں کاٹ سکتے ہیں۔"

"تمہاری طرف سے آج فراہم کیا جانے والا گلاس ان کو مزید گمراہ کردے گا۔" ویرا نے قہقہہ لگایا۔

"میرے لیے اب افراد زیادہ اہم نہیں رہے۔" میں نے اول خان سے کہا "اصل ضرورت یہ ہے کہ اس علاقے میں تبدیلیوں کے بارے میں ان کا ماسٹر پلان اڑایا جائے اور پھر اسی کے مطابق مرحلے وار توڑ کیا جائے ورنہ یہ سیلاب کسی بھی وقت سب کچھ بہالے جائے گا۔"

"ماسٹر پلان تمہارے سامنے ہے۔ تم گیپ کی صورت میں اس سے زیادہ اہم دستاویز حاصل کرچکے ہو۔ اس سے امریکیوں کا کیا بگڑا؟ چور جب سینہ زوری پر اتر آئے تو کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

گیپ کا نام آتے ہی میرے ذہن میں کچھ تلخیاں تازہ ہوگئیں۔ وہ امریکی صدر کے دستخطوں کے ساتھ تیار کی گئی ایک شرمناک خفیہ دستاویز تھی جسے مسترد کرنے کے لیے امریکیوں نے نہایت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا اور ہمارے لیے وہ قصہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔

"گیپ کو ہم بھول ہی گئے۔" ویرا نے فوری طور پر کہا۔

"سرکاری سطح پر اس کے لیے کیا بنا؟"

"سرکاری طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ غیر سرکاری طور پر پاکستانیوں نے متعلقہ دوست ممالک کو اس معاہدے کی نقلیں فراہم کرنے کے ساتھ اصل بھی دکھادی۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھر کی خیر خبر لینا ان ملکوں کی ذمے داری تھی۔" اول خان نے بتایا۔

"امریکا سے واپسی کے بعد ہم یہاں ایسے الجھے کہ وہاں والوں کو بھول ہی گئے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "وہاں راس المیڈا کی باتوں پر توجہ دی جانے لگی تھی۔ پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔"

"جو وقت گزر گیا، اسے بھول جاؤ۔ آگے کی فکر کرو۔" میں نے چڑ کر کہا "وہاں صرف ایک ہی شخصیت قابلِ احترام ہے جس سے تم نفرت کرنے لگی ہو۔"

غیر متوقع طور پر ویرا ہنس پڑی "جینی نے تمہارا گمراہ کن خاکہ بنوا کر واقعی بڑا کام کر دکھایا تھا۔ میری اور اس کی دوستی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہ باتیں میں نے تمہیں جلانے کے لیے کہی تھیں۔"

غزالہ کے سامنے ویرا سے اس موضوع پر مزید گفتگو خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اول خان کو متوجہ کرکے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی پر کام کرنا ہوگا۔ دونوں میں سے جو آسان نظر آئے، پہلے اسے ٹھکانے لگایا جائے پھر دوسرے پر توجہ دی جائے۔"

"دھن راج کو تم نے معاف کردیا؟" ویرا نے طنزیہ پیرایے میں پوچھا۔

"دھن راج ایک مسکین مجرم ہے۔ اس کی گردن کسی بھی وقت ناپی جاسکتی ہے۔"

"اسے پکڑنے سے دوسرے بڑے مجرم ہوشیار ہوجائیں گے۔" غزالہ بولی۔

اول خان خوش ہوگیا "اسی لیے میں نے اس کا نام نہیں لیا۔ اوبرائن اور بخشی کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں تو دھن راج کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"اسے کسی سنگین جرم میں لمبی مدت کے لیے اندر ہونا چاہیے۔ اچانک موت سے ایسے مجرم ہمیشہ کے لیے مظلوم بن جاتے ہیں اور کسی کو ان کے سنگین جرائم کا علم نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان پر اپنی خواہش کا اظہار کردیا۔

"بڑی زرعی جاگیروں پر ڈھل، عشر، آبیانے اور بجلی کی چوری جیسے جرائم کا عام طور سے ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔" اول خان شہروں کے ساتھ دیہی زندگی سے بھی کسی حد تک واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ایسے ہی کسی جرم میں اسے اندر کرکے بعد میں دوسرے جرائم بھی اگلوا لیے جائیں گے مگر وہ بعد کا کام ہے۔ پہلے اصلی فتنوں کا قلع قمع ہونا چاہیے۔"

اسی گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ آپہنچا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے عجیب سی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ آتے ہی ایک کرسی میں گر گیا۔

"کل سے کسی خیر خبر کے بغیر کہاں مرے ہوئے تھے؟"

اس کی خاموش مسکراہٹ سے چڑ کر ویرا پھٹ پڑی "میں ابھی تمہارے لیے فاتحہ پڑھوانے والی تھی۔"

"تمہاری کالی زبان میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔" وہ فاتحانہ لہجے میں بولا "آج صبح ہی میں نے ایک کالی..... کتیا کا کام تمام کیا ہے۔ زیادہ بولوگی تو تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دوں گا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اسے کالی کتیا سے ملا رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔" ویرا کے برہم ہونے سے پہلے اول خان نے اسے ڈانٹ پلا دی۔

ویرا میں اتنی قوتِ برداشت نہیں تھی کہ اول خان کی طرف داری اس کا دماغ ٹھنڈا کر دیتی۔ وہ غراتی ہوئی سلطان شاہ کے سر پر سوار ہو گئی۔ "کالی کتیا تم کسے کہہ رہے ہو؟"

"بب.... بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔" سلطان شاہ ویرا کے خراب تیور دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

○☆○

وہ اسٹیشن فور سے نکلا تو بہت مایوسی، بددلی اور بے بسی میں مبتلا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے حصار سے نکل کر شہر کی بھیڑ بھاڑ میں گھل مل کر بے عملی کے بڑھتے ہوئے احساس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

منی بس میں سوار ہونے کے بعد اسے رہ رہ کر اوبرائن پر غصہ آتا رہا جس نے مجھے پھانس کر سب کو ایک ذہنی عذاب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ دوسروں کے مشورے کے برعکس وہ کسی طرح اوبرائن کے فلیٹ پر کوئی کارروائی کر کے اسے یوں ہراساں کرے کہ وہ اپنی چوکڑی بھول جائے۔ اس دوران میں وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔

صدر کی بھیڑ بھاڑ میں بھی اس کا دل اچاٹ رہا۔ تنہائی کا احساس اسے کھائے جا رہا تھا۔

جب اسے کسی طرح چین نہیں آیا تو وہ شام کے وقت اپنے دوستوں اور پرانے ڈیرا داروں سے ملاقات کے لیے پٹھان کالونی کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ چھوٹے مکانوں اور تنگ گلیوں پر مشتمل ایک گنجان آبادی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کے دوستوں کو خبر مل گئی کہ وہ ایک طویل وقفے کے بعد وہاں آیا ہوا تھا۔

دوسروں کے ساتھ آنے والوں میں اس کے دو پرانے دوست بھی تھے جو اسے زبردستی اپنے ڈیرے پر لے گئے۔ ان سے بھولی بسری یادوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ تیزی سے پُرسکون ہوتا چلا گیا اور پھر ان کے اصرار پر کھانے کے بعد وہ رات وہیں بسر کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

کسی ہوئی چارپائی پر بچھے ہوئے نرم گدے پر دراز ہونے کے بعد باتوں کا دوسرا دور شروع ہوا تو سلطان شاہ کو پتا چلا کہ وہ دونوں گیس کمپنی میں ملازم تھے۔

وہ بات معلوم ہوتے ہی سلطان شاہ کے ذہن کے کسی گوشے میں سویا ہوا سراغ رساں جاگ اٹھا۔ "تم دونوں تو گیس کمپنی میں ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔"

"میں شکایت دور کرنے والی گاڑی پر ڈرائیور ہوں۔ سید میر میرے ہی ساتھ میکینک ہے۔ ہم دن بھر شہر میں جگہ جگہ جاتے رہتے ہیں۔" گل محمد نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ سوال کیوں یاد آیا تھا؟" سید میر نے سلطان شاہ کو کریدا۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا "بس یار ایک گورے بدمعاش نے زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔"

"ہمیں بتاؤ، ہم سالے کا دماغ درست کر دیں گے۔" سید میر نے اس کی حوصلہ افزائی کی "کمپنی سے ہم ایک دن کی چھٹی کر لیں گے۔"

"مشکل یہ ہے کہ وہ کانفٹن میں ایک بلڈنگ کی آٹھویں منزل پر رہتا ہے۔ چوکیدار اس سے پوچھے بغیر کسی کو اس کے فلیٹ کا رخ نہیں کرنے دے گا۔"

"کسی اور کے بہانے اس کے فلیٹ پر پہنچ جاؤ۔" گل محمد نے برجستہ تجویز پیش کی۔

سلطان شاہ ہنس پڑا "یہی تو مسئلہ ہے۔ جس کا نام لیا جائے گا اس سے پوچھے بغیر اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"بس یار، ٹھیک ہے۔ ہمیں کون روکے گا؟ گیس کمپنی والے ہیں۔ لیک دیکھنے کے لیے پوری بلڈنگ چھان سکتے ہیں۔" سید میر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔

"گورے کا معاملہ ہے۔ بات اوپر تک جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں کو سمجھایا "گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی بدلنی پڑے گی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ نمبر پلیٹ پر کیچڑ مٹی مل دیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو وہاں کیا کرنا ہے۔" سید میر اس معاملے میں زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔

"فلیٹ میں وہ گورا اپنے ایک ملازم اور کتیا کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں افراد کے قتل کی شدید خواہش کو اپنے سینے میں دبا کر کہا "میں آدمیوں سے بعد میں نمٹ لوں گا۔ صبح وہ دونوں کام پر ہوں گے۔ ہم چابی کے سوراخ سے کوئی ایسی گیس اندر چھوڑیں گے کہ کتیا مر جائے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے دماغ ٹھکانے پر آ جائیں گے۔"

"نہیں یار، یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔" گل محمد ڈر گیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ اندر کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ بھولے سے بھی کوئی مر گیا تو ہم تینوں کو پھانسی ہو جائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ادھر جانے سے پہلے ہم فون کرلیں گے۔ کسی نے جواب نہیں دیا تو پتا چل جائے گا کہ میدان صاف ہے۔ جواب ملا تو پروگرام ختم۔"

"نہیں..... یہ کچا کام ہوگا۔ یہاں فون پر غلط نمبر بہت ملتے ہیں۔ ایسا ہوا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔" سید میر نے سوچتے ہوئے اعتراض کیا۔

سلطان شاہ کو اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع مل رہا تھا اس لیے اس کا دماغ بھی تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی "ایسا ہی ہے تو ہم دروازے پر دستک دے لیں گے۔ کسی نے جواب دیا تو کچن میں گیس لائن دیکھ بھال کر لوٹ آئیں گے۔ کوئی نہ ہوا تو کتیا ضرور دروازے کے پیچھے آکر غرائے گی۔ ہم اپنا کام کرلیں گے۔"

وہ حل سید میر اور گل محمد کے لیے قابل قبول تھا۔ دونوں سلطان شاہ کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے۔ پرانی دوستی کے ناتے انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ سلطان شاہ کو اس گورے سے کیا دشمنی تھی۔

وہ دونوں گیس کمپنی کے گلشن اقبال والے مرکز میں کام کرتے تھے۔ سلطان شاہ ان کے ساتھ نو بجے وہاں پہنچ گیا۔

صبح ان تینوں کو ذاتی کام درپیش تھا۔ سید میر نے کلرک سے شکایات کی پرچیاں لیں اور وہ تینوں مرکز سے کمپنی کی ایک پک اپ میں چل پڑے۔

مملک گیسوں کے بارے میں ان تینوں کی معلومات محدود تھیں۔ وہ کسی پر اپنا اصل مدعا ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ امونیا اور ویلڈنگ میں کام آنے والی گیسوں کے سلنڈر بہت بڑے اور وزنی تھے جنہیں لے کر عمارت میں اوپر نیچے گھومنا ممکن نہیں تھا۔ مریضوں کے لیے استعمال ہونے والے ہلکے پھلکے آکسیجن سلنڈر مملک ہونے کے بجائے حیات آفرین ہوتے ہیں۔ آپس کے مشورے سے انہوں نے ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی مائع گیس کا سلنڈر حاصل کرلیا۔ وہ چھوٹا سلنڈر ایک آدمی آسانی سے اٹھا کر کہیں بھی لے جاسکتا تھا۔

یہ بات وہ تینوں جانتے تھے کہ سردیوں میں شعلہ بجھ جانے یا گیس کھلی رہ جانے کے باعث ملک کے سرد شمالی علاقوں میں قدرتی گیس اکثر انسانی اموات کا سبب بنتی رہتی تھی۔ وہ اپنے سلنڈر کو کتیا پر بے خوف و خطر آزما سکتے تھے۔

راستے میں اپنی تھمنی تیاری مکمل کرکے وہ تینوں ساڑھے دس بجے کلفٹن کے علاقے میں اوبی کا فلیٹ تلاش کررہے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ عمارت دیکھی بھالی نہیں تھی۔ اس نے بس میری زبانی عمارت کا نام اور فلیٹ نمبر سنا ہوا تھا۔ اپنے طور پر کافی وقت برباد کرنے کے بعد انہوں نے ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کیا اور گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے مطلوبہ عمارت پر پہنچ گئے۔ ان کی شناخت کے لیے گیس کمپنی کی گاڑی کافی تھی۔ چوکی دار نے انہیں عمارت کے مختلف فلورز پر دیکھ بھال کی اجازت دے دی۔

ان کا براہِ راست آٹھویں منزل پر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ وہ براہِ راست بارھویں منزل پر پہنچے اور چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد لفٹ سے دسویں منزل پر آگئے۔ دو منزلیں زینوں سے طے کرنے کے بعد وہ آٹھویں منزل کی ویران راہ داری میں اتر گئے۔

میدان صاف پاکر سید میر نے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی مقفل دروازے کے پیچھے اوبرائن کی پالتو کتیا کی غراہٹ سنائی دینے لگی۔ سلطان شاہ نے مزید اطمینان کے لیے ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی کی مختصر سی مترنم آواز گونج کر رہ گئی۔

گل محمد مائع گیس کا سلنڈر زمین پر رکھے پوری طرح تیار تھا۔ صبر آزما انتظار کے طویل لمحات گزرتے رہے۔ سلطان شاہ بے چین ہورہا تھا مگر اسے سید میر کے مطمئن ہونے کا انتظار تھا۔

اندر سے کتیا کی دبی دبی اور مہذب غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اپنے آقا کے بند دروازے کے باہر ان کی موجودگی کا احساس کرکے وہ پوری فرض شناسی کے ساتھ وہیں جمی ہوئی تھی۔ اندر سے اس کے سوا ہر جواب مفقود تھا۔ سید میر نے سر کی جنبش سے گل محمد کو اشارہ کرکے ربر کی نلکی چابی کے سوراخ سے لگا دی۔

شوں کی ہلکی سی ابتدائی آواز کے ساتھ مائع گیس بہت تیزی سے اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے لگی۔ کتیا کی ہلکی آوازیں اس کے حلق میں پھنسنے لگیں۔ دہلیز پر خطرہ سونگھ کر کتیا نے اپنے پنجوں سے چوبی دروازے کو کھرچنا شروع کردیا تھا۔

اونچے قد کی وہ کتیا دروازے کے سامنے جمی ہوئی تھی اس وجہ سے کی ہول کے ذریعے تیزی سے اندر بھرنے والی گیس اس کے پھیپھڑوں میں بھرتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں کتیا کی آوازیں کمزور پڑتے پڑتے معدوم ہوگئیں۔ وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ جان کنی کے عالم میں بھی اونچی آواز میں نہیں بھونکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تینوں مزید کچھ دیر وہاں رکے رہے لیکن سلنڈر کی گیس ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گل محمد نے گیس بند کی اور وہ تینوں سرعت سے زینوں کی طرف ہولیے۔

ساتویں منزل سے وہ دوبارہ لفٹ میں سوار ہوئے اور گیس کمپنی کی وین میں سوار ہو کر وہاں سے رفوچکر ہوگئے۔

ان تینوں نے مکمل رازداری کے ساتھ ایک اہم کام سرانجام دیا تھا۔ وہ دوپہر تک گاڑی میں ایک ساتھ گھومتے اور اپنے سنسنی خیز تجربے پر تبصرے کرتے رہے۔ سلطان شاہ نے انہیں دوپہر کا کھانا ان کی پسند کے ہوٹل میں کھلایا اور پھر وہیں ان سے رخصت ہو کر اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ ہم لوگوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کرسکے۔

○☆○

سلطان شاہ نے اپنی روداد ختم کی تو میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دیے بغیر اسے والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لگالیا۔ اس نے بدترین ذہنی اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیا تھا۔

"ایک بے زبان کتیا کو گیس کے ذریعے سسکا سسکا کر مارنا باعثِ شرم ہے۔" ویرا نے کھل کر اس کی مذمت کی "پتا نہیں ڈینی کیوں تمہارا دماغ خراب کررہا ہے۔"

"تمہیں اوبرائن کی کتیا سے ہمدردی ہے' ان انسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں جو اوبرائن کی سازشوں کا ایندھن بن رہے ہیں!" سلطان شاہ نے کسی ندامت کے بغیر ڈٹ کر کہا۔

"اس حرکت سے تم نے کیا مقصد حاصل کیا ہے؟ اگر اوبرائن گھر پر موجود ہوتا تو تم پر کوئی برا وقت بھی آسکتا تھا۔ ایسی جذباتی حماقتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"میں اسے کوئی نقصان پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی عزیز کتیا کی موت پر مجھے دلی خوشی ہے۔ وہ تمہاری عزیزہ تھی تو میں تم سے معذرت کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔"

میرے رویے سے سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

غزالہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر مشکل سے قابو پایا مگر وہ ان دونوں کے درمیان مخل نہیں ہوئی۔ اول خان بھی مزے لے رہا تھا۔ مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑگئی "یہ واقعہ اوبرائن کے لیے ایک معنی خیز پیغام ہے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ کتیا کی لاش اسے حواس باختہ کردے گی۔ اس واقعے کو الگ کرکے نہیں' واقعات کے تسلسل میں دیکھو۔"

"سلطان شاہ کل سے بھاگا ہوا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی واقعات کی ہوا نہیں لگی۔ اس نے جو کچھ کیا' اسے مجنونانہ حرکت ہی کہا جاسکتا ہے۔"

"میرے لیے یہ بات اور بھی حیران کن ہے۔ سلطان شاہ کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں تھا' اسے بعد کی تبدیلیوں کا علم نہیں تھا پھر بھی اس نے ہماری مدد کی ہے۔"

"پھر اسے یہی کام سونپ دو کہ یہ شہر بھر میں لوگوں کے پالتو کتوں کو مارتا پھرے۔" سلطان شاہ کے لیے میری طرف داری پر ویرا برہم ہوگئی۔

"شہر کے کتوں اور اوبرائن کی کتیا میں بہت فرق ہے۔" اول خان بولا۔

"ہاں۔ کیوں کہ وہ میری عزیزہ تھی!" ویرا کی ذہنی روبری طرح بھکی ہوئی تھی۔ اس بار ہم میں سے کوئی بھی اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں پاسکا۔ سلطان شاہ سنجیدہ تھا۔

"دل کھول کر مجھ پر ہنس لو۔" ویرا میرے اوپر غرائی "پھر مجھے بتاؤ کہ سلطان شاہ کی احمقانہ مہم جوئی سے ہمیں کیا حاصل ہوا ہے۔ پھر شاید میں بھی تمہاری طرح ہنس سکوں.... تم دونوں سر پھرے یا نیم پاگل ہو۔ بلاوجہ خطروں کو للکارتے رہتے ہو۔"

میں نے ویرا کی برہمی کا رمز پالیا اور اپنے مؤقف میں ذرا سی تبدیلی لاتے ہوئے کہا "میں یہ مانتا ہوں کہ سلطان شاہ نے دیدہ و دانستہ ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی حرکت ہمارے لیے غیبی انعام بن گئی۔"

بدنصیب

ایک چھوٹے سے علاقے میں چند دوستوں نے پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنے کی خاطر شہر سے بہت دور تفریح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن پہلے دوست نے دوسرے دوست کو فون کیا اور کہا "کہو بھئی' رات ٹھیک طرح سے گھر پہنچ گئے تھے؟"

دوسرے دوست نے سست لہجے میں کہا "نہیں یار' ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ اسٹیشن پر مجھے ایک بینچ پر سردی میں بیٹھے بیٹھے اونگھنا پڑا۔"

یہ سن کر پہلے دوست نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا "خوش نصیب ہو دوست' میں پہلی ہی ٹرین سے گھر پہنچ گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلطان شاہ کے لیے چند تنقیدی الفاظ سنتے ہی ویرا کے تیوروں میں ذرا سی نرمی آئی اور اس نے کہا "بولتے رہو' میں تمہاری بات دھیان سے سن رہی ہوں۔"

"بخشی نے اوبرائن کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے' اسے ذہن میں تازہ کرو تو وہ اس وقت خائف ہوگا۔ گھر پہنچنے پر کتیا کی لاش اسے دہشت زدہ کردے گی۔ اس کے فلیٹ میں حفاظتی الارم وغیرہ بھی موجود ہوگا۔ اس بندوبست میں خلل ڈالے بغیر کوئی کتیا کو قتل کرسکتا ہے تو اسے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ آج کی رات اپنے گھر میں گزارے۔"

"اس طرح تمہاری پوزیشن مخدوش ہوگی۔" ویرا سوچتے ہوئے بولی "واشنگٹن والوں نے اوبی کو تم سے دور ہوجانے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے تمہیں دھن راج کے ذریعے میجر بخشی کے حوالے کردیا۔ یہ قتل تم سے یعنی کرنل جمال دستی سے منسوب ہوجائے گا۔"

"کیسے....؟" میں نے سوال کیا "جس وقت کتیا ماری گئی' میں بخشی اور دھن راج کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دوسرا اتفاق میری پوزیشن صاف کردے گا۔"

"میں جانتی ہوں کہ کتیا کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔ اس کی موت کے سبب اور وقت کا تعین کیا جائے گا۔ مگر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فوری شبہ تم پر کیا جائے گا۔ تم خود ان دونوں کے ساتھ تھے۔ تمہارے کسی آدمی نے کتیا کو مار ڈالا۔"

"ان کے لیے جمال دستی ایس ٹی ایف کا تنہا باغی ہے جس پر اس کے ساتھی اعتماد نہیں کررہے۔ وہ ایسا قابلِ اعتماد ساتھی کہاں سے لائے گا؟"

"تمہاری ہر بات مفروضوں پر مبنی ہے۔ ان سب کو درست مان لیا جائے تب بھی وہ ہوشیار ہوجائے گا اور فلیٹ سے کسی محفوظ تر مقام پر منتقل ہوجائے گا۔" ویرا اس وقت میری کہی ہوئی ہر بات پر ناقدانہ تبصرے کرنے کے موڈ میں تھی۔

"یوں تو وہ پاتال میں بھی چھپ سکتا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہر آدمی میں دباؤ برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ جان کے خوف سے کب تک یہاں چھپ کر سسکتا رہے گا؟ اس کی ساری کارکردگی تباہ ہوجائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ یہاں سے بستر بوریا سمیٹ لے گا؟"

"اگر حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اگلے چند روز میں اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کل کسی وقت ایک دھمکی آمیز گمنام فون کال اس کے قدم بالکل اکھاڑ دے گی۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"اس وقت پاکستان میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا کا سب سے بڑا علم بردار وہی ہے۔ وہ چلا گیا تو یہ منصوبہ التوا کا شکار ہوجائے گا۔" غصے کے بھنور سے نکل جانے کے بعد بات دھیرے دھیرے ویرا کی سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

"اس وقت ہم صرف یہی کرسکتے ہیں۔ ورنہ امریکا کو اس کی من مانی سے روکنا آج کی دنیا میں ناممکن ہوکر رہ گیا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ میں محض ان اتفاقات کی بنا پر سلطان شاہ کی حمایتوں پر اپنا سر دھننا شروع کردوں۔" آخر کار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہرگز نہیں۔ تعریف کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ بس اس کا بے رحمانہ مذاق مت اڑاؤ۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر ہلائے ہیں تو اتفاقات ہمارے کام آئے ہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی اپچ نہ ہوتی اور شیری نہ ماری جاتی تو ہمیں کوئی فیض حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔"

"شیری!" ویرا نے حیرت سے وہ نام دہرایا "تمہیں اوبی کی کتیا کا نام بھی یاد ہے۔"

"دشمن کے ساتھ اس کے قریبی لواحقین پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔"

"واقعی تم نے اچھا کام کیا ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر توصیفی لہجے میں کہا "دراصل تم کسی سورما کی طرح فاتحانہ انداز میں یوں سینہ تان کر آئے تھے کہ مجھے خوامخواہ تم پر غصہ آگیا تھا۔ میں کھلے دل سے تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

ویرا کے اس فراخ دلانہ رویّے پر ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

ویرا کی وہ شرافت سلطان شاہ سے ہضم نہیں ہوسکی۔ وہ منہ بنا کر بولا "اس وقت تمہاری رگ اتری ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی غلطی مان لی۔ تھوڑی دیر بعد تم پھر اپنی پرانی حرکتوں پر اتر آؤ گی۔"

"بات یہیں ختم کردو۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ تم دونوں آپس میں بار بار غلطیاں کرتے اور پھر ایک دوسرے کو مناتے رہو۔ اسی میں زندگی کا مزہ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔" ویرا تنک کر بولی "میں تمہارا کنایہ اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔"

اول خان مسکرا کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شیری کے خلاف یہ کھٹ راگ پھیلاتے ہوئے تمہیں اندازہ تھا کہ تم کتنا بڑا کام کرنے جا رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا "یہ ساری باریکیاں تو میں اب سن رہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کل میرے جانے کے بعد کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ویسے یہ بخشی اور دھن راج کون ہیں؟"

"کرنل جمال دستی کے دو نئے باس!" اول خان کے بولنے سے پہلے میں نے جواب دے ڈالا۔

"دونوں ہی اپنے نام سے بھارتی بلکہ ہندو معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ایک پاکستانی ہندو ہے اور دوسرا بھارتی قونصل خانے کا ریکارڈ آفیسر۔" دونوں کے اس تعارف کے بعد میں نے اسے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

ویرا اور غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور اٹھ کر ہمارے کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے لیے سنی سنائی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"مجھے ہاتھ پیر ہلائے کافی دن ہو رہے ہیں۔ کہو تو ہوٹل ہی میں دھن راج کا کام تمام کردوں۔" اس نے پوری کہانی سمجھنے کے بعد تلخی سے کہا۔

"اب تم ہمارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا "ہمیں پالیسی بدلنی ہوگی۔ غداروں کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کے بجائے بے نقاب کیا جائے اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"جن مجرموں کے خلاف کوئی گواہ میسر ہو نہ شہادتیں، ان کا کیا کرو گے؟" وہ ہمارے کام کی بعض ناگزیر مجبوریوں سے پوری طرح واقف تھا۔

"جہاں سب راستے بند ہوں وہاں خون بہانا پڑے گا۔ دھن راج کا کیس ایسا نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے پورے خاندان کی روسیاہی کا سبب بن جائے گا۔"

"میجر بخشی کے خلاف تم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے قدرے مسرت سے کہا "اسے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے ملک بدر کراؤ گے تو بھارت سے تمہارے دو سفارت کار اسی اعزاز کے ساتھ نکال دیے جائیں گے۔ اسے تو یہیں گھیرنا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں دیکھنا ہوگا۔ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

سلطان شاہ خاموش ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ معاملہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہوچکا تھا۔

میں رات گئے تک اول خان کے عملے کی طرف سے کسی ہیجان انگیز خبر کا منتظر رہا لیکن وہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اول خان حیران تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے شیری کے پراسرار قتل کے بارے میں کوئی ہنگامہ آرائی کی تھی نہ علاقے کے تھانے سے رجوع کیا تھا۔

ایک اہم سفارتی نمائندے کی محفوظ قیام گاہ میں دن دہاڑے اس کی پالتو کتیا کا قتل معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جوں ہی شیری کی لاش دریافت ہوگی، شہر کی انتظامیہ پر کڑا وقت پڑ جائے گا۔ اوبرائن نہ صرف لاقانونیت اور غنڈا گردی پر واویلا مچائے گا بلکہ اپنی کتیا کے ماہرانہ پوسٹ مارٹم پر بھی اصرار کرے گا۔

یہ ناممکن تھا کہ اس روز اوبرائن یا بلیکی نے پلٹ کر فلیٹ کی خبر ہی نہ لی ہو اور یوں شیری کی لاش بے یار و مددگار پڑی رہی ہو۔ ان کی طرف سے مکمل خاموشی کا مطلب تھا کہ اس واقعے کے محرکات اور نتائج پر غور و خوض کیا جا رہا تھا۔

اگلی صبح کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کچھ نہ چھپا تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی۔ وہ میرا فطری ردِ عمل تھا۔ اس لمحے مجھے خیال آیا کہ اپنی خاموشی کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے نامعلوم حریف کو اسی ذہنی صدمے سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ انہیں یہ نفسیاتی حربہ بھی مطلوب رہا ہو مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔ شیری کے قتل سے وہ لوگ بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئے ہیں۔"

"خوف زدہ ہونے کی صورت میں انہیں شور مچانا چاہیے تھا۔ وہ خاموش کیوں ہیں؟"

"پاکستان میں جانی نقصان کے حوالے سے ان کی خاصی جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ وہ کسی بھی معاملے میں اپنا دامن آلودہ ہونے سے نہیں بچا سکے۔ اس واقعے کی تشہیر ان کی مزید رسوائی کا سبب بنے گی کہ وہ اپنے پالتوکتوں کی حفاظت تک نہیں کرسکتے۔"

وہ واقعی اعتماد کو مجروح کرنے والی بات تھی۔ شاید اول خان صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

میں نے اندازہ لگا لینے کے باوجود اوبرائن کے فلیٹ کا نمبر ملایا۔ تین گھنٹیاں بجتے ہی اس کے فون سے منسلک خودکار جوابی مشین چل پڑی۔ اوبرائن کی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیغام کے بعد جوں ہی میرا پیغام ریکارڈ کرنے کے لیے مشین چلی، سی ایس ڈی کے ذریعے لائن کٹ گئی۔ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ دہشت زدہ ہوگیا ہے۔ اسے اپنے سائے سے بھی خوف آرہا ہوگا۔" اول خان نے میری کال کے نتیجے سے واقف ہونے کے بعد کہا۔

"ہماری توقع سے کہیں پہلے اس کے قدم اکھڑ گئے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایشیا کا نیا نقشہ بنانے کا دعوے دار اتنی آسانی سے پسپا نہیں ہوگا۔"

"اس وقت تم نے غیر ارادی طور پر اپنی سگریٹ خود جلائی ہے۔ تمہارے بائیں بازو کی حرکت بڑی حد تک معمول کے مطابق تھی۔" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے میرے زخم کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

"زخم کتنا ہی گہرا ہو، وقت کے ساتھ آخر کار بھر ہی جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پُرامید رہنا بہت اچھی عادت ہے مگر تمہاری یہ توقع درست نہیں کہ اپنی کتیا کی موت سے خوف زدہ ہو کر اوبرائن پسپا ہوگیا ہے۔"

"گھر چھوڑ کر بھاگ جانا بہرحال کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اگل کر کہا۔

"اسے تم روپوشی بھی کہہ سکتے ہو بلکہ یہ کہنا بھی قبل از وقت ہوگا۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رات اپنے فلیٹ میں گزار کر وہ مقررہ وقت پر اپنے دفتر چلا گیا ہو۔ دفتری اوقات کے بعد فون کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔"

میں خفت آمیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اپنی خوش فہمیوں میں مستغرق ہو کر میں نے وقت پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "اس کے دفتر فون کروں؟"

"اس نے تمہیں رابطہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"وہ ممانعت جمال دستی کے لیے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ایک گمنام دشمن کی طرف سے دھمکی آمیز پیغام ضرور پہنچا دیا جائے۔"

"وہ سوچے گا کہ گمنام دشمن کو اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر کیسے مل گیا۔"

"جو شخص اس کی کتیا تک پہنچ سکتا ہے اس کے لیے ایک فون نمبر حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ معمولی سی بات اس کے ذہن میں ہونی چاہیے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ پھر بھی فون تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟"

"میں خطروں کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتا۔" وہ زندہ دلی سے بولا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اس کی آواز نہیں پہچان سکوں گا۔"

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" اول خان کی بات مناسب تھی۔

"بس مجھے آواز بدلنی پڑے گی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ ایک حساس پوزیشن پر کام کر رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری دھمکی ریکارڈ کرنے کی کوشش کرے اور سی ایس ڈی کے ذریعے لائن بند ہو جائے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سی ایس ڈی ایسی ڈیوائس تھی جو اوبرائن کو بھی میسر نہیں تھی۔ یہ بات اس کے علم اور تجربے میں تھی کہ ایس ٹی ایف کا کرنل جمال دستی سی ایس ڈی سے مزین فون استعمال کرتا ہے۔ ریکارڈنگ پر فون کٹتے ہی اس کا ذہن میری طرف مبذول ہو سکتا تھا۔

اس وقت تک فون پر خصوصی بندوبست کے تحت آبزرویشن لگوائے بغیر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ کسی کو کس نمبر سے فون کیا جا رہا ہے۔ آواز بدل لینے کے بعد میں اوبرائن کی شناخت کے خطرے سے بھی بچ سکتا تھا۔ میں نے اول خان کے مشورے سے سی ایس ڈی کو بند کر دیا۔

ہر اعتبار سے وہ ایک اہم فون کال تھی۔ میں نے اوبرائن کا نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی پر اس کی ہیلو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"میرا خیال تھا کہ تم ایک بڑے افسر ہو اور دیر سے دفتر جاتے ہو گے مگر تم کسی معمولی کلرک کی طرح شاید بروقت اپنے دفتر پہنچنے پر مجبور ہو۔" میں نے حلق کے بل، بھاری اور چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارا فلیٹ آج پھر ویران پڑا ہوا ہے۔"

"ایڈیٹ.... ! تم کون ہو اور کیا بکواس کر رہے ہو؟" اس کی غراہٹ ابھری۔

"میں تمہاری شیری کا خیر خواہ ہوں۔ کل تم اپنے گھر سے کلرکوں کی طرح بروقت نہ نکل گئے ہوئے تو آج شیری کے ساتھ تمہاری بھی تدفین ہو رہی ہوتی۔ آج تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

اس بار مجھے درمیان میں ہی ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔ غالباً اوبرائن نے میری گفتگو ریکارڈ کرنی شروع کر دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ مجھے اس تبدیلی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"تم آؤ۔ تمہاری ہڈیاں سرمہ بنا دی جائیں گی۔" اس کی آواز میں ہیجان اور غصے کی ملی جلی کیفیت عود کر آئی تھی "مجھ سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"

"ہوشیار رہنا۔ میں نے تمہاری دعوت قبول کرلی ہے۔ آج، کل.... یا پھر کسی بھی وقت اور کہیں بھی تم سے فیصلہ کن ملاقات ہوگی۔"

"سؤر کے بچے.... تم لہجہ بدل کر لاکھ کوشش کرلو لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم امریکی نہیں ہو۔ کوئی مقامی کتے ہو۔ میں تمہاری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے اُڑا دوں گا۔"

"تمہاری شیری مقامی کتوں کے لیے ترستی ہوئی مرگئی۔ اب وہی کتے تمہیں بھنبھوڑیں گے۔" اپنی بات مکمل کرکے میں نے فون بند کردیا۔

اول خان نے ہلکی سی تالی بجائی "ویل ڈن.... آواز ہی نہیں، تم نے لب ولہجہ تک بدل لیا تھا۔ بالکل امریکی انداز میں انگریزی بول رہے تھے۔"

"غیر ملکی لب ولہجہ اپنانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آخر میں وہ شرطیہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں امریکی نہیں ہوں۔ اسے دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اب وہ میری ریکارڈ کی ہوئی آواز سن رہا ہوگا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ سی ایس ڈی آف تھی۔ اب وہ بھول کر بھی تم پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس پر اپنے ترکش کا ایک تیر اور چلا دیا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان سے کب بھاگتا ہے۔ وہ زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس کے نام کی جوتی الٹ دو اور اسے بھول جاؤ۔ وہ اپنے بال نوچ نوچ کر خود ہی پاگل ہوتا رہے گا۔"

"ویسے تو دھن راج کی بھی نگرانی ہورہی ہے مگر میری زیادہ توجہ اب میجر بخشی پر ہے۔ پتا نہیں بھارتی خفیہ ایجنسیوں والوں سے مجھے کیا عناد ہے کہ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا خون ابلنے لگتا ہے۔"

"تمہارا خون اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتا ہے۔ بھارتی ہی ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "اوبرائن کے ایشین پلان کے بارے میں جان لینے کے بعد بھی تم اپنی اس رائے پر قائم ہو!"

"یقیناً!" میں نے پورے اعتماد سے کہا "امریکی خدائی فوج دار بن کر اوپر سے اپنے عزائم مسلط نہیں کرسکتے۔ انہیں ہر جگہ کسی نہ کسی مضبوط حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بار بھارتی ان کے حامی ہیں۔ چین کے خلاف اس علاقے کی اکلوتی فوجی اور اقتصادی قوت بننا بھارتی حکمرانوں کا دیرینہ خواب ہے۔"

"بھارتی حمایت کے بغیر وہ اپنا پروگرام واقعی آگے نہیں بڑھا سکتے۔" وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "پھر تم نے میجر بخشی سے تو بہت کھل کر بات کی ہے۔"

"پروپیگنڈے اور ذہنوں کو مسموم کرنے کے لیے بھارتیوں کا ہوم ورک مکمل ہے۔ ہندوستان پر مسلم اقلیت کی طویل حکمرانی کا حوالہ ایک عام آدمی کو متاثر کرنے کے لیے بہت متاثر کن ہے۔" میں نے کہا۔

میرا وہ دن مسلسل سوچ بچار میں گزر گیا۔ دشمنوں کے چہرے ہمارے سامنے تھے۔ میں ان کے بارے میں ایک ڈھیلی ڈھالی رائے قائم کرچکا تھا مگر کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔

اوبرائن اور میجر بخشی پاکستانی قوانین کی رسائی سے بالکل باہر تھے۔ اپنی حکومتوں کے لیے وہ قابلِ قدر ہیرو تھے جو ایک سفاک دشمن کے سینے پر مونگ دلنے میں مصروف تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اوبرائن جیسے موذی کو پاکستان سے زندہ نکل جانے کا موقع دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ نتائج سے بے پروا ہوکر پوری بے خوفی سے اس کا سر کچل دینا چاہیے تھا۔ اس اقدام کے نتائج و عواقب کو بھگتنا ان افسروں کا کام تھا جو بڑی بڑی تنخواہیں لے کر اسلام آباد میں عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔

بیورو کریسی کے ان کل پرزوں نے کھٹمل، چوہدری سلام اور پھر اوبرائن کے معاملے میں مجھے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ اس کا جواب یہی ہوسکتا تھا کہ انہیں بھی کسی امتحان سے دوچار کردیا جائے۔

جب تک اوبرائن کی تقدیر کے بارے میں فیصلے کے نتائج کی ذمے داری میرے اور اول خان کے سر تھی، میرا رویہ محتاط اور قدرے مدافعانہ تھا۔ اول خان کے پاس کو اوپر سے گرین سگنل مل جانے کے بعد اس پر نظرِ ثانی ضروری ہوگئی تھی۔

اس وقت تک کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے دشمن پاکستانیوں کے بارے میں خوف زدگی کی حد تک احتیاط کررہے تھے۔ اول خان کے آدمیوں کی کوششیں جاری تھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر مجھے ان کی کسی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اوبرائن اور میجر بخشی کی نظروں میں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے میں اعتماد کے لائق تھا لیکن وہ دونوں ہی مجھ سے براہِ راست رابطے سے گریز کر رہے تھے۔

لے دے کر ایک دھن راج تھا جس سے میں بات کر سکتا تھا۔ اس کا نام ہماری فہرست کے آخری سرے پر تھا۔ کرنل جمال دستی کے روپ میں اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ میں اوبرائن اور میجر بخشی کی ہدایت پر سختی سے عمل پیرا رہوں۔ دوسری صورت میں یہ اعتبار مجروح ہو سکتا تھا۔

دھن راج ایک رنگین مزاج امیرزادہ تھا۔ اس سے گفتگو میں محتاط رہ کر میں اس بند گلی سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ تلاش کر سکتا تھا۔

شام کو میں نے اسے فون کیا۔ ڈائرکٹ نمبر پر گھنٹی بجتی رہی لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ کا نمبر ملا کر آپریٹر سے دھن راج کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے مشینی تیزی کے ساتھ کچھ کہہ کر لائن کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش کی اور سی ایس ڈی نے لائن کاٹ دی۔

میں نے دوسری مرتبہ موبائل فون پر وہی نمبر ملایا۔ کال آپریٹر نے استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کر دی۔ وہاں سے پتا چلا کہ دھن راج ہوٹل میں ہی مقیم تھا مگر باہر گیا ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد میں نے سات بجے دوبارہ اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر ہی دھن راج نے ریسیور اٹھا لیا۔

"کہاں غائب تھے؟" میں تین مرتبہ رنگ کر چکا ہوں۔" میں نے شکوہ کیا۔

"اوہ.... کرنل!" میری آواز سن کر وہ خوشی سے تقریباً چیخ پڑا "اس وقت میں کچھ اور مانگتا تو مجھے مل جاتا۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایمرجنسی کے لیے مجھے کوئی نمبر دے دو۔ میں پریشان تھا کہ تم سے کہاں رابطہ کروں۔" وہ خوشامدانہ آواز میں... گڑگڑایا۔

"میری یہ مجبوری ہر ایک علم میں ہے۔ یہ دیکھ لو کہ تم نے سچے دل سے مجھے یاد کیا اور میں نے تمہیں خود ہی فون کر لیا۔"

"اچھا، یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں کیا خیر خبر ہے۔" وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔

"میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے جھوٹ بولا حالانکہ میں اس دوران میں کئی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھتا رہا تھا۔

"تلاش کرو.... سراغ لگاؤ کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اب وہ اوبی کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ وہ بے چارہ سخت ذہنی عذاب سے گزر رہا ہے۔"

"یہ میری بنیادی خواہش ہے۔ تم سب سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔" میں نے جان بوجھ کر اوبی کی تکلیف اور ذہنی عذاب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

"اس کے حوصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ کل صبح اس نے اوبی کے گھر پر دھاوا بولا تھا۔"

"اوہ!" پتا نہیں میرے دہانے سے کیوں وہ بے ساختہ تحیر زدہ آواز نکل گئی "آج کے اخباروں میں تو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔"

"اس بات کو دبا لیا گیا ہے۔ اوبی اپنے دشمن سے خود ہی نمٹنا چاہ رہا ہے۔"

"تصادم کی کسی خبر کو کیسے دبایا یا چھپایا جا سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "وہ فلیٹ میں رہتا ہے۔ وہاں تو ذرا سی چیخ بھی پڑوسیوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔"

"اوبی گھر پر نہیں تھا۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں سب محفوظ تھیں۔ ڈینی نے کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کی جیتی کتیا کو مار ڈالا۔"

دھن راج نے اپنے ہیجان کے باعث اس سادہ سے واقعے کو ایک پُراسرار آسیبی واردات کے روپ میں پیش کیا تھا۔ میں نے پوچھا "یہ کیسے پتا چلا کہ بند دروازوں سے گزرنے والا آسیب ڈینی کا تھا۔"

"اوبی کو پورا یقین ہے کہ پورے شہر میں ڈینی کے سوا کوئی اور اسے نمیلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حرکت اسی ذلیل کی ہے۔"

اپنے لیے اس کے منہ سے نکلی ہوئی گالی کو میں پی گیا "میں نے بلیکی کو ڈینی کے فنگر پرنٹس دے دیے تھے۔ اسے فلیٹ میں ان فنگر پرنٹس کی موجودگی کے بغیر اتنا پُریقین نہیں ہونا چاہیے۔ کتیا کی گردن پر، دروازے کے دستے پر، کہیں نہ کہیں اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملیں گے۔"

"میں بتا رہا ہوں کسی کھڑکی یا دروازے کو نہیں چھیڑا گیا۔" اس نے زور دے کر کہا "شاید کسی سوراخ سے کوئی زہریلی گیس اندر چھوڑی گئی تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس وقت اوبی یا بلیکی میں سے کوئی اندر نہیں تھا؟"
میں نے اپنی حسرت کو حیرت میں تبدیل کردیا۔
"وہ دونوں دفتر میں تھے۔ انہیں حیرت ہے کہ بلڈنگ میں چوکی داری کے بہترین نظام کے باوجود وہ اوپر کیسے پہنچا۔ میجر کا خیال ہے کہ وہ دونوں اب اس فلیٹ میں نہیں رہیں گے۔ کل کتیا ماری گئی۔ کسی وقت ڈینی ان دونوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"
"دیکھو، دھن راج! یہ میری اور تمہاری بات ہے۔ ڈینی کے پاس جادو کی کوئی چھڑی نہیں ہے۔ وہ ہم جیسا ایک عام آدمی ہے۔ اوبی نے بلاوجہ ہی اسے ہوا بنایا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حرکت اس کے کسی اور دشمن نے کی ہو۔ سب کو بھول کر ڈینی کو گالیاں دینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔"
"ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" دھن راج سنبھل گیا "مگر اوبی میرے رابطے میں نہیں ہے۔ میں تمہارا یہ پیغام میجر تک پہنچادوں گا۔ وہ خود بھی بہت پریشان ہے۔"
"اسے کیا پریشانی لاحق ہے؟" میں نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔
"اوبی اس کا دوست ہے۔ پھر ڈینی تو ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے۔ جب تک اسے چھوٹ ملی ہوئی ہے، ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ پتا نہیں کب وہ تمہارے سر پر پہنچ جائے۔ ایک نادیدہ دشمن کے خوف کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔"
"بس یہی ایک بات ڈینی کے حق میں جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کے چہرے پہچانتا ہے جب کہ ان کے لیے وہ صرف ایک نام ہے یا پھر امریکیوں کا بنایا ہوا ایک خاکہ۔"
"یہ بتاؤ کہ تمہارے فون پر وہ اینٹی بگ ڈیوائس کام کررہی ہے نا!" بات کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"میں اس کے بغیر تم سے بات ہی نہیں کرتا۔ تمہیں وہ کیوں یاد آگئی؟"
"اتنی کھلی کھلی باتیں کسی غیر کے کانوں میں پڑجائیں تو ہم مشکل میں پڑسکتے ہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ میجر نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ تمہیں اوبی کے نئے مسائل سے جلد از جلد آگاہ کردوں۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو دور دور سے ڈینی کو دیکھنے کے بجائے اسے گولی مار کر فرار ہوتا اور سیدھا امریکی قونصل خانے میں پناہ لے لیتا۔ وہ خود ہی مجھے حفاظت سے باہر پہنچادیتے۔"

سب رنگ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقابلا

مکمل دو حصوں میں

تاریک بر اعظم کے پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کانے جادو اور عقل کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور اُن کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابلِ یقین سرگزشت —— ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی —— جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا —— شگون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اُچھالا جاتا تھا عجیب و اخلاقت اور خوفناک ذیقعدوں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا —— نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کیجاتی تھی

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حُسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا —— خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اُٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا ——

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ -/۵۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ○ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم مجھے ایسا کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اپنے معاملات کو تم خود بہتر سمجھتے ہو۔ یہ میری خواہش ضرور ہے۔"

"اسے بس خواہش ہی رہنے دو۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک وار میں وہ مرے یا نہ مرے، اس پر وار کرنے والا ضرور مار دیا جائے گا۔ لاشیں فرار ہوتی ہیں نہ کہیں پناہ لے سکتی ہیں۔ مجھے اپنے ایسے انجام سے نفرت ہے۔"

"میں نے میجر بخشی کا پیغام دے دیا ہے۔ اب اس کی ساری توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ ڈینی کا جلد ہی کوئی نہ کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔"

"اپنے میجر سے پوچھ لو کہ میں اس سے رابطہ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

"کوئی ناگزیر مجبوری ہو تو وہ بُرا نہیں مانے گا۔ اسے اپنے ساتھ تمہاری سلامتی بھی عزیز ہے۔"

"مگر میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔ پتا نہیں دفتر کا آپریٹر میری کال کو اہمیت دے گا یا نہیں۔ میں اس سے چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں اسے بتا دوں گا، وہ کل صبح اپنی آپریٹر کو ہدایت دے دے گا۔"

"اور یہ بھی بتا دینا کہ میں اسے کسی اور نمبر سے فون کروں گا۔ اینٹی بک ڈیوائس کے ذریعے بورڈ سے بات نہیں ہو سکتی۔ کال ٹرانسفر بٹن دبتے ہی لائن کٹ جائے گی۔"

"اچھا.... تو یہ مجبوری بھی ہے۔" اس کی آواز قدرے پُرتشویش ہو گئی "پھر تم ایسا کرو کہ پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرلو۔ میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ وہ کوئی نہ کوئی حل بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا اور اس کا اسی وقت رابطہ ہو جائے۔"

"یہ بہت اچھا ہوگا.... میں پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

"یہ خبیث کیا کہہ رہا تھا؟" میرے فارغ ہونے پر اول خان پوچھ بیٹھا۔

"داستانِ غم سنا کر مجھے کوس رہا تھا۔ کتیا کے سوگ میں وہ سب کتوں کی طرح بلبلا رہے ہیں اور اس واقعے کا کریڈٹ سلطان شاہ کے بجائے مجھے دے رہے ہیں۔"

"تمہارا نام پوری ٹیم کی نمائندگی کرتا ہے۔ سلطان شاہ اس میں شامل ہے۔"

"میجر بخشی سے فون پر تم کیا بات کرو گے؟" میری اور دھن راج کی باتوں کا خلاصہ سننے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو میرا ذہن صاف نہیں ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کچھ بھڑاس دھن راج نے نکالی ہے۔ بقیہ بات اس سے ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی راہ نکل آئے۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ ابھی تک انہیں میرے اوپر کوئی شبہ نہیں ہوا۔"

وہ پندرہ منٹ بہت تیزی سے گزر گئے۔ اس دوران میں سب ہی اس کمرے میں یک جا ہو چکے تھے اور ہر ایک میرا ہم نوا تھا۔

دھن راج سے میری مختصر بات ہوئی۔ میجر بخشی اپنے گھر پر میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دھن راج سے نمبر لے کر فون بند کر دیا۔

بخشی زیرک آدمی تھا۔ رابطہ ہونے پر اس نے اپنی طرف سے کوئی بات چھیڑے بغیر یہ جاننا چاہا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ فوری طور پر کوئی اور بات نہ سوجھی تو میں نے کہا "مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ڈینی لیاقت آباد کے کسی تنگ علاقے میں رہ رہا ہے...."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ چونک کر درمیان میں بولا "یہ کراچی کی وہی آبادی تو نہیں ہے جو پہلے لالو کھیت بھی کہلاتی تھی؟"

"بالکل وہی علاقہ ہے، تم ٹھیک سمجھے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔

"خطرناک علاقہ ہے۔" ریسیور پر اس کی تیز بڑبڑاہٹ سنائی دی "ذرا دیکھ بھال کر ادھر کا رخ کرنا۔ یہ خبر اولی کے لیے بہت اہم ثابت ہوگی۔"

"اس خبر کی تصدیق ہونے سے پہلے میں دھن راج کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے تمہاری اجازت کی ضرورت پیش آگئی۔"

"دھن راج پر تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ خبر اس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچ سکتی تھی مگر تم نے اچھا کیا کہ براہِ راست مجھے بتا دیا۔ اولی اپنے طور پر ڈینی کی تلاش کی ایک بڑی مہم شروع کرنے والا ہے۔ اس میں آوازیں نشر کرنے والے کئی ہزار مائکروبگ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلائے جانے ہیں۔ اب وہ لیاقت آباد کے علاقے پر خاص توجہ دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے یہ مہم بہت پہلے شروع کرنی چاہیے تھی۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آجائے تو اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔"

"پہلے اس کی مجبوری تھی۔ اس کے پاس ڈینی کی آواز کا کوئی ریکارڈ یا کیسٹ نہیں تھا۔ آج اس نے ڈینی کی ایک کال ٹیپ کرلی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔ امریکا سے آنے والا حساس ترین صوتی تجزیاتی سسٹم لاکھوں آوازوں میں بھی ڈینی کی آواز پہچان لے گا۔ اب اس کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگے گا۔"

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہ مخصوص آواز کس بگ سے آرہی ہے اور وہ شہر کی کس بستی میں ہے۔"

"مجھے تفصیلات کا علم نہیں لیکن اوبی بہت پرامید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم میں لوکیشن فائنڈر بھی ہو۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ بدلی ہوئی آواز میں کی جانے والی میری دھمکی آمیز فون کال ریکارڈ کرنے کے بعد اوبی کو وہ خیال آیا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایسے سسٹم آواز بدلنے کے باوجود ہر انسان کے مخصوص صوتی اشاروں کو آسانی سے پہچان سکتے تھے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس غلطی کے بھرپور ازالے کے لیے میں کسی نہ کسی طرح اوبی کے رابطے میں تھا۔

"اب وہ مشکل ہی سے بچے گا" میں نے اپنے دشمن کی امیدوں کی توثیق کی۔

"تمہیں بھی ایک اہم کام کرنا ہے۔" میجر بخشی کی سنجیدہ آواز ابھری۔

"میں اہم اور غیر اہم' ہر کام کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔"

"ایک دو روز میں واشنگٹن سے سب ساز و سامان آجائے گا۔ تمہیں کچھ بگ اسٹیشن فور میں بھی پھیلانے ہوں گے۔ شیری کی موت کے بعد اوبی نے ڈینی اور ایس ٹی ایف کے خلاف بھرپور جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"میں اس کا ساتھ دوں گا مگر کامیابی کا کریڈٹ مجھے ہی ملے گا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہاں' ایک اور بات یاد رکھنا۔ وہ کسی بھی وقت اسٹیشن فور پر نظر آئے تو فوراً دھن راج کو خبر دے دینا۔ کوشش کی جائے گی کہ واپسی پر اسے راستے میں ہی گھیر کر دبوچ لیا جائے۔ اوبی اس انسانی نجوبے کو زندہ پکڑنے کا خواہش مند ہے۔"

"میں بتادوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے اس کے آنے اور واپس لوٹنے کے پروگرام کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح تھوڑی دیر کے لیے نظر آتا ہے پھر اول خان کے ساتھ کیمپ میں کہیں گم ہوجاتا ہے۔"

"یہ سب اوبی سنبھال لے گا۔ تم اپنے کام سے غافل نہ ہونا۔" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

اس کا وہ سوال بہت اچانک اور بے ساختہ تھا۔ میں نے اسی روانی سے جواب دیا "اسٹیشن فور پر۔ تمہیں معلوم ہے کہ فون پر سی ایس ڈی کی سہولت صرف یہیں میسر ہے۔"

"تم مجھ سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر میں کلب آسکتے ہو؟" اس نے شہر کے ایک قدیم اور مشہور کلب کا نام لے کر دریافت کیا۔

اس وقت میں اپنے دشمنوں کا معاون بنا ہوا تھا۔ ان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرسکتا تھا۔ اپنی تشویش کے باوجود میں نے خوش مزاجی سے کہا "تم کہو گے تو میں کہیں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ صرف آنے جانے میں کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"آنے جانے میں..؟" اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تو کیا تم دن رات وہیں رہتے ہو؟"

"یہ فوجی کیمپ کی بڑی کٹھن زندگی ہے۔ چوبیس گھنٹے کی ملازمت سمجھ لو۔"

"تمہیں جلد ہی اس سے نجات مل جائے گی..... بس تم نکلو۔ میں وہاں لان پر تمہارا انتظار کروں گا" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا اور میں اس ملاقات کا سبب جاننے کی حسرت دل میں لیے رہ گیا۔ اتنی سی بات کے لیے اسے دوبارہ فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

ہر بار کچھ نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ ویسے تو اوبرائن کی طرف سے میری تلاش کی نئی مہم کی تفصیل بھی خاصی دلچسپ تھی لیکن سب کو پریشانی یہ تھی کہ میجر بخشی نے اس وقت مجھے اچانک کلب میں کیوں بلایا تھا۔

بظاہر اس نے وہ خواہش روا روی میں ظاہر کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ پہلے سے اس کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا اور اس نے جان بوجھ کر آخر میں وہ ذکر چھیڑا تھا۔

ہم پانچوں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وقت کم تھا اور مجھے روانگی سے پہلے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں دو لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کر دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو کمرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے نون کر کے بتایا کہ کالو کمرانی کو نامعلوم حملہ آور دو نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو کمرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کمرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول نے قانون سے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنول کے متعلق مخبری کر دی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مار گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اولی میں اس نے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اولی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی جو لفٹ سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے خطرناک ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے ایس ڈی او نیم کین لیفٹ پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فور پر تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اولی نے دفترِ خارجہ سے کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اولی سے فون پر بات کی تو وہ ثقابت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے گفتگو پر ٹھیں اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔ باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ میں اوبرائن کو شیشے میں اتاروں۔ میں نے اولی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے دو افسران میجر بخشی اور دھن راج سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اولی کی کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کارروائی نے اولی کو پریشان کر دیا۔ میں نے ذینی کے طور پر اس سے بات کر کے اسے اور ہراساں کر دیا تاہم وہ میری آواز ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میجر بخشی سے بات ہوئی تو اس نے ذینی کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے اس کے فرضی پتے کے بارے میں اسے آگاہ کر دیا۔ اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے ایک کلب میں طلب کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ رواروی میں ظاہری کئی ملاقات کی اس خواہش کے پیچھے دیرینہ فیصلہ کارفرما تھا۔ ہم اس مسئلے پر سرجوڑ کر بیٹھ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دنوں میں تلوار کی تیز دھار پر چل رہا تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ضروری تھا۔ کہیں بھی ذرا سی کوئی لغزش ہوتی تو اس کا شاخسانہ میری موت کی صورت میں ہی رونما ہو سکتا تھا۔ ایسی لغزش کے ازالے کی کوئی دوسری صورت دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

ایس ٹی ایف میں اہم خدمات سرانجام دینے والے کرنل جمال دستی کے روپ میں میں اپنے حریفوں کا محبوب اور معتمد بنا ہوا تھا جب کہ وہ سب ڈینی کے لہو کے پیاسے تھے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اول خان سے لے کر غزالہ تک، ہر فرد کو صورتِ حال کی اس سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا اور یہی وجہ تھی کہ میجر بخشی کی اچانک دعوت نے ان چاروں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کے مہیب ہیولے پیدا کر دیئے تھے۔

"تم لوگ جو چاہو سوچتے رہو مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملاقات میں ڈینی کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" تھوڑی سی بحث کے بعد سلطان شاہ نے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے کسی توقف کے بغیر دو ٹوک انداز میں اس کی رائے مسترد کر دی۔ "ڈینی کی جان کو ان موذیوں سے ہر وقت خطرہ ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ کرنل جمال دستی فی الحال ایسے خطرات سے بڑی حد تک محفوظ ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے کہیں سے سراغ مل گیا ہو کہ کرنل جمال دستی کے روپ میں ڈینی ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی اول خان بے ساختہ بول پڑا۔ "اسے کہاں سے اور کیسے یہ سراغ مل سکتا ہے؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی بے بساط مہرے نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلے میں وہ بہتر وسائل سے لیس ہیں۔ دھن راج جیسے غدار مقامی ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔"

"کھنول مل اور چوہدری سلام بھی اسی صف میں شامل تھے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہم اپنے گھر میں بقا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اپنے ماحول اور غداروں کے پینتروں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنے مزے سے کامیابیاں حاصل ہو سکتیں تو اب تک ہم پانچوں میں سے ایک کا بھی نام و نشان نہ ملتا۔"

سلطان شاہ نے احتجاجی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اسے خاموش کر دیا۔ "تم بلاوجہ بحث کر رہے ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہوتی تو وہ اپنے طور پر کوئی پیش رفت کر کے مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت میں نے خود اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر اوبرائن کے اگلے پروگرام کے بارے میں بتایا ہے....."

"پھر اس نے تمہیں کلب کے لان پر کیوں بلایا ہے؟" ویرا نے سوال جڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کلیدی سوال یہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"اوبرائن نے مجھے ایمپریس مارکیٹ بلایا۔ وہاں اس کی جگہ بلیکی پہنچا ہوا تھا۔ وہ مجھے دھن راج کے حوالے کرکے غائب ہوگیا۔ دھن راج نے مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں بلایا تو وہاں میجر بخشی سے اچانک سامنا ہوا۔ اب میجر بخشی نے بلایا ہے تو شاید کوئی اور چہرہ سامنے آجائے۔"

فوری طور پر کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ سب ہی میرے جواب کی معقولیت پر غور کررہے تھے۔

"یہ بات آسانی سے ہضم نہیں ہورہی۔" غزالہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر دھیرے سے کہا۔ "میں یہ مانتی ہوں کہ فون اس نے نہیں، آپ نے کیا تھا مگر یہ مجبوری تھی۔ ان میں سے کسی کے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں ہے جب کہ آپ نے دھن راج کے ذریعے اجازت لینے کے بعد میجر بخشی کے گھر فون کیا تھا۔ وہ ذہن میں کوئی پلان لئے بیٹھا تھا۔ آپ سے رابطہ ہوتے ہی اس پر عمل کرگزرا۔"

میں غزالہ کو گھور کر بے بسی سے ہنس پڑا۔ "اب تم بھی بال کی کھال نکالنے لگی ہو!"

"سب کچھ میرے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ ہر بات میری سمجھ میں آتی ہے لیکن مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میرے دل کی بات کسی نہ کسی کی زبان پر آجاتی ہے۔"

غزالہ نے وہ فقرے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "کیا تم اس وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتی تھیں۔"

"وہ کیوں چپ رہتی؟" اس کی حمایت میں سلطان شاہ بول پڑا۔ "اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم نے باتوں کے چکر میں سب کو لاجواب کردیا ہے۔"

"جو لوگ سچے دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں انہیں ایک دوسرے کے بارے میں وجدان سا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب غزالہ نے زبان کھول ہی دی ہے تو تم کو میجر بخشی سے ملاقات کا ارادہ ملتوی کردینا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا ہے۔"

"پروگرام طے ہوجانے کے بعد ڈینی کا یوں غائب ہوجانا مناسب نہیں ہوگا۔" اول خان بولا۔ "میجر بخشی کو اس پر کوئی شبہ ہوگیا ہے تو وہ پختہ ہوجائے گا۔"

"ڈینی کے پاس اس کے گھر کا فون نمبر ہے۔ یہ بخشی کو فون کرکے بہانہ کرسکتا ہے کہ اس وقت اسے اسٹیشن فور چھوڑنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ بخشی بھی جانتا ہے کہ کرنل جمال دستی یہاں خود مختار نہیں ہے۔ اسے کسی نہ کسی کو جواب دینا پڑتا ہے۔"

ویرا کی وہ جوابی تجویز معقول تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لئے اس پر غور کیا۔ میجر بخشی سے مجوزہ ملاقات کے بارے میں میری چھٹی حس بھی مطمئن نہیں تھی۔ میں نے فون سنبھال لیا۔

تیسری گھنٹی پر میجر بخشی کے رہائشی فون نمبر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ میجر بخشی گھر پر موجود نہیں تھا۔

نسوانی آواز مہذب اور پروقار تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون تھی۔ میں نے کہا۔ "میجر سے اس وقت میری ملاقات طے تھی مگر میں کسی وجہ سے آنے سے قاصر ہوں....."

"مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"میجر کو کلب پہنچنا ہے۔ تم وہاں پیغام دے دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے التجا کی۔

"سوری!" رکھائی سے کہا گیا۔ "میں یہ سب نہیں کرسکتی۔ میں ان کی خادمہ ہوں۔ تم اپنا نام بتادو۔ ان کا فون آیا تو میں تمہارا پیغام دے دوں گی۔"

مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ میری مخاطب میجر بخشی کی خادمہ تھی۔ "میں میجر کو کسی بے یقینی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ تم میری کال کو بھول جاؤ۔" میں نے ترشی سے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

مجھ سمیت کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ میجر بخشی مجھ سے پروگرام طے کرنے کے بعد اتنی عجلت میں گھر سے نکل کھڑا ہوگا۔ اس کی وہ عجلت ہمارے مشترکہ خدشات کو تقویت دے رہی تھی۔

بحث دوبارہ چل پڑی۔ ویرا کی رائے تھی کہ میں کلب فون کرکے میجر بخشی سے بات کرلوں۔ وہ وہاں نہ پہنچا ہو تو استقبالیہ کلرک کو اس کے لئے اپنا پیغام نوٹ کرا دوں۔ غزالہ دور کی کوڑی لائی تھی۔ اس کی دانست میں مجھے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ براہِ راست دھن راج کو فون پر اپنی مجبوری سے آگاہ کردیتا۔ وہ خود ہی کلب جاکر میجر بخشی سے بات کرلیتا۔

میرے لئے وہ تجاویز احمقانہ تھیں۔ ہم ان کے خلاف مضبوط ارادوں کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے تھے۔ بظاہر میں نے ان کے حلیف کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر میجر بخشی کے دل میں میری طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو ہی چکا تھا تو میں زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے کام نہیں لے سکتا تھا۔

شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر یہ سمجھ لینا کہ طوفان ٹل گیا ہے، میرے بس سے باہر بلکہ اعصاب شکن تھا۔ میں نے اس پراسرار ملاقات کو ٹالنے کی ایک کوشش کرلی تھی۔ اس میں ناکامی ایک طرح سے غیبی اشارہ تھی۔ میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے بیم گن جیب میں ڈالی تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "پہلے غیر مسلح ہو کر گئے تھے تو اب بیم گن کیوں لے جا رہے ہو؟"

"پچھلی بار میں دھن راج کے ہوٹل بلکہ کمرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ میرے اندیشے کے عین مطابق وہاں ہتھیار کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج اس سے کلب کے کھلے لان پر ملنا ہے۔"

میرے طنزیہ لہجے کے جواب میں ویرا کے ہونٹوں پر سلگا دینے والی مسکراہٹ عود کر آئی۔ "ہتھیاروں کی موجودگی کے لئے دستی آلات کا استعمال بھی عام ہو چکا ہے۔"

"وہ ہاتھ میں کچھ تھامے بیٹھا ہو گا تو میں اسے تماشا بنا دوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

میرے ردعمل پر ویرا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ غزالہ کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔

اول خان کا ایک آدمی چند منٹ میں میرے لئے ایک ٹیکسی لے آیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سننے پر میری استفہامیہ نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔

"یہ واپسی تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" اس نے بتایا۔

"بار بار ایک ہی ٹیکسی کا استعمال مناسب نہیں رہے گا۔" میں نے کہا۔

"ٹیکسی اور ڈرائیور، دونوں ہی نئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔" وہ بولا۔

اول خان کو پورا یقین تھا کہ چھاؤنی کی حدود میں آنے جانے والے غریب ٹیکسی ڈرائیور ہر طرح محبِ وطن اور قابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ اگر انہیں علم ہو کہ وہ اپنا پورا معاوضہ لے کر کسی فوجی یونٹ کے لئے خدمت سرانجام دے رہے ہیں تو یکایک ان کا مورال بہت بلند ہو جاتا ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ فرض شناسی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

ایسے عام ڈرائیوروں سے قطع نظر، خفیہ حفاظتی ایجنسیوں کے اہل کار بھی اس حساس علاقے میں مشتبہ افراد کی آمدورفت پر نگاہ رکھنے کے لئے ٹیکسیاں وغیرہ لئے گھومتے رہتے ہیں۔ عام حالات میں وہ نگرانی کی ذمے داری انجام دیتے ہیں۔ ضرورت پیش آجائے تو فوری طور پر کسی بھی مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تجربے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اول خان کا آدمی اس مرتبہ میرے لئے دوسری قسم کی مخصوص ٹیکسی ہی لایا تھا۔

چھاؤنی سے شہر کے مرکزی حصے تک کا سفر طویل ضرور تھا لیکن ٹریفک کی روانی کے باعث اذیت ناک نہیں تھا۔ شارع فیصل کے سرے پر واقع، دھن راج کے ہوٹل سے چند سو میٹر آگے کراچی کا وہ قدیم اور روایتی کلب واقع تھا جس کے لان پر میجر بخشی سے میری ملاقات طے تھی۔

چوڑے پتھریلے ستونوں کے درمیان اونچی چھت سے مزین پرشکوہ پورچ میں میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ ڈرائیور سے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ وہ پارکنگ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا۔

احاطے میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وسیع لان پر محض چند میزیں آباد تھیں۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے عمارت میں داخل ہونے کے بجائے لان کا رخ کیا تو میجر بخشی نے دور سے ہاتھ ہلا کر مجھے خود ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ تیز روشنیوں سے قدرے الگ پڑی ہوئی میز پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بہت مشکل سے اپنے یونٹ سے نکلا ہوں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے شکوہ کیا۔ "اس وقت مجھے وہیں رکنا تھا کیونکہ کمانڈر اچانک کہیں نکل گیا تھا۔"

"تم نہ پہنچتے تو مجھے شدید مایوسی ہوتی۔" اس نے میرے شکوے کو نظرانداز کر کے اپنے مطلب کی بات کہی۔ "میں کافی دیر سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اپنے لہجے کی تلخی پیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے دوبارہ تمہارے گھر فون کیا تھا مگر تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ مجبوراً مجھے اسٹیشن فور سے نکلنا پڑا۔"

"اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ مجھے تم سے کچھ اہم ذاتی باتیں کرنی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ذاتی باتیں؟" میں نے تحیّر زدہ آواز میں دہرایا۔ "ان کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"تم آرمی کے کس یونٹ سے اور کب ریٹائر ہوئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے میری بے چین نظروں میں جھانکنے کے بعد پوچھا۔

"سوری میجر۔" میں نے تیوریوں میں بل ڈال کر کہا۔ "یہ قطعی غیر ضروری باتیں ہیں۔"

"برا مت مانو۔ موجودہ حالات میں یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔" اس نے میرے خراب تیور دیکھنے کے باوجود اپنا مفاہمانہ لہجہ برقرار رکھا۔

"میں نے "را" یا "اسپیشل سروسز بیورو" میں ملازمت کی درخواست نہیں دی ہے جو یہ سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"اوہ.... ہو!" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں کراچی کتنے امریکیوں کو نگل چکا ہے۔ اولڈ کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی پالتو کتیا مار دی گئی۔ اس وقت آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ دشمن ہمارے بہت ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قریب رہ کر سب کچھ دیکھتا ہے اور گھات لگا کر وار کر دیتا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ مختصر سے وقت میں وہ بہت صحیح نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی حکمتِ عملی میں ایک فوری تبدیلی لاتے ہوئے برہمی سے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اب اوبرائن میرے اوپر بھی شبہ کر رہا ہے؟"

"اوبرائن تم پر شبہ کرتا تو تمہیں میرے حوالے کرنے سے پہلے یہ سب جاننے کی کوشش کرتا۔" اس نے میرا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں وہ اہم نکتہ اگل دیا۔ "میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم پر واضح کر دیا تھا کہ اب اوبلی پورے کھیل سے باہر ہے۔ ہر ڈیل میرے، تمہارے اور دھن راج کے درمیان ہوگی۔"

"اگر تم کو میرے اوپر شبہ ہے تو معاملات کو یہیں ختم سمجھو۔" میں ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ بس یہ میرا طریقۂ کار ہے۔ میں ابتدا سے ہی ہر منفی امکان پر کام کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔ اسے یوں سمجھ لو کہ بخار کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے متعدد ٹیسٹ کراتا ہے۔ ملیریا، پیراسائٹس، ڈوال اور مانٹوز بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ڈاکٹر کو ٹی بی کا شبہ ہو رہا ہے۔ اس طرح وہ امکانات کی تنسیخ کرتا ہے۔ ٹی بی نہیں ہے، ٹائی فائیڈ نہیں ہے، ملیریا نہیں ہے، کسی معمولی خرابی کی وجہ سے بخار ہو رہا ہے۔ میں بھی یہی کرتا ہوں۔ ایک بار تمہارے سروس ریکارڈ کی تصدیق کر لوں گا تو زندگی بھر تم پر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے چھپے ہوئے دشمن تم ہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے الزام لگایا۔ "اسے اپنے ہمدردوں کی طرف سے بدگمان کر کے اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" پہلی بار اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "میرے بارے میں اوبرائن ہر بات جانتا ہے۔ وہ اپنی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس کا عہدیدار ہے، میں اسپیشل سروسز بیورو کا افسر ہوں۔ ہماری پشت پر ان اداروں کی ضمانتیں موجود ہیں۔ یہ ادارے مل کر کام کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے پوری طرح متعارف ہیں۔"

"میری پشت پر ایس ٹی ایف کی ضمانت ہے۔" میں نے جان بوجھ کر کٹھ حجتی کا مظاہرہ کیا۔ "دھن راج سے پہلی ملاقات کے بعد اسٹیشن فور کے نواح تک میرا مسلسل پیچھا کیا گیا تھا۔ ایسی بداعتمادی کی فضا میں دو دن بھی کسی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔"

اس کے ہونٹوں پر یکایک منافقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایس ٹی ایف ہماری حریف ہے۔ اس کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب ہے نہ وہ لوگ منظرِ عام پر آتے ہیں۔ تصدیق ہو تو کیسے ہو؟ بظاہر تم ان کے باغی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔"

خوف کی ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ آخر کار اس کا بدترین اندیشہ اس کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "تم واقعی ایک کامیاب سیکرٹ ایجنٹ کی طرح سوچ رہے ہو۔ ایسے لوگ اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے اور کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔"

"اب تم خرافات بک رہے ہو۔" وہ یکایک مشتعل ہو گیا۔ "مجھے اپنی ولدیت پر کوئی شبہ نہیں بلکہ فخر ہے۔ تم نے اب کوئی گالی دی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

وہ غصے میں آیا تو میں فوری طور پر دھیما پڑ گیا۔ "میری بات کو غلط مت سمجھو۔ میں نے گالی نہیں دی، یہ مثال دی تھی کہ بعض لوگ اپنے باپ کو بھی اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتے۔"

"اب ماں باپ کی ایسی کوئی گندی مثال نہ دینا۔" وہ غرایا۔ "اپنا تعاقب ہوتے دیکھ کر تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں بالکل ہی بے سروسامان نہیں ہیں۔ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے توڑ سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "ایسی تیاریوں کے بغیر ڈینی سے نجات نہیں حاصل کی جا سکتی۔"

میں نے دانستہ اس کی دکھتی رگ چھیڑی تھی۔ اپنی قوت کا فرعونی دعویٰ کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ ڈینی کی تلاش میں بھارتی اور امریکی ایک مدت سے خاک چاٹتے پھر رہے تھے۔

"اوبرائن واشنگٹن سے آنے والی ہدایات پر ڈینی کے معاملے سے الگ ہو گیا ہے مگر یہ اس کی انا کا سوال بنا ہوا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے معتدل لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "امریکیوں

گھر بیٹھے مُلک مُلک کی سیر کا لطف اٹھائیے

مشہور صحافی و کہانی نویس علی سُفیان آفاقی کا سفرنامہ

ہسپانیہ ہسپانیہ

اس سرزمین کا احوال جسے مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ آج کے دور میں بُل فائٹنگ کے لیے مشہور ہونے والے ملک کے نظارے اور حالات۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ آج ہی طلب فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس ڈینی کا ایک قلمی خاکہ موجود ہے' اس کے فنگر پرنٹس والا گلاس تم بلیکی کے حوالے کر چکے ہو' ڈینی کی آواز اوبی نے ٹیپ کرلی ہے۔ پورا جال تیار ہے۔ واشنگٹن والے بہت جلد مائیکروبگ کی کھیپ بھیج دیں گے۔ اس بار وہ خبیث شخص ہرگز نہیں بچے گا۔"

"مجھ سے میرے حصے کا کام لیا جاچکا ہے' اسی لئے تم نے مجھ سے اکھڑی اکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔" میں نے اس کی پوری بات سن کر تلخی سے کہا۔ "تم خود ہی ڈینی کا کام تمام کرلوگے۔"

"میں اپنا طریقۂ کار نہیں بدل سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میرے مشن میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔ تمہیں ایس ٹی ایف کے ٹھکانے پر مائیکروبگ پھیلانے ہیں جو ڈینی کے ساتھ ایس ٹی ایف کی بربادی میں بھی ہماری مدد کریں گے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے میری سوئی ہوئی انا کو بھی بیدار کردیا ہے تمہارا کوئی مطالبہ تھا تو دھن راج کو پہلے ہی مجھے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔ اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

دھن راج صرف رابطے کا آدمی ہے۔ اسے میرے طور طریقوں کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ میں نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو۔ تقسیم سے پہلے میرے والدین بھی عمر کوٹ میں رہتے تھے۔ نئی سرحدیں بننے کے برسوں بعد دھن راج عمر کوٹ میں پیدا ہوا' میری جائے پیدائش اودے پور ہے۔ یہاں تعینات ہونے کے بعد میں پرانے حوالوں سے پہلی بار اس سے ملا ہوں۔"

"یہ تمہارے اور اس کے معاملات ہیں ورنہ مجھے اسی سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔"

"اب بھی وہی طریقۂ برقرار رہے گا۔ میں تم سے براہِ راست زیادہ میل جول رکھ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تم کل تک سوچ سمجھ لو پھر دونوں باتیں اسے بتادینا۔"

"اسے علم ہے کہ ہم دونوں یہاں ملے ہیں۔" میں نے عارضی طور پر بات ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے' روا روی میں پوچھا۔

"نہیں' تم بھی اس سے ذکر نہ کرنا۔ اسے ملال ہوگا کہ اس کے ہوٹل سے اتنے قریب ہونے کے باوجود میں اس سے ملنے نہیں گیا۔ میں کسی کی بلاوجہ دل آزاری سے ڈرتا ہوں۔"

چند لمحوں پہلے میرے ذہن میں سر ابھارنے والا خیال ایک مرتبہ پھر زور مارنے لگا۔ میری اور میجر بخشی کی وہ ملاقات خفیہ تھی۔ اگر کسی کو اس پروگرام کا علم بھی تھا تو اس کی خادمہ گواہی دے سکتی تھی کہ میں نے میجر بخشی کے نکل جانے کے بعد ملاقات کی منسوخی کے لئے فون کیا تھا۔

بیم گن کے ذریعے میں میجر بخشی کو وہاں بیٹھے بیٹھے' لمحہ بھر میں موت کی گہری نیند سلا سکتا تھا۔ اس کے دل میں ایک ننھا سا سوراخ ہوتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی کرسی پر اسی طرح بیٹھا رہ جاتا۔ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ اسے قتل کردیا گیا تھا۔

اس آسان ترین واردات میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ بیم گن کا استعمال امریکیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہتا۔ چھان بین شروع ہوجاتی کہ میجر بخشی کی میز پر اس شام کس وضع قطع کا آدمی دیکھا گیا تھا۔ اس تجسس کے نتیجے میں نیویارک والی جینی کے بنوائے ہوئے اس غلط خاکے کی پوزیشن مشکوک ہوجاتی جس پر اوبرائن اور اس کے چیلے ناز کررہے تھے۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں ایک متبادل خیال بھی کوندا۔ وہ ملاقات ختم کرکے میں کلب کے احاطے سے باہر ٹیکسی میں رک کر اس کی روانگی کا انتظار کرتا اور پھر موقع پاکر اسے راستے سے اغوا کرکے اسٹیشن فور پہنچانے کی کوشش کرتا۔

عملی طور پر سہل نظر آنے والی وہ دونوں صورتیں جتنی تیزی سے میرے دماغ میں ابھری تھیں' اتنی ہی پھرتی سے میں نے انہیں خود مسترد کردیا۔

مجھے ایک نجی ملاقات پر مدعو کرکے میجر بخشی نے ایک سنگین خطرہ مول لیا تھا اور وہ اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرگزرتا تو وہ ضرور جہنم واصل ہوجاتا مگر میں اپنے دشمنوں سے ہر رابطہ توڑ لیتا۔

میجر بخشی کی پراسرار روپوشی اور بعد ازاں موت پر اوبرائن سے دھن راج تک' ہر شخص کے دماغ میں لامحالہ یہ سوال سر ابھار سکتا تھا کہ ڈینی کے دشمنوں میں سے جو شخص بھی کرنل ہمال دستی کے رابطے میں آتا ہے' مارا جاتا ہے یا مصائب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

یہ سوال میری حیثیت پر بری طرح اثر انداز ہوسکتا تھا۔ وہ لوگ ڈینی کو بھول کر فوری طور پر مجھے پکڑنے اور پھر تھرڈ ڈگری کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کے منصوبے کو روبہ کار لاسکتے تھے۔ ان خطرات سے اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ایک مرتبہ پھر زیرِ زمین جانا پڑ جاتا۔

وہ ایک طویل تجزیہ تھا لیکن قدرت نے انسانی ذہن کے نہاں خانوں میں تخیل کی ایسی قوتیں محفوظ کی ہوئی ہیں کہ ماضی' حال اور مستقبل کے برسوں پر مشتمل واقعات یا اندازوں کی ریل چند لمحوں میں سرعت سے چل جاتی ہے اور سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔

میجر بخشی کو اندازہ تک نہیں ہوسکا کہ اس کے نرم دلی کے اعلان نے میرے ذہن میں کوئی ہلچل پیدا کی تھی۔ میں نے بظاہر کسی توقف کے بغیر کہا۔ "دل آزاری اور دل شکنی کرنا سب سے بڑی بربریت ہے لیکن تم نے گفتگو کی ابتدا میں میرے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔"

"تم ابھی تک اسی کو لئے بیٹھے ہو۔" وہ کھوکھلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم نے میرے دو بے ضرر سوالوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تو میں فی الحال انہیں بھول سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی وقت تم کو میری بات کی معقولیت کا یقین آجائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی مکاری پر کوئی تبصرہ کئے بغیر کہا۔ "چند روز مہلت دینے کے مقابلے میں تمہارا یہ موقف زیادہ بہتر اور میرے لئے باعزت ہوگا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا موڈ بہتر ہوگیا۔ اب مائیکرو بگ آجانے پر تم سے ملاقات ہوگی تو ہم زیادہ خوش گوار ماحول میں گفتگو کرسکیں گے۔"

"پہلے اوبرائن مجھے اپنے ماسٹرپلان کے لئے کوئی کردار دینا چاہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ اب تمہاری وجہ سے میری سرگرمیاں ڈیبی کی سرکوبی تک محدود رہیں گی۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اس خیال میں نہ رہنا۔ ہمیں مل جل کر ہی اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے جس پر اوبرائن بہت عرق ریزی سے کام کررہا ہے۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ اس کی توجہ بڑے مقاصد پر مرکوز رہے گی۔ ہم اس کی راہ صاف کرتے رہیں گے۔"

"چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست کے بارے میں ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "تم ہی نے کہا تھا کہ وہ پروگرام اوبرائن کے ذمے ڈال دیا گیا ہے۔"

"وہ عارضی بندوبست ہے۔ زخمی درندے کو مارنے کے لئے کبھی بھی بڑے شکاری کی جان خطرے میں نہیں ڈالی جاتی۔ اسے گھیر گھار کر دوسرے مار لیتے ہیں۔ ڈیبی کا پتا صاف ہوجائے تو ہم بھی کھل کر میدان میں آجائیں گے۔ اس کے بعد ایس ٹی ایف کی کمر خود بہ خود ٹوٹ جائے گی۔"

وہ میجر بخشی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ دیر تک بولتا ہی چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست، اتحاد یا الحاق کے خواب کو اس کے ملک میں اکھنڈ بھارت کے نظریے کے طور پر پورے زور و شور سے پروان چڑھایا جارہا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان فنون، کھیل کود، ثقافت اور اخوت کے نام پر بنی ہوئی متعدد انجمنوں کے بڑے بڑے اور رنگا رنگ اجتماعات میں کھل کر شرکا کی برین واشنگ کی جاتی تھی۔ ایسے اجتماع بھارت میں ہی نہیں، پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی ہوتے رہتے تھے۔

برصغیر کے نقشوں پر سازشی انگریز کی لگائی ہوئی غیر فطری سرحدوں کے خاتمے کے نتیجے میں سنہرے سپنے دکھائے جارہے تھے۔ بھارت کی وسیع منڈی پاکستانی اجناس اور مصنوعات کے خیر مقدم کے لئے تیار تھی۔ وہاں کے زرعی، آبی اور برقی وسائل پاکستان کو فیض پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ ہندی عوام پاکستانی شاعروں اور اداکاروں کو سننے کے لئے بے چین تھے۔ بھارت میں ان کے اعزاز میں ایسی خواب ناک اور بڑی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں جن کا پاکستان میں تصور بھی ممکن نہیں تھا۔

پاکستان سے جانے والے بعض چھچھورے مشاہرین کے معدوں میں جب بھارتی شراب بھر کر حلق تک مرغن غذائیں ٹھونس دی جاتی تھیں تو خوشامدی سامعین کی واہ واہ کے شور میں یہ مشاہرین وہی بولی بولنے لگتے تھے جو ان کے میزبان چاہتے تھے۔ واپسی پر ایسے لوگ پاکستانی عوام میں بھارت کے سفیر اور ڈھنڈورچی بن جاتے تھے۔ کہیں سے کوئی لعنت ملامت ہوتی تو معذرتوں اور وضاحتوں کے سہارے اپنے دامن کے داغ دھونے کی کوشش کرتے تھے۔

کام پورے زور و شور سے ہورہا تھا مگر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی تھی تاکہ مخالف قوتوں کو اس محاذ سے یکسر بے خبر رکھا جاسکے۔

اس تخریبی منصوبے میں این جی اوز یا غیر سرکاری تنظیموں سے بھی بھرپور کام لیا جارہا تھا۔ بعض اداروں کو امریکا اور بھارت کی سرپرستی حاصل تھی مگر بڑی تعداد ایسی تنظیموں کی تھی جنہیں ان دونوں ممالک کے ایما پر بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں سے بھاری امداد مل رہی تھی۔

مجھے اچھی طرح علم تھا کہ چند فعال اور سرگرم تنظیموں کے سوا بقیہ تمام این جی اوز کاغذی وجود کی مالک تھیں۔ بھاری رقوم اعلیٰ عہدیدار ہڑپ کرجاتے تھے۔ کچھ پیسہ عملے کی تنخواہوں اور نام نہاد دفتری انتظام پر خرچ ہوتا تھا اور اگلے برس کے لئے خوبصورت الفاظ اور حروف میں فرضی کارکردگی کی ضخیم مگر بے بنیاد رپورٹیں داخل کردی جاتی تھیں۔

ملک کے دور دراز، دشوار گزار اور پس ماندہ علاقے ملک دشمن این جی اوز کو مرغوب ترین میدانِ عمل فراہم کرتے تھے۔ کیونکہ چھوٹے سرکاری اہل کار بھی ان علاقوں کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باسیوں کے احساس محرومی کو بھڑکا کر چھوٹے موٹے امدادی کاموں کے ذریعے ایک خاص سوچ کو پروان چڑھایا جارہا تھا۔

میجر بخشی کی کہی ہوئی بعض باتیں میرے لئے نئی نہیں تھیں۔ کئی برس پہلے میں نے سندھ کے اندرونی علاقوں میں ملا سرکار کی ہولناک سرگرمیوں کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس وقت امریکا کھل کر پاکستان کی مخالفت نہیں کرتا تھا، نہ عظیم تر ایشیائی ریاست کا کوئی منصوبہ وجود میں آیا تھا۔ ملا سرکار بے روزگار قوم پرست نوجوانوں کو مسلک ہتھیار فراہم کرکے لوٹ مار اور لاقانونیت پر اکسا رہا تھا۔ ایسے جتھوں کی سرپرستی کرکے وہ حکومت کے وجود کو ایک مذاق بنانے کے لئے کوشاں تھا لیکن ستارے پاکستان پر مہربان تھے۔ وہ ہول ناک مقابلوں کے بعد آخر کار سکھر کے قریب، دریائے سندھ میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔

میجر بخشی کے تیور بھی وہی تھے مگر مقاصد بدلے ہوئے تھے۔ اس کی توجہ دیہی سے زیادہ شہری آبادی پر تھی جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب شور شرابا یا غلغلہ پیدا کرنے کی قوت بھی رکھتی تھی۔

میجر بخشی کی وہ تقریر طویل ہونے کی وجہ سے میں خاصی تاخیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے وہاں سے اٹھا۔ وہ ہندو تھا اور مزے سے کلب کے لان پر بیٹھا شراب نوشی کررہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ جوس کے دو گلاس خالی کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگیا۔

میں نے اس بات پر خاص طور سے نظر رکھی تھی کہ کلب سے واپسی پر اس بار میری ٹیکسی کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

اسٹیشن فور پر چاروں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ میری صورت دیکھتے ہی اول خان نے ایک آدمی کو فیلڈ میس روانہ کردیا تاکہ کھانا کمرے میں پہنچادیا جائے۔

میجر بخشی کے ساتھ میری اچھی خاصی ذہنی آویزش ہوئی تھی۔ اس میں کچھ کٹھن لمحات بھی آئے تھے مگر پوری مشق کا خلاصہ بہت مختصر تھا۔

میرے خلاف وہ سب ہم زبان ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ بایاں بازو زخمی ہونے کے بعد میرا حوصلہ کچھ پست ہوگیا تھا ورنہ مجھے جارحانہ انداز میں میجر بخشی کو جہنم واصل کردینا چاہیے تھا۔

کھانے کے دوران بھی وہ بحث چلتی رہی۔ ان کا خیال تھا کہ دشمنوں کے تازہ ترین عزائم پوری طرح سامنے آچکے تھے، اہم ترین مہرے ہماری نظروں میں تھے۔ انہیں ہراساں کرنے کے لئے میجر بخشی کی ہلاکت بہت اہم ثابت ہوسکتی تھی۔ انہیں میرے اوپر شبہ ہوتا تو میں دوبارہ غائب ہوجاتا۔ اوبرائن، کرنل جمال دستی کے خلاف اپنی شکایت واپس لینے کے بعد سرکاری سطح پر کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

میں سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا اور خاموشی سے ان کی تنقید سنتا رہا۔

وہ چاروں اس سنگین حقیقت کو نظرانداز کررہے تھے کہ سرطان کی رسولی کے ساتھ اس کی جڑیں بھی نہ نکالی جائیں تو مرض دوبارہ زیادہ شدت اور تیزی سے نمودار ہوتا ہے۔ اوبرائن ڈی ہنٹ، میجر بخشی اور دھن راج کے دوسرے اہم ساتھیوں کا سراغ لگانا ضروری ہوگیا تھا۔ کسی اوجھے یا قبل ازوقت ہونے والے وار سے وہ سب ہوشیار ہوکر اس طرح روپوش ہوتے کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہوجاتا۔

"آخر تم کچھ کیوں نہیں بولتے؟" میری طول پکڑتی ہوئی خاموشی سے جھلا کر ویرا میرے اوپر برس پڑی۔ "تم نے کیا سوچ کر اس موذی کو زندہ چھوڑا ہے؟"

"تم چاروں کے عالمانہ اتفاق رائے کے بعد میں دل ہی دل میں اپنی غلطی پر نادم ہورہا ہوں۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "آئندہ موقع ملا تو میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔" ویرا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "تمہاری مسکراہٹ چغلی کھا رہی ہے کہ تم کوئی اہم بات ہم چاروں سے چھپا رہے ہو۔"

"عجیب مشکل ہے۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر بے چارگی سے کہا۔ "کلب میں جو کچھ ہوا، میں نے بلاکم و کاست دہرا دیا۔ تم سب مل کر مجھ پر الزام تراشی کررہے ہو۔ میں غلطی کا اعتراف کررہا ہوں تو تم اسے بھی ماننے پر تیار نہیں ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"کھانا کھالو پھر میں تم سے علیحدگی میں کچھ باتیں کروں گی۔" اس نے غرا کر کہا۔

بیک وقت میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں۔ ویرا کی دھمکی پر اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک ابھر آئی تھی۔ میں اس کا کوئی مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

میں نے ویرا کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ کھانے کے بعد باتوں میں الجھ کر وہ سب کچھ بھول جائے گی مگر وہ بہت سنجیدہ تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر خاموشی سے منتظر رہی اور جب میں بھی نمٹ گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ!"

اس کے خشک اور تحکمانہ لہجے پر میں پریشان ہوگیا۔ "تنہائی کی کیا ضرورت ہے؟ جو بات کرنی ہے، یہاں بیٹھ کر کرو۔"

"یہ تمہارے لئے سودمند نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں ویرا لائیڈ نہیں، بلیک کوئن ہوں۔"

میری پیشانی پر ٹھنڈک سی تیر گئی۔ اس نے میرے اور اپنے مراسم کے ابتدائی دور کا حوالہ دیا تھا۔ وہ میری گمراہی اور کج روی کا زمانہ تھا۔ ویرا ہمارے اوپر حاکم تھی اور مجھ کو پسند کر بیٹھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسے میں وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ میں فتح مندی کے جذبات کی روانی میں بہہ کر ویرا کے اشاروں کا اسیر ہوگیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے مجھے زیر کرلیا ہے اور مجھے فخر تھا کہ میں نے شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی کو اپنی وجاہت سے شکار کرلیا ہے۔

غزالہ گہری دلچسپی سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اول خان نے شاید میرے چہرے کی کیفیات سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا اور بزرگانہ انداز میں مشورہ دیا۔ "ضد مت کرو۔ سن لو کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ وہ بھی تمہاری خیر خواہ ہے۔"

غیر ارادی طور پر میری اجازت طلب نظریں غزالہ کی طرف مرکوز ہوئیں اور اس نے پھرتی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی چشم پوشی سے مجھے گمان ہوا کہ اسے ویرا کا مطالبہ پسند نہیں آیا تھا۔ غزالہ کا وہ رویہ غیر معمولی تھا۔ عام طور پر وہ ویرا کو غیر معمولی ڈھیل دیتی رہتی تھی مگر اس وقت بدلی بدلی اور کچھ بدگمان سی نظر آرہی تھی۔

مجبوری کے عالم میں میں ویرا کے پیچھے ہولیا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے ویرا نے مڑ کر کہا۔ "دروازہ بند ہوگا مگر میں اسے بولٹ نہیں کروں گی۔ آج مجھے کچھ فیصلہ کن باتیں کرنی ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ اسے کسی مجروح شیرنی کی سی غصیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

عورتوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے کمرے میں پہنچ کر ویرا نے دروازہ بند کیا۔ وہیں رک کر اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر سپاٹ سی آواز میں مجھ سے بولی۔ "ہونق کی طرح کھڑے کیوں ہو؟ کرسی پر بیٹھ جاؤ!"

مجھے حیرت ہوئی کہ اس کمرے میں پہنچتے ہی ویرا کا غصہ کافور ہوگیا تھا اور وہ کچھ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ میں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے اسی کے کھلنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے اپنے سینے میں اتارا ہوا کثیف دھواں ناک سے خارج کرتے ہوئے فرش پر داہنی جوتی کی نوک سے ہلکی سی بے مقصد ٹھوکر لگائی پھر پلنگ کے سرہانے آبیٹھی۔

"سگریٹ پیو گے؟" چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ تکنے کے بعد اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ میری طرف اچھال دی۔ میں نے سلگتی ہوئی سگریٹ ہتھیلی میں لپک کر پھرتی سے انگلیوں میں منتقل کرلی۔

ویرا بے چینی کے عالم میں پلنگ سے اتر گئی اور کھڑے کھڑے پیکٹ سے نکال کر اپنے لئے دوسری سگریٹ سلگانے لگی۔ میں حیران تھا کیونکہ میں نے اس کھلنڈری عورت کو کبھی بھی ایسے گمبھیر اور فکرمندانہ موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ میرے دل میں کئی سوال مچل رہے تھے مگر میں نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت میں تم سے کیا بات کرنے والی ہوں؟" نئی سگریٹ سے کش لے کر، ٹہلتے ہوئے پورا دھواں خارج کرکے اس نے ایک طویل سکوت کے بعد پوچھا۔

"شاید تمہیں میجر بخشی کے زندہ بچنے سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔"

اس نے حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔ "اپنے فیصلوں کے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔ میں نے وہ موضوع تخلیئے کے بہانے کے لئے چھیڑا تھا۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ رگوں میں خون کا دوران یک بیک تیز ہوگیا۔ اپنے کسی انجانے خوف کو دباتے ہوئے میں نے ہلکی سی مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اور تم تخلیئے میں سگریٹ پینا چاہتی تھیں۔"

وہ پلٹ کر میرے روبہ رو آکھڑی ہوئی۔ "تمہاری یہی بے رحمی اور سفاکی مجھے مارے جارہی ہے۔"

میں بوکھلا گیا۔ "پتا نہیں آج تمہیں اچانک کیا ہورہا ہے۔ ایسا مذاق تو ہم ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔"

"میں مدت سے سب کچھ بھولی ہوئی تھی مگر اسٹیشن فور کے پر ہول حصار میں ہم سب ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ تمہارے اور غزالہ کے سوا کسی کو دو لمحے کے تخلیئے کی بھی آزادی نہیں ہے۔ میرے لئے یہ ماحول اعصاب شکن ہے اور آج میرے اندر سوئی ہوئی عورت جاگ اٹھی ہے۔"

"پلنگ پر آرام سے بیٹھ جاؤ اور سکون سے بات کرو۔" اس کی کیفیت کا اندازہ ہونے پر میں نے نرمی سے کہا۔ "شاید آج سلطان شاہ نے تمہاری دل آزاری کی ہے۔ وہ من چلا آدمی ہے۔ تم اس کی باتوں پر اتنی بدمزاجی کیوں ہورہی ہو؟"

اس نے بہت خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ "وہ معصوم آدمی ہے۔ میرا دل تم نے خون کیا ہے....."

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ "ویرا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں ہر وقت تمہارا دھیان رکھتا ہوں۔"

"ڈینی! یہ مت بھولو کہ کبھی میں تمہارے دل سے بہت قریب تھی۔" اس کی آواز میں اداسی تیرنے لگی۔ "اور آج تم بھول کر بھی ان گزرے ہوئے دنوں کو یاد نہیں کرتے۔"

"ویرا! ایسی باتیں مت کرو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "تم آج بھی مجھے بہت زیادہ عزیز ہو۔ شاید غزالہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے اور ہماری طرف سے چشم پوشی اختیار کئے رہتی ہے۔"

"وہ ہر وقت تم پر اپنا حق جتا کر میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑکاتی رہتی ہے۔" ویرا کی آواز سخت اور منتقمانہ ہوگئی۔ "دو روز پہلے کی باتیں شاید تمہیں یاد ہوں۔ میں پی رہی تھی اور میرے مشورے پر تم غزالہ کو ساتھ لے کر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دیر تک باہر چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کی روشنیاں گل کر کے بھیگی ہوئی حسرت زدہ آنکھوں سے تم دونوں کے ہیولے دیکھتی رہی۔ تمہاری واپسی پر میں بہت مایوس اور دل گرفتہ تھی....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن تمہیں سوچنا چاہیے کہ غزالہ نے کتنے کھلے دل کے ساتھ ہم دونوں کو امریکا جانے کی اجازت دی تھی۔ وہاں کے شب و روز یاد کرتا ہوں تو خود کو غزالہ کے سامنے بونا محسوس کرنے لگتا ہوں۔ وہاں کشت و خون کے درمیانی وقفوں میں میں تمہاری ناز برداریوں کے سوا اور کیا کرتا رہا تھا؟"

"وہاں بھی تم موٹی جینی کے چکر میں پڑے رہے تھے۔" اسے گویا ہر بات ازبر تھی۔

"میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ جینی کے بارے میں زیادہ مت سوچا کرو۔ تم ایسی تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی ہو جہاں تم از خود اپنی کوئی نہ کوئی حریف تخلیق کر لیتی ہو۔"

"غزالہ میرے وہم کی تخلیق نہیں ہے۔ اسے تم نے خود تلاش کیا تھا۔"

"تمہیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔ اب وہ میری بیوی ہے۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔

"سچ بات یہ ہے کہ اسے میں تمہاری خوشی کی خاطر برداشت کرتی ہوں ورنہ اسے بنے سنورے دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔"

"ویرا! تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔ میں اسے تمہارے خلاف بدکلامی کی اجازت نہیں دیتا تو تمہاری زبان سے ایسی نازیبا باتیں کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟"

"اس سپاٹ ویرانے میں رہ رہ کر میرا دماغ الٹا جا رہا ہے۔ دن رات وردیوں میں ملبوس' ایک جیسے چہرے دیکھ دیکھ کر میری طبیعت اکتا گئی ہے۔ تم نے مجھے جلد ہی یہاں سے نہ نکالا تو میں کسی بھی وقت خاموشی سے اسٹیشن فور چھوڑ دوں گی۔"

"شہر کا رخ کرتے ہی تم اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔ "ان کے پاس تمہارا پورا ریکارڈ موجود ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جب میرا دماغ سنک جاتا ہے تو میں بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ بعد میں جو ہو گا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھے بھری محفل سے اٹھا کر اس کمرے میں کیوں لائی تھیں۔"

میرے سوال پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں غزالہ کو دکھانا چاہتی تھی کہ تم پر میرا بھی کچھ حق ہے۔ میں ہر وقت کڑھتی رہتی ہوں' اس وقت وہ سلگ رہی ہو گی۔"

"وہ بہت قناعت پسند اور صابر و شاکر لڑکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میرے دل میں بہت غبار جمع ہو گیا تھا۔ میں اس وقت تمہارے سامنے اپنی بھڑاس نہ نکالتی تو کسی وقت غزالہ سے لڑ پڑتی اور تم مجھ سے خفا ہو جاتے۔"

میں بعض معاملات میں ویرا کی خود غرضانہ سوچ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس سے کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس کی سوچ میں فتور کی داغ بیل اسی رات پڑی تھی جب وہ تنہا بیٹھی مے نوشی کر رہی تھی اور میں نے غزالہ کے ایما پر اس کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ میرے اس انکار پر ویرا نے شاید استہزائیہ انداز میں مجھے غزالہ کے ساتھ کھلی فضا میں چہل قدمی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے پورے خلوص سے اس کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

ویرا ہمیں دیکھ دیکھ کر اپنی تنہائی پر کڑھتی رہی اور تلخ سیال اپنے معدے میں انڈیلتی رہی۔ نشے کی حالت میں ہر شخص ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو جاتا ہے۔ وہ تو ویرا تھی۔ غزالہ کے خلاف اس کی ساری حسرتیں گرہیں بن کر اس کی کھوپڑی کے کسی حصے میں پیچ ڈالتی رہیں۔

ہماری واپسی پر اس نے تنہائی میسر آتے ہی میرے ساتھ خاصی تلخ نوائی کی تھی جسے میں نے ویرا کے نشے کی جھونک سمجھ کر ٹال دیا اور غزالہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر اسٹیشن فور کی مردانہ خواب گاہ میں چلا آیا۔

غزالہ نے اگلے دن مجھ سے ویرا کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن ویرا کے پھٹ پڑنے کے بعد میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد ویرا نے غزالہ کے ساتھ ضرور زہر افشانی کی ہو گی۔ غزالہ نے اپنے طور پر اس سے نمٹ لیا۔ شاید اس کوشش میں اس نے تلخ و ترش باتیں بھی کی ہوں جو ویرا کے بغض میں اضافے کا سبب بن گئیں۔

وہ رات گزر گئی' ویرا کا نشہ بھی اتر گیا مگر اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا غبار صاف نہیں ہو سکا۔ وہ دو دنوں سے مسلسل اسی بارے میں سوچتی رہی اور آخر کار مجھ سے الجھ بیٹھی۔

یہ غنیمت ہوا کہ میں اس کے مطالبے پر الگ کمرے میں چلا آیا تھا۔ صاف انکار کر دیتا تو وہ شاید ماضی کے حوالے سے غزالہ اور دوسروں کے سامنے ایسی باتیں چھیڑ دیتی جو وقت گزر جانے کے بعد میرے لئے کسی بھی طرح قابل فخر نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "تم آج بھی مجھے عزیز ہو۔ میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا۔ تم نے پہلے ہی مجھ سے بات کر لی ہوتی تو دو روز تک جلتی بھنتی نہ رہتیں۔"

"یہاں بات کرنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟ ذرا سی دیر کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں اس کمرے میں لائی ہوں تو ان تینوں کے کان دیواروں سے لگے ہوئے ہوں گے۔ میں تم سے....."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ویرا نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ ملامت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ "دیکھ لیا.... ہماری خلوت کسی کو برداشت نہیں ہے۔"

اس طنز کے بعد ویرا نے اونچی آواز میں کم ان کہا اور اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

"غنیمت ہے کہ یہاں کا ماحول مصالحانہ ہے۔" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "میں اپنی بے جا مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اسی وقت شہر روانہ ہو رہا ہوں۔ دھن راج کے ہوٹل سے روانہ ہونے والی ایک مشتبہ گاڑی کا تعاقب کرنے والا میرا ایک آدمی اچانک ہی اسٹیشن فور سے کٹ گیا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

اس کے وہ فقرے مبہم تھے۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "جانے سے پہلے اتنا ضرور بتا دو کہ اسٹیشن فور سے کٹ جانے کا کیا مطلب ہے۔"

"وہ موٹر سائیکل سوار ہے۔ ٹرانسمیٹر پر ہمارے کنٹرول روم کو مسلسل رپورٹ دے رہا تھا۔ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ دس منٹ سے یہ رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ کنٹرول روم والے مسلسل اسے پکار رہے ہیں مگر وہ خاموش ہے۔"

وہ معاملہ سنگین تھا۔ اول خان کی بتائی ہوئی صورتِ حال کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر ہلاک یا بے ہوش ہو چکا ہے۔

وہ وحشت ناک خبر سن کر کہ ہم دونوں بھی اول خان کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کی گاڑی وہیں آگئی تھی۔ وہ ہم سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

موٹر سائیکل سوار قربان علی کے بارے میں وہ پُرتشویش خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے اسٹیشن فور میں پھیل گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی کی خیریت کے بارے میں فکرمند تھا۔

عملی طور پر ہم لوگ اس ٹھکانے پر موجود ہونے کے باوجود ایس ٹی ایف کے روز مرہ کے کاموں میں ذرا بھی دخیل نہیں ہوتے تھے مگر قربان علی کا معاملہ مجھے کچھ زیادہ ہی سنگین نظر آرہا تھا۔ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر صورتِ حال جاننے کے لیے کنٹرول روم کی طرف چل دیا۔

راستے میں بچل شاہ ہمیں مل گیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ قصہ واقعی سنگین تھا۔

دھن راج شہر کے ایک مشہور اور بڑے ہوٹل میں رہ رہا تھا۔

وہاں یہ ممکن نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے اس کے کمرے کی نگرانی کی جاسکے۔ پھر بھی قربان علی کو ہوٹل پر مامور کردیا گیا تھا۔ وہ وہاں آنے جانے والے مشتبہ افراد پر نظر رکھتا تھا اور اپنے طور پر یہ سراغ لگاتا تھا کہ وہ ہوٹل کے کس کمرے کے باسی کے مہمان یا ملاقاتی ہیں۔

اپنی حاصل کی ہوئی معلومات وہ لاسلکی ٹرانسمیٹر پر وقفے وقفے سے اسٹیشن فور کے کنٹرول روم کو دیتا رہتا تھا۔ عام طور پر رات کے دس بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی کیونکہ اس وقت تک دھن راج نشے میں مدہوش ہو کر اپنے کمرے تک محدود ہو جاتا تھا۔

قربان علی کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج سے ملنے کے لیے آنے والوں میں شہر کے بعض اوباش رئیس زادوں کے ساتھ بگڑے ہوئے سرکاری افسران بھی شامل تھے۔ دھن راج کا کمرا دن بھر ان لوگوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ ان کی دل جوئی اور اپنی آمدنی کے لیے شہر کی خوب رو مگر بدنام لڑکیاں بھی دن بھر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔

ان میں دو لڑکیوں کے نام خاص طور پر نوٹ کیے گئے تھے جو بلا ناغہ ہر شام دھن راج کے کمرے پر پہنچتی تھیں اور قربان علی کی ڈیوٹی ختم ہونے تک بھی ان کی واپسی کے کوئی آثار نہیں ہوتے تھے۔ ان اوقات میں دھن راج تنہا ہوتا تھا یا اس کا ایک اور ہندو دوست موجود ہوتا تھا۔

ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج اپنے آقاؤں کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان ہی کے آزمودہ حربے استعمال کر رہا تھا۔ شراب و شباب سے سرکاری افسروں کی ضیافت کرکے ان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلواتا تھا اور میجر بخشی کو مطلع کردیتا تھا۔

اس شام قربان علی نے پہلی مرتبہ شہر کے دو جرائم پیشہ افراد کو دھن راج کے کمرے میں جاتے دیکھ کر کنٹرول روم کو اطلاع دی تھی۔ وہ دونوں قتل اور منشیات فروشی سے ہتھیاروں کے لین دین تک ہر وہ غیر قانونی کام کرتے تھے جس میں انہیں معقول آمدنی کی توقع ہو۔

وہ بارہا حوالات کی سیر کرتے رہے تھے لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کے خلاف کبھی کوئی چالان کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکا تھا۔ وہ کسی عدالت سے سزایاب ہوئے بغیر، بظاہر بے داغ ریکارڈ کے ساتھ اپنی گندی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

وہ دونوں دھن راج کے کمرے میں تقریباً پون گھنٹا گزار کر واپس چلے گئے۔ رات کے آٹھ بجے وہ دوبارہ ہوٹل کی حدود میں نظر آئے تو ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں محتاط اور چوکنے نظر آرہے تھے۔ ان کے جسموں پر موجود جینز اور ڈھیلی قمیضوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مہم پر نکلے ہوئے ہوں۔

وہ خبر ملتے ہی اول خان نے کنٹرول روم کے ذریعے قربان علی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیغام دیا کہ وہ ان دونوں پر کڑی نظر رکھے۔ انہیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

ان دونوں کی مشتبہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے کے لیے اول خان نے عارضی طور پر دھن راج کو نظرانداز کرنے کا بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔

دھن راج سے مل کر وہ دونوں جلد ہی واپس آگئے۔ ان کا رخ ہوٹل کی زیریں منزل پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ قربان علی احتیاط سے ان کے پیچھے ہولیا۔

نیم روشن اور پُراسرار سی پارکنگ لاٹ میں ان دونوں کا تیسرا ساتھی ایک بند جیپ میں بیٹھا ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ تینوں جیپ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہوگئے۔

قربان علی کی موٹر سائیکل بھی وہیں موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد وہ جیپ کے پیچھے ہولیا۔

سڑک پر پہنچنے تک اس کی تجربے کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ جیپ کا پچھلا حصہ کافی جھکا ہوا تھا۔ اس کے دو ہی سبب ہوسکتے تھے۔ جیپ کا پچھلا سسپنشن کمزور تھا یا پھر جیپ میں کوئی وزنی سامان لدا ہوا تھا جس کا تعلق دھن راج سے ضرور تھا۔

اگر وہ لوگ کسی کو قتل کرنے کے لیے جارہے تھے تو انہیں جیپ میں کوئی توپ لادنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی بھی جدید اور ہلکا پھلکا ہتھیار یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ جب سے ہیروئن کی وبا پھیلی تھی، منشیات کا دھندا بھی منوں اور ٹنوں سے سمٹ کر محض کلوگراموں تک محدود ہوگیا تھا۔ چند کلو وزنی بریف کیس کے ہیر پھیر میں اتنی رقم کمائی جاسکتی تھی جو چرس وغیرہ کے منوں وزنی تھیلوں کے لین دین میں ہی ممکن تھی۔

اس تجزیے کے نتیجے میں اول خان نے رائے قائم کی تھی کہ وہ را والوں کے اشارے پر غیر قانونی ہتھیاروں کی منتقلی کی کوئی کوشش ہوسکتی تھی جس کا پیچھا کرنا زیادہ ضروری تھا۔

وہ معلومات یک جا کرنے کے بعد میں نے کنٹرول روم کا چکر لگایا۔ اس وقت تک وہاں اول خان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ رابطہ ختم ہونے سے پہلے قربان علی نے کنٹرول روم والوں کو جیپ کا نمبر اور ان تینوں میں سے ایک کا نام نوٹ کرا دیا تھا۔

دھن راج کے ہوٹل سے روانگی کے بعد مشتبہ جیپ کا رخ ان آبادیوں کی طرف تھا جو ترقیاتی اصطلاح میں ٹرانس لیاری کہلاتی ہیں۔ جیپ نمائش اور سہیل والی مسجد کے چوراہوں سے گزر کر جہانگیر روڈ پر مڑ چکی تھی۔ وہ سڑک تین ہٹی کے پل کو عبور کرتی ہوئی سیدھی لیاقت آباد میں داخل ہوجاتی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ میں نے فون پر میجر بخشی سے بات کرتے ہوئے پچھلی بار اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ڈینی لیاقت آباد کے گنجان آباد علاقے میں کہیں روپوش ہے۔ وہ پرانی بات تھی۔ اس شام میری اس سے جھڑپ ہوچکی تھی جس کا اختتام زیادہ ناخوشگوار نہیں تھا۔

قربان علی نے آرمز ڈیلر بھیشم داس اور اس کے دو ساتھیوں کی مشتبہ نقل و حرکت کا جو وقت بتایا تھا وہ میری اور میجر بخشی کی ملاقات کے بعد کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے فوج میں میرے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ بتانے سے انکار کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔

وہ میری فراہم کی ہوئی من گھڑت معلومات پر آنکھیں بند کرکے انحصار کررہا تھا۔ اس طرح واقعات کی مزید چشم کشا کڑیاں سامنے آرہی تھیں۔ میں نے اس شام میجر بخشی کو مار ڈالا ہوتا تو بعد کے وہ واقعات ہرگز سامنے نہ آئے ہوتے۔

کنٹرول روم سے اول خان کے دفتر کی طرف جاتے ہوئے مجھے بس یہ قلق تھا کہ اس ساری پیش رفت میں قربان علی کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ بن گیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے فرض پر قربان نہ ہوا ہو۔ کوئی بھی ہلکا یا گہرا زخم وقت کے ساتھ مندمل ہوسکتا تھا۔

زخم کا خیال آتے ہی میں نے اپنے بائیں بازو کو دھیرے سے فضا میں گردش دی۔ ایک خاص زاویے پر میرے بھرتے ہوئے زخم میں تیز ٹیس ابھری مگر مجھے یہ اندازہ لگا کر خوشی ہوئی کہ اس زخم سے پیدا ہونے والی عارضی معذوری سے بڑی حد تک نجات پاچکا تھا۔

اول خان کے دفتر میں پہنچتے ہی مجھے کنٹرول روم سے اطلاع ملی کہ اول خان قربان علی تک پہنچ چکا تھا۔ اس پر سامنے سے فائر کیا گیا تھا۔ گولی بائیں شانے کی ہڈی توڑ کر اندر پیوست ہوگئی تھی۔

قربان علی پر وہ حملہ تعاقب کے دوران ہوا تھا۔ وہ چلتی ہوئی موٹر سائیکل پر قابو نہ رکھ سکا۔ تیز رفتار موٹر سائیکل گرنے کے نتیجے میں اس کے پورے جسم اور چہرے پر شدید خراشیں آئی تھیں اور وہ موقع پر ہی بے ہوش ہوگیا تھا۔

وہ سرعام فائرنگ اور بظاہر کامیاب قاتلانہ حملے کی واردات تھی۔ شہر کے ماحول اور بسا اوقات پولیس کے جارحانہ رویّے کی وجہ سے عام شہری ایسی وارداتوں کا نشانہ بننے والوں کی مدد کرنے سے عموماً کتراتے ہیں مگر قربان علی کی خوش نصیبی تھی کہ وہ واقعہ دیکھنے والے چند درد مند شہری فوری طور پر اسے ایک مال بردار سوزوکی کے عقبی حصے میں ڈال کر عباسی شہید اسپتال لے گئے جہاں پوری توجہ کے ساتھ اسے بہترین طبی امداد دی جارہی تھی۔ میری دعا بار آور ہوئی تھی، قربان علی زندہ تھا۔ اس نے دلیرانہ انداز میں مجرموں کا تعاقب کرکے غازیانہ کردار کی ایک قابلِ تعریف مثال قائم کی تھی۔

میں کرسی پر بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ سلطان شاہ نے درمیان میں ٹوکا "اب پچھتانا بے کار ہے۔ تم نے میجر بخشی کا کام تمام کردیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ جو کچھ ہونے والا ہے' اس پر دشمنوں کی روحیں تک لرز کر رہ جائیں گی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سنجیدگی سے کہا۔

"قربان علی بری طرح زخمی ہوا ہے۔ پتا نہیں جیپ کے ذریعے لے جائے جانے والے ہتھیار اگلے دنوں میں کتنی جانوں کی بھینٹ لیں گے۔ کیا تمہیں اس بوجھ کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ جہانگیر روڈ پر رہنے والوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھی زندہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے قربان علی کی مدد کی ہے تو دوسروں نے گولی چلانے والوں کی راہ روکنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ تم اتنی مایوسی کیوں دکھا رہے ہو؟"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ضروری نہیں کہ مظلوم کی مدد کا حوصلہ رکھنے والے اپنی جانوں پر کھیل کر ظالم سے بھی ٹکرا جائیں۔ بارود کی ننھی سی گولی بڑی ظالم شے ہوتی ہے۔ اس کی دہشت سے ہاتھی جیسا وجود رکھنے والے بھی چوہے کے بچے کی طرح کانپنے لگتے ہیں۔"

میں اس کی دی ہوئی مثال پر مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے لمحے میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو وہ فوراً بول پڑا "اب کسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔"

"دیکھتا ہوں کہ دھن راج کیا کر رہا ہے۔" میں نے کہا "شاید اس سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

"بے کار ہے۔ وہ تنگ پڑا ہوگا۔ ہو سکتا کہ فون اٹھانے والا بھی کوئی اور ہو۔"

"ایک کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اس کا راست نمبر ملا ڈالا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دھن راج کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی تھی مگر وہ مدہوش نہیں تھا۔

"جمال.... کرنل جمال۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "میں نے تمہارے رنگ میں بھنگ تو نہیں ڈالا؟"

"نہیں یار۔ تم نے اچھا کیا کہ فون کر لیا۔" اس کی بہکی ہوئی آواز میں گرم جوشی عود کر آئی "آج میں نے سنہرے بالوں اور چاند جیسے مکھڑے والی کامنی کو بلایا ہوا تھا۔ وہ سرور میں آکر دھیرے دھیرے ناچتی ہے تو سماں باندھ دیتی ہے۔ اسے لوٹا کر میں بہت اداس اور اکیلا ہو گیا ہوں۔"

مجھے اس کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر میں نے اسباب جاننے کی نیت سے پوچھا "بلایا تھا تو پھر اسے بھگا کیوں دیا؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے لیے یہ ساری نحوست تمہارے ڈینی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔"

"ڈینی میرا نہیں' تمہارا ہے۔ تم ہی اس کے لیے مرے جا رہے ہو۔" اس کے موڈ کا اندازہ لگا کر میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"کیا وہ کامنی کا دعوے دار بن کر وہاں پہنچ گیا تھا؟"

"کاش یہی ہوا ہوتا.... !" اس کی حسرت زدہ آواز ابھری۔ "انسان کا سوچا ہوا ہوتا ہی کب ہے؟ وہ نہیں آیا پر اس کا آسیب میرے آس پاس ضرور منڈلا رہا ہے۔"

"تم میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرا شکار ہونے والا ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "تم سرور کے عالم میں باتیں مزے کی کرتے ہو۔"

"سنا گیا ہے کہ وہ لیاقت آباد میں کہیں مرا ہوا ہے۔ میں نے اس علاقے میں اپنے آدمیوں کو کچھ ہتھیار پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ ہوئی ہے؟ کوئی خفیہ بات نہ ہو تو ذرا وضاحت سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے فون پر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میں نے سارا بندوبست کر لیا تھا اور اس کامیابی کا جشن منانے کے لیے کامنی کو بلا لیا تھا۔ وہ بستر پر تھی' میں نے باہر والی بیٹھک میں سارا انتظام طے کر کے پارٹی کو رقم دے دی۔ گاڑی نکلی مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے ...ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی۔"

مجھے اپنے دل میں ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا "آدمی تو بچ گئے نا؟ دیر سویر ضرور ہو گی مگر کام پورا کرنے والے زندہ ہونے چاہئیں۔"

"اچھا تھا کہ سالے مر جاتے۔" دھن راج کی بے رحمانہ آواز سے قلق جھلک رہا تھا "راستے میں ان تینوں کو وہم ہو گیا تھا کہ کوئی موٹر سائیکل والا ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ انہوں نے گولی مار کر اسے گرایا اور جیپ کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔ آگے ایک گلی سے نکلنے والے ٹرک سے ٹکرا کر جیپ الٹ گئی...."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے درمیان میں ہی اس سے ہمدردی ظاہر کی۔

"رائفلیں اور میگزین کے کریٹ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ رفتار کی وجہ سے جیپ نے دور تک قلابازیاں کھائیں تو لکڑی کے سارے کریٹ چکنا چور ہو گئے۔ ہر طرف رائفلیں' میگزین اور گولیاں بکھری دیکھ کر وہ تینوں ایسے حواس باختہ ہوئے کہ اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر وہاں سے بھاگ گئے۔"

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمہاری رقم تو نہیں ڈوبے گی' واپس مل جائے گی نا؟"

"رقم کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے سودوں میں سارا رسک خریدار کا ہوتا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ڈینی کے خلاف ہمارا آپریشن ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ایک ڈینی کی تلاش کے لیے ان لوگوں کو کتنے مہلک ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں اس واقعے کی خبر کیسے ملی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بھیشم داس ان کا سرغنہ تھا۔ اسی نے فون پر مجھے خبر دی تھی۔ یہ سن کر میرا دل اتنا برا ہوا کہ میں نے کامنی کو فوراً لوٹا دیا۔ اس خبر نے میجر بخشی کو بھی حواس باختہ کر دیا ہے۔"

"مجھے تم دونوں سے ہمدردی کے ساتھ دکھ بھی ہے کہ کام نہ ہونے کے باوجود تم ایک بڑی رقم سے بھی محروم ہو گئے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں اسے ایک اور کچوکا دیا۔

"رقم میری تھی نہ بخشی کی۔ یہ سارا دھن بڑے بڑے بنیوں اور سیٹھوں سے بٹور کر یہاں لایا جاتا ہے۔ رقم اور آجائے گی۔ گیا وقت اور موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا خبریں ہیں۔ وہ تمہاری طرف نظر آیا یا ابھی تک غائب ہے۔"

"نظر آتا تو میں فوراً تمہیں بتا دیتا۔" میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

"ہاں' جلدی کچھ کرو۔ ڈینی اب اوبی کے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ اس کی کتیا مری تو اس نے الزام ڈینی پر لگا دیا۔ اب وہ یہی کہے گا کہ جیپ کو ٹکر مار کر اللہ والا ٹرک ڈینی چلا رہا ہو گا۔ ہم سب اس کے لیے مرے جا رہے ہیں اور وہ آرام سے بھنگ پیے' لیاقت آباد کے کسی کمرے میں سو رہا ہو گا۔"

وہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا اور بے سروپا باتیں بھی کر رہا تھا' میں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ مجھے اس دوران میں یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ اخوت' بھائی چارے اور آپس کے فائدے کے نام پر اکھنڈ بھارت کا پرچار کرنے والے وہ سب انتہا پسند اندر سے کس قدر متعصب اور دوغلے تھے کہ انہوں نے اپنے آس پاس اپنے ہم مذہبوں کی جتھے بندی کی ہوئی تھی۔

بخشی اور دھن راج کی طرح بھیشم داس بھی اپنے نام سے ہندو معلوم ہوتا تھا۔ دھن راج کی محبوبہ کامنی بھی مسلمان یا عیسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جن مسلمانوں سے کام یا معلومات لیتے تھے' انہیں استعمال کے ڈھیلے کی طرح حسبِ ضرورت استعمال کر کے دور پھینک دیتے تھے۔

وہ جس پیمانے پر کام کر رہے تھے اس میں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں تک محدود رہتے۔ مجھے دکھ تھا کہ ہندوؤں کے صدیوں پرانے نسلی تعصب کے باوجود بعض اہم پاکستانی ان کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں چوہدری سلام' سندھ کے چیف سکریٹری اور آئی جی کے نام سرفہرست تھے۔

یہ تینوں وہ لوگ تھے جو گھٹوئل کی وجہ سے میرے سامنے بے نقاب ہوئے تھے۔ دوسرے پردہ نشینوں میں کس کس کا نام شامل تھا' یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

اول خان کرب اور بے چارگی کے عالم میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اس کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے فون پر دھن راج سے چھیڑ چھاڑ کر کے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔

فون پر دھن راج سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے کنٹرول روم سے اول خان کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ عباسی شہید اسپتال سے نکل چکا تھا۔ اس سے کنٹرول روم کے ذریعے ریڈیو وائرلیس پر رابطہ کیا جا سکتا تھا۔

ملیر چھاؤنی کے ایک وسیع میدان میں ایس ٹی ایف کے زیرِ استعمال بیرکس تین سمتوں پر اس طرح بنی ہوئی تھیں کہ بیشتر دفاتر اور کمرے ہر جگہ سے نظر آتے تھے۔ اول خان کے دفتر میں روشنی دیکھ کر دونوں عورتوں نے اندازہ لگا لیا کہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو بھی اول خان کے آدمی کے بارے میں تشویش تھی۔ وہ ٹہلتی ہوئی وہیں آ گئیں۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں خوشگوار موڈ میں تھیں۔ ویرا میرے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد سارے گلے شکوے بھول چکی تھی۔

"تمہارے اوپر معلومات کا مینہ برس رہا ہے۔" ویرا نے تازہ ترین خبریں سننے کے بعد کہا "اب میجر بخشی یا اوبرائن کو بھی چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"یہ اندھے کی لاٹھی نہیں' سوچی سمجھی راہ تھی جو میں نے اختیار کی تھی۔ میں نے دھن راج سے اپنی اور بخشی کی ملاقات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ کسی اور کو چھیڑنا بے سود ہو گا۔ وہ رات بھر خود اپنی ہی آگ میں جلتے رہیں گے۔" میں نے اس کا مشورہ ٹال دیا۔

میں اس وقت اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ویرا اور غزالہ کی آمد کے بعد باتوں میں الجھ کر وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان کا فون آ گیا۔

اسے کنٹرول روم والوں نے بتا دیا تھا کہ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کہیں سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔

"قربان علی کا کیا حال ہے؟" اس کی دل جوئی کے لیے میں نے پہلا سوال کیا۔

"وہ بری طرح زخمی ہوا ہے مگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"

"تمہیں علم ہو چکا ہو گا کہ اس کی قربانی رائگاں نہیں گئی ہے۔ وہ جیپ تھوڑی ہی دور نکلنے کے بعد ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہو گئی تھی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "یہ خبر تم تک پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔ وہ جیپ چوری کی ہے۔ حیرت ہے کہ دور تک قلابازیاں کھانے کے باوجود اس کے سوار موقع سے فرار ہو گئے۔ ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"انڈر ورلڈ میں بھیشم داس نامی آرمز ڈیلر کو تلاش کرو۔ وہ اپنے دو معاونوں سمیت بری طرح زخمی حالت میں فرار ہوا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی وہ پریشانی رفع کردی۔

"تم حیران کن کارکردگی دکھاتے ہو۔ بھیشم داس ہمارے لیے نیا نام نہیں ہے۔"

"یہ سہولت بس اسی وقت تک ہے جب تک وہ میرے دہرے روپ پر بھروسا کررہے ہیں۔ جس دن یہ بھید کھلا' ہمارا کام بہت بڑھ جائے گا۔"

"جیپ میں بھاری تعداد میں میگزین اور ہزاروں فاضل راؤنڈز کے علاوہ بیس خود کار رائفلیں بھی تھیں۔ پورے شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے۔ یہ مہلک سازو سامان ابھی تک سڑک پر بکھرا ہوا ہے کیونکہ صوبے کے اعلیٰ افسران ذرائع ابلاغ کے لیے اس حادثے کی یوں ہی فلم بندی کرانا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ بہت اچھا ہوگا۔ لوگوں کو پتا چلے گا کہ ملک دشمن دہشت گرد کس پیمانے پر حرکت میں آچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فلمیں چھوٹے موٹے غداروں کے ضمیر جھنجھوڑنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"غداروں کے لیے تم نے چھوٹے اور بڑے کی تفریق کہاں سے نکال لی؟"

"بڑے غداروں کے نام تمہارے سامنے ہیں۔ کھٹومل کو حمایت فراہم کرنے والے چوہدری سلام اور اعلیٰ صوبائی افسران کو تم کس کھاتے میں ڈالو گے؟ شاید کوئی بڑی سے بڑی واردات بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گی۔ یہ ہماری آستینوں میں اسی طرح زہریلے سانپ پالتے رہیں گے۔"

"تمہیں اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" یکایک اس کی آواز قدرے دھیمی ہوگئی "ان بڑے اہل کاروں کے سروں پر جب تک دو چار فرض شناس لیڈر یا بیوروکریٹ بیٹھے ہیں' ان کی ناپاک سازشیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔"

وہ شاید سانس لینے کے لیے رکا تھا کہ میں بول پڑا "ان کی کامیابیوں کا سفر سست ضرور ہے مگر جاری ہے۔ ان سے کون باز پرس کرسکتا ہے؟"

"تم پوری بات سنے بغیر نتیجہ اخذ کررہے ہو۔ اس وقت صوبے کی اعلیٰ ترین انتظامی شخصیات یہاں جمع ہیں۔ ان کی باہمی گفتگو سے پتا چلا ہے کہ کھٹومل کی سرپرستی کرنے والے آئی جی کو معطل کرکے فرائض سے سنگین غفلت برتنے کے الزام میں خفیہ چارج شیٹ جاری کردی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ضابطے کی کارروائی کے بعد اسے معزول کردیا جائے۔"

"اور چیف سیکریٹری کا کیا بنا؟ وہ اب بھی دوسروں کو گمراہ کررہا ہوگا۔"

"نہیں۔ وہ بہت بڑا عہدے دار ہے مگر اس کا تبادلہ کردیا گیا ہے۔ اب وہ او ایس ڈی یعنی عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت جائے واردات پر ایک نیک نام افسر اس کی ذمے داریاں سنبھالے ہوئے ہے۔"

"وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار ہو مگر وہ کرپٹ ہے۔ اس نے بھرے اجلاس میں کھٹومل کی مجرمانہ حمایت کی تھی۔ اتنے گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوسکتی۔ تبادلے کو سزا قرار دینا ایک سنگین مذاق ہے۔"

"یہ باریکیاں تم نہیں سمجھ سکتے۔ پورے ملک میں صرف ایس ٹی ایف ایس سروس ہے جس میں کسی بھی طریقۂ کار کے بغیر کھڑے کھڑے ہر شخص کو ملازمت سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔ یہی طریقہ تقرر کا ہے کیونکہ فورس قانون سے ماورا ہے۔ دوسری تمام سروسز کو مضبوط قانونی اور آئینی تحفظات حاصل ہیں۔ میں یہ بات تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"غیر اصولی باتوں کا جواز کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو' میرے دماغ میں نہیں سما سکتا۔ جرم سے چشم پوشی بھی برابر کا جرم ہے۔ ہمارے یہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

"میں باہر کی خیر خبر لیتا ہوں۔ یہاں سینہ بہ سینہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی جیپ ایس ٹی ایف کے اہل کار کے تعاقب کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہوئی ہے۔ ہر آنے والا افسر اس بارے میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ بات دشمنوں تک بھی پہنچ جائے گی۔"

"تمہیں اس بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ کچھ آنکھیں چوبیس گھنٹے ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہیں۔"

"پھر یہ ایک بہترین موقع ہے۔ بھیشم داس کے حوالے سے یہ خبر اڑا دو کہ وہ اوبرائن اور دھن راج کے ایما پر ہتھیاروں کی وہ کھیپ لے جارہا تھا۔"

"اس شوشے سے امریکی سخت دباؤ میں آجائیں گے مگر پہلی شرط یہی ہے کہ بھیشم ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ وہ بہت چالاک اور پیشہ ور مجرم ہے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ اسے گھیر لینے کے بعد ابتدائی طور پر تم اس سے ہر بات منسوب کرسکتے ہو۔"

اس کی ہلکی سی ہنسی میں سفاکی ابھر آئی "وہ پولیس والوں کا قیدی ہوگا۔ ان کی تھرڈ ڈگری کے سامنے ہر بات قبول لے گا۔"

"تم نے یہ کام کر دکھایا تو کھیل میں تیزی آجائے گی۔" میں نے اسے مزید شہ دی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اس واقعے کا پورا پس منظر جاننے کے لیے اب مجھے تمہارے ساتھ مل کر بیٹھنا ہوگا۔ میں کوشش کرکے جلد ہی واپس آؤں گا۔"

"آؤ۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔" میں نے یہ کہا اور فون بند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردیا۔

"مجھے حالات پر چھایا ہوا جمود ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی بساط اب جلد ہی لپیٹ دی جائے۔" ویرا نے پرامید لہجے میں کہا۔

"اوبرائن جس منصوبے پر کام کررہا ہے' اسے آسانی سے تباہ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر پرخیال انداز میں کہا "اس منصوبے پر نئی دہلی سے واشنگٹن تک سیکڑوں دماغ پوری عرق ریزی سے شب و روز کام کررہے ہوں گے۔"

"وہ سب پسِ پشت ہیں۔ یہاں اوبرائن ہی ماسٹرمائنڈ ہے۔" وہ بولی۔

"ہم اسے مار گرانے کی امید کرسکتے ہیں۔ اس کے ہٹنے سے منصوبے کی رفتار سست ہوجائے گی مگر اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہوگا۔"

"ہم وہی کام کرسکتے ہیں جو ہماری بساط میں ہے۔ اس سے بڑھ کر کارگزاری دکھانے کی کوشش میں ہم نقصان بھی اٹھا سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"سچ پوچھو تو مجھے موجودہ حالات میں اوبرائن کا منصوبہ بہت ناقص نظر آرہا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایک نئی بات کہہ کر سب کو چونکا دیا۔

"محرکات' عوامل اور نتائج تمہارے سامنے آنے لگے ہیں اور تم پھر بھی ایسی خوش فہمی کا مظاہرہ کررہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تاریخ کے بعض اصول بہت اٹل ہیں۔" ویرا نے فضا میں انگلی بلند کرکے کہا "ہر خطے میں فکری تبدیلیاں صدیوں کے ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ اس...."

"ٹھہرو!" سلطان شاہ نے اسے درمیان میں ٹوک دیا "اپنے یہ نادر فلسفے ذرا آسان سی اردو میں بیان کرو تو میں بھی کچھ سمجھ سکوں گا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "یہ مطالبہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اہلِ زبان ہو اور ویرا امریکی ہے۔ اس نے کون سی پیچیدہ بات کی ہے؟"

"مجھے نا اہلِ زبان ہی رہنے دو۔ ویرا میری بات سمجھ چکی ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"میں کہہ رہی تھی کہ اس اصول کا اطلاق اوبرائن کے منصوبے پر بھی ہوتا ہے۔ امریکی ایک جلد باز قوم ہیں۔ وہ صبر کے ساتھ ایسی فکری تبدیلیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"تم بات کو گھما پھرا رہی ہو۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اس وقت مقامی ردِعمل اور مزاحمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہے ہیں۔ جب کچھ کرنے کا ارادہ کریں گے تو ان کی یہاں فوجی موجودگی ناگزیر ہوگی۔"

"تم کیا بڈیاں بک رہی ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں ویرا پر برس پڑا "امریکی فوجوں کو یہاں آنے سے پہلے اپنے خون کے سمندر سے گزرنا ہوگا۔ یہ ملک اس لیے نہیں بنا تھا کہ باہر سے آنے والے ہماری تقدیروں کے فیصلے صادر کریں۔"

سلطان شاہ کے جارحانہ تیور دیکھ کر ویرا سٹپٹا گئی اور مدافعانہ انداز میں بولی "مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا اصل منصوبہ کیا ہے۔ میں ایک امکان کا ذکر کررہی تھی۔ تم بلاوجہ ہی جذباتی ہوئے جارہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب میں بھی تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پاکستان کو عزیز رکھتی ہوں۔ میں اس ملک کی بدخواہ نہیں ہوں۔"

"ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں' مسائل کا حل سوچنے کے لیے بیٹھے ہیں۔" غزالہ نے ویرا کی حمایت میں سلطان شاہ کو سمجھایا۔ "ویرا کو اپنی بات پوری کرلینے دو۔"

"اب مجھے فوجی موجودگی کے مفہوم کی بھی وضاحت کرنا ہوگی۔" ویرا نے استقامت سے کہا "تم یہ دیکھو کہ عالمی طاقتوں نے پورے اہتمام کے ساتھ دنیا کے ہر اہم خطے میں ایسے نازک معاملات کو زندہ رکھا ہوا ہے جنہیں جواز بنا کر وہ کہیں بھی دخل انداز ہوسکتے ہیں۔"

"کیا تم اب کشمیر کا حوالہ دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" ویرا مسکرائی "شاید تم کو یاد ہوگا کہ ڈینی سے اپنی گفتگو میں اوبرائن ڈی ہنٹ نے اعداد و شمار کے ذریعے یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان نے صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے پورے خطے میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"مگر ہم ایٹمی طاقت نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"یہ قوت بھی ہمارے حریف بھارت کے پاس ہے۔ اگر ایٹمی دہشت گردی ہورہی ہے تو بھارت اس کا ذمے دار ہے۔"

"یہ تم کہتے ہو۔ دنیا کو اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اسلامی بم کے حوالے سے بنائی جانے والی فلموں میں تمہارے ہم وطنوں کو شرلاک ہومز سے بھی زیادہ چالاک اور عیار دکھایا گیا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے' محدود تجربات ہوچکے ہیں۔ اعلان کے لیے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کیا جارہا ہے۔ امریکا بھی بار بار یہی کہتا ہے۔"

"تم بار بار ویرا کی بات کاٹ رہے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو ٹوکا۔

"تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا "میں وہ باتیں دہرا رہی ہوں جو میری دانست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں امریکیوں کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہیں۔"

"تم بولتی رہو' میں تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیکھو کہ عراق کے ساتھ کیا کیا گیا۔" ویرا نے بات جاری رکھی "ایک واضح عالمی اکثریت کو یقین ہے کہ امریکا کے پروردہ مشیروں نے عراقی قیادت کو یقین دلایا کہ وہ بہ زورِ قوت کویت سے اپنا علاقہ واپس لے لے' امریکا کے کان پر جوں بھی نہیں رینگے گی مگر پھر کیا ہوا؟"

"جو کچھ ہوا' وہ اب تاریخ کی امانت ہے۔ آنے والا وقت ہی اس درندگی اور بہیمیت کا فیصلہ کرے گا۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکا کو اس دور دراز علاقے میں ایسی سازشی مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔ ان گنت جانیں اس یک طرفہ جنگ کا ایندھن بن گئیں۔" غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"امریکا کی نظر اس علاقے کے تیل کے ذخائر پر تھی۔ آج وہ ان پر قابض ہے۔ اسے اپنے جدید ترین جہازوں اور ہتھیاروں کے لیے ٹسٹ فیلڈ درکار تھی۔ اس کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بند پڑی تھیں۔ جنگ کے بعد دنیا بھر میں امریکی ہتھیاروں اور طیاروں کی زبردست مانگ پیدا ہو چکی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے عراقی قیادت کو دانستہ بہکایا گیا تھا۔" سلطان شاہ معترض ہونے کے باوجود ویرا کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"کہا یہی جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے دشمن کے اس کھیل کو نہیں سمجھ سکے اور دام میں آگئے۔ یہ ان کا آزمودہ فارمولا بن چکا ہے۔ وہ اسے کہیں اور بھی آزما سکتے ہیں۔"

سب خاموش رہے۔ جب ویرا دوبارہ کچھ نہ بولی تو سلطان شاہ نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بے چینی سے کہا "تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟ وہ اس فارمولے کو کہاں اور کیسے آزمائیں گے؟ تمہاری یہ باتیں اب کسی حد تک سمجھ میں آرہی ہیں۔"

"اس سے آگے میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔ تم بھی اپنی عقل پر زور دو۔ میں نے کچھ کہا تو تم پھر مجھ سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔"

ویرا نے اس منصوبے کے ایک نئے پہلو کا ذکر چھیڑ کر مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا۔

روس کی ٹوٹ پھوٹ اس کی افغانستان میں مداخلت کی وجہ سے رہی ہو یا اقتصادی تباہی کے باعث' اس کے بعد طاقت کا عالمی توازن بگڑ چکا تھا۔ امریکا قوموں کے دنگل میں اکلوتا سورما رہ گیا تھا جو ہر طرف بنکارتا پھر رہا تھا۔ عالمی ادارے اس کے گھر کی باندی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے اپنی من پسند منظوریاں لینے کی پوزیشن میں تھا۔

دوسری طرف کشمیر میں کنٹرول لائن کے نام سے ایک سلگتی ہوئی بارودی لکیر موجود تھی۔ امریکا بھارت یا پاکستان میں سے جس پر بھی نامہربان ہوتا' اپنے نمک خواروں کے ذریعے اس کے کسی طالع آزما کو اس لکیر میں اپنی پسند کی تبدیلیاں لانے پر اکسا سکتا تھا۔

دونوں میں سے کسی بھی حریف کو اپنے جال میں پھانس کر بعد میں جارحیت کا نعرہ لگانا خارج از امکان نہیں تھا۔ اسی نعرے کی بنیاد پر امریکا قوموں کی عالمی انجمن کے نام پر علاقے میں اپنی بھرپور فوجی موجودگی کا رسمی جواز فراہم کر سکتا تھا۔

وہ سب بہت دور کی اور بھیانک باتیں تھیں۔ میں ایک... جھرجھری لے کر رہ گیا اور ان پراگندہ خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویرا اپنی سوچ کے اعتبار سے شیطان کی خالہ تھی۔ اپنا زورِ بیان جس طرف صرف کرتی تھی' اس بات کو صداقت کی دہلیز تک پہنچا کر ہی دم لیتی تھی۔

میں اول خان کے دفتر سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ وہ عالمی سیاست اور آویزشوں کے قصے تھے جب کہ ہم میں سے کوئی بھی اس شعبے میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ ہماری لڑائی کی ابتدا پاکستان سے ہیروئن کے انسداد سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں دور تک جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا تھا کہ اس نشے کی غیر قانونی تجارت کا سب سے بڑا مخالف امریکا ہی شی نامی تنظیم کے ذریعے ہیروئن کی خطیر آمدنی سے استفادہ کر رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے ہم پر ہر لمحے امریکا پر حکمرانی کرنے والوں کے نت نئے اور گھناؤنے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے جن میں بنیادی نکتہ پاکستان سے مخاصمت پر مبنی تھا۔

اس لڑائی میں میں نے انفرادی طور پر امریکی مفادات کو اتنا شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا کہ کچھ عرصے سے ہیروئن کے معاملات پس پشت چلے گئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکا میرے خلاف اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھے پیس ڈالنا چاہتا ہو۔

میری اور ویرا کی امریکا سے واپسی کے بعد انفرادی زور آزمائی کا یہ رنگ زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ میرے خلاف اس جنون کو اوبرائن نے بہت زیادہ ہوا دی تھی اور پھر اسی کی زبان سے ایشیا کے بارے میں امریکا کے نئے اور چونکا دینے والے سیاسی عزائم سامنے آئے تھے۔

اوبرائن پاکستان میں تھا اور پاکستان میرا گھر تھا۔ سرکاری سطح پر کی جانے والی تردیدوں اور بعض مواقع پر میرے خلاف اختیار کیے جانے والے مخاصمانہ رویّے کے باوجود امریکیوں کو یہ یقین تھا کہ ان کے خلاف مجھے پاکستانی حکومت کا پورا پورا تعاون حاصل تھا اور میں بھاری افرادی قوت کے ذریعے ہر اہم موقع پر ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے لگا رہتا تھا۔

روشن برآمدے میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر سیاسی معاملات سے دوری اختیار کرلوں گا۔ سیاست میں گمنام رہ کر بے لوثی سے کام کرنے والوں کا انجام عام طور پر قابلِ رشک نہیں ہوتا تھا۔

اول خان کے دفتر سے اپنے کمروں کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا تو ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں اس فیصلے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

"کیوں؟" میں نے دور سے آنے والی روشنیوں کے دھندلکے میں اسے گھورا "مجھے اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟"

"بھنور میں آئے ہوئے تنکے بالکل بے بس اور بے بساط ہوتے ہیں۔ وہ لہروں کا ساتھ چھوڑ کر اسی گرداب میں گھومتے رہتے ہیں۔ تم بھی حالات کے قیدی ہو۔"

"آپ ویرا کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے مجھے سمجھایا "آپ اپنی مرضی سے سیاست کی طرف کب جاتے ہیں؟ مجبوریاں اس طرف دھکیل دیتی ہیں۔"

"جرائم کی تفریق بس نچلی سطحوں پر پائی جاتی ہے۔ کوئی منشیات فروش ہوتا ہے، کوئی قاتل اور کوئی دہشت گرد مگر اوپر کی سطح پر سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجاتا ہے۔" ویرا بولی۔

آپ کے لیے کھٹوبل اور چوہدری سلام موت کے سوداگر تھے مگر وہ سیاست داں بھی تھے۔ انہیں سیاست کے نام پر معاف یا نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔" غزالہ نے دلیل دی۔

"اوبرائن کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا "تمہارے ملک کا دشمن، تمہارے لہو کا پیاسا! کیا تم اسے صرف اس وجہ سے چھوڑ دو گے کہ وہ ایشیا کے لیے ایک نئے سیاسی منصوبے پر کام کررہا ہے؟"

مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس گرداب میں کچھ بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں تھا۔ حدِ فاصل لگانے کے چکر میں میں کہیں بھی بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔

بارہ بجے تک ہم ایک ساتھ بیٹھے اول خان کی واپسی کا انتظار کرتے رہے پھر عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سلطان شاہ تھکے ہارے انداز میں اپنے پلنگ پر دراز ہوگیا۔

اول خان دو بجے کے بعد تھکا ہارا ہمارے پاس آیا تو اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔

"بھیشم داس اپنے دونوں زخمی ساتھیوں سمیت سولجر بازار کے ایک اسپتال سے پکڑا گیا ہے۔ بھیشم بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس کے دونوں آدمی بے ہوش ہیں۔ ان کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا ہے۔" اول خان نے انگڑائی لے کر بتایا۔

مجھے بے اختیار اپنے بازو کا مندمل ہوتا ہوا زخم یاد آگیا۔ میرے ساتھ بھی بالکل وہی صورت رونما ہوئی تھی جس سے بھیشم کے دونوں ساتھی دوچار تھے۔

"وہ تینوں کہاں ہیں؟" ان کی حالت کے پیشِ نظر میرا وہ سوال فطری تھا۔

"دونوں بے ہوش اسپتال میں ہی پولیس کے پہرے میں ہیں۔ بھیشم کو میں نے یہاں گارڈ روم میں اسٹاف کے حوالے کردیا ہے۔ صبح تک اس کی طبیعت صاف ہوجائے گی۔"

"اس سے پوچھ گچھ کا کام ہمیں خود سرانجام دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے جوش سے کہا۔

"رہنے دو۔ اس پر بلاوجہ اپنی رات کالی نہ کرو۔ یہاں پہنچنے تک وہ رو رو کر دعوے کررہا تھا کہ اس کا کسی جیپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ تینوں پیدل چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "صبح تک اسے ساری بھولی بسری باتیں یاد آجائیں گی۔"

قربان علی کو اسپتال سے کب رخصت کیا جائے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ہڈی نازک جگہ سے ٹوٹی ہے۔ اسے آرام کے لئے کئی دن وہاں رہنا ہوگا۔" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں بتایا۔ "اچھی بات یہ ہے کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔"

"ہتھیاروں کی اس کھیپ کے اصل مجرموں کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟"

"بھیشم کی زبان سے وہ اصل کہانی جاری کردیں گے مگر اوبرائن کے خلاف قطعی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ سفارتی مراعات کی وجہ سے ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اسے ناپسندیدہ قرار دے کر نکالا گیا تو دونوں ملکوں کے مراسم میں تلخی آجائے گی۔"

"میجر بخشی کی بھی بالکل وہی پوزیشن ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"نئی دہلی میں ہمارا سفارتی عملہ مختصر اور بالکل صاف ستھرا ہے۔ انفارمیشن نیٹ ورک ان سے بالکل الگ ہوکر اپنا کام کررہا ہے۔ یہاں کچھ ہوا تو وہ ایک آدھ افسر کے انخلا اور احتجاج سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

لباس تبدیل کرکے بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی اول خان ہتھیاروں کی کھیپ کا راز فاش ہونے کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ مجھے دھن راج سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے من و عن اسے بتادیا تاکہ وہ پوری باخبری کے ساتھ اس معاملے کو سنبھال سکے۔

○☆○

بھیشم گہری سیاہ رنگت، پستہ قامت اور بھاری بدن کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا مکروہ صورت بھی واقع ہوا تھا۔ اس کے چوڑے چہرے اور پھیلے ہوئے جبڑوں پر کئی جگہ سے سیاہ جلد پھوڑوں کی شکل میں پھولی ہوئی تھی۔ رہی سہی کسر زخموں سے بہہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جمنے والے خون نے پوری کردی تھی۔ اسے نظر بھر کر دیکھنا کوئی خوش گوار عمل نہیں تھا۔

گارڈ روم کی سلاخوں والی کھڑکی سے ہم نے اسے ننگے فرش پر پڑا ہوا دیکھا' اس نے ہمیں دیکھ لیا اور دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر فریاد کرتا ہوا فرش سے اٹھنے لگا۔

محافظ نے تالا کھول کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ میں اول خان کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

بھیشم اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن داہنی طرف بہت زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ حادثے میں اس کے دونوں ساتھیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹی تھیں۔ مگر معجزانہ طور پر بھیشم کی ساری ہڈیاں سلامت تھیں۔ اسے متعدد ہلکے اور گہرے زخم آئے تھے یا پھر اندرونی چوٹیں تھیں جو نظر نہیں آسکتی تھیں۔

بھیشم کے دماغ پر حادثے کی دہشت یا اپنے ساتھیوں کے بارے میں تشویش مسلط نہ ہوتی تو وہ چیک اپ کے بعد اسپتال سے نکل بھاگا ہوتا مگر اول خان کے ہاتھوں گرفتاری اس کا مقدر بن چکی تھی۔ وہ اس خطرے کو بھول کر وہاں رکا رہا اور پکڑا گیا۔

"مائی باپ! مجھے بخش دو' مجھے معاف کردو۔ میں نے جیپ چرائی تھی۔ آگے مجھے کچھ پتا نہیں۔ میرے اوپر اتنا ظلم مت کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

وہ رک رک کر ٹوٹے پھوٹے فقروں میں ایسی ہی تکرار کئے جارہا تھا۔ اول خان نے قہربار نظروں سے محافظ کی طرف دیکھا اور وہ پریشان ہوگیا۔

"سر! ایک گھنٹے میں ہی یہ بولنے لگا تھا۔ کچھ دیر آرام کرکے اب اس نے پینترا بدل لیا ہے۔ میں اس کا دماغ ابھی درست کرتا ہوں۔"

وہ لپک کر فضا میں اچھلا۔ اس کے دونوں وزنی جوتے پوری قوت سے بھیشم کے سینے پر پڑے۔ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا دور جاگرا۔

گارڈ نے دوسری فلائنگ کک کے تیور اختیار کئے ہی تھے کہ بھیشم دہل اٹھا۔ "باپ رے باپ! بس کرو۔ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ میں اپنے جنم میں تھوکوں' میں نے کیوں منہ کالا کیا تھا؟ ہائے رے! وہ ٹرک نہ بیچ میں مرتا تو میرا یہ حال نہ ہوتا۔"

"ابے' یہ بین بند کر اور سیدھی طرح بتا کہ دھن راج نے تجھ سے کیا سودا کیا تھا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پشت پر زوردار ٹھوکر رسید کرکے پوچھا۔

وہ بلبلا اٹھا اور پھر کسی دہشت زدہ بلی کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "تم کو سب معلوم ہے تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ سالا....."

"صرف سوال کا جواب دو ورنہ ادھیڑ دیئے جاؤ گے۔" میں نے خونخوار لہجے میں دھمکی دی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ "یہ سات لاکھ میں ہزار کا سودا ہوا تھا۔"

"تم اس سے دو دفعہ ملے تھے۔ اس نے تمہیں رقم کس وقت ادا کی تھی؟"

"چھ لاکھ مال جمع کرنے کے لئے پیشگی لئے تھے۔ مال لے کر ہوٹل پہنچے تو باقی رقم مل گئی تھی۔"

"جیپ میں بھرے ہوئے ہتھیار تمہیں کس کو پہنچانے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ان..... انگارہ گوٹھ میں۔" اس نے ہکلا کر بہت مختصر سا جواب دیا۔

"پورا پتا بتاؤ کتے کے بچے!" میں نے گرج کر اسے ایک اور ٹھوکر لگائی۔

"انگارہ گوٹھ۔ لالو کھیت بی ایریا میں ہری چند کی دکان پر۔" ایک بے ساختہ چیخ کے بعد وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔

"یہ پتا پورا نہیں ہے۔ تفصیل بتاؤ۔ ہری چند وہاں کیا بیچتا ہے؟"

"مائی باپ یہ پورا پتا ہے۔ انگارہ گوٹھ بی ایریا کے پیچھے ندی کے کنارے نئی آبادی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہری چند وہاں بھوسا' پھٹی' چوکر اور چارہ بیچتا ہے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اول خان کی طرف دیکھا اور اس نے سرہلا کر بھیشم کی بات کی تائید کرکے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔

میجر بخشی' دھن راج اور بھیشم کی طرح ہری چند بھی ہندو تھا۔ اس وقت تک دہشت گردی کی اس کڑی میں کسی مسلمان کا نام نہیں آیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ رازداری کے ان بنیادی مراحل کے بعد یقینی طور پر ہر مذہب کے ملے جلے کارندوں کو خریدا گیا ہوگا۔

"ہری چند گھاس پھوس میں ان ہتھیاروں سے کیا کام لینے والا تھا؟"

"خدا قسم' یہ ہم کو نہیں پتا۔ ہم پیسہ لے کر اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہے۔"

"تم نے پہلے بھی دھن راج کے لئے ایسے کام کئے ہوں گے۔" میں نے سوال کیا۔

"دو تین چھوٹے موٹے دھندے کئے تھے۔ یہ بڑا ڈیل تھا۔" اس نے اقرار کیا۔

"تم ایک مدت سے یہ کام کررہے ہو۔ کئی بار پکڑے بھی گئے ہو اور ہر بار حوالات سے چھوٹ آتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" اس بار باز پرس کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی۔

بھیشم کا جواب میرے لئے متوقع تھا۔ "صاب! یہ ہمارا روزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ہم مل بانٹ کر کھانے والا آدمی ہے۔ پولیس کو بھی حصہ دیتا ہے۔ ان کو زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے تو پکڑ کر بند کر دیتے ہیں۔ م بھاؤ بڑھا دیتا ہے تو جان خلاصی ہو جاتی ہے۔"

"تمہارے پاس ایسے خطرناک ہتھیار کہاں سے آتے ہیں؟"

یری دانست میں اول خان کا وہ سوال غیر ضروری اور بچگانہ تھا۔

"لانچ سے آتا ہے۔ امپورٹر لوگ بلیک کرتا ہے۔ دس راستے ں۔"

"تم نے کبھی اوبرائن ڈی ہنٹ یا اولبی کا نام سنا ہے؟" میں نے کہنی سے اول خان کے پہلو میں ٹہوکا دے کر اسے خاموش کر کے پوچھا۔

"نہیں صاب..... ہم نے کبھی کسی ہنٹ شنٹ کا نام نہیں نا۔"

"مگر اب سن لیا ہے۔" میں نے سفاکانہ غراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ یہاں تم ہتہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔"

"جی صاب!" وہ جلدی سے بولا۔

"جب تم اپنے بیان کے آخر میں ان لوگوں کے نام بتاؤ گے ن کو اب تک ہتھیار سپلائی کرتے رہے ہو تو اس میں اولبی کا نام ی ہو گا۔ یاد رکھنا کہ یہ ایک گورا ہے۔"

"مم..... مگر صاب ہم اس کو نہیں جانتا۔" اس نے جھجکتے وئے کہا۔ "بہت سا خریدار سامنے ہی نہیں آتا۔ ہم کسی خالی گھر یا کان میں مال پہنچاتا ہے۔ وہیں رقم کا تھیلا مل جاتا ہے۔ سارا ڈیل ان پر بات چیت سے طے ہو جاتا ہے۔"

"جو جانتے ہو' وہ سب بتاؤ گے اور اولبی کا نام بھی لو گے ورنہ م تمہیں دوبارہ یہاں لے آئیں گے۔ یہاں دور دور تک کوئی ہماری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔"

بھیشم داس ان پختہ کار اور خرانٹ مجرموں کے قبیلے سے علق رکھتا تھا جو اپنی بساط کے مطابق آخر تک اپنے رازوں کی فاظت کرتا ہے مگر جب یہ بھانپ لیتا ہے کہ زبان کھولے بغیر جان میں بچ سکے گی تو پھر وہ خود بہ خود بچ بولنے لگتا ہے۔

وہ شخص انتہائی سخت جان اور چرب زبان ہونے کے ساتھ آخری درجے میں خوشامدی بھی ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے اقرار پر ں نے یقین کر لیا کہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکلنے کے بعد وہ پنے وعدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

"صاب.....! ہم بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ ہم کو کچھ چائے کھانا ی دے دو۔" ہمارے نکلتے نکلتے اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن دروازہ مقفل ہونے کے بعد اول خان نے گارڈ کو اس کے ور ونوش کے بارے میں ہدایت دے دی۔

اول خان مجھے اپنی اس دن کی مصروفیات کا ہلکا سا خاکہ بتانے کے بعد وہیں سے دفتر کی طرف ہو لیا۔ میں واپس کمرے میں پہنچا تو سلطان شاہ گہری نیند سو رہا تھا۔

آسمان کے مشرقی گوشوں پر صبح کی سفیدی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ خلا میں ہم سے بہت دور سورج شاید زمین کے اس خطے کی مقابل اپنا سر ابھار چکا تھا مگر میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ میری ذاتی رائے نہیں تھی' بس کہیں پڑھی ہوئی یہ سائنسی حقیقت ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی رہ گئی تھی کہ پونے دو لاکھ میل فی سیکنڈ سے زیادہ رفتار سے سفر کرنے والی روشنی سورج سے زمین تک پہنچنے میں پورے آٹھ منٹ لیتی ہے۔

صبح کے اولین اجالے میں یہ خیال بہت فکر انگیز تھا کہ ہم اپنے گرد پھیلے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں روشنیوں کی صورت میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اس وقت کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ فاصلوں کے لحاظ سے چند منٹ' چند گھنٹوں یا چند صدیوں پہلے کا ماضی ہوتا ہے جو ہمیں بعد میں دکھائی دیتا ہے۔

ہم سب کائنات کے ایسے لامتناہی اور وسیع نظام میں رہ رہے تھے جس میں زمین تو کیا' شاید سورج کی بھی کوئی زیادہ بڑی حیثیت نہیں تھی مگر اس زمین پر بسنے والے انسانوں کا یہ عالم تھا کہ اربوں کی آبادی میں رہنے والے بعض اوبرائن اور بھیشم خود کو فرعونِ وقت تصور کر کے سب کچھ بدل دینے کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔

اس رات میں نے بس ذرا سی دیر کے لئے اونگھنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس وقت نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن تھکا ہوا اور سر بھاری تھا میں بستر پر دراز ہونے کے بجائے غسل خانے کی طرف ہو لیا۔

طویل اور فرحت انگیز غسل کے بعد میں واپس لوٹا تو تپائی پر تازہ اخبارات موجود تھے۔

ہر اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں پچھلی شام کے اسی حادثے کی خبر تھی جس کے نتیجے میں شہر میں ہتھیاروں کی آزادانہ ریل پیل سامنے آئی تھی۔

خبروں کے مطابق اس انکشاف سے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ شہری عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہو گئے۔ وہ اخباری نمائندوں کے اپنے لگے بندھے اندازے ضرور ہو سکتے تھے مگر حقیقت سے زیادہ قریب نہیں تھے۔

کسی بھی اخبار کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی مدت میں شہر کی آبادی کے تمام طبقوں کا سروے کر کے کوئی یقینی بات لکھ سکے۔ نامہ نگاروں نے اپنی میزوں پر بیٹھ کر سنسنی خیزی کے لئے جو کچھ لکھا' وہ بیشتر اخباروں نے من و عن چھاپ دیا تھا۔

یہ طے تھا کہ وہ ان دنوں کی شاید سب سے بڑی خبر تھی اور اس میں دفتری حاشیہ آرائیوں کے ساتھ فیلڈ ورک بھی نمایاں تھا۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ بھیشم اور اس کے دو زخمی ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات سے پوشیدہ رکھی گئی تھی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی وجہ سے وہ خبر پوری صحافی برادری میں پھیل چکی تھی۔ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے اہم اور بڑے مجرموں کی گرفتاری کی خبر ہر اخبار میں موجود تھی مگر اردو کے ایک ممتاز اخبار نے باوثوق ذرائع کے حوالے سے دو زخمی مجرموں کی تحویل اور ایجنسیوں کے ہاتھوں ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر چھاپ ڈالی تھی۔

امن و امان کے قیام اور ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے ذمے دار تمام ادارے میدان میں اتر کر سرگرم ہو چکے تھے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں اہم حقائق کی نشان دہی کی توقعات ظاہر کی گئی تھیں۔

اس واقعے میں ایس ٹی ایف کے قربان علی کا کردار اس قدر اہم اور کلیدی تھا کہ اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہی نہیں تھا مگر اس کی شناخت کے لئے ایس ٹی ایف کے بجائے ایک خفیہ وفاقی ایجنسی کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

شاید وہ پہلا موقع تھا کہ ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کا نام اور کارنامہ اس طرح اخبارات کی زینت بنا تھا ورنہ وہ لوگ پس پردہ رہ کر بڑے بڑے کام سرانجام دیتے تھے اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس کا سہرا معروف سرکاری اداروں کے سر پر سجا دیتے تھے۔

ایک ایک کر کے میرے باقیہ ساتھی بھی بیدار ہو گئے۔ اس وقت تک میں اخبار بینی اور ناشتے سے بالکل فارغ ہو چکا تھا۔

یہ جان کر ان تینوں کو مایوسی ہوئی کہ بھیشم داس جیسے خوف ناک مجرم کی آمد اور اس سے باز پرس کے مراحل ان کے بیدار ہونے سے پہلے طے ہو چکے تھے۔

اس وحشی درندے کے دیدار کے لئے اول خان کی تلاش کی گئی تو پتا چلا کہ وہ رات گئے لائے جانے والے مجرم سمیت کہیں جا چکا تھا۔

ویرا کا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کر دیا گیا ہو۔

"ہماری آنکھ لگ گئی تھی تو اول خان کے آنے پر ہمیں بیدار کیا جا سکتا تھا۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "اس سے پہلے بھی ضروری کاموں کے لئے ہماری نیندیں خراب کی جاتی رہی ہیں۔"

"رات کو کوئی اس سے نہیں ملا تھا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔ "اول خان بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گارڈ روم اسٹاف کے حوالے کر آیا تھا۔"

"اگر تم بھی اس سے نہیں مل سکے تو پھر مجھے اپنی محرومی کا کوئی افسوس نہیں ہے۔"

"وہ کوئی وی آئی پی نہیں تھا کہ اس سے ملنا میرے لئے باعثِ فخر ہوتا۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کے کہا۔ "نہیں ملا تو نہ سہی۔ میرے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔"

"تم پر رفتہ رفتہ کاہلی غالب آتی جا رہی ہے۔ شاید اب تم تھک گئے ہو۔"

"تم جو چاہے کہتی رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ڈھٹائی اسی کو کہتے ہیں۔ میں ڈبی سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں کی فضا ہمیں راس نہیں آ رہی۔ ہم چاروں کو جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" ویرا نے تیزی سے کہا۔

غزالہ ان دونوں کے درمیان بحث چھڑتے ہی غسل خانے کی طرف ہو لی تھی۔ ویرا نے ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے غائب پایا تو اخبار لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

سلطان شاہ اسے چڑانے کے لئے ہولے ہولے کچھ گنگنانے لگا۔ میں ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ صبح صبح ان کی کسی تکرار میں ملوث ہو کر میں اپنا موڈ برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نشے میں مخمور دھن راج کی زبانی میں اس کے ابتدائی ردِ عمل سے واقف ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی جیپ کی تباہی پر وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ اس کے ذریعے دوسروں کا ردِ عمل جاننے کے لئے مجھے گیارہ بجے تک انتظار کرنا تھا۔

میں نے میجر بخشی اور دھن راج کے ساتھ اوبرائن کو بھی قائل کیا ہوا تھا کہ میں ایس ٹی ایف میں اپنی اہم ذمے داریوں کی وجہ سے انہیں اپنے رابطے کا کوئی نمبر نہیں دے سکتا تھا۔

اس بندوبست میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ صرف میں ان سے یک طرفہ رابطہ کر سکتا تھا۔ وہ چاہتے تو بھی مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ باہمی رابطوں کی اس خامی کی وجہ سے پچھلی رات دھن راج نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جیپ کے حادثے کے بعد طے ہونے والی حکمتِ عملی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے میں اسے صبح گیارہ بجے فون کروں۔

وہ بات اتنی معمولی سی تھی کہ کسی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا نہ میں نے کسی کو اس طے شدہ پروگرام کے بارے میں بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ ساڑھے دس بجے میں خاموشی سے اول خان کے دفتر میں جا بیٹھا۔

وہ خود بھیشم داس کو لے کر صبح سویرے نکل چکا تھا۔ اس کا عملہ میرا اتنا احترام کرتا تھا کہ میرے پہنچتے ہی وہ کمرا میرے لئے خالی کر دیا گیا۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے سی ایس ڈی والے فون پر دھن راج کے کمرے کا ڈائریکٹ نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ فون کی اتنی گھنٹیاں اسے گہری نیند سے بیدار کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھیں۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ پچھلی رات وہ خاصا نشے میں تھا اور بھیشم کی ناکامی نے اسے بہت زیادہ مایوس کیا تھا، کہیں اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کر لی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوٹل میں اس سے رابطے کے لئے دوسرے نمبر ایکس چینج کے تھے۔ میں نے سی ایس ڈی بند کرکے ایک نمبر ملایا۔ آپریٹر نے مجھے کافی دیر ہولڈ کرانے کے بعد آگاہ کیا کہ کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری تشویش گہری ہونے لگی۔

آپریٹر دھن راج کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھا۔ میرے استفسار پر اس نے میری کال استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کردی۔ وہاں موجود خاتون نے مجھے بتایا کہ دھن راج نے رات گئے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔

وہ لوگ بڑے کھیل کھیل رہے تھے اور یقینی طور پر حالات سے باخبر رہتے تھے۔ مشن کی ناکامی کے بعد دھن راج کو یقین رہا ہوگا کہ اتنے بڑے واقعے کے بعد پولیس کسی نہ کسی طرح بھیشم تک پہنچ جائے گی اور پھر اس کا نام بھی بے نقاب ہوجائے گا۔

وہ خطرہ بھانپ کر دھن راج ہوٹل سے نکل چکا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس نے ہوٹل کے ساتھ شہر ہی چھوڑ دیا ہو اور پناہ لینے کے لئے اپنے آبائی شہر عمرکوٹ کی طرف روانہ ہوگیا ہو۔

میرے پاس عمرکوٹ کا نمبر نہیں تھا۔ میں دیر تک کریڈل دبائے سوچتا رہا۔ دھن راج کے غائب ہوجانے کے بعد مجھے یہ حق مل گیا تھا کہ میں براہِ راست میجر بخشی سے رابطے کی کوشش کروں۔

گھر پر اس کی خادمہ نے فون اٹھایا اور مطلع کیا کہ وہ دفتر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ وقت گھر پر اینڈنے کا نہیں تھا۔ میں نے آخری امید کے طور پر اس کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام پوچھا اور انتظار کا مشورہ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت کے سنگین حالات میں میجر بخشی میرا نام سنتے ہی مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔

چند ثانیوں بعد آپریٹر نے میری اس خوش فہمی پر پانی پھیر دیا۔ "سوری سر! وہ مصروف ہیں۔ بات نہیں کرسکتے۔ آپ چھ بجے کے بعد محفوظ فون پر ان سے گھر پر رابطہ کریں۔"

آپریٹر نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میجر بخشی کا وہ رویّہ مجھے توہین آمیز محسوس ہوا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ بھیشم داس کی ناکامی نے ان لوگوں کو بری طرح خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کسی مشن یا کام سے زیادہ اہمیت ان کے اپنے تحفظ کی تھی۔

دھن راج حالات سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ میجر بخشی سرکاری ملازم تھا۔ رسّی تڑا کر بھاگنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ محتاط رہ کر ہی اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

اس کے پیغام پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مجھ سے گریز نہیں کررہا تھا، بس کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ چھ بجے محفوظ فون استعمال کرنے کے مشورے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے بغیر مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا جب کہ دفتر میں آپریٹر کے ذریعے بات کرنے کے لئے سی ایس ڈی کا استعمال ناممکن تھا۔

وہ سب محتاط تھے اور اپنے اپنے حصار میں رہ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ شام تک واقعات اور حالات کا رخ زیادہ واضح ہونے کی امید تھی۔ ورنہ میجر بخشی چاہتا تو مجھے یہ پیغام بھی دے سکتا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچے گا۔ میں محفوظ فون پر اس سے رابطہ کروں۔

میجر بخشی کوئی نو آموز سیکرٹ ایجنٹ نہیں تھا جو جوش یا عجلت پسندی میں کوئی غلط فیصلہ کرگزرتا۔ وہ تیل اور تیل کی دھار دیکھ کر فیصلہ کرنے والوں میں سے تھا۔

دھن راج کی طرف سے مکمل مایوسی اور بلیک آؤٹ کے بعد میجر بخشی سے مجھے تھوڑی سی آس بندھی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ پیدا ہونے والے میرے رابطے برقرار رہیں تاکہ میں ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہوتا رہوں اور پھر مناسب وقت میں ایک ہی بھرپور وار کرکے ان کے ارادوں کو پیوندِ خاک کردوں۔

ان گورکھ دھندوں پر سوچ بچار کرتے ہوئے میرا ذہن اچانک اوبرائن کی طرف بھٹک گیا۔ میرے پاس اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر موجود تھا۔ گو اس کی آخری ہدایت تھی کہ میں اس سے بالکل دور رہوں اور کوئی رابطہ نہ کروں مگر اس وقت میرے پاس ایک بہترین عذر موجود تھا۔

دھن راج بھاگ چکا تھا، میجر بخشی نے مجھے ٹال دیا تھا۔ میرے پاس اوبرائن سے بات کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔

میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ خوف کی ایک نئی لہر نے مجھے آدبوچا۔

میں نے ریسیور واپس رکھا ہی تھا کہ سلطان شاہ دفتر میں داخل ہوا اور شوخی سے بولا "اگر تم نے میری وجہ سے ریسیور واپس رکھا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ بات کرکے مجھے اندر بلا لینا۔"

"تم گدھے ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا "خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

"یہ بتاؤ کہ ماسٹر ویگ اور لوکیشن فائنڈر وغیرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"اچھی رائے ہے لوکیشن فائنڈر کو تو ہم ذاتی طور پر پہلے بھی بھگت چکے ہیں۔"

"وہ ایک الگ چیز تھی۔ اب لاکھوں میں کوئی ایک آواز پہچاننے کی بات ہورہی ہے۔"

"یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہوسکتا۔ وہ سنجیدگی سے اسے استعمال کرنے والے ہیں۔"

"میں ابھی اوبرائن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی خوف سے ارادہ ملتوی کردیا کہ کہیں وہ میری آواز شناخت کرنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔"

"تمہاری تشویش بجا ہے۔ تم اس کے لیے کرنل جمال دستی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو' وہی بنے رہو۔"

"میں اس سے اسی حیثیت میں بات کروں گا" میں نے مشورے کے لیے اسے آگاہ کیا۔

"پھر تمہیں کیا خوف ہے؟ اس روپ میں تم اس سے ملتے بھی رہے ہو۔"

"تم بھول گئے۔ میں نے بدلی ہوئی آواز میں اسے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ اوبرائن نے وہ کال اس یقین کے ساتھ ریکارڈ کرلی تھی کہ اسے دھمکیاں دینے والا ڈینی تھا۔"

"مجھے ہر بات یاد ہے۔ اسی بنا پر وہ شہر بھر میں مائیکروبگ پھیلانے کا پلان بنا رہا ہے۔"

"کوئی مشیر نہ ہو تو آدمی کو دیوار سے ہی مشورہ کرلینا چاہیے۔ بخشی نے کہا تھا کہ مائیکروبگ سے فسلک سسٹم بدلی ہوئی آواز کو بھی پہچان سکتا ہے کیونکہ ہر شخص کے صوتی آہنگ جدا ہوتے ہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم بخشی کی اس احمقانہ بات کو اتنا وزن دے رہے ہو!"

"کیوں نہ دوں؟ کیا آج کے دور میں ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے؟"

"یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اس نے ڈینی کے روپ میں کہیں سے تمہاری اصل آواز حاصل کرلی ہو۔ بدلی ہوئی آواز کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔"

مجھے خود بھی یہ بات معلوم تھی کہ سائنسی طور پر انفرادی شناخت صرف فنگر پرنٹس کے ذریعے ہی ممکن تھی کیونکہ اربوں میں کسی دو افراد کے فنگر پرنٹس کبھی یکساں نہیں ہوتے جبکہ صورتوں اور آوازوں میں حیرت انگیز مماثلت کے واقعات جابجا سننے میں آتے تھے۔

"خطرات ہر طرف سے بڑھ رہے ہوں تو آدمی کو احتیاط کرنی پڑجاتی ہے۔"

"یہ کہہ کر تم اپنی کمزوری کا اعتراف کررہے ہو۔ اول تو تمہارا خدشہ بے بنیاد ہے۔ فرض کرو کہ وہ تمہاری آواز پہچان بھی لے تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟"

سلطان شاہ کے آخری فقروں سے میرا عزم توانا ہوگیا۔ میں چھاؤنی کے وسیع علاقے کے قلب میں' ایس ٹی ایف کے مضبوط حصار میں تھا۔ دشمن ادھر کا رخ کرنے کی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم بروقت آگئے" میں نے مسکرا کر کہا "ورنہ میں اکیلا بیٹھا اپنے ہی وسوسوں کے جال میں الجھا رہتا۔ خوف کیسا بھی ہو' انسان کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

"تمہاری زبان سے خوف کا لفظ کچھ اجنبی سا معلوم ہورہا ہے" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ تبدیلی آنے کا سبب کیا ہے؟"

"بیٹھے رہو۔ ابھی سب کچھ سامنے آجائے گا" میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا۔

پہلی گھنٹی پر کال ریسیو کرنے والا اوبرائن ڈی ہنٹ ہی تھا۔

"میں کرنل...." میری زبان سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہی اوبرائن نے آواز پہچان کر درشت لہجے میں میری بات کاٹ دی "تمہیں مجھ سے الگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"کل رات کے واقعے کے بعد..." میں نے وضاحت پیش کرنی چاہی لیکن اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دوبارہ میری بات کاٹ دی۔

"ماضی کو مت کریدو۔ مختصر الفاظ میں آج کی اور اپنی بات کرو۔"

"دھن راج غائب ہے۔ بخشی مجھ سے کترا رہا ہے۔ کیا میں انہیں بھول جاؤں؟"

"دھن راج ٹارگٹ پر آچکا ہے۔ اس کے لیے روپوشی ہی بہتر تھی۔ بخشی سے رابطہ رکھو۔ وہ تم سے نہیں کترائے گا۔ اس وقت اس کی کوئی مجبوری ہوسکتی ہے۔"

"ماتگرو بگز کے لیے دھن راج نے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔ میجر کو شام چھ بجے سے پہلے فرصت نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ سوال مجھے پریشان کررہا ہے۔ کیا مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے؟" گفتگو کا سلسلہ شروع ہوجانے کے بعد میرے لیے بات کو بڑھانا آسان ہوگیا تھا۔

"اکیلے پن کا خوف اپنے دماغ سے نکال دو۔ وہی کرو جو میجر کہہ رہا ہے۔ اب وہ تمہارا باس ہے۔ اس وقت ہر چیز ثانوی ہوگئی ہے۔ ایک درمیانی آدمی کی ذرا سی غفلت اور بے پروائی نے ہمارا بہت کچھ داؤ پر لگادیا ہے۔ خود کو بچا کر بعد میں بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔"

وہ الو کا پٹھا مجھے اپنے دماغ سے خوف نکالنے کا مشورہ دے رہا تھا مگر خود بری طرح خوف زدہ تھا۔ اپنی فکر میں پڑ کر سب کچھ بھول جانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا تاثر برقرار رکھنے کے لیے کہا "تم سے بات کرکے مجھے گہرا سکون ملا ہے۔ کیا میں برے لمحات میں تم کو فون کرسکتا ہوں۔"

"اب کوشش بھی نہ کرنا" اس نے سختی سے کہا "میں آج شام کی فلائٹ سے چند روز کے لیے پاکستان سے باہر جارہا ہوں' سرکاری کام ہے۔ مجھے واپسی میں دیر بھی ہوسکتی ہے۔"

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے ملکوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی پسند کی ایک نئی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے والا قدرت کی ایک ہلکی سی غیبی سرزنش سے اپنے اوسان کھو کر پاکستان سے فرار ہورہا تھا۔ میرے لیے ان حالات میں اس سے بڑی کامیابی کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس کی بربادی کی دعا مانگتے ہوئے میں نے زبان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ تو مجھے اپنی آواز میں ہلکا سا غیرارادی طنز محسوس ہوا۔

غنیمت یہ ہوا کہ وہ ایشیائی لب ولہجے کے اس موہوم سے طنز کو نہ سمجھ سکا۔ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے یقین دلایا کہ روانگی سے پہلے وہ میرے بارے میں میجر بخشی کو مزید ہدایت کردے گا۔

دوسری طرف سے کلک کی آواز سن کر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"دھن راج ہوٹل سے بھاگا ہے۔ آج شام اوبرائن ملک سے ہی ملک فرار ہورہا ہے" میں نے مسرت کے ساتھ سلطان شاہ کو آگاہ کیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اس پر کیا افتاد آگئی۔ اس کے بارے میں تو سرکاری ہدایات تک آچکی ہیں۔"

"برا وقت آتا ہے تو دشمنوں کی عقلیں پلٹ جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بھیشم داس سے منسوب کیے جانے والے بیان کی بھنک مل گئی ہو۔"

"دھن راج کا دہشت زدہ ہونا قابلِ فہم ہے۔ اسے بھیشم کے بیان سے کیا خطرہ تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ اسے ناپسندیدہ قرار دے دیا جاتا اور وہ بستر بوریا سمیٹ کر یہاں سے امریکا روانہ ہوجاتا۔ اس کے نکلنے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بھی چکرا گیا "سبب کچھ بھی ہو' وہ سرکاری کام کے بہانے آج کراچی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جائے گا۔"

"اسے تم ڈینی کا خوف ہی کہہ سکتے ہو۔ وہ ہتھیار ڈینی کے خلاف بھیجے جارہے تھے۔ دھن راج کے کہنے کے مطابق اوبرائن کے دماغ میں یہی بات گھسی ہوگی کہ تم نے جیپ کے ساتھ کوئی شرارت کرکے اس کا منصوبہ ناکام بنایا ہے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے دھن راج کے کہے ہوئے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے کہا تھا کہ اوبی یہ سوچے گا کہ جیپ کو ٹکر مارنے والے ٹرک کو ڈینی چلا رہا ہوگا۔

"شاید یہی بات ہو" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی "وہ یہاں مسلسل کمزور پڑ رہا تھا۔ اس پر میرا نفسیاتی خوف سوار ہوگیا ہے۔"

"اس کے چلے جانے کے بعد مائیکرو بگز شہر میں پھیلانے کا کام کون کرے گا؟ تم نے اس بارے میں اوبرائن سے براہِ راست ایک سوال کیا تھا۔"

"وہ سب دھرا رہ گیا۔ اوبی کے الفاظ میں اپنے بچاؤ کے سامنے ہر چیز ثانوی ہوگئی ہے۔"

وہ بہت دلچسپ اور مسرت انگیز پوزیشن تھی۔ سلطان شاہ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور کہا "کسی طرح اسے یہ خبر پہنچادو کہ آج ڈینی ائرپورٹ پر ہی منڈلا رہا ہے۔ یقین کرو کہ وہ سفید چوہا سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا کسی طرف بھاگ نکلے گا۔"

"کوئی دشمن اتنا حقیر نہیں ہوتا" میں نے خوشی سے سرشار ہونے کے باوجود سنجیدگی سے جواب دیا "فرار کی ساری راہیں مسدود ہوجائیں تو کمزور ترین دشمن بھی براہِ راست نرخرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے نتائج کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔"

"واقعات کا یہ رخ بالکل ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس بار معاملات آسانی سے ہمارے قابو میں آسکیں گے۔"

"تمہاری دانست میں ان لوگوں کی یہ پسپائی میدان بالکل صاف کردے گی؟"

"میجر بخشی کے سوا اور کون باقی رہ جاتا ہے؟ اسے مار لینے کے بعد ہم ہی فاتح ہوں گے۔"

"یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ ہماری برتری اور ان کی روپوشی عارضی ہے۔ تازہ ترین واقعے کی گرد دب جانے کے بعد وہ دوبارہ صف آرا ہوں گے۔ اس وقت تک اوبرائن شاید نئی دہلی یا کولمبو میں بیٹھ کر اپنا کام کرتا رہے گا۔ یہ ڈور بہت دور تک الجھی ہوئی ہے۔"

"بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔ اس کا ذکر کرکے میری موجودہ خوشی کا مزہ کرکرا مت کرو۔ ایک بار ہزیمت اٹھانے کے بعد وہ کبھی بھی نہیں جیت سکے۔"

"بھیشم بہت بدصورت آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر کراہت آتی ہے۔ اس کا کام اس کے چہرے سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ بھی موت کے سوداگروں کے کسی ریکٹ کا اہم آدمی ہے۔ وہ یہاں سے ہیروئن لے جاتے ہیں اور ہتھیار لاتے ہیں..."

سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں کہتا ہوں کہ وہ شیطان صفت نہیں' خود شیطان ہے لیکن یہ دیکھو کہ اس نے ہمارے لیے کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ مقدر یاوری کررہا ہو تو زہر بھی تریاق بن جاتا ہے۔"

"بھیشم کو اس کے کیے کی کافی سزا مل چکی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ناکامی کے نتائج سامنے آنے کے بعد اسے آزادی مل جانی چاہیے" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تاکہ وہ بے داغ ریکارڈ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اپنی مذموم حرکتیں شروع کرسکے!" میں نے ملامت سے کہا۔ "وہ پہلی بار صحیح گرفت میں آیا ہے۔ اس جیسے زہریلے سانپ کا پھن چھوڑو گے تو وہ پلٹ کر سب سے پہلے تم ہی کو ڈسے گا۔ اس کے لیے موت کی سزا بھی کم ہوگی۔"

"آج وہ دونوں اپنے کمرے میں سر جوڑے بیٹھی ہیں" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "میں انہیں بھی یہ خبریں سنا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتا ہوں۔"

میں مسکرا کر رہ گیا اور وہ تیزی کے ساتھ دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"اب میں اسلام آباد میں ہوں" اس نے لاہور کا حوالہ دے کر مجھے خود ہی پچھلا جھوٹ یاد دلا دیا تھا ورنہ میں روانی میں سب کچھ بھول چکا ہوتا "تم دونوں بہت یاد آتے ہو۔"

"میری قسمت ایسی کہاں کہ تم مجھے یاد کرو..... تم نے تو مجھ سے بات کئے بغیر ہی ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ تمہیں پتا ہوتا کہ وہ دکان پر ہوں گے تو وہیں فون کرتے۔"

"میں اس وقت ہوٹل کی لابی سے فون کر رہا ہوں" اس کے موڈ کا اندازہ کرکے میں نے جلدی سے کہا "مجھے گھر کا نمبر یاد تھا' بس وہی گھما ڈالا۔ فارمیسی کا نمبر اوپر بریف کیس میں پڑا ہوگا۔ یہ مت بھولو کہ میری اور جہانگیر کی دوستی تمہاری شادی سے بھی پرانی ہے۔"

"اور اسی لیے تم مجھ سے دور بھاگتے ہو؟" سلمٰی نے سوالیہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے اردگرد لوگوں کی آمدورفت جاری ہے۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اسی کے ساتھ مجھے رشتوں کا احترام بھی عزیز ہے۔"

"رشتوں کا احترام کرتے تو مجھے دکان پر ڈکیتی کی جھوٹی کہانی نہ سناتے" سلمٰی نے کالو مکرانی اور قاسم کے قصے کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا۔

"مجھے کوئی جھوٹی کہانی سنانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"یہ ان ہی سے پوچھنا" سلمٰی کی آواز تیکھی ہوگئی "کل رات ہی محبت میں بے قابو ہو کر انہوں نے خود مجھے پوری کہانی بتا ڈالی ہے۔ تم کو معلوم تھا کہ وہ قاسم کی بیوی کو مفت دوائیں بانٹتے ہیں۔ قاسم اسی چکر میں کالو مکرانی کو لے کر ان سے لڑنے کے لیے آیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا "جہانگیر کے سر پر جوتے لگاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس نے ہاتھ پیر جوڑ کر میری خوشامدیں کیوں کی تھیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ تم سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ صرف اس شرط پر میں نے اس کے جھوٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تمہارے سامنے سچ اگل دے گا۔"

طویل گفت اور ذہنی تکان کے بعد اس وقت میں خود کو بہت تروتازہ اور ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں جہانگیر کا خیال آیا اور میں نے غیر ارادی طور پر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد سلمٰی نے فون اٹھایا تو میں مزاج پرسی کے بعد جہانگیر کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

"آج کل دکان پر ان کا دل لگتا ہے۔ روز پابندی سے جاتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں۔ سلمٰی نے معمول کے مطابق جہانگیر کے بارے میں گلہ کیا "تم ابھی تک لاہور میں ہو یا کراچی لوٹ آئے ہو؟"

"ان کے چکر میں پڑ کر تم یہ بھول جاتے ہو کہ وہ میرے شوہر ہیں اور میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ جب چاہوں انہیں اپنے سامنے جھکا سکتی ہوں۔"

"یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"تمہاری دوستی میری شادی سے زیادہ پرانی ہے۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی فطرت کیا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو تمہیں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"جہانگیر کی کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں بولنے کا موقع مل رہا ہے" سلمٰی کے طنزیہ رویے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے ترشی اختیار کرلی "میں کراچی آکر اس کی خبر لوں گا۔"

"آج کل وہ جس اہتمام سے بن سنور کر دکان جاتے ہیں' اس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان کے گاہکوں میں پھر کوئی فتنہ پرور حسین چہرہ شامل ہوگیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ اس بار اس کی مرمت ہوئی تو میں دور تک نظر نہیں آؤں گا۔ میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے پر آسکیں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون بند کردیا۔ سلمٰی سے طویل گفتگو کرتے ہوئے میں ہمیشہ الجھن محسوس کرتا تھا اور وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کرتی تھی۔

اس بات چیت نے میرا اچھا خاصا موڈ غارت کردیا۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی اور جہانگیر کے خلاف اپنے غصے کو دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

پوری سگریٹ پھونکنے تک میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب مجھ سے برداشت نہ ہوسکا تو میں نے گولڈن فارمیسی کا نمبر ملا لیا جو مجھے ازبر تھا۔

"ابے لڈ مگ..... پیٹ کے ہلکے! تمہیں سب کچھ اپنی والدہ صاحبہ کو بتانا ہی تھا تو مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟" میں اس کی آواز سنتے ہی سلام دعا کے بغیر برس پڑا "اس وقت تمہاری بیوی کی نظروں میں میری کیا وقعت رہ گئی ہوگی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز آئی "وہ فون کرکے مجھے پوری کتھا سنا چکی ہے۔ تم بھی برا بھلا کہہ کر اپنا دل ہلکا کرلو۔ یہ کسی کی نہیں' میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

"خود غلط حرکتیں کروگے اور پھر کسی بیوہ کی طرح اپنے نصیب کو رونے بیٹھ جاؤ گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی! تمہارا غصہ بالکل بجا اور بے جا ہے۔ بجا اس لیے ہے کہ تم نے اپنی بے عزتی محسوس کی ہے اور بے جا اس لیے کہ جیسے کووں کے کوسوں ڈھور نہیں مرا کرتے' اسی طرح بیویوں کے کڑکڑانے سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہونے لگے تو آدھی دنیا کے مرد رسوا ہو جائیں۔"

"وہ میری نہیں' تمہاری بیوی ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ برداشت کرو۔ کھری کھری سنا کر اس کی طبیعت صاف کر دو۔"

اس کی یتیما نہ باتوں سے میرا غصہ خود بہ خود دھیما پڑنے لگا پھر بھی میں نے درشتی سے پوچھا "خاموشی سے سب کچھ نمٹ گیا تھا پھر تمہیں اس کے سامنے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اب تو میں اسے شامت ہی کہوں گا۔ کل رات وہ بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کا دماغ راہ راست پر لانے کے لیے اسے بتا دوں کہ دوسری عورتیں بھی مجھ پر مرتی ہیں۔ اس نے اپنا سلوک نہ بدلا تو میں خاموشی سے کسی سے رسم و راہ بڑھا لوں گا۔"

"اور تمہاری تدبیر کارآمد ثابت ہوئی تھی؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"کارآمد.... وہ بالکل بھیگی بلی بن گئی تھی" جہانگیر کی آواز فخریہ ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ اتنی بھولی نہیں ہے جتنی بنتی ہے؟" جہانگیر کو اپنا ہم نوا پا کر میں بھی غیر ارادی طور پر سلمٰی کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

"ہرگز نہیں' اس دھوکے میں بھی نہ رہنا۔ وہ لومڑی کے کان کترتی ہے۔"

"لومڑیوں سے زیادہ وہ تمہارے کان کترتی ہے۔ تمہارا پیٹ پھرنے لگتا ہے تو وہ تمہاری حرکتوں سے سمجھ جاتی ہے کہ تم اس سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ ناز نخرے دکھا کر تم سے ہر بات اگلواتی ہے' بعد میں تمہیں طعنے دیتی رہتی ہو گی۔"

لائن پر توقف سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد آواز آئی "یہ کل کا قصہ ہے۔ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن دوسرے معاملات میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ میں اس کی بدکلامی سے عاجز آ جاتا ہوں۔"

"اپنی بیوی کو سمجھا دینا کہ وہ ہر ایک کو جہانگیر نہ سمجھا کرے۔ کسی دن غصہ آ گیا تو ساری مروت اور پاس داری کو بالائے طاق رکھ دوں گا۔"

"اس نے بہت زہریلے لہجے میں تمہارا پیغام مجھے سنایا تھا۔ اب میں اسے تمہارے نادر خیالات سے بھی آگاہ کر دوں گا۔ وہ تمہارے بل پر اکثر اکڑتی رہتی ہے۔ دھمکی دیتی ہے کہ تم سے میری

نوجوان عورت ایک ماہرِ نفسیات کے پاس شکایت لے کر پہنچی اور کہا کہ اس کا شوہر اب بھی اس سے محبت نہیں کرتا حالانکہ وہ چھ بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ یہ سن کر ماہرِ نفسیات بولا "شکر کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ ذرا سوچو' اگر محبت کرتا تو تمہارے بچوں کی تعداد کیا ہوتی۔"

اقبال عسکری' سعودی عرب

شکایت کر دے گی۔"

جہانگیر کسی زمانے میں بہت ذہین ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے شی میں اپنی نیابت کے لیے مقرر کیا تھا لیکن شادی کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ اسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہنے لگے۔

اس نے اپنا داغ دار ماضی سلمٰی اور اس کے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ سلمٰی اس کی پراسرار سرگرمیوں اور غیر معمولی حفاظتی انتظامات پر اس کی طرف سے شاکی رہنے لگی تو اس نے ایک طویل مدت کے لیے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

دن رات بیوی کے ساتھ گھر میں محصور رہنے کے جو نتائج برآمد ہونے تھے' وہی ہوئے۔ آپس کی تلخیاں بڑھیں تو اس کی شراب نوشی میں زیادتی پیدا ہوتی چلی گئی۔ شب و روز کی مے نوشی کی کثرت نے رفتہ رفتہ اس کے ذہن کو اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ نشے کے بغیر بھی اپنی گفتگو سے گھامڑ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

"اگلی ملاقات پر سلمٰی نے مجھ سے اپنے رویے پر معذرت نہ کی تو میں تمہارے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔" میں نے اسے جھنجوڑنے کے لیے کہا۔

"اس کی ایسی کی تیسی۔ معذرت کیسی' وہ تم سے معافی مانگے گی۔"

"بس اب اسلام آباد سے واپسی پر ملاقات ہو گی" میں نے اچانک ہی وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس سے بات کر کے میرا دماغ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اول خان چار بجے واپس لوٹ آیا۔ رات کی بے خوابی کے اثرات اس کی آنکھوں میں ہلکے سے ورم کی صورت میں مترشح تھے۔ اپنے خالی دفتر کا جائزہ لے کر وہ ہمارے پاس ہی آ گیا۔

وہ بھیشم داس کو اپنے ساتھ لے کر صبح سویرے اسٹیشن فور سے نکل گیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر سارے انتظامی افسران بھی اپنے مقررہ دفتری اوقات سے پہلے پولیس ہیڈ کوارٹرز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ گئے تھے۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات میں بھیشم داس کو اول خان کی گاڑی سے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا جہاں فوری طور پر اس سے باز پرس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اسٹیشن فور کے اعصاب شکن عقوبت کدے میں محض انسانی مہارت کے ذریعے بھیشم داس کو ایسا سبق دیا گیا تھا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اول خان کا درشت چہرہ ہر لمحے اس کے سامنے رہا تھا۔ اس نے وہی کہانی دہرادی جو اسے صبح سویرے بتائی گئی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس کے بیان میں صرف اور صرف حقائق تھے۔ اس میں فرضی اضافہ صرف اوبرائن کے نام کا تھا جو حالات کی رو سے ناموزوں نہیں تھا۔

ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد احاطے میں جمع صحافیوں کو تین ملزمان کی گرفتاری اور ان کے سرغنہ کے اقبالی بیان کی نقلیں دس بجے جاری کر دی گئیں۔ شاید اوبرائن نے اسی وقت پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میری اور اس کی گفتگو ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوئی تھی اور اسے اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

بھیشم کے دونوں معاون ہوش میں آچکے تھے اور بدستور اسپتال میں داخل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کا کوئی بیان لیا جا سکے۔

دھن راج کی یکایک روپوشی کے بارے میں اول خان کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ وہ خبر سن کر اس نے بہت اطمینان سے کہا تھا "وہ عمر کوٹ کے سوا اور کہیں نہیں جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے، وہاں جا کر اس کی گردن ناپ لیں گے۔"

"اور اوبرائن کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے لیے فی الحال اس کا ہونا یا نہ ہونا بے معنی ہے" اول خان کو اس وقت تک پوری تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

"لیکن وہ خوف زدہ ہو کر آج شام پاکستان سے فرار ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" اول خان حیرت سے اچھل پڑا "یہ خبر کب کی ہے اور تمہیں کہاں سے ملی؟" اس بار اس کا تخاطب براہ راست مجھ سے تھا۔

"صبح ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس نے خود مجھے بتایا تھا" میں نے جواب دیا۔

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو!" اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا "میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے یہ اطلاع غیر اہم ہو گی۔"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ فرار ہو رہا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا مگر ہم ائرپورٹ پر اس کا سامان اڑانے کی کوشش کر سکتے تھے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوتا؟" اول خان کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"وہ یقینی طور پر اہم اور ضروری فائلیں وغیرہ اپنے ساتھ لے جا رہا ہو گا۔ اس کا سوٹ کیس غائب کر کے ہم اس کے منصوبے کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے تھے۔"

"ایسے کاغذات سوٹ کیس کے بجائے وہ بریف کیس میں اپنی جان سے بھی عزیز رکھے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہو گا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ گپ کی طرح چند کاغذ ہوں۔ تمہیں سرکاری طریقۂ کار کا اندازہ نہیں ہے۔ اعلیٰ سطح پر کوئی بھی منصوبہ بنتا ہے تو منظوری ہونے تک فائلوں کا ایک پلندہ تیار ہو جاتا ہے" اول خان نے اصرار کیا "اس کے سوٹ کیس سے ہمیں کچھ نہ کچھ مل سکتا تھا۔ اس کی فلائٹ کا وقت کیا ہے؟"

"بس اس نے شام کا ذکر کیا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہے۔"

اول خان اپنی تجویز کے بارے میں اتنا پرامید تھا کہ اس نے فیلڈ فون پر فوراً ہی اپنے کنٹرول روم سے رابطہ کر کے ہدایت کی کہ ائرپورٹ سے اوبرائن ڈی ہنٹ کی روانگی کے بارے میں فوری طور پر معلومات حاصل کر کے اسے مطلع کیا جائے۔

واقعات نے جس معجزانہ انداز میں ہمارا ساتھ دینا شروع کیا تھا، حریفوں پر اس کے بد اثرات کی تفصیل اول خان کے لیے بھی خوشی کا سبب بنی۔ بھیشم داس والے واقعے کے نتیجے میں ان کی چلتی ہوئی گاڑی اچانک رک گئی تھی۔ اسے دوبارہ اسی رفتار پر لانے کے لیے خاصا وقت درکار ہوتا جبکہ ہمارے لیے ساری اہمیت وقت کی ہی تھی۔

اوبرائن اور دھن راج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میرا اور میجر بخشی کا رابطہ اول خان کی مزید امیدوں کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ پر یقین تھا کہ میں اوبرائن کی طرح اس پر بھی اپنا بھرم برقرار رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ وہ رابطہ آئندہ بھی ہمارے کام آسکتا تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کے پروگرام کا سراغ لگانے کے سلسلے میں اول خان کے آدمیوں نے خاصی حیرت ناک تیزی دکھائی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی عام اور گمنام مسافر نہیں، ایک معروف سفارتی افسر تھا۔ ان کو اطلاع ملی تھی کہ وہ پانچ بجے کی ایک پرواز سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

پچھلی رات سے اول خان مسلسل مصروف تھا اور شب بیداری کا شکار بھی رہا تھا لیکن اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والے عمدہ نتائج نے ساری کلفت دور کر دی تھی۔ آرام کرنے کے بجائے وہ منہ ہاتھ دھو کر ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہو گیا۔

چھ بجنے سے پہلے ہم سب اول خان کے دفتر میں منتقل ہو چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ میری فہمائش کے باوجود ہر ایک میری اور میجر بخشی کی گفتگو کا ایک حصہ براہِ راست سننے کا خواہاں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اصل بات کے تاثرات ہی الگ ہوتے ہیں۔ وہ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر بھی بہت کچھ سمجھ سکتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے میں نے میجر بخشی کا نمبر ملایا۔ شاید وہ فون کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً جواب مل گیا۔ اس کی آواز گمبھیر اور ستی ہوئی تھی۔

"میجر! میں جمال دستی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں، میں نے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تم اپنے اسی خاص فون پر ہو نا؟"

"میں تم سے اسی پر رابطہ کرتا ہوں۔ دفتر میں ایکسچینج کی وجہ سے مجبوری آڑے آجاتی ہے" میں نے اسے تسلی دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرے دفتر کے لیے تم یہ فون استعمال نہیں کروگے۔ اسی خوف سے میں نے تم سے بات نہیں کی تھی اور تم نے اوبی سے میری شکایت کردی۔"

"وہ شکایت نہیں تھی" میں نے جلدی سے وضاحت کی "رات تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ صبح ہوتے ہی میرے رابطے کٹ گئے۔ دھن راج غائب تھا، تم نے مجھے شام کے لیے ٹال دیا۔ میں سخت پریشان ہوگیا تھا۔ میں کہاں اور کس سے بات کرتا؟"

"اوہ! میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" اس کی تفہیمی آواز سنائی دی "دھن راج تمہیں رات کو ہی جیپ کی تباہی کے بارے میں بتا چکا تھا۔ صبح کے اخباروں نے تمہیں پریشان کردیا ہوگا۔"

"اور اب پتا چلا ہے کہ بھیشم داس نامی ایک آرمز اسمگلر پکڑا گیا ہے۔ اس نے دھن راج اور اوبی کا نام جیپ والے ہتھیاروں سے منسلک کردیا ہے۔"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے دفتر میں یہ خبر مل چکی تھی۔ اسی وجہ سے میں ذرا ہوا تھا۔"

"یہ صبح کی خبر تھی۔ دھن راج رات گئے ہوٹل چھوڑ کر کیوں غائب ہوگیا؟"

"صرف احتیاط.... جیپ کو حادثہ پیش آنے کی وجہ سے کچھ بھی ہوسکتا تھا اور دیکھ لو کہ ایک اسمگلر نے ساری ذمے داری اسی پر ڈال دی۔ ایسے کام کرنے والے اتنے کچے نہیں ہوتے کہ دو چار گھنٹوں کی مار بھی نہ سہ سکیں۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں کا قانون خود اس سے نمٹ لے گا۔"

"میں قانون کی سست روی سے خوب واقف ہوں۔ وہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ پہلے اس نے کام بگاڑا پھر اپنے ساتھیوں سمیت پولیس کے ہاتھ لگ گیا۔ بات یہاں تک رہتی تب بھی زیادہ نقصان نہ ہوتا۔ اس نے دھن راج کا نام لے کر بڑی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیا اوبرائن کو اس نے صحیح ملوث کیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ بات کسی طرح میری عقل میں نہیں سما رہی۔ اس نے فرشتے بھی اوبرائن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دھن راج اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے اوبی کے بارے میں بتادیتا۔"

"پھر بھی تم اوبی کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں ہو" میری حیرت میں اضافہ ہوگیا۔

"اول تو اوبی آج شام یہاں سے نکل چکا ہے۔ دوسرے وہ بھی میری طرح سفارت کار ہے۔ اس کا نام قتل میں بھی ملوث ہوجائے تو بین الاقوامی معاہدوں کے تحت مقامی قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھن راج کو یہیں رہنا سہنا اور کام کرنا ہے۔ وہ کب تک چھپتا پھرے گا؟"

"یہ واقعی تشویش کی بات ہے" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی "پھر تو صرف بھیشم ہی نہیں، اس کے دونوں زخمی ساتھی بھی خطرناک ہیں۔ وہ زبان کھولیں گے تو دھن راج کے گرد جال اور مضبوط ہوجائے گا۔ سچ پوچھو تو وہ کھلے دل کا ایک اچھا آدمی ہے۔"

"یہ سب نکتے میری نظر میں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں اسپتال سے سیدھے مردہ گھر چلے جائیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ جہانگیر روڈ سے اسپتال کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ سب تم ہی کو دیکھنا ہوگا" میں نے ان جان بن کر کہا "میری فورس شہری پولیس کے معاملات سے بہت دور رہتی ہے۔"

"میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہا، تم اپنے کام پورے کرلو تو وہی بڑی بات ہوگی۔ ڈینی کے بارے میں تم کیا کررہے ہو؟"

"آج کل وہ ادھر کا رخ نہیں کررہا۔ اس کے لیے تم شہر میں مائیکروبگ پھیلانے والے تھے۔ رات دھن راج نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں بگز کے لیے آج صبح گیارہ بجے اسے ضرور فون کروں لیکن صبح وہ غائب تھا۔ مجھے ساری پریشانی اسی بات کی تھی۔"

"مائیکرو بگز کو فی الحال بھول جاؤ۔ وہ میرے پاس موجود ہیں لیکن سسٹم کے بغیر وہ بے کار سنگریزے ثابت ہوں گے۔ ان کا اینالائزر سسٹم اوبی کے پاس ہے۔ وہی واپس آکر اسے چلائے گا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم ایک موبائل فون کیوں نہیں لے لیتے؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "میں ویسے ہی یہاں دن رات کی نوکری پر ہوں۔ ویرانے سے باہر نکلتا ہوں تو ذرا سی آزادی کا احساس ہوتا ہے۔ موبائل فون لے لیا تو کبھی کبھی میسر آنے والی یہ آزادی بھی ختم ہوجائے گی۔ میں اس کے بغیر ہی بھلا ہوں۔"

"پھر روز شام کو چھ بجے مجھ سے اسی نمبر پر بات کرلیا کرو" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کا جواب آیا۔ "میں نہ ہوا تب بھی خادمہ کے پاس میرا کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہوگا۔ حالات سازگار ہونے پر ہم پروگرام کو آگے بڑھا سکیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابتدا میں اس نے بھی مجھے براہِ راست رابطے سے روکا ہوا تھا۔ حالات کے چنگل میں پھنس کر اس کی عقل خود ہی ٹھکانے پر آگئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دھن راج کے غائب ہوجانے کے سبب میں جلد ہی اس سے زیادہ قریب ہوسکوں گا۔

"میں فون کرتا رہوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں کانٹا لگائے شکار کا منتظر ہوں۔ جوں ہی مچھلی نے کانٹا نگلا' مجھے ہدایت اور وعدوں کے ایفا کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تم سنبھال لوگے نا؟"

"اوبی کی موجودگی میں مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسی نے تم کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد پوزیشن واضح نہیں ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ اب اوبی کی ایسی خفیہ ذمے داریاں کس نے سنبھالی ہیں۔ میں تم سے کوئی ہوائی وعدہ نہیں کروں گا۔"

"آزاد ڈینی تم لوگوں کے لیے خطرناک ہے' قید میں آیا ہوا ڈینی میرے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ میں اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ ایسی غلطی کی صورت میں نوکری کے ساتھ میری جان بھی ضائع ہوسکتی ہے۔ مجھے اس کے بدلے فوراً انعامی رقم اور امریکی ویزے کی ضرورت ہوگی۔"

"تمہاری پوزیشن بھی نازک ہے" اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "جب تک ہتھیاروں والے اسکینڈل کی پوری صورت حال واضح نہیں ہوجاتی' میں محتاط رہنے پر مجبور ہوں۔ ایسا کرو کہ چند روز کے لیے اپنی بنسی سمیٹ لو.... اس دوران میں تم ایس ٹی ایف کے تمام ٹھکانوں اور نفری کے بارے میں معلومات جمع کرسکتے ہو۔ تمہاری تمام توجہ ایک طرف مرکوز رہے گی۔"

وہ الفاظ کی شطرنج تھی۔ اس کی کمزوری بھانپ کر میں دھیرے دھیرے شہ دے رہا تھا اور وہ مات سے بچنے کے لیے تیزی سے گھر گھاٹ بدلتا جارہا تھا۔ اس کی وہ پسپائی میرے ارادوں کو مزید تقویت دے رہی تھی اور میں اسے پھانسنے کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں؟" میں نے بے ساختگی کی اداکاری کرتے ہوئے تیزی سے کہا "اب تک جو کچھ کیا ہے' اسے اپنے ذہن سے بالکل نکال دوں؟"

"یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ محض چند روز بعد ختم ہوجائے گی۔ جوں ہی میں نے خود کو کسی نادیدہ حصار سے آزاد محسوس کیا' میں معلومات جمع کرکے فیصلہ کرلوں گا۔"

"مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور میری محنت رائیگاں نہیں جائے گی" میں نے کہا۔

"تمہاری باتوں سے محسوس ہورہا ہے کہ تم میری نیت پر شبہ کررہے ہو" اس کی آواز میں ہلکی سی ترشی عود کر آئی "ڈینی کے خلاف تم نے اب تک کیا' کیا ہے؟"

"میں نے اپنے طور پر اسے پکڑوانے کے لیے جو جتن کیے ہیں انہیں تو بھول ہی جاؤ۔ ایک بنیادی بات تمہارے سامنے ہے کہ میں نے اس کے فنگر پرنٹس مہیا کیے ہیں جو اس سے پہلے کسی کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھے۔ وہ کتنے ہی روپ بدل لے' اپنے فنگر پرنٹس نہیں بدل سکتا۔"

"اور ہم محض فنگر پرنٹس کے سہارے اسے لاکھوں کی بھیڑ میں سے ڈھونڈ کر پکڑلیں گے تاکہ تم کو انعامی رقم دینے سے بچ سکیں" اس کی آواز استہزائیہ ہوگئی۔

"فنگر پرنٹس تو اس کے ڈینی ہونے کی تصدیق کریں گے" میں نے اس کے رعب میں آئے بغیر کہا "اس کو پکڑنے کے لیے اس کا خاکہ تمہارے پاس تیار ہے' آواز بھی محفوظ ہے۔ یہ باتیں تم نے خود ہی مجھے بتائی تھیں۔ سارا مواد یک جا ہونے کے بعد میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟"

"کرنل جمال! پلیز' ایسی اوچھی باتیں مت سوچو۔ ہماری مجبوریوں کا احساس کرو۔ میں کسی بدنیتی کی بنا پر تمہیں ڈینی کی تلاش سے نہیں روک رہا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہے۔ اوبی نے مائیکروبگ سسٹم تمہاری مدد کے لیے منگوایا ہے۔ اندر کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر اس خونی بھیڑیے کو پکڑنا محال ہے۔ تم مطمئن رہو' میدان صاف ہوتے ہی تم کو گرین سگنل مل جائے گا۔"

"میری اور تمہاری پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنے وہ فرائض پورے کررہے ہو جن کی تنخواہ لیتے ہو۔ میں اپنے فرائض سے روگردانی کرکے ڈینی کا پیچھا کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی میرے ذہن میں اندیشوں کی آگ بھڑکا سکتی ہے۔"

"میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں' تم اپنی جگہ درست ہو" اس نے نرمی سے کہا "موجودہ خراب حالات میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کا سلوک کرنا چاہیے۔"

"میں مسلسل افہام و تفہیم سے کام لے رہا ہوں۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ ایک ہوٹل سے غائب ہوگیا' دوسرا ملک سے نکل

فلم' صحافت اور ادب کی ان کہی کہانیاں

علی سُفیان آفاقی کی یادداشتیں

فلمی الف لیلہ

ایک تاریخ ساز سلسلۂ تحریر

مشہور اداکار و گلوکار عنایت حسین بھٹی' اداکار آزاد اور یگانۂ روزگار شاعر سید ضمیر جعفری کے قصے۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ پڑھنا نہ بھولیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ تم سے رابطہ نہیں ہوا اور ہوا تو تم مجھے اس کام سے روک رہے ہو جس کے لیے میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ تم جان بوجھ کر مجھے ہر طرف سے کاٹ کر الگ تھلگ کر دینا چاہ رہے ہو" میں نے کہا۔

"میری وضاحت سے تمہارے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات دور ہو گئے ہوں گے" اس نے میری صاف گوئی کا برا مانے بغیر پوچھا۔

"میرا ذہن بڑی حد تک صاف ہو چکا ہے۔ اس وقت بھی تم سے بات نہ ہوتی تو میں گھبرا کر کوئی بڑا قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔"

"وہ بڑا قدم کیا ہو سکتا تھا؟" اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی" میں نے جواب دیا "وقت پڑنے پر ہی اس کا حل ذہن میں آتا ہے۔"

میری گفتگو کے دوران میں وہ چاروں ہمہ تن گوش بنے رہے تھے۔ میری طرف سے ادا کیے جانے والے فقروں سے انہوں نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو کسر رہی تھی وہ ان کے سوالات اور میرے جوابوں کے ذریعے پوری ہو گئی۔

"اگر میجر بخشی بھی ایسے سُرالاپ رہا ہے تو ان لوگوں کے حوصلے بالکل دم توڑ چکے ہیں" سلطان شاہ نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں" اول خان نے سختی سے اس کی رائے مسترد کر دی "میجر بخشی درست کہہ رہا ہے۔ یہ ان کی عارضی اور مصلحت آمیز پسپائی ہے۔ پچھلی مہم جوئیوں کے خوں ریز نتائج سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب وہ حالات نے سمجھوتا کر کے چل رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ اس بار انہوں نے یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے کی ہوئی تھی" میں نے اول خان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہی وجہ ہے کہ کل رات کے واقعے کے بعد انہوں نے آج بہت سرعت سے فیصلے کیے ہیں۔"

"پھر بھی یہ طے نہیں کر سکے کہ اوبرائن کے اختیارات کسے منتقل ہوں گے" ویرا نے ٹوکا۔

"شاید جیپ کے حادثے کی وجہ سے حالات نے ان کی توقع سے پہلے ہی خطرناک موڑ لے لیا ہے۔ یہ خلا جلد ہی پُر کر لیا جائے گا" اول خان نے کہا "ڈینی کی زندہ یا مردہ گرفتاری کی مہم اوبرائن نے نہیں چلائی تھی۔ یہ امریکا کی سرکاری پالیسی ہے۔ اوبرائن سمیت کسی کے بھی آنے یا چلے جانے سے اس کے تسلسل میں فرق نہیں پڑے گا۔"

"پھر میجر بخشی نے ڈینی کو اس کی اپنی تلاش سے کیوں روکا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"میجر بخشی امریکی عملے کا آدمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوبرائن کے ساتھ مل کر دوسرے منصوبے پر کام کر رہا ہو۔ اوبرائن نے کرنل جمال دستی کو ذاتی طور پر اس کے سپرد کیا تھا۔ بخشی اس سے اجازت لیے بغیر کرنل کو کسی اور کے حوالے نہیں کرے گا۔"

"یعنی اوبرائن ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر پر سجانے کی کوشش کر رہا ہے؟" سلطان شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا "یہ سرکاری پالیسی سے انحراف نہیں ہے؟"

"اوبرائن انا پرست ہے" میں نے اسے بتایا "اس کے سر پر میرا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آئے ہوئے ایک کارآمد مخبر کو دوسروں کے حوالے کیوں کرے گا؟"

غزالہ خاموشی سے وہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میری وضاحت پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے کرنل جمال دستی بن کر اپنا دہرا کردار خوب نبھایا ہوا ہے۔ میجر بخشی کو ابھی تک آپ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔"

"یہ دہرا کردار زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا" اول خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا "اوبرائن پہلے ہی یہ شبہ ظاہر کر چکا ہے کہ کرنل جمال دستی کے رابطے میں آنے والا ہر شخص مصائب یا موت کا نشانہ کیوں بن جاتا ہے۔ وہ دھن راج والے قصے کو بھی اسی رنگ میں دیکھے گا۔"

"پھر وہ دونوں مجھ پر اعتماد کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"واقعہ تازہ ہے۔ ابھی وہ خود کو بچانے کی فکر میں ہیں۔ اوبرائن کو یہ خیال کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ وہ نئی دہلی سے میجر بخشی سے رابطہ کرے گا اور پہیہ الٹا چل پڑے گا۔"

"پہیہ الٹا چل پڑے گا" سلطان شاہ نے وہ فقرہ دہرایا "یعنی ہمارے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی؟"

"ہم سب سے زیادہ مخدوش پوزیشن ڈینی کی ہے۔ باہمی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر وہ کسی بھی وقت ڈینی یعنی کرنل جمال دستی پر کوئی مہلک وار کر سکتا ہے۔"

میرے لیے اول خان کے وہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ میں نے میجر بخشی کو اپنے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ بتا کر اس کے دماغ میں شک کا پہلا بیج بو دیا تھا۔ اوبرائن کی منطق سے سہارا پا کر وہ بیج تناور درخت کا روپ دھار سکتا تھا۔ ایسی صورت میں میجر بخشی مجھے قید کر کے تشدد کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔

"تمہارے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کہ اسے ہوش آئے، ہمیں اسی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر میجر بخشی کو اغوا کر لینا چاہیے" میں نے کہا۔

"واہ!" سلطان شاہ نے میز پر ہاتھ مار کر میری تائید کی "بڑی نادر تجویز ہے۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔"

ایسی کارروائی میں بس ایک ہی خطرہ پوشیدہ تھا۔ میجر بخشی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیمت ادا کر کے انہیں یہ یقین ہو جاتا کہ کرنل جمال دستی ان کے حریف ڈینی ہی کا ایک خطرناک روپ تھا۔

میں نے گلاس کے ذریعے جو فنگر پرنٹس اوبرائن تک پہنچائے تھے وہ گمراہ کن قرار دے کر مسترد کر دیے جاتے اور کرنل جمال دستی کے روپ میں لیے ہوئے میرے اصل فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ کا حصہ بن جاتے۔ یوں میری ایک ناقابلِ تردید شناخت ان کی تحویل میں چلی جاتی۔

وہ خاصا بھیانک خطرہ تھا مگر میں اسے زبان پر نہیں لایا۔ وہ مسئلہ اٹھایا جاتا تو میرے تحفظ کی خاطر میجر بخشی کے اغوا کا معاملہ التوا میں پڑ جاتا۔

میرے لیے وہ تاخیر بھی اسی قدر خطرناک تھی۔ میجر بخشی اور اوبرائن کو سوچنے اور آپس میں مشورہ کرنے کی مہلت مل جاتی تو میری بے خبری میں بخشی مجھے پر نمال بنا سکتا تھا۔

اول خان نے ایک خطرناک امکان کی بروقت نشاندہی کی تھی اور وہ امکان غزالہ کے ایک توصیفی فقرے سے ابھر کر یکایک سامنے آیا تھا۔

"میجر بخشی کے خلاف قدم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے" ویرا کہہ رہی تھی "ویسے بھی اب صرف وہی میدان میں باقی رہ گیا ہے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے غزالہ سے پوچھا "یہ مسئلہ تم ہی نے کھڑا کیا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو چکی تھی۔ دوسروں کی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میں بھی سب کے ساتھ ہوں لیکن یہ دیکھ لیں کہ آپ کو گزند نہ پہنچے۔ بازو کے زخم کے کچھ اثرات اب بھی باقی ہیں۔"

"کل شام اس سے بات ہوگی تو میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھ سے کہیں ملنے پر آمادہ ہو جائے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اسے کل ہی یہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

چند ثانیوں کے لیے اول خان کے دفتر میں سکوت چھا گیا۔ کسی کو میری طرف سے ایسے عاجلانہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ میری صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اتنی عجلت مت کرو" اول خان نے ناصحانہ لہجے میں سکوت کو توڑا "کل تک سوچ لیتے ہیں۔ طے ہو گیا تو یہ قدم پرسوں اٹھا لیا جائے گا۔"

"اب سے کل تک ہمارے پاس بائیس گھنٹے کی مہلت موجود ہے۔ کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو اس پر مشورہ کر لیں گے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اب تک اس خطرناک پہلو پر کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔"

"شاید خطرے کی اچانک نشان دہی کی وجہ سے تم ہیجان کا شکار ہو گئے ہو" اس نے کہا۔

بجٹ

شوہر اور بیوی کا بجٹ الگ الگ تھا۔ یعنی بیوی کے استعمال میں آنے والی چیزوں کا خرچہ بیوی کے کھاتے میں اور شوہر کے استعمال والی چیزوں کا شوہر کے کھاتے میں۔

بیوی نے لپ اسٹک خریدی مگر آدھا خرچہ شوہر کے کھاتے میں لکھا۔ شوہر نے کھاتا دیکھ کر احتجاج کیا "لپ اسٹک خالصتاً تمہارے استعمال کی چیز ہے۔ آدھا خرچہ میرے ذمے کیوں...؟"

بیوی نے کہا "ٹھیک ہے، لپ اسٹک لگاتی میں ہوں مگر آدھی تمہارے منہ میں بھی تو جاتی ہے۔"

عبدالہادی ظہیرالحق کی کرم فرمائی مردان سے

"تم جانتے ہو کہ میں بدترین حالات میں بھی پرسکون رہ کر فیصلے کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ میرے اور میجر بخشی کے درمیان اعتماد ہی واحد ہتھیار ہے جس سے ہم ایک دوسرے کو آسانی سے ذبح کر سکتے ہیں۔ میں نے موقع گنوا دیا اور میجر بخشی نے اس ہتھیار کے استعمال میں پہل کر دی تو میں بے دست و پا ہو کر رہ جاؤں گا۔ وہ ایس ایس بی کا آدمی ہے۔ میرے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی اور روہانسی آواز میں بولی "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ جو فیصلہ ہو گا، وہ مجھے بھی منظور ہو گا۔"

سلطان شاہ اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے کے زینے اترتی چلی گئی۔

"دیکھا تم نے!" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا "عورت کا دل اتنا چھوٹا ہوتا ہے.... تمہیں اس کے سامنے ایسی بھیانک منظرکشی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تمہارے چنگل میں آگیا تو تم اس کے ساتھ کون سی رعایت برتو گے؟"

"انگلینڈ میں چھوٹے دل والی اسی عورت نے تمہارے آدمیوں کو تگنی کا ناچ نچا دیا تھا" میں نے ویرا کو ماضی کے واقعات یاد دلاتے ہوئے کہا "عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ بس محبت اس میں ذرا گداز پیدا کر دیتی ہے۔"

ان فقروں میں ویرا کے لیے ایک چوٹ بھی پنہاں تھی۔ دوسروں کی موجودگی کی وجہ سے وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکی، بس گھور کر رہ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلطان شاہ غزالہ کے پیچھے ایسا گیا کہ دیر تک واپس نہیں آیا تو اول خان نے ویرا کو بھی اسی طرف بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک عورت ہی کسی جذباتی عورت کو بہتر انداز میں دلاسہ دے سکتی ہے۔

اتفاق سے میسر آجانے والے اس تخلیئے کو نعمت سمجھتے ہوئے میں نے اول خان سے نئی مہم کے خدوخال پر اہم تبادلہ خیال شروع کردیا۔

ہم دونوں کافی تاخیر سے دفتر سے نکلے۔ اپنے رہائشی کمروں کی طرف پہنچنے پر یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کی وجہ سے غزالہ جذباتی صدمے کے اثرات سے بڑی حد تک نجات حاصل کرچکی تھی۔ بس اس کے چہرے پر تشویش کے سائے سے لہرا رہے تھے۔ میرے ارادوں کے پیش نظر کچھ نہ کچھ فکرمند ہونا اس کا حق تھا۔

کھانے اور میدان میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کے دوران میں مجھے اس کو مزید سمجھانے کا موقع مل گیا۔ وہ متعدد خوں ریز معرکوں میں میرے شانہ بہ شانہ شریک رہی تھی۔ اس روز ذرا سی بات پر اس کا دل بھر آنے پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔

میرے بار بار کے استفسار پر بھی غزالہ مجھے کوئی معقول جواب نہیں دے سکی۔ شرمساری ہنسی کے ساتھ کبھی میرے بائیں بازو کے تیزی سے مندمل ہوتے ہوئے زخم کا حوالہ دیتی اور کبھی خوں ریزی سے اپنے بڑھتے ہوئے خوف کا ذکر کرتی رہی۔

اس رات وہ خوش تھی کہ اس بہانے اسے میرے ساتھ کچھ دیر تنہائی میں ٹہلنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں اس پر پوری توجہ دے رہا تھا لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا بھی چھپی بیٹھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوبارہ اندھیرے کمرے میں چھپ کر حسرت سے ہماری نگرانی نہ کررہی ہو۔ ہم میدان کا چکر لگا کر واپس لوٹے تو ویرا خوشگوار موڈ میں سلطان شاہ کے ساتھ ری کھیل رہی تھی۔ اس رات مے نوشی کا موقع نہ ملنے کے سبب وہ بالکل نارمل تھی۔

رات میں نے گہری نیند سو کر پچھلے روز کا حساب برابر کرلیا۔ یہ بات میں پہلے بھی نوٹ کرچکا تھا کہ اسٹیشن فور کے میدانی کمروں میں دریچوں اور کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آنے والی سورج کی تیز روشنی کے باعث وہاں دیر تک سوتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے بھی وہاں رہنے والے سحرخیزی کے عادی تھے مگر میں اس روز دیر تک سویا تھا۔

اول خان حسب دستور غائب تھا۔ سلطان شاہ میری نیند میں خلل انداز ہونے کے بجائے ویرا اور غزالہ کے ساتھ جا بیٹھا تھا۔ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر میں بھی ان کی محفل میں شریک ہوگیا۔ ان کے درمیان تازہ خبروں پر تبادلۂ خیال ہورہا تھا۔

ناشتے کے دوران میں، میں نے بھی اہم خبریں پڑھ ڈالیں۔ شہر میں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کی ترسیل کے حوالے سے بھیشم داس کے اقبالی بیان اور تصاویر کو خصوصی اہمیت دی گئی تھی۔ سرخیوں میں دھن راج کے نام کے ساتھ اوبرائن کے بجائے ایک غیر ملکی سفارتی افسر کے ملوث ہونے کا ذکر موجود تھا۔ وہ تبدیلی شاید بعد میں کسی زیرک افسر کے ایما پر کی گئی تھی مگر میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اوبرائن کے نام کے ساتھ جاری ہونے والا ابتدائی متن متعلقہ لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ امریکی سفارت خانے کے بروقت احتجاج کی وجہ سے اعلامئے کے اصل متن میں سے اوبرائن کا نام حذف کرکے متبادل الفاظ شامل کردیے گئے ہوں۔

بھیشم کے ذریعے پس پردہ کرداروں کے سامنے آجانے سے سب سے زیادہ نقصان دھن راج کے خاندان کو پہنچا تھا۔ کئی اخباروں نے عمرکوٹ میں اس خاندان کے اعزاز و اعتبار کے تعریفی حوالوں کے ساتھ دھن راج کو اپنے گھرانے کے لیے کلنک کا ٹیکا قرار دیا تھا۔

گپ شپ کے دوران میں منتظر رہا کہ ان میں سے کوئی میجر بخشی کے مجوزہ اغوا کا ذکر چھیڑے لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تو میں نے فرض کرلیا کہ اول خان میرے بیدار ہونے سے پہلے انہیں اس بارے میں بریفنگ دے چکا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ مجھے بہت شدت سے اس شام کا انتظار تھا جو میجر بخشی کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والی تھی۔ اس سے گفتگو کا خاکہ دھیرے دھیرے میرے ذہن میں ترتیب پا رہا تھا۔

سورج کے نصف النّہار پر پہنچنے سے پہلے ویرا نے کچھ خریداری کے لیے چھاؤنی کے ایک قریبی بازار کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سلطان شاہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ غزالہ متذبذب تھی۔ میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گئی۔

مجھے ڈر تھا کہ میرے ساتھ تنہائی میسر آتے ہی غزالہ پر جذباتی ابال طاری ہوجائے گا اور میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔ رات کی چہل قدمی میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والا گہرا سکون صبح کے اجالے میں ایک مرتبہ پھر مفقود ہوچکا تھا۔

اول خان اس روز شاید اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ دوپہر کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوکر وہ دوبارہ واپس چلا گیا۔

پانچ بجے ہم سب چائے نوشی کے لیے ایک مرتبہ پھر یک جا ہوچکے تھے۔

"سنا ہے کہ تم میجر بخشی کو اٹھانے پر تل گئے ہو۔" پہاڑ جیسا دن گزر جانے کے بعد ویرا نے اس وقت پہلی بار اس بارے میں زبان کھولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس کا سبب کل ہی بتا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔"

"فرض کرو کہ وہ تم سے ملاقات پر آمادہ نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"صبر اور مناسب ساعتوں کے انتظار کے سوا کیا کیا جاسکے گا؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت یہ ذکر مت کرو۔" اول خان نے انہیں ٹوک دیا۔ "ڈینی کو یکسوئی کے ساتھ اپنا ذہن بنانے دو۔ اس کی کامیابی اور ناکامی کا بیشتر انحصار چھ بجے والی گفتگو پر ہی ہوگا۔"

ویرا سر جھٹک کر زیر لب کچھ بڑبڑائی۔ الفاظ میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکے مگر غزالہ کی خفیف سی مسکراہٹ سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اس نے اول خان کی ہدایت پر کوئی نامناسب تبصرہ کیا تھا۔

چھ بجے سب اول خان کے دفتر میں موجود تھے۔ میں نے نمبر ملایا اور دوسری طرف سے میجر بخشی نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تم نے آج کے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی۔ "ان میں دل کھول کر سرخیاں لگائی گئی ہیں۔"

"یہ پرانی خبریں ہیں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک تازہ اور اچھی خبر موجود ہے۔" اس نے اپنے معمول سے ہٹ کر ایک نامکمل فقرہ کہا۔

میں خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم خاموش ہو۔ اس اطلاع سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"اچھی اور بری خبریں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ میں منتظر تھا کہ تم تمہید کے بعد خبر بھی سنا ڈالو گے۔ مگر آج تم کچھ لمبی گفتگو کے موڈ میں نظر آرہے ہو۔"

"معاملات صاف ہوگئے ہیں۔ کانٹا لگا دو..... اور ہاں! اگر تم تھوڑی دیر بعد کہیں مل سکو تو یہ گفتگو بہت مختصر بھی ہوسکتی ہے۔"

ستاروں کی یاد پر میں حیران رہ گیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اس کی زبان پر آگیا تھا۔ میرے لیے اس سے بہتر موقع نہیں آسکتا تھا۔ میں نے بے پروائی سے پوچھا۔ "کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟"

"وہیں پرانی جگہ پر۔ سات بجے تک کلب کے لان پر مل سکتے ہو؟"

"خالی ٹیکسی مل گئی تو شاید چند منٹ پہلے ہی پہنچ جاؤں۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا۔ "ذرا سی تاخیر ہوجائے تو انتظار کرلینا۔"

"آج کی ملاقات بہت اہم اور ضروری ہے۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"ایجنڈا کیا ہوگا؟" میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آج کوئی متنازعہ بات نہیں ہوگی۔ مائیکرو بگز وغیرہ کے معاملات ہیں۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "چاہو تو آکر ٹیکسی کو رخصت کردینا۔ واپسی پر میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔"

"شکریہ میجر! تمہاری یہ مہربانی مجھے مہنگی پڑ سکتی ہے۔ میں تمہاری گاڑی میں یا تمہارے ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا اور میری واپسی کی منزل تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کتنی حساس ہے۔ ہر شخص چونک پڑے گا کہ ٹیکسیوں میں پھرنے والا کرنل جمال دستی آج کس کی گاڑی میں شہر سے واپس آیا ہے۔ بلاوجہ کہانیاں بن جائیں گی۔"

"تم بہت محتاط اور ذمے دار آدمی ہو کرنل!" اس کی ستائشی آواز ابھری۔ "میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ دو چار ڈرنکس لے کر کھانا کھاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"اوہ! آئی ایم سوری کرنل۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔ "آؤ گے تو بات ہوگی۔"

اس بار میجر بخشی نے مجھے کوئی سوال کرنے کا موقع دیے بغیر فون بند کردیا۔

"ہائیں..... وہ خود تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔ "اب اس کے

فون نمبر

"بھائی، کبھی فون ہی نہیں کیا، کیا وجہ ہے؟"

"یار، میرے پاس آپ کا فون نمبر ہی نہیں ہے....."

"اچھا تو لکھو میرا فون نمبر ساڑھے تین سو پونے چار سو..."

"کیا....؟ یہ کون سا نمبر ہے؟"

"او یار..... 350375 بالکل آسان نمبر ہے....."

"اچھا جی۔"

مردان سے عبدالہادی ظہیرالحق کی شوخی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن واقعی پورے ہوگئے ہیں۔"

"چیکنگ کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔ "پہلے پوری بات سن لو۔"

اس سے ہونے والی مختصر سی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا بولی۔ "سلطان شاہ کو آنکھیں کیوں دکھا رہے تھے۔ وہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے کہ مچھلی خود کانٹا نگلنے کے لیے بے چین ہے۔"

"آج کی گفتگو میں آپ نے اس کی ہلکی سی غیر معمولی ہنسی کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا معلوم ہو رہا ہے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ آج کی گفتگو کی بعض باتیں معمول سے ہٹی ہوئی ہیں۔ کھانے' پینے اور گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش..... مگر یہ اس کی خوشی کے باعث بھی ہو سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ تمہیں کلب جیسی بارونق جگہ پر ہرگز نہ بلاتا' کسی ویرانے کو ترجیح دیتا۔"

"کوئی کام توقع کے خلاف آسان ہو جائے تو اس میں اسی طرح کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔" ویرا نے برا سا منہ بنا کر تنقید کی۔

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد وہ یہاں اکیلا رہ گیا تھا اور پریشان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن سے بات ہو جانے کے بعد اس کے ذہن سے سارا بوجھ اتر گیا ہو۔" سلطان شاہ نے بھی ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے۔"

"سب کی باتیں سن رہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے کہا۔ "تم خود کیوں نہیں بولتے۔"

"اس سے براہ راست آپ کی گفتگو ہوتی رہی ہے۔" غزالہ بولی۔ "ہم اس کی باتیں آپ کی زبانی سنتے ہیں۔ اس کے اصل لب و لہجے سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فون پر وہ حاکمانہ لہجے میں صرف مطلب کی بات کرتا ہے مگر آج اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے پھسلا کر آج کی ملاقات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"اسے ظاہری طور پر تمہارے اوپر برتری ہے۔ وہ تمہیں کلب کے بجائے کہیں اور بھی بلا سکتا تھا۔ وہ جگہ کسی بھی ناخوش گوار کارروائی کے لیے بہت ناموزوں ہے۔"

"سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا یا پھر مفاہمانہ انداز میں اٹھا لے جانے کا فیصلہ کیے بیٹھا ہے۔ یہ باتیں اس سے ملنے کے بعد ہی واضح ہو سکیں گی۔"

"میرے لیے یہ اتفاق تو قابلِ قبول نہیں ہے کہ یہاں ڈینی اسے اغوا کرنے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھا ہے اور وہاں وہ ڈینی کے خلاف ایسا ہی منصوبہ بنا رہا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔

"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ایک سرے پر وہ قابض ہے اور دوسرا میرے پاس ہے۔ ہمارے کارڈز ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ اگر اسے مجھ پر کوئی شبہ ہو چکا ہے تو اسے بھی اسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے تھا جو میں اس کے خلاف کیے بیٹھا ہوں۔"

اول خان مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہیں اس کے ارادوں پر شبہ ہو گیا تھا تو تمہیں اس سے مزید وقت لے لینا چاہیے تھا۔ تم جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر وقت برباد مت کرو۔ تمہیں نئے چیلنج کے مقابلے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

"تم سب اس کی طرف سے بدگمان ہو چکے ہو تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ یہ ملاقات آج کے بجائے کل پر ٹال دو۔" ویرا نے پہلی بار پوری سنجیدگی سے وہ رائے دی۔ "یہ سیدھا سیدھا کٹ تھروٹ گیم ہے۔ تم سے کہیں بھی ذرا سی چوک ہو گئی تو وہ بے رحمی سے تمہارے اوپر غالب آ جائے گا۔ تیاری اور بھرپور تیاری کے بغیر ذرا سی دیر کے نوٹس پر اس کا سامنا کر کے تم غلطی کرو گے۔"

میرے ہونٹوں پر ہلکی سی بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں اس سے کہا۔ "تم کو علم ہے کہ میں آج کل دو کشتیوں کا سوار ہوں۔ یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آخر کار مجھے کس کشتی میں رہ کر سفر کرنا ہے۔"

وہ میری نجی زندگی پر ویرا کے دباؤ کا ذو معنی اشارہ تھا۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری کشتی ایک ہے اور تم....."

"ڈینی!" اول خان نے تلملائی ہوئی آواز میں ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ تیاری کرو اور تم وقت برباد کیے جا رہے ہو۔ یہ وقت تشبیہات اور استعاروں کے استعمال کا نہیں' عمل کا ہے۔ تم حالات کی سنگینی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دس بجے تک بھی میرا انتظار کرتا رہے گا۔ تم فکر مت کرو۔ میں احتیاطی تدابیر اختیار کیے بغیر یہاں سے قدم باہر نہیں نکالوں گا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" یہ کہہ کر اول خان تیزی سے اپنے دفتر سے نکل گیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ ان تینوں میں سے کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آ رہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کرانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں ٹیلی پیامیے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت راکے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جنم رسید کر کے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے راکے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو دم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے راکے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشش کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آنرک بیل نے کوٹ اور تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ راکے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ راکے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اکروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے ٹک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہ راست ٹک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ ٹک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسمیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی' بدری کو ٹک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دوران سفر مدن موہن کے ٹیلی انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رخت سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر ٹیک ڈیڈ سے انہیں واصل جہنم کردیا۔ ٹک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذہنی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے ٹیلی انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے کمرے کا لاؤنگ کی اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اور ایائن ذی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فکر پر ٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھمن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھمن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے نوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر رواداری میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھمن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ ہیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ ہیشم داس اگرچہ صرف دھمن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھمن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی' اس بار اس کے تیور جدا تھے۔ میرے ساتھیوں کے مطابق بھرپور تیاری کے بغیر میجر سے میری ملاقات میری زندگی کے لیے خطرناک ہوسکتی تھی۔ اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آرہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اسٹیشن فور پر ہم چاروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی' ہم جہاں چاہتے' جاسکتے تھے لیکن دوسروں کا تو خیر ذکر ہی کیا' میں خود بھی ایس ٹی ایف والوں کے اس عارضی پڑاؤ کو ایک میدان میں بنی ہوئی چند بیرکوں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لے دے کر بس ان کا ریڈیو کنٹرول روم ہی ان کا اہم ترین مواصلاتی شعبہ تھا جہاں ان کے شہر بھر میں پھیلے ہوئے کارندوں کی باہمی گفتگو اور خفیہ پیغامات کو مانیٹر کرکے تازہ ترین اندازے قائم کیے جاتے تھے۔ ایک بیرک کے اسی وسیع کمرے میں وہ طاقت ور لاسلکی ٹرانسمیٹر اور ریسیور تھا جس کے ذریعے ایس ٹی ایف کے دوسرے اسٹیشنوں سے رابطہ استوار رہتا تھا۔

وہ مواصلاتی کمرا میرا دیکھا ہوا تھا۔ مجھے کبھی گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ان بیرکوں میں کوئی کمرا ریڈیو کنٹرول روم سے زیادہ اہم بھی ہوگا۔

اس شام اول خان نے میری نئی مہم کے سلسلے میں جن کمروں کی سیر کرائی وہ میرے لیے عجوبوں سے کم نہیں تھے۔ وہاں بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو ہنگامی صورتِ حال میں بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتی تھیں۔

ملیر چھاؤنی کے اس دور افتادہ علاقے کی متروکہ بیرکوں میں مقیم ایس ٹی ایف کے صف شکنوں کو دیکھ کر بارہا میرے ذہن میں وہ مصرع گونجا تھا جس میں سپاہی کے لیے مومن ہونے کی یہ خوبی بیان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی گئی ہے کہ وقت پڑنے پر اسے کچھ میسر نہ ہو تو وہ بے تیغ بھی لڑتا ہے۔ ان کمروں کو دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ایس ٹی ایف والے اس وقت بھی ایسے بے سروسامان نہیں ہے۔ ان کی زنبیل میں سیکڑوں ایسے شعبدے موجود تھے جو حریف کو متحیر کرسکتے تھے۔

مجھے میجر بخشی سے بات کئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چھ کے بعد تیزی کے ساتھ سات بجنے کا اعلان کرنے والے نکتوں کی طرف سفر کررہی تھیں۔ اول خان مضطرب ہوا جارہا تھا مگر میں اس کے آدمیوں کے مشورے سے اپنے لیے کام کی چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھا۔

"تم بہت وقت لے رہے ہو۔ سات بجے ہرگز وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"میں بس چند منٹ لوں گا۔ تم اس دوران میں دو سروں کو بریفنگ دے کر میرے لیے ٹیکسی منگواؤ۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ قدرے برہمی کے انداز میں وہاں سے نکل گیا۔ وقت کے ضیاع کے سلسلے میں اختلاف کے باوجود وہ میرے مشورے کی افادیت سے انکار نہیں کرسکا تھا۔

وہ اپنا کام کرنے نکل گیا تھا اور میں تیزی سے اپنے کام نمٹا رہا تھا۔

وقت اور کاموں کی وہ تقسیم کارگر رہی۔ میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہوکر باہر نکلا تو اول خان میری روانگی کا بندوبست مکمل کرچکا تھا۔

کلب میں اہم ترین دفاعی پوزیشن سنبھالنے والی ہر اول پارٹی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوچکی تھی' مجھے لے جانے والی فرسودہ ٹیکسی میں ایس ٹی ایف کا ایک تجربے کار اہل کار ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

ٹیکسی کے پیچھے ایس ٹی ایف کی سرکاری' نیم سرکاری یا شاید غیر سرکاری جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور سمیت چھ مسلح افراد سوار تھے۔

"اتنی تیاریاں کس معرکے کے لیے کی جارہی ہیں؟" میں نے دفاتر سے باہر آنے کے بعد قدرے استہزائیہ انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"وہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں ہے' تم اس کے فراق میں ہو۔ کچھ نہ کچھ تیاریاں تو ہونی ہی تھیں۔ وہ آسانی سے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"تم نے ان لوگوں کو ان کا رول سمجھا دیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی بھی ضرورت پیش آنے سے پہلے تمہارے اور بخشی کے درمیان کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

وقت کی کمی کے باعث وہیں سے میری روانگی کی اطلاع پاکر غزالہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت وہیں آگئی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"میری بات مانو تو اکیلے نہ جاؤ۔" ویرا نے آخری لمحات پر اصرار کیا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تم آسانی سے مجھے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کراسکتے ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "اگر اسے میرے اوپر شبہ ہوچکا ہے تو سفید فام گرل فرینڈ اسے مزید شبہات میں ڈال دے گی۔ فی الحال تمہارا پردے میں رہنا ہی مناسب رہے گا۔"

"میں روپوشی اور پردے کی زندگی سے اب بے زار ہوچکی ہوں۔"

"مشرق میں عورت صدیوں سے اس مسئلے کا شکار ہے۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی اس کی بات اچک لی "یہ امر صرف مرد ہی جانتے ہیں کہ عورتوں کی بے پردگی کیسی کیسی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ تم کو گھر میں محدود رہنا چاہیے۔"

"ہر بات میں اپنی ٹانگ مت اڑایا کرو۔" ویرا بھنّا کر بولی۔ "غصہ آگیا تو میں کسی وقت تمہارا منہ توڑ کے رکھ دوں گی۔"

"ذرا احتیاط سے رکھنا۔ کسی آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

میرے پاس ان خرافات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا' میں ان سب کی طرف ہاتھ لہرا کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔

"تمہارے ہاتھ میں یہ انگوٹھی کیسی ہے؟" ٹیکسی میں بیٹھتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تحیر زدہ آواز آئی "کس نے دی ہے؟"

"نئی منگنی کی نشانی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

اس وقت میری رسٹ واچ میں سات بجنے والے تھے۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور کو بھی وقت کی اہمیت کا اندازہ تھا کیونکہ سڑک پر آتے ہی اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔

میں کلب کے پورچ میں ٹیکسی سے اترا تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ میرے ذہن پر میجر بخشی سے طے شدہ ملاقات کے بارے میں ہلکا سا تناؤ طاری تھا۔ وہ میرے عزائم سے باخبر تھا نہ اس نے مجھے اپنے ارادوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو کچھ بھی سامنے آیا تھا وہ میری قیاس آرائیوں کا نتیجہ تھا اور غالب امکان یہی تھا کہ میری اور بخشی کی ملاقات خاصی ناخوش گوار ثابت ہوسکتی تھی۔ میری دانست میں وہ میرے اغوا کا منصوبہ لیے بیٹھا تھا اور میں اسے گھیر گھار کر اپنے ساتھ لے جانے کا مصمم ارادہ لے کر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر جوں ہی لان کی طرف پلٹا تو میجر بخشی مجھے نظر آگیا۔ وہ لان کے نیم روشن گوشے میں اپنی مخصوص میز پر موجود تھا۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ میز پر ایک خوب صورت اور جوان عورت اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے دیکھ کر میجر بخشی نے اپنی جگہ سے ہاتھ لہرایا اور میں خفیف سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہولیا۔

میجر بخشی نے اپنی کرسی چھوڑ کر بہت تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی، لڑکی کو بھی اپنی کرسی چھوڑنی پڑی۔

نکھری ہوئی رنگت، دلکش خدوخال اور ترشے ہوئے بالوں والی وہ لڑکی مجموعی طور پر کشش انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ وہ چھریرے بدن کی مالک تھی، نہ اس پر مٹاپے کی تہمت لگائی جاسکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان وہ بس صحت مند اور بھرے بھرے جسم والی دراز قد لڑکی تھی جس نے مختصر سے بلاؤز کے ساتھ ہلکی گلابی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔

"یہ کرنل جمال دستی ہیں اور یہ موہنی پنڈت.... میری پرانی دوست!" میجر بخشی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا تعارف کرایا۔ موہنی نے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اپنا گداز ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

خواتین سے مصافحے کا یہ عالمی اصول ہے کہ ان کے ساتھ بے جا گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر سب کچھ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرف سے جتنا دباؤ کا اظہار ہو، جواب میں اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

موہنی سے تعارفی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اسی اصول پر عمل کرنا چاہا تھا لیکن اس نے میرے ہاتھ کو اپنی گداز ہتھیلی میں لے کر مخروطی انگلیوں سے یوں دبایا کہ میں چونک پڑا۔ اگر میں نے اپنی ہتھیلی کو فوراً ہی سخت نہ کرلیا ہوتا تو موہنی میرے ہاتھ کو بری طرح دبا چکی ہوتی۔

جارحیت کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی، میں نے شائستگی کی حد میں رہتے ہوئے اسے اپنی مردانہ گرفت کا احساس دلایا تو اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میجر بخشی نے ہم دونوں کے چہروں سے صورتِ حال کا اندازہ لگالیا اور مسکراتے ہوئے بولا "موہنی کو میں نے خاص طور پر تم سے ملوانے کے لیے بلایا ہے۔ آج کل یہ شہر کی سب سے کامیاب ماڈل گرل ہے۔ ہر فیشن شو اور قابلِ ذکر اشتہار میں نمایاں نظر آتی ہے۔"

"مجھے تو اس وقت ماڈلنگ کے بجائے مارشل آرٹ کا تجربہ ہوا ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ تبصرہ کیا "ذرا سی چوک ہوتی تو کوئی جوڑ کھسک چکا ہوتا۔"

بخشی نے تحیر زدہ، متفسرانہ نظروں سے موہنی کی طرف دیکھا اور وہ مترنم ہنسی کے ساتھ وضاحت کرنے لگی "پتاجی کا نیا شوق ہے۔ پچھلے ہفتے سے میں کراٹے سیکھ رہی ہوں۔"

بخشی نے استفہامیہ انداز میں اپنا سر ہلایا اور معنی خیز لہجے میں بولا "کہیں وہ کورین لڑکی تو تمہاری ٹریننگ نہیں کرا رہی؟"

"وہی ہے۔" موہنی نے اقرار کیا "میری ٹریننگ کے بہانے اسے گھر میں کافی وقت گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پتاجی خوش رہتے ہیں۔"

"پنڈت خاصا مظلوم آدمی ہے۔" میری لاتعلقی کا احساس ہوتے ہی میجر بخشی مجھ سے مخاطب ہو کر بتانے لگا "دس برس پہلے اس کی بیوی مرگئی تھی۔ اس نے موہنی کو باپ کے ساتھ ماں کا پیار بھی دیا ہے۔ اب اگر اس نے دل بہلانے کے لیے کسی کو رکھ لیا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔"

"خوب!" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری اس میٹنگ کا ایجنڈا موہنی اور اس کے گھریلو حالات کے گرد ہی گھومتا رہے گا۔"

"موہنی اجنبی نہیں ہے۔ یہ ہم میں سے ہے اور بہت کچھ جانتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے اٹھ کر اسی کے گھر جائیں گے۔"

موہنی کے گھر جانے کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہوگئے مگر میں نے میجر بخشی کے الفاظ کو زیادہ اہمیت دیے بغیر سرسری انداز میں کہا "اگر موہنی کے باپ کو اعتراض نہ ہوا تو اس کے گھر پر تمہارا وقت بہت اچھا گزرے گا۔ ہم اپنے مذاکرات کل کے لیے ملتوی کرسکتے ہیں۔"

وہ دونوں پہلے سے اسکاچ سے شغل کررہے تھے۔ بخشی نے مجھ سے بھی اصرار کیا کہ میں الکحل ملا ہوا کوئی مشروب لوں مگر میں نے سختی سے انکار کردیا۔ میرے ذہن پر یہ جھلاہٹ بھی طاری تھی کہ اس نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر ادھورا چھوڑ کر پینے پلانے کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔

وہ میرے لیے ویٹر کو اسکواش لانے کی ہدایت دے کر فارغ ہوا تو میں نے چڑچڑے انداز میں دوبارہ کہا "اگر آج تم موہنی کے خانگی مسائل میں اتنے الجھے ہوئے تھے تو مجھے اتنی لمبی دوڑ لگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم نے فون پر اس ملاقات کی اہمیت پر زور کیوں دیا تھا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میز پر آگے جھک کر نرمی سے کہا "موہنی پنڈت میرے لیے نئی نہیں ہے۔ اسے میں نے تم سے ملوانے کے لیے بلوایا ہے۔ یہ....!"

ہم دونوں کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرتے ہی وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ذرا واش روم تک جارہی ہوں۔ دو منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ وہ واش روم چلی گئی۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میجر بخشی نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا "اس کی موجودگی میں، میں زیادہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ میری اور تمہاری ملاقات میں کوئی تیسرا آدمی موجود نہیں ہوگا۔"

"موہنی بہت کارآمد لڑکی ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "مال دار باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستیاں بڑھانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوقین ہے۔ آسانی سے اسے شیشے میں اتار لو گے۔"

"مجھے ان فضول باتوں میں الجھانے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس ملاقات کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خشک لہجے میں کہا "وہ لوٹ آئے گی تو بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"کام کی باتیں اس کے سامنے بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے سامنے میں کھل کر اس کی فراخ دلانہ خوبیوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر کیا تھا۔ اگر اس سے تمہاری گہری دوستی ہے تو میں اس سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

"میری اس سے اس قسم کی دوستی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، میں....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "پھر بھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ذاتی دلچسپیوں کو میں اپنی ذات تک محدود رکھنے کا قائل ہوں۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر غور سے میری طرف دیکھا پھر بتایا "موہنی کے گھر جانے والی بات کا مفہوم بھی تم نے غلط لیا ہے۔ میں اکیلا اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟" میں نے اپنے تجسس کو دبا کر سوال کیا۔

"مائیکرو بگز اس کے گھر پر ہیں۔ میرے فلیٹ کے مقابلے میں پنڈت کا گھر محفوظ اور بڑا ہے۔"

"وہ مائیکرو بگز ہیں۔ ذرا سی تھیلی میں سما سکتے ہوں گے۔ ان کے لیے ایک بڑے گھر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"وہ واقعی ایک کارٹن میں ہیں۔ تمہارے حصے کے بگ ایک تھیلی میں بھی آجائیں گے مگر اس قسم کے کاموں کے لیے بڑے گھر زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ باہر سے کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ فلیٹوں میں اتنی رازداری برقرار نہیں رہتی۔"

"کل تم نے کہا تھا کہ مائیکرو بگز تمہارے پاس ہیں۔ آج وہ پنڈت کے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس سے یہ مراد نہیں تھی کہ میں انہیں جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔"

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ اینالائزر سسٹم کے بغیر وہ ناکارہ سنگریزے ثابت ہوں گے۔"

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ دراصل آج اولی سے فون پر میرا رابطہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے پوری صورتِ حال سمجھا دی ہے۔ اینالائزر اس کے دفتر میں موجود ہے۔ اس کا ایک ساتھی پوری مہارت کے ساتھ اسے چلا سکتا ہے۔"

موہنی پنڈت نے شاید پہلے سے سوچ سمجھ منصوبے کے تحت ہم دونوں کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کیا تھا۔ مقررہ وقت گزار کر وہ دوبارہ میز پر آگئی۔ اس نے آتے ہی اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ اپنے معدے میں انڈیل کر گلاس خالی کر دیا۔

"سب کچھ طے تھا تو تم بگز یہاں بھی میرے حوالے کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہ چنے کے دانے نہیں ہیں جو پڑیا میں باندھ کر تمہیں دے دیے جائیں۔" میجر بخشی نے چیخ کر جواب دیا "وہ بہت نازک اور حساس آلات ہیں۔ میری وضاحت کے بغیر تم انہیں استعمال نہیں کر سکو گے۔ موہنی کے گھر پر میں آرام سے تمہیں سب کچھ سمجھا سکوں گا۔"

"نہیں میجر....." میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ موہنی کو بھیج کر مائیکرو بگز یہیں منگوا لو۔"

بخشی کی آنکھوں میں سختی جھلکنے لگی "ایسا مت کہو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔"

"کیا بات ہے؟ کس مسئلے پر بحث ہو رہی ہے؟" موہنی پنڈت نے پوچھا۔

اقبال پاریکھ کی زیرِ ادارت

الف لیلہ ڈائجسٹ

مدیرِ اعلیٰ: نجم الدین شیخ

• **موت کے سائے**، محمد ظفر۔ پونا سے ممبئی آنے والے ایک ایماندار مسلمان پولیس افسر کی جاں گسل روداد، سارا شہر اس کا دشمن ہو گیا تھا۔

• **سکندر**، افسر آذر۔ یتیم خانے میں پرورش پانے والے ایک نوجوان کی دلگداز سرگزشت، اپنے دشمنوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے کے لئے وہ بادشاہ گر بن گیا تھا۔

• **گرداب**، اقبال کاظمی۔ امریکہ میں مقیم ایک نامور پاکستان سرجن کی جواں سال اور بدنام بیٹی عاشی کی بدید کہانی، عاشی جن سنگین اور جاں گسل حالات سے گزری ہے وہ ایک مرد کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ نامور مصنفین یعقوب جمیل، منظر امام، احمد صغیر صدیقی، راجپوت اقبال احمد، زیرک اقبال اور شکیل صدیقی کی دلکش اور سنسنی خیز کہانیاں۔ اگست کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

اپنے قریبی بک اسٹال یا ہاکر سے طلب فرمائیں۔

اسکولوں، ناولوں اور ناولوں کی جان سوز کہانیاں

ماہنامہ آپ بیتی کراچی 25 جولائی کو شائع ہو رہا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کرنل جمال دستی تمہارے حسن وشباب سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے تمہارے گھر جانا بھی منظور نہیں ہے۔" میجر بخشی نے وہ الفاظ جس طرح چبا چبا کر ادا کئے' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ میرے انکار کا کوئی نہ کوئی توڑ سوچ کر وہاں آیا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے کرنل۔" موہنی نے ایک ادا سے میری طرف دیکھ کر کہا "مجھے حیرت ہے کہ مجھ سے مل کر بھی تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکا۔ تم نہ گئے تو میرے گھر پر تمہاری ضیافت کا سارا اہتمام یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔"

"تمہارا لب ولہجہ کچھ بدلا بدلا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے موہنی کی بات سنی ان سنی کر کے سرد لہجے میں میجر بخشی سے کہا۔

"تلخی کی ابتدا تم نے کی ہے۔ تم کو میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"اوبرائن نے آخری گفتگو میں ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ تم میرے باس نہیں' صرف مشیر ہو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر ڈینی کو گھیرنے کی کوئی مناسب راہ نکالوں گا۔"

"تم جاؤ۔" میجر بخشی نے سختی سے موہنی کو حکم دیا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہوگئی اور وہ اپنا پرس اٹھا کر کچھ کہے سنے بغیر کرسی چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے پختہ روش کی طرف چل دی۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کرنل!" اس کے چلے جانے کے بعد بخشی نے نیچی مگر دھمکی آمیز آواز میں مجھ سے کہا "ایس ٹی ایف سے منحرف ہونے کا فیصلہ کرتے ہی تم نے اپنے سارے آپشن کھو دیے تھے۔ پہلے تم کو اوبرائن نے کٹھ پتلی بنایا پھر بلیک کے ذریعے تمہاری ڈور دھن راج کو تھمادی۔ حالات کے تحت وہ روپوش ہونے پر مجبور ہو گیا ہے اس لیے اب میں تمہارا باس ہوں۔"

"تمہیں یہ دعویٰ ہے تو یہی سہی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"ضد مت کرو۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں نکلے گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہارا یا موہنی کا ڈرائنگ روم نہیں' ایک باوقار کلب کا لان ہے۔ تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں سے کہیں نہیں لے جا سکتے۔"

"بائیں طرف دیکھو!" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔ "میری گردن غیر ارادی طور پر اسی طرف گھوم گئی۔ ہمارے برابر والی میز پر دو آدمی براجمان تھے جن کی نگاہیں ہماری طرف مرکوز تھیں۔

"یہ دونوں مسلح ہیں۔ میرے ذرا سے اشارے پر آئیں گے اور ہتھیاروں کی نال پر خاموشی سے ہم دونوں کو یہاں سے اٹھا لے جائیں گے۔ تم نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو وہ بے رحمی سے تمہیں گولی مار کر یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ کل کے اخباروں میں میرے ناکام اغوا کے دوران میں میرے ایک ملاقاتی کی موت کی خبر چھپے گی اور تمہاری کہانی ختم ہو جائے گی۔"

اس کا منصوبہ سن کر مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ نمودار ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس سے ملاقات کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مجھے پھانسنے کی پوری کوشش کرے گا اور میں نے اس کے لیے جوابی تیاری بھی کر لی تھی۔ مگر مجھے یہ گمان تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کلب کے لان پر نہایت دیدہ دلیری سے دو مسلح غنڈے لا بٹھائے گا۔

بظاہر اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔ مجھے اغوا کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ قتل کرنے کا ارادہ کئے بیٹھا تھا۔ عینی شاہد بھی یہی دیکھتے کہ برابر والی میز سے دو آدمی آئے اور ہم دونوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ انہیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ہم دونوں میں سے درحقیقت کس کو اغوا کیا جا رہا تھا۔ میری مزاحمت کی صورت میں جو کچھ ہوتا اس کے بعد میجر بخشی کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

میرے ساتھ آنے والے ایس ٹی ایف کے مسلح جوان کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے آس پاس موجود تھے اور یقینی طور پر میری حفاظت کر رہے تھے مگر بخشی کا منصوبہ ایسا تھا کہ میرے اوپر فائر ہونے سے پہلے انہیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ میرے اوپر فائر کرنے کے بعد فرار ہونے والے مجرم ایس ٹی ایف کے چھپے ہوئے اہل کاروں کی گولیوں سے چھلنی ہو کر جہنم واصل ہو جاتے اور یوں میجر بخشی کے بیان کی تردید کرنے والا کوئی گواہ زندہ نہیں رہتا۔

وہ قانونی صورت ہوتی لیکن میرے ہر ساتھی کو میرے سنگین مشن کا علم تھا۔ میجر بخشی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکتا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کو خطرات کا پوری طرح ادراک تھا مگر وہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ اس کھیل میں میجر بخشی کی طرف سے بالا ہی بالا دو سفاک غنڈے بھی شامل ہو چکے تھے۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں انہیں ان دونوں کی موجودگی سے باخبر کر سکتا۔

میں نے جوابی تیاری میں صرف میجر بخشی کو سامنے رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے لے جانا چاہے گا۔ میرے انکار پر تکرار ہوگی اور میں رسانیت سے اسے بے ہوش کر کے کوئی دورہ پڑنے کا بہانہ کر کے کلب سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دونوں غنڈوں نے حالات کا توازن بہت بگاڑ دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ موہنی کو بخشی نے خود ہی روانہ کر دیا تھا ورنہ وہ مزید پیچیدگی پیدا کر سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ضد کو طول دے کر پوزیشن خراب کرنے کے بجائے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ان آدمیوں کی موجودگی کا مطلب ہے آج تم ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ لے جانے یا قتل کردینے کا فیصلہ کرکے آئے ہو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نہیں کرنل!" بخشی نے سرسراتی ہوئی اضطراری آواز سے مجھے بری طرح چونکا دیا "اپنے ہاتھ جیبوں سے دور رکھو۔ اب تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔"

"رومال کی تلاش میں اضطراری طور پر جیب کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ اس کے ابتدائی الفاظ کے ساتھ ہی رک چکا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "سب کچھ معلوم ہوجانے کے بعد میں خودکشی کی حماقت نہیں کروں گا۔ میں جیب سے رومال نکالنا چاہ رہا تھا۔"

اس نے اپنی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہاری پیشانی عرق آلود ہورہی ہے۔"

"تمہیں مجھ سے یکایک ہی کیا مخاصمت ہوگئی ہے؟" میں نے کہنیاں میز پر ٹکا کر پوچھا۔

"شبہات پہلے سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ اوبی کا مشورہ ہے کہ اب تمہارے بارے میں چھان بین کی جائے۔ وہ ہتھیار لے جانے والی گاڑی کے حادثے کو اتفاق قرار نہیں دے رہا۔"

"لیکن اس واقعے سے میرا کیا تعلق تھا؟" میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"دھن راج تمہارے رابطے میں تھا۔ وہ گاڑی اپنی منزل کے لیے اسی کے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ گاڑی کا پیچھا کیا جارہا ہو اور اس کے آدمی ہراساں ہوگئے ہوں۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ اوبرائن قیاس آرائی میں بہت دور نکل گیا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کی تعبیر اب بہت دور نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو اور ہمیں ڈبل کراس نہیں کررہے ہو تو تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھان بین کے بعد تمہارے دعوؤں کی تصدیق ہوگئی تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔"

"میں نے تو آج تک تم لوگوں کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"وہ صرف دو باتوں کی تصدیق چاہتا ہے۔ تم واقعی کرنل جمال دستی ہو اور اپنی فورس کے خلاف باغیانہ سوچ رکھتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"ریکارڈ تمہارے سامنے ہے۔ تم لوگوں سے ملاقات ہونے سے پہلے اوبرائن ایک خفیہ سرکاری اجلاس سے میرے فنگر پرنٹس حاصل کرچکا تھا۔"

"مگر تم نے مجھے آج تک اپنے آرمی یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ایک سابقہ فوجی کے لیے یہ دونوں باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔"

"میں کل اپنی سروس بک کی فوٹو کاپی تمہیں لادوں گا۔" میں نے پیش کش کی۔

"اب وقت گزر گیا۔ سب کام دوسرے طریقے سے پورے کیے جائیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں۔ اب اپنے ان دو جلادوں کو رخصت کردو۔"

وہ عجیب اور پُرغرور انداز میں دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ دونوں شہر کے معروف مگر سفید پوش قاتل ہیں۔ ہمیں دور دور سے گاڑی تک پہنچا کے رخصت ہوجائیں گے۔ میں جرائم پیشہ لوگوں کے سائے تک سے دور بھاگتا ہوں۔ مجبوری کے تحت صرف حفظِ ماتقدم کے لیے ان کا بندوبست کرنا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم مکار آدمی ہو۔ آسانی سے قابو میں نہیں آؤ گے۔"

میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ وہ دونوں سر پر سوار رہتے تو کلب سے اغوا یا روانگی کے بعد بھی میں بازی الٹنے کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کے جو آدمی پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کررہے تھے، انہیں علم تھا کہ اس ملاقات میں میرے اغوا کا خطرہ مضمر تھا لیکن میں نے انہیں واضح طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ مجھے خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر وہ ازخود کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

اس مرحلے پر میں نے ایک مرتبہ پھر فوری مزاحمت کے امکان پر غور کیا۔ میں بغل کھجانے کے بہانے اپنا داہنا ہاتھ سر سے اوپر بلند کرکے اپنے پوشیدہ محافظوں کو مداخلت کی دعوت دے سکتا تھا۔ وہ مختلف سمتوں سے نمودار ہوکر ہمیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔

خرابی یہ تھی کہ ان کی ساری توجہ میجر بخشی پر مرکوز ہوتی۔ وہ سب سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ والی میز پر بخشی کے ساتھ دو مسلح آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اس غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہ دونوں اپنے باس کو نرغے میں لینے والوں پر گولیاں برسا سکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں ایس ٹی ایف والوں کو ہوشیار کرتا، ہڑبونگ اور افراتفری میں ان سمیت کلب کے لان پر بیٹھے ہوئے کئی گاہک ہلاک اور زخمی ہوسکتے تھے۔

غور کرنے کے بعد میں نے اس مرتبہ بھی مزاحمت کا ارادہ ترک کردیا۔

اپنی دانست میں مجھے زیر کرلینے کے بعد میجر بخشی بہت پُرسکون نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ویٹر کو بل لانے کی ہدایت کی اور بل کی رقم فولڈر میں رکھتے ہی کرسی چھوڑ دی۔

میں نے اس کی تقلید کی۔ اس کے لائے ہوئے بدمعاش شاید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ہی سے فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے چند لمحوں بعد وہ بھی اٹھ گئے۔

میجر بخشی نے جس انداز میں جرائم پیشہ افراد سے دور رہنے کی عادت کا ذکر کیا تھا' اس کی بنا پر مجھے کلب کے لان پر ان دونوں بدمعاشوں کی موجودگی پر حیرت تھی۔

یہ بات کم و بیش ہر شخص ہی جانتا تھا کہ محض پیسے کے بل پر ہر ایرا غیرا شہر کے مشہور کلبوں میں نہیں جاسکتا۔ کلب میں داخلے کے لیے باقاعدہ رکنیت ضروری ہوتی ہے یا پھر کلب کے ارکان اپنے مہمانوں کو کلب میں لاسکتے تھے۔ ان تفریحی مقامات کی رکنیت آسانی سے نہیں ملتی۔ ہر وقت امیدواروں کی ایک معقول تعداد اپنی باری کی منتظر رہتی ہے۔

وہ دونوں جس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کلب کے رکن نہیں تھے۔ بخشی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے انہیں اپنے مہمانوں کے طور پر وہاں لانے کی حماقت کی ہوگی کیونکہ اس کے منصوبے کے ایک حصے کے مطابق' ضرورت پڑنے پر انہیں فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہونا تھا۔ وہ واقعہ رونما ہوجاتا تو بعد میں ان دونوں کو لانے یا بلانے والے میزبان کی حیثیت مشکوک ہوجاتی۔ پتا نہیں وہ دونوں کس کی تائید سے وہاں پہنچے تھے۔

"تم نے ٹیکسی روکی ہوئی ہے یا اسے رخصت کردیا؟" بخشی کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ رات میں یہاں سے چھاؤنی کے لیے مشکل ہی سے کوئی ٹیکسی ڈرائیور رضامند ہوتا ہے میں دو طرفہ کرایہ طے کرکے آتا ہوں۔"

"اوہ....!" وہ قدر متفکر ہوگیا "جانے سے پہلے اسے بھی رخصت کرنا ہوگا۔"

میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ مسئلہ اس کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اس کا حل بھی اسی کو نکالنا چاہیے تھا۔ راستے میں ایک جگہ روک کر اس نے باہر سے میری جیبیں ٹٹول کر اطمینان کرلیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔

پارکنگ کے لیے مخصوص' نیم روشن اور کچے میدان میں میجر بخشی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر موہنی پنڈت پہلے سے براجمان تھی۔

"آؤ کرنل!" اس نے نیچے اتر کر استہزائیہ لہجے میں میرا استقبال کیا "مجھے معلوم تھا کہ میجر بخشی دھن کا پکا آدمی ہے۔ تم نہ آئے تو وہ تمہیں لے آئے گا۔"

اس دوران میں دونوں مسلح غنڈے ہم میں سے کسی سے کوئی بات کیے بغیر آگے نکل گئے۔

"میں لایا نہیں گیا' خود آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ بخشی نے میری تردید نہیں کی۔

اس کی ہدایت پر مجھے موہنی پنڈت کے برابر والی نشست پر بیٹھنا پڑا۔ وہ خود میری پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ مجھ پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا رخ اوپر سے گھما کر اندر کرلیا۔

موہنی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مشاقی سے گاڑی آگے بڑھادی اور دوبارہ بولی "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میری ضیافت سہنی ہوگی۔"

"موہنی! فضول باتیں مت کرو۔ ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ دربان کے پاس ایک لمحے کے لیے گاڑی روک لینا۔" میجر بخشی نے ہلکی سی سرزنش کی۔

پارکنگ ایریا سے چکر لے کر موہنی نے گاڑی کلب کے وردی پوش دربان کے قریب روکی تو میجر بخشی نے پچھلی کھڑکی سے سو سو کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھادیے "یہ تم رکھ لو۔"

دربان حیرت سے نوٹوں کو دیکھتا رہ گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"آج تم نے یہ غیر معمولی فیاضی کیوں دکھائی ہے؟" میجر بخشی کی اس عجیب حرکت پر موہنی سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"بس' ایک غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی.... نوٹ دینے تک میرا خیال تھا کہ دربان کرنل جمال دستی کے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے فارغ کردے گا۔ اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ کرنل یا اس کے ڈرائیور کے ساتھ اپنا نام منسلک کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو' کمر' کولہے' گردن' کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا' خوبصورت' موٹا و تندرست بنادیتی ہے۔
فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کرلیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آجائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت -/۳۵۰ روپے وزن ایک کلو جو ایک ماہ کی مکمل خوراک ہے۔
ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم ارشد لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رقم ٹپ میں بدل گئی۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں میرے ذاتی نظریات کچھ بھی ہوں' میری ذات تک محدود ہیں۔ میرے غائب ہونے پر فورس کو تشویش ہوگی۔ تمہاری ہر احتیاط کے باوجود وہ جلد ہی تمہارا سراغ حاصل کرلیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی احتیاط کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا سراغ حاصل کرنے سے پہلے انہیں یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ تم ان سے باغی ہوکر ہمارے ساتھ کام کررہے تھے۔ یہ نکتہ انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کردے گا۔"

اس وقت میجر بخشی کو میرے اوپر بالادستی حاصل تھی۔ میں اسے یہ نہیں بتاسکتا تھا کہ اس کی وہ خوش فہمی قطعی بے بنیاد تھی۔

کلب سے نکلنے کے بعد گاڑی کا رخ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف ہوگیا تھا۔ جب موہنی نے گاڑی شاہین کمرشل کمپلیکس والے چوراہے سے داہنی طوف موڑی تو میں پہلو بدل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔

میں نے میجر بخشی سے ملاقات کا فیصلہ کرتے ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کلب کے لاکر میں کسی روایتی ہتھیار سے اسے زیر کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ گولی چلا کر اسے ہلاک کیا جاسکتا تھا لیکن اغوا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس فیصلے کی وجہ سے مجھے یہ سرخ روئی بھی ملی کہ جب میجر بخشی نے میری جیبیں ٹٹولیں تو ان میں کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔

میں نے اول خان کے ساتھ اس کے خصوصی کمروں کی سیر کے دوران میں بیم گن لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ چند دوسری چیزوں کے ساتھ مجھے اس مال خانے سے وہ نادر انگوٹھی مل گئی تھی جو اس وقت بھی میری انگلی میں موجود تھی۔

بظاہر وہ ایک بڑے اور بھونڈے سے سرخ نگینے والی انگوٹھی تھی۔ کسی منت یا عقیدت کے تحت بہت سے لوگ ایسی انگوٹھیاں پہنتے ہیں اس لیے سرسری نظر میں اس پر کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا مگر اس میں نگینے کی جگہ قدرے سخت ربڑ کا کیپسول لگا ہوا تھا جس کے اندر بھرے ہوئے بے ہوشی کے تیز محلول میں ایک باریک سوئی کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ ربڑ کے کیپسول پر دباؤ پڑنے پر وہ پچکتا ہے اور کھوکھلی سوئی سطح سے باہر آجاتی ہے۔ ربڑ کے دبنے سے پیدا ہونے والے اندرونی دباؤ کے تحت لمحہ بھر میں محلول کی اتنی مقدار کھوکھلی سوئی کے ذریعے باہر آجاتی ہے جو کسی کو بھی بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اول خان کے ذخیرے میں اس ساخت کی متعدد انگوٹھیاں تھیں جن پر سرخ اور سبز کیپسول جڑے ہوئے تھے۔ سرخ کیپسول عارضی طور پر مفلوج اور بے ہوش کردینے والے محلول سے بھرے ہوئے تھے جب کہ سبز کیپسول مہلک تھے۔ ان میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا تھا۔

ان انگوٹھیوں کا کمال یہ تھا کہ ان میں بھرا ہوا محلول کم از کم چار پانچ بار استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالی ہوجانے والے استعمال کیے ہوئے کیپسول سرنج کے ذریعے دوبارہ بھرے جاسکتے تھے۔

موہنی نے گاڑی جس سڑک پر موڑی تھی' وہ زیادہ لمبی نہیں ہے لیکن دونوں طرف دفاتر وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ سرِشام ہی ویرانی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ دفاتر وغیرہ میں چھٹی ہونے کے بعد یہ ویرانی اور گہری ہوجاتی ہے۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ سڑک پر تاریکی اور ویرانی کے امتزاج نے ماحول کو خاصا مہیب بنایا ہوا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا کر موہنی کی ٹانگ پر رکھ دیا۔ خوف اور وسوسوں کا وہ ایک لمحہ بہت جان لیوا تھا۔

میری اس حرکت پر موہنی ذرا سی کسمسائی لیکن اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ وہ بخشی کی زبانی سن چکی تھی کہ میں نے اس کے حسن وشباب کی ہر کشش کو مسترد کردیا تھا۔ شاید اس کی مجروح انا کو میری اس معیوب حرکت سے کوئی تسکین مل تھی' شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں نے تاریکی میں پہلا موقع ملتے ہی اس سے اپنے ابتدائی ردِعمل پر معذرت کرنے کی عملی کوشش کی تھی۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ اس کی خاموشی کا وہ پہلا لمحہ میرے دل کو شیر کرگیا۔ انگوٹھی میں جڑے ہوئے کیپسول کو میں پہلے ہی اندر کے رخ پر گھما چکا تھا۔ میں نے نرمی سے اس مخصوص انگلی پر دباؤ ڈالا۔ موہنی کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی اور ادھوری سی سسکاری نکلی اور اسٹیرنگ وہیل پر ٹکا ہوا اس کا اکلوتا ہاتھ پھسل کر اس کی گود میں آگرا۔

"اوہ..... اسے کیا ہوا؟" گھبرائی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے پھرتی سے اسٹیئرنگ تھام لیا ورنہ گاڑی لہرا کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی ہوتی۔

"کیا ہوا؟" میجر بخشی پیچھے سے اچک کر میرے سر پر سوار ہوگیا۔ "تم کیا بدمعاشی کررہے ہو۔ ابھی میں نے موہنی کی ہلکی سی سسکاری سنی تھی۔"

"اسے شاید مرگی وغیرہ کا کوئی دورہ پڑا ہے۔" پُرتشویش لہجے تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اچانک ہی ہینڈل بریک کا لیور کھینچ لیا۔ سڑک پر کار کے عقبی ٹائر چرچرائے اور وہ لہراتی ہوئی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ انجن گیر میں تھا اس لیے وہ بھی ہچکی لے کر بند ہوگیا۔

اس کارروائی کے نتیجے میں میجر بخشی کا توازن بگڑ گیا۔ وہ اگلی نشستوں کے درمیان الٹ کر سر کے بل ڈیش بورڈ کے نچلے حصے سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان شروع ہوا ہی تھا کہ میں نے اس کی گردن ناپ لی۔ وہ اتنا مشتعل تھا کہ اسے اپنی گردن میں سوئی کی چبھن کا احساس ہی نہ ہوسکا۔ ربڑ کے کیپسول سے خارج ہوکر اس کی گردن میں اترنے والے محلول نے فوراً ہی اس کی زبان بند کردی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میجر بخشی سے ہارتی ہوئی بازی میں نے چند ہی لمحوں میں جیت لی تھی۔ میرے سر پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے کالر سے گھسیٹ کر اس کے ساکت جسم کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا۔ موہنی پنڈت کے نرم اور نازک وجود پر وہی عمل دہرا کر میں چند منٹ میں اپنی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

میں نے موہنی کو ڈرائیونگ سیٹ پر سے ہٹانے کے لیے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ برابر میں پُرشور انجن والی ایک فرسودہ سی پک اپ آرکی۔

"اوہو... چلو بجنو! اتر کر گھیر لو سالوں کو۔" پک اپ کے اگلے حصے سے ایک بھاری آواز آئی "گاڑی میں حدود آرڈی ننس کا کیس بن رہا ہے۔"

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پولیس کی ناگہانی مداخلت کے بارے میں، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کئی مسلح اور باوردی سپاہی پک اپ میں سے برآمد ہوئے اور اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہوئے، گاڑی سے نیچے اترنے کا حکم دینے لگے۔

میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ مجھے خوف ہوا کہ میں نے اس گشتی پارٹی کی ہدایت کی تعمیل میں تاخیر کی تو کہیں وہ مجھے باڑھ پر ہی نہ رکھ لیں۔ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گاڑی سے اتر گیا۔

ان کا افسر طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش موہنی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "لونڈیا تو بہت زور دار ہے۔ کہاں سے اغوا کر کے لایا ہے؟"

"وہ گاڑی چلاتے چلاتے بے ہوش ہوئی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہے۔" میں نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اوئے منہ زوری مت کر....." وہ غضب ناک فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اسی لمحے ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی تیزی سے آگے نکل کر... رکی اور بریکوں کی چیخ کے ساتھ ہی ان کی نفری باہر آگئی۔ اس وقت ان کی تعداد گھٹ کر صرف تین رہ گئی تھی۔

ان تینوں کی عقابی نظروں نے لمحہ بھر میں سچویشن سمجھ لی تھی۔ اس وقت تک میں اپنے جوش و خروش میں انہیں بالکل بھولا ہوا بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میرا حوصلہ بحال ہو گیا۔

"کارِ سرکار کے نام پر اپنی رائفلیں نیچی کر لو۔" ایس ٹی ایف کے سینئر اہل کار نے دور سے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا انچارج ادھر آجائے۔ علیحدگی میں بات کرنی ہے۔"

ایک سب انسپکٹر کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس واقعے میں ایک سادہ پوش پارٹی کی مداخلت اسے ناگوار گزری تھی۔

ایس ٹی ایف والے کی آواز میں کچھ ایسا اعتماد اور تحکم تھا کہ میری طرف اٹھی ہوئی رائفلیں جھک چکی تھیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہاتھ بھی گرا لیے تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی پیش قدمی کر کے میرے اور پولیس والوں کے درمیان حائل ہو چکے تھے۔

"سر! ہم پیچھے رکے ہوئے تھے۔" ان میں سے ایک بتانے لگا "سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گاڑی رک گئی ہے تو ہم کیا کریں۔ اتنے میں یہ موبائل آگئی۔"

"اچھا ہوا کہ موبائل رکنے سے تم آگئے ورنہ میں تمہاری پارٹی کو بھول چکا تھا۔"

سب انسپکٹر اور ایس ٹی ایف والے کے مذاکرات کے درمیان لمحہ بھر کے لیے ٹارچ روشن ہوئی اور چند ثانیوں بعد وہ دوستانہ انداز میں ہماری طرف آگئے۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" سب انسپکٹر نے آتے ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "یہ پولیس کا کیس نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ماتحتیانہ لہجے میں ایس ٹی ایف والے سے مخاطب ہوا "سر! آپ مجرموں کو اس گاڑی سمیت یہاں سے لے جائیں گے نا؟"

اس نے براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مرد کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ لڑکی گاڑی میں اسی طرح بے ہوش پڑی رہے گی۔" میں نے موبائل کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں سب انسپکٹر کے چہرے پر اضطراب اُمڈتا دیکھا۔

"سر! یہ آپ کا کیس ہے۔ آپ دونوں مجرموں کو گاڑی سمیت لے جاؤ۔" میری اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد سب انسپکٹر براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

"لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ گاڑی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی پیش کش کا سبب جانے بغیر جواب دیا۔

"پھر ایسا کرو کہ گاڑی کو لڑکی سمیت یہاں سے لے جا کر کہیں اور چھوڑ دینا۔" اس نے چند لمحوں کے بعد متذبذب انداز میں زبان کھولی۔

"یہاں رہنے میں کیا پریشانی ہے؟" میں نے الجھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دریافت کیا۔

"یہ میری بیٹ ہے سر!" وہ کھل گیا۔ "ابھی پہاڑ جیسی رات پڑی ہے۔ مجھے گاڑی اور لڑکی کی برآمدگی دکھانی پڑے گی۔ یہ بڑے کھر کی معلوم ہوتی ہے۔ میں بلاوجہ رگڑے میں آجاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میری پٹی اور پھول اتر جائیں۔"

اس کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ میرے ساتھی نے اس سے پوچھا "تمہارے تھانے کی حد کہاں ختم ہوتی ہے؟"

وہ اس سوال پر خوش ہوگیا "بیٹ کے ساتھ تھانہ ہی بدل جائے تو کیا بات ہے۔ ایس ایچ او صاحب سے انعام مل جائے گا۔"

وہ اسے اپنے تھانے کی حدود بتانے لگا۔ میں نے ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کو میجر بخشی کی منتقلی پر مامور کردیا۔ سپاہی بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔

موبائل ہم سے پہلے ہی آگے روانہ ہوگئی۔ میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی میں تھا۔ ایک آدمی موہنی کو گاڑی سمیت لا رہا تھا۔

لکی اسٹار کے قریب موہنی اور اس کی گاڑی کو چھوڑ کر تیسرا آدمی بھی ہمارے پاس آگیا اور ہم تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

میجر بخشی کے اغوا کی کارروائی پوری رازداری کے ساتھ کی گئی تھی مگر ہم میں کسی کو بھی یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ اس کے دوست اور افسران اسے اٹھالے جانے والے نام سے بے خبر رہیں گے۔ اس قصے میں موہنی اور دو مقامی بدمعاش غیر متوقع طور پر ملوث ہوئے تھے۔ وہ تین گواہ نہ ہوتے تب بھی بخشی کے اوپر والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ اس رات غائب ہونے سے پہلے مجھ سے فیصلہ کن ملاقات کے لیے کلب آیا تھا۔

اپنے دشمنوں کے لیے میں ان دنوں کرنل جمال دستی بنا ہوا تھا۔ اسی روپ میں وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف تھے۔ راستے میں بخشی کے ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تو میں نے انگوٹھی کے کیپسول میں بچا ہوا سارا سیال اس کے بدن میں منتقل کردیا اور وہ دوبارہ گہری بے ہوشی کی آغوش میں چلا گیا۔ میں اطمینان سے اپنے اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا۔

اسٹیشن فور میں اسے بے ہوشی کی حالت میں بے دست وپا کرکے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ کھانے کی میز پر اس کے مستقبل کا معاملہ ہمارے زیرِ غور تھا۔

بخشی سے اختلافات پیدا ہونے تک میرے اور اس کے مراسم میں خاصی گرم جوشی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں اس کی سرگرمیوں سے پوری واقفیت تھی۔ مزید انکشافات کی امید میں اسے زندہ رکھ کر بازپرس اور تشدد کا نشانہ بنانا وقت کا زیاں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا تھا کہ اس کے سفارت خانے اور قونصلیٹ آفس میں کون کون جاسوسی کی سرگرمیوں میں ملوث تھا۔

میرے نزدیک ان ناموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہمارے خفیہ ادارے ان سے بے خبر نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک عام سی بات تھی کہ حریف ممالک ایک دوسرے کے ملک میں متعین کیے جانے والے سفارتی عملے میں ضرورت کے لحاظ سے دو چار ایجنٹ بھی شامل کردیتے ہیں۔

اعلیٰ حکام ایسی تقرریوں سے واقف ہونے کے باوجود اپنی مصلحتوں کے تحت عام حالات میں کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ کشیدگی اور محاذ آرائی کی حالت میں پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ اور احتجاج کا سلسلہ چل نکلتا ہے جس میں ہر کارروائی پر جوابی کارروائی ضرور کی جاتی ہے۔

ویرا اور سلطان شاہ کی متفقہ رائے تھی کہ جوتی کے نیچے آئے ہوئے موذی کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میجر بخشی کو پہلی فرصت میں ذبح کرکے پیوندِ خاک کردینا چاہیے تھا مگر اول خان فوری طور پر کوئی رائے دینے سے گریز کررہا تھا۔

"یہ پیش گوئی تمہاری ہی تھی کہ ڈینی نے بخشی کو نہ اٹھایا تو بخشی اسے گھیر لے گا۔ آج رات تمہارا یہ خدشہ درست بھی ثابت ہوگیا پھر تم خاموش کیوں ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے تھے۔ کہیں نہ کہیں اس کا ختم ہونا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج ڈینی کامیاب واپس آیا ہے۔" وہ بولا۔

"اب سوال اس کے مستقبل کا ہے۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔" اول خان کے جواب دینے سے پہلے میں بول پڑا "وہ ایک سفارتی افسر ہے۔ اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"ہائیں ... یہ تم کہہ رہے ہو؟" ویرا دیدے پھاڑ کر حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "کیا اس سے پہلے تم نے سفارتی عہدے داروں پر ہتھیار نہیں اٹھائے تھے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا بنیادی اعتراض یہی ہوگا۔"
ں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ان
قعات میں میری پوزیشن مختلف تھی یا پھر میرے ہاتھوں
رے جانے والوں کو کسی قسم کا سفارتی تحفظ حاصل نہیں تھا۔"

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے یا پھر میرا حافظہ جواب دے
یا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"دونوں باتیں غلط ہیں۔ سفارت کاروں کے قتل پوری
یا میں ہوتے ہیں۔ کوئی حکومت اپنے تمام قانون شکن
ناصر پر قابو پانے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ڈپٹی کی حیثیت سے
ں کچھ بھی کرتا پھروں، حکومت پر صرف اخلاقی ذمے داری
تی ہے، الزام نہیں آتا۔"

"اس پر معذرت بھی کی جا سکتی ہے۔" اول خان نے
رمیان میں لقمہ دیا۔

"لیکن ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کی کارروائی
گلے پڑ سکتی ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "اور کچھ ہو
یا نہ ہو، بھارت میں ہمارے سفارت کاروں کے لیے مساوی یا
زیادہ سنگین خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ
میجر بخشی کی جگہ ہمارے دو بہترین آدمی مار دیے جائیں۔"

"تمہاری زبان سے یہ باتیں عجیب اور ناقابلِ یقین لگ
رہی ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اس لیے کہ اس موضوع پر آج کھل کر بات ہوئی ہے
ورنہ پہلے بھی میں نے ان نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ میرے
بارے میں تم بلاوجہ بدگمان ہو رہی ہو۔"

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑنا چاہتی ورنہ واقعات کا
ایک طویل سلسلہ ہے جو تمہارے نئے اصول سے ذرا بھی
میل نہیں کھاتا۔"

"تم کوئی ایک مثال دو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔"
میں نے اسے دعوت دی۔

ویرا پر وقت پڑ گیا۔ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔
"میں شری مان کا نام نہیں لوں گی کیونکہ اسے تم نے نشے کی
حالت میں مار کر سینڈ زپٹ میں غرقاب کیا تھا۔ راس المیڈا
اور امریکی میرین کمانڈوز کے بارے میں تم کیا کہو گے۔"

"راس المیڈا ایک مستند مجرم تھا۔ میرین کمانڈوز کے
بارے میں امریکی یہ بتانے سے قاصر رہے تھے کہ ان کا جدید
ترین ہیلی کاپٹر اتنے بڑے مسلح جتھے کو لے کر ساحل سے میلوں
دور سراب گوٹھ سے ملحق ویرانے میں نیچی پرواز کیوں کر رہا
تھا۔" مجھے ان واقعات کی ہر تفصیل یاد تھی۔

"یہ تمہارا کہنا تھا کہ راس المیڈا قاتل اور دہشت گرد
ہے۔ امریکیوں نے راؤنی آرک کے نام سے اسے سفارتی
مراعات دی ہوئی تھیں۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"راس المیڈا کی اصل شناخت ناقابلِ تردید تھی۔"
اس مرحلے پر اول خان نے میری مدد کی "پاکستان سے اس کی
لاش واپس حاصل کرنے کے لیے امریکیوں کو اپنے دعوے
سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے پاکستان سے راس
المیڈا کی لاش کی وصولی کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔
راؤنی آرک نامی سفارت کار کا قصہ ہوا میں تحلیل ہو چکا
تھا۔"

"اگر اسے زندہ چھوڑنا تھا تو اس پر ہاتھ ڈال کر غلطی کی
گئی ہے۔" ویرا نے پینترا بدل لیا۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔" میں نے
سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا۔

کھانے کے دوران میں شروع ہونے والا وہ مباحثہ آخر
کار دم توڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ویرا، غزالہ کے ساتھ اپنے
کمرے میں چلی گئی تو میں سلطان شاہ کو سونے کا مشورہ دے کر
اول خان کے ساتھ ہو لیا۔

ہم دونوں بہت دیر تک مسائل میں سر کھپاتے رہے۔
بارہ بجے خبر ملی کہ میجر بخشی ہوش میں آ چکا تھا اور بری طرح
شور مچا رہا تھا۔ ہم دونوں اس کی مزاج پرسی کے لیے چل
دیے۔

وہ بیرک کے ایک کمرے میں کسی چوپائے کی طرح بندھا
ہوا ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہونے کی
وجہ سے وہ شدید بے بسی کے احساس میں مبتلا تھا اور مسلسل
مغلظات بک رہا تھا۔ دروازے پر آوازیں سنتے ہی اس کی
آواز میں تیزی آ گئی تھی۔

"زبان کو لگام دو بخشی!" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر
غراتی ہوئی آواز میں کہا "میں اسی وقت چاہو تو تمہاری
زبان کاٹ دوں گا۔"

"تم جو چاہو، کر لو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں
گا۔" وہ حلق کے بل چیخا "تم سور کے بچے اور درندے ہو۔
مجھے معلوم ہے کہ اب تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"یہ تمہاری دہشت زدگی کی علامت ہے۔ میرا ایسا کوئی
ارادہ نہیں ہے۔"

"پھر... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے
سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ تھوڑی سی تفریح کے بعد تمہیں آزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم جھوٹے اور سفاک ہو۔ میں تمہاری کسی چال بازی میں نہیں آؤں گا۔"

"یہ کوئی چال بازی نہیں ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔"

"میں نہیں مانتا..... تم نے مجھے اغوا کیوں کیا ہے؟" اس کی بے اعتباری قابلِ فہم تھی۔

"تم مجھے کیوں اٹھالے جانا چاہ رہے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کاش..... کاش میں کامیاب ہوجاتا تو دیکھتا کہ تم کتنا بول سکتے ہو۔"

"میرے بارے میں تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے۔ تم بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہوئے ہو۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت قدرے نرمی سے کہا "تمہاری بازی تم پر الٹ کر میں نے ثابت کردیا ہے کہ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم جمال دستی نہیں، ڈینی ہو۔ ہمیں دھوکا دے کر اب تک کامیابیاں حاصل کرتے رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔"

"تمہاری حالت قابلِ رحم ہے۔ اس وقت تمہیں آئینے میں بھی اپنے عکس کے بجائے ڈینی نظر آئے گا۔ آج کل ہم خود اس کی تلاش میں ہیں اور وہ غائب ہے۔"

"میں زندہ رہا اور آزادی مل گئی تو تمہیں دکھاؤں گا کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔"

"تم زندہ رہو گے اور آزادی بھی مل جائے گی مگر اس حالت میں کہ دوسرے تم کو دیکھ کر عبرت سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔" اس کے دماغ سے خناس نکالنے کے لیے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم خود اس حالت کا تصور نہیں کرسکتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے شیطانی ذہن میں ایسے ہی خیال آسکتے ہیں۔ یہ نہ بھولنا کہ میرے ساتھ ہونے والے سلوک کا بہت ظالمانہ بدلہ لیا جائے گا۔ تمہارے ہم وطن میرے ملک میں بھی ہیں۔ تمہاری ہر حرکت کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہوگا۔"

"میری دلی آرزو ہے کہ رہائی سے پہلے تمہارے اوپر کچھ سرجری کی جائے۔" میں نے اول خان کو آنکھ مار کر ہلکی سی حسرت سے کہا "تمہاری آنکھیں سلامت رہیں لیکن بینائی کی نسیں کاٹ دی جائیں۔ زبان موجود ہو لیکن حلق سے آواز پیدا کرنے والے عضلات نکال لیے جائیں۔ انگوٹھوں اور انگلیوں کو جڑ سے کاٹ دیا جائے تاکہ تم لکھنے کے قابل نہ رہو۔ تم ہر بات سن سکو مگر اپنے دل کی بات کسی تک نہ پہنچا سکو....."

"تم اپنی اس بکواس سے مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتے۔" وہ خوف سے بھنچی ہوئی آواز میں چیخا "تمہیں جو کرنا ہے، کرلو۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔"

"گڈ..... ابھی میں نے تم کو اپنی آرزوؤں کے بارے میں بتایا..... میں تمہارے ساتھ مخلص تھا مگر تم نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرکے میرا دماغ الٹ دیا۔ میں نے جوابی وار کرکے تمہیں زیر کرلیا۔" میں نے کئی ذہنی قلابازیاں کھانے کے بعد اپنی گفتگو کو ایک معین رخ دیتے ہوئے کہا۔

"میری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تمہیں وہاں چھوڑا اور نہ قتل کیا بلکہ اسٹیشن فوراً اٹھالایا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان خوش ہوگا مگر یہاں مجھے مات ہوگئی۔"

"تم اتنے مکار اور فریبی ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔"

"تمہیں بہت جلد سچ اور جھوٹ کا علم ہوجائے گا۔" میں نے اپنی آواز میں ہلکی سی آزردگی سمو لی۔ "تمہاری گرفتاری پر اول خان کو بھی وہی اندیشے ہیں جن کا ذکر تم نے کیا ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی عملے کے بارے میں وہ فکرمند ہے۔ اب تم براہِ راست اس کی تحویل میں ہو۔ عملی طور پر میں معطل ہوں۔ مجھ سے میری غیر ذمے داری کے بارے میں جواب طلب کرلیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وہ تمہیں آزاد کردے۔"

پہلی مرتبہ اس کی آواز میں امید کی رمق پیدا ہوگئی اور اس نے نیچی آواز میں بے اعتباری سے پوچھا "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے آج ہی آزادی مل جائے گی۔"

"اس وقت یہی صورت بن رہی ہے۔ آگے تمہاری ستاروں کی چال ہوگی۔"

"مگر تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم سے شاید یہ میری آخری ملاقات ہو۔ بعد میں دوسرے لوگ آئیں گے۔ تم انہیں ہر کہانی سنا سکتے ہو مگر یہ نہ بتانا کہ میں تمہارے یا ادبی کے لیے کام کررہا تھا۔"

"تم نے دہشت سے میرا خون خشک کردیا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری سنائی ہوئی خوش خبری سچ ثابت ہوئی تو میں تمہارے راز اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گا۔" اس بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میجر بخشی کی آواز مزید دھیمی بلکہ رازدارانہ ہوگئی۔

"ڈینی نے میرا مستقبل نگل لیا۔" میں نے حسرت سے کہا "شاید میں کبھی بھی انعام کا حق دار نہ بن سکوں۔ اب مجھے فورس سے بھی جانا ہوگا۔ مجھے اشتعال دلا کر ایک غلط قدم اٹھانے پر تم نے مجبور کیا تھا۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا، میرا سب کچھ بگڑ گیا۔"

"تم روزگار کی فکر نہ کرو۔ جب چاہو، میرے پاس آجانا۔ تم جیسے ذہین آدمی بھوکوں نہیں مرسکتے۔" اس کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ "تمہارے بارے میں مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا اندازہ اسی وقت ہوگیا تھا جب میں نے تمہاری خالی جیبیں ٹٹولی تھیں ... یہ بتاؤ کہ موہنی پنڈت کہاں ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی۔"

"میں مرا ہوا شکار نہیں کھاتا، خود مار کر کھاتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر ہلکی سی ترشی سے جواب دیا۔ "اسے کار سمیت چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب تک وہ ہوش میں آکر اپنے گھر واپس لوٹ چکی ہوگی۔ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"میری بندشیں ڈھیلی کرکے بلائنڈ فولڈ اتار دو میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں بہت اذیت اور بے بسی کے احساس سے گزر رہا ہوں۔" اس نے خوشامد کی۔

"سوری میجر!" میں نے کہا "یہ رعایتیں دوسروں کے ذریعے ملیں تو بہتر ہوگا۔ میں بہت مخدوش پوزیشن میں ہوں۔ کچھ نہیں کرسکتا۔"

میجر بخشی سے وہ ملاقات بہت سودمند رہی مگر وہ فائدہ اول خان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ واپسی پر وہ راستے میں سوال کر ہی بیٹھا "تم نے بلاوجہ ہی اس پر وقت برباد کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ میں کرنل جمال دستی ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ کرنل جمال دستی کو اب ویسے بھی غائب ہوجانا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ کرنل جمال دستی کے فنگر پرنٹس امریکیوں کی تحویل میں ہیں۔ بخشی کے ذریعے اوبرائن کو یہ یقین دلانا ضروری تھا کہ ڈینی ایک الگ شخصیت ہے۔ ان فنگر پرنٹس کی صحیح شناخت کے بعد میرے لیے کافی دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی۔ اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ اس طریقۂ کار کے تحت کرنل جمال دستی کا کردار اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جاسکتا تھا۔

وہ میجر بخشی کی رہائی کا معاملہ اگلی صبح کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہا تھا مگر میں اس پر فوری عمل درآمد کا خواہاں تھا۔ میجر بخشی ایک آزاد طبیعت شخص تھا۔ رات کو اس کی واپسی میں دیر سویر کسی کے لیے فکرمندی کا باعث نہیں ہوسکتی تھی۔ اس رات وہ ویسے بھی موہنی پنڈت کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ زیادہ سوچنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوسکتے تھے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں رک گیا ہوگا۔

رات گزر جانے کے بعد وہ معاملہ یکایک سنگین رخ اختیار کرسکتا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی خبر بھارتی دارالحکومت میں پہنچتی تو وہاں فوری طور پر کسی سنگین جوابی کارروائی کا آغاز بھی ہوسکتا تھا۔ ان خطرات کی بنا پر سورج طلوع ہونے سے پہلے بخشی کی رہائی ضروری تھی۔

میری کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اول خان کی میجر بخشی سے ملاقات ضروری تھی۔ اس خانہ پری کے بعد صبح تین بجے بخشی کو آنکھیں کھولے بغیر اسٹیشن فور سے دو افراد کے ساتھ روانہ کردیا گیا تاکہ بخشی کو کسی مناسب مقام پر چھوڑا جاسکے۔

"آج تک ہمیں ان لوگوں کی سرگرمیوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں کیا گل کھلانے والے ہیں لیکن اب یہ باب بند ہوگیا۔" اول خان نے چارپائی پر دراز ہوتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ اسٹیشن فور کا موجودہ محلِ وقوع ہمارے دشمنوں کے علم میں آچکا ہے۔ میری تلاش میں وہ ادھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔"

"یہ سہراب گوٹھ والا ویرانہ نہیں ہے اور اس علاقے کا رخ کرنے والے اس کے ... نتائج جانتے ہیں۔ صرف محلِ وقوع جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ رازداری ہماری ترجیحات میں سرِفہرست تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ ترجیحات اب بے معنی ہیں۔ انہیں ملک بھر میں فورس کے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔ ہم اپنے رازوں کو کب تک پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ مقاصد کا باہمی تصادم ہمیں تقریباً روبرو لے آیا ہے۔ ہم ان کی معلومات کے وسیع اور جدید ترین وسائل کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"ہم کیا کرسکتے ہیں، یہ بعد میں سوچا جائے گا۔ فی الحال دو نام ہمارے سامنے ہیں۔ دھن راج اور موہنی پنڈت۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں ہمارے شہری ہیں....."

"ہمارے شہری ضرور ہیں مگر دونوں ہندو ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اخبارات مقامی ہندو ومافیا کی مذموم سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ ان کے خلاف اقدام کی خبروں کو اچھالیں گے۔ کشیدگی اور منافرت کے ایسے اندیشے بعض مجرموں کو حساس بنا دیتے ہیں۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس کاغذ پر اپنا وجود نہیں رکھتی۔ ان دونوں خاندانوں کے بارے میں خفیہ ادارے کا ریکارڈ مکمل ہونا چاہیے....."

اول خان نے میری بات کاٹ دی "دھن راج کا نام ہر خفیہ لسٹ پر ہے۔ کل موہنی اور اس کے باپ کے بارے میں بھی ابتدائی بریفنگ جاری کردی جائے گی۔"

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

○☆○

اگلی صبح مجھے بیدار ہوتے ہی دو باتیں بیک وقت یاد آئیں۔ پچھلی رات کی افراتفری میں، میں ان دونوں بدمعاشوں کو بھول بیٹھا تھا جو میجر بخشی کی پشت پناہی کے لیے مسلح ہوکر کلب پہنچے ہوئے تھے۔ دوم یہ کہ میری مدد کے لیے کلب جانے والے ایس ٹی ایف کے جوانوں کی نفری زیادہ تھی مگر واپسی پر صرف تین آدمی میرے ساتھ آئے تھے۔ بقیہ کہاں تھے؟

اول خان ہم لوگوں سے پہلے بیدار ہوکر دفتر جا چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ہم لوگ یک جا ہوئے تو پچھلی رات کو ویرا سے کیے جانے والے فیصلوں کے بارے میں متعدد سوالات تیار تھے۔

رات کو ہونے والے تبادلۂ خیال میں سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا تھا۔ صبح ویرا اس بارے میں چبھتے ہوئے سوالات کرتی رہی لیکن سلطان شاہ اپنے موقف سے دست بردار ہوچکا تھا۔ اس نے کہا "وہ لایا گیا، رکھا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا۔ بحث بے سود ہے۔"

ہماری بیداری کی خبر پاکر اول خان کچے میدان میں دھول اڑاتا ہوا اپنی جیپ میں آپہنچا۔

"اوہ، ناشتا ابھی چل ہی رہا ہے۔" اس نے آتے ہی کہا "ایک گرما گرم پیالی ملے تو میرے پاس ایک اچھی خبر ہے۔"

"پہلے اچھی خبر سناؤ پھر چائے ملے گی۔" ویرا نے خوش گوار موڈ میں کہا۔

اول خان نے حمایت طلب نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی "ویرا کا مطالبہ درست اور جائز ہے۔"

"رات موہنی پنڈت کے ہوش میں آنے سے پہلے پولیس اس کی گاڑی تک پہنچ گئی تھی۔" اول خان نے بتایا۔ "ہوش میں آنے پر اس نے خود کو پولیس والوں کے نرغے میں پایا تو سراسیمہ ہوگئی اور پولیس کو کوئی بیان دیے یا شکایت درج کرائے بغیر واپس گھر چلی گئی۔"

"اور پولیس نے اسے آرام سے گھر جانے کی اجازت دے دی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہ کچھ خفت تو اٹھانی پڑی ہوگی۔ اس نے کہا کہ وہ نشے کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے گاڑی روک کر کچھ دیر کے لیے سوگئی تھی۔"

"اس نے شکایت نہیں کی پھر بھی شراب نوشی پر اس کا چالان ضرور ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج کل بہت اوپی اڑ رہی ہے۔" ویرا نے حاسدانہ لہجے میں کہا۔

"اقلیتیں امتناعِ شراب کے قانون سے مستثنیٰ ہیں.... اس نے اسی دلیل کا سہارا لیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ ایک مشہور ماڈل گرل ہے۔ اس کے ساتھ نرمی برتی گئی ہوگی۔"

"اقلیتیوں کو شراب نوشی کی اجازت ہے لیکن نشے میں ڈرائیونگ کرنا ایک الگ جرم ہے جس پر یورپ اور امریکا میں بھی سخت کارروائی کی جاتی ہے۔"

"یہ ٹریفک پولیس کا معاملہ تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ آس پاس کوئی ٹریفک والا دستیاب نہ رہا ہو۔"

"کیا ہم اسے خوش خبری کہہ سکتے ہیں؟" ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

"اس کی رپورٹ پیچیدگیاں پیدا کرسکتی تھی۔ کیونکہ اس کے بیان میں کرنل جمال دستی اور میجر بخشی کے ناموں کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتا۔" میں نے کہا۔

"اس نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا "اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ تم اس کی خاموشی میں اپنے فائدے کے پہلو تلاش کررہے ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ موہنی اور میجر بخشی کا تال میل کیسے مل گیا۔" اول خان نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا "وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے سیدھی معلوم ہوتی ہے۔"

"اس کی خاموشی کو سیدھا پن مت سمجھو۔ وہ بہت چالاک لڑکی ہے۔ بوکھلاہٹ میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجائے اس نے ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پولیس سے جان چھڑا کر اس نے بخشی سے رابطہ کیا ہوگا اور پھر وہی کیا جو بخشی چاہتا تھا کیونکہ وہ بخشی کی آلۂ کار ہے۔ شہر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو اس نے رجھا کر بخشی کے دام میں پھنسایا ہوگا۔"

"اگر بخشی نے بھی اسے زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو وہ زبان کا پکا ثابت ہوا ہے۔ ابھی تک ان لوگوں کی طرف سے ہمارے دفترِ خارجہ میں کسی شکایت کی اطلاع نہیں ملی۔" موہنی کے بعد اول خان نے بخشی کی تعریف شروع کردی۔

"یہ بخشی کا سوچا سمجھا کھیل بھی ہو سکتا ہے۔ وہ خاموش رہ کر کرنل جمال دستی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے امید ہے کہ جمال دستی ایس ٹی ایف سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے ایک کارآمد پرزہ ثابت ہوگا۔"

"سبب کچھ بھی ہو، فوری طور پر حالات میں کچھ ٹھہراؤ سا نظر آنے لگا ہے۔" اول خان پر اس روز پر امیدی کی کیفیت طاری تھی "تم کو بخشی سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔"

"اور موہنی کے باپ کی خبر بھی لینی چاہیے۔" ویرا نے لقمہ دیا "وہ اپنی بیٹی کے کرتوتوں میں برابر کا شریک ہے۔ اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"اب تک جو کچھ ہوا، وہ میرے اور بخشی کے درمیان تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کا دخل نہیں تھا بلکہ فورس نے میری آخری کارروائی کو منسوخ کیا ہے۔" میں نے کہا "اسے چھیڑا گیا تو بخشی کا شبہ میری ذات کی طرف جائے گا۔"

"ویسے بھی پنڈت منوہر لال غلے کا آڑھتی اور پرانی وضع کا رئیس ہے۔" اول خان نے اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا "وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا ہوگا۔ بیٹی لکھ پڑھ کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوچکی ہے۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا ہوگا۔"

"قیاس آرائیاں کرنے کے بجائے تم بخشی سے بات کیوں نہیں کرتے۔" ویرا نے زور دے کر مجھ سے کہا "تم تو اس سے اپنے ضمیر کا سودا کرچکے ہو۔"

"مرچیں مت چباؤ۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "مذاق ایک حد تک اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی تم اس حد سے بہت آگے نکل جاتی ہو۔"

"آئی ایم سوری!" ویرا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

میں اول خان کے ہمراہ نکلا تو ویرا بھی ہمارے ساتھ ہولی۔ جیپ میں بات کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ تم دونوں نے بخشی کی جان بخشی کرکے ایک غلطی کی ہے۔" ویرا نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "دشمن کو جب اور جہاں موقع ملے، پیس کر رکھ دینا چاہیے مگر تمہاری نام نہاد مصلحتیں.... !" ایک گہرا سانس لے کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں تمہارے فلسفے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن پر اس کے کمزور لمحوں میں وار کرنا چاہیے تاکہ وہ پلٹ کر زیادہ کاری حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ جب جواب میں زیادہ بڑے نقصان کا احتمال ہو تو اسے نظرانداز کردینا بہتر ہوتا ہے۔"

"دنیا بھر میں ہر طرف ایسی رقابتیں چلتی رہتی ہیں کہ تمہاری منطق عام ہوجائے تو روز بیسیوں سفارت کاروں کا لہو بہنے لگے۔" اول خان نے ویرا سے کہا "نفع نقصان کا حساب کتاب ہی انسان کی جبلت میں پوشیدہ اندھے انتقام کے جذبے کو لگام دیتا ہے۔"

میں اس بحث سے دامن بچا کر اول خان کے دفتر میں موجود اس فون کی طرف متوجہ ہوگیا جس پر سی ایس ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میرے پاس بخشی کے دفتر کا وہ نمبر تھا جس پر آپریٹر کے ذریعے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ نمبر سی ایس ڈی کے ذریعے استعمال کرنا ممکن نہیں تھا اسی وجہ سے میں اس کے گھر پر فون کرتا رہا تھا مگر پچھلی رات کی مفاہمت کے بعد اس نے مجھے اپنے دفتر کا راست نمبر بھی دے دیا تھا تاکہ میں کسی ہنگامی صورتِ حال میں اس سے رابطہ کرسکوں۔

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔ میری آواز پہچان کر وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور فون کرو گے۔ کہو، تمہارا کیا حال ہے؟ کہاں ہو؟"

"یہ محفوظ فون پر میرا اور تمہارا آخری رابطہ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر اداسی طاری کرلی "میں اپنے نئے ساتھی کو چارج دینے کی تیاری کررہا ہوں۔"

"تمہارے بارے میں مجھ سے گھما پھرا کر کئی سوال کیے گئے تھے مگر میں تم سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہا۔ ایس ٹی ایف اس وقت حیرت انگیز طور پر ہم سے تصادم کی حامی نہیں ہے یا کم از کم مجھے یہی تاثر دیا گیا ہے۔ میں نے اپنی شکایت روک لی ہے۔"

"تم مجھے لے جانے کے ارادے سے آئے تھے۔ اس میں ناکامی کا کوئی نہ کوئی جواز تو دیا ہی ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ ہمارے قونصل خانے کے ریکارڈ کے مطابق کل کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"اتنی رازداری کیسے ممکن ہے۔ تمہارے ساتھ وہ ماڈل گرل بھی تھی۔"

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس نے جواب دیا "اس کے پیشے کے تقاضے عجیب ہیں۔ وہ کل والے اسکینڈل کے بارے میں ذرا بھی زبان کھولتی تو اس کی ساکھ اور مارکیٹ فوراً تباہ ہوجاتی۔ شہر کے شوقین مزاج شرفا چکر باز لڑکیوں سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ہر اوباش مال دار اخباروں میں اپنے نام کی تشہیر سے ڈرتا ہے۔" میں نے تفہیمی انداز میں کہا "بات پولیس تھانے تک پہنچ جائے تو لڑکیوں سے برآمد ہونے والے وزیٹنگ کارڈز بھی عذاب جان بن جاتے ہیں۔ مجھے اس لڑکی کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ تھا۔"

"تمہارا تبادلہ ہورہا ہے یا پھر کچھ اور ہونے کا امکان ہے؟" اس نے محتاط لب ولہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے جہاں سزا کے طور پر محض تبادلہ کرکے بات ٹال دی جائے۔" میں نے تلخی سے جواب دیا "جو کچھ ہوتا ہے' دو ٹوک اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔"

"برطرفی؟"

"آثار ایسے ہی ہیں۔ مجھ سے ہر بات پوشیدہ رکھی جارہی ہے۔ یہاں کا مردِ اول کسی بھی وقت مجھے جواب دے سکتا ہے۔"

"وہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" وہ متجسس ہونے لگا۔

"فی الحال کوئی ہوٹل دیکھوں گا۔ باقی بندوبست بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ اسے اب پھر دہرا رہا ہوں۔"

"کسی نئی مصروفیت سے پہلے میں چند روز آرام کرنا چاہوں گا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کررہا۔" میرے تذبذب کا اندازہ لگاتے ہی اس کا لہجہ بدل گیا "فوری طور پر تمہاری ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اس خلا کو پر کرکے تم اپنے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہو۔ زندگی بھر عیش کرتے رہو گے۔"

"مجھے بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ یہاں سے فراغت کے بعد میں کسی دفتر میں کلرکی یا افسری تو کرسکوں گا' حساس نوعیت کے کاموں پر شاید پابندی ہوگی۔"

"یہ نہ کہنا۔ میں تمہارے بارے میں بہت دور تک سوچ چکا ہوں۔"

اس کی چال بازی پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ بخشی کے ذریعے میں نے شاید اوبرائن کے ذہن سے بھی یہ وسوسہ مٹا دیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ وہ حقیقت فراموش کردینے کے بعد ان دونوں کے ذہنوں میں صرف ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ کرنل جمال دستی ہی وہ شخص ہے جو ڈینی کو پہچانتا ہے اور اس کا سراغ لگا کر اسے پکڑوا سکتا ہے۔

ایس ٹی ایف میں میرا کردار ختم ہوجانے کی امید پر میجر بخشی میری طرف سے کچھ زیادہ ہی پر امید ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے فون پر میری ناز برداریاں کررہا تھا۔

"یہ میرے کہنے کی بات نہیں ہے میجر!" میں نے زور دے کر جواب دیا "تم خفیہ اداروں' اور ایجنسیوں میں ملازمت کے پروٹوکول سے اچھی طرح واقف ہو....."

"میری خفیہ معلومات کے مطابق تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس آئین اور قانون سے ماورا ہے۔ اس کا کوئی تحریری کوڈ آف کنڈکٹ نہیں ہوسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہر فیصلہ کرسکو گے۔"

"جہاں تحریری ضابطۂ کار نہیں ہوتا وہاں روایات کی پاس داری کرنی پڑتی ہے۔ میں خود بھی اس موقع کو نہیں گنواؤں گا مگر مجبوری' مجبوری ہی ہوتی ہے۔"

"تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔" اس کی آواز میں اطمینان جھلکنے لگا "جہاں کام کرنے کی امنگ موجود ہو وہاں کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے۔"

"اب میں کسی نئے ٹھکانے سے تم کو فون کروں گا۔ موجودہ ملازمت سے یہ شاید آخری رابطہ ہو۔" میں نے اپنائیت کے ساتھ کہا۔

بخشی سے میری گفتگو کے دوران ویرا برے برے منہ بناتی رہی تھی۔ اس کے دعائیہ کلمات کے بعد میں نے فون بند کیا تو وہ برس پڑی "اُس سے اس ڈرامے بازی کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ ڈرامے بازی نہیں' حقیقت ہے۔" اول خان نے اسے بتایا "فورس سے سبکدوش کیا جانے والا کوئی شخص کسی سیکرٹ مشن پر کام نہیں کرسکتا۔"

"اسے کیا معلوم کہ تمہارے کیا قاعدے ہیں۔" ویرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے جل کر کہا۔

"ڈینی کے آپشن اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ابتدائی مزاحمت بخشی کے اعتماد میں مزید اضافہ کرے گی۔ میں ڈینی کی پالیسی سے پوری طرح متفق ہوں۔"

"تمہیں اس کے ساتھ رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "اس طرح تمہیں ان کے عزائم کا علم ہوتا رہے گا۔ دوسری صورت میں تم بے خبری میں مارے جاسکتے ہو۔"

"میجر بخشی کے عزائم ہمارے لیے کبھی بھی نیک نہیں ہوسکتے۔ جب ہم اپنے سفارت کاروں کی زندگی کے خوف سے اسے مار نہیں سکتے تو اس سے رابطہ رکھنا گلے میں ڈھول لٹکا لینے کے مترادف ہوگا۔" میں نے ترشی سے جواب دیا۔

"گلے میں لٹکے ہوئے ڈھول سے نقصان پہنچ سکتا ہے، رابطہ رکھنے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ اس سے رابطہ رکھنے کا مطلب ہے کہ میں ہر وقت اس کی نظروں میں رہوں گا۔ میرا اصل نام اور کام دھرا رہ جائے گا۔" میں نے وضاحت کی "میری یہ بے عملی انہیں فائدہ پہنچائے گی۔"

"تم یہ بات اتنی بحث کے بغیر بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا مجھے گھورنے لگی۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ اس نے ویرا کی ہٹ دھرمی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ڈینی کو الہام تو نہیں ہوسکتا تھا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔"

"کوئی معقول سبب سامنے ہو تو بحث کی نوبت نہیں آتی۔ کیا مجھے الہام ہوا تھا کہ ڈینی ان لوگوں کی طرف سے کیا سوچ بیٹھا ہے؟"

"ان الہامی مسائل میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے آدمی شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ہمارے روٹین کے کچھ کام ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق سیکیورٹی سے ہی ہوتا ہے۔ آج تم کو یہ سوال کیوں یاد آرہا ہے؟"

"تمہاری معمول کی سرگرمیوں سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ دھن راج کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔ پنڈت منوہر لال کے بعد اب وہی ہمارے سامنے ہے۔"

"ہیشم کے بیان کے بعد اس کا نام بڑے ملزم کے طور پر ریکارڈ پر آچکا ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "اس کی تلاش جاری ہے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ اس کا خاندان عمر کوٹ میں رہتا ہے۔ اس پر ہر وقت وہاں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"اس کا خاندان وہیں ہے۔ پہلے میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ کراچی سے نکل کر وہیں بھاگا ہوگا مگر اطلاعات ملی ہیں کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"

"تمہاری ان اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"دراصل اس علاقے میں ہمارا کوئی یونٹ نہیں ہے۔" اول خان کے اس معذرت خواہانہ انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا "اس کے بارے میں عمر کوٹ پولیس پر انحصار کیا گیا تھا۔ یہ پیغام وہیں سے ملا ہے۔"

"دیہی علاقے کے چھوٹے شہروں میں پولیس اپنے علاقے کے نام نہاد معززین اور جاگیرداروں کی مرضی پر بے چون و چرا عمل کرتی ہے۔" ویرا کو اول خان کے خلاف نکتہ مل گیا اور وہ چہکنے لگی "دھن راج کوئی کمی کمین ہوتا تو اب تک ہتھکڑی اور بیڑی میں بندھا یہاں پڑا ہوتا۔ وہ ایک بڑے اور بارسوخ گھرانے کا آدمی ہے۔ عمر کوٹ کی پولیس نے اس سے مشورے کے بعد ہی پیغام دیا ہوگا۔"

"مجھے بھی یقین ہے کہ وہ وہیں ہوگا۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔" میں نے کہا۔

"پولیس والے قلیل تنخواہوں پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ان دور افتادہ علاقوں میں کام کرتے ہیں۔" اول خان نے ندامت سے کہا "طاقت ور جاگیرداروں سے ٹکرا کر وہ دو دن بھی وہاں نہیں جم سکتے۔ اپنے سکھ چین اور مالی فائدے کے لیے بیشتر پولیس والے ان کے حمایتی اور مددگار بن جاتے ہیں۔"

"اس حوصلہ شکن پیغام کے بعد کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ضروری ہوگیا تھا۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"جس دن مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے دوسروں کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوئی، میں کنارہ کشی اختیار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" اول خان نے پرملال انداز میں کہا۔

"اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے بات بڑھائی "ڈینی سے تم ہمیشہ ہی مشورے لیتے رہتے ہو اور اس پر فخر کرتے ہو۔"

"پالیسی بنانا اور منصوبہ سازی کرنا ایک الگ بات ہے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں روز مرہ فرائض کی بات کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم عمر کوٹ کی طرف کوئی پارٹی روانہ کر چکے ہو؟" ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کوئی تفتیشی ایجنسی نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ کہا "اسٹرا ٹیجک فورس ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتی۔"

"پھر یہ کام کون کرے گا؟" ویرا بھی یک بہ یک بہت سنجیدہ ہو گئی۔

میں نے ان دونوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کے ابتدائی فقرے نے میری زبان بند کر دی "وہ ایک باضابطہ پولیس کیس ہے۔ ہم ان کی عمل داری میں مداخلت نہیں کرتے۔ وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے اس کیس سے دلچسپی ہے اس لیے میں کام کی رفتار سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بلاوجہ میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ اول خان کے مسکت جواب پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "بلاوجہ میری ٹانگ نہ کھینچا کرو۔ میں بھی بہت سکون سے دوسروں کی دل آزاری کر سکتی ہوں۔"

"ہنسو نہیں، اب پوری بات سنو!" اول خان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بظاہر ویرا سے مخاطب ہونے کے باوجود وہ مجھے بھی باتیں سنا رہا تھا۔

"کراچی پولیس کو عمر کوٹ سے کورا جواب مل چکا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد جارحانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "ان کے لیے یہ بہت بڑا اور اہم کیس ہے۔ یہاں سے پوری رازداری کے ساتھ پولیس اور سی آئی اے کی دو پارٹیاں عمر کوٹ روانہ کر دی گئی ہیں۔ اگلے دو تین روز میں وہ دھن راج کو گردن سے پکڑ لائیں گے۔ اس کی گرفتاری پولیس کی ذمے داری ہے۔ یہ کام وہی کریں گے۔"

"دو پارٹیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ اپنا گھر چھوڑ کر کسی بھی طرف نکل جائے گا۔ زیادہ برے وقت میں وہ سرحد بھی عبور کر سکتا ہے۔" ویرا پھر بحث پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنے کان کھلے رکھا کرو۔ وہ لوگ بینڈ باجے کے ساتھ سائرن بجاتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ میں نے پوری راز داری کا ذکر کیا ہے۔ یہ رازداری کراچی سے عمر کوٹ تک برقرار رہے گی۔" اول خان نے برہمی سے کہا "دھن راج کی گرفتاری ہی نہیں، پورا کیس پولیس ڈیل کرے گی۔"

"اگر ہمیں کسی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آئی تو کوئی دقت تو نہیں ہو گی؟" میں نے بڑھتے ہوئے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے ایک ضمنی سوال کیا۔

"کراچی لائے جانے کے بعد وہ ہر وقت ہماری دست رس میں ہو گا۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ مقامی پولیس ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرتی ہے۔"

اس کے وہ الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں میجر بخشی کے اغوا کا منظر تازہ ہو گیا۔ پولیس موبائل کا عملہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اس واردات میں دخل انداز ہوا تھا مگر ایس ٹی ایف کے ایک آدمی سے گفتگو کے بعد ان کے سربراہ کا رویہ یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔

دھن راج کا بوجھ میرے سر سے اتر گیا مگر دوسرا مسئلہ اپنی جگہ برقرار تھا۔

"رات میں یہاں سے تمہارے کافی آدمی کلب کی طرف گئے تھے مگر واپسی پر مجھے صرف تین ملے تھے۔ وہ کہاں رہ گئے تھے؟"

"وہ ان دونوں کے پیچھے گئے تھے جو بخشی کی پشت پناہی کے لیے کلب آئے تھے۔"

"کیا انہوں نے شروع میں ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بخشی کے ساتھی ہیں؟"

"وہ اس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر آخر تک کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔" اول خان نے کہا "حیرت ہے کہ تمہیں یہ ذکر اب یاد آیا ہے۔"

"ذہنی الجھنوں میں بات دب گئی تھی مگر میں بھولا نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"میرے آدمیوں کو ان دونوں پر اس وقت شبہ ہوا جب وہ تم تینوں کے پیچھے پیچھے پارکنگ لاٹ میں آئے تھے۔ جب وہ کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو میرے آدمی دوبارہ تذبذب میں پڑ گئے تھے کہ کہیں وہ بالکل ہی لاتعلق نہ ہوں۔"

"ان کے تعاقب کے نتائج کے بارے میں تم نے کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری کتھا سن لینے کے بعد میں نے ان دونوں کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ تم کوئی تذکرہ کرتے تو بات خود بہ خود کھلتی چلی جاتی۔"

"میرے لیے ہر وہ شخص بہت اہم ہے جو رزق و روزی اسی دھرتی کے وسائل سے کماتا ہے لیکن کسی لالچ میں پڑ کر پرائی سرحدوں سے آئے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن جاتا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ تمہارے آدمیوں نے انہیں نظرانداز نہیں کیا۔"

"نفری زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ احتیاطاً ان دونوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ وہ بغدادی کے پرانے ہسٹری شیٹر ہیں۔ کلب سے نکل کر کینٹ اسٹیشن کے قریب واقع ایک ہوٹل میں گئے تھے۔" اوّل خان نے مختصر ترین الفاظ میں خلاصہ بیان کردیا۔

"میجر بخشی بہت محتاط آدمی ہے۔ ایسے خطرناک لوگوں سے اس کا رابطہ کیسے ہوا؟"

"یہ دیکھنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دھن راج سے ملتے جلتے رہے ہوں۔"

"دھن راج پہلے سے روپوش تھا۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیا وہ دونوں بھی ہندو ہیں؟"

اول خان کے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بتایا "ان کے نام موسیٰ اور ملنگ ہیں۔ چاہو گے تو ان کے بارے میں مزید کھوج لگالیا جائے گا۔"

"اپنے ایک دو آدمیوں کو فوراً اس کام پر مامور کردو۔ بخشی کو زندہ چھوڑنے کی خلش اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے کہ چند موٹی گردنیں ہمارے ہاتھ میں آجائیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

اس کے اطمینان دلانے پر میں نے اس کا دفتر چھوڑ دیا اور ویرا کے ساتھ واپس ہولیا۔

○☆○

اگلے دو دن انتظار اور باتوں ہی باتوں میں گزر گئے۔ تیسرے دن پہلی خبر یہ ملی کہ کراچی سے عمر کوٹ جانے والی دونوں پارٹیاں بے نیل و مرام واپس آگئی تھیں۔

عمر کوٹ جیسے چھوٹے سے قصبے میں کراچی سے جانے والی نفری فوراً ہی مقامیوں کی نظر میں آگئی تھی پھر وہاں کی پولیس میں موجود کسی کالی بھیڑ نے یہ خبر راج حویلی کے مکینوں تک پہنچادی کہ کراچی کی پولیس دھن راج کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے آبائی شہر تک آپہنچی تھی۔

خبر لیک ہونے کے بعد دھن راج کی گرفتاری ناممکنات میں سے تھی۔ تفتیشی پارٹیوں کو عمر کوٹ میں کئی ایسے عینی شاہد ملے جنہوں نے دھن راج کو اس روز تک شہر میں دیکھا تھا لیکن راج محل والے شروع سے آخر تک اسی ایک بات پر اڑے رہے کہ دھن راج کراچی میں تھا۔ انہوں نے کئی ہفتوں سے اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

عمر کوٹ کی خاک نوردی اور کئی ناکام چھاپوں کے بعد دونوں پارٹیاں واپس آگئی تھیں۔ یوں کاغذی طور پر دھن راج کی جلد از جلد گرفتاری کی ذمے داری اس کے آبائی شہر کی پولیس پر ڈال دی گئی تھی۔ وہ دیہی علاقوں میں قانون کی کمزور عمل داری کی ایک افسوس ناک مثال تھی۔

اس روز دوسری اطلاع کرائے کے بدمعاشوں کے بارے میں ملی۔

موسیٰ اور ملنگ بدنام ہسٹری شیٹر ضرور تھے مگر ان دنوں اپنے طور پر کام نہیں کررہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق رستم دادا نامی ایک سفید پوش بدمعاش سے تھا۔

رستم بھاری معاوضہ لے کر اپنے اعتبار کے لوگوں کے لیے مختلف نوعیت کے جرائم کی منصوبہ بندی کرتا تھا۔ اس کے تنخواہ دار آدمی ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ کام کے دوران پکڑے جانے یا زخمی ہونے والوں کے لیے وہ بہت فراخ دلی سے قانونی اور مالی اعانت فراہم کرتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس کے پاس ملازم ہونے کے بعد شہر کے کسی شورہ پشت کو کسی چالان میں عدالت سے سزا نہیں سنائی گئی تھی۔

اس کے لیے کام کرنے والے قانونی ماہرین، مروّج قوانین کی فنی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر اس کے پکڑے جانے والے ملازمین کو بچالے جاتے تھے۔

"حیرت کی بات ہے کہ کراچی میں رستم جیسا آدمی موجود ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں۔" اول خان سے وہ تفصیل سننے کے بعد میرا اشتیاق جاگ اٹھا۔

"میں نے کئی بار اس کا ذکر سنا ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دی۔" اول خان نے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اول خان چپ رہا لیکن سلطان شاہ بول پڑا "اگر میں غلطی نہیں کررہا تو رستم ایرانیوں کے بھائی فرقے کا بدمعاش ہے اور پارسی کالونی میں کہیں رہتا ہے۔"

"یہ وہی رستم تو نہیں جو کسی زمانے میں صدر میں ایرانی چائے کا مشہور ہوٹل چلاتا تھا؟" سلطان شاہ کے دیے ہوئے حوالے پر میری یادداشت بھی تازہ ہوگئی۔ وہ پرانی بات تھی لیکن اس وقت بھی لوگ رستم کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

"بالکل وہی ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "مجھے یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بتایا گیا ہے کہ آج کا رستم دادا کسی زمانے میں چائے خانہ چلاتا تھا۔"

"یہ تحقیر کا ایک انداز ہے ورنہ وہ اس زمانے میں بھی ایک معقول ہوٹل کا مالک تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔" اول خان نے پر خیال انداز میں کہا "وہ اجنبیوں سے کسی قیمت پر نہیں ملتا اور اپنا زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا ہے۔"

"میں اس سے ضرور ملوں گا۔" میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا "ملاقات کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ وہ برسوں سے یہاں رہ رہا ہے۔ اس کے بہت سے شناسا نکل آئیں گے۔ ان ہی میں سے کسی کے حوالے سے اسے ملنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ کام میں شاید آسانی سے کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"تمہیں اس سے ملتے ہوئے یاد رکھنا ہوگا کہ موسیٰ اور ملنگ تم کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔" ویرا نے ہماری گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"میں اس کا ٹائپ سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جرائم میں ملوث ہونے والوں کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا ہوگا۔"

"لیکن تمہیں اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ بخشی کے لیے کام کرسکتا ہے تو ہمارے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"میں ویرا سے متفق ہوں۔" اول خان نے اعتراض کیا "پوری ایس ٹی ایف تمہاری پشت پر موجود ہے۔ تم کن کاموں کے لیے اس سے مدد لینا چاہتے ہو؟"

"ابھی تک ہم اصولوں کی صاف ستھری لڑائی لڑ رہے ہیں اس کے باوجود ہمارے لیے دن بہ دن خطرات بڑھتے جارہے ہیں۔ رستم سے کوئی مفاہمت ہوجائے تو ہم الگ تھلگ رہ کر دشمنوں کو بدترین نقصانات پہنچا سکتے ہیں۔"

"تم کیسے نقصانات کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم لوگوں کے لیے نقل و حمل اور سفر میں دشواریاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ اگر بخشی تعطیلات پر بھارت میں ہو تو کرائے کا کوئی گمنام قاتل وہاں پہنچ کر آسانی سے اسے ٹھکانے لگا سکتا ہے۔"

"یہ خیالی باتیں ہیں۔ عملی زندگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" ویرا نے منہ بنایا۔

"ممکن کیوں نہیں ہے....؟" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "کیا ہم کو آئزک بیل سے نمٹنے کے لیے امریکا تک دوڑ نہیں لگانی پڑی تھی؟ کیا ہم آج بھی اوبرائن کے لہو کے پیاسے نہیں ہیں؟"

"یہ بہت ٹیڑھے کھیل ہوتے ہیں۔ مقصد کی لگن کے بغیر ان میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "کرائے کے آدمی سر کے بل کھڑے ہو کر بھی تمہارے متبادل نہیں بن سکتے۔ ان کی چند ناکامیاں ہی تمہارے ارمانوں پر اوس ڈال دیں گی۔"

"پھر بھی میں یہ تجربہ کرنا چاہوں گا۔" میں نے اصرار کیا "کسی پرسکون گھر میں بیٹھ کر یہ خیال بہت راحت دے گا کہ کچھ لوگ پیسہ لے کر ہمارے مقصد کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔"

"اس طرح تم اپنے مقام سے گر کر رستم دادا کے درجے پر آجاؤ گے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ پیسے کے لیے یہ سب کررہا ہے۔ اس کا مقصد دولت کمانا ہے اور ہم ایک بڑے مقصد کے لیے بے دریغ پیسہ لٹائیں گے۔"

"قارون کا خزانہ بھی کم پڑجائے گا۔ تم بہت چھوٹے ہو۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تم کوڑی کوڑی کو ترس جاؤ گے۔"

"ڈینی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ رستم کو دولت کی بڑی ہوس ہے۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دوبارہ دخیل ہو کر موضوع کو اچانک تبدیل کردیا۔

"تم اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا پہلو بدل کر اسی پر برس پڑی۔

"یہی کہ رستم دولت کا لالچی کتا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے میں کہا۔

"کچھ جانتے ہو تو کھل کر بات کرو تاکہ میرے آدمیوں کا کام آسان ہوسکے۔" اول خان نے اسے شہ دی "رستم جیسے طاقت ور اور بے رحم لوگوں کے ماضی کو کھنگالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جان کے خوف سے ہر ایک اپنی زبان سختی سے بند کیے رکھتا ہے۔"

"ایران میں جب بہائیوں کو مار پڑنی شروع ہوئی تو رستم نے وہاں سے بھاگنے والے کئی مال دار لوگوں سے بھاری رقمیں اس وعدے پر جمع کرلیں کہ اپنا کمیشن کاٹ کر وہ باقی رقم انہیں پاکستان میں ادا کردے گا۔ اس لین دین کی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رسید تھی نہ معاہدہ۔ یہاں آکر وہ مکر گیا اور اس رقم سے اپنا ہوٹل جمالیا۔" سلطان شاہ بتا رہا تھا "اس کے ہاتھوں لٹنے والوں نے شروع میں اسے پورے شہر میں بدنام کردیا تھا۔ وقت کے ساتھ لوگ یہ قصے بھول گئے اور وہ اپنے جارحانہ مزاج کی وجہ سے دھیرے دھیرے اپنی بدمعاشی کی دھاک بٹھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتا دیا؟" ویرا نے تنک کر پوچھا "تمہاری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے کہ پرانے واقعات کے بارے میں تمہاری باتوں پر اعتبار کیا جاسکے۔"

"ڈینی کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ لائن میں کافی دن گزارے ہیں۔ رات کو جب اڈے پر چوپالیں جمتی تھیں تو سن رسیدہ ڈرائیور اور مستری بس شہر کے بدمعاشوں کی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قاسو، دارا اور کالے ناگ کے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔"

"کام کا ہو یا نہ ہو، رستم دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تم کسی کو کام پر لگاؤ۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

میرے ان فقروں پر ویرا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اپنے نادر مشوروں کی عدم قبولیت پر وہ عام طور سے ایسے ہی ردِ عمل کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"تمہیں بخشی سے بات کیے ہوئے دو دن ہوگئے ہیں۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فرصت کے اوقات میں، میں اس موضوع پر بھی غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل تم مجھ سے ضد پر اترے ہوئے ہو۔ میں جو کچھ کہوں گی، تم اس کا الٹ ہی کرو گے۔" برہم نظر آنے کے باوجود ویرا مداخلت پر مجبور ہوگئی۔

"پھر کچھ منحوس باتیں کرو تاکہ ڈینی کو کچھ مبارک فیصلے کرنے کا موقع مل سکے۔" سلطان شاہ کے بے ساختہ فقروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے بھڑک کر کرسی چھوڑ دی۔

"میں تمہاری صورت پر لعنت بھیجتی ہوں۔" اس نے لڑاکا انداز میں سلطان شاہ کو واقعی لعنت دکھا کر کہا "ڈینی نے تمہیں اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ تم بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہے ہو۔"

"میں نے کبھی قابلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مشکل سے مڈل پاس ہوں۔" سلطان شاہ نے سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ویرا پیر پٹختی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

"کبھی کبھی تم اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر ملامت آمیز نظریں ڈال کر کہا اور جلدی سے ویرا کے پیچھے چل دی۔

ان دونوں عورتوں میں یہ اچھی بات تھی کہ آپس میں حسد و رقابت کے جذبوں کے باوجود آڑے وقت میں ایک دوسری کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

ان کے مزاج میں وہ لچک نہ ہوتی تو مختلف اوقات میں تقریباً محاصرے جیسے حالات میں گزر اوقات تک مشکل ہوسکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے کہا "آج اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی۔ ہم تینوں ہی اس کی ہر بات کی تردید پر تلے ہوئے تھے۔"

"ہم میں سے کسی کا قصور نہیں تھا۔" اول خان نے فوراً اعلان کردیا "آج وہ خود ہی ہر ایک سے لڑنے بھڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایسی تنک مزاجی میں یہی ہوتا ہے۔"

"تم بخشی کے چنگل سے نکلنے کی کسی ترکیب کا ذکر کررہے تھے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا۔

"بہت آسان ترکیب ہے۔ کرنل جمال دستی کا کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔"

"میں بھی وہ ترکیب سننا چاہتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"کسی ہیر پھیر میں پڑے بغیر میں اسے بتاؤں گا کہ مجھے ایس ٹی ایف سے سبکدوشی کے ساتھ اومان کے ایک ہوٹل میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ تھما دیا گیا ہے۔"

اول خان اچھل پڑا "لاجواب بہانہ ہے۔ فورس چھوڑنے کے بعد تم مقامی منظرنامے سے غائب ہوجاؤ گے۔ گزر اوقات کے لیے باہر کی نوکری ہوگی اس لیے تمہیں بخشی یا کسی اور کے لیے کام کرنے کی حاجت بھی نہیں رہے گی۔"

"وہ بہت عیار اور خود غرض ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "مطالبہ کرسکتا ہے کہ تم باہر ملازمت کی پیشکش مسترد کردو۔ تم امتحان میں پڑجاؤ گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ ایس ٹی ایف کا ڈسپلن فوج سے زیادہ سخت ہے۔ حکم کی بس تعمیل ہوتی ہے۔ اس میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا اور جو حکم سے سرتابی پر تل جائے، اس کے دل میں نہایت سرد مہری سے ایک گولی اتار دی جاتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "سفاکانہ ڈسپلن کی اس سے بہتر تصویر کشی ناممکن ہے۔ تم اسے لاجواب کردو گے۔"

"تم اسے یہ سب کب بتاؤ گے؟" سلطان شاہ نے مطمئن ہو کر سوال کیا۔

"اسے انتظار میں کچھ اور سسکنے دو۔ اس دوران میں میرا شیو کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بخشی سے گفتگو کے کچھ عرصے بعد تک میں اپنے پرانے حلیے میں دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تمہاری طویل خاموشی اسے شکوک و شبہات میں ڈال دے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"جواز ملے گا تو وہ مطمئن ہو جائے گا۔ سبکدوشی اور اومان کے لیے روانگی کے دوران میں اسٹیشن فور کا ایسا قیدی ہوں جو ہر وقت نادیدہ نگاہوں کی نگرانی میں رہتا ہے۔۔۔"

"تمہاری تیاری ہر طرح مکمل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ دی "تم نے اس بارے میں سوچ بچار پر واقعی خاصا وقت لگایا ہے۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد کوئی بھی تمہیں کرنل جمال دستی کے طور پر نہیں پہچان سکے گا۔"

○☆○

رستم دادا کے بارے میں میرا اشتیاق مجھے آخر کار فصیل جیسے احاطے والی اس وسیع عمارت تک لے آیا تھا جس کے ایک ستون پر نصب لکڑی کی تختی پر "بسیرا" لکھا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں کم از کم بارہ فٹ بلند تھیں۔ اوپر نوک دار آہنی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا تاکہ کوئی کمند یا سیڑھی کے ذریعے بھی دیوار پھاند کر احاطے میں نہ کود سکے۔

دیوار میں نصب سپاٹ آہنی پھاٹک بالکل سادہ اور مہیب تھا۔ اس کی بلندی دیواروں کے سرے چھو رہی تھی اور دونوں پٹ اتنے چوڑے تھے کہ شاید تین گاڑیاں ایک وقت میں پھاٹک سے گزر سکتی تھیں۔

بسیرا ایک ایکڑ سے بھی زیادہ رقبے پر بنی ہوئی اس پر شکوہ عمارت کا نام تھا جس میں رستم دادا اپنے اہلِ خانہ اور ملازمین کی ایک فوج کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے رستم پر کافی محنت کی تھی اور پتا چلایا تھا کہ بسیرا کی چار دیواری میں جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ رستم کے سارے خانگی ملازمین خالص پیشہ ورانہ بنیادوں پر رکھے گئے تھے۔

وہ اطلاع میرے اشتیاق کے لیے زبردست محرک ثابت ہوئی تھی کیونکہ بسیرا میں موسیٰ یا ملنگ سے سامنا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اپنی شناخت کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر میں جرائم کی دنیا کے اس بے تاج بادشاہ سے مل سکتا تھا جو کسی کے ایما پر میجر بخشی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

فون پر رستم کے کسی آدمی سے میری بات ہوئی تھی۔ اس کے لیے اشرف علی خان کا حوالہ قابلِ اعتبار ثابت ہوا تھا اور اس نے ہمیں ملاقات کے لیے اگلے دن شام چھ بجے کا وقت دے دیا تھا۔

اشرف کراچی کا ایک متوفی شخص تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے ڈکیتی کی ایک مبینہ واردات میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں اپنے لاولد چچا کو مروا کر اس کی بڑی جائداد اور خطیر سرمائے پر وارث کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ بعد میں وہ خود بھی اسی طرح ڈکیتی کی ایک واردات میں مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا تھا۔ اشرف اور رستم کے میل جول کا سراغ بھی ایس ٹی ایف کے ذریعے ملا تھا۔

تقریباً سال بھر پہلے مرے ہوئے شخص کے حوالے سے رستم کی کچھار میں جانا دل گردے کا کام تھا لیکن سلطان شاہ پوری رضا و رغبت سے اس مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ہم چھ بجنے سے چند منٹ پہلے ہی بسیرا کے سامنے موجود تھے۔ میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی تائیدی مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجا دیا۔ وسیع و عریض آہنی دروازے کا ایک پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھل گیا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مگر پھاٹک سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے دوبارہ بریک لگانے پڑ گئے۔

پختہ فرش میں گڑے ہوئے دو ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی زنجیر نے خم دار روش پر آگے بڑھنے کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ وہاں دو باوردی محافظ سب مشین گنیں لیے چاق و چوبند کھڑے ہوئے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ان میں سے ایک پھرتی سے میری طرف آیا۔

"ملک ممتاز اور ملک افضل۔" میں نے شیشہ اتار کر اسے بتایا "ہمارا وقت طے ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی بیلٹ سے لگا ہوا واکی ٹاکی نکال کر لمحہ بھر کے لیے کسی سے دھیمی آواز میں بات کی اور سلسلہ ختم کر کے مجھ سے مخاطب ہوا "سر! کوئی ہتھیار ہے تو مجھے دے دیں۔ واپسی پر مل جائے گا۔"

ہمیں ایسے اہتمام کی پہلے سے توقع تھی اور ہم دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلح تھے۔ اس کی فرمائش پر اعشاریہ تین دو کے دونوں ریوالور نکال کر اس کے حوالے کردیے گئے۔

زنجیر سے آگے کشادہ روش داہنی طرف بنی ہوئی طویل دو منزلہ عمارت کے آخری سرے تک چلی گئی تھی جہاں پہلے سے کئی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ محافظ نے ریوالور لینے کے بعد اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی آہنی زنجیر فرش پر گرادی اور میں نے آہستگی سے گاڑی پختہ راستے پر آگے بڑھادی۔

روش کے بائیں جانب گھنی اور اونچی باڑھ اُگی ہوئی تھی جو بہت قرینے سے ترشی ہوئی تھی۔ باڑھ کے درمیان جابجا پھل دار درخت نظر آرہے تھے۔ شاید اس کے پیچھے کوئی چھوٹا سا باغ تھا جس کی وجہ سے فضا میں تازگی کا احساس ہورہا تھا۔

"کوئی ایمرجنسی ہوگئی تو یہاں سے نکلنا دشوار ہوجائے گا۔" سلطان شاہ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے پر تشویش آواز میں بڑبڑایا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے یہ مکان قلعے جیسا ہوگا۔"

"برے کلمات منہ سے مت نکالو۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کراچی جیسے شہر میں ایسے پر فضا مکان آباد ہیں۔"

"اب تو سولی چڑھ ہی گئے ہیں' رام بھلی کرے گا۔" میرا مشورہ اس کی فکرمندی رفع نہ کرسکا۔

طویل روش کے اختتامی سرے سے پہلے ایک اور باوردی شخص کھڑا ہمیں رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف دباتے ہوئے اس سے چند قدم کے فاصلے پر روک لی۔ وہاں باڑھ کے درمیان ایک راستہ نظر آرہا تھا۔

باوردی ملازم نے سر کی جنبش سے سلام کرتے ہوئے بڑھ کر میرا دروازہ کھول دیا۔ میں انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ سلطان شاہ نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔

"سر! صاحب باغ میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" اس نے باڑھ میں بنے ہوئے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

چلتی ہوئی گاڑی کے اترے ہوئے شیشے میں سے محسوس ہونے والا فرحت و تازگی کا احساس یک بیک بڑھ چکا تھا۔ باڑھ میں سے گزرتے ہی پھلوں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے باغ کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ باغ کی زمین سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن درختوں کے سائے میں گھاس جلنے کی وجہ سے سیاہ اور خاکستری دھبے نمایاں نظر آرہے تھے۔

اس روح افزا ماحول میں' باغ کے ایک گوشے میں کرسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک جسیم اور قد آور شخص براجمان تھا جو کسی بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

میں نے صرف اس کا نام ہی سنا ہوا تھا' کبھی اس سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان دنوں وہ رستم ایرانی کہلاتا تھا۔ اس کی نشان دہی کرکے محافظ واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں نے اپنے میزبان کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

وہ بہت وجیہہ اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر داہنی طرف کسی پرانے زخم کا لمبا سا نشان تھا جو کلین شیو رخسار پر دور ہی سے چمک رہا تھا۔ گھنے اور لمبے بالوں میں سیاہی پر سفیدی غالب تھی اور اس کے جسم پر بھی کلف لگا ہوا سفید لباس تھا۔

اس کے گرد بید کا فرنیچر پھیلا ہوا تھا۔ سامنے میز پر چار لاسلکی مواصلاتی آلات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ ان میں سے ایک موبائل فون اور دوسرا واکی ٹاکی تھا۔ بقیہ دو لاسلکی ریسیور تھے جو یقینی طور پر گھر میں موجود عام ٹیلی فون لائنوں سے منسلک تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ہم اس کے روبرو پہنچے تو وہ فون کان سے چپکائے کسی سے بات کررہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے اپنی کشادہ نشست سے قدرے اچک کر باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا سیدھا ہوگیا۔

سات آٹھ سال کا گورا چٹا بچہ اس کے غیر مصروف کان میں انگلی گھماتے ہوئے شوخ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رستم کی آواز میری توقع کے برعکس نرم ثابت ہوئی۔ فارسی میں ہونے والی گفتگو ختم کرکے فون بند کرنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس کی مسکراتی ہوئی عقابی نظریں چہرے کے پار اترتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ بچہ ہمیں بھول کر دونوں ہاتھوں سے اس کے کان کھینچنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے پچکارا اور اردو میں کہا "بیٹا! آرام سے بیٹھو' مہمان آئے ہیں۔"

بچہ باز نہیں آیا۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں ملک ممتاز اور یہ ملک افضل ہے۔"

"خوب!" وہ غصے کے بغیر بچے کو اپنے ہاتھوں سے روکتے ہوئے مسکرایا "کیا پیو گے؟ میں شراب نہیں پیتا مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہمانوں کی تواضع کرنا جانتا ہوں۔ کوئی تکلّف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"صرف چائے!" میں نے کہا۔ وہ شخص ہر اعتبار سے مجھے متاثر کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس جیسا خطرناک آدمی ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا ہوگا مگر وہ زاہدِ خشک نکلا تھا۔

"جاؤ' اب تم اندر جاؤ اور بابا سے کہو کہ چائے بھیج دے۔ ہمیں باتیں کرنی ہیں۔" وہ جس تحمل سے بچے کی حرکتیں برداشت کر رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اسے بہت عزیز ہے۔

"نہیں، پہلے کان میں ایک بات سنو!" بچے نے ٹھنک کر بڑے لاڈ سے کہا۔

رستم نے ہماری طرف سے نظریں ہٹائے بغیر اپنا چہرہ بچے کے سامنے جھکا دیا۔ بچے نے کان کی لو پکڑ کر اسے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہانے کی طرف کھینچا اور ایک زوردار چیخ مار کر ہنستا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

رستم کان میں انگلی ڈال کر زور زور سے ہلانے لگا "بہت شریر بچہ ہے۔"

"شریر ہی نہیں، بہت پیارا بھی ہے۔" میں نے دل کی گہرائی سے کہا "بیٹا ہے تمہارا؟"

"یہ میرا اکلوتا نواسا ہے۔" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "چائے آنے سے پہلے ہی بات شروع ہو جائے تو کیا ہرج ہے!" اس کی اردو بہت صاف اور شستہ تھی۔

مجھے اس پر رشک آرہا تھا کہ پیسے لے کر لوگوں کے لیے بھیانک جرائم کا ارتکاب کروانے کے باوجود وہ کیسی بھرپور اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ بسیرا کی پرفضا چار دیواری میں اس کے طور طریقے ذرا بھی مجرمانہ نہیں تھے۔ وہ ایک خوش قسمت گھریلو آدمی نظر آرہا تھا۔

"ہمیں اشرف علی...." میں نے بات کی براہِ راست ابتدا کرنے کے بجائے تمہید باندھنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔

"یہ بات میں اپنے سیکریٹری سے پہلے ہی سن چکا ہوں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ یہ شرط نہ ہو تو وقت برباد کرنے والے کنجوس شاید یہاں قطاریں لگا لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ کام کیا ہے۔ قتل، اغوا یا ڈکیتی؟ اس کے بعد آگے بات ہوگی۔"

"ہم دونوں آپس میں کزن ہیں۔ ایک شخص نے ہم دونوں...." رستم کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ایک مرتبہ پھر ادھوری رہ گئی۔

"کام کے سلسلے میں، میں ضروری رازداری کا قائل ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا "میں جج ہوں نہ وکیل۔ تم کو میرے سامنے اپنی خواہش کا کوئی جواز یا سبب پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کام بتاؤ، میں دام بتاؤں گا اور پروگرام طے کر لیا جائے گا۔"

اپنے نواسے کو رخصت کر دینے کے بعد رستم کے چہرے پر درشتی عود کر آئی تھی مگر اس کی باتیں بہت دو ٹوک تھیں۔ وہ خود ہی اس ملاقات کو بہت سہل بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی شناخت، نہ جواز۔ مجھے بس براہِ راست کام بتانا تھا۔

رستم سے ملاقات کے لیے میری ساری تیاری بے سود ثابت ہوئی۔ متوقع سوال و جواب کا امکان دور دور تک باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "قتل!"

"تمہارا حریف کس شہر میں رہتا ہے؟" اس نے کسی توقف کے بغیر پوچھا۔

اس نے خود مجھے تفصیل میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف شہر کا نام لینے پر اکتفا کیا "نئی دہلی۔"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا اور اس نے چونک کر سوال کیا "کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟"

میرا جواب اثبات میں تھا۔ اس بار میں نے صرف سر کو جنبش دی تھی۔

"میں ملک کے اندر رہ کر کام کرتا ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کسی تردّد کے بغیر کہا "یہاں میرے رابطے ہیں، آدمیوں کو اونچ نیچ کا ہر تجربہ ہے۔ ملک سے باہر جانے کے لیے مجھے سوچنا ہوگا۔ سفر اور اخراجات سمیت سات لاکھ سے دس لاکھ تک خرچ ہو سکتے ہیں۔"

"رقم میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں اس کی کمزوری سے کھیلنے کے لیے تیار تھا۔

"مگر مجھے دوسرے مسائل کے بارے میں سوچنا اور دیکھنا ہوگا۔ ذرا سی چوک ہو گئی تو میرا آدمی اجنبی دیار میں کسی داد و فریاد کے بغیر مارا جائے گا۔"

رستم مختصر سوال و جواب کا سلسلہ ختم کر کے خود وضاحتوں پر آگیا تھا۔ میں نے بھی اسے شہ دینے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا "بات یہاں کی ہوتی تو ہم خود بھی اسے مار گراتے۔ باہر کی مجبوری ہے اسی لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"وہ نئی دہلی میں کب سے رہ رہا ہے؟" رستم نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

"چند روز کی بات ہے۔ اس سے پہلے وہ کراچی میں تھا لیکن خطرہ بھانپ کر یہاں سے نئی دہلی جا بیٹھا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا "حالات سازگار ہونے پر شاید واپس لوٹ آئے۔"

"تم اس کی واپسی کا انتظار کیوں نہیں کر لیتے؟" کام بالکل پکا ہوگا۔ اخراجات میں بھی خاصی کمی ہو جائے گی۔" اس نے جبوریز پیش کی۔

"دل کے سکون کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہم اندر سے انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ بات اب برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ یہیں واپس آئے۔ وہاں سے وہ کہیں اور بھی جا سکتا ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

گفتگو کے دوران میں وہ دوسری مرتبہ چونکا اور بولا "بھارتی شہری بھی نہیں ہے؟"

بات آہستہ آہستہ ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے ذرا کھل کر کہا "ہاں، امریکی ہے۔"

"امریکی بہت بزدل اور محتاط ہوتے ہیں۔" اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الفاظ میں تحقیر کی ہلکی سی بُو نمایاں تھی "وہ خطرے سے آگاہ ہے تو ذرا مشکل سے ہی کسی دام میں آئے گا۔"

"یہاں وہ چوکنا رہتا تھا وہاں آرام سے گھیر لیا جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ کوئی اس کا پیچھا کرتا ہوا نئی دہلی تک پہنچ سکتا ہے۔"

اندر سے چائے کی ٹرے لے کر آنے والا معمر اور باریش مگر تن درست شخص ہمارے قریب آگیا۔ ہم تینوں کی خاموشی کے درمیان اس نے چائے کی پیالیاں تیار کیں اور واپس چلا گیا۔

چائے نوشی کے دوران میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اس کے باغ کی تعریف کی اور وہ انکساری سے ہمیں بعض بیش قیمت پودوں اور درختوں کے بارے میں بتانے لگا جو شہر میں ہی نہیں، ملک بھر میں نایاب تھے۔

چائے کا سلسلہ ختم ہونے پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم کل شام فون کرلو۔ میں کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بتادوں گا۔"

میں نے مایوسی اور قدرے حیرت سے کہا "کیا تمہاری طرف سے انکار کا امکان بھی ہے؟"

"موہوم سا!" اس نے بے پروائی سے کہا "دس پانچ لاکھ کے لیے میں اپنی اس جنت کو چھوڑ کر میدان میں نہیں نکل سکتا۔ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے ان کے حوصلے کا اندازہ لگانا ہے۔ امید یہی ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔"

"ہم بہت امیدیں لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ ضرورت ہو تو ہم اپنا فون نمبر چھوڑ دیں۔"

"کام تمہارا ہے، میرا نہیں۔ تمہاری غرض تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ تم خود ہی فون کرلینا۔ مجھے تمہارے کسی پتے یا ٹھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بہت بے خوف اور دلیر آدمی ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"جو آدمی سیدھا اور کھرا کام کرتا ہے، وہ اندر سے اسی طرح مضبوط ہوتا ہے۔"

"پھر بھی اندیشے تو ہوتے ہی ہیں۔ کوئی غلط آدمی بھی یہاں تک آسکتا ہے۔"

"وہ آکر کیا لے گا؟ میں کون سی ہیروئن کی تجارت کرتا ہوں۔ میں منشیات کے دھندے میں ہرگز ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہاں صرف باتیں ہوتی ہیں۔ باہر والوں کو کیا خبر کہ میں یہاں تم سے کیا بات کررہا ہوں۔" اس نے واضح سفاکانہ غرور کے ساتھ کہا "اور اگر کوئی آہی جاتا ہے تو پھر یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہاں چپے چپے پر میرے محافظوں کی نگاہیں رہتی ہیں۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو مگر یہ سب باتیں آنے والے کو متحیر اور مرعوب کرتی ہیں۔" میں نے کہا۔

اس نے اٹھ کر خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھادیا۔

ہمارے لیے وہاں رکنے کی مزید کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ملاقات کے خاتمے کے خاموش اعلان پر ہم نے الوداعی مصافحے کیے اور واپس چل دیے۔ اس وقت تک رستم کے باغ میں کھمبوں پر لگے ہوئے متعدد برقی لیمپ روشن ہوچکے تھے۔ دھندلکا پھیل جانے کے باعث باغ کا منظر کچھ اور خوشنما معلوم ہونے لگا تھا۔

رستم کی طرح اس کے گھر کے سارے ملازم بھی مہذب اور شائستہ تھے۔ باڑھ والے راستے کے باہر موجود محافظ نے ادب سے ہمیں رخصت کیا، پھاٹک پر ہمارے پہنچنے سے پہلے ریوالور تیار رکھے جو کسی تاخیر کے بغیر واپس کردیے گئے اور ہم بسیرا سے نکلتے چلے گئے۔

"اس کی شخصیت اپنی شہرت کے برعکس بہت اثر انگیز ہے۔" باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "یہ اگر

زندگی بدل دینے والی

خواتین اور مردوں کو ہمیشہ فٹ اور اسمارٹ رکھنے والی، گھریلو ورزش کی مشینیں موٹاپا ختم کرنے والی جاگنگ سائیکل، جمنازیم مشینیں۔ بنچ، بار بیل، ویٹ بار، ٹیبل ٹینس۔ نیز ٹی وی پر دکھائے جانے والے تمام فٹنس آئٹم مفت ٹریننگ ویڈیو اور بعد از فروخت گارنٹی کیساتھ

بلال برادرس

119-A سندھی مسلم سوسائٹی نزد طارق روڈ۔ کراچی

فون: 4531961 - 62

marksman

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیاب ہے تو اس کے اسباب میں اس کی ذات کا نمایاں دخل ہے۔"

وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت تھی۔ اس پوری ملاقات میں صرف ایک بات ہی قابلِ اعتراض تھی کہ رستم نے اپنے خوف ناک پیشے کو سیدھا اور کھرا قرار دیا تھا۔

بسیرا سے ہمیں ہوٹل پہنچنا تھا۔ واپسی پر کسی تعاقب وغیرہ کے اندیشے کے پیشِ نظر وہ بندوبست ضروری سمجھا گیا تھا مگر رستم اپنی دنیا میں مگن رہنے والا' ایک بے فکر انسان ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہمیں ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی نہ ہمارے بارے میں کسی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ واپسی پر ہمارے پیچھے سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔

ہمارے اس مشن کے بارے میں ویرا بہت زیادہ فکرمند تھی۔ اس کی رائے میں رستم دادا سے چھیڑ چھاڑ ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔ اس کی تسلی کے لیے میں نے راستے ہی میں اپنا موبائل فون آن کر کے سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔

اس نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر چند چٹ پٹی باتیں کیں۔ اس کے انداز سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ اول خان سے بات کر رہا تھا پھر اس نے فون مجھے تھما دیا۔

میں نے اسے ملاقات کی کامیابی کے بارے میں بتایا تو وہ کھل اٹھا۔ یہ بات ابتدا سے ہی ہمارے سامنے رہی تھی کہ رستم کی رضامندی کی صورت میں اوبرائن ڈی ہنٹ پر مہلک وار کر کے ہم امریکیوں کو ششدر کر سکتے تھے۔

ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد رات ڈھلے ہم وہاں سے اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان تینوں کو ہوٹل بلانے کا خطرہ مول لینے سے بہتر یہی تھا کہ ہم ان کے پاس چلے جاتے۔

ہماری واپسی کی سب سے زیادہ خوشی غزالہ کو ہوئی تھی۔ ہماری اور رستم کی ملاقات کے بارے میں وہ بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی مگر تفصیلات سن کر وہ بھی خوش ہو گئی۔ صرف سات لاکھ یا اس سے کچھ زائد رقم میں اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے موذی سے نجات حاصل کرنے کا سودا ہر اعتبار سے مسرت انگیز تھا۔

"احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رستم سے کوئی مفاہمت ہونے سے پہلے تم بخشی کے کان کھول دو۔" گفتگو کے دوران میں ویرا نے تجویز پیش کی "اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ تم کل اومان کے لیے روانہ ہو رہے ہو۔"

مجھے اس سے رابطہ کیے کئی دن ہو چکے تھے۔ اول خان اور سلطان شاہ نے بھی ویرا کی تائید کی۔ میں خود بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ میری غیر معمولی خاموشی بخشی کو میری طرف سے کسی جھلاہٹ میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کرنل جمال دستی والے کھیل کا اختتام کر دیا جائے۔

وقت کافی ہو چکا تھا مگر ایک فیصلے کے بعد رابطے کی کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ نمبر ملنے پر بخشی ہی نے فون اٹھایا اور میری آواز پہچانتے ہی خفگی سے پھٹ پڑا۔ وہ میری اور اس کی آخری دوستانہ گفتگو تھی۔ میں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ کیا اور جب اس کا لب و لہجہ معمول پر آ گیا تو میں نے فورس سے اپنی سبکدوشی اور اومان میں جبری تقرری کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کے لیے وہ خبر ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے اومان سے جان چھڑانے کے لیے تجویزیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ میں مایوسانہ انداز میں جواب دیتا رہا۔ جب ہر راہ مسدود ہو گئی تو اس کی آواز پر ناامیدی کا غلبہ ہو گیا "میں تمہارے لیے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ سب مل سکتا تھا' جو تم چاہتے ہو.... گرین کارڈ' بیس لاکھ ڈالر کا انعام اور آزادی.... میں نے تمہارا کام آسان کرنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ تم اب بھی حوصلہ کر کے فرار ہو جاؤ تو سب ممکن ہے۔ منظرِ عام پر آئے بغیر بھی تم سب کچھ کر سکو گے۔ ایس ٹی ایف کے درندے تمہارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"سامنے آئے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ مجھے افسوس ہے میجر کہ وقت کے سفاک ہاتھوں نے میری ہر آرزو کا گلا گھونٹ دیا ہے۔"

"ڈینی کی تلاش کا کام میں نے کسی اور کو سونپ دیا ہے۔" اس نے مجھے حوصلہ دینے کے لیے انکشاف کیا۔ "اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہیں بس اس کی مدد کرنی ہو گی۔ وہ اپنا مقررہ معاوضہ لے گا اور انعام تمہارا ہو گا۔"

معاوضے پر کسی اور کی خدمت کا ذکر آتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"شاید تم اسے نہ جانتے ہو۔ وہ انڈر ورلڈ کا بادشاہ ہے۔ رستم تمہارے ہر خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے۔"

وہ اس سے آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی زبان سے رستم کا نام سنتے ہی میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے پہلے رستم سے اپنے معاملات طے کر چکا تھا۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ڈیرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اولی خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلو پہنچے کا دلفگی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت راکے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے راکے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ وہ ہم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے راکے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشش کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس گئے مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اس انکشاف پر راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ اوو تھریل پاور اسٹیشن میں ہم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ راکے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ راکے ایجنٹوں نرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے ٹک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی انکشافات کے مطابق وہ براہ راست ٹک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ ٹک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسپورٹ بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ تکلیف تھی بدری کو ٹک کا تکلمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بھیجے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کام کا رابطے کا بہرے نے کے ساتھ لندن لانے ہو گیا۔ دوران سفر بدری موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچ جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی دن تھرنی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رخت سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنگش انکار پورپوریٹرز میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کرایہ ایٹی بلی گھر کو تربیل کیٹے گرے زوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصل جہنم کردیا۔ ٹک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موت کا شکار ہوا رنٹانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ڈینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ باس ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو نکرائی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچ کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اولی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اولی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اولی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ ای انٹا میں سلطان شاہ نے اس کی بالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر روداد میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور تھے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ میثم داس سمیت پکڑے گئے۔ میثم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبال بیان میں اولی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اولی ہنٹ اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی، میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا واؤالٹ گیا اور میں اسے دوست دیا کر کے اسٹیشن فورلے آیا۔ ایسے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈینی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھن راج کی گرفتاری کے لیے عرکوت جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رستم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کرایا کرتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اولی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی معطلی اور غیر ملک میں بے تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے نچلے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے رستم سے نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے بارے میں ابتدائی مذاکرات کیے تھے اور وہ اگلے دن مجھے اس بارے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے والا تھا مگر میجر بخشی اس سے پہلے ہی رستم کو میری تلاش پر مامور کرچکا تھا۔

فون پر میجر بخشی کا وہ انکشاف میرے لیے ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اس کے الفاظ نے فوری طور پر میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا لیکن میرا وہ ابتدائی ردِعمل زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ وہ موضوع میرے لیے اتنا سنگین تھا کہ میں نے شعوری کوشش کر کے اپنی پوری توجہ اس کی آواز پر مرکوز کردی۔ وہ میری تشویش سے بے خبر اپنی دھن میں بولے جارہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے ذرا سی ہمت کرلی تو رستم دو تین روز میں ہی ڈینی کی گردن میں پھندا ڈال دے گا تمہیں زیادہ دقت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دینا ہوگا۔" میجر بخشی کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس ذرا بھی وقت نہیں ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "یہ بندوبست چند روز پہلے ہوگیا ہوتا تو اب تک سارا قصّہ نمٹ چکا ہوتا۔ مجھے ہر قیمت پر صبح کی پرواز سے اومان کے لیے روانہ ہونا ہے میں اس پروگرام سے انحراف نہیں کرسکتا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تمہاری ذرا سی بے خوفی ہم تینوں کی سرخ روئی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اوپی کے سامنے میرا سر اونچا ہوجائے گا' وہ اپنے بدترین دشمن کو زیر کرلے گا اور تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل جائے گی۔" اس نے پرامید لہجے میں اصرار کیا۔

"تم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسی باتیں کررہے ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں حکم سے سرتابی کا تصور ناپید ہے۔ میں طے شدہ پرواز سے روانہ نہیں ہوا تو وہ مجھے اس دنیا سے ہی رخصت کردیں گے۔ دنیا کی کوئی بھی ترغیب مجھے یہ بھیانک خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔"

"اس وقت تمہاری باتیں عجیب اور ناقابل فہم ہیں۔" میجر بخشی کی آواز میں جھلاہٹ ابھر آئی "تم اتنے بزدل ہوتے تو بھول کر بھی ایس ٹی ایف سے بغاوت کا خیال اپنے دل میں نہ لاتے۔"

"تو کیا میں تم سے جھوٹ بول رہا تھا؟" میں نے تنک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"اگر پہلے سچ بول رہے تھے تو اب جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "تم نے بار بار اس طرح روپ بدلے ہیں کہ اب پھر مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم کرنل جمال دستی نہیں ہو۔"

"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم ڈینی فوبیا کے مریض ہو۔" اس بار میں نے بھی ترشی سے کہا "جب بھی تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تمہیں اپنے اردگرد ڈینی کا آسیب ناچتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ تمہاری دہشت دور ہوتی ہے تو تم دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آتے ہو۔"

"بکواس بند کرو۔ میں تمہیں اپنا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اس کارِ خیر کے لیے مجھے تمہاری کسی اجازت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اپنی بے سروپا باتوں اور حرکتوں سے تم اپنے آپ کو خود ہی مضحکہ خیز بنا لیتے ہو۔"

میرے لب و لہجے پر وہ سنبھل گیا۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فون پر اس انداز میں مجھ سے الجھ کر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

"اگر میں تمہاری مجبوری کو مان لوں تو پھر بھی تمہارے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ تم ڈینی کو پکڑوانا چاہتے ہو تو رات بھر میں بہت کچھ کرسکتے ہو۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اس وقت اشتعال اور غصے میں بالکل بے مغز باتیں کررہے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی قابلِ عمل تجویز ہے تو میں اس پر غور کرسکتا ہوں۔"

"میں اسی وقت رستم سے بات کرسکتا ہوں۔ اس کا کوئی آدمی صبح ہونے سے پہلے تم سے کہیں بھی مل سکتا ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں اپنی معلومات سے اسے آگاہ کردو۔ وہ لوگ تمہارے چلے جانے کے بعد بھی صحیح سمت میں اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔"

"رستم کا نام میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم یہ نام ایک' دھمکی' دھونس اور ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہو۔ سب سے پہلے مجھے اس کا حدود اربعہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ پتا چل جانے کے بعد میں اپنے آپشن دیکھوں گا۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ خود اپنے محفوظ قلعے میں محصور رہ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریں ہلاتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرلیتا ہے۔"

"ذرا سے بدلے ہوئے مفہوم کے ساتھ تم یہ خواص ڈینی سے بھی منسوب کرتے رہے ہو۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ رستم ڈینی کی ٹکر کا بلکہ اس سے بھی خوف ناک آدمی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے' وہ ہر حال میں رونما ہو کر رہتا ہے۔"

"اور تم اسے اپنے مقصد برآری کے لیے خرید چکے ہو۔" میں نے تائید چاہی۔

"میں یہ بھی بتا چکا ہوں۔ وہ ڈینی کو ایک دلچسپ شکار اور چیلنج سمجھ کر رضامند ہوا ہے۔ تم اومانی مصیبت کو ٹال سکو تو اس بار تمہیں بھی لطف آجائے گا۔"

"میری مجبوری ناگزیر ہے۔ تم اس سے بات کرلو۔ میں اس کے آدمی تک پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تمہیں میری نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم اس کے آدمی سے کہاں مل سکتے ہو؟" مجھے آمادہ پاتے ہی اس نے پوچھا۔

"شہر کا کوئی بھی بارونق علاقہ ہوسکتا ہے جہاں کسی کو ہم دونوں پر شبہ نہ ہو۔"

"تم نے اس سے ملنے کا وعدہ نہیں کیا' اپنی کوشش کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے مجھے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے؟"

"ایس ٹی ایف میں پہلے میری پوزیشن صرف مشکوک تھی مگر اب میرے مستقبل کا فیصلہ کیا جاچکا ہے اور میں کراچی میں صبح تک کا مہمان ہوں۔ اگر یہاں سے نکلنے پر کسی نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو میں رستم کے آدمی کا رخ نہیں کروں گا۔ کچھ دور جاکر واپس اسٹیشن فور پر لوٹ آؤں گا۔"

میرا وہ حیلہ بہت وزنی تھا۔ میجر بخشی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکا مگر اس نے یہ ضرور کہا کہ میں اس سے پہلے ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں تک پہنچتا رہا تھا۔

"ہر بار میں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرا پیچھا نہیں کیا جاتا تھا۔ آج رات بھی میدان صاف ہوا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ضرور وہاں پہنچوں گا۔"

"تم پر بار بار غصہ آنے کے باوجود میں نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں پُرامید ہوں۔" اس کی آواز سے رہی سہی تلخی بھی کافور ہوگئی "میں اس سے پروگرام طے کرتا ہوں۔ تمہیں اس کے مطابق مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔"

میں نے آدھے گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کرکے سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم اس سے جان چھڑانے کے بجائے اس معاملے کو بلاوجہ طول دے رہے ہو۔ رستم کے آدمی سے مل کر تم کو کیا فائدہ ہوگا؟" ویرا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ میری نہیں' اس کی تجویز تھی اور وہ اس پر اصرار کررہا تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "یک لخت رابطہ ختم کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر مجھے منطقی انداز میں اسے یہ یقین دلانا ہے کہ اب وہ کرنل بتال دستی کو پاکستان میں تلاش نہیں کرسکے گا۔"

"وہ رہ رہ کر ہر مرتبہ تمہارے اوپر شبہ کررہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کے آدمی سے ملاقات کے بہانے وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ ہوچکا ہے کہ وہ افہام و تفہیم کے ذریعے تمہیں اومان جانے سے نہیں روک سکے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اول تو میرا رستم کے آدمی سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس کی طرف سے کوئی قابلِ عمل تجویز آئی تو اس پر پورے غور و فکر کے بعد اور پوری تیاری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔"

"اس بار... آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔" غزالہ بولی "بھرے کلب سے آپ کے اغوا کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اب وہ کوئی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر پیار سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا "تم فکر مت کرو۔ میں جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"یہ دوسرا موقع ہے کہ میجر بخشی نے بالکل وہی سوچا ہے جو تم سوچ رہے ہو۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں تبصرہ کیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کلب میں طے ہونے والی آخری ملاقات میں تم اس کے اغوا کا منصوبہ لے کر گئے تھے اور وہ بھی تمہارے بارے میں یہی فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔"

"یہ اور بات ہے کہ پہل کرنے کا موقع ملنے کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکا۔" سلطان شاہ بولا "ہماری سیاسی اور سفارتی مجبوریاں آڑے نہ آئی ہوتیں تو وہ اب سے بہت پہلے نرگباش ہوکر جلتے بھنتے ہوئے گوشت کی بو سے لطف اندوز ہورہا ہوتا۔"

"اور اب رستم کے بارے میں بھی یہی ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "وہ اسے تمہارے پیچھے لگا چکا ہے اور تم اس سے اوبرائن ڈی ہنٹ کا کام تمام کروانا چاہ رہے ہو۔"

"یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میجر بخشی کی سوچ ہماری توقع سے زیادہ تیز ہے۔ یہاں دستیاب وسائل اور رابطوں سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔"

"اس کی قصیدہ گوئی میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ اب فون پر اس سے کیا بات کرو گے!" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے فکری سے جواب دیا "مجھے صرف اس کی بات سننی ہے اور ہمیشہ کے لیے اسے بھول جانا ہے۔ اس کی تجویز سودمند نظر آئی تو کچھ سوچا جائے گا ورنہ وہ سمجھ لے گا کہ میں کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکا۔"

"تمہاری سوچ بہت معقول اور واضح ہے۔" اول خان نے تعریف کی۔

"یہ بالکل بے مقصد سوچ ہے۔" ویرا نے حسبِ عادت اعتراض کردیا "تمہارے سامنے اب کوئی مقصد باقی نہیں رہا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم بخشی کے اسیر ہوکر رہ گئے ہو۔"

"تم کوئی بامقصد تجویز پیش کرو۔ میں مان لوں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"اس وقت بہترین صورت یہی ہے کہ ہم بخشی کو ماردیں اور اس افسانے کو یہیں ختم کردیں۔"

"یہ موضوع پہلے ہی ختم ہوچکا ہے۔ جوابی کارروائیوں میں ہم نہ جانے کیسے کیسے ہیروں سے محروم ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ نئی دہلی میں بخشی کے فون کا بدلہ ضرور لیں گے۔"

اول خان چائے کے لیے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ مزے دار چائے کی چسکیوں کے درمیان وقت بہت تیزی سے گزر گیا اور ان کی یادہانی پر میں دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

بخشی اپنے حصے کا کام نمٹانے کے بعد میری کال کا منتظر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے کہا "میری بات ہوگئی ہے۔ تم دو بجے تک بسیرا میں پہنچ سکتے ہو۔"

"بسیرا کیا بلا ہے؟" اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"تمہارے قائداعظم کے مزار کے سامنے پارسی کالونی آباد ہے جو پھیل کر سولجر بازار تک چلی گئی ہے اسی کے قلب میں بسیرا ایک مشہور محل نما عمارت ہے۔ شاید رستم وہیں رہتا ہے۔ اس کا آدمی وہیں تمہارا انتظار کرے گا۔"

"تم یہ سب جانتے ہو مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں صحیح آدمی تک پہنچا ہوں۔"

"مجھے اس دشواری کا اندازہ تھا۔ رستم فیلڈ میں کام کرنے والوں کو شاید اپنے گھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میری درخواست پر اس نے موسیٰ کو بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسے تم پہلی ہی نظر میں پہچان لوگے۔"

"میں کسی موسیٰ سے واقف نہیں ہوں۔" میں پھر انجان بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا حالانکہ ایس ٹی ایف کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ کلب میں اغوا کے دو طرفہ پروگرام کی پشت پناہی کے لیے میجر بخشی نے جن دو مسلح غنڈوں کو کلب کے لان پر بلایا تھا' ان ہی میں سے ایک کا نام موسیٰ تھا۔

"کلب میں موجود مسلح آدمیوں کی صورتیں تمہیں یاد ہوں گی' مونچھوں والے کا نام موسیٰ تھا۔"

"اس وقت اس کی صورت یاد نہیں' دیکھوں گا تو پہچان لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر پوچھا "مجھے رستم کا سامنا تو نہیں کرنا ہوگا؟"

"وہ بہت با اصول اور پیشہ ور آدمی ہے۔ غیر ضروری طور پر کسی کے سامنے آتا ہے نہ فضول باتوں میں وقت برباد کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں موقع محل کا جائزہ لے کر ابھی سے تیاری شروع کرتا ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہر قیمت پر وہاں پہنچنا ہے۔ اس میں کوئی فرد گزاشت ہوئی تو میں اومان میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ میں نے ابھی تک تمہیں اومان کے اس ہوٹل کا نام نہیں بتایا جس میں میری ملازمت کا بندوبست کیا گیا ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ وہاں تم روپوش ہو جاؤ گے۔ اومان بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ میرے آدمی ذرا سی دیر میں نام کے سہارے تمہارے کھوج نکال لیں گے۔"

اس بار میں قدرے زور سے ہنسا "یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ملازمت کے لیے میرا نام بدل دیا گیا ہے۔ فورس سے نکالے جانے کے بعد مجھے نئے نام اور نئی شناخت کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوگی۔"

میری ایسی باتیں اسے چڑانے کا سبب بن جاتی تھیں۔ فوراً ہی اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ تم جھوٹے ہو۔ دنیا کے سارے منفی اتفاقات تمہارے ساتھ ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ میں یہ بات ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔"

"اپنا خون نہ سلگاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا "یہ سب زمینی حقائق ہیں۔ تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دو بجے سے پہلے بسیرا میں پہنچ جاؤں گا۔"

"ابھی میں ہم سب کی عافیت ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی خفگی باقی تھی "یہ یاد رکھنا کہ اومان وغیرہ میں ہمارا نیٹ ورک بہت فعال ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ تم نے مخاصمت کی راہ اختیار کی تو زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔"

اس سے بات ختم ہوتے ہی میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا "موسیٰ اور ملنگ اس وقت کہاں مقیم ہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کینٹ کا ہوٹل ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ وہ وہیں ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ موسیٰ بسیرا پہنچے' اسے اٹھوا لو!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔" اول خان کے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی "ایس ٹی ایف والوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرتے کرتے میرے ہاتھ بیروں کو زنگ لگنے لگا ہے۔"

"جو کام بے خوف و خطر ہو کر سرانجام دیا جا سکتا ہے' اس کے لیے خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔ یہاں تم جتنی چاہو' اچھل کود کر سکتی ہو۔"

"نہیں!" ویرا اپنی ضد پر اڑ گئی "اپنی بے کاری اب مجھے کھلنے لگی ہے۔"

"ہم دونوں یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ہم نے جب سے اسٹیشن فور پر پناہ لی ہے' بستروں سے لگ کر رہ گئے ہیں۔"

"مجبوریوں نے ہمیں پابند کیا ہوا ہے۔ باہر دشمن ہماری گھات میں ہیں اور وہ ویرا کو بہت آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "مجھے پہچاننے والوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اصل دشمن اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو میدان چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی میں زندگی بھر خطرات سے کھیلتی رہی ہوں۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے بولنے کا موقع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیے بغیر کہا "ہم کب تک خوف زدہ چوہوں کی طرح اسٹیشن فور میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ اب ہمیں میدان میں نکلنا پڑے گا۔"

غزالہ بھی اسٹیشن فور کے یکساں شب و روز سے اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ہم نے اول خان پر غیر ضروری بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی نیا ٹھکانا ڈھونڈیں۔"

وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے ان کی ہم نوائی اختیار کرنے کا فیصلہ کر کے کہا "ٹھیک ہے، ہم تینوں ہی موسیٰ اور ملنگ کی خبر لیں گے۔"

"بسیرا کون جائے گا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "تم بخشی سے وعدہ کر چکے ہو۔"

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا بھی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "میرا اس حماقت میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے موسیٰ کو اٹھوانے کا ذکر چھیڑا تھا۔"

"موسیٰ وہاں نہیں پہنچے گا تو تمہارا جانا بھی غیر ضروری ہے۔" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "موسیٰ کے غائب ہونے سے بخشی الجھ جائے گا۔"

"گڈ!" ویرا خوش ہو گئی "میں بھی یہی کہتی ہوں۔ میجر بخشی کو سفارتی تحفظ حاصل ہے، اس کے خلاف کی جانے والی کسی بھی کارروائی کے انتقام کا خطرہ ہے لیکن دوسروں کو کسی خوشی میں بخشا جائے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ موسیٰ کے ساتھ ملنگ کو بھی اٹھا لیا جائے۔" سلطان شاہ بولا۔

"موسیٰ کو لانا ضروری ہے۔ ملنگ بھی ہاتھ آجائے تو وہ بونس ہو گا۔" میں نے کہا۔

"وہ بہت نچلی سطح کے مجرم ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنے سے کیا فائدہ ہو گا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کئی فائدے تو بالکل واضح ہیں۔ موسیٰ جب بسیرا نہیں پہنچے گا تو میجر بخشی کے ساتھ رستم کو بھی تشویش لاحق ہو جائے گی۔ بظاہر وہ نچلی سطح کے آدمی ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن اتنے اہم ضرور ہیں کہ بخشی کی فرمائش پر رستم ان میں سے ایک کو اپنے گھر بلانے پر آمادہ ہو چکا ہے۔"

"بخشی نے بسیرا میں میری اور موسیٰ کی ملاقات کا پروگرام آج بلکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے طے کیا ہے۔ یہ خبر بھی تازہ ترین معلوم ہوتی ہے کہ بخشی نے میری یعنی ڈینی کی تلاش کا کام رستم کو سونپ دیا ہے۔" میں نے کہا "جب کہ موسیٰ اور ملنگ کے نام کئی روز پہلے ہمارے سامنے آچکے تھے۔"

"اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"بخشی اور رستم کے درمیان پہلے سے مفاہمت چلی آرہی ہے...."

ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ موسیٰ اور ملنگ نے ہی بخشی اور رستم کے درمیان رابطہ کرایا ہو۔"

"میں خود یہی کہنا چاہ رہا تھا لیکن تمہیں پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑانے کا خبط ہے۔ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

"ان سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ وہ کلب میں کس کے ذریعے پہنچے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا "میجر بخشی نے اپنی پوزیشن کی وجہ سے خود سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہو گا۔"

"بہت سے سوالات ہیں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ایک بار ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ چل نکلے گا تو ہر بات خود بہ خود کھلتی چلی جائے گی۔"

"اب تم خود اس کام میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ ہو تو ویرا کو رک جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"کیوں؟ میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے جو مجھے روک رہے ہو؟" ویرا تلملا اٹھی۔

"عورتیں چار دیواری ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ باہر نکل کر وہ موہنی پنڈت بن کر رہ جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "خلقِ خدا فساد میں مبتلا ہونے لگتی ہے۔"

"تمہاری ایسی کی تیسی، تھوڑی دیر پہلے میں نے بات چھیڑی تو سب سے پہلے تم خود میرے ساتھ نکلنے پر آمادہ تھے۔ اب مجھے دودھ سے مکھی کی طرح الگ کر رہے ہو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ میری اصولی رائے تھی کہ اب ہمیں جمود کو توڑنے کے لیے خود میدان میں اترنا چاہیے۔ یہ کام مردوں کو ہی زیب دیتا ہے۔"

"کیا تم اس کی رائے سے متفق ہو؟" مجھے خاموش پا کر ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

ویرا کے چہرے پر بے بسی اور جھنجلاہٹ کے آثار اتنے گہرے تھے کہ میں کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جوں ہی ویرا کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ سنجیدگی سے کیے جانے والے مذاق میں خود کو تماشا بنا چکی ہے، وہ مُکّا تان کر خفت آمیز انداز میں سلطان شاہ کی طرف لپکی اور وہ دوڑ کر دفتر سے نکل گیا۔

○☆○

کینٹ کا وہ ہوٹل اسٹارز کے لحاظ سے کسی قطار و شمار میں نہیں تھا مگر نچلی منزل پر واقع ہوٹل کے صاف ستھرے ریستوران کے خوابیدہ سے ماحول میں قدم رکھتے ہی مجھے ایک خوشگوار ذہنی جھٹکا لگا۔ ریستوران میں تزئین، آرائش، صفائی اور سروس کا معیار بہت بہتر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہاں تو ساری ہی لمبی چوڑی میمیں بھری ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ بیشتر میزوں پر مغربی لباس میں ملبوس گراں ڈیل، سفید فام عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر میرے کان کے نیچے منمنایا۔

"اچھا ہے۔ ویرا آسانی سے ان روسی عورتوں میں گھل مل جائے گی۔" اسے جواب دیتے ہوئے میں ایک گوشے کی طرف ہولیا جہاں دو میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔

ریستوران میں چہل پہل اور رونق کے باوجود متعدد میزیں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں۔ سبب یہ تھا کہ بعض آباد میزوں کے گرد گنجائش سے زیادہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر ملے جلے چہرے موجود تھے۔ ہوٹل میں بیشتر مرد مقامی ہی تھے۔ سفید فام مردوں کی تعداد خاصی کم تھی۔

"اس علاقے کے ہوٹل میں اتنی غیر ملکی عورتوں کی موجودگی پر تمہیں حیرت نہیں ہے۔" کرسی سنبھال لینے کے بعد سلطان شاہ نے دوبارہ اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"اگر تم باقاعدگی سے اخبارات پڑھتے رہو تو ایسے مشاہدوں پر تمہیں بھی حیرت نہیں ہوگی۔ یہ سب روسی ریاستوں اور پاکستان کے درمیان پھیرے لگا کر دو طرفہ اسمگلنگ کرنے والیاں ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "مال سے بھرے ہوئے سوٹ کیس ان کے کمروں میں ہوں گے۔ یہ یہاں اپنے متوقع گاہکوں سے ابتدائی سودے کررہی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ سب کی سب اسی ہوٹل میں جمع ہوگئی ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"سیزن میں صدر سے یہاں تک کے سارے متوسط ہوٹل ان ہی بنجاروں اور بنجارنوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ریاستوں سے برقی اور الیکٹرونک سامان کی بڑی بڑی کھیپیں لا کر یہاں بیچتی ہیں اور یہاں سے سستے اونی اور چرمی ملبوسات اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔"

"مرد تو پھر بھی قمیص پتلونوں میں ہیں لیکن عورتوں کے کپڑے بے حیائی کی حد تک ناکافی ہیں۔" سلطان شاہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا "انہیں ایسے کپڑوں میں شرم نہیں آتی؟"

"یورپ اور امریکا والوں کی طرح ان کی معاشرت میں بھی شرم حیا کا گزر نہیں ہے۔ پھر یہ ان کے کاروباری حربے بھی ہیں۔ غور سے دیکھو کہ ان سے مذاکرات کرنے والے پاکستانی خریدار اور دکان دار کیسے ندیدے پن سے انہیں گھور رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ پاکستانی مرد گوری چمڑی پر مرتے ہیں۔"

"ہم دونوں بھی پاکستانی مرد ہیں اور دن رات ویرا جیسی آزاد خیال عورت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔" اس نے ملامت بھرے لہجے میں یاد دلایا۔

"میں سب کی نہیں، اوباش فطرت مردوں کی بات کررہا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"لعنت ہو ان موٹی اور لمبی چوڑی چڑیلوں پر۔ بدن کی نمائش سے دنیا میں کون سا کاروبار ہوتا ہے؟"

"غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کا سارا کاروبار وجود زن سے ہی چل رہا ہے۔ شیونگ بلیڈ سے لے کر تعمیراتی سریا تک خوب صورت عورتوں والے اشتہاروں کے ذریعے بیچا جارہا ہے۔"

"اشتہاروں کی اور بات ہے۔ یہاں تو یہ خود...." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اشتہاروں سے ہٹ کر بھی تمہیں جگہ جگہ خوش لباس اور خوب رو سیلز گرلز نظر آئیں گی۔ یورپ میں تو لوگ مردانہ انڈر گارمنٹس بھی ان ہی دکانوں سے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں کاؤنٹر پر لڑکیاں خریداروں سے ان کی ضروریات معلوم کرتی ہوں۔"

"یہ یورپ کا کوئی شہر نہیں، کراچی ہے۔ یہاں یہ سب عجیب معلوم ہورہا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ اسمگلنگ اور تجارت کے بجائے براہِ راست جسم فروشی ہی شروع کردیں۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "ان میں کچھ پارسا بھی ہوتی ہوں گی مگر ان کی عمومی شہرت یہی ہے کہ خرید و فروخت کے دوران میں انہیں اپنے وقت کا کوئی معقول خریدار مل جائے تو یہ اسے بھی مایوس نہیں کرتیں۔ خوشی سے ایسی اضافی آمدنی کو قبول کرلیتی ہیں۔ ہر قیمت پر پیسہ کمانے کا اصول ان کی خوش حالی کا راز ہے۔"

"لباس کے اعتبار سے تو مجھے ان میں سے ایک بھی پارسا نظر نہیں آتی۔ وہ گھوم پھر کر دوبارہ اپنے پرانے نکتے پر لوٹ آیا جو اسے پریشان کررہا تھا۔

"یہ برفانی علاقوں کی رہنے والیاں ہیں۔ ہمارے قوانین ان کی راہ میں مانع نہ ہوں تو یہ شاید صرف ستر پوشی پر ہی اکتفا کریں۔ ہر علاقے کے لوگوں کی موسمی ضروریات جدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے گرم اور مرطوب موسم میں تمہیں ان کو تھوڑی سی رعایت دینی ہی ہوگی۔"

اسی دوران میں ویٹر ہمارے لیے چائے اور سینڈوچز لے آیا اور ہم خاموشی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف ہوگئے۔ سلطان شاہ کی بے چین نگاہیں بار بار گرد پیش کا طواف کررہی تھیں۔ ہال کی بند فضا میں رچی ہوئی بُو سے مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ ملک میں شراب نوشی و فروشی پر پابندی ہونے کے باوجود غیر ملکیوں کی آڑ میں وہاں شراب نوشی جاری تھی۔ ریستوران میں الکحل کی تیز بُو، بہکی ہوئی مخمور نظروں اور بات بے بات پر بلند ہونے والے اضطراری قہقہوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہاں کچھ اور حجاب سرک جائیں گے۔

ہم دونوں اس ہوٹل میں کسی خاص پروگرام کے تحت نہیں پہنچے تھے۔ بس ویرا کی ضد تھی کہ وہ موسیٰ اور ملنگ کو اپنے طور پر پھانسے گی۔ وہ ہم سے گاڑی کی چابی لے کر ان دونوں کے ہوٹل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلی گئی تھی۔ ہم وقت گزاری کے لیے برابر والے اس ریستوران میں گھس گئے تھے جہاں عملی طور پر روسی خواتین غالب تھیں۔

ہمیں اس ریستوران میں نصف گھنٹا گزارنا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمیں ہر حال میں گاڑی کے پاس یکجا ہونا تھا۔ ویرا اپنے مشن میں کامیاب ہوتی تو ان دونوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ہمارا انتظار کرتی۔ ناکامی کی صورت میں اسے بے نیل و مرام واپس لوٹ آنا تھا۔

مقررہ وقت پر ہم دونوں ریستوران سے نکلے تو ویرا خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی' سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ عقبی نشستوں پر کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہم دونوں بے خوف ہو کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ دروازے کے لیور کی آواز سن کر ویرا نے میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی جس میں کامیابی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو کسی ٹیکسی سے اسٹیشن فوراً روانہ کردیا ہے۔" سلطان شاہ نے عقبی نشست میں گھستے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

"زیادہ چہکنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے اس کی طرف مڑ کر تیزی سے کہا "میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ موسیٰ کو دو بجے سے بہت پہلے بسیرا پہنچنا ہے۔ اس وقت وہ دونوں کسی حور پر بھی توجہ نہیں دے سکیں گے۔"

"ماشاءاللہ!" سلطان شاہ نے پھر کُرا طنز کیا "تو اب تم خود کو حور سمجھنے لگی ہو۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ جہنم میں حوریں نہیں' چڑیلیں ہوتی ہیں...."

ویرا نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کرکے مجھ سے کہا "ان کا ہوٹل مشتبہ سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ ہوٹل کا عملہ ان حرکتوں میں پوری طرح ملوث ہے۔ انٹر کام پر موسیٰ سے میری ناکام گفتگو کے بعد ہوٹل کے منیجر نے مجھے دو ہزار روپے کے عوض رات ہوٹل میں بسر کرنے کی پیشکش کی تھی۔"

"اور تم اپنی یہ تذلیل سہہ کر خاموشی سے واپس آگئیں؟" سلطان شاہ کھول اٹھا۔

"میں گھر سے ایک مشن لے کر نکلی ہوں۔ تمہاری طرح جذبات کی رو میں آکر عقل کو خیرباد نہیں کہتی۔" ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا "گھر سے قدم نکالنے والی عورتوں کو مغرب کے آزاد معاشرے میں بھی کبھی کبھار ایسے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے مردوں کی عقلوں پر صرف ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو ہر اکیلی عورت کو برائے فروخت تصور کرتے ہیں۔ ہوٹل کے منیجر کو بھی میں نے ایسا معذور سمجھ کر معاف کردیا اور واپس چلی آئی۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے اس ناخوشگوار موضوع کو یکسر بدل دیا۔

"انتظار۔" ویرا نے کہا "وہ کسی بھی وقت بسیرا کے لیے روانہ ہوسکتا ہے۔ میری ناکامی کے بعد اس پر راستے میں ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

"تم نے انٹر کام پر موسیٰ سے کیا بات کی تھی؟" سلطان شاہ کا ذہن بدستور ویرا کی توہین میں الجھا ہوا تھا جب کہ ویرا کے لیے اس واقعے کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"تم ذہنی طور پر ابھی تک ننھے سے جذباتی بچے ہو۔" ویرا قدرے غصے سے بولی "اس قماش کے ہوٹلوں میں رہنے والوں کو اجنبیوں کی طرف سے کال ملنا عام سی بات ہے۔ وقت اور موڈ ہو تو کچھ نہ کچھ طے ہوجاتا ہے ورنہ ہلکی سی معذرت اور کریڈل دبانے سے بات ختم ہوجاتی ہے۔ میں نے بھی یہی ترکیب آزمائی تھی۔"

"تمہیں موسیٰ کے کمرے کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟" سلطان شاہ کی تسلی نہیں ہورہی تھی۔

"نام بتا کر کاؤنٹر سے کسی کا بھی کمرا نمبر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اتنی معمولی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اب بات سمجھ میں آرہی ہے۔" سلطان شاہ نے افسوس سے سرہلاتے ہوئے کہا "تم نے اس سے گھٹیا اور بازاری باتیں کی ہوں گی اسی وجہ سے ہوٹل کے منیجر کو ہمت ہوئی کہ دو ہزار روپے میں تمہیں رکنے کی دعوت دے۔ تم ہم لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر چڑنے لگتی ہو اور اپنی مرضی ہو تو اپنے مقام سے اس قدر گر جاتی ہو اس کے باوجود تمہیں ذلت کا احساس نہیں ہوتا۔"

"اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کبھی نہیں شرمانا چاہیے۔ عزت اور ذلت دوسروں کے دینے سے نہیں ملتی۔ یہ انسان کا اپنا' اندر کا احساس ہوتا ہے جو اسے بلند یا سرنگوں رکھتا ہے۔ یہ سارے فلسفے مجھے میرے مربّی اور اتالیق' ژان مرسیانو نے سکھائے تھے۔ کبھی فرصت ہو تو ڈینی سے اس کی کہانی سن لینا۔"

"اس پر راستے میں ہاتھ ڈالنے میں کام بگڑنے کا خطرہ ہے۔" ویرا سے مایوس ہو کر سلطان شاہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "موسیٰ تمہیں پہچانتا ہے۔ دیکھتے ہی بدک جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" میں نے مسکرا کے کہا "آج وہ حریف نہیں' حلیف ہے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے ہی بسیرا کی طرف جائے گا۔"

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کو رہ رہ کر ویرا والا قصّہ یاد آتا رہا۔ وہ کڑھتا رہا اور ویرا بے پروائی سے اسے سلگانے والے جواب دیتی رہی۔

جوں ہی برابر والے ہوٹل کے دروازے سے موسیٰ باہر آیا' میں اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ کچھ فاصلے پر واقع ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جارہا تھا۔

اس کے پاس اپنی سواری کے ذریعے کا نہ ہونا میرے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تشویش کا باعث تھا۔ اس طرح ہماری کارروائی میں ایک غیر متعلقہ اور غیر ضروری فریق شامل ہو سکتا تھا۔ کسی وجہ سے بات بگڑ جاتی تو ٹیکسی ڈرائیور کی گواہی ہمارے لیے کوئی نہ کوئی دشواری پیدا کر سکتی تھی۔

ویرا کو گاڑی پارکنگ سے نکال کر موسیٰ تک پہنچنے میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے صورتِ حال بھانپتے ہی دروازہ کھول کر اپنی نشست چھوڑ دی اور موسیٰ کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سن کر موسیٰ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ چوکنے انداز میں تیزی سے پلٹ پڑا۔

اس وقت میں نے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اس قدر نمایاں تھیں کہ انہیں اس کی اکلوتی شناخت قرار دیا جا سکتا تھا۔ سیاہ مونچھوں تلے اس کے ہونٹ تیر زدہ دائرے کی صورت میں سکڑ گئے تھے۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوف کے لہریے تیرنے لگے۔ اس کا داہنا ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ جیب کی طرف گیا تھا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں، موسیٰ!" میں نے دور ہی سے سرزنش کے انداز میں اتنی اونچی آواز میں کہا کہ میرے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ اس اعلان کے ساتھ میں نے اپنے دونوں خالی ہاتھ تقریباً شانوں کی بلندی تک اٹھا لیے تاکہ وہ میرے دعوے کی پختگی خود تصدیق بھی کر سکے۔

وہ چلتے چلتے مڑ کر رک چکا تھا، میں اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ میری دوڑ زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن رفتار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس بڑھ گیا تھا۔ میں اس کے سامنے رک کر سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تت.... تم اِس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کا داہنا ہاتھ جیب میں پوشیدہ کسی آتشیں ہتھیار پر جما ہوا تھا مگر پھر بھی خوف سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"مم.... میں.... تم سے مل.... ملنے آیا تھا۔" میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ اب پروگرام بدل گیا ہے...."

"کیا پروگرام بدلا ہے....؟ مجھے کسی تبدیلی کا علم نہیں ہے۔" اس کی خوف زدہ اور اشتباہ آمیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ اب تم بسیرا نہیں جاؤ گے۔ ہم یہیں گاڑی میں گھوم پھر کر اپنی باتیں کریں گے پھر تمہیں تمہارے ہوٹل پر چھوڑ دیا جائے گا۔" میں نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۷ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بیگانگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۱۴۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے

نِک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور چور نِک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چُراتا ہے۔
قیمت فی جلد ۱۵۰ روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سید منشی، بلیو ایریا اسٹریٹ ۱۱ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی کے بعد بولا "مجھے اپنے بڑے کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا۔ میں تمہارے کہنے سے اپنا پروگرام نہیں بدلوں گا۔"

"تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا" میں نے پُرامید لہجے میں کہا "مجھے دو بجے تک بسیرا پہنچ کر تم سے ملنا تھا۔"

رفتہ رفتہ اس کا اعتماد بحال ہو چلا تھا۔ اس نے نخوت بھری آواز میں کہا "میں خواب میں دیکھے ہوئے چہرے بھی برسوں نہیں بھولتا۔ تم تو زندہ انسان ہو۔ تمہارا نام کرنل جمال دستی ہے۔"

میرے دوڑ کر اُس تک پہنچنے کی وجہ سے قرب و جوار میں موجود کئی افراد اور راہ گیروں کی توجہ ہماری طرف مبذول ہوئی تھی مگر ہمارے درمیان کوئی تصادم ہونے کے بجائے' پرسکون مذاکرات کے آغاز پر سب نے ہمیں نظرانداز کردیا تھا۔ اس وقت کوئی بھی خاص طور سے ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"گڈ!" میں نے اس کی یادداشت کی تعریف کی اور اسے مرعوب کرنے کے لیے اس کے بڑے کا نام لیتے ہوئے کہا "میرے باس نے رستم دادا سے بات کرکے چند منٹ پہلے مجھے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ رستم کا فون آنے تک تم اپنا ہوٹل چھوڑ چکے ہو۔ چاہو تو میں اپنے موبائل فون پر رستم سے تمہاری بات کرا سکتا ہوں۔ صرف جگہ کی تبدیلی پر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بسیرا پہنچ کر بھی تمہیں مجھ سے ملنا تھا۔ اس وقت میں خود تمہارے روبرو موجود ہوں۔"

"کیا تم باہر رک کر میرے ہوٹل کی نگرانی کررہے تھے؟" اس نے پوچھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وقت پر آگیا ہوتا تو ہوٹل ہی میں تم سے مل لیتا۔ بس ابھی ابھی پہنچا ہوں۔ گاڑی سے اترتے ہی تم پر نگاہ پڑی تو میں نے بوکھلا کر دوڑ لگا دی۔"

میرے برجستہ جواب نے اسے مطمئن کردیا "تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

"اُدھر۔" میں نے ہاتھ سے موہوم سا اشارہ کیا۔ گاڑی کی نشان دہی میں خطرہ تھا کہ وہ ویرا اور سلطان شاہ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہی بھڑک جاتا۔ کیونکہ اسے صرف مجھ سے ملنا تھا۔ میرے ساتھ کسی کی موجودگی بنیادی پروگرام سے میل نہیں کھاتی تھی۔

"تمہارے باس کا کیا نام ہے؟" اس نے میری بتائی ہوئی سمت میں قدم بڑھاتے بڑھاتے اچانک رک کر سوال کیا۔

"باس صرف باس ہوتا ہے۔" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "تم نے اپنے بڑے کا نام نہیں لیا تھا' میں اپنے باس کا نام لینے سے قاصر ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے میرے ساتھ چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی میں سے وہ دونوں ہمارا جائزہ لے رہے ہوں گے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ میرے ساتھ موسیٰ کو دیکھ کر وہ موقع کی نزاکت بھانپ لیں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے گاڑی چھوڑ دیں۔

ہم اسٹریٹ لائٹس اور بڑے بڑے روشن اشتہاروں کے تیز انعکاس سے گزر کر قدرے تاریکی میں داخل ہوئے تو موسیٰ بولے بغیر نہ رہ سکا "تمہاری گاڑی کتنی دور کھڑی ہوئی ہے؟"

"بس' وہ نظر آرہی!" میں نے تیزی کے ساتھ دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ اس وقت تک میں نے دیکھ لیا تھا کہ ویرا یا سلطان شاہ نے گاڑی نہیں چھوڑی تھی۔

وہ خاصی نازک چویشن تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کے لیے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ میں نے اپنے حریف کو کس طرح شیشے میں اتارا ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ اطمینان سے اپنی جگہوں پر براجمان تھے۔

میں نے دھیرے سے موسیٰ کو ٹوکا "ہر بات کا یقین کرلینے کے باوجود تمہارا داہنا ہاتھ جیب میں موجود کسی ہتھیار پر جما ہوا ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اپنی ضرورت کو میں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ تم گاڑی چلاؤ گے تو میں ہاتھ نکال لوں گا۔"

اس کے جواب کے ایک ایک لفظ سے خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ آخری لمحات تک محتاط رہنے کا پختہ عزم کرچکا تھا اور یہ فرض کرچکا تھا کہ گاڑی میں میرے اور اس کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہوگا۔

میں نے انگوٹھے کی مدد سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی میں موجود ربر کیپسول والے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمانا شروع کردیا۔ اس کی ہنگامی ضرورت کسی بھی لمحے پیش آسکتی تھی۔

"تم کہاں لیے جارہے ہو مجھے؟ تمہاری گاڑی کہاں ہے....؟" مزید کچھ آگے بڑھ جانے کے بعد موسیٰ نے بھڑکے ہوئے اور اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت تک ہم خاصی تاریکی میں آچکے تھے اور گاڑی اتنے قریب تھی کہ میں ویرا کے چہرے پر گہری دلچسپی کی علامات بخوبی دیکھ رہا تھا۔

"بب.... بس.... یہی گاڑی ہے میری۔" موسیٰ کی چبھتی ہوئی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں مجھے کہنا پڑا۔

بجلی کی سی سرعت سے موسیٰ کا داہنا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا اور پھر فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے مہیب ریوالور کی ایک جھلک دیکھی اور اگلے ہی لمحے فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

"میں مار دوں گا تم سب کو۔" موسیٰ کے حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ آزاد ہوئی پھر اس کا فضا میں اٹھا ہوا داہنا بازو' بدن سے دور' فضا میں نیچے آنے لگا۔

میری رگوں میں لہو منجمد سا ہونے لگا۔ اس نے گاڑی میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجنبی چہروں کو دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ میں اس کو کوئی فریب دے رہا تھا۔ اس نے پہلا ہوائی فائر شاید اضطراری حالت میں کیا تھا اور اگلا فائر نشانہ لے کر ان میں سے کسی پر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

واقعات میں یکایک بہت تیزی آگئی۔ سلطان شاہ غوطہ مار کر عقبی پائیدان میں دبک گیا۔ ویرا دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر کود گئی۔ ہم لوگ اندھیرے میں تھے اس لیے کسی کو اصل واقعے کا علم نہیں ہو سکا تھا مگر دھماکے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہراس اور بھگدڑ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

موسیٰ کے تنے ہوئے بازو کے سرے پر موجود ریوالور کی نال آسمان سے گاڑی کی سمت آرہی تھی کہ میں نے اچھل کر موسیٰ پر حملہ کر دیا۔

نگینے کی صورت کا ربر کیپیول میری ہتھیلی کے رخ پر موجود تھا۔ میرے داہنے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ پُرشور آواز کے ساتھ موسیٰ کی گردن پر پڑا۔ تھپڑ کے دباؤ سے کیپیول میں موجود سریع الاثر محلول باریک سوئی کے ذریعے موسیٰ کی گردن میں منتقل ہوا اور اس کا داہنا ہاتھ اچانک ہی بے جان ہو کر اس کے پہلو میں جھول گیا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے کسی بے جان مجسمے کی طرح اسی غیر فطری سی حالت میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گونج دار دھماکے سے زمین پر گر گیا۔

ان چند ثانیوں میں میری پوری توجہ موسیٰ پر مرکوز رہی تھی اس لیے مجھے یہ علم نہیں ہو سکا کہ سلطان شاہ کب گاڑی سے نکل کر دیوانہ وار ہماری طرف لپکا تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ موسیٰ کے زمین پر گرتے ہی اس نے میرے بے ہوش شکار کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی مردہ چوپائے کی طرح گاڑی کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ اگلے ہی لمحے میں ویرا ابھی اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ گئی۔

میں نے زمین پر سے موسیٰ کا ریوالور اٹھایا تو اس کی نال قدرے گرم تھی۔ ریوالور جیب میں ڈال کر میں آگے بڑھا تو وہ دونوں موسیٰ کے بے حس و حرکت وجود کو پچھلے دروازے سے پائیدان میں ڈال رہے تھے۔

وہ دونوں اپنا کام مہارت اور خوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ انہیں میری کسی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت زیادہ ضروری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ جائے واردات سے فوری طور پر فرار کی راہ اختیار کی جائے ورنہ دوسرے مسائل اس کامیابی کو خاک میں ملا سکتے تھے۔

وہ شہر کے قلب سے بہت نزدیک ایک حساس علاقہ تھا۔ رات زیادہ ڈھل جانے کی وجہ سے اسٹیشن جانے اور وہاں سے آنے والے راستوں پر ٹریفک اور مسافروں کی غیر معمولی بھیڑ بھاڑ دم توڑ چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شور کی کمی کی وجہ سے فائر کا شور دور تک سنا گیا ہوگا۔ پولیس کو اس طرف متوجہ ہونے میں دیر لگتی تو قرب وجوار میں واقع فوجی دفاتر یا عسکری اپارٹمنٹس کے آس پاس مامور ملٹری پولیس کسی بھی لمحے وہاں پہنچ کر ہمیں گھیر سکتی تھی۔

میں وقت ضائع کیے بغیر پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوا اور اگنیشن میں موجود چابی کی مدد سے انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"فوراً نکل چلو۔" عقبی دروازہ بند ہونے کی پُرشور آواز کے درمیان ویرا نے تیزی سے کہا اور میں نے اسی لمحے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عجلت میں شاید وہ دونوں ہی موسیٰ سمیت پچھلی سیٹ اور اس کے پائیدان میں سما گئے تھے۔ میں نے ویرا کی ہدایت کے بعد گاڑی میں سلطان شاہ کی موجودگی کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ویرا اس کے بغیر وہاں سے روانگی کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔

ہماری گاڑی تقریباً نصف دائرے میں گھوم کر سڑک پر نکلی ہی تھی کہ فضا میں کہیں پولیس سائرن کا شور گونجنے لگا۔ خواہش اور اضطراری کیفیت کے باوجود میں نے گاڑی کی رفتار بڑھانے کی حماقت نہیں کی۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے نیول پولیس کی ایک تیز رفتار جیپ نمودار ہوئی۔ سائرن بند تھا مگر اس کی چھت پر سرخ روشنی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔

"گاڑی کی رفتار بڑھا کر جلد از جلد اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرو۔" جیپ کے گزر جانے کے بعد پیچھے سے سلطان شاہ کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

"نہیں!" ویرا نے سختی سے اس کی تجویز مسترد کر دی "اسی نارمل رفتار سے چلتے رہو۔ دیکھو! سامنے سے ایک اور گاڑی ایمرجنسی لائٹس جلاتی ہوئی آرہی ہے۔"

مجھے بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے جس کام کو بہت آسان سمجھ کر اسٹیشن فور سے سفر کا آغاز کیا تھا' وہ آخری مراحل پر یکایک بہت کٹھن ہو گیا تھا۔ مجھ سے چوک یہ ہوئی تھی کہ میں نے موسیٰ کی پھرتی کا اندازہ لگانے میں مار کھائی تھی اور اسے میرے وار سے پہلے ایک ہوائی فائر کر کے معاملات بگاڑنے کا موقع مل گیا تھا۔

کاشف سینٹر اور مہران ہوٹل کے درمیان سے شارع فیصل پر مڑنے تک ہمیں مزید دو سرکاری گاڑیاں نظر آئیں جو تیزی سے کینٹ اسٹیشن کی طرف جا رہی تھیں۔ شارع فیصل پر ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے کے بعد میں نے اطمینان کا پہلا گہرا سانس لیا۔ اس سڑک پر نکل آنے کے بعد ہم خطرے کی حدود سے خاصی دور نکل آئے تھے۔

ایک لمبے تعطل کے بعد ہم تینوں ایک ساتھ کسی کارروائی میں شریک ہوئے تھے اس لیے موسیٰ کے اغوا کے اس واقعے میں خاصی سنسنی محسوس ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک تینوں ہی خاموشی سے اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے پھر ویرا نے جمود توڑنے میں پہل کی۔

"اگر ہم دونوں گاڑی سے اتر کر الگ کھڑے ہو گئے ہوتے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائر اور بد مزگی کی نوبت نہ آتی۔"

"تمہیں بروقت یہ خیال آگیا ہوتا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلتا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ تم دونوں کو دیکھتے ہی اسے خطرے کا احساس ہوا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ اس بھیانک تجربے سے گزرنے کے بعد کا خیال ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا "اس وقت میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اسے کیسے رام کیا ہوگا۔"

"وہ مجھے پہچانتا تھا۔ یہ بات میرے لیے سود مند بھی ہو سکتی تھی اور خطرناک بھی۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ کسی مجبوری کی وجہ سے مجوزہ ملاقات کا مقام تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس عذر میں تم دونوں کی موجودگی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے ہو جانی چاہیے تھی۔" سلطان شاہ نے زبان کھولی "ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہم اندھا دھند کوئی قدم اٹھا لیتے ہیں اور پھر عین وقت پر فیصلے ہوتے ہیں۔"

"اس میں میری غلطی تھی۔" ویرا نے جھٹ ذمے داری قبول کر لی "میرا خیال تھا کہ میں آسانی سے ان دونوں کو ان کے ہوٹل سے نکال لاؤں گی۔"

"ہم دونوں کو اٹھانے کے چکر میں تھے مگر اب ایک پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔" سلطان شاہ کی آواز ابھری "پتا نہیں یہ ان دونوں میں سے کون ہے۔"

اس نے براہِ راست سوال کرنے کے بجائے خوب صورت انداز اختیار کیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا "فکر مت کرو۔ میں پہچان کر صحیح آدمی کو لایا ہوں۔ یہ مونچھوں والا موسیٰ ہے۔"

"بانگ پھر بھی رہ گیا۔" اس نے ہلکے سے تاسف کے ساتھ تبصرہ کیا۔

"ایک بھی کافی ہونا چاہیے۔" ویرا فوراً بول پڑی "یہ دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" بلکہ موسیٰ زیادہ اہم ہے کیونکہ رستم نے اسے اپنے گھر بلایا تھا۔"

"مجھے اس لڑائی کا رخ اب میجر بخشی سے رستم کی طرف ہوتا نظر آرہا ہے۔" وہ بولا۔

"یہ بھول کر بھی نہ سوچنا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "ہم رستم کے ذریعے اوبرائن کا پتہ صاف کرنا چاہ رہے ہیں۔ جب تک یہ کام نہیں ہو جاتا، ہم اس سے کوئی مخاصمت مول نہیں لیں گے۔"

"مخاصمت کی بنیاد تو پڑ ہی گئی ہے۔" ویرا بولی "رستم اس کا آدمی ہے۔ وہ مقررہ وقت تک بسیرا نہ پہنچا تو وہ غصے کے عالم میں چھان بین کی ابتدا کرے گا اور صبح نمودار ہونے سے پہلے اسے یہ علم ہو جائے گا کہ موسیٰ کو ہوٹل سے نکلنے کے بعد اٹھایا جا چکا ہے۔"

"یہ قبل از وقت قیاس آرائی ہے۔ وہاں ایک گولی ضرور چلی تھی مگر اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو شاید یہ معلوم نہیں ہو سکا ہوگا کہ فائر کے بعد کسی کو بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اپنی سوچ بچار کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے کہا۔ کسی طرح اسے اغوا کا علم ہو بھی جائے تو یہ کسی طرح پتا نہیں چل سکے گا کہ اغوا کرنے والے کون لوگ تھے۔"

"تمہارا آخری نکتہ بہت دور رس ہے۔" ویرا کی پرجوش آواز ابھری "یہ کام ہم لوگوں نے بہت خاموشی سے سرانجام دیا ہے اور فوجی و غیر فوجی پارٹیاں معمول کے مطابق جائے واردات پر پہنچ کر پوری سرگرمی سے فائر کے واقعے کی تفتیش کر رہی ہوں گی اس لیے کوئی بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکے گا کہ اس واقعے میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا ہاتھ ہے۔"

"ناروں گھٹنا پھوٹے آنکھ.... تمہاری ان دونوں باتوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو ویرا کی بات پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"ذہن پر ذرا سا زور دو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے گھٹنے سے نہیں، مکے سے آنکھ پھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات ہمارے موجودہ حریف جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف والوں کو اپنی کسی کارروائی کے لیے چوروں کی طرح قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں اور اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ پولیس یا کوئی ایجنسی ان کی راہ نہیں روکتی۔ وہ موسیٰ کو اس کے ہوٹل بلکہ کمرے سے لے جا سکتے تھے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے اول خان کو موسیٰ کے اغوا سے الگ تھلگ رکھ کر کسی عقل مندی کا ارتکاب کیا ہے۔" پکڑے جانے کا خوف دور ہونے کے ساتھ سلطان شاہ کا لب و لہجہ بدلنے لگا تھا۔

"ویرا یہ سوچنے میں حق بجانب ہے۔" تکرار روکنے کے لیے میں نے زبان کھولی۔

اسٹیشن فور تک کا سفر ایسی ہی ہلکی پھلکی نوک جھونک اور نکتہ آفرینی میں گزر گیا۔

اول خان اپنے کیمپ کی پہلی چیک پوسٹ پر ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا، طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش شکار کا جائزہ لیا اور پھر اسے گاڑی سمیت اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے ہمیں اپنی جیپ میں لے کر کمروں کی طرف روانہ ہو گیا۔

"تم نے قیدی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو کوئی ہدایت نہیں دی۔" مختصر سے سفر کے اختتام پر ویرا نے کمرے میں جاتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

اول خان نے مسکرا کر بردباری سے جواب دیا "میرے آدمی یہاں لائے جانے والے قیدیوں کے بارے میں اپنی ذمے داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ کسی شریف مجرم کی زبان چل پڑے تو اس کا بیان ریکارڈ کر لیتے ہیں ورنہ دماغ کے کیڑے جھاڑنے کے لیے روایتی حربوں کا آغاز کر دیتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا مطلب ہے کہ دن طلوع ہونے تک وہ ہماری باز پرس کے قابل ہو سکے گا۔"

"اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انگوٹھی کے کیپسول سے محلول کی کتنی مقدار اس کے بدن میں منتقل ہوئی تھی۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔"

غزالہ ہمارے مشن کی کامیابی پر بہت خوش تھی کیونکہ ہم نے کافی دنوں بعد اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی مدد کے بغیر کوئی مقابلہ نمٹایا تھا۔

"ہم ایس ٹی ایف پر اتنا زیادہ انحصار نہیں کر رہے۔" سلطان شاہ نے غزالہ کی باتوں کے جواب میں کہا "ابھی چند ہی دنوں میں ڈینی نے بہت کچھ کام کے ہیں۔ کل ہم دونوں کسی بیرونی مدد کے بغیر رستم ایرانی کی کچھار میں جا گھسے تھے۔ اسے ہم پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو ہم وہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے تھے۔"

"فورس کہیں کہیں مدد ضرور کرتی ہے مگر بڑی کامیابیوں کا سارا کریڈٹ تم لوگوں کو جاتا ہے۔" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "جوڑ توڑ اور منصوبہ بندی کے لیے ہم ہر وقت ڈینی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔"

"نام کسی کا بھی لیا جائے، کامیابیاں ٹیم ورک کے نتیجے میں ملتی ہیں۔" ویرا نے خوش دلی سے کہا "ہم میدان میں نہ اترنے کے باوجود اپنی بساط کے مطابق بہترین مشورے دیتے رہے ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "شیخ چلی کے گراں بہا مشورے آج بھی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بے چارہ اپنے مشوروں پر خود کبھی عمل نہ کر سکا۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویرا سلطان شاہ کو تیکھی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تمہیں فون پر میجر بخشی سے تو بات کرنی چاہیے۔ دو بجنے والے ہیں۔ وہ بے چینی سے تمہاری اور موسیٰ کی ملاقات کے نتیجے کا انتظار کر رہا ہو گا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

"اب اسے نہ چھیڑنا۔" ویرا اپنی برہمی کو بھول کر بے ساختہ بول پڑی "رات کو تم اس سے بات ختم کر چکے ہو۔ تمہارے فون سے اس کے ذہن میں نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

اس وقت میں دل ہی دل میں ویرا کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے بے ساختہ بہت دور کی بات سوچی تھی۔ میں فون کرتا تو بخشی یہ ضرور جاننا چاہتا کہ دو بجے کے قریب میں بسیرا میں موجود ہونے کے بجائے اسٹیشن فور میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ بعد میں اسے پتا چلتا کہ موسیٰ بسیرا پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں کہیں غائب ہو گیا تو وہ میرے ہر عذر کو مسترد کر کے یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ میں نے اس سے پروگرام طے کرنے کے بعد موسیٰ پر ہاتھ ڈالا ہو گا۔

اس کے ذہن میں نت نئے شبہات پیدا کرنے سے بہتر تھا کہ میں خاموشی بیٹھا رہوں اور وہ یہ فرض کرنے پر مجبور ہو جائے کہ میں ایس ٹی ایف کی طرف سے اپنی کڑی نگرانی کی وجہ سے مقررہ وقت پر بسیرا تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس طرح وہ میری وعدہ خلافی اور موسیٰ کے غیاب کی درمیانی کڑیاں نہیں ملا سکتا تھا۔

کافی دیر بعد ہم اپنے کمرے میں چلے گئے تاکہ دونوں عورتیں بے فکری سے آرام کر سکیں۔

صبح دس بجے اطلاع ملی کہ موسیٰ ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ فورس کے سادہ پوش افراد کی شناخت ممکن نہیں تھی اس لیے پوچھ گچھ کی ابتدا میں وہ یہ سمجھتا رہا کہ وہ اپنے نامعلوم دشمنوں کی قید میں پھنس گیا ہے جن کا کرنل جمال دستی سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق تھا۔

شاید کلب سے میرے اغوا کی کوشش کے موقع پر میجر بخشی نے موسیٰ کو میرے مفروضہ نام کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں فوج سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس لیے وہ میرے بارے میں انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے دھمکیاں دیتا رہا کہ اسے فوری طور پر آزاد نہ کیا گیا تو اس کے آدمی جمال دستی کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

اس کے جارحانہ تیوروں کو کچلنے کے لیے اس پر تشدد شروع کرنا پڑا مگر وہ بری حالت میں پہنچنے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا اصرار تھا کہ اس سے جو کچھ پوچھا گیا، اس نے بتا دیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ اطلاعات میرے لیے اہم تھیں۔

مار کھا کھا کر موسیٰ اس حال کو پہنچا ہوا تھا کہ رسی جل گئی تھی مگر اس کے بل نہیں گئے تھے۔ وہ سوالوں کے جواب دینے پر آمادہ تھا۔ از خود کچھ اگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس کے پورے پس منظر اور رابطوں سے واقفیت نہیں تھی اس وجہ سے وہ معنی خیز سوالات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر موسیٰ ہٹ دھرمی پر تلا ہوا تھا۔

اول خان کے دل میں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ہر وقت ایک موہوم سا نرم گوشہ موجود رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انہیں دشمن ملکوں کی طرف سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ اپنے ملک و قوم سے وفاداری کا تقاضا تھا کہ وہ ان فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنی جان لڑا دیں۔ وہ اپنی دانست میں پاکستان کے خلاف کام کر کے اپنے ملک اور قوم کا حق نمک ادا کرتے تھے مگر مقاصد کے براہِ راست تصادم کی وجہ سے ہمارے مجرم قرار پاتے تھے ایسے پیشہ ور اور بغیر وردی والے ایجنٹ دشمن کے ہاتھ لگ جائیں تو عبرت ناک انجام سے دو چار ہوتے ہیں، مشن میں کامیاب ہو کر اپنے ملک لوٹنے میں کامیاب ہو جائیں تو عزت و احترام کے مستحق ہیرو کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے برعکس وہ ایسے ایجنٹوں کے لیے کام کرنے اور دانستہ ان کا آلۂ کار بننے والے مقامیوں کے لہو کا پیاسا تھا۔ اپنے ملک کی زمین اور رزق و روزی سے غداری کرنے والوں کی سزا عبرت ناک موت سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ موسیٰ کے بارے میں خبریں ملتے ہی اس نے طیش کے عالم میں ارادہ کرلیا کہ اس کی موت کی پرواہ کیے بغیر اس پر بھیانک ترین تشدد کیا جائے تو وہ موت کی دہشت سے بلبلا کر زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا۔

میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا' اپنی نپی تلی رائے سے آگاہ کیا تو رفتہ رفتہ اس کا اشتعال ٹھنڈا ہوگیا اور اس نے مجھے موسیٰ پر آخری کوشش کرنے کی اجازت دے دی۔

میں ان چاروں میں سے کسی کو ساتھ لیے بغیر گارڈ روم میں پہنچ گیا جہاں موسیٰ قید تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا۔ میں نے اس پر تحقیر آمیز نظریں ڈالیں اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

اس کا چہرہ ٹوٹ پھوٹ سے عاری اور بالکل صحیح سلامت تھا مگر اس کی قدرے متورم آنکھوں سے وحشت ناک کبیدگی برس رہی تھی۔ وہ ہذیانی انداز میں میرے اوپر گرجتا برستا رہا۔

اس وقت تک موسیٰ کو زندہ رکھنے یا ٹھکانے لگانے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اس لیے اس پر تشدد میں قدرے احتیاط برتی گئی تھی۔ چہرہ بگاڑنے کے بجائے جسم کے حساس حصوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا جو نظروں سے اوجھل تھے مگر ان کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

اس کی گالیوں پر' میرے ساتھ آیا ہوا گارڈ مشتعل ہو کر ایک بار اس کی طرف لپکا تھا مگر میں نے سختی سے اسے روک دیا اور جب موسیٰ حلق کے بل چیختے چیختے تھک کر خاموشی سے ہانپنے لگا تو میں نے کرسی چھوڑ دی۔

"تم جو چاہو' کرلو۔ یہاں سے میری مرضی کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ ابھی تم نے چند گھنٹوں میں معمولی سی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ تم نے زبان نہ کھولی تو میں ایک ایک کرکے تمہاری دونوں آنکھیں ضائع کردوں گا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"تم خونی بھیڑیے ہو۔ میں نے کلب میں ہی دیکھ لیا تھا کہ تمہارے سینے میں دل نہیں' پتھر ہے۔ تم نے مجھے بے قصور پکڑا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا کیا ہے؟" وہ دیوانہ وار چیخا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اس رات تم کلب میں کس کا ساتھ دینے آئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے چند ثانیوں تک مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر اپنے سر کو نفی میں زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا "نہیں' نہیں.... مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس سے میری بات تک نہیں ہوئی' نہ مجھے اس کا نام بتایا گیا تھا۔"

"پھر تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری اس بکواس پر یقین کرلوں گا۔"

"خدا رسول کی قسم میں سچ بتا رہا ہوں۔" اس نے چیخ کر کہا "مجھے اس کا حلیہ بتا کر یہ کہا گیا تھا کہ کرنل جمال دستی نامی ایک مہمان اس سے ملنے آئے گا۔ ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ تم ہر قیمت پر اس کے ساتھ جاؤ۔ بے بی کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں اس آدمی کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"یہ بے بی کون ہے؟" میں نے چونک کر تحیّر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"موہنی پنڈت!" اس کا جواب مزید چونکانے والا تھا "اسے گھر میں سب بے بی کہتے ہیں۔"

"اسے تم کیسے جانتے ہو؟" مجھے اس سے کوئی سرا ملنے کی امید ہونے لگی۔

"میں دو سال تک اس کا گارڈ تھا۔ اسے اٹھالے جانے کی دھمکیاں دینے والوں میں سے کوئی اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہیں کرسکا تھا۔" اس نے چیخ کر گویا اعلان کیا۔ ہاتھ پیروں کو حرکت دینے کی وجہ سے اس کی آہنی ہتھکڑیاں اور بیڑی کی کڑیاں جھنجھنا رہی تھیں۔

اس کا جواب ادھورا اور غیر واضح تھا مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ کچھ لوگوں کی طرف سے اغوا وغیرہ کی دھمکیوں کے بعد موسیٰ کو دو سال تک موہنی پنڈت کے محافظ کے فرائض انجام دینے پڑے تھے۔ میرے لیے وہ تفصیلات غیر اہم تھیں۔ ان سے زیادہ ضروری سوال یہ تھا کہ اس رات موسیٰ کو کلب میں بلانے والا کون تھا۔

"تمہیں موہنی پنڈت نے میرے اغوا کے لیے کلب بلایا تھا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ وہ بچی ہے.... ہمیں اس کے باپ نے بھیجا تھا۔ کلب میں ہم اس کے مہمان بن کر داخل ہوئے تھے۔ بتایا ہوا حلیہ پہچان کر ہم اپنی ڈیوٹی پر جم گئے۔ بعد میں بے بی بھی وہاں آپہنچی اور پھر تم آگئے۔"

میری دھمکی اور حکمتِ عملی کام دکھا رہی تھی۔ میرے سوالوں کے جواب میں وہ مشینی انداز میں کام کی باتیں اگلتا جارہا تھا جو میرے لیے حیران کن ہونے کے ساتھ ہی پیچیدہ بھی تھیں۔

"میں نے سنا ہے کہ تم رستم ایرانی کے لیے کام کرتے ہو پھر یہ پنڈت منوہر لال کہاں سے درمیان میں آگیا؟"

"پنڈت میرا پرانا باس ہے۔ میں نے بتایا نا کہ اس نے مجھے دو سال تک بے بی کا گارڈ رکھا تھا۔ خطرہ ٹل گیا تو اسی کی سفارش پر میں رستم کے پاس چلا گیا۔ رستم ایرانی اس کا بہت لحاظ کرتا ہے۔"

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کلب میں رستم نے بھیجا تھا یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پنڈت منوہر لال نے۔"

"رستم نے مجھ سے کہا تھا کہ پنڈت جی کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے۔ میں اس سے مل لوں اور وہ جو کچھ کہے' اس پر عمل کر گزروں۔ مجھے پورا کام پنڈت جی نے خود سمجھایا تھا۔ بعد میں' میں نے رستم کو رپورٹ دے دی تھی۔"

"رستم اور پنڈت میں یہ گٹھ جوڑ کب سے ہے؟" میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں.... میں بس یہ جانتا ہوں کہ پنڈت جی نے مجھے رستم کے پاس کام پر لگوایا تھا۔"

"وہ دونوں آپس میں ملتے بھی رہتے ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"معلوم نہیں۔ میں آج تک اپنے بڑے کے گھر نہیں گیا۔ وہ ہم لوگوں سے بس فون پر رابطہ رکھتا ہے۔ کسی کو گھر بلاتا ہے نہ کہیں اور ملتا ہے۔"

موسیٰ میری توقع سے کہیں زیادہ کار آمد ثابت ہوا تھا۔ موہنی پنڈت ایک دلکش اور آزاد خیال ماڈل گرل کے روپ میں یوں میرے سامنے آئی تھی کہ میں نے اسے بے ضرر سمجھ کر بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اس پر توجہ دی جاتی تو وہ رستم سے اپنے باپ کے مراسم پر زیادہ روشنی ڈال سکتی تھی مگر بات وہی تھی کہ موسیٰ سے پوچھ گچھ کرنے سے پہلے مجھے موہنی یا اس کے باپ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

"تم نے بعد میں یہ جاننے کی کوشش تو کی ہوگی کہ کلب میں نظر آنے والا شخص کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہمارے کچھ کیے بغیر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں رستم کو رپورٹ دینے کے بعد اسے بھول بھال گیا تھا۔ دیکھو! میں تمہاری ہر بات کا جواب دے رہا ہوں۔ خدا کے لیے میرے ہاتھ کھلوا دو اور مجھے کچھ دے دو۔ میں رات سے بھوکا پیاسا ہوں۔"

"تمہاری بھوک پیاس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ پہلے تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس روز بھارتی قونصل خانے کے میجر بخشی نے تمہیں استعمال کیا تھا۔" میں نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

میرے الفاظ پر اس کی وحشت زدہ آنکھیں مزید پھیل گئیں

"نہیں.... تم مجھ پر بھارتیوں کے لیے جاسوسی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔"

"ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں جو کسی پر الزام لگائیں اور پھر اسے ثابت کرتے پھریں۔" اس کی حاضر دماغی پر میں نے فوراً ہی پینترا بدل دیا "ہم جس بات پر...."

اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی "پھر تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"دشمنی.... تم نے میجر بخشی کے ساتھ مل کر مجھے پھانسا تھا۔ بخشی سے میں وقت آنے پر نمٹ لوں گا۔ تم میرے قبضے میں آ چکے ہو۔ یہ حساب یہیں برابر ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ آج رات تمہیں کس نے بسیرا میں بلایا تھا۔"

"رستم نے!" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر احتیاط سے جواب دیا۔

"اور کام کیا تھا؟" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر اگلا سوال کیا۔

"یہ تم کو بھی معلوم ہوگا کہ کیا کام تھا۔ رستم نے دو روز سے مجھے ڈینی کی تلاش پر لگایا ہوا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ اہم باتیں بتانی تھیں اور یہ ملاقات دو بجے سے پہلے بسیرا میں ہونی تھی۔"

"رستم کو یہ کام کس نے سونپا تھا؟"

"یہ اس کے اپنے معاملات ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کو یہ سب نہیں بتاتا۔"

"ڈینی ایک مانوس نام ہے۔ اس کے بارے میں تم پہلے سے کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوگے۔"

وہ چونک پڑا اور بولا "تمہارے کہنے سے دھیان آرہا ہے کہ شاید ڈینی والا کام رستم کے اپنے ذہن کی پیداوار ہو۔ ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے کچھ عرصے پہلے امریکا والوں نے بڑے انعام کا اعلان کیا تھا۔ یہ ضرور کوئی بہت بڑا چکر ہے۔"

"مار کھانے کے باوجود تمہارا دماغ صحیح کام کر رہا ہے۔ تمہیں کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بے خبری میں کیسے خطرناک بھنور میں پھنس چکے ہو؟"

"میجر بخشی تمہارا دشمن ہے۔ رستم تمہیں اپنا دوست سمجھ رہا ہے اسی لیے اس نے اپنے گھر پر میری اور تمہاری ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔ تم ڈینی کے بارے میں اہم باتیں جانتے ہو اور کسی کے دوست نہیں ہو۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑانے لگا "تم رستم سے بھی نہیں ڈرتے اسی لیے تم نے مجھے راستے سے اٹھا لیا۔ بخشی تمہیں اٹھا لے گیا تھا مگر تم آزاد ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ بخشی کی بازی بھی الٹ گئی تھی۔" اس مرحلے پر اس کی آواز اونچی ہوئی "مجھے تم ہی سب سے زیادہ خطرناک نظر آرہے ہو اور شاید ڈینی والا انعام لینے کے چکر میں ہو۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں تمہارے منہ کی روٹی نہیں چھیننی چاہتا۔ میں رستم کا تنخواہ دار آدمی ہوں۔ اپنی اور رستم کی لڑائی میں مجھے بلاوجہ نہ رگیدو۔"

"مالک سے پہلے اس کے تنخواہ دار مارے جاتے ہیں۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اور تمہارے کئی مالک ہیں ایک سابق' دوسرا موجودہ اور تیسرا وہ جو رستم کے ذریعے ڈینی کو پکڑنے کی فکر میں ہے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے سامنے ناک رگڑنے پر آمادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں کہ نوکری چھوڑ دوں گا اور ان چکروں سے بالکل نکل جاؤں گا۔ مجھے معاف کردو۔"

"معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے تین مالکوں میں سے کسی کی گردن میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں اس سے اپنا حساب برابر کرلوں گا۔ تم بچ جاؤ گے۔"

"تمہارے بتائے ہوئے تیسرے مالک کو میں نہیں جانتا۔ پتا نہیں اس کا کوئی وجود بھی ہے یا یہ تمہارا خیال ہے۔ رستم اپنے گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا ناممکن ہے۔ تم پنڈت جی کو پکڑلو۔ اگر میں نے تمہارے خلاف میجر بخشی کا ساتھ دیا تھا تو پنڈت جی کی بیٹی بھی اس کی شریک تھی۔ تمہیں لے جاتے ہوئے گاڑی وہی چلا رہی تھی۔ مجھ سے پہلے تم کو بے بی یا اس کے باپ کو مارنا چاہیے۔"

"ابھی میں نے کسی کو مارنے کا فیصلہ نہیں کیا۔" میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ آخر میں جس کی گردن ہاتھ میں آئے گی اسی کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"مگر میری گردن چھوڑ دو۔ میں چھوٹی موٹی نوکریاں کرکے روزی کمانے والا مزدور ہوں۔ میری اور تمہاری کوئی ٹکر نہیں ہے۔ تمہیں سب معلوم ہے تو تمہیں سب سے پہلے بخشی کی گردن ناپنی چاہیے۔"

"مزدور!" میں نے اسے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "رستم بھاری معاوضے لے کر قتل، ڈکیتی، چوری اور اغوا کی وارداتیں کراتا ہے۔ تم اس خونی درندے کے لیے کام کرتے ہو اور خود کو مزدور کہتے ہو۔"

"میں نے بھی یہ سب سنا ہے مگر میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آٹھ مہینے سے اس کے پاس ہوں۔ اس دوران میں میں نے کوئی قتل نہیں کیا، کسی کا خون نہیں بہایا۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"رستم اپنے آدمیوں سے دور بلکہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ تم اس کے دوست کے گھر میں دو برس رہے ہو۔ پنڈت کے کرتوتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوگے۔" میں نے اسے راہ دی۔

"پنڈت پرلے درجے کا حرامی ہے۔" صبر کا پیمانہ لبریز ہونے پر وہ پھٹ پڑا "اپنی لڑکی کو رنگ رلیاں منانے کے لیے آزاد چھوڑا ہوا ہے اور خود گھر میں رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے۔ وہ ڈرپوک آدمی ہے۔ میری طرح اسے مارو گے تو ذرا سی دیر میں خود ہی اپنی ساری رام کہانی سنانی شروع کردے گا۔"

"تم نے میجر بخشی کو اس کے گھر کبھی نہیں دیکھا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی نہیں.... پنڈت کی پارٹیوں میں بھارت سمیت کئی ملکوں کے بڑے افسر آتے تھے مگر بخشی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نیا افسر ہو اور پچھلے چھ آٹھ مہینوں میں آیا ہو۔ میں نے کلب میں بے بی کو اس سے ملتے دیکھا تو حیران رہ گیا تھا کہ دنیا اتنی چھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔"

"وہاں کوئی دھن راج بھی آتا تھا؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں طرف سے ہاتھ رنگتا تھا۔ کیا تم اس بے غیرت لونڈے کو بھی جانتے ہو؟" میری زبان سے دھن راج کا نام سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ سوال کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے۔"

"وہ پنڈت کی رنگین محفلوں میں آتا تھا اور دوسری طرف بے بی کو بھی اس نے اپنی لونڈی بنایا ہوا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک دو راتیں اس کے ہوٹل میں گزارتی تھی۔ دھن راج کے ملنے جلنے والوں میں سے کئی بے بی کے گھر کے چکر بھی لگاتے رہتے تھے۔ یہ سارا گند میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔"

"یہ پنڈت اور دھن راج کی نجی زندگی کی بے عزتیاں ہیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو فخریہ بیان کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی وقت پڑجائے تو انہیں اپنی آزاد روی کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ میں موہنی سے اپنا بدلہ ضرور لوں گا مگر پنڈت تمہارا متبادل ہرگز نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے؟" وہ بے بسی سے مغلوب لہجے میں بولا "وہ بھارتی یا یہودی نہیں، میری طرح پاکستانی ہے لیکن جس ملک کا کھاتا ہے، اسی کی جڑیں کاٹتا ہے۔"

"کچھ لوگوں کے آوارہ ہونے سے ملک کی جڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" میں نے اس کی بات کو دانستہ بے وزن کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مان لیا کہ آوارگی اس کا ذاتی دھندا ہے مگر میں اس کی غداری کی بات کررہا ہوں۔ اس کی دعوتوں میں یہودی بھی آتے تھے اور پاکستان کے خلاف باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے جوش سے دعویٰ کیا۔

"اول تو میں کوئی سرکاری فوج دار نہیں ہوں۔ دوم یہ کہ تمہارے یہ الزام بے بنیاد بھی ہوسکتے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے ہزاروں یہودی میری طرح محبِ وطن ہوسکتے ہیں۔"

"مسلمان عربی، عجمی، افریقی اور ایشیائی ہوسکتا ہے مگر یہودیوں میں ایک بڑی خرابی یہی ہے کہ یہ قوم دنیا میں کہیں بھی رہتی ہو، اس کے دل میں اسرائیل کا کلمہ ہوتا ہے۔"

"اس کے یہاں آنے والے یہودی کہاں سے تعلق رکھتے تھے؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے معلوم ہے کوئی اسرائیلی پاکستان نہیں آسکتا۔" وہ اس موضوع میں میری ظاہری عدم دلچسپی پر چڑ کر بولا "وہ امریکی یا یورپی ہی ہوتے تھے مگر میں نے کئی بار انہیں پنڈت سے ملیندلی میں ملنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کیسٹ وغیرہ لیتے ہوئے دیکھا۔ ایسے کام بہت رازداری سے کیے جاتے تھے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ پنڈت یہودیوں کے لیے جاسوسی کرتا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یقین نہیں کرو گے۔ رستم سب کچھ کرتا ہے۔ بہت سے قتل اس سے منسوب ہیں مگر وہ جاسوسی اور منشیات کے دھندوں سے میلوں دور رہتا ہے۔"

اسے لاجواب کرنے کے لیے مجھے خیال آیا کہ اس سے پوچھوں کہ رستم ڈینی کی تلاش میں کیوں ہے؟ بیس لاکھ ڈالرز کے لالچ میں وہ اسے بیچنے کے درپے کیوں ہے؟ مگر میں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ یہ مفروضہ موسیٰ کا تھا کہ رستم پیسے کے لالچ میں ڈینی کو تلاش کررہا تھا۔ مجھے میجر بخشی نے خود بتایا تھا کہ اس نے وہ کام ایک مقررہ معاوضے پر رستم کو سونپا تھا۔ شاید رستم کو علم ہی نہ ہو کہ پاکستان اور پاکستانیوں کی ایک باخبر اقلیت کس طرح میری ذات کے دفاع میں مصروف تھی۔

میں روکھے پھیکے انداز میں تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتا رہا۔ موسیٰ جوش و خروش سے پنڈت منوہر لال اور اس کی اکلوتی بیٹی کے خلاف زہر اگلتا رہا اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ موسیٰ نے باتوں کو دہرانا شروع کردیا ہے تو میں تیزی کے ساتھ گارڈ روم سے نکل گیا۔

میری اچانک روانگی پر موسیٰ نے چیخ چیخ کر نجات کے لیے دہائی دینی شروع کردی۔ میں نے اسے یکسر نظر انداز کردیا مگر جاتے ہوئے، محافظ کو ہدایت دے دی کہ وہ قیدی کے ہاتھ کھول کر اس کی شکم پُری کا بندوبست کرے۔

موسیٰ سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں مجھے پیش قدمی کی ایک نئی راہ نظر آرہی تھی۔ وہ دشمنوں کا ایک ایسا محاذ تھا جو اس وقت تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

○☆○

اول خان کے چلے جانے کے بعد ان تینوں نے سنجیدگی سے مجھے گھیر لیا۔

اسٹیشن فور میں ہمارا قیام طویل ہوجانے کی وجہ سے وہ سب ہی اکتائے ہوئے تھے۔ میں خود بھی محسوس کررہا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑھتے ہوئے کردار کی وجہ سے وہ ہمارے دشمنوں کے حوصلے اتنے پست ہوگئے تھے کہ وہ زیرِ زمین چلے گئے تھے۔

ظاہری طور پر ہر طرف سکون اور عافیت کا دور دورہ تھا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ اس سکوت کی تہ میں کسی بڑے طوفان کی سازشیں پروان چڑھ رہی ہوں گی۔ میرے ان اندیشوں کی تصدیق موسیٰ نے اپنے بعض فقروں سے کی تھی۔ ان کے سدِباب کی بہترین صورت یہی تھی کہ پہلے کی طرح ایس ٹی ایف مکمل طور پر پس منظر میں چلی جائے اور ہم دوبارہ شہر میں کہیں اپنا ٹھکانا بنالیں تاکہ دشمن ہمارے اوپر وار کرنے کی کوششوں میں بے نقاب ہو کر سامنے آسکے اور ہم پوری یکسوئی سے اس کی سرکوبی کرسکیں۔

"اصولی طور پر میں تم تینوں کا ہم نوا ہوں۔" ان کے دلائل خاموشی سے سننے کے بعد میں نے پورے سکون سے کہا "لیکن یہ وقت ایسے کسی قدم کے لیے موزوں نہیں ہے۔"

"کیا اس لیے کہ یہ میری خواہش ہے؟" ویرا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رستم والا کام یہیں رہ کر نمٹالیا جائے۔ اس کے بعد ہم شہر میں اپنا ٹھکانا جمالیں گے۔"

"رستم کا معاملہ لمبا چلے گا۔ وہ دو چار روز میں زیر ہونے والی اسامی نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا "کیا اس وقت تک ہم یہیں پڑے رہیں گے؟"

"تم خود بتا چکے ہو کہ وہ گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا جان جوکھوں کا کام ہے۔" ویرا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم لوگ ایک دم بہت دور چلے جاتے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "میں رستم سے محاذ آرائی کی نہیں، اس کے ذریعے اوبی کو ٹھکانے لگانے کی بات کررہا تھا۔"

"ان دونوں کے پھولے ہوئے غباروں سے ہوا نکل گئی اور غزالہ مسکرانے لگی۔

"آج رات اس سے بات ہوگی۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ نے بات پھر شروع کی "ایک دو روز میں اس کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اس....."

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اوبرائن والے کام سے سرے سے انکار کردے۔" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے لقمہ دیا "اس کے انتظار میں ہم بلاوجہ وقت برباد کررہے ہیں۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ وقت برباد کرو۔ تم دونوں نکل جاؤ اور کسی گھر کا بندوبست کرلو۔ ہم یہاں سے اٹھ کر وہاں چل دیں گے۔ میں ذرا آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

ویرا کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم میجر بخشی کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں جانا چاہتے۔ اس کے لیے تم اومان جاچکے ہو۔ وہ تمہیں شہر میں دیکھ لے گا تو تمہارے لیے سنگین مسائل کھڑے کردے گا۔"

میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی "تم میری ہر بات میں منفی پہلو تلاش کرنے میں لگی رہتی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"میرے ساتھ چلو اور نیا گھر تلاش کرو۔" اس نے ڈھٹائی سے مطالبہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ معمولی سا کام تم سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بھی کر سکتی ہو۔" میں نے جل کر کہا۔

"سلطان شاہ گاؤدی ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں پھر کوئی نادرہ مل جائے اور ہمارا کام آسان ہو جائے۔" ویرا اس وقت مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی۔

"شہر میں ہر طرف خالی مکانوں کا ایک جنگل بکھرا ہوا ہے۔ جاؤ اور بات طے کر لو۔"

"اس بار ہمیں کلفٹن اور شہر کے مرکزی علاقوں سے دور نکل جانا چاہیے۔" غزالہ نے بڑھتی ہوئی تلخی کے پیش نظر گفتگو میں حصہ لینا شروع کر دیا "ہمارے بیشتر دشمن کلفٹن' ڈیفنس اور سوسائٹیز کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہم بھی ان ہی اطراف میں رہتے آئے ہیں۔"

غصے کے باوجود میں غزالہ کی دور اندیشی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا "میں تم سے سو فی صد متفق ہوں۔ علاقے کی تبدیلی اب ناگزیر ہو گئی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ گلشن اقبال کا علاقہ موزوں رہے گا۔" میری تائید پر سلطان شاہ بولا۔

ویرا نے اپنی زہر افشانی سے جو تلخی پیدا کی تھی وہ ذرا سی دیر میں تحلیل ہو گئی اور غزالہ کی تجویز کے مختلف پہلو زیر بحث آتے چلے گئے۔

میں خود بھی مکان کی تلاش کی مہم میں شریک ہو کر کوئی مناسب جگہ منتخب کرنے کا خواہاں تھا مگر ویرا کی ضد میں' میں نے شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ ماحول بہتر ہوا تو میں ان تینوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

گلشن اقبال کراچی کی ایک بارونق اور متوسط آبادی ہے جہاں شہری سہولتوں کے احوال متمول علاقوں سے بہتر نہیں تو بدتر بھی نہیں ہیں۔ مجھے فکر صرف یہ تھی کہ وہاں کوئی مکمل آراستہ مکان کرائے پر مل سکے تاکہ ہم غیر ضروری خریداریوں سے بچ سکیں۔

اس سے پہلے بھی ہمارے پاس نادرہ کا سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ تھا جہاں ہم خانہ بدوشوں کی طرح' صرف اپنا راشن لے کر بیٹھ گئے تھے اور آڑے وقت میں مکان کو مقفل کر کے وہاں سے نکل بھاگے تھے۔ یہ ذمے داری اول خان کی تھی کہ ہمارا چھوڑا ہوا فلیٹ کسی کے ناجائز تصرف میں آئے بغیر نادرہ کی تحویل میں چلا جائے جو ان دنوں ہمارے رابطے میں نہیں تھی۔

ہم ڈرگ روڈ اسٹیشن سے داہنی طرف مڑ کر ذرا سی دیر میں راشد منہاس روڈ پر آ گئے۔ وہ گلشن اقبال تک رسائی کا سب سے بہتر اور مختصر راستہ ہے۔

"اگر ہمیں آج ہی کوئی مناسب مکان مل گیا تو کیا ہو گا؟" راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔

"ہونا کیا ہے؟ رات کو رستم کو فون کرنے کے بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا اور صبح ہم اپنے نئے ٹھکانے پر منتقل ہو جائیں گے۔" ویرا کے پاس جواب تیار تھا۔

پہلی اسٹیٹ ایجنسی پر میں عورتوں کو گاڑی میں چھوڑ کر سلطان شاہ کے ساتھ اندر گیا تو گہرے دفتر میں متعدد میزوں کے پیچھے نمائندے موجود تھے۔ دو میزوں پر خریدار یا کرائے دار نقشوں اور کاغذات میں الجھے ہوئے تھے۔ پہلی میز پر پرتپاک استقبال کے بعد ہمیں اندرونی حصے میں ایک نوجوان کی میز تک پہنچا دیا گیا۔

وہ نوجوان مہذب اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ چرب زبان بھی تھا۔ ہماری ضروریات کے بارے میں چند اہم سوال کرنے کے بعد اس نے ایک ضخیم رجسٹر کھولا اور اس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

دفتر ائرکنڈیشنڈ تھا۔ میں نے تمباکو نوشی کی ممانعت کا کوئی اسٹکر دیکھنے کے لیے سر اٹھایا تو کئی افراد سگریٹ نوشی میں مصروف نظر آئے اور میں نے بھی بے تکلفی سے سگریٹ سلگا لی۔

رجسٹر کی ورق گردانی میں مصروف نوجوان نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اپنی میز کی دراز سے ایش ٹرے نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ ورق پلٹتے وقت وہ کہیں کہیں رک کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا اور آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے انہماک کا دورانیہ طویل ہونے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔

"اگر فی الحال کوئی مکان دستیاب نہیں تو میں بعد میں فون کر لوں گا۔ میری فیملی باہر موجود ہے۔"

"اوہ!" وہ خوشامدانہ انداز میں ہنسا "باہر گرمی ہے۔ فیملی کو بھی اندر بلا لیں۔ دراصل فلیٹ اور مکان تو بہت سے ہیں۔ میں آپ کے معیار کا کوئی عمدہ سنگل یونٹ دیکھ رہا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں اس کی چرب زبانی پر ہنسا۔ میں نے کسی معیار کا مطالبہ کیے بغیر اس سے تین کمروں کے کسی فرنشڈ مکان کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے کہا "میرے پاس وقت کم ہے...."

"یہ لیجیے!" اس نے رجسٹر اپنی گود سے اٹھا کر میز پر رکھ دیا "اتفاق سے یہ دو مکان مل گئے۔"

اس نے رجسٹر میں لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر دہرانی شروع کر دی۔

میری توجہ سہولتوں سے زیادہ علاقے پر مرکوز تھی۔ ہمیں سر چھپانے کے لیے ایک ایسی جگہ درکار تھی جو محفوظ اور پرسکون علاقے میں واقع ہو۔ وہاں سونے کے لیے چند بستر اور روز مرہ ضرورتوں کے لیے چند بنیادی اشیا موجود ہوں۔

میں پہلے بھی مکان کی تلاش کے صبر آزما مراحل سے گزر چکا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ زیادہ چھان بین کی صورت میں وقت کی بربادی اور زحمت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں کرائے دار کو مکان پسند نہیں آتا' اسے مکان پسند آتا ہے تو مالک مکان کو کرائے دار پسند نہیں آتا۔

اس ایجنسی میں بھی اچھی بات یہ تھی کہ اس لڑکے نے صرف میری مطلوبہ ضروریات دریافت کی تھیں' میرے ماضی کو کریدنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش نہیں کی تھی۔ اسٹیٹ ایجنٹ کو معاوضے کے طور پر ایک ماہ کا کرایہ دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ مالکِ مکان کے بہت سے ناپسندیدہ سوالات کو ایجنٹ خود سنبھال لیتا ہے۔ کرائے دار کو اپنے پیشے، مکان کی تبدیلی کے اسباب اور ایسے دوسرے نکات کی وضاحت نہیں کرنی پڑتی۔

ان میں سے تین خواب گاہوں کا ایک مکان نیشنل اسٹیڈیم کے عقب میں واقع تھا۔ وہ صاف ستھرا علاقہ میرا دیکھا ہوا تھا۔ میں نے دوسرے مکان کو مسترد کر کے اس پر انگلی رکھ دی۔

نوجوان ایجنٹ نے موٹر سائیکل پر ہماری رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد ہم مطلوبہ مکان کے سامنے موجود تھے۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے ہی سب نے میری پسند کی توثیق کر دی۔

مکان میں موجود قالین، پردے، صوفے اور مسہریاں وغیرہ نئی نہیں تھی مگر بہت بوسیدہ بھی نہیں تھیں۔ ہماری پسندیدگی بھانپ کر ایجنٹ کھلا پڑ رہا تھا اور اس مکان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

اس نے مروجہ شرائط کے ساتھ مکان کا کرایہ بتایا۔ ویرا کو گلشن تو کیا کراچی کے کسی بھی علاقے کے کرایوں کا اندازہ نہیں تھا مگر وہ ایک عورت تھی۔ مول تول کرنا اس کا پیدائشی حق تھا۔ اس نے ہم سے انگریزی میں باتیں کرتے کرتے شستہ اردو میں کرایہ زیادہ ہونے کی شکایت کی تو ایجنٹ بھونچکا رہ گیا۔

اس نے گرامر کی ہر پابندی سے آزاد، ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ایک مرتبہ پھر مکان کی تعریفیں کیں۔ ویرا نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر "ٹوپچ" کے دو لفظ کہے اور ایجنٹ کا دل فوراً بیٹھ گیا۔

اس نے علاقے میں اونچے کرایوں کا رواج جتاتے ہوئے خاص ویرا کے لیے یک لخت کرائے میں دو ہزار کی کمی کر دی۔ میں حیرت سے ویرا کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

بعد میں پتا چلا کہ چھ سو گز کے رقبے پر بنا ہوا، لاکھوں کی مالیت کا وہ مکان، اسلام آباد میں متعین سولہویں گریڈ کے ایک نان گزٹیڈ افسر کی ملکیت تھا۔ کرائے داری کے جملہ اختیارات کے ساتھ اس نے مکان کی چابیاں اسٹیٹ ایجنسی کے مالک کو سونپی ہوئی تھیں جو اس کا گہرا دوست تھا۔

اس لڑکے نے اپنے مالک کے سامنے کارکردگی دکھانے کے لیے شاید مقررہ کرائے میں دو ہزار کا اضافہ کر دیا تھا جو ویرا کے اکلوتے اعتراض پر واپس لے کر اس نے ہم پر احسان کیا تھا۔

سودا مکان کی خریداری کا ہو یا کرائے داری کا، درمیانی آدمی جہاں بھی موجود ہوتا ہے دونوں فریقوں کو متعدد زحمتوں سے بچانے کے ساتھ ساتھ سودے کی مالیت میں بھرپور اضافے کے لیے کوشاں رہتا ہے تاکہ اس کے کمیشن میں کچھ اضافہ ہو سکے۔ ہمارے معاملے میں اس لڑکے یا اس کے مالک کو ہم سے صرف دو ہزار روپے زیادہ ملتے لیکن اس کی کارگزاری کے نتیجے میں ہمیں ایک لمبی مدت کے لیے دو ہزار روپے ماہانہ کا خسارہ اٹھانا پڑتا۔

اس وقت تک ہمیں ایک خطیر مالی وسیلہ میسر تھا جو گن بوٹ کی فروخت کے نتیجے میں ہمیں ہاتھ لگا تھا۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ ڈالروں کی صورت میں سلمٰی کے پاس بطور امانت محفوظ تھا۔ یہ ہماری خوش نصیبی اور ہمارے ملک کی بدنصیبی تھی کہ روپے کی قدر میں کمی کے ساتھ ہمارے ذاتی خزانے کی مالیت میں کئی بار اضافہ ہو چکا تھا۔

آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایک روز قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔ میں نے جب سے یہ ضرب المثل سنی تھی، لاشعوری طور پر اخراجات کے سلسلے میں تھوڑا سا محتاط ہو گیا تھا۔ اس پس منظر میں دو ہزار ماہانہ کی بچت کے لیے ویرا کی کوشش مجھے پسند آئی تھی۔

وہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ لڑکے نے ہمیں اگلے مہینے کے آغاز سے کرائے داری کے معاہدے کے آغاز کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ اسے اگلے روز کاغذات کی تیاری کی ہدایت دے کر میں نے وہیں پانچ ہزار روپے نقد تھمائے، اس کے بزنس کارڈ کی پشت پر اس سے رسید لکھوائی اور ہم وہیں سے واپس روانہ ہو گئے۔

"بس اتنی سی بات تھی جس کے لیے تم نے تکرار شروع کی تھی۔" واپسی کے سفر میں ویرا نے کہا۔

زندگی بدل دینے والی

خواتین اور مردوں کو ہمیشہ فٹ اور اسمارٹ رکھنے والی، گھریلو ورزش کی مشینیں، موٹاپا ختم کرنے والی جاگنگ سائیکل، جمنازیم مشینیں، بنچ، بار بیل، ویٹ بار، ٹیبل ٹینس، نیز ٹی وی پر دکھائے جانے والے تمام فٹنس آئٹم مفت ٹریننگ وڈیو اور بعد از فروخت گارنٹی کے ساتھ

بلال برادرس

119-A سندھی مسلم سوسائٹی نزد طارق روڈ۔ کراچی

فون: 62 - 4531961

BB-7-98 marksman

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم خوش قسمت ہو کہ یوں لاوارث مکان مل گیا۔ کرائے پر گھر لینا آسان نہیں ہے۔ دھکے کھا کھا کر طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"یہ قدموں کی برکت بھی ہوتی ہے۔ تم اکیلے آئے ہوتے تو شاید وہی ہوتا جو تم کہہ رہے ہو۔"

"مجھے یہ پُرفضا اور شور و غل سے محفوظ علاقہ پسند آیا ہے۔" غزالہ نے مسرت سے کہا "کیا ہم یہ مکان خرید نہیں سکتے؟"

"دس دفعہ خرید سکتے ہیں مگر یہ ہمارے گلے پڑ جائے گا۔" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں؟" میری بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی "کراچی میں جائداد سے بہتر سرمایہ کاری شاید کوئی اور نہیں ہے۔ اس کے دام بڑھتے ہی رہتے ہیں۔"

"تمہاری بات درست ہے مگر ہمارے حالات ابھی ایسی سرمایہ کاری کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ یہ گھر کسی دشمن کی نظروں میں آگیا تو کیا ہوگا.... گھر کرائے کا ہو تو ہر وقت ٹھکانا بدلنے کی آزادی میسر رہتی ہے ورنہ آدمی ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ جاتا ہے۔"

"ڈینی کا معنی خیز مشورہ سن رہے ہو نا؟" ویرا نے سلطان شاہ کا شانہ ہلا کے پوچھا "یہ بات گھر کے ساتھ عورت پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آدمی شادی کرلے تو زندگی بھر کے لیے اسی کھونٹے سے بندھا رہ جاتا ہے۔ شادی سے پہلے یہ گُر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تمہاری آزادی پر حیرت ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات اسی پر لوٹا دی "ہمارے یہاں مرد اتنے آزاد نہیں ہوتے جتنی تم ہو۔ اب تمہیں اپنا گھر بسا ہی لینا چاہیے۔"

ویرا کب چوکنے والی تھی۔ فوراً ہی بول پڑی "تم راضی ہو جاؤ تو یہ کام ابھی راستے میں کیے لیتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا۔ ویرا کی بے باکی اسے یوں ہی چپ کردیتی تھی۔ غزالہ اس مذاق پر دل کھول کر ہنسی تھی۔

راستے میں محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک مشہور فاسٹ فوڈ ریستوران سے لنچ کرتے ہوئے ہم اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس دوران میں مجھے بھول کر بھی یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا کہ کوئی مجھے پہچان لے گا اور شاید ویرا بھی ایسی ہر تشویش سے آزاد تھی۔

حالات خواہ کیسے ہی ہوں، انسان ان کا اثر اپنے موڈ اور مزاج کے مطابق لیتا ہے۔ خوف اور قنوطیت طاری ہو تو ذرا سا خطرہ بھی مہلک محسوس ہونے لگتا ہے۔ لاابالی پن اور خوشی کا موڈ ہو تو انسان جان کے حقیقی خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

شاید اول خان نے کیمپ کی چیک پوسٹ کو ہمارے بارے میں ہدایات دی ہوئی تھیں۔ ہم گاڑی سے اتر کر اندر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اول خان آپہنچا۔

"تم لوگ بتائے بغیر کہاں نکل گئے تھے؟" اس نے آتے ہی خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑے ہوئے تھے۔

"چھاؤنی کی ڈرائیو پر نکلے تھے مگر باتوں ہی باتوں میں آگے نکلتے چلے گئے۔" ویرا نے سب کی ترجمانی کا فرض اپنے ذمے لے کر جواب دیا "گلشن اقبال ہو کر آئے ہیں۔"

"جانے سے پہلے انٹر کام پر مجھے اطلاع تو دے سکتی تھیں۔ اتنی دیر ہو جانے کی وجہ سے میں فکر مند ہونے لگا تھا۔" اس نے ناگواری سے کہا "آج کل کے حالات میں تمہیں اور ڈینی کو تو شہر کا رخ ہی نہیں کرنا چاہیے۔"

"سوری! مجھ سے غلطی ہوئی مگر یہ ذمے داری ڈینی کی تھی۔ اسے ہم نے اپنا بڑا بنایا ہوا ہے تو اسے تم کو اطلاع دے دینی چاہیے تھی یا پھر اتنی لمبی ڈرائیو پر نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"میں ہی نہیں، میرا اسٹاف بھی پریشان تھا۔ مجھے گیٹ سے چیک پوسٹ والوں نے ڈیڑھ گھنٹے بعد بتایا کہ تم سب باہر نکلے ہوئے ہو اور واپس نہیں آئے۔"

"میری معذرت کے بعد یہ ذکر ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے اسے مغربی دتیرہ یاد دلایا۔

میں نے محسوس کیا کہ ویرا اسے باتوں میں الجھا کر مکان کی تلاش کا قصہ گول کرنے کے چکر میں تھی۔ اول خان کو بعد میں اس واقعے کا علم ہوتا تو وہ ہم سب سے ناراض ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ میں نے گلا صاف کرکے دھیرے سے کہا "دراصل ایک بحث شروع ہوگئی تھی۔"

"نہیں ڈینی! یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ تم بہت ذمے دار آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہوگیا تھا؟"

"دونوں عورتوں کا خیال تھا کہ کرائے کا مکان ملنا بہت آسان ہے۔ میں انہیں دکھانا چاہتا تھا کہ مطلب کا گھر ڈھونڈنا بچوں کا کھیل نہیں ہے...."

"اور اس بحث میں تمہیں واپسی کا خیال نہیں رہا۔" اول خان نے خفگی سے میری بات کاٹ دی "میں مانتا ہوں کہ عورتیں یہاں کی سخت زندگی سے بے زار ہیں۔ انہیں چارپائیوں پر سونا پڑ رہا ہے۔ باتھ روم کمروں سے دور ہیں۔ شب و روز میں اکتاہٹ کی حد تک یکسانیت ہے۔ یہ دونوں ایسی بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی کی عادی نہیں ہیں مگر تمہاری عقل کو کیا ہوگیا تھا؟"

اول خان کے آخری سوال پر ویرا کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بے ساختہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ غزالہ نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی ہوئی تھی۔

"کیا.... یہ کیا ہو رہا ہے؟" اول خان نے فضا میں اپنے دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ گھما کے غصے سے کہا "کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جو ویرا یوں ہنستی ہوئی بھاگی ہے۔"

"آرام سے بیٹھو!" میں نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا "غصے سے اس وقت تمہارا چہرہ چقندر ہو رہا ہے۔ آئینہ دیکھ لو تو تم خود قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

وہ بازو چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا "تم ضرور کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"میں وہی بتا رہا تھا لیکن تم مجھے بولنے کا موقع نہیں دے رہے۔ ہماری بحث...."

"مجھے بحث میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ سیدھی طرح اصل بات بتاؤ!"

"یہ اصل بات ہی ہے۔ ہمیں کرائے کا مکان مل گیا۔" کوئی تمہید باندھنے کے بجائے میں نے اس کی بار بار کی قطع کلامی پر جھلا کر بات نہایت مختصر کر دی۔

"ہائیں....؟ مکان مل گیا؟" حیرت سے اس کا منہ کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔

"ہاں!" میں نے تیزی سے کہا "میں ان کا دماغ درست کرنے کے لیے ایک اسٹیٹ ایجنسی پر لے گیا اور اتفاق سے پہلا مکان ہی سب کو پسند آ گیا۔ ہم ایڈوانس دے آئے ہیں۔"

"اوہ! تو تم اتنی دیر سے یہ بات بتانی چاہ رہے تھے۔" اس کے اعصاب ایک دم نرم پڑ گئے۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ بھاری آواز میں بولا "آئی ایم سوری' ڈیئر! میرا خیال تھا کہ تم چاروں کو یہاں روکے رکھ کر میں تمہارے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں نے تم سب کو بے زاری کی ایسی سرحدوں پر پہنچا دیا ہے کہ تم مجھ سے چوری چوری مکان کی تلاش میں نکل کھڑے ہو گے۔"

اس کا غصہ اداسی میں ڈھلتے ہی میرا دل شیر ہو گیا اور میں نے بے خوفی سے کہا "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مکان کے بندوبست کا غلغلہ تمہارے سامنے بھی اٹھ چکا ہے۔"

"باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے مجروح اور مضمحل لہجے میں اقرار کیا "مگر میں نے کبھی بھی مسئلے کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا تھا۔ تم سب نے یہاں واقعی بہت کڑا وقت گزارا ہے۔"

"اب احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے شفقت سے اسے ڈانٹا "ہماری دشواریاں اتنی نہیں تھیں۔ سب کو یہ احساس تھا کہ ہماری وجہ سے تم گھن چکر بن کر رہ گئے ہو۔ ہماری فکر میں تمہارے کام کا ہرج ہوتا ہے' تمہارے بیوی بچے پشاور میں پڑے ہوئے ہیں اور تم ہماری وجہ سے زبردستی کی تنہائی جھیل رہے ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں ہم یہ باتیں کرتے رہتے تھے۔"

غزالہ نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور میں خود بھی اپنی

نظام الاوقات

افواج کے تمام شعبوں میں بھرتی ہو رہی تھی۔ گراؤنڈ میں گھنٹا گھر کے سامنے امیدوار جمع تھے۔ کمانڈنٹ آفیسر کہنے لگا "میں تم لوگوں کو چند بنیادی باتیں بتانا چاہتا ہوں لیکن کسی گروپ کا دوسرے گروپ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ جو نوجوان آرمی کے خواہش مند ہیں انہیں دو گھنٹے میں فارغ کر دوں گا۔ ائرفورس میں جانے والوں کو چودہ بجے' نیوی والوں کو اس وقت جب چھوٹی سوئی دوپہر اور بڑی سوئی بارہ پر ہو گی اور میرین کے خواہش مندوں کو ٹھیک اس وقت جب گھڑیال دوبار گھنٹا بجائے گا۔"

حیلہ جوئیوں پر متعجب رہ گیا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ ہونے کے باوجود مجھے ہر وقت خاصے مضبوط بہانے سوجھ رہے تھے۔

"تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا۔ ایک نہ ایک دن جانا ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ تم سب نے اپنی پسند کا گھر ڈھونڈ لیا۔ بس مجھے عمر بھر یہ قلق رہے گا کہ اس انتخاب میں میں تمہارے ساتھ شامل نہیں تھا۔" پوری صورتِ حال واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اول خان کی اداسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"تم پھر بے وقوفی کی بات کر رہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ بندوبست مذاق مذاق میں ہوا ہے۔ ویسے بھی کلفٹن والا فلیٹ میں نے خود ڈھونڈا تھا۔ اس وقت تمہیں یہ بات بری نہیں لگی تھی۔" میں نے اس کے سر پر سوار ہو کر ملامت کی۔

"اس وقت تم میرے مہمان نہیں تھے۔ آج تم میرے مہمان تھے۔" اس کی اداسی دور نہ ہو سکی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ ابھی ہم نے صرف پانچ ہزار دیے ہیں۔ ہم عمر بھر یہیں رہیں گے۔ ہم مر جائیں تو تم اسی میدان میں ہماری قبریں بنا کر ان کے مجاور بن جانا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ تمہاری خوشی ہمیں اپنے ہر آرام بلکہ جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

وہ جذباتی آدمی تھا۔ میرے اس جذباتی وار کو نہ سہہ سکا۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اچانک کرسی سے اٹھا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"اللہ تمہیں لمبی عمر دے اور مجھے تمہارے لائق نصیب کرے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں دعا گو تھا "میں تمہارا بد خواہ نہیں ہوں۔ تم جب چاہو گے' میں خود تمہیں نئے گھر میں پہنچا دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بہت کٹھن اور نازک مرحلہ تھا جو اپنی تمام تر جذباتیت کے باوجود میری دانست میں آرام سے گزر گیا۔ میں نے اس کی پشت پر چند زوردار تھپکیاں دیں اور طبیعت کا ابال ختم ہونے پر وہ چند لمحوں بعد دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی دونوں آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

غزالہ جو ذرا سی دیر پہلے اس کی باتوں پر اپنی ہنسی روک رہی تھی، اس منظر کی تاب نہ لا سکی اور دوپٹے میں منہ چھپا کر خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آئندہ اپنے مرنے کی بات منہ سے نہ نکالنا" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے روٹھے روٹھے انداز میں بولا "میرا کلیجہ چھل جاتا ہے۔ یہ تمہارے دشمنوں کی بددعائیں ہیں، انہیں اپنی آرزو مت بنایا کرو۔"

"تم بھی اکھڑی اکھڑی باتیں نہ کیا کرو۔ دنیا سے کٹ کر ہم چند ہی تو ایک دوسرے کے ہمدرد رہ گئے ہیں۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا تو ہمیں کون پناہ دے گا۔ باہر کی دنیا میں ہر طرف ہمارے دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے ہیں جن کی ایک نشانی تمہارے گارڈ روم میں بند ہے۔"

میری زبان سے موسیٰ کا حوالہ سنتے ہی وہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے بولا "رستم بہت پہنچ والا آدمی ہے۔ پولیس نے بہت اعلیٰ سطح پر یہ چھان بین شروع کر دی ہے کہ پچھلی رات کینٹ اسٹیشن کے قریب کس ایجنسی نے کارروائی کی تھی۔ میں نے انہیں کورا جواب دے دیا ہے۔"

"پولیس والے اتنے بااختیار کیسے ہو گئے کہ ایجنسیوں کے خلاف تحقیقات کر سکیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"وہ یہ جرات نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اسے رسمی چھان بین اور معلومات کے باہمی تبادلے کا نام دیا ہے" کام کی باتیں شروع ہوتے ہی اول خان تیزی سے نارمل ہوتا جا رہا تھا۔

"معلومات کے اس تبادلے سے وہ کیا نتائج حاصل کرنا چاہ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کسی نامعلوم آدمی نے ایک ہوائی فائر کیا اور غائب ہو گیا۔ کوئی زخمی ہوا نہ کسی اور واردات کا کوئی گواہ ملا۔ یہ ایک عام سا واقعہ تھا۔ ایسے واقعات پر پولیس ایسی سرگرمی نہیں دکھاتی ابھی تک کسی نے موسیٰ کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کروائی۔ یہ چھان بین رستم کے لاڈلے کر رہے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ موسیٰ اس وقت کس کی تحویل میں ہو سکتا ہے۔"

"رستم کے ہاتھ واقعی لمبے ہیں جب ہی وہ شہر میں اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ موسیٰ کو تم تینوں نے اٹھایا تھا۔ میرے آدمی یہ کام کرتے تو اسے کمرے سے اٹھا کر لاتے۔ ان کی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود پولیس کو ہوٹل کے عملے سے پتا چل جاتا کہ موسیٰ کو لے جانے والے سادے کپڑوں میں دیدہ دلیری سے آئے تھے۔ میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔"

"ان حالات میں تم موسیٰ کو کب تک اپنی قید میں رکھ سکو گے؟"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی پوری ہسٹری شیٹ میرے سامنے ہے۔ وہ کم از کم تین مردوں اور ایک عورت کا قاتل ہے۔ اگر قانون اسے سزا نہیں دے سکا تو ہمیں کچھ سوچنا ہو گا۔ اسے زندہ چھوڑا گیا تو کرنل جمال دستی کا نام ایک مرتبہ پھر ہر افسر کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔"

"کرنل بے چارہ تو اس وقت اوہان کے کسی ہوٹل میں نوکری پر چڑھ چکا ہو گا" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہر ایک کو یہی باور کرایا جانا چاہیے تاکہ یہاں تمہاری تلاش کی مہم زیادہ زور نہ پکڑ سکے" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

موسیٰ کے لیے بدترین بات یہی تھی کہ وہ کرنل جمال دستی کے نام سے ہی واقف نہیں تھا بلکہ تین مرتبہ مجھے دیکھ بھی چکا تھا۔ اس سے میرا پہلا سامنا کلب کے لان پر ہوا تھا۔ دوبارہ میں نے اس کے سامنے آ کر اسے بسیرا جانے سے روکا اور تیسری بار اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں اس سے پوچھ گچھ کے لیے مجھے اس کے سامنے جانا پڑا۔ وہ اپنی جان بخشی کے لیے ہم سے جتنے بھی وعدے کر لیتا۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

رستم ایرانی ایک خطرناک سفید پوش بدمعاش تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا کوئی آدمی اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ جب تک موسیٰ ہماری خفیہ تحویل میں تھا، رستم کو پوری شدومد سے اس کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ وہ آزاد ہو جاتا تو رستم ہر قیمت پر یہ جاننا چاہتا کہ موسیٰ نے مقررہ وقت پر بسیرا نہ پہنچ کر اس کی حکم عدولی کیوں کی۔

موسیٰ کے لیے اپنے باس کا دباؤ ناقابل برداشت ثابت ہوتا اور وہ ہم سے کیے ہوئے ہر وعدے کو فراموش کر کے پوری کہانی اس کے سامنے اگل دیتا۔ رستم کے ذریعے وہ قصہ میجر بخشی تک پہنچتا تو اس کا یہ شبہ یقین میں بدل جاتا کہ کرنل جمال دستی ڈپی ہی کا دوسرا روپ ہے۔

وہ میرے لیے خطرناک موڑ ہوتا کیونکہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے کرنل جمال دستی کے روپ میں میرے فنگر پرنٹس حاصل کیے ہوئے تھے جو امریکی ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ میرے اصل روپ اور بہروپ کا ابہام یقین میں بدلتے ہی میرے لیے خطرات اور اندیشوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو سکتا تھا جس سے بچنے کے لیے موسیٰ جیسے ہسٹری شیٹر اور قاتل کی بھینٹ دینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

اس بارے میں میری تائید حاصل کرنے کے بعد اول خان اپنے دفتر واپس چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے جاتے ہی ویرا اپنے کمرے سے لوٹ آئی اور بولی۔

"مکان کا بندوبست کرنے میں اول خان کو نظرانداز کرکے ہم نے سنگین غلطی کی تھی۔ اس کا سامنا ہوتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس تذکرے پر بھڑک اٹھے گا۔ میں وہ قصہ سرے سے گول کرنا چاہ رہی تھی۔"

"مگر اس میں قہقہہ لگانے والی کیا بات تھی؟" میں نے ناخوشگواری سے پوچھا۔

"کم از کم میرے لیے وہ سچویشن ایسی ہی ہوگئی تھی۔ تم نے پوری بات بتانے کے لیے خلوص سے تمہید باندھی اور وہ تم پر ہی چڑھ دوڑا۔"

"وہ بہت بگڑ گیا تھا۔ تمہاری ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔"

"غزالہ نے مجھے سب بتادیا ہے" وہ پھر ہنس پڑی "تم نے بہت خوب صورتی سے بات سنبھال کر اسے اعتماد میں لیا ہے۔ کم از کم میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔"

"وہ بہت مخلص انسان ہے۔ اس سے پے در پے جھوٹ بولتے ہوئے میرا دل مجھے ملامت کررہا تھا۔"

"جھوٹ کا سہارا لیے بغیر اسے رام کرنا ممکن نہیں تھا۔ انجام بخیر ہو تو ہر بات جائز ہوجاتی ہے۔ تم نے جھوٹ بول کر اول خان کی دل جوئی کی ہے۔ یہ جھوٹ قابلِ ملامت نہیں' قابلِ احترام تھے۔ غزالہ نے تمہاری زبردست قلابازیوں کے بارے میں مجھے ہر بات بتادی ہے۔"

اس روز میں اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کررہا تھا۔ میں نے اول خان سے جو باتیں کہیں وہ ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھیں لیکن میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور انکی ہوئی تھیں۔ غبار صاف ہوجانے کے بعد سب کے ذہن خوب کام کررہے تھے۔

شام کو اول خان آیا تو اس کا موڈ بہت بہتر ہوچکا تھا۔ ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد شاید اس نے اس حقیقت کو قبول کرلیا تھا کہ جو کچھ ہورہا تھا وہ ہمارے فطری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ لمبے عرصے تک ہم سب کا یک جا رہنا ایک مثالی خواب تو ہوسکتا تھا لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔

اس کے آدمیوں نے پنڈت منوہرلال اور موہنی پنڈت کے بارے میں خاصی محنت کی تھی۔

پنڈت اور اس کی بیٹی کی نجی زندگیاں بہت گندی اور گھناؤنی تھیں۔ وہ باتیں مجھے موسیٰ سے بھی معلوم ہوچکی تھیں۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنی چھان بین میں ان واقعات کو زیادہ گہرائی تک کریدا تھا۔ یہ بات ہر شک وشبے سے بالا تھی کہ پنڈت کو اپنی اکلوتی اور خوب صورتی بیٹی سے والہانہ محبت تھی۔ شاید دس سال پہلے بیوی کی رفاقت سے دائمی محرومی سے بیٹی کے لیے اس کی محبت گہری ہوگئی تھی۔

اعتدال انسان کی زندگی کا سب سے سنہرا اور کامیاب اصول ہے۔ اعتدال برقرار نہ رہے تو انسان کو اذیت ناک تجربات کے لیے جہنم کے سفر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہی جیتی جاگتی دنیا اس کے لیے جہنم کا نمونہ پیش کرنے لگتی ہے مگر بیٹی کے لیے پنڈت کی پدرانہ محبت میں بے اعتدالی نے ان دونوں میں سے کسی کے لیے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی تھی۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت خوش تھے۔

پنڈت رنگین مزاج آدمی تھا۔ اس نے موہنی کے لیے حد سے بڑھی ہوئی محبت میں اسے وہ بے مہار آزادیاں دی ہوئی تھیں جن سے وہ خود فیض یاب ہوتا رہتا تھا۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے دانستہ چشم پوشی کرتے تھے لیکن ان کی صحبتوں سے لطف اندوز ہونے والے بھی خود احتسابی کے نادر لمحات میں پنڈت اور موہنی کو عبرت کا مرقع قرار دیتے تھے۔

ان کے پاس شرم' حیا' عزت اور ساکھ کا کوئی روایتی تصور نہیں تھا۔ رنگا رنگ لوگوں کے ہجوم میں سرمستی کی زندگی بسر کرنا ان کا مشن تھا اور وہ اس میں کامیاب تھے۔ ان کے دوست اور احباب ان کے منہ پر ان کی دریادلی' احباب نوازی اور آزادروی کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ پیٹھ پیچھے وہ جو بھی کہتے ہوں' انہیں اس کی پروا نہیں تھی۔

پنڈت بہت سی شہری اور دیہی جائدادوں کا مالک تھا جن کے کرایوں سے ہونے والی خطیر آمدنی کے بعد اسے کسی کام کاج کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ پھر بھی کاروباری لین دین کے ذریعے دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور کر اسے اپنی من پسند رنگینیوں پر لٹاتا رہتا تھا۔

وہ کاروبار کے بجائے صرف کاروباری لین دین کرتا تھا کیونکہ شہر کے تجارت پیشہ گھرانوں میں تعلیم کا رجحان کم تھا۔ بچے کو ہوش سنبھالتے ہی موروثی کاروبار میں لگادیا جاتا تھا۔ دوسرے کاروباری وہ تھے جو تعلیم کے میدان میں منہ کے بل گرنے کے بعد کوئی نہ کوئی دھندا جمانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔

اس بھیڑ میں پڑھے لکھے کہلانے والے بھی پائے جاتے تھے لیکن ان کی تعلیم بس تعلیمی سند پر لکھی ہوتی تھی۔ عملی طور پر کوئی سند ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ کاروبار میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔ وہ انکم ٹیکس اور دوسرے سرکاری چکروں کی وجہ سے بینکوں سے لین دین کرنے سے گھبراتے تھے اور بھاری ماہانہ شرحوں پر کھلی منڈی کے مہاجنوں سے بڑی رقمیں لینے کو ترجیح دیتے تھے۔

سوجھ بوجھ رکھنے والے تاجر ایسے مہاجنوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حقارت سے انہیں سود خور قرار دے کر بینکوں سے کاروبار کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسروں کے لیے پنڈت منوہرلال جیسے لوگ ایک بڑا سہارا تھے۔ بینک کی پندرہ بیس فیصد سالانہ شرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مقابلے میں وہ اپنی دی ہوئی رقموں پر تین چار فیصد ماہانہ سود ضرور لیتے تھے لیکن وہ زبانی لین دین ہوتا تھا جس میں کسی رسید یا کھاتے کا دخل نہیں تھا۔

پنڈت نے اپنی کئی جائدادیں گروی رکھ کر بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں کم شرح پر ادھار لی ہوئی تھیں اور بازار میں وہی رقمیں تین گنا سے بھی زائد شرحوں پر سود میں چلا کر بھاری نفع کما رہا تھا۔

جب آمدنی ایسی بے حساب ہو' شوق بے لگام ہوں' مصروفیات رنگین ہوں اور ضمیر سویا ہوا ہو تو وہی ہوتا ہے جو پنڈت کر رہا تھا۔

باپ اپنی بیٹی کے ساتھ مل کر اندھی آمدنی کو ہوس اور خواہشات کے اندھے کنویں میں ڈبو رہا تھا۔ وہ خود خوش تھا' اس سے ملنے والیاں خوش تھیں اور موہنی سے ملنے والے بھی خوش تھے۔

وہ پنڈت منوہر لال کی زندگی کے ایسے پہلو تھے جو بہت سے لوگوں کے علم میں تھے۔ اس کی خفیہ سرگرمیاں جو ہر ایک کی نظروں سے اوجھل تھیں' زیادہ تشویش ناک تھیں۔

دھن راج موہنی کا منظورِ نظر ہونے کے ساتھ پنڈت کا بھی چہیتا تھا۔ دھن راج کی طرح پنڈت بھی اہم اور اعلیٰ عہدوں پر مامور افسران سے گہری دوستیاں رکھتا تھا۔ انہیں اپنی محدود دعوتوں میں بلا کر شراب وشباب سے ان کی مہمان نوازی کرتا تھا' ان مدارات کے صلے میں وہ ان سے کیا حاصل کرتا تھا' یہ کسی کے علم میں نہیں تھا۔ یہ سراغ لگانے کے لیے وقت درکار تھا۔

"وہ خطرناک آدمی ہے" میں نے اول خان کی زبانی وہ ساری باتیں سننے کے بعد لڑکی "اس نے ظاہری طور پر پلے بوائے کا روپ دھارا ہوا ہے مگر اندر ہی اندر کوئی اور گل کھلا رہا ہے۔"

"گل ضرور کھلا رہا ہے۔ ہفتے میں ایک رات وہ چند گھنٹوں کے لیے بسیرا ضرور جاتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ رستم جیسے جرائم پیشہ شخص سے اس کا کیا مفاد وابستہ ہے جو رات گئے اسے خود گاڑی چلا کر بسیرا جانے پر مجبور کر دیتا ہے؟ میرے آدمی اس پر کام کر رہے ہیں۔"

"کیا وہ ہمیشہ رات گئے ہی رستم کے پاس جاتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فی الحال یہی معلوم ہوا ہے۔ ایک دو روز میں سب واضح ہو جائے گا۔"

"بے فکری کی زندگی گزارنے والا شخص ایسے پراسرار رابطے کیوں رکھتا ہے؟ سرکاری افسر' سفارت کار اور مجرم' یہ سب ہی اس کے دوست ہیں۔ ان کی درمیانی کڑی وہ خود ہے۔"

"ہمیں موسیٰ کی بات پر غور کرنا ہوگا" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے موساد کے ایجنٹوں سے پنڈت کے میل جول کی کہانی محض جان بچانے کے لیے نہ گھڑی ہو۔"

"غور ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ موسیٰ معمولی پڑھا لکھا اور بہت کم رتبے کا آدمی ہے۔ وہ موہنی کا محافظ تھا۔ اسے پنڈت کی پارٹیوں کی اتنی زیادہ تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟ موساد والوں کی شناخت ان کی پیشانی پر نہیں لکھی ہوتی کہ ہر ایرا غیرا' نتھو خیرا انہیں پہچان لے۔"

"تم ہمیشہ گہری جزئیات پر نگاہ رکھتے ہو۔ تمہارے اعتراض میں وزن ہے۔"

"اگر وہ سچا ہے تو ہمیں پنڈت کے گھر سے اس کے کرتوتوں کا کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور ملے گا۔"

"وہ اپنی جان بچانے کے لیے بکواس کر رہا ہے" میری بات اول خان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

"ہمیں بے لاگ انداز میں ہر بات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ میری رائے غلط ہو اور وہ سچ بول رہا ہو۔"

"اس کا بہت کم امکان نظر آتا ہے" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"یہ دوسرا پہلو ہے۔ ہم اسے بھی نظر انداز نہیں کر سکتے" میں نے اسے سمجھایا "وہ چوبیس گھنٹے گھر میں رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے کسی اور ذریعے سے یہ باتیں معلوم ہوئی ہوں۔"

روشن خیال گھرانوں کے مکین اپنے مسکین نظر آنے والے گھریلو ملازمین کو عام طور پر زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور ان کو گونگا' بہرا سمجھتے ہوئے' ان کی موجودگی میں بھی اپنی گفتگو کے تسلسل میں فرق نہیں آنے دیتے۔ شام کو یا رات کو جب کسی مخصوص مقام پر ان خانگی ملازمین کی چوپال جمتی ہے تو بے احتیاطی سے کہی ہوئی بہت سی باتیں سینہ بہ سینہ گھر سے باہر نکل کر دوسروں تک پہنچ جاتی ہیں۔

گھر کے اندر اور باہر کام کرنے والے ملازمین میں بھی قریبی ربط ضبط ہوتا ہے۔ ایک خدمت گار کوئی چونکا دینے والی نئی بات سنتا ہے تو اپنے ساتھیوں میں اپنی برتری اور اہمیت جتانے کے لیے وہ اہم بات ہر طرف پھونک دیتا ہے۔ یہ سلسلہ ہر گھر میں یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

ملازمین کی سطح پر گردش کرنے والی ان سرگوشیوں میں بعض اوقات افواہیں بھی شامل ہو جاتی ہیں لیکن مالکوں کو شاذ و نادر ہی علم ہو پاتا ہے کہ ان کے کمروں میں ہونے والی باتیں کہیں اور بھی پھیل رہی ہیں۔

گھریلو ملازمین کی ایک الگ ہی دنیا ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھر بار' ماں باپ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر محض روزی کمانے کے لیے دن رات اپنے مالکان کی سیوا کرتے ہیں اور اپنی روزی کے اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے دن رات ان کی جھڑکیاں اور ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کی زندگی میں سنسنی اور دلچسپی کا ایک ہی پہلو ہوتا ہے کہ وہ اپنے قابلِ رشک مالکان کے رازوں سے ایک معصومانہ سی باخبری حاصل کرتے رہیں اور پھر اسے بڑھا چڑھا کر اپنی کہانیوں سے دوسروں کو مرعوب کر سکیں۔ مالک ان کے خوابوں کے شہزادے ہوتے ہیں جنہیں ہر وہ آسائش اور سہولت حاصل ہوتی ہے جو ان کے خوابوں میں ناچتی رہتی ہے لیکن عمر بھر وہ اسے نہیں پا سکتے۔ ان کے لیے ایسے شہزادوں کے قریب رہنا اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی پُراسرار آرزوؤں میں سلگتے رہنا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

بات کا دوسرا رخ ایک لمبی بحث کے بعد آخر کار اول خان کی سمجھ میں آ ہی گیا اور وہ قائل ہو گیا کہ موسیٰ کے بیان کی تردید یا تصدیق کے لیے پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی ضروری تھی۔

"موسیٰ کے چکر میں پڑ کر ہم ملنگ کو بالکل ہی بھول بیٹھے ہیں۔" اس موضوع کے سمٹتے ہی اول خان کو رستم کے دوسرے آدمی کا خیال آ گیا۔

"شاید موسیٰ اس سے زیادہ کار آمد ثابت ہوا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ ہم گدھے کے ساتھ بچ کو بھی نہیں لائے ورنہ ہمیں اس کی ہسٹری شیٹ پر بھی غور کرنا پڑ جاتا۔"

"اس وقت صرف وہی ایسا مجرم ہے جو تمہیں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے پہچان سکتا ہے" اول خان نے بتایا۔

"تم میجر بخشی کو بھول رہے ہو۔ اس بہروپ کی ابتدا کا ذمے دار وہی ہے۔"

"بخشی ایک محتاط سفارتی افسر ہے۔ شہر میں اس کی نقل و حرکت بہت محدود ہے مگر ملنگ سے کہیں بھی تمہارا سامنا ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ رستم کا آدمی ہے۔"

"چند روز کی بات ہے۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی اگ آئے گی تو وہ بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ اس وقت تک میں ذرا سی احتیاط کر لوں گا۔"

"آج تم رستم کو فون کرو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بسیرا کا رخ کرنا پڑ جائے۔ ملنگ وہاں موجود ہوا تو تمہیں واپسی کی راہ بھی نہیں مل سکے گی۔"

"رستم اپنے آدمیوں کو اپنے گھر سے دور رکھتا ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر بھی اس نے موسیٰ کو وہاں بلایا تھا۔ موسیٰ غائب ہے۔ موسیٰ کا اتا پتا لگانے کے لیے ملنگ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

"احتیاط اچھی ہوتی ہے۔" میں اس سے متفق ہو گیا "جب تک میرا اور رستم والا قصہ طے نہیں ہو جاتا، ملنگ کی نگرانی شروع کرا دو۔"

"نگرانی سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اسے بھی رگڑنا پڑے گا۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"وہ آخری علاج ہے۔ فی الحال نگرانی کراتے رہو" میں نے اسے سمجھایا "اس طرح وہ تمہاری نظروں میں رہے گا۔ اگر وہ بسیرا کا رخ کرے تو اس کے خلاف قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔"

"یہ ہو سکتا ہے" اول خان نے سر ہلایا "مجھے اس کی جان لینے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ تمہارے لیے خطرہ نہ بننے پائے۔ یہ مقصد اس طرح بھی پورا ہو جائے گا۔"

"موسیٰ کہاں ہے؟ اس کے بارے میں تم نے کیا طے کیا ہے؟" مجھے وہ سوال یاد آ گیا۔

"آج اس کی آخری رات ہے۔ لاش اس کے پرانے علاقے میں ڈال دی جائے گی۔"

"اسے بھی زندہ رکھو۔ جب تک اس کی لاش نہیں ملتی، رستم اس کی بازیابی کے بارے میں پر امید رہے گا۔ لاش مل گئی تو اس کا موڈ بگڑ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اوپی والے کام سے انکار کر دے۔"

مقررہ وقت سے پہلے سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ رستم نے مجھے فون کرنے کے لیے کوئی خاص وقت نہیں دیا تھا۔ بس شام کا ذکر کیا تھا مگر میں نے اس کام کے لیے اپنے طور پر سات بجے کا تعین کر لیا تھا۔

سات بجے میں اول خان کے ساتھ اس کے دفتر میں موجود تھا۔ فون ملنے پر دوسری طرف سے رستم کے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔

"میں ملک ممتاز بول رہا ہوں۔ مجھے رستم سے ضروری کام ہے" میں نے اپنا تعارف کرایا۔

"ہولڈ کرو!" اس آواز کے بعد چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ لائن ملا رہا ہو گا مگر ایک لمبے سکوت کے بعد وہی آواز دوبارہ ابھری "ملک ممتاز اور ملک افضل..... تم کل بھی آئے تھے؟"

"ہاں، وہی سلسلہ ہے۔ رستم نے آج فون کرنے کے لیے کہا تھا" مجھے اس کی باز پرس پر غصہ آنے لگا۔

اس مرتبہ ریسیور پر ہلکی سی بلوچی موسیقی سنائی دینے لگی۔ وہ اپنے ایکس چینج کے ذریعے رستم سے لائن ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک موسیقی کی آواز منقطع ہو گئی اور وہی آدمی پھر لائن پر آ گیا۔

"سات پیٹی لے کر دو بجے سے پہلے یہاں آ جاؤ۔ کام ہو جائے گا" اس نے کہا۔

"یہ سات پیٹی کا کیا مطلب ہے؟ تم رستم سے میری بات کیوں نہیں کراتے؟"

"ایک پیٹی ایک لاکھ، سات پیٹی سات لاکھ" اس نے کاروباری انداز میں وضاحت کی "ان کے پاس مہمان ہیں۔ وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت بات نہیں کرسکتے۔ یہ پیغام ان ہی کی طرف سے ہے۔"

"تو کیا آج ہی دو بجے سے پہلے آنا ضروری ہے؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا "اتنے کم وقت میں اتنی پیٹیوں کا بندوبست کرنے میں دقت ہوسکتی ہے۔"

"جو ہوتا ہے وہ بندوبست کرلو۔ باقی باتیں خود آکر کرلینا..... بولو' کس وقت آؤ گے؟"

"گیارہ بجے!" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "اس میں ذرا سی دیر سویر ہوسکتی ہے۔"

"گیارہ اور بارہ کے بیچ تمہارا وقت ہے۔ آزوبازو خیال کرکے آنا۔ آج کل موسم ذرا خراب ہے۔ چٹی چور مال کی بو سونگھتے پھرتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

"دو بجے!" میرے نمٹتے ہی اول خان نے اپنے نتھنوں سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا "یہ دو بجے اور گیارہ بجے کا کیا چکر تھا؟"

"معلوم ہوتا ہے رستم ایرانی کسی اُلّو کی اولاد ہے۔ اس نے دو بجے سے پہلے بلایا تھا۔ میں نے گیارہ کا وقت دیا۔ اب گیارہ اور بارہ کے درمیان میرے لیے وقت مقرر ہے۔"

"یہ پیٹیوں کا کوڈ شاید رقم کے لیے تھا؟" اول خان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم ایسی مجرمانہ اصطلاحات سے خاصے باخبر ہو۔" میں ہنس کر بولا "رقم آج ہی ادا کرنی ہے۔"

"آج؟" اول خان فکر مند ہوگیا "میں نے سمری بھیجی ہوئی ہے۔ رقم ملنے میں چند روز لگیں گے۔"

"اوہ!" میری حیرت اور خوشی کا ٹھکانا نہ رہا "تو کیا یہ رقم ایس ٹی ایف ادا کرے گی۔"

"بالکل۔ اوبرائن تمہارا نہیں اس ملک کا دشمن ہے۔ اس کے سر کی قیمت یہ ملک ہی ادا کرے گا۔"

"پھر پروا مت کرو۔ میں ابھی جہانگیر کی طرف جاتا ہوں۔ ڈالروں میں نوٹ بہت کم ہوں گے۔ رستم خوش ہوجائے گا۔ میں سلمٰی سے رقم لے کر رستم سے ملنے کے بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں فنڈز مل جائیں تو تم سات لاکھ کا ادھار ادا کردینا۔ اس وقت لوہا گرم ہے۔ اوبرائن کے کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

میں نے رستم کے آدمی کو بتا دیا تھا کہ پوری رقم کے بندوبست میں دیر ہوسکتی ہے اور اس نے مجھے بسیرا آکر رستم سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ ایسے کاموں میں پوری رقم کی پیشگی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ رقم دینے میں تاخیر کا مطلب اوبرائن کے فتنے کو زیادہ دیر پالنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مجھے معاوضے کے تعین میں رستم کی ایمان داری نے کافی متاثر کیا تھا۔ اس نے مجھے سات سے دس لاکھ تک کا تخمینہ دیا تھا اور میں نے سرچشمی کے ساتھ اس کی ادائیگی پر اپنی رضامندی ظاہر کردی تھی۔ اس کے باوجود رستم نے اپنے تخمینے کی سب سے کم رقم طلب کی تھی۔ اس مطالبے سے ثابت ہوگیا تھا کہ رستم اپنے گاہک کی جیب دیکھ کر معاوضہ لینے کے بجائے کچھ اصولوں کی پاس داری کرتا تھا اور شاید اسی لیے کامیاب تھا۔

رستم سے ملاقات میں ویرا کے لیے سرے سے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس سے ملنے کا حق صرف ملک ممتاز اور ملک افضل کو تھا مگر جوں ہی اسے یہ پتا چلا کہ میں جہانگیر کے گھر سے رقم لیتا ہوا' سلطان شاہ کے ساتھ بسیرا جاؤں گا تو وہ بھی مچل گئی کہ اسے اور غزالہ کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔

دن میں' میں پورے جلوس کے ساتھ کرائے کے مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا مگر دونوں عورتوں کو جہانگیر کے گھر چھوڑ کر رستم سے ملاقات کے بعد اپنے ساتھ واپس لانے کی تجویز نہایت احمقانہ تھی۔ مجھے واپسی میں رات کے ڈیڑھ' دو بھی بج سکتے تھے اور ایسے نامناسب وقت پر ہم چاروں کا یک جا ہو کر شہر میں گھومنا کسی طرح موزوں نہیں تھا۔

رات کے کھانے تک ویرا رہ رہ کر مجھ سے الجھتی رہی۔ اس دوران میں اس نے اول خان کے فراہم کئے ہوئے ذخیرے میں سے اسکاچ کی ایک مناسب مقدار اپنے معدے میں اتار لی تھی اس لیے اس کے لب و لہجے میں ضد کا عنصر بھی عود کر آیا تھا۔ وہ ہم میں سے کسی کی کوئی دلیل سننے یا ماننے کے بجائے اپنی بات منوانے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم ان دونوں کو جانے دو۔" اول خان کو نہ جانے وہ تجویز کیسے سوجھ گئی "غزالہ کمرے میں آرام کرے گی۔ ہم دونوں موسیٰ پر تھوڑی سی محنت اور کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی کچھ اور بھی اگلے گا۔"

وہ نکتہ ویرا کی خمار زدہ کھوپڑی میں سما گیا۔ وہ رستم اور جہانگیر کو بھول کر مسرت آمیز لہجے میں بولی "رات کا اندھیرا ویسے ہی خوف آور ہوتا ہے اور اندھیرے کا تشدد بڑے بڑے سورماؤں کا حوصلہ توڑ دیتا ہے۔ یہ کھیل زیادہ بہتر رہے گا۔"

میں نے اس کی آمادگی پر تشکر کا کوئی کلمہ ادا کرنے کے بجائے اسی موضوع میں الجھائے رکھنا زیادہ مناسب سمجھا اور کہا "کبھی کبھی تم تشدد سے بہت زیادہ محظوظ ہونے لگتی ہو اور حد سے گزر جاتی ہو۔ اسے مار ہی نہ دینا۔ اس گرم موسم میں اسٹیشن فور پر دو چار روز تک لاشیں محفوظ رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔"

"فکر مت کرو۔" وہ اپنی ترنگ میں بولی "وہ مرگیا تو اس کی لاش ایدھی کے مردہ گھر میں رکھوا دیں گے۔"

"ایدھی والے لاشوں کو چھپانے کا دھندا نہیں کرتے۔ وارثوں کی توجہ کے لیے فوراً ہی تصویری خبریا اشتہار جاری کردیتے ہیں۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تم کو جہاں جانا ہے' چلے جاؤ۔ یہ میرا اور اول خان کا مسئلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگا۔ اس سے ہم خود نمٹ لیں گے۔"

"تم نے اپنے کمرے کے دو تین پھیرے اور لگا لیے تو کوئی مسئلہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہو گی۔" سلطان شاہ چڑ کر بڑبڑایا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

ویرا شاید اس کا تبصرہ نہیں سن سکی تھی۔ اس کی روانگی کو اپنی فتح سمجھ کر ہنس دی۔

کھانے کے بعد سلطان شاہ کو ساتھ لے کر میں اسٹیشن ویگن سے نکل کھڑا ہوا۔ جہانگیر اور سلمٰی سے میری ملاقات کو کافی دن گزر گئے تھے۔ اس جوڑے کے لیے میں اسلام آباد اور لاہور گیا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ میری گلو خلاصی نہیں ہوسکے گی۔ انہیں مطمئن کر کے ہی میں اپنی مہم پر روانہ ہوسکتا تھا۔

ملیر چھاؤنی سے کلفٹن تک کا سفر خاصا طویل تھا مگر سلطان شاہ کی متجسس فطرت اور اس کے پے در پے سوالوں کی وجہ سے وہ فاصلہ باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

ڈور بیل کے جواب میں ایک کم عمر بچی نے دروازہ کھولا تو میں چونک گیا۔ لمحے بھر کے لیے میرا دل دھک سے رہ گیا کہ کہیں جہانگیر نے کسی مجبوری کی وجہ سے وہ فلیٹ نہ چھوڑ دیا ہو مگر اسی وقت اندر سے آنے والی، سلمٰی کی آواز نے میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ وہ اس لڑکی کو میرا نام معلوم کرنے کی ہدایت دے رہی تھی۔

"بیٹا! بتا دو کہ ہم آئے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہا اور میری آواز پہچان کر سلمٰی تقریباً دوڑتی ہوئی خود ہی دروازے پر آگئی۔

"ارے، تم غیروں کی طرح یہاں کیوں رک گئے۔ سیدھے اندر چلے آتے۔" ہمیں غیر متوقع طور پر اپنے دروازے پر پا کر اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہوگیا تھا۔

میں اس دوران میں کم عمر لڑکی کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ معصوم اور خوب صورت بچی تھی۔ اس کے لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گھر کے کام کاج کے لیے ملازم رکھی گئی تھی۔ اپنی مالکن کی آواز سنتے ہی اس نے قدرے حیرت سے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ سلمٰی اس قدر جوش میں آئی ہوئی تھی کہ ہمارے داخل ہونے سے پہلے ہی اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

سلطان شاہ میرے ساتھ سلمٰی کے تپاک کی وجہ سے جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ لڑکی نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دروازہ بند کر دیا۔

"تم لاہور سے کب آئے؟ وہاں سے پلٹ کر دوبارہ فون بھی نہیں کیا۔ گئے تھے تو میرے میکے والوں کے ساتھ میرے بیٹے کو بھی دیکھ آتے۔ تمہارا خون بالکل سفید ہوگیا ہے۔"

"تم نے ایک ہی سانس میں شکووں کا دفتر کھول دیا۔ ہمیں اندر بیٹھنے تو دو۔" میں نے احتجاج کیا "میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی آیا ہے۔"

"سلطان شاہ بھی اپنا ہے، اسے سب معلوم ہے۔ تم اس کے ہمدرد بننے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کچھ کہے بغیر بے بسی سے دانت نکال کر رہ گیا۔

"سلمٰی!" خواب گاہ سے جہانگیر کی بوجھل آواز گونجی "کون آیا ہے جو اتنا چہک رہی ہو۔"

"آرہی ہوں۔ خود دیکھ لینا کہ میرا کوئی نہیں آیا۔ دونوں تمہارے ہی جگری دوست ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں آنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔" سلطان شاہ نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ معذرت کی "ویسے بھی ہمیں فون کر کے آنا چاہیے تھا۔"

"وہ شام کو بلا ناغہ پیتے ہیں۔" سلمٰی نے منہ بنا کے کہا "فون کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پینے کے بعد وہ ایسی ہی جلی کٹی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اندر آکر خود دیکھ لو کہ کیا ہو رہا ہے۔"

جہانگیر نے اپنی خواب گاہ میں سماں باندھنے کے لیے دھیمی روشنی جلائی ہوئی تھی اور کیسٹ پلیئر پر ہلکی آواز میں جگجیت سنگھ کی کوئی غزل چل رہی تھی۔ وہ خوڈ کنگ سائز بیڈ پر پھیلا ہوا تھا اور کسی موالی کی طرح دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اسکاچ کا گلاس دبائے ہوئے تھا۔

ہمیں پہچاننے کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر خاصا زور ڈالنا پڑا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے "ابے تو!" کا نعرہ لگایا اور مسہری پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کھڑے کھڑے اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ غٹاغٹ حلق سے اتاری اور گلاس مسہری پر ڈال کر میری طرف چھلانگ لگا دی۔

سلمٰی میرے پیچھے تھی۔ میں دانستہ ایک طرف سرک گیا اور جہانگیر کو سنبھلنے کے لیے مجبوراً سلمٰی کو اپنے بازوؤں میں لینا پڑ گیا۔

"توبہ! دور ہٹیں.... منہ سے ایسی بدبو آرہی ہے کہ دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" سلمٰی نے ناک منہ چڑھا کر اسے اپنے بدن سے دور دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تم خود دور ہٹو.... کیوں میرے راستے میں آئی ہو۔" جہانگیر اس پر غرایا "تمہارے پسینے میں سے اب ظلم کی بدبو آنے لگی ہے۔ تم بہت سفّاک اور خود غرض ہو۔"

"میں جیسی بھی ہوں، تم سے اچھی ہوں۔" سلمٰی لڑاکا انداز میں بولی "کوئی سفّاک عورت ملی ہوتی تو اب تک دس دفعہ لات مار کر اپنے گھر بیٹھ چکی ہوتی۔"

"دو دفعہ تو تم بھی بھاگ کر اپنے چہیتے اور لاڈلے بھائیوں کے پاس جا چکی ہو۔ پھر کیوں آگئیں؟ میرے سینے پر مونگ دلنے!" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"دیکھ لو.... یہ نشے میں ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں۔" سلمٰی روہانسی ہوگئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے محسوس کیا کہ وہ بے بات کی لڑائی تھی جو ہمارے پہنچتے ہی اچانک شروع ہو گئی تھی۔ میں نے جہانگیر کو مسہری کی طرف لے جاتے ہوئے پچکارا "کیوں بلاوجہ بیوی سے لڑ کر اپنا موڈ اور نشہ غارت کر رہے ہو۔ سلطان شاہ تمہارے بارے میں اپنے دل میں کیا سوچے گا۔"

سلطان شاہ خواب گاہ کا خراب موسم دیکھ کر باہر نکل چکا تھا۔ سلمٰی تیز سرگوشیانہ آواز میں بولی "انہیں اب کسی کی شرم اور پروا نہیں ہے۔ میں نے جب سے گھر کے کام کے لیے ایک بچی رکھی ہے' یہ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔"

"یار' تم خود غور کرو۔ اپنا بچہ لاہور بھیج دیا ہے اور پرائی بچی پر ظلم کر رہی ہے۔ وہ ننھی سی جان جب اپنی بساط سے بڑے بڑے کام کرتی ہے تو میرا دل کٹنے لگتا ہے۔"

"کبھی کہتے ہیں کہ چائلڈ لیبر اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف ہے' کبھی اسی الزام میں مجھے پولیس سے پکڑوانے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں ہر وقت کے اس عذاب...."

جہانگیر نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی اور مسہری پر پہلو بدل کر مجھ سے بولا "تم خود اس جاہل عورت کو بتاؤ کہ کیا میں غلط کہتا ہوں۔"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی سلمٰی ہمارے قریب آکر زہریلے مگر سرگوشیانہ لہجے میں بولی "یہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بچی کو نکال کر کوئی جوان اور خوش شکل لڑکی رکھ لوں تاکہ میری زندگی کا رہا سہا سکون بھی غارت ہو سکے۔ جب وہ بچی سامنے آتی ہے' یہ دانت پیسنے لگتے ہیں۔"

پوری صورتِ حال واضح ہوتے ہی مجھے جہانگیر پر غصہ آگیا۔ میں نے قہربار نظروں سے اسے گھورا تو اس کے چہرے پر غصے کی جگہ یکایک یتیمی برسنے لگی تھی۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ جھوٹی ہے۔ میں نے کبھی جوان اور خوب صورت نوکرانی کے لیے نہیں کہا۔ بس ذرا بڑی ہو.... اتنی بڑی کہ وہ کام کرے تو اس پر رحم نہ آئے۔" اس نے نشے میں قسم کو خصم بنا دیا تھا۔

"یہ فتنہ تم نے خود پالا ہے۔" میں نے سلمٰی کو لتاڑا "چھوٹی نہ بڑی۔ تم دو آدمیوں کا کام کتنا ہوتا ہے۔ تمہیں کسی ملازمہ کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں تو اس کے لیے بھی تیار ہوں مگر یہ اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ متبادل بندوبست کے بغیر یہ بچی نہیں جائے گی۔ انہیں کون سمجھائے گا؟"

"ہمیں ملازمہ کی ضرورت ہے۔" جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "وہ گھر کا کام سنبھال لے تو سلمٰی میری دیکھ بھال کے لیے زیادہ وقت دے سکتی ہے' باہر کے کام سکون سے کر سکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان مخاصمت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"مخاصمت نہیں' وہ مفاہمت ہوتی ہے۔" میں نے اسے پھٹکارا "ملازمہ بدل کر تم سلمٰی کے لیے روز باہر کے کام نکالو گے۔ سلمٰی تمہیں ٹھیک سمجھتی ہے۔ نشے میں بھی تمہیں اپنے مطلب کی باتوں کا ہوش رہتا ہے۔ تم پکے بدمعاش ہو۔ اور ہر وقت نئے گل کھلانے کے چکر میں رہتے ہو۔"

سلمٰی نے مجھے اپنا ہم نوا پایا تو کمرے سے چلی گئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں جہانگیر کو لعن طعن کرنے کا فریضہ زیادہ بہتر انداز میں سر انجام دے سکتا ہوں۔

"سالی کو جلانے میں بڑا مزا آتا ہے۔" سلمٰی کے چلے جانے کے بعد جہانگیر مجھے آنکھ مار کے مسکرایا "تم ذرا سی دیر میرا ساتھ دیتے تو میں اسے جلا کے راکھ کر دیتا۔"

"ساتھ دینے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تمہاری ہر بات سے بدنیتی ٹپک رہی تھی۔ گھر کے نوکروں کے لیے تم کو پولیس اور اقوام متحدہ کے قانون یاد آرہے ہیں۔"

"آئیڈیا زبردست ہے۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی "گھر ہی میں کوئی مناسب بندوبست ہو جائے تو آدمی کو اِدھر اُدھر بھاگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم سلمٰی کو پٹی پڑھاؤ گے تو وہ مان جائے گی۔ میرے ساتھ ہر بات میں ضد اور بحث پر اتر آتی ہے۔"

"بھول جاؤ.... وہ مر کر بھی تمہاری خواہش پوری نہیں کرے گی۔ اسے تم پر اور پر سفیدی کے برابر بھی بھروسا نہیں ہے۔ وہ اپنا گھر بگاڑنے کی غلطی نہیں کرے گی۔"

"نوکرانیاں کسی ہوشیار عورت کا گھر نہیں بگاڑ سکتیں۔ زیادہ سر چڑھنے سے پہلے ان کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ سال چھ مہینے میں ایسی اول بدل زندگی میں یکسانیت نہیں آنے دیتی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں تیزی سے پلٹا تو کھلے ہوئے دروازے میں سلطان شاہ کھڑا ہوا تھا۔ شاید وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کا خواہاں تھا۔

میں نے دھندلائی ہوئی خواب گاہ میں دو بلب روشن کیے اور اس کی طرف بڑھ گیا۔

"ہم یہاں کے ان کے جھگڑے نمٹانے نہیں آئے۔" قریب پہنچنے پر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "گیارہ بجے ہمیں رقم لے کر رستم کے گھر پہنچنا ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ میں اس وقت تک وہاں آمد کے مقصد کو بھولا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کی یاددہانی پر میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور وہ مفاہمانہ انداز میں سر ہلا کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔

"کیا کہنے آیا تھا۔" جہانگیر نے سامنے رکھے ہوئے دو گلاسوں میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے پیشاب آرہا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوسرا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" جہانگیر نے ناراضی سے پوچھا "کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"آج نہیں.... اب تو میں کراچی میں ہوں۔ فرصت کے وقت محفل جمے گی۔"

"تو کیا تمہیں اس وقت فرصت نہیں ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"غزالہ اور ویرا کو ہوٹل میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ رات گئے کسی مرد کے بغیر یوں ہوٹل میں رہنا پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ میں ذرا جلدی اٹھوں گا۔"

"انہیں ہوٹل میں کیوں چھوڑا؟ کیا یہ گھر موجود نہیں تھا؟" اس نے مجھے گھورا۔

"پہلے ہم یہاں رہ چکے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "مگر اب میں تمہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ شہر میں ہر وقت میری دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔"

وہ میرے اٹھائے ہوئے گلاس کو بھول گیا اور اپنی اسکاچ میں آئس پاٹ سے یخ بستہ پانی انڈیلنے لگا۔ اسی دوران میں اس نے پوچھا "تمہاری ہوٹل بازی کب تک چلے گی۔"

"ہم کل کراچی پہنچے تھے۔ آج میں نے ایک مکان دیکھ لیا ہے۔" مجھے فوراً ایک شاندار بہانہ سوجھ گیا "اسی کے سلسلے میں تمہارے پاس آیا تھا۔ ہماری امانت تو محفوظ ہے نا؟"

"ہر وقت سلمٰی کے ازار بند میں لٹکی رہتی ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے توجہ ہٹائے بغیر بے ساختہ جواب دیا "اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کیا ہو سکتی ہے...."

"عجیب بے ڈھب اور بونگے آدمی ہو۔" مجھے طرارہ آگیا اور میں نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی "اپنی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

اس نے سر اٹھا کر مخمور اور تیز زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولا "میں نے ایسی کیا بات کہہ دی؟ کیش بکس میری مسہری کے نیچے رہتا ہے اور اس کی چابی سلمٰی کے ازار بند میں بندھی رہتی ہے۔"

"یہی بات ذرا مہذب پیرائے میں بھی کہی جا سکتی تھی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"لنگوٹیے دوستوں کے ساتھ بھی تہذیب اور تکلف کا دھیان رکھنا پڑے تو انسان کو ہیضہ ہو جاتا ہے۔ یہ بناوٹ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"سلمٰی کو بلاؤ۔ مجھے اس میں سے سات آٹھ لاکھ روپے نکالنے ہیں۔"

"روپے کہاں؟ وہ تو شاید سب کے سب ڈالر ہیں۔ انہیں مارکیٹ سے کیش کرانا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ روپوں کو شرح تبادلہ سے تقسیم کر دیا جائے تو جواب ڈالروں میں مل جاتا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم سلمٰی کو بلاؤ۔ اتنا حساب وہ بھی کر لے گی۔"

"آجائے گی.... وہ بھی آجائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تم اتنی مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔"

"میرے پاس وقت ہوتا تو آج میں یہاں رک کر مرچیں تو کیا، تمہاری ہڈیاں چبانے کے بارے میں ضرور سوچتا۔ تم نے اصلی شراب اور خیالی عورتوں کے چکر میں اپنی زندگی برباد کر لی ہے۔"

"مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہ کرو ورنہ میں بھی پوچھ سکتا ہوں کہ جب غزالہ تمہاری بیوی ہے تو ویرا کیوں دن رات تمہارے ساتھ چپکی پھرتی ہے۔"

"اس سوال کا جواب تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ یاد کرو کہ جب وہ بلیک کوئن کہلاتی تھی اور اس کے نام سے شہر کے سورما کانپ اٹھتے تھے، وہ میری دسترس میں تھی۔"

"اور اب تم اسی پرانی دوستی کو نباہ رہے ہو!" اس نے چوٹ کی۔

"جو چاہو سمجھتے رہو مگر سلمٰی کو فوراً بلا لو۔ تم میرا کافی وقت برباد کر چکے ہو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔

غنیمت یہ ہوا کہ جہانگیر نے مخمور ہونے کے باوجود میرے لہجے میں چھپی ہوئی بے چینی کا اندازہ لگا کر سلمٰی کو آواز دی اور وہ فوراً خواب گاہ میں آگئی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر سلمٰی کو مطلوبہ رقم کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ اتنی خطیر رقم کا ذکر سن کر سلمٰی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی مگر میں نے چند فقروں میں اسے مطمئن کر دیا۔

مکان کی خریداری کے لیے بڑی رقم کی ضرورت کا بہانہ ہر شک و شبہے سے بالا تھا۔ وہ دونوں کسی وقت ہمارے گلشن اقبال والے مکان پر آبھی جاتے تو انہیں یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے وہ مکان خرید لیا تھا یا وہاں محض کرائے دار کی حیثیت میں منتقل ہوئے تھے۔ کسی آڑے وقت میں ہمیں وہ گھر چھوڑنا پڑ جاتا تو اس کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ جہانگیر کے ساتھ سلمٰی کو بھی میرے مسائل کا بڑی حد تک اندازہ تھا۔ اپنے خون آشام دشمنوں کی وجہ سے مجھے ہی نہیں، جہانگیر کو بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسرے ٹھکانوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔

"سلمٰی اپنا کام کر لے گی، اتنی دیر ہم ڈرائنگ روم میں سلطان شاہ کے پاس بیٹھتے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو وہاں سے الگ لے جانے کے لیے کہا۔

"اوہو.... میں اب تک اسے بھولا ہوا ہوں۔" وہ اپنا تازہ گلاس لے کر بوکھلائے ہوئے انداز میں مسہری سے اتر پڑا "میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔"

ہم خواب گاہ سے لابی میں نکلے تو کسن ملازمہ شہادت کی انگلی اپنے دانتوں میں دبائے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑی رہی لیکن جہانگیر پر نظر پڑتے ہی تیزی سے کچن میں روپوش ہوگئی۔ جہانگیر نے اپنے رویے سے اس کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔

"تم کچھ پیتے ہو؟" جہانگیر نے سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف چائے اور وہ بھی اس وقت نہیں پیوں گا۔ ہم جلدی میں ہیں۔" سلطان شاہ نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ہماری کسی بات کا برا نہ منانا۔" جہانگیر نے بائیں آنکھ دبا کر اس سے کہا "میاں بیوی میں زیادہ چاہت ہو تو ذرا ذرا سی بات کا یوں ہی بتنگڑ بنتا رہتا ہے۔"

"ہاں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ چاہت بہت زیادہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کا خون پی جانے پر تلے رہتے ہیں۔ خدا جہانگیر اور سلمٰی کی محبت میں اتنی کمی کردے کہ یہ آپس میں لڑنا بند کردیں۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی اور سلطان شاہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"تم سے میرے حق میں کبھی اچھائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔" جہانگیر نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا "نوبت یہ آگئی ہے کہ اب منہ پر بددعائیں دے رہے ہو۔"

"اپنی منطق پر غور کرو تو یہ بددعا نہیں' بہت مبارک دعا تھی۔"

"ذرا ایک کاغذ پر اپنے نئے گھر کا پتا لکھ دو۔" جہانگیر نے سلطان شاہ سے فرمائش کی "میں بھی وہاں آکر ڈینی کو ایسی ہی جلی کٹی دعائیں دوں گا۔"

سلطان شاہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "اگر یاد ہے تو اس کا پتا لکھ دو' جس کا ہم نے سودا کیا ہے۔ میں نے اسے پوری بات بتادی ہے۔"

"گھر دکھا سکتا ہوں' پتا یاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے معذرت پیش کردی۔

"کوئی بات نہیں' گھر بسانے کے بعد کسی وقت آکر ساتھ لے جانا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"سلمٰی ایک لفافے میں ڈالروں کی ایک گڈی لے آئی اور میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں نے اسی وقت گن کر ایک لاکھ روپے کے مساوی ڈالر الگ کئے اور بقیہ رقم اسی لفافے میں ڈال کر جیب میں رکھ لی۔

"باقی رقم بھی گن لو۔ مجھ سے کوئی بھول چوک نہ ہوگئی ہو۔"

سلمٰی نے نیچی آواز میں کہا۔

"عورتیں حساب میں کمزور ہوتی ہیں مگر گنتی میں طاق ہوتی ہیں۔" یہ کہہ کر میں صوفے سے اٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟ تم دونوں کے لیے چائے تیار ہوگی۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" سلمٰی بیٹھتے بیٹھتے دوبارہ کھڑی ہوگئی۔ "میں نے بیلا کو چائے بنانا سکھادی ہے۔ اسے ان کا ڈر نہ ہوتا تو اب تک وہ پوری ٹرے تمہارے سامنے رکھ چکی ہوتی۔"

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سلطان شاہ کی بروقت یاددہانی سے ہم اصل کام سے نمٹ چکے تھے اور اس وقت صرف سوا دس بجے تھے۔ ہم چائے پی کر آرام سے رستم کے گھر جاسکتے تھے۔

جہانگیر اپنی ترنگ میں صوفے پر بیٹھا بہت دھیرے دھیرے جھوم رہا تھا۔ اچانک اس کی ذہنی رو بہکی اور جھک کر سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا "تم نے پیشاب تو کرلیا ہوگا؟"

اس ناگہانی سوال پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا "مم.... مجھے تو ایسی کوئی حاجت نہیں تھی۔"

"بری بات ہے۔" اس نے سلطان شاہ کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا "ایسی باتوں میں شرمانا تکلیف دہ ہوجاتا ہے۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے جہاں چاہو پیشاب کرلو۔"

مجھے ہنسی آگئی "تم اپنی زبان بند رکھو تو فائدے میں رہو گے ورنہ یہ فلیٹ کباڑ خانے میں بدل جائے گا اور سلمٰی جوتے لگا کر تمہارا نشہ ہرن کردے گی۔"

"بس' اب ایک لفظ بھی نہ کہنا۔" وہ غصے میں غرایا "تمہاری یہی باتیں اس کا دماغ خراب کرتی ہیں۔ غنیمت ہے کہ اس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔"

ڈرائنگ روم میں یک لخت گہری خاموشی چھاگئی۔ تینوں نے اپنی زبانیں بند کرلیں تھیں۔

وہ سکوت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ سلمٰی چائے کی ٹرے لے آئی۔

وہ بھاپ اڑاتی ہوئی چائے کے تین مگ لائی تھی۔ چائے کے ساتھ جمے ہوئے ہنٹر بیف اور پنیر کے پارچے بھی موجود تھے۔ جہانگیر کی مے نوشی کی وجہ سے گھر میں ان لوازم کی موجودگی ناگزیر تھی۔

"چائے کی خوشبو اشتہا انگیز ہے۔" میں نے پنیر کا ایک پارچہ منہ میں رکھ کر کہا "مزہ آگیا۔"

"تمہیں جانے کی جلدی نہ ہوتی تو میں کچھ اور بھی بناتی۔ آج تم نے شراب نوشی میں ان کا ساتھ نہ دے کر میرا دل خوش کردیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ انہیں شراب نوشی کا عادی تم نے بنایا ہے۔"

"مجھ سے ٹکرانے سے پہلے یہ پکا شرابی تھا۔ پہلے یہ کبھی کبھی اور ٹھرّے پر گزارہ کرتا تھا۔ خوش حالی آنے کے بعد ولایتی شراب پر میں نے اسے ضرور ڈالا تھا۔"

"سلمٰی!" جہانگیر نے اپنی بیوی کو للکارا۔ "بے سروپا الزام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تراشیاں کرکے ہم دونوں کو لڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے کبھی ڈینی پر کوئی الزام نہیں لگایا۔"

"شراب نے تمہارے حافظے کا بھی ستیاناس مار دیا ہے۔ نشے میں کی ہوئی باتیں تم اکثر بھول جاتے ہو۔ اب میں تمہاری ساری باتیں ٹیپ کرکے بعد میں تمہیں سنایا کروں گی۔"

"دیکھو! تمہارے آنے سے یہ ہوتا ہے۔" جہانگیر نے مجھ سے شکوہ کیا "ابھی تم نے صرف چائے کی تعریف کی ہے اور اس کا دماغ خراب ہونا شروع ہوگیا....."

"فکر مت کرو۔ آئندہ میں آنے میں احتیاط برتوں گا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

"جب جی چاہے' یہاں آؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہیں کون روکتا ہے۔" سلمیٰ شیر ہو کر بولی۔

اسٹیشن فور کے خشک اور کٹھن ماحول میں مسلسل کئی ہفتے گزارنے کے بعد جہانگیر کے گھر پر ہونے والی نوک جھونک بہت دلچسپ محسوس ہو رہی تھی۔ ذہن فقرے بازیوں کے لیے چاق وچوبند تھا اور گفتگو کے درمیان دل کھول کر ہنسنے کے مواقع بھی میسر آرہے تھے۔ وہ دور چلتا رہا اور ہم دونوں نے چائے کے مگ خالی کرنے سے پہلے نمکین گوشت اور پنیر کی پلیٹیں خالی کردیں۔

اس روز وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر پونے گیارہ بجے ہم کو اٹھنا پڑا۔ میں ہر قیمت پر سوا گیارہ بجے سے پہلے رستم کے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ وہ زیادہ انتظار کی کوفت سے محفوظ رہ سکے اور ہمارے مذاکرات خوش گوار فضا میں مکمل ہوسکیں۔

"آج تو مزا ہی آگیا۔ اول خان کے مہمان بن کر ہم شہری زندگی کے لیے ترس گئے ہیں۔" نیچے جاتے ہوئے سلطان شاہ نے مسرت کا اظہار کیا۔

"اس کے سامنے ایسی کوئی احمقانہ بات نہ کہہ دینا۔ وہ زود رنج آدمی ہے' آزردہ ہوجائے گا۔"

"یہ کہنے والی نہیں محسوس کرنے والی بات ہے۔ اس میں اول خان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بہت خلوص سے ہمیں خوش رکھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کے ان کارکنوں کو دیکھو جو گھر والے اور عیال دار ہوکر بھی بے کیف ویرانوں میں پڑے ہیں اور سال چھ مہینے میں چند روز کے لیے گھر جاکر خوش ہو جاتے ہیں۔"

"یہ سب اسی قبیلے کے لوگ ہیں جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے۔

یہ غازی' یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا' سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی"

گاڑی میں بیٹھنے تک ہم دونوں کے ذہنوں پر سلمیٰ کی پُرجوش تواضع کا سرور چھایا رہا لیکن سفر کی ابتدا ہوتے ہی میرا ذہن رستم اور اس کے ٹھکانے کی طرف چلا گیا۔ سلطان بھی خاموش ہوکر کسی گہری سوچ میں گم ہوچکا تھا۔

"مجھے رہ رہ کر ایک اندیشہ ستا رہا ہے۔" کلفٹن کے پل پر سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

"کہیں رستم ہمیں پکڑ کر چوہے دان میں بند نہ کردے؟" میں نے تمسخر سے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی تک ہمیں ملنگ کے بارے میں کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" سلطان شاہ نے اپنا اندیشہ بیان کر ڈالا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ بسیرا پہنچا ہوا ہو۔"

"یہ ذمے داری اول خان کی ہے۔ تمہیں فکر کیوں لاحق ہو رہی ہے؟"

"کیوں نہ ہم موبائل فون پر رابطہ کرکے اس سے معلوم کرلیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"اسے بھی ہمارا موبائل نمبر معلوم ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی فون کرکے ہمیں ہوشیار کردیتا۔ اس کی طرف سے خاموشی کا مطلب ہے کہ میدان صاف ہے۔"

"پھر بھی بات کرنے میں کیا حرج ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"ضرور بات کرلو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی وہم ہو رہا ہے تو یہیں اتر کر ٹیکسی سے اسٹیشن فور چلے جاؤ۔ میں خود ہی رستم سے بات کرلوں گا۔"

"اگر تم اسی قدر پُراعتماد ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے کسی توقف کے بغیر کہا "میرے ذہن میں ایک شبے نے سر ابھارا تھا۔ میرا فرض تھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ہونا وہی ہے جو تم چاہو گے کیونکہ ہماری دو نفری جماعت کے سربراہ تم ہی ہو۔"

"پھر بھی تم اول خان سے بات کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ ملنگ وہاں موجود ہو۔ اول خان کی فرض شناسی کے بارے میں میری ہر خوش فہمی دھری رہ جائے اور تمہیں پھر کبھی اس سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ راستے صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھالو۔"

سلطان شاہ فوراً کچھ نہ بولا۔ وہ تذبذب کی حالت میں تھا اور شاید گنتی بڑھتی روشنیوں میں میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ باتیں سنجیدگی سے کہی تھیں یا اس کے خوف پر طنز کیا تھا۔

"تم گاڑی بہت تیز چلا رہے ہو۔ ہمیں ٹھیک گیارہ بجے وہاں نہیں پہنچنا۔" خاصے توقف کے بعد وہ بولا "ہمارا وقت گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان مقرر ہے۔"

"تم نے اول خان کو فون نہیں کیا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرلی۔"

"ضرورت نہیں ہے۔ میں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ ہمارا فون آن ہے۔"

بقیہ سفر خاموشی اور تناؤ کے عالم میں طے ہوا۔ اس کے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تحفظات تھے' میں اپنے تفکرات کی دنیا میں ڈوبا ہوا تھا۔

گیارہ بج کر سات منٹ پر ہماری گاڑی بسیرا کے آہنی پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔

آہنی پھاٹک کا ایک در خاموشی سے اندر کھلا۔ میں نے جوں ہی گاڑی آگے بڑھائی۔ بسیرا کا پُرشکوہ اور ناقابلِ فراموش منظر میرے سامنے تھا۔

عمارت کی تمام کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے جن سے چھن کر روشنی باہر آرہی تھی۔ پختہ روشوں کے اطراف میں پائپوں پر لگے ہوئے سارے دودھیا گولے روشن تھے۔ باغ اور لان کے چیدہ چیدہ مقامات پر اس طرح روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ڈھلتی رات کے گھور اندھیرے میں بسیرا میں بنی ہوئی ننھی سی دنیا بہت خوب صورت اور خواب ناک نظر آرہی تھی۔

بسیرا میں وہ ہماری دوسری آمد تھی۔ گاڑی وہی تھی' چہرے وہی تھے' وقت کا دورانیہ طے شدہ تھا اور یہ باتیں شاید ڈیوٹی پر موجود سارے عملے کو معلوم تھیں۔ ہمیں کہیں روکا گیا' نہ ہم سے ہتھیار طلب کئے گئے۔ میں رستم کی بنائی ہوئی اس جنت کے نظاروں سے لطف لیتا اور بہت ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا ہوا پختہ روش پر آگے بڑھتا رہا۔

روش کے اختتام سے کچھ پہلے' پرانی جگہ پر کھڑے ہوئے باوردی شخص نے اشارہ کیا' گاڑی رکی' اوب سے میرا دروازہ کھولا گیا اور ہم نیچے اتر گئے۔

اس وقت بھی رستم وہیں تھا جہاں اس سے ہماری پچھلی ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا' وہاں کافی روشنی تھی۔ اس کے اردگرد دور دور تک پھولوں کے کنج اور پودوں کے تختے ہلکی روشنی میں اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہم ان مناظر سے واضح طور پر مرعوب تھے اور اپنی اس کیفیت پر غالب آنے کی کوشش کئے بغیر اس کے سامنے پہنچ گئے۔

اس نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کی عقابی نظریں ہمارے جسموں میں اتری جارہی تھیں۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنی جگہ جم کر سرد اور دھیمی آواز میں پوچھا "تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو' کیا تمہیں کچھ بتایا نہیں گیا تھا؟"

میں نے جلدی سے جیب سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی نظریں لفافے پر پڑیں اور پھر اس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" اس کی آواز غصیلی تھی مگر اس کا لہجہ بلند نہیں ہوا تھا "تم سے سات پیٹیاں لانے کے لیے کہا گیا تھا۔ یہ تو پوری ایک پیٹی بھی معلوم نہیں ہوتی۔"

اس کے فطری ردِعمل کو دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کرنے لگے تھے مگر میرا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "یہ پاکستانی روپے نہیں' امریکی ڈالرز ہیں۔ حساب کرو گے تو مال سات پیٹی سے دو چار ہزار اوپر ہی ہوگا۔" اس دوران میں میرا بڑھا ہوا ہاتھ فضا میں معلق رہا تھا۔

اس کے کانوں کی نرم اور لمبی لویں اپنے قدرتی رنگ پر لوٹ آئیں' چہرے کی سرخی کم ہوئی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔

رقم کے بارے میں اس کی بے تابی کے مدِنظر میرا خیال تھا کہ وہ لفافہ کھول کر نوٹ گننے یا کم از کم دیکھے بغیر نہیں رہے گا مگر اس نے وہ لفافہ یوں ہی اپنے سامنے ٹیبل پر ڈال دیا۔

"یہ اٹھاؤ اور یہیں بیٹھ کر گن لو۔ سات پیٹی ہونا چاہیے۔" رستم نے ہمارے سروں کے اوپر کسی سے مخاطب ہو کر حکم دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس سے مخاطب تھا کیونکہ ہمارے ساتھ باوردی شخص تک باغیچے میں نہیں آیا تھا۔

غیر ارادی طور پر ہم دونوں کے سر پیچھے گھوم گئے۔ ہمارے پیچھے بڑی بڑی چمک دار آنکھوں اور گنجے سر والا ایک ادھیڑ عمر شخص پیٹ پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ پتا نہیں وہ ہماری بے خبری میں کب اور کہاں سے نمودار ہو کر رازداری سے ہمارے سروں پر مسلط ہو گیا تھا۔

میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ ہماری طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی تو رستم کی جنبشِ ابرو پر وہ شخص نہایت اطمینان سے ہماری کھوپڑیاں اڑا سکتا تھا۔ ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ ہمیں نشانہ بنانے والا کون اور کہاں موجود تھا۔

وہ لفافہ لے کر رستم کے قدموں سے ذرا دور دبیز گھاس پر بیٹھ گیا اور لفافہ کھول کر ڈالر گننے لگا۔

"پرسوں شام تک تمہارا کام ہو جائے گا۔" رستم نے اپنے آدمی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مجھ سے کہا "رات کے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان باقی تین لاکھ بھی یہاں پہنچ جانے چاہئیں۔"

"باقی تین لاکھ!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استعجابیہ آواز برآمد ہوئی "تمہارے آدمی نے صرف سات پیٹی کی بات کی تھی۔ یہ دس ہو جاتی ہیں۔"

رستم کے چہرے پر ابھر آنے والی غصے کی سرخی معدوم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی نرم اور دھیمی آواز میں کہا "اس نے پیشگی کی بات کی تھی۔ میں نے تمہیں کل ہی بتادیا تھا کہ پردیس کا معاملہ ہے۔ سات سے دس تک خرچ آسکتا ہے۔ اتنا خرچ نہیں کرسکتے تو یہ سات بھی لے جاؤ۔"

میں نے محسوس کیا کہ گفتگو کے دوران میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مخاطب کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹاتا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل اس کے چہرے کی تحریر پڑھتا رہتا تھا۔

"صاحب! آج کے بھاؤ سے یہ تین ہزار کے لگ بھگ زیادہ ہیں" اس کے آدمی نے نوٹوں کی گنتی کے ساتھ ہی زبانی حساب لگا کر میری بات کی تصدیق کردی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تین بھی پہنچ جائیں گے" میں نے کمزور آواز میں کہا "تمہارا آدمی بتادیتا تو ہم پورے دس لے آتے۔ اب تم باقی تین لاکھ کے لیے کوئی ضمانت مانگو گے؟"

"لے جاؤ" اس نے اپنے آدمی کی طرف دیکھے بغیر ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا پھر مجھ سے کہا "اپنے مال کی سب سے بڑی ضمانت میں خود ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ جو کام ہونے سے پہلے سات دے سکتا ہے' کام ہونے کے بعد خوشی سے تین بھی پہنچادے گا۔ میرا مال دبانے والا آج تک نہیں پنپ سکا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے پہلو بدل کر وعدہ کیا۔

"تم بے آرام ہو..... مجھ سے نظریں چرا رہے ہو۔ اگر تمہاری نیت میں کوئی کھوٹ ہے تو یہ بتادوں کہ وقت پر رقم نہ ملی تو پھر میں رقم نہیں' انتقام لیتا ہوں۔ تم دونوں کی وڈیو بن چکی ہے۔ یہ باتیں بھی ریکارڈ ہورہی ہیں۔ تم نے بے ایمانی کی تو یہ چیزیں تین لاکھ میں' مارے جانے والے کے وارثوں کو دے دی جائیں گی۔ میرا حساب پورا ہوجائے گا اور وہ لوگ تمہیں ڈھونڈ کر مار ڈالیں گے۔"

"یہ دونوں ریکارڈنگز ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی؟" میں نے گھبرا کے پوچھا۔

اس نے دھیرے سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور متانت سے بولا "میرا حساب پورا ہوتے ہی انہیں برقی بھٹی میں جلادیا جائے گا۔ یہ باتیں میں ہر ایک کو نہیں بتاتا' ایسے گاہکوں کو ضرور جتاتا ہوں جو تمہاری طرح پریشان خیال اور گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں۔"

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میرے بارے میں تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ تم کام کروادو۔ میں رقم پوری کردوں گا۔"

"پرسوں کا دن یاد رکھنا" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اب اس کا نام پتا بھی بتادو۔"

"اوبرائن ڈی ہنٹ!" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "کراچی میں امریکی قونصل خانے کا ویزا افسر ہے۔ آج کل نئی دہلی میں ہے۔ اس کا پتا مجھے نہیں معلوم۔"

"اوہ!" وہ دونوں ملاقاتوں میں پہلی بار متحیر نظر آیا "تو وہ امریکی سفارتی افسر ہے۔ یہ بات پہلے معلوم ہوگئی ہوتی تو شاید میں انکار کردیتا۔"

"میں کل ہی بتانا چاہ رہا تھا مگر تم نے روک دیا۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں۔ میرا پہلا اندازہ تھا کہ تم اپنے کسی دشمن کے قتل کے لیے دس لاکھ نہیں دے سکتے۔ اتنی بڑی رقم کی ادائیگی پر تمہاری تیاری میرے لیے حیران کرنے والی بات تھی۔"

"انا کے لیے آدمی اس سے بڑا جوا بھی کھیل گزرتا ہے" میں نے

ایک عورت نے اپنی سہیلی سے کہا "تمہارا شوہر بہت عقل مند دکھائی دیتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے اسے ہر بات کا علم ہے؟"

عورت نے کہا "احمق نہ بنو۔ اسے تو شبہ بھی نہیں ہے۔"

س م شرافت کی رازداری' بھائی پھیرو سے

کی جواب طلب خاموشی میں مجھے بولنا پڑا۔ میں کم سے کم وقت میں وہ ملاقات ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ گفتگو کی طوالت میں کہیں اسے پھسل کر اپنے وعدے سے منحرف ہونے کا موقع نہ مل جائے۔

"میں لمبے چکروں سے دور رہتا ہوں۔ تم سے سودا کرلیا ہے تو اسے ضرور پورا کروں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ تم اس کا کوئی پتا ٹھکانا بتانے میں ناکام رہے ہو۔"

"اسے کوئی عذر نہیں بننا چاہیے۔ وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کا پتا آسانی سے مل جائے گا۔"

میری بات پر لمحہ بھر کے لیے اس کا چہرہ متغیر ہوا مگر وہ فوراً ہی مسکرادیا "میں حیلے اور بہانے نہیں ڈھونڈتا۔ کام کرتا ہوں یا انکار کردیتا ہوں۔ یہ کام ہوگا اور پرسوں تک ضرور ہوگا۔"

اس کے مضبوط اقرار پر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ شاید میں نے اس کی صحیح رگ دبائی تھی۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کام ہوگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر دوبارہ خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے کہا "وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کی موت کی خبر اخباروں میں ضرور آئے گی۔ ویسے تم پرسوں شام سات بجے فون کرلینا۔"

"فون پر تم سے بات کرنا شاید ناممکن ہے۔ تمہارے آدمی کے پاس ہر جواب موجود ہوتا ہے" موقع میسر آتے ہی میں نے شکایت کردی۔

"میں بہت مصروف ہوتا ہوں اور اپنے ہر مہمان کو پوری رازداری فراہم کرتا ہوں۔ آج کے فون کے لیے میں نے تمہیں کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ تمہارا فون آیا تو میں مصروف تھا۔ جب میں وقت دیتا ہوں تو خود ہی بات کرتا ہوں۔ اس میں میرے آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ابھی تم نے اوبرائن کی موت کا ذکر کیا تھا۔ ہم اس کے مرنے کا انتظار نہیں کرسکتے۔ ابھی تک جو کچھ طے ہوا ہے اس کے مطابق اوبرائن کو قتل کرنا ہے۔"

"قتل بھی مرگ یا موت کی ایک صورت ہے۔ تم مطمئن رہو'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری رقم برباد نہیں ہوگی۔"

بارہ بجنے میں دیر تھی مگر ضروری باتیں ہو چکی تھیں۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہ رہا تھا مگر کسی تواضع کے بغیر ہمیں یوں رخصت کر دینا شاید رستم کی مہمان نوازی کی روایات کے خلاف تھا۔ اس نے ہمیں چائے کے لیے روکا اور میں نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

گفتگو کے دوران میں وہ ایک بار میری بے چینی محسوس کر کے کھلے لفظوں میں میری نیت پر اپنے شبے کا اظہار کر چکا تھا۔ اگر میں وہاں سے روانہ ہونے میں عجلت دکھاتا تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو مزید تقویت مل سکتی تھی۔

رستم جتنا سیدھا اور کھرا نظر آتا تھا' وہ درحقیقت ویسا نہیں تھا۔ جب اس نے اوبرائن کے قتل کے عوض اچانک ہی مزید تین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ میں اس کی طرف سے اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ ایک اصول پسند مجرم ہے۔ اپنے کسی لگے بندھے فارمولے کے تحت کاموں کے معاوضے کا تعین کرتا ہے۔ اس نے ابتدا میں سات سے دس لاکھ کا تخمینہ دیا تھا لیکن شام کو اس کے آدمی نے فون پر صرف سات لاکھ کا ذکر کر کے میرے دل میں رستم کے لیے جگہ پیدا کر دی تھی۔

رستم نے اپنے بارے میں میری وہ غلط فہمی زیادہ دیر برقرار نہیں رہنے دی تھی۔ پہلے کم رقم یا صرف پیشگی رقم کا مطالبہ کر کے اس نے یہ دیکھا تھا کہ میں یعنی ملک ممتاز کس مالی حیثیت کا مالک ہوں۔ جب سات لاکھ اس کے ہاتھ میں آ گئے تو اس نے کام سے دستبردار ہونے کی دھمکی دے کر مزید تین لاکھ کا مطالبہ پیش کر دیا۔

اس پورے معاملے میں صرف ایک ہی بات قابلِ اطمینان تھی کہ سب کچھ طے ہو جانے کے باوجود رستم نے میرے پتے یا ٹھکانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ جب میں نے خود بقیہ تین لاکھ کی ضمانت کا ذکر چھیڑا تو اس نے وصولی کے ظالمانہ نظام پر روشنی ڈال کر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنی بساط کا ماہر کھلاڑی تھا۔ کسی کی مدد یا ضمانت کے بغیر اپنے مہروں کو بڑھانے کے فن سے اچھی طرح واقف تھا۔ میرے کسی رابطے سے بے خبر رہنے کے باوجود اسے اپنی رقم ڈوبنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

چائے آئی تو ٹرے میں تازہ پھلوں کے ساتھ دوسرے لوازم بھی موجود تھے۔ پچھلی شام کے مقابلے میں اس رات ہماری ضیافت کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اسے ایک بڑی رقم دے کر باقاعدہ اس کے گاہک بن چکے تھے۔

"ملک افضل!" اس نے چائے کی پیالی سے پہلا گھونٹ لے کر غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور تائید طلب لہجے میں اس کا مفروضہ نام دہرایا۔ سلطان شاہ نے بے ساختہ اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ قدرے توقف کے بعد رستم نے اپنی بات جاری رکھی "کل سے اب تک میں نے سلام دعا کے سوا تمہاری آواز نہیں سنی۔ چہرے سے تم اتنے کم گو معلوم نہیں ہوتے۔"

وہ بلا کا گھاگ اور چہرہ شناس تھا۔ سلطان شاہ کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر بولا "جی بڑے ملک صاحب سارے معاملات پر ٹھیک ٹھاک بات کر رہے ہیں تو مجھے بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے سامنے میں کم ہی بولتا ہوں۔"

"بڑوں کا لحاظ کرنا بہت اچھی عادت ہے مگر اس چکر میں انسان کو اپنی شناخت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔" پتا نہیں وہ کیا سوچ کر سلطان شاہ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"شناخت کے لیے میرا نام ہی کافی ہے" سلطان شاہ نے اس مرتبہ اعتماد سے جواب دیا "ہم جہاں جاتے ہیں بڑے اور چھوٹے ملک کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے لیکن تمہارا کام ٹیڑھا ہے" رستم نے حسبِ عادت سلطان شاہ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر دھیمی آواز میں کہا "شاید کوئی مسئلہ نکل ہی آئے۔ مجھے اپنا کوئی فون نمبر بتا دے دو جس پر تم میں سے کسی سے رابطہ ہو سکے۔"

رستم کا وہ مطالبہ سلطان شاہ کے لیے ہی نہیں' میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ اس نے بوکھلا کر امداد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ رستم بدستور اسے گھورے جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کی بوکھلاہٹ پر اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میرا موبائل نمبر لکھ لو" میں نے اونچی آواز میں رستم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ اس سوال کا جواب تم ہی دو گے" رستم نے سرد آواز میں کہا "سایہ دار اور تناور درخت کے آس پاس کچھ نہیں اگ سکتا۔ وہ ہر کونپل کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ تم اتنے زبردست آدمی ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ اوبرائن کو مروانے کے لیے میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

میرے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ چائے پلا کر اس نے یکایک ہی ایک خطرناک موضوع چھیڑ دیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں دھیرے دھیرے پروان چڑھنے والے شکوک و شبہات اس وقت کوئی واضح روپ دھار چکے تھے۔

وہ ہم دونوں کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ بسیرا کی چاردیواری میں ہمارا کوئی معاون یا مددگار نہیں تھا۔ ہم پوری طرح رستم اور اس کے ملازمین کے لشکر کے رحم و کرم پر تھے۔ ہمارے پاس امید کی پہلی اور آخری کرن دو بھرے ہوئے ریوالوروں کی صورت میں نمایاں تھی۔

میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان 'ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلی پیلے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ وہ بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بمبئی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشش کے ذریعے ہی دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملوا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آنرکو بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروا یا ملزم گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو پکڑ لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے ٹک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہ راست ٹک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ کو ٹک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسپورٹ بھجوایا جہاں بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی' بدری کو ٹک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو قتل کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دوران سفر مدن موہن کے نیمبل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رخت سفر باندھ لیا۔ سفریں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہمان شاہ سابک ڈیڈ اور آنرکو بیل کی رنچس انکارپوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی اینٹی بجلی گھر کو ترسیل کے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کی پیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر ٹیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصل جہنم کیا۔ ٹک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے ہاتھ ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ڈبل ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیمبل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے تقریباً ناقابل تسخیر تھا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو کھرائی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں اوپی ویسی مجبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت ہماری نظروں میں نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اور ایرانی ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈبی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوپی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوپی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوپی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر وہ اوپی میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی گہرائی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام طوفان اپنے سرغنہ شیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ شیشم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایمار اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوپی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوپی منسٹ اور دھن راج نے راہ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی' میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال کرنل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا داؤ الٹ گیا اور میں نے بے دست وپا کر کے اسٹیشن فور لے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈبی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھن راج کی گرفتاری کے لیے عمر کوٹ جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رسم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کرتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اوپی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی منطقی اور غیر ملک میں نئی تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کئے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈبی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ صرف تھا کہ میں اپنی خدمات اس کے سپرد کردوں۔ میں نے اسے شش وپنج میں رکھنے کے لیے اپنی بیان کردہ فرضی مجبوریوں کے باوجود رستم کے آدمیوں سے ملاقات کی ہامی بھرلی۔ موہنی دی بدمعاش تھا جو میرے کلب سے اغوا میں میجر بخشی کا معاون رہا تھا۔ میجر بخشی نے مجھے اس سے ملاقات کرنے کے لیے کہا اور میں ویرا اور سلطان شاہ کی ہمراہی میں اسے اغوا کر کے لے آیا۔ اس نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ موہنی پنڈت کا باپ پنڈت منوہر لال بھی اس گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک نیا محاذ تھا۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے اصرار پر ہم نے اسٹیشن فور سے باہر رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اوپی ہنٹ کے قتل کا ہیلی معاوضہ دینے کے لیے رستم سے ملاقات کی۔ ملاقات کے آخر میں مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ذہن میں میرے خلاف پروان چڑھنے والے شکوک وشبہات واضح روپ دھار چکے تھے۔ بیسرا کی چار دیواری میں ہم دونوں بری طرح شکار ہوسکتے تھے۔ میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"میں زبردست آدمی ہوتا تو واقعی اپنا کام خود کرتا' مدد لینے کے لیے تمہارے پاس نہ آتا۔" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر رستم کو جواب دیا۔

"زبردست وہ ہوتا ہے جس کے سامنے دوسرے دم بھی نہ مار سکیں۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا **"میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ ملک افضل تم سے ڈرتا ہے۔ تمہاری مرضی کے**

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بغیر میرے کسی ٹیڑھے سوال کا جواب نہیں دے سکے گا۔"

"اسی لیے تم نے اس سے فون نمبر یا پتے کے بارے میں پوچھا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا "جو میں نے سوچا تھا' وہی ہوا۔ چھوٹے ملک نے بوکھلا کر تمہاری طرف دیکھا اور تمہیں بولنا پڑ گیا۔ میرا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔"

"تو کیا تم ہم دونوں پر کسی قسم کا شبہ بھی کر رہے ہو؟" میں نے ناگواری سے پوچھا۔

"یہ شبہ ہی تھا کہ تم نے چھوٹے ملک کو بُری طرح دبا کر رکھا ہوا ہے!"

"تم نے اپنے طور پر اس کی تصدیق کرلی۔ کیا اس سے ہماری ڈیل پر کوئی اثر پڑے گا؟" اس بار میں اپنی آواز میں بڑھنے والی تلخی پر قابو نہ رکھ سکا۔

"چائے پیو' ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔" اس نے میرے لہجے کی تلخی کو یکسر نظرانداز کر کے نرمی سے کہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ردِّعمل سے محظوظ ہو رہا ہو۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر اسے یاد دلایا۔

"رستم اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا۔ جو بات طے ہو گئی' وہ طے ہو گئی۔ تم کالے چور ہو تب بھی وہ کام پورا ہو گا۔ نئی دہلی میں تمہارا دشمن مقررہ وقت کے اندر اندر مار دیا جائے گا۔"

"تم نے میرا موبائل نمبر نہیں لیا!" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "میں نے وہ سوال چھیڑنے کے لیے کیا تھا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ لوگ کتابیں پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ میرے لیے ہر چہرہ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہوتا ہے اور میں اسے پڑھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔"

"میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔" میں نے تلخی کو فراموش کر کے سوال کیا۔

"ضدی اور حوصلہ مند آدمی ہو۔ مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اپنا زورِ بازو آزمانے کے بجائے میری مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ قدم تمہارے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔"

"وہ یہاں ٹکا رہتا تو شاید میں نے تمہارا رخ نہ کیا ہوتا۔ میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ میں نئی دہلی میں اس کو مزہ چکھا سکوں۔ یہ کام تم جیسا پیشہ ور ہی کر سکتا ہے۔"

"تمہارا کام اس خوب صورتی سے پورا ہو گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ایسے ہر منصوبے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ جرم ہونے کے باوجود کسی کو جرم کا شبہ نہ ہو۔ اور ائن کے بارے میں میرے ذہن میں ایک تجویز کا خاکہ تیار ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

"مناسب سمجھو تو مجھے بھی اس سے آگاہ کردو۔ یہ باتیں

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نے ابھی تک تم سے یہ نہیں پوچھا کہ امریکا جیسے بڑے ملک کے ایک اہم سفارتی ملازم سے تمہاری کیا دشمنی ہے اور تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو۔"

"میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اسے پیشکش کی "تم نے خود اس بارے میں دلچسپی نہیں لی۔"

"میں غیر متعلقہ باتوں سے دور رہنے کے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔ تمہاری دشمنی کیوں ہے؟ تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو؟ یہ تمہارے مسائل ہیں۔"

"میرے بارے میں تجسس کا مظاہرہ کر کے تم نے اپنے اصول سے انحراف کیا ہے!"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر دھیرے سے اعتراف کیا "میرا یہ تجسس بلاوجہ نہیں تھا۔"

"اگر تم اپنے اصولوں کے بارے میں اتنے ہی سخت اور کھرے ہو تو اب تمہیں تجسس کی وجہ بھی بتا دینی چاہیے۔ یہ جاننا میرا حق بنتا ہے۔" موقع پاتے ہی میں نے مطالبہ کر دیا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا "تمہیں معلوم ہو گا کہ میں ایرانی نژاد ہوں۔ یہاں کی سیاست کے بکھیڑوں سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے جبکہ یہاں کے اخبار سیاست ہی سیاست میں لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں اخبار نہیں پڑھتا۔ اپنا کام کرتا ہوں اور فاضل وقت اپنے بال بچوں میں مگن رہ کر گزارتا ہوں۔ اپنی چار دیواری میں مجھے دنیا کی ساری خوشیاں میسر ہیں۔ مجھے کسی ضرورت کے لیے باہر نہیں جانا پڑتا۔"

وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا تو میں نے اسے ٹوکا "تمہارا یہ تعارف بہت زیادہ قابلِ رشک ہے مگر اس میں میرے سوال کا جواب کہیں بھی نہیں ہے۔"

"میں اسی طرف آ رہا تھا۔" وہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے کان کی لو مسلتے ہوئے بولا "آنے جانے والوں سے مجھے باہر کی خبریں ملتی رہتی ہیں یا پھر ٹیلی وژن کا خبرنامہ اپنی کہانیاں سنا دیتا ہے۔ تم نے اپنے شکار کے طور پر ایک اہم سفارتی افسر کا نام لے کر مجھے چونکا دیا تھا۔ ایسے واقعات عام اور سرسری نہیں ہوتے۔ ان کی بنا پر بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی زیرِ زمین سیاست میں کچھ تیزی آ رہی ہے اور آنے والے دن اچھے نہیں ہیں۔"

"سیاست تمہارا میدان نہیں ہے تو تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں نادانستگی میں کسی سیاسی سازش کا ایندھن بننا پسند نہیں کروں گا۔"

"میں اپنے ذاتی عناد کی بنا پر بدلہ لینے کے لیے تمہارے پاس آیا تھا۔ تمہیں سیاست کا اندیشہ کیوں ستانے لگا تھا؟" میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھایا۔

"میرے پاس صرف تم ہی نہیں آئے۔ دوسرے لوگ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ ایک ہفتے کی مختصر مدت میں دو بڑے بڑے کام سامنے آجائیں تو ذہن خود ہی کوئی راہ نکالنے لگتا ہے۔"

رستم ایرانی کے وہ الفاظ سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنی گفتگو کے دوران میں انتہائی تسلسل سے رازداری اور غیر معمولی تجسس سے گریز کے اصولوں کے نقارے پیٹنے کے باوجود وہ باتوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اوبرائن جیسے کسی اور کام کا تذکرہ میرے لیے دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔

"کیا وہ بھی کسی سفارت کار کے قتل کا معاملہ ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ صرف سفارتی افسروں کے قتل کو ہی اہم سمجھا جائے۔ بعض اوقات قتل سے بہت کم تر واقعات اپنے اثرات کی وجہ سے زیادہ اہم بن جاتے ہیں۔"

"میں تمہیں تفصیل بتانے پر مجبور نہیں کروں گا۔ میرے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ میرے جیسا کام تم کسی اور کے لیے بھی کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح تمہیں ایک ہی کام کا دہرا معاوضہ مل رہا ہو۔" بات ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی تھی جو میں نے بیان کی تھی مگر اسے چڑانے، اشتعال دلانے اور مزید کچھ اور اگلنے پر مجبور کرنے کے لیے میں نے وہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔" اس بار وہ واقعی چڑ کر بولا "اوبرائن کو دس لاکھ روپے کے عوض، صرف اور صرف تمہاری خواہش پر مارا جائے گا۔ دوسرا کام ڈینی نامی ایک آدمی کی تلاش کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک اہم آدمی ہے اور امریکا والوں نے اس کی گرفتاری پر بیس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔"

میں نے بسیرا کی پُرشکوہ عمارت پر نگاہ ڈالتے ہوئے حیرت سے کہا "بیس لاکھ ڈالر کی رقم تم جیسے باحیثیت شخص کے لیے بھی بڑی ہے۔ تم دس چھوٹے کاموں...."

"خاموش رہو اور میری بات سنو!" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں مجھے ڈانٹ دیا "میں ایسے انعاموں پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ مجھے اپنے صاف ستھرے کاموں سے اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ مجھے ننگوں بھوکوں کی طرح کسی انعام کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر تمہیں ڈینی کی کیوں تلاش ہے؟" میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈینی نہیں، ڈیئی۔" اس نے میری تصحیح کی "کسی نے ایک مقررہ معاوضے پر مجھ سے اس کی تلاش کا معاملہ طے کیا ہے۔ تمہارے اور اس معاملے میں بس ایک بات مشترک ہے۔ امریکا والے ڈیئی کے دشمن ہیں اور تم ایک امریکی کو مروانا چاہتے ہو۔"

میں نے ہنس کر اس کی بات کو اڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جب سے امریکا والے عالمی پولیس مین بن بیٹھے ہیں، ہر جگہ ان کا نام آنے لگا ہے۔ میرا عناد ان سب سے نہیں، بس اوبرائن سے ہے۔ میرے معاملے کو تم اتنی گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش مت کرو۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "بارہ بجنے میں صرف سات منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بارہ بجنے سے پہلے بھی جا سکتے ہو کیونکہ اب ہم اپنے اصل موضوع سے بھٹک کر دوسری غیر متعلقہ باتوں میں الجھنے لگے ہیں۔"

پہلے میں بے آرام تھا۔ اس وقت وہ مضطرب ہونے لگا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہمارے سامنے وہ ایک ایسے موضوع پر زبان کھول چکا تھا جو اس کے پیشہ ورانہ رازوں کے زمرے میں آتا تھا۔ ہم مزید سات منٹ تک اس کے سر پر سوار رہتے تو اس سے کچھ اور بھی اگلوا سکتے تھے۔

اس موڑ پر میں وہاں سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن مجھے رستم ایرانی کی خوشنودی بھی عزیز تھی۔ اسے میرے لیے ایک بڑا کام کرنا تھا۔ میری کسی حرکت کے نتیجے میں وہ ذرا بھی بددل ہو جاتا تو میں امریکیوں کو دہشت زدہ کرنے کے اعزاز سے محروم ہو سکتا تھا۔

"اگر تم ہماری موجودگی سے ناخوش ہو تو ہم اجازت چاہتے ہیں۔" میری تقلید میں سلطان شاہ بھی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

رستم نے اٹھ کر ہمیں الوداع کہا اور ہم بسیرا کے خواب ناک ماحول سے نکل کر چند منٹ بعد دوبارہ کراچی کی سڑکوں پر آ گئے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ میں عقب نما آئینوں میں دور تک جائزہ لیتا رہا مگر اس رات بھی رستم نے کسی کو ہمارے پیچھے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے بعد میں نے گاڑی اسٹیشن فور کی راہ پر ڈال دی۔ وہ سفر خاموشی اور تیز رفتاری سے طے ہوا۔ بیس منٹ بعد ہم ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔

چھاؤنی کی حدود میں چیک پوسٹوں کے سوا ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ دن بھر کی مشقت آمیز سرگرمیوں سے تھکے ہارے فوجیوں کے لیے وہ آرام کا وقت تھا۔ ہمارے کیمپ میں بھی کم و بیش وہی صورت تھی مگر ہمارا ایک کمرا آباد تھا۔

"میں نے جاتے ہوئے دانستہ بدشگونی سے گریز کیا تھا ورنہ میرا دل فکر مند تھا۔" سامنا ہوتے ہی اول خان نے مسرت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "آج کا معرکہ خطرناک تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح سلامت لوٹ آئے۔ میں گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہا تھا۔"

"میں نے سنا تھا کہ صرف بوڑھی مائیں ہی اپنے جوان بیٹوں کے لیے اس طرح فکر مند رہتی ہیں۔ تم نے ان کو بھی مات کر دیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا "ویرا کو دیکھو! کتنے سکون کے ساتھ اپنی کرسی میں نیم دراز ہے۔ تمہیں اسی سے کچھ سبق لینا چاہیے۔"

"یہ آپ کو اس وقت ایسی پرسکون نظر آ رہی ہے۔" غزالہ نے اپنی سدا بہار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "آپ کی گاڑی کی آواز سننے سے پہلے ایسے ایسے دور از کار وسوسے بیان کر رہی تھی کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں پاگل ہو کر رہ گئے تھے۔"

"میرے وسوسے بے بنیاد نہیں تھے۔" ویرا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر جواب دیا "ان دونوں سے پوچھ لو کہ رستم کوئی آسان حریف نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں سینہ چیر کر اپنے مخاطب کے دل کو پڑھ لینے کی طاقت رکھتی ہوں گی۔ وہ اپنی کسی خوبی کی وجہ سے ہی مجرموں کے لشکر پر راج کر رہا ہے۔"

"تم سب ہی اپنی اپنی جگہ سچے ہو" میں نے انہیں جنگ بندی پر مجبور کرتے ہوئے کہا "آج اس سے گفتگو کے دوران میں ایک مرحلہ ایسا بھی آگیا تھا کہ مجھے مقابلے کی فضا نظر آنے لگی تھی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم ان مراحل سے خیر و خوبی سے گزر آئے۔"

"اس نے رقم قبول کرلی؟" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"آج کے لیے اس کے انکار سے بڑی ناکامی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے؟" میرے جواب پر ویرا نے موشگافی کی "ہوسکتا ہے کہ ایسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ ہم اسی سوگ میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔"

میں چونک پڑا "کیوں؟ یہاں کیا ہوا؟" فوری طور پر وہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ویرا نے اس کے ساتھ کراٹے کا کھیل شروع کردیا تھا۔ پٹتے پٹتے اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ گر کر بے ہوش ہوگیا۔" اول خان نے بتانا شروع کیا۔

"وہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مرگیا؟" میں نے بدحواس ہو کر اول خان کی بات کاٹ دی۔

"اس کی ناوقت موت کے سنگین اور دور رس مضمرات میری نگاہوں میں تھے۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر ہی کمبائنڈ ملٹری اسپتال سے ایمبولینس منگوا کر اسے وہاں منتقل کردیا۔"

"اس فیصلے پر پہنچنے میں ہمیں بس چند منٹ لگے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مار سے بچنے کے لیے بے ہوش ہونے کی اداکاری کر رہا ہے۔"

"اور تم نے اس پر مزید جوتے برسانے شروع کردیے ہوں گے۔" میں نے اس پر ملامت کی "میں نے جاتے جاتے تاکید کی تھی کہ فی الحال اسے زندہ رکھنا ہماری ضرورت ہے۔"

"بعد میں ویرا نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی "ویرا کی تیزی اور پھرتی کی دہشت سے اس پر دل کا دورہ پڑگیا ورنہ اس کی لگائی ہوئی کوئی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ موسیٰ نے میرے جوانوں کی اس سے زیادہ مار برداشت کی تھی۔"

"چلو، اب سربہ سجود ہو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگو۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "رستم ٹیڑھے دماغ کا آدمی ہے۔ اس وقت موسیٰ کی لاش اس کے سامنے آئی تو وہ اپنی مرضی کے نتیجے اخذ کرے گا اور ہمارا کام ہوا میں معلق رہ جائے گا۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ وہ بہترین ہاتھوں میں ہے۔ میں نے امراضِ قلب کے شعبے کے نگراں کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کردیا ہے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہوگا۔"

"خدا کی قدرت ہے۔" سلطان شاہ نے چھت کی طرف نظریں اٹھا کر کہا "دو روز بعد جسے جہنم واصل کرنا ہے، اس کی زندگی کے لیے آج ہم سب پریشان ہیں۔"

"وہ جلد ہی خطرے سے باہر نکال لیا جائے گا۔ اسے چھوڑو اور رستم سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔" اول خان نے اسے گھور کر کہا۔

رستم کے گھر پر باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ باتیں خاصی الجھی ہوئی اور پیچ دار تھیں۔ اول خان کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ میں نے رستم کی زبان سے میجر بخشی کے دعوے کی تائید کروالی تھی۔ اس توثیق کے بعد موسیٰ بہت اہم ہوگیا تھا۔

بہترین طبّی امداد ملنے کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوتا تو پھر اس کی لاش کو کسی بے نام قبر میں دفن کرکے ہی ہم سکھ کا سانس لے سکتے تھے۔ موسیٰ زندہ رہ کر ہمارے لیے بے ضرر تھا لیکن اس کی لاش سامنے آنے پر رستم کسی بھی ردِّ عمل کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

"اور اب ملنگ بھی اسی قدر اہم ہوگیا ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں ہمیں یاد دلایا۔

"یہ نکتہ میں پہلے ہی سمجھ چکا ہوں۔" اول خان نے اس کی تائید کی "رستم نے اوبرائن اور ڈینی کے معاملات میں ایک یکسانیت کا ذکر کرکے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔ ڈینی کو اب بہت محتاط رہنا ہوگا۔ رستم کو اس کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ وہ ڈینی سے ملتا رہا ہے۔"

LASERDOT

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب تم اپنی ساری کشتیاں جلا چکے ہو۔" ویرا نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے پرسوں تمہیں رستم سے ملنا ہی پڑے گا۔"

"یہ ساری احتیاط اسی وقت تک کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہم کوئی نئی راہ تلاش کرلیں گے۔"

"نئی راہ اختیار کرنے سے پہلے پرانے سوراخ بند کرنے کے بارے میں سوچو۔" ویرا نے مربیانہ لہجے میں مشورہ دیا "کل کا دن خالی ہے۔ ہم اطمینان سے گلشن اقبال والے مکان میں منتقل ہوسکتے ہیں۔ اس دوران میں تم ملنگ کو اٹھوالو۔ ڈینی کے خلاف اس وقت وہی اکلوتا گواہ ہے۔"

"اسے راستے سے ہٹا دینے کے بعد میجر بخشی کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکے گا کہ کرنل جمال دستی کون تھا۔ یہ فتنہ اب ختم ہوجانا چاہیے۔" سلطان شاہ بولا۔

اول خان کا چہرہ اتر گیا "کل تم چاروں یہاں سے جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"

"پہلے سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔" میں نے جلدی سے کہا "ویرا نے ابھی ابھی یہ بات چھیڑی ہے اور میں اس کی رائے سے متفق ہوں۔ کچھ عرصے کے لیے ہمیں ایس ٹی ایف سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا "تم سوچ سمجھ کر فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا۔ تم جب چاہو گے، تمہاری روانگی کا بندوبست کردیا جائے گا۔"

"ملنگ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔" خاموشی سے سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے سکوت توڑا۔

"تمہیں اس سے دور رہنا چاہیے۔ میں خود ہی اس کا کوئی بندوبست کروں گا۔ اس بار یہ احتیاط ضروری ہے کہ ملنگ کے قصے میں ایس ٹی ایف کا نام نہ آنے پائے۔"

"موسیٰ یہاں موجود ہے مگر تم ایجنسیوں کے استفسار پر اس کے قصے سے اپنی لاعلمی یا لاتعلقی ظاہر کرچکے ہو۔ اس مرتبہ بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ موسیٰ کو میرے آدمیوں نے نہیں اٹھایا اور یہ سو فی صد حقیقت ہے۔ اس کے بعد مجھ سے کچھ نہیں پوچھا گیا۔ ملنگ کا معاملہ مختلف ہوگا۔"

"موسیٰ کی موجودگی سے تمہارے عملے کے بہت سے لوگ واقف ہیں۔ اب سی ایم ایچ والے بھی آگاہ ہوگئے ہیں۔ اسے کوئی بھی چیک کرسکتا ہے۔ کئی ایجنسیاں براہِ راست سروسز سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں تمہارے تکنیکی جھوٹ کی ہوا لگ گئی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میرے آدمی صرف مجھے جواب دہ ہیں۔ اسپتال والوں کو صرف اتنا علم ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کے بھیجے ہوئے ایک مریض کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ کسی اور ایجنسی کو اس کے بارے میں تردّد میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اداروں میں ایسی ہم آہنگی نہ ہو تو ہر وقت محاذ آرائیاں ہوتی رہیں۔"

"ان معاملات میں تمہاری صوابدید ہم سے زیادہ بہتر ہے۔" میں نے کہا "تم مطمئن ہو تو ہم بھی مطمئن ہیں۔"

"بس تو پھر کل منتقلی کا پروگرام طے ہے۔" ویرا نے اٹھتے اٹھتے ایک غیر ضروری بات دہرائی۔

"سورج طلوع ہوگا تو کچھ سوچا جائے گا۔ ابھی جاکر آرام کرو۔" میں نے ترشی سے کہا۔

دونوں عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اول خان بھی اٹھ گیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تم کہاں چلے؟ کیا آج کی رات ہمارے ساتھ بسر نہیں کروگے؟"

"میں کچھ کاموں میں الجھا ہوا ہوں۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "جلد نمٹ گیا تو واپس آجاؤں گا ورنہ دفتر ہی میں کمر سیدھی کرلوں گا۔"

وہ واضح طور پر اداسی کا شکار ہوگیا تھا۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔ اس وقت اول خان کو چھیڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ایک دفعہ ہم اپنے نئے ٹھکانے پر منتقل ہوجاتے تو وہ دو چار دن میں سب کچھ بھول بھال کر اس عارضی صدمے سے نجات حاصل کرلیتا۔

"کیا ہماری منتقلی کے بارے میں تم اب بھی کسی تذبذب میں پڑے ہوئے ہو؟" چھت میں لگے ہوئے پنکھے کے دھیمے اور یکساں شور میں پہلی بار سلطان شاہ کی آواز ابھری تو میں چونک پڑا۔ اول خان کے چلے جانے کے بعد میرا ذہن کہیں اور الجھ گیا تھا۔

"یہ کام کل ہو ہی جانا چاہیے۔ صبح ساری کاغذی کارروائیاں مکمل کرانے کے بعد تم ہی عورتوں کو وہاں لے جاؤ گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"کاغذی کارروائی کیا ہوتی ہے۔ بس اسٹیٹ ایجنٹ کو رقم دے کر کچھ دستخطوں کا تبادلہ کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ناشتے کے بعد یہاں سے چل دینا چاہیے مگر تم اس کارِ خیر سے خود کو الگ کیوں کررہے ہو۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ موسیٰ کے بیان کی صداقت کو جانچنے کے لیے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی کا منصوبہ بنا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا "رستم کو دیا ہوا کام پورا ہونے تک یہ خلش بھی دور ہوجانی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ موسیٰ نے جھوٹ نہ بولا ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے تو یہ پنڈت منوہرلال، جواہرلال کا چھوٹا بھائی معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اوباش اور رنگین مزاج لیکن اندر سے انتہائی کینہ پرور سازشی۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے اس کی آواز تحقیر آمیز ہوگئی تھی "اسے دیکھنا بلکہ کھنگالنا بہت ضروری ہے مگر اس وقت نہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ رستم ایرانی سے اس کے گہرے مراسم ہیں، موسیٰ کو اسی نے اس رستم کے پاس نوکری دلائی تھی اور اب بھی وہ ہفتے میں ایک بار رستم سے ملنے ضرور جاتا ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے رستم ایرانی کا نام ادا ہوتے ہی میرے ذہن کے بند دریچے وا ہوگئے۔ میں اپنی رو میں بس ایک ہی سمت میں سوچے جارہا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک اشارے سے سارے امکانات روشن کردیے تھے۔

جس طرح اوبرائن کی ہلاکت تک موسیٰ کا زندہ یا کم از کم پوشیدہ رہنا ناگزیر تھا اسی طرح پنڈت منوہرلال کا بے فکر رہنا بھی ضروری تھا۔ اس کا کوئی بھی مسئلہ رستم کے سکون کو درہم برہم کرسکتا تھا۔ اس کے تفکرات میں الجھ کر رستم اپنے معمول کے کاموں سے صرفِ نظر کرسکتا تھا۔ ان کاموں میں اوبرائن کی سرکوبی میرے لیے سرِفہرست تھی۔ وہ کام ہر قیمت پر اور بروقت پایۂ تکمیل کو پہنچنا ضروری تھا۔

میں نے اٹھ کر محبت سے سلطان شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بعض اوقات تم بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اس وقت میں پنڈت کو سب سے الگ تھلگ رکھ کر کچھ منصوبہ بنا رہا تھا۔"

"کاموں کے سلسلے میں ان باریکیوں کا دھیان رکھنے کا تجربہ میں نے تم ہی سے حاصل کیا ہے۔"

"اس میں تمہاری محنت کا دخل بھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مشینی روبوٹ کی طرح صرف میری ہدایات پر عمل نہیں کرتے، غلطیوں پر ٹوکتے بھی رہتے ہو۔"

"غلطیوں پر تو ویرا بھی ٹوکتی ہے لیکن تم نے اس کے ساتھ ایک مدت سے شفقت کا رویہ نہیں اپنایا۔ شاید غلطیوں کی نشان دہی میں وہ مجھ سے آگے ہے۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ ویرا ذرا سی شفقت سے بہلنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میری طرف سے ذرا سی نرمی کا اظہار ہوتے ہی بہت سی محبت کی دعوے دار بن سکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کا وہ نازک سوال خفیف سی مسکراہٹ میں ٹال دیا۔

رات سکون سے بسر ہوگئی۔ صبح بیدار ہوتے ہی غیرارادی طور پر میری نگاہ تیسری چارپائی کی طرف گئی۔ بستر خالی اور بے شکن تھا۔ اول خان نے اپنی ناراضگی کے بھرپور اظہار کے لیے وہ رات شاید اپنے دفتر ہی میں گزار دی تھی۔

میں اس کے لیے افسردہ ہونے سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی جذباتی طبیعت کے سامنے بے بس تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی اس مسئلے کا آسان ترین حل تھا اور میں نے پچھلی رات سے وہی رویہ اپنایا ہوا تھا۔

ناشتے کے وقت وہ آیا تو شب بیداری اور اعصابی تکان کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری رات بہت مصروف گزری ہے۔" میں نے بہت نپے تلے الفاظ منتخب کرکے اس کی مزاج پرسی کا اخلاقی فرض ادا کیا۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے کہ موسیٰ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ اسے بروقت طبی امداد میسر آگئی تھی۔"

"اس کی موت اگر ہمارے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو وہ ایسے دس دورے بھی جھیل جائے گا۔"

"تمہارے نہیں، میرے ہاتھوں۔" اس نے میری تصحیح کی "تم چاروں تو آج جارہے ہو۔"

میرے دل میں چور تھا۔ میں مصنوعی انداز میں ہنس پڑا۔ "ہمارے اور تمہارے ہاتھ ایک ہی ہیں۔"

ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ اسٹیشن فور سے ہمارے کوچ کا معاملہ بھی زیرِ غور آیا مگر وہ ذرا بھی گمبھیر نہیں تھا۔ ہم اپنی جانیں بچانے کے لیے کلفٹن والے فلیٹ سے تن کے کپڑوں کے ساتھ فرار ہوئے تھے بعد میں چند جوڑے اور خریدے گئے جو محض ایک کشادہ بیگ میں سما سکتے تھے۔ ہمارا سب سے قیمتی اثاثہ بیم گن، اول خان کے خصوصی نوادر سے حاصل کی ہوئی چند انگوٹھیوں اور سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔ ویرا نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی نہایت خود غرضانہ انداز میں ان اشیا کو یکجا کرنا شروع کردیا۔ اول خان ملول نظروں سے اس کارروائی کا جائزہ لیتا رہا۔

میرا ارادہ تھا کہ اسٹیشن فور سے ہم دو ٹکڑیوں میں بٹ کر روانہ ہوتے۔

میں نے سلمٰی سے آٹھ لاکھ روپے کے مساوی ڈالر لیے تھے۔ رستم کو سات لاکھ دینے کے بعد بقیہ رقم فلیٹ کے کرائے کی ادائی اور گھرداری کی دیگر ضروری اشیا کی خریداری کے لیے کافی تھی۔

ہم نے گلشن اقبال میں جو مکان پسند کیا تھا، وہ نادرہ کے فلیٹ کی طرح مکمل آراستہ نہیں تھا۔ اس میں پردے، پنکھے، قالین اور صرف مسہریاں موجود تھیں۔ بقیہ آرائش کرائے داروں کی مرضی اور جیب پر چھوڑ دی گئی تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ اسٹیٹ ایجنٹ کو پیشگی رقم دے کر مکان کا قبضہ لے سکتے تھے اور اپنی نگرانی میں گھر کی ضروری صفائی وغیرہ کرواسکتے تھے جبکہ مجھے رستم ایرانی کو دینے کے لیے مزید رقم کا بندوبست کرنا تھا۔

دن میں جہانگیر اپنی فارمیسی پر ہوتا تھا۔ میں تنہائی میں سلمٰی کا سامنا کرنے سے ہمیشہ گھبراتا تھا کیونکہ ایسے مواقع پر وہ میرے لیے مونالیزا سے بڑھ کر ثابت ہوتی تھی۔ اس ہولناک خلوت کا بہترین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توڑ یہ تھا کہ غزالہ بھی میرے ساتھ ہوتی۔ ہم دونوں سلمٰی سے رقم لے کر براہِ راست گلشن اقبال والے نئے گھر پہنچ سکتے تھے۔ یہ تجویز سن کر اول خان بول پڑا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اوبرائن کے سلسلے میں خرچ ہونے والی رقم تمہیں جلد ہی واپس مل جائے گی۔"

میں ہنس دیا "مجھے معلوم ہے کہ تم سات لاکھ روپے کے لیے اوپر بات کر چکے ہو۔ اب اس رقم کو دس لاکھ کرنے سے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں...."

"کیسے شبہات!" اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بھڑک اٹھا "اگر رستم نے پہلے سات لاکھ مانگ کر بعد میں دس لاکھ کا مطالبہ کر دیا ہے تو اس میں شبہ کیا؟ ایس ٹی ایف میں سارے ہی معاملات ایمان داری اور باہمی اعتماد پر چلتے ہیں۔"

"پھر بھی میں یہ نہیں چاہوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس اہم قومی مقصد کے حصول کے لیے ہم بھی تھوڑی سی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ہمارے کسی مطالبے کے بغیر سات لاکھ روپے کی ادائی کا بندوبست کر چکے ہو۔"

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ میں نے آج صبح ہی فون پر اسلام آباد بات کر کے رقم میں اضافہ کر دیا ہے۔ اب دس لاکھ کی پوری رقم آئے گی۔" اس نے کہا۔

"سرخ فیتے یا کسی کاغذی کارروائی کے بغیر اتنی بڑی رقم سیکرٹ فنڈ سے ہی مہیا کی جا سکتی ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ رقم کہاں سے فراہم کی جائے گی۔ بس یہ یقین ہے کہ کام پورا ہونے کی اطلاع ملتے ہی رقم بھیج دی جائے گی۔" اس کے ایک ایک لفظ سے بھرپور اعتماد جھلک رہا تھا۔

"اتنی آسانی سے پورے دس لاکھ واپس مل سکتے ہیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ مجھے تو یہ خیال تھا کہ آڈٹ والے ایک ایک پیسے کے خرچ کو شبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تین لاکھ روپے کا اضافہ وہ ہضم نہیں کر سکیں گے۔" میں نے خوش دلی سے اس کی پیشکش قبول کر لی۔

"ایس ٹی ایف کے خرچ کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا۔" اول خان نے میری معلومات میں اضافہ کیا "رستم تم کو دس لاکھ تو کیا' دس روپے کی رسید بھی نہیں دے گا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بڑے بڑے غبن رسیدوں اور اندراجات کے ہیر پھیر کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ جہاں بات ایمان اور اعتماد پر چھوڑ دی جائے' اسکینڈل کم ہی بنتے ہیں کیونکہ ایسے اخراجات کی تصدیق غیر روایتی انداز میں سینہ بہ سینہ کی جاتی ہے جس کی کسی کو بھنک نہیں ملتی۔

گیارہ بجے ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ اول خان نے ہمارے لیے دو الگ الگ گاڑیوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک میں ڈرائیور موجود تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کے ساتھ وہ ہمارا نیا ٹھکانا دیکھ لے اور بعد میں اول خان کی راہ نمائی کر سکے۔ میری گاڑی کے لیے اس نے دانستہ کسی شوفر کا بندوبست نہیں کیا تھا۔

وہ اول خان سے ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔ ہم اسی شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں بسنے جا رہے تھے مگر اول خان کے رویے کی وجہ سے ہماری روانگی خاصا جذباتی رنگ اختیار کر گئی۔

ٹیکسی پہلے حرکت میں آئی۔ میں نے بھی گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔

شارع فیصل پر ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن تک دونوں گاڑیاں اسی ترتیب سے دوڑتی رہیں۔ وہاں سے ٹیکسی داہنی طرف گھوم گئی۔ ہم سیدھے نکلتے چلے گئے۔

"آج میں خود کو بالکل ہلکا اور تر و تازہ محسوس کر رہی ہوں۔" غزالہ نے کہا۔

"شاید اس لیے کہ آج ہم دونوں ایک طویل مدت کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ کہیں باہر نکلے ہیں۔ ایسی تنہائی تو اب خواب و خیال بن کر رہ گئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

"شکر ہے کہ یہ باتیں آپ کے دل کے نہاں خانوں میں بھی موجود ہیں۔ مجھے کبھی کبھی تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ سوچنے لگی ہوں۔"

میں نے اس کے نرم و گداز ہاتھوں پر پیار سے تھپکی دے کر کہا "میں بھی تمہاری طرح جوان ہوں۔ میرے دل میں بھی امنگیں اور آرزوئیں انگڑائیاں لیتی ہیں مگر کام کی خاطر مجھے ان خواہشوں کو تھپکیاں دے دے کر سلانا پڑ جاتا ہے۔ یہ وقت سدا یوں ہی نہیں رہے گا۔"

"میں سوچتی ہوں کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے آپ کو ایک کڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ میری وجہ سے آپ کھلے ذہن سے کہیں ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"تمہاری دونوں باتیں غلط اور عقل سے خالی ہیں۔ شادی کا فیصلہ ہم میں سے کسی کا نہیں تھا۔ مکاؤ کے ڈون نے ایک چینی مولوی کے ذریعے ہم دونوں کو اس رشتے میں یک جا ہونے پر مجبور کیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے ماضی کا خوش گوار آئینہ دکھایا۔

"اس کے بعد بھی ہم نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔ جب کوئی خوں خوار حریف سامنے آ جاتا ہے تو میں بھول جاتا ہوں کہ میرا کسی سے کوئی رشتہ ہے یا کسی کو میری صحیح و سلامت واپسی کا انتظار ہو گا۔ تمہارا خیال کبھی میرے قدموں کی زنجیر بنا ہے نہ خیالوں کی لگام۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ابھی تک آپ کے دل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اترنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہوں۔" اس وقت غزالہ یکایک ہی ایک ننھی سی بچی بن گئی تھی اور میری بات پر روٹھی روٹھی سی لگنے لگی تھی۔

"غزالہ' مائی ڈارلنگ! تم اتنی ناسمجھ تو نہیں ہو۔ شاعری اور تصورات کی دنیا حقیقت سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ جب آدمی کی جان پر بن جاتی ہے تو اسے اپنی کوئی جان یا محبوبہ یا بیوی یاد نہیں آتی' صرف خدا یاد آتا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مذہب کے مطابق خدا کو ہی پکارتا ہے اور اپنی جان بچانے کے لیے دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ جان بچ جائے اور وہ سرخ رو رہے تو پھر اپنی جان کی آغوش میں اس سنگین کہانی میں رنگین لمحے جوڑ کر ایک نیا لطف لیتا ہے۔"

"جان' جان کے چکر میں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "چلیں یہ تو دشمن اور دشمنی کی بات ہوئی۔ چاہنے والے تو ایک دوسرے کے لیے جان بھی دے دیتے ہیں۔"

"وہ بزدل ہوتے ہیں۔ ان میں ہارنے کی ہمت ہوتی ہے' نہ جینے کی امنگ۔ چاہنے کا تعلق جسم اور وجود سے نہیں' جذبوں سے ہوتا ہے۔ میں تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں' جب میں نے تمہیں چھوا بھی نہیں تھا پھر ایسا وقت بھی آیا جب ہمارے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے' مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تم زندہ ہو یا ویرا کے اندھے انتقام کا نشانہ بن چکی ہو۔ اس وقت بھی میری چاہت میں کوئی دراڑ نہیں آئی....."

"اس وقت میرے ساتھ صرف میری باتیں کریں۔ میں ان باتوں کے لیے ترسی ہوئی ہوں۔ اس وقت ویرا کا نام نہ لیں۔ وہ رفتہ رفتہ میرے اعصاب کے لیے ایک....."

"بس! اب اس پر اپنے الفاظ برباد مت کرو۔" میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ میری انگلیوں کا ایک نرم سا بوسہ لے کر خاموش ہو گئی اور میں نے اس کے دل میں چھپی ہوئی عورت کو ان چاند ستاروں کی کہانیاں سنانی شروع کر دیں جو اس کے حسن کی ذرا سی رمق چرا کر خلا کی بے کراں وسعتوں میں پرنور نکتوں کی طرح دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہمارا سفر باتوں کی محویت میں گزر گیا۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں گاڑی جہانگیر کے فلیٹ والے بلاک کے قریب روک چکا تھا۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ جیسا بے جگر آدمی ایسی شاعرانہ باتیں کر سکتا ہے۔" غزالہ نے میرا بازو دبا کر بھاری آواز میں کہا "آپ شاعری شروع کر دیں تو ہر طرف دھوم مچا دیں گے۔"

"دھوم مچانے والی شاعری کتابوں اور مشاعروں سے چلتی ہے۔ میری کتاب کوئی چھاپنے پر آمادہ نہیں ہو گا کیونکہ ڈینی انتہائی غیر شاعرانہ تخلص ہے اور مشاعرے میں گیا تو وہاں سی آئی اے والے دھاوا بول کر مجھے اٹھا لے جائیں گے۔ امریکیوں کو اردو شعر اور شاعر کے قتل پر ذرا بھی ندامت نہیں ہو گی۔"

غزالہ ہنستی ہوئی گاڑی سے اتر گئی۔

جہانگیر کے دروازے پر ڈور بیل بجتے ہی وہاں کام کرنے والی بچی نے دروازہ کھولا مگر اس کے کسی سوال سے پہلے' سلمٰی خود اس کے پیچھے آموجود ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسرت کی ایک عجیب سی حیوانی چمک دوڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی پورا دروازہ کھول دیا۔

پہلے اس کی نظر غزالہ پر نہیں پڑی تھی۔ پورا دروازہ کھولنے پر جب اس نے غزالہ کو اپنے روبرو پایا تو اس کے والہانہ انداز میں یکایک تبدیلی آگئی اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"اوہ... تو آج تم بھی ساتھ آئی ہو!" سلمٰی نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھونڈے انداز میں غزالہ کا استقبال کیا "رک کیوں گئے؟ دونوں اندر آجاؤ۔"

"تم دروازے سے ہٹ کر راستہ دو گی تو ضرور اندر آئیں گے۔" میں نے احساس دلایا "ہم دروازے پر مزاج پرسی کرنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔"

شرمندہ ہو کر اس نے ہمیں راستہ دے دیا۔ جھینپ مٹانے کے لیے اس نے ملازمہ کا بازو پکڑ کر اسے بھی پیچھے کھینچ لیا "بیچ میں کیا کھڑی ہے... ہٹ کر مہمانوں کو اندر آنے دے۔"

لڑکی کھسیا کر اندر چلی گئی۔ سلمٰی ہم دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

"بیٹھو... کہو' اس وقت کیسے آنا ہوا؟" اس نے رسمی اور پر تکلف لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"تم نے خود کسی دم دلاسے کے بغیر سوال کر ڈالا ہے تو سن لو کہ ہم عجلت میں ہیں۔ مجھے مزید کچھ ڈالر درکار ہیں۔ شاید ہمیں آج ہی مکان کا قبضہ مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"رقم تمہاری امانت ہے۔ چاہو تو سب لے لو۔ یہ مکان تم نے کتنے میں خریدا ہے؟" میرے بے لوچ رویے سے ماؤف بلکہ پریشان ہو کر سلمٰی ہمیں بٹھانا بھی بھول گئی۔

"اٹھارہ لاکھ کا پڑے گا۔" میں نے مستقبل کی پیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندی کرتے ہوئے کہا "کل آٹھ لیے تھے۔ آج پانچ اور دے دو۔ باقی چند روز بعد درکار ہوں گے۔"

"بیٹھ کر کچھ چائے وغیرہ تو پی لیتے یا یوں ہی واپس جانے کا ارادہ ہے۔"

سلمٰی کے وہ الفاظ بے جان اور خلوص سے عاری تھے۔ مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "پھر کبھی فرصت سے آئیں گے۔ آج مالک مکان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔"

"ویسے ہم بیٹھ جاتے ہیں' تم اطمینان سے رقم لے آؤ۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈالر بتادو۔ روپوں کا حساب خود کرتے رہنا۔" سلمٰی نے رکھائی سے پوچھا۔

حساب میں نے راستے میں ہی لگالیا تھا۔ میرا جواب سن کر وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اس وقت سلمٰی کچھ اکھڑی اکھڑی سی نظر آرہی ہے۔ کیا کل کوئی جھڑپ ہوگئی تھی؟" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کل تو یہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔ آج شاید اسے جہانگیر سے تگڑا ناشتا ملا ہے۔ میرے حساب سے اسے تم سے لپٹ جانا چاہیے تھا۔" میں نے بات بنائی۔

"مجھ سے یا آپ سے ....؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کے شوخی سے پوچھا "آپ کے بارے میں ویرا غلط نہیں کہتی ....."

"تم نے پھر اس کا نام لیا؟" میں نے اسے گھورا "اس کے بارے میں تم ہی نے کچھ کہا تھا۔"

اسی وقت بیلا نامی ملازمہ ایک ٹرے میں ٹھنڈے مشروب کے دو گلاس لے آئی۔ لڑکی پچھلی رات مجھ سے مانوس ہوچکی تھی۔ میں نے پیار کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

"یہ کون ہے؟" بیلا کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سوال کیا۔

"سلمٰی کی ملازمہ اور اس کے گھر میں ایک نئے فساد کی جڑ۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

"جہانگیر اس سے دگنی عمر کی ملازمہ کا مطالبہ کررہا ہے' سلمٰی اسی عمر پر بضد ہے۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "مبالغہ آرائی کوئی آپ سے سیکھے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی گڑبڑ ہونے کے باوجود یہ تنازع اتنا سیدھا نہیں رہا ہوگا۔"

"اب خاموشی سے شربت پیو۔ سلمٰی کو تمہاری سرگوشیوں کی بھنک مل گئی تو وہ سمجھے گی کہ تم اس کی برائیاں کررہی ہو۔ اس وقت وہی ہماری خزانچی ہے۔"

گلاس خالی ہونے سے پہلے سلمٰی سو ڈالر کے نوٹوں کی شکل میں مطلوبہ رقم لے آئی۔ اس نے حسب معمول رقم گننے پر اصرار کیا اور میں نے ہمیشہ کی طرح انکار کرکے وہ پتلی سی گڈی غزالہ کو دے دی۔ ڈالروں کی شکل میں بڑی مالیت کے نوٹوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔

کام ہوجانے کے بعد ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ سلمٰی سے اجازت لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں ویرا اور سلطان شاہ کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی میں کام کرنے والا لڑکا بھی وہاں موجود تھا اور دو افراد پوری مستعدی سے گھر کی صفائی میں مصروف تھے۔

"شاہ صاحب نے ذرا سی دیر میں سارا کام مکمل کروالیا۔" مجھے دیکھ کر اسٹیٹ ایجنٹ نے خوشامدانہ انداز میں سلطان شاہ کی کارکردگی کی تعریف کی۔

سلطان شاہ نے شناخت کی ناگزیر ضرورت کے تحت وہ معاہدہ اپنے اصل نام یعنی سید محمد سلطان شاہ کے مخفف کے ساتھ کیا تھا جو سمٹ کر صرف ایم ایس شاہ رہ گیا تھا۔ یہ بات ہمارے درمیان طے پاچکی تھی اس لیے غزالہ بھی شاہ صاحب کی اصطلاح کو ہضم کرگئی۔

اسٹیٹ ایجنٹ ہمارے مفروضہ سامان کی منتقلی میں بھی ہمارا ہاتھ بٹانے پر تلا ہوا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہماری کل کائنات صرف ایک بیگ پر مشتمل تھی جو ہمارے ساتھ موجود تھی۔

وہ ایجنسی کا مالک نہیں بلکہ ملازم تھا اور کسی انعام کے لالچ میں ہمارے سروں پر سوار تھا۔ سلطان شاہ یہ رمز نہیں پاسکا تھا۔ اس نے علیحدگی میں مجھے بتایا کہ وہ ہر جتن کرنے کے باوجود اس سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"اسے دو سو روپے تھماؤ اور پھر دیکھو کہ وہ کتنے سیکنڈ یہاں رکتا ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"سلطان شاہ سدا کا سعادت مند تھا۔ اس نے مشورے پر فوری عمل کیا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے کرائے کی مد میں یک مشت دو ہزار روپے کی کمی کا حوالہ دے کر انعام کی رقم میں اضافہ چاہا۔ سلطان شاہ نے سو روپے کا مزید ایک نوٹ اسے تھمایا اور وہ ہم چاروں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پھاٹک سے نکلتا چلا گیا۔ انعام کی وہ رقم اس کے لیے بہت زیادہ نہیں تو یومیہ اجرت سے یقیناً زیادہ تھی۔

"مکان چھ سو گز پر ہے مگر اس میں خوبی یہ ہے کہ خواب گاہیں چار ہیں۔" صفائی کرنے والوں کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چوتھی خواب گاہ میں تمہیں کیا افادیت نظر آرہی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اول خان کی مہمان داری کی جاسکتی ہے۔" ویرا نے باری باری ہمارا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یا پھر ڈینی اور غزالہ میں فساد ہوجائے تو یہ دونوں الگ الگ کمروں میں سوسکتے ہیں۔"

"خدا کے لیے ویرا!" غزالہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر احتجاج کیا "اپنی زبان سے ایسے منحوس کلمات تو نہ نکالو۔ خدا خدا کرکے ہمیں یہ ٹھکانا نصیب ہوا ہے تو تم نے ابھی سے بدشگونی شروع کردی۔"

"ایک امکان تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔" اس نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "اسے رونما ہونے سے روکنا یا نہ روکنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"ویرا! بدگوئی اچھی عادت نہیں ہوتی۔" سلطان شاہ نے بھی اس پر آنکھیں نکالیں "ان باتوں میں پڑنے کے بجائے مجھے کراکری اور کچن کے سامان کی ایک فہرست بنا کر دو تاکہ میں خریداری کرلاؤں۔ یہاں چائے بنانے تک کے لیے بھی کوئی برتن دستیاب نہیں ہے۔"

"غزالہ کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہارا کام آسان کردے گی۔ اجناس کے ساتھ خورونوش کی کچھ سرہند چیزیں بھی لے آنا تاکہ فوری گزارہ ہوسکے۔"

ویرا نے دانستہ غزالہ کو ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی۔ غزالہ نے اس مشورے پر تیوریاں چڑھا کر کہا "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرے بجائے تم چلی جاؤ۔"

"میرے باہر نکلنے پر ڈینی نے کڑی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔" ویرا نے مکاری سے جواب دیا "بھرے بازار میں، میں ہر ایک کی نظر کا مرکز بن جاؤں گی۔"

میں اس زبانی زور آزمائی میں پنہاں مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ویرا میرے ساتھ کچھ دیر کے تخلیے کی خواہاں تھی اور وہ دونوں اسے ایسا کوئی موقع فراہم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ میں خود بھی ان دونوں کا طرف دار تھا۔ میں نے ویرا سے کہا "چلو، فہرست بنا ڈالو!"

"میں اردو لکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ انگریزی میں بہت سی چیزوں کے نام اتنے پیچیدہ ہیں کہ سلطان شاہ کی ننھی سی کھوپڑی پر سے گزر جائیں گے۔" اس کے پاس دوسرا عذر تیار تھا۔

"آؤ!" غزالہ کے تیور خراب ہوگئے اور وہ سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے چل دی "فہرست بنانے میں کوئی ہاتھی گھوڑے نہیں لگتے۔" ویرا کو سنانے کے لیے اس نے جاتے جاتے اونچی آواز میں کہا اور ویرا لوفرانہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر سیٹی بجانے لگی۔

میں وہاں سے اٹھا تو اس نے مجھے ٹوک دیا "تم کہاں چلے؟"

"فون تلاش کرنے۔ ایجنٹ نے کہا تھا کہ اس گھر کا فون کام کررہا ہے۔"

"ایسا ہی کوئی ضروری کام ہے تو تم اپنا موبائل فون بھی استعمال کرسکتے ہو!" اس نے طنز کیا۔

"موبائل فون کے ساتھ سی ایس ڈی کے استعمال سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا اور اپنی راہ ہولیا۔ وہ وہاں اکیلی بیٹھی رہ گئی۔

پہلی خواب گاہ میں ہی فون مل گیا جو کام کررہا تھا۔ سلطان شاہ بھی اسی کمرے میں بیٹھا غزالہ کے مشورے سے خریداری کی فہرست تیار کررہا تھا۔ مجھے دیکھ کر دونوں خوش ہوگئے۔

"اچھا کیا کہ آپ بھی اٹھ آئے۔" غزالہ نے مسرت آمیز مگر نیچی آواز میں کہا "کبھی کبھی وہ اپنی حد سے زیادہ تجاوز کرنے لگتی ہے۔"

"زبان بند رکھو۔ اس کے کان بہت لمبے ہیں۔" میں نے تیز سرگوشی میں کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا "سامان کے تھیلے میں سے سی ایس ڈی نکال دو۔"

سلطان شاہ فہرست ادھوری چھوڑ کر پھولے ہوئے تھیلے کی طرف بڑھ گیا۔

سی ایس ڈی کے دو تاروں کو فون لائن سے منسلک کرتے ہوئے میرے ذہن میں دو کام موجود تھے۔ پہلے اول خان کو اپنے نئے فون نمبر سے مطلع کرنا اور اس کے بعد امریکی قونصل خانے میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے ڈائریکٹ فون پر رابطہ کرکے اس کے جانشین کو ادبی کے عبرت ناک حشر کے بارے میں وارننگ دینا۔

تار جوڑتے ہوئے میں نے سوچا کہ اول خان ایسی چھیڑ چھاڑ کو ہمیشہ غیر ضروری قرار دے کر اس سے گریز پر زور دیتا رہا ہے۔ اسے میرے عزائم کا علم ہوتا تو وہ لامحالہ مجھے وہی مشورہ دیتا جو ہمیشہ سے دیتا چلا آیا تھا جب کہ میرے لیے وہ انا کا مسئلہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوبرائن ڈی ہنٹ نئی دہلی میں رستم ایرانی کے کسی ہر کارے کے ہاتھوں مارا جاتا تو واقعے کی نوعیت کے لحاظ سے اس کی تفتیش ہوتی رہتی۔ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا کہ اس کے جہنم واصل ہونے میں میرا ہاتھ تھا۔ امریکیوں کے دلوں پر اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اوبی کے قتل سے پہلے اپنی پیش گوئی ان کے کانوں تک پہنچا دیتا تاکہ بعد میں وہ اسی ایک سمت میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

اس نتیجے پر پہنچ کر میں نے ان دونوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور فون پر اوبی کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک سلجھی ہوئی باوقار آواز میرے کانوں میں آئی "ہیلو' کون بول رہا ہے؟"

"یہ کال ریکارڈ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ لائن ڈراپ ہو جائے گی۔" میں نے انگریزی میں جواب دیا "میں تم کو اوبرائن کے انجام سے آگاہ کرنا چاہ رہا ہوں....."

"اوہ! تو تم اوبرائن کے قاتل ہو؟" تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی وہ آواز میرے کانوں میں کسی نغمے کی طرح گونجی "تمہاری یہ جرأت کہ تم فون پر اپنے اس گھناؤنے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے کیے جانے والے ان فقروں سے صاف ظاہر تھا کہ رستم اپنے قول کا پکا ثابت ہوا تھا۔ اس نے وقت سے پہلے ہی اپنا کام پورا کر لیا تھا۔

"ہاں' اگر یہ کوئی جرم ہے تو میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ کان کھول کر سن لو کہ اس کی راہ پر چلنے والے ہر شخص کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"تم گندے ایشیائی سور..... کالے بدمعاش....." میرے مخاطب کی زبان سے گالیوں کا ایک بے ساختہ طوفان ابل پڑا اور شاید اسی دوران میں اس نے میری ہدایت کو نظرانداز کر کے کال کسی اور کو سنوانے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کی۔ سی ایس ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

"یا ہو.....!" میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر جذبات سے بے قابو ہو کر نعرہ لگایا اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ ویرا بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں دوڑتے ہوئے وہاں آ گئی۔

"کیا ہو گیا.....؟ تم کس سے بات کر رہے تھے.....؟ کس جرم کا اعتراف کیا ہے تم نے.....؟" تینوں نے بہ یک وقت میرے اوپر سوالوں کی یلغار کر دی۔

"میں اوبرائن کے جانشین سے بات کر رہا تھا۔ اس نے انکشاف کیا ہے کہ اوبرائن جہنم واصل ہو چکا ہے۔" میں نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں ان تینوں کو بتایا۔

ہم میں سے ہر ایک کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ چند لمحوں کے لیے ان کے چہروں پر حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات طاری رہیں پھر وہ تینوں اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مجھ سے لپٹ گئے۔

کمرے میں چشم زدن میں جشن کا سا سماں ہو گیا۔ سب اپنے اختلافات بھلا چکے تھے۔ سب کچھ سن لینے کے باوجود ہمیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بڑی خبر اتنی جلد اور آسانی سے

معقول سوال

پولیس نے جوئے کے شبے میں مکان پر چھاپا مارا تو چار افراد میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں تاش کی گڈی تھی۔ کچھ تاش میز پر تھے۔ کچھ رقم بھی پڑی تھی۔

"تم تاش کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے؟" پولیس نے اصل انداز میں کارروائی شروع کرنے سے پہلے ایک شخص سے پوچھا۔

"میں.....؟ ہرگز نہیں..... میں تو بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" دوسرے سے پوچھا گیا۔

"ہرگز نہیں۔ میں تو یہاں اجنبی ہوں۔ راستہ پوچھنے رکا تھا۔"

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" تیسرے سے پوچھا گیا۔

"ہرگز نہیں..... میں تو بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔" جواب ملا۔

آخر پولیس والے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کے ہاتھ میں گڈی تھی "تو تم ضرور تاش کھیل رہے تھے۔"

"لیکن کس کے ساتھ.....؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں مل جائے گی۔

"یہ مکان ہمارے لیے مبارک ثابت ہوا ہے۔ یہاں قدم رکھتے ہی ہمیں یہ اچھی خبر ملی ہے۔" سلطان شاہ نے مسرت سے سرشار لہجے میں کہا "تمہیں اس وقت اوبرائن کے دفتر فون کرنے کی کیا سوجھی تھی۔"

"خبر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ میں انہیں دھمکانا چاہ رہا تھا۔"

"وہ کب اور کیسے مارا گیا؟" غزالہ تفصیل جاننے کے لیے بے تاب تھی۔

"تازہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اول خان کیا کہتا ہے۔ اس کے پاس ہمارا فون نمبر بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا۔

اول خان کی آواز میں ولولے یا ظفرمندی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ شاید وہ اس وقت بھی ہمارے بچھڑنے کا سوگ منا رہا تھا۔

"تم مایوسی کی کن دلدلوں میں دھنسے ہوئے ہو؟ تمہیں علم نہیں کہ اوبی مارا جاچکا ہے؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر اس سے سوال کیے۔

"کیا...؟" وہ گویا گہری نیند سے اچانک جاگ اٹھا "اوبی مارا گیا؟ یہ کب کی خبر ہے؟"

"مجھے مختصر ترین خبر ملی ہے۔ اس کی تصدیق اور تفصیل حاصل کرنے کی ذمے داری تمہاری ہے۔"

"خبر کا ذریعہ کیا ہے؟" اس کی آواز ہیجان آمیز ہوگئی "کسی نے تم سے مذاق تو نہیں کیا؟"

"یہ اوبی کے جانشین کے الفاظ ہیں۔ سی ایس ڈی لگانے کے بعد میں نے اسے فون کیا تھا۔"

"میں تھوڑی دیر میں موبائل پر تم سے رابطہ کرتا ہوں۔ شاید یہ اسی صبح کا واقعہ ہے۔ اسلام آباد والوں کو اب تک ضرور بھنک مل چکی ہوگی۔"

میں نے اسے اپنا نیا فون نمبر نوٹ کروانے کے بعد فون بند کردیا۔

"تم فوراً بازار جاؤ اور ضروری خریداری کرکے لوٹ آؤ۔ خبر پھیلنے کے ساتھ خطرات بڑھ جائیں گے۔ ہمیں یک جا رہ کر ایک دوسرے کی حفاظت کرنی ہوگی۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

اس وقت صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی۔ مذاق یا بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ سلطان شاہ گاڑی لے کر نکل گیا کیونکہ ایس ٹی ایف کا آدمی ان دونوں کو پہنچانے کے بعد ٹیکسی واپس لے جاچکا تھا۔ ہمارے استعمال کے لیے اول خان کی فراہم کی ہوئی اکلوتی کار رہ گئی تھی۔

"اب کل رات تک کا وقت بہت کڑا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال لہجے میں کہا "رستم نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے۔ اسے بروقت رقم مل جانی چاہیے۔"

"اگلی رات کا انتظار ہم سب کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دے گا۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "اس نے اپنا کام کردیا، ہمیں اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہوجانا چاہیے۔"

"اسی میں دانش مندی ہے۔" غزالہ نے میری تائید کی "وقت گزرنے کے ساتھ رستم کو بھی اندازہ ہوجائے گا کہ اس نے بارود کے ڈھیر میں چنگاری ڈالی ہے۔ تمہارے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی آسکتی ہے۔ ویسے بھی وہ ڈینی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"اپنے اصول کے مطابق اس نے بخشش سے پیشگی رقم بھی لے رکھی ہوگی۔" ویرا نے رائے زنی کی "ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

"اوبرائن کے دفتر سے اس وقت بہت اہم خبر ملی ہے مگر یہ بُرا ہوا کہ اس واقعے کے پیچھے آپ کی کارکردگی کا راز فاش ہوگیا۔" غزالہ نے نرمی سے کہا۔

"غنیمت یہ ہے کہ اس نے بہت کچھ کہا مگر ڈینی کے طور پر میرا نام نہیں لیا۔" میں نے اپنے ذہن میں اس گفتگو کا اعادہ کرتے ہوئے جواب دیا "نہ میں نے اسے اپنا نام بتایا پھر بھی وہ سب جانتے ہیں کہ انہیں اس طرح فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔"

کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹتا ہے نہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جو ہونا تھا، وہ ہوچکا تھا۔ انہیں دھمکی دیتے ہوئے مجھے اوبرائن کے قتل کا اندازہ نہیں تھا۔ میرا ابتدائی فقرہ ذو معنی تھا۔ اس کا ردِعمل سنتے ہی میں نے بات بنالی تھی مگر پھر بھی اس ٹیلی فون کال میں ایک سقم تھا۔

میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل سے پہلے رابطہ کیا ہوتا تو میری بات کی صداقت پر سو فی صد یقین کرلیا جاتا مگر میں نے واردات کے بعد اس نمبر پر فون کیا تھا۔ فون سننے والے کے اضطراری ردِعمل کے باوجود یہ امکان باقی تھا کہ میری اس کال کو یخی قرار دے کر نظرانداز کردیا جاتا۔

ان کی صفوں میں موجود کئی بقراط یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ ڈینی نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کی خبر سن کر اس کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔ فون سننے والے نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھیان دیا ہوتا تو وہ یہ بتا سکتا تھا کہ میری کال بیرونِ ملک سے نہیں تھی اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ کراچی یا پاکستان کے کسی حصے میں بیٹھا ہوا شخص کم و بیش اسی وقت نئی دہلی میں کسی کو قتل کر سکے۔

وہ ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ وہ لوگ کس نتیجے پر پہنچتے اور کیا حکمتِ عملی اختیار کرتے' اس کا انحصار اوبرائن کی ہلاکت کی تفصیلات پر تھا مگر ایک بات ناگزیر تھی کہ ہمیں جلد از جلد رستم سے اپنا حساب صاف کر لینا چاہیے تھا۔ اس میں تاخیر ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اوبرائن کے دفتر میں نے اپنی مرضی سے فون کیا تھا۔ رستم کے بارے میں مجھے ویرا اور غزالہ کا مشورہ بھی حاصل تھا۔ اس کے یہاں ایکسچینج کے ذریعے بات ہوتی تھی اس لیے مجھے رنگ کرنے سے پہلے سی ایس ڈی کو آف کرنا ہوتا تھا۔ میں نے اس کے بٹن پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پُرجوش لہجے میں بولنے لگا "اس کی موت ایک حادثے کے نتیجے میں ہوئی ہے۔ وہ اپنے معمول کے مطابق دفتر جا رہا تھا کہ اچانک غلط سمت سے ایک بڑا ٹریلر نمودار ہوا اور اوبرائن اپنی گاڑی میں ہی پچک کر مر گیا....."

"اسے خاصا مضبوط آہنی تابوت نصیب ہوا ہے۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں رستم کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ قتل اس طرح ہو کہ قتل معلوم نہ ہو۔ اس نے اوبرائن کے لیے اپنے اسی قول پر عمل کیا تھا۔

"ٹریلر ڈرائیور فرار ہو گیا۔ افواہیں ہیں کہ وہ ٹریلر چوری کا تھا۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"جسے مرنا تھا وہ مر گیا۔ اب یہ قصہ مہینوں چلتا رہے گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ابھی تک موسیٰ کے بارے میں کوئی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن اس کی تلاش میں ایک مرتبہ پھر شدت آ گئی ہے۔ تم اشارہ دو گے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔"

"اس کے ساتھی کو بھی دیکھو۔ وہ آج ہی تمہارے پاس آ جائے تو بہتر ہو گا کیونکہ میں آج رات اپنے میزبان کی طرف جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"اس سے بات ہوئی ہے تمہاری؟" اول خان کی آواز میں حیرت تھی۔

"اب ہو گی۔ ملاقات میں اس کا فائدہ ہے۔ وہ وقت دے دے گا۔" میں نے کہا۔

"کوئی اچھی خبر ہوئی تو میں فون کروں گا۔ تم بھی مجھے اپنے پروگرام سے باخبر کرتے رہنا۔"

"وہ ٹریفک کے حادثے میں بُری طرح مارا گیا ہے۔" میں نے ان دونوں کو نئی خبر سنائی۔

"یہ اچھا ہوا۔" غزالہ بے ساختہ بولی "کون یقین کرے گا کہ آپ کراچی میں بیٹھ کر نئی دہلی کا ٹریفک کنٹرول کر سکتے ہیں وہ آپ کے فون پر توجہ نہیں دیں گے۔"

"مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ رستم نے وہاں کے ٹریفک

سوال

ایک پارٹی میں ایک دولت مند شخص نے اعلان کیا کہ جو شخص قسم کھا کر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہے' وہ اس کی خدمت میں ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرے گا۔

ایک صاحب اٹھے اور بولے "میں ایک خوب صورت بیوی کا شوہر ہوں .... تین پیارے پیارے بچے ہیں... کاروبار شاندار ہے ..... میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔"

ایک نوجوان بولا "میں غیر شادی شدہ ہوں... شاندار عہدے پر فائز ہوں... نئی گاڑی ہے... اچھا بنگلا ہے... زندگی میں کوئی فکر پریشانی نہیں... میرا خیال ہے میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔"

اس طرح تقریباً ہر شخص نے اپنے آپ کو زندگی سے خوش اور مطمئن قرار دیا۔ تب دولت مند شخص اٹھا اور افسوس زدہ لہجے میں بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا جب آپ سب لوگ زندگی سے اس قدر مطمئن ہیں تو میرا ایک لاکھ روپے کا انعام کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو کیسے بے لگام کردیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ نئی دہلی کے کسی مضبوط گروہ بند سے اس کا باقاعدہ رابطہ ہے۔ اس کی رضامندی کے بعد رستم نے میرے کام کی حامی بھری تھی۔" میں نے اوبرائن کے قتل کی سازش کی امکانی نقشہ کشی کرتے ہوئے کہا "اس کے آدمیوں نے اسی وقت سے اوبرائن کے معمولات پر نگاہ رکھی ہوگی۔ رستم کی طرف سے گرین سگنل ملنے پر آج صبح کہیں سے ایک تیز رفتار ٹریلر چرایا گیا اور اس کا پیچھا کرنے والوں نے واکی ٹاکی جیسے کسی نظام کے ذریعے ٹریلر ڈرائیور کی راہ نمائی کرکے طے شدہ مقام پر اوبرائن کو کچل ڈالا۔"

"کیا یہ واقعی سیدھی سی بات ہے؟" ویرا نے خشک لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"ہر وہ بات جو ان کے ذہن میں آجائے' سیدھی ہی ہوتی ہے۔" غزالہ نے ہنس کر جواب دیا۔

اوبرائن ایک اہم ملک کا اہم تر سفارتی افسر ضرور تھا مگر پاکستان کے لیے وہ اتنا اہم نہیں تھا کہ ٹریفک کے ایک غیر معمولی حادثے میں اس کی موت پر اخباروں کے ضمیمے بازار میں آجاتے۔ عام لوگوں کو اگلے دن کے اخبارات کے ذریعے اس واقعے کا علم ہو سکتا تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں اس کے بارے میں ایک آدھ سطر آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ خبرنامے کو وقفہ تصور کرکے ٹیلی وژن کے بیشتر ناظرین اپنے ضروری کام نمٹانے میں مصروف ہو جاتے تھے۔

ویسے بھی مجھے خبرنامے سے دو گھنٹے پہلے یعنی شام کے سات بجے رستم کو فون کرنا تھا۔ میں اس وقت بھی خود کو نئی دہلی کے حادثے سے بے خبر ظاہر کرکے اپنا مدعا بیان کر سکتا تھا۔

اوبرائن کی موت کی تفصیلات سامنے آنے کے بعد صورتِ حال قدرے واضح ہو چکی تھی۔ میں نے رستم کو فون کرنے کا ارادہ شام تک کے لیے ملتوی کردیا۔ اس وقت تک اول خان کی طرف سے ملنگ کے بارے میں بھی کوئی مثبت خبر آسکتی تھی۔

"آپ ملنگ کی طرف سے اتنے فکرمند ہیں لیکن دو آدمیوں کو سرے سے بھولے ہوئے ہیں۔" ملنگ کے ذکر پر غزالہ نے رسانیت سے کہا۔

"ہر خطرہ میری نگاہوں میں ہے۔ شاید تم دھن راج اور موہنی پنڈت کا ذکر کر رہی ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا آپ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

"میرے لیے وہ عملاً بے ضرر ہیں کیونکہ ان سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"یہ مان لیا کہ دھن راج مفرور ہے اور ایک لمبی مدت تک اس کے سامنے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔" ویرا نے کہا "مگر موہنی پنڈت اسی شہر میں رہتی ہے۔ اس سے تمہارا کہیں بھی سامنا ہو سکتا ہے۔ وہ دیکھتے ہی تم کو کرنل جمال دستی کے طور پر پہچان لے گی۔"

"ماڈلنگ اس کا پیشہ اور فلرٹنگ اس کا مشغلہ ہے۔ وہ جن مقامات اور تفریح گاہوں میں اپنا وقت گزارتی ہے' میں وہاں کا رخ بھی نہیں کرتا....."

ویرا نے میری بات کاٹ دی "تم پنڈت کی خانہ تلاشی کے لیے پر تول رہے ہو۔ موہنی اسی چھت کے نیچے رہتی ہے۔ کیا تم اس کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکو گے۔"

"خانہ تلاشی اور ملاقات میں باریک سا فرق ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "خانہ تلاشی چوری چھپے ہوتی ہے۔ ملاقات میں ہر فریق روبرو ہوتا ہے۔"

گاڑی کے ہارن نے سلطان شاہ کی واپسی کی اطلاع دی اور وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔ بحث میں جیتنے کے لیے میں نے ویرا کو لاجواب ضرور کردیا تھا مگر مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اس وقت تک موہنی کے بارے میں سنجیدگی سے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ایک غیر متعلقہ فریق کی طرح اسے نظرانداز کردیا تھا۔

سلطان شاہ کی خریداری میں ہر چیز ہی قابلِ ذکر تھی مگر دو اشیا بہت نمایاں تھیں۔ ان میں ایک ٹیلی وژن اور دوسرا کیسٹ پلیئر تھا۔

انسانوں کے قدم آئے تو اس غیر آباد گھر کی رونق بھی بحال ہونے لگی۔ کچن میں چولہا روشن ہونے کے بعد فضا میں مانوس اور اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرانے لگیں۔ سب نے اپنے اپنے کمروں کا انتخاب کیا اور سلطان شاہ کی خریداری سے فیض اٹھاتے ہوئے ان کمروں کو سونے کے قابل بنانے میں مصروف ہوگئے۔

سات بجنے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ اس کے پاس دو خوش خبریاں موجود تھیں۔ ملنگ ہاتھ آگیا تھا اور کراچی سے گئی ہوئی پولیس پارٹی عمرکوٹ کے ایک مضافاتی کاٹیج سے دھن راج کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

دھن راج کو اپنے ملک کی سرحدوں میں ایسے زرخرید اہل کاروں کی حمایت حاصل تھی جو اس کے درباری ہوتے ہوئے بھی اسے کاغذوں پر روپوش اور مفرور قرار دیتے رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اسے پاکستان کی سرحد عبور کرکے پڑوسی ملک میں جانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے آبائی شہر کے مضافات میں کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے کاٹیج میں عیش و عشرت کے دن گزار رہا تھا۔

"دھن راج پولیس کی تحویل میں رہے گا یا تمہارے پاس آجائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سنگین پولیس کیس میں ملوث ہے اور ان ہی کا مجرم ہے۔ اس قضیے میں ایس ٹی ایف کہیں بھی شریک نہیں ہوسکے گی۔ چاہو گے تو اس کا اقبالی بیان مل جائے گا۔"

میں بے اختیار ہنس دیا "میں اقبالی بیان کا کیا کروں گا۔ بس یہ دیکھ لینا کہ وہ پنڈت منوہر لال کی گردن پھنسانے میں کس حد تک کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"وہ خود ہی کہیں نہ کہیں پھنس جائے گا۔ اس کی بیٹی اور دھن راج کے مراسم کے بارے میں آدھا شہر جانتا ہے۔ دھن راج کے کراچی پہنچتے ہی پولیس موہنی پنڈت کو بھی اٹھالے گی۔ اس کا باپ دھن راج والے کیس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکے گا۔"

بات سے بات نکل رہی تھی۔ میرے لیے وہ خبر اہم تھی کہ موہنی پنڈت بھی حوالات کی سیر کرے گی۔ اس کے ہٹ جانے سے میری اور پنڈت کی پنجہ آزمائی کے لیے میدان صاف ہوسکتا تھا۔

سات بجے میں نے سی ایس ڈی آف کرکے بسیرا کا نمبر ملایا۔ رابطہ ہوتے ہی مجھے چند ثانیوں بعد رستم سے براہِ راست بات کرنے کا موقع فراہم کردیا گیا۔

"تمہارے مزاج کیسے ہیں؟" رستم نے نرم اور دھیمی آواز میں میری مزاج پرسی کی۔

"ناساز ہیں۔ زمینوں پر کچھ مار کٹائی ہوئی ہے۔ میرا ایک آدمی مرا ہے، تین چار زخمی ہوئے ہیں۔" میں نے اوبرائن کے بارے میں کچھ کہے سنے بغیر اپنی سوچی سمجھی کہانی چھیڑ دی "مجھے فوراً واپس جانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری امانت آج ہی تمہارے حوالے کردوں۔"

"بہت اچھی خواہش ہے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج صبح تمہارا کام ہوچکا ہے۔" اس نے کسی غرور یا تکبر کے بغیر اسی رسانیت سے کہا۔

"یہ بہت اچھی خبر ہے۔ میں کراچی سے بالکل بے فکر ہوکر جاؤں گا۔" میں نے خوشی کا اظہار کیا پھر پوچھا "میں ملاقات کے لیے کس وقت آجاؤں؟"

"آٹھ بجے پہنچ سکتے ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا گیا۔

"آٹھ اور ساڑھے آٹھ کے درمیان ضرور آجاؤں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی فیصلہ کن آواز آئی "میں انتظار کروں گا۔ دیر نہ کرنا۔"

اس سے بات کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اتفاق سے اول خان نے مجھے وہی گاڑی دی تھی جو دونوں مرتبہ رستم کے گھر جانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اس رات تیسری بار استعمال کے بعد اس گاڑی کی تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔

گلشن اقبال سے بسیرا کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر اس سے زیادہ وقت مانگا تھا تاکہ وہ ہماری قیام گاہ کے بارے میں کوئی غیر ضروری اندازہ قائم نہ کرسکے۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بعض دن ایسے بُرے ثابت ہوتے ہیں کہ بنتے ہوئے کام بھی حیران کن انداز میں بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض دن ایسے سعد ہوتے ہیں کہ برسوں اور مہینوں سے اٹکے ہوئے بگڑے کام خود بخود بن جاتے ہیں۔

ہمارے لیے وہ ایسا ہی مبارک دن تھا۔ اس کی ابتدا ہم نے اسٹیشن فور کو خیرباد کہہ کر کی تھی۔ اس کے بعد سے مسلسل اچھی ہی اچھی خبریں مل رہی تھیں۔ ہمارے ہر حریف کو منہ کی کھانی پڑی تھی جس کے نتیجے میں ایک ایک کرکے بیشتر رکاوٹیں دور ہوچکی تھیں۔

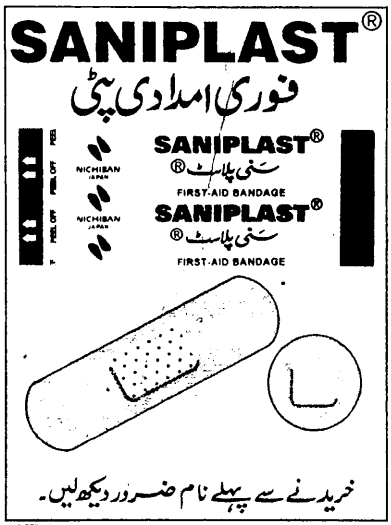

LASERCOT

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون پر رستم نے اوبرائن کے قتل کے بارے میں کسی لاف و گزاف سے کام لیے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ اس کے انجام کی اطلاع دی تھی۔ وہ اس کا خالص پیشہ ورانہ انداز تھا۔ کوئی کام ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا۔ اور جب کام ہوتا ہے تو نہایت صاف ستھرے اور قابلِ رشک انداز میں ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے لیے ایک پیشہ وَر کو فالتو لفاظی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

"مجھے یہ حسرت رہے گی کہ رستم سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔" باتوں کے درمیان ویرا نے مایوسی سے کہا "اپنے بُرے یا بھلے اصولوں پر اتنی سختی سے اڑے رہنے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔"

"وجیہہ اور شاندار ہونے کے باوجود وہ ادھیڑ عمر اور عیال دار آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑایا "ہم اس کے ایک عدد نواسے سے بھی مل چکے ہیں۔ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گا۔"

"تم بہت لفنگے اور کور ذوق ہو۔" ویرا بھنا کر بولی "ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت تمہیں کسی دن لے ڈوبے گی۔ پتا نہیں میں نے تمہاری کون سی چاگیر ماری ہے۔"

"آج کے خوشگوار دن کو ان تلخ باتوں سے برباد مت کرو۔" میں نے ان دونوں سے التجا کی "وقت کا پیسہ ہمارے حق میں چل رہا ہے۔ اسے یوں ہی گردش میں رہنے دو۔"

چائے کی ایک پیالی پینے کے بعد ہم دونوں نے رستم سے الوداعی ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔ پچھلی ملاقات میں ہم سے ہمارے ریوالور نہیں لیے گئے تھے۔ بظاہر وہاں ان کی ضرورت پیش آنے کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے مسلح ہونے کو ترجیح دی۔ سلطان شاہ نے دونوں چیمبرز چیک کرنے کے بعد فاضل گولیوں کا ڈبا بھی ساتھ لے لیا۔ اس کی احتیاط غیر ضروری نہیں تھی۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے روانہ ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گولیوں کا ڈبا ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ میں نے تین لاکھ روپے کے مساوی، گنے ہوئے ڈالرز کا لفافہ اسی کے سپرد کر دیا تھا تاکہ رستم کو اس ڈیل میں اس کے مساویانہ کردار کا اندازہ ہو سکے۔

ہم بیس منٹ میں بسیرا کی فصیل کے سائے میں پہنچ گئے۔ اندر سب کچھ وہی تھا۔ روشنیوں میں نہائی ہوئی خوب صورت عمارت کا نظارہ کرتے ہوئے ہم نے مقررہ جگہ پر گاڑی روکی اور محافظ کی نشان دہی پر رستم سے ملنے، باغ میں داخل ہو گئے۔ اس روز وہ اپنی جگہ بدل چکا تھا۔

رستم نے اپنے روایتی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا "آج دوپہر، بارہ بجے کے قریب وہ بے چارہ ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا۔"

"وقت" سے پہلے تم نے اپنا وعدہ پورا کر کے ہمارا دل موہ لیا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ مجھ سے بولا "آج تم نے چھوٹے ملک کو تھوڑی سی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

اس کی نرم آواز کی فروتنی دل میں گھر کرنے والی تھی۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "تناور درخت اپنے سائے میں اگنے والی ہر کونپل کو چاٹ جاتا ہے۔ تمہاری یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اب میں نے ملک افضل کو بھی آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھی بات ہے کہ تم مناسب مشوروں کو مان لیتے ہو۔" اس کے جواب کے درمیان سلطان شاہ نے ڈالروں کا لفافہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بھی بڑے ڈالر معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے لفافے کی موٹائی سے اندازہ کر کے کہا "تم نے گن لیے ہیں تو پورے ہی ہوں گے۔"

دونوں فقروں کے درمیان سلطان شاہ نے سر ہلا کر اس کے پہلے فقرے کی تائید کر ڈالی تھی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے یہاں بیٹھے بیٹھے نئی دہلی میں ٹریفک کے حادثے کا بندوبست کیسے کر لیا؟" لین دین ختم ہونے کے بعد میں نے نئے سرے سے بات چھیڑی۔

"وہ میرا نہیں، نئی دہلی والے کا منصوبہ تھا۔ چند روز پہلے آگرہ میں چوری کے ٹریلر اور کار کے تصادم میں تین آدمی مر گئے تھے۔ ٹریلر چرانے والا ڈرائیور فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ آج صبح نئی دہلی میں اسی واقعے کو تھوڑی سی تیاری کے ساتھ دہرایا گیا اور تمہارا کام پورا ہو گیا۔"

"شان دار!" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا "ایسی آسان اور کامیاب تدبیر تم اور تمہارے آدمی ہی سوچ سکتے تھے۔"

"جرم کرنا ایک فن ہے۔ کم از کم میں یہی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے لوگ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں۔" اس مرتبہ اس نے کسرِ نفسی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

وہ ہماری تواضع پر مصر تھا۔ میں نے اپنی زمینوں کے مسئلے کا ذکر کر کے اس سے معذرت کر لی اور اس نے عزت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ہمیں واپسی کی اجازت دے دی۔

ہماری گاڑی باہر نکلتے ہی بسیرا کا پھاٹک بند ہو گیا۔ میں نے سگریٹ سلگالی۔

سڑک کا موڑ گھومتے ہوئے مجھے شبہ ہوا کہ رستم کے مکان کی کسی قریبی گلی سے کوئی گاڑی ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر ریورس کر باہر آئی تھی۔ میں آدھے سے زیادہ موڑ کاٹ چکا تھا۔ عقب نما آئینوں کا زاویہ بدل جانے کی وجہ سے تاریک کار کا وہ موہوم سایہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہوشیار!" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو خبردار کیا "ابھی ابھی کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں نکلی ہے۔"

سلطان شاہ نے پھرتی سے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ میں نے گاڑی کو تیزی کے ساتھ بائیں طرف کاٹ کر فٹ پاتھ کے کنارے لگالیا۔

اس وقت میری چھٹی حس بہت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ گاڑی روکتے ہی میں نے انجن بند کر کے روشنیاں گل کر دیں اور کھڑکی سے نیچے جھک گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ اس وقت ہماری کار سڑک کے کنارے نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔

روشنی اور انجن کی غراہٹ سے اندازہ ہوا کہ اسی سڑک سے ایک کار برآمد ہو کر تیزی سے مڑی اور اسی سمت میں بڑھتی چلی گئی جدھر ہمارا رخ تھا۔ تاریکی کی وجہ سے انہوں نے ہمیں بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

لمحہ بھر کے بعد ہم سیدھے ہوئے تو وہ تیز رفتار کار کافی دور نکل چکی تھی۔

وہ ایک ناگہانی خطرہ تھا جو نازل ہوتے ہوتے یکایک ٹل گیا تھا۔ ان گزرے ہوئے لمحات کی سنسنی سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں شبہ ہوا تھا۔" گاڑی کے حرکت میں آنے پر سلطان شاہ بولا "بسیرا کے دروازے پر کوئی بھی رستم کے مہمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

انجن اسٹارٹ کر کے میں نے گاڑی آگے بڑھا دی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رستم کے آدمی رہے ہوں اور ہمارے باہر آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔"

"یہ بات محال نظر آتی ہے۔ ہم اندر تھے۔ وہ چاہتا تو ہم کسی قیمت پر باہر نہیں آسکتے تھے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ اپنی اقامت گاہ کو ہر قسم کے دنگے اور فساد سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ اپنے مشتبہ آدمیوں کو بھی ادھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"مگر کیوں؟ اسے ہم سے ایسی کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔ اس نے منہ مانگا معاوضہ لے کر ہمارے لیے ایک بڑا کام سر انجام دیا ہے۔ اب وہ ہم سے محاذ آرائی کیوں کرے گا؟"

"ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے قتل کے بعد اسے کہیں سے بھنک ملی ہو کہ وہ لاعلمی کی بنا پر غلط لوگوں کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ اس جیسے مجرم کے لیے یہ احساس سخت اشتعال انگیز ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم سے باتیں کرتے ہوئے وہ ذرا بھی مشتعل نہیں تھا۔ وہ اتنا بڑا اداکار نہیں ہو سکتا کہ اپنی نفرت کو سو فی صد کامیابی سے مفاہمت کے اظہار میں بدلنے پر قادر ہو۔ پچھلی بار تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ نوٹوں کے پتلے لفافے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے کانوں کی لویں تپنے لگی تھیں۔"

"وہ میرا وہم نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ کون لوگ تھے؟ یہ ایک اہم اور بڑا سوالیہ نشان ہے۔" میں نے پرتشویش آواز میں کہا۔

بڑی بڑی کامیابیوں کے جلو میں گزرنے والا وہ دن اپنے اختتام پر یکایک ہی پرہول محسوس ہونے لگا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ستا رہا تھا کہ وہ جو لوگ بھی تھے، ہماری گاڑی کی ساخت اور رجسٹریشن نمبروں تک سے واقف تھے جبکہ ہم ان کی گاڑی کا رنگ تک نہیں دیکھ سکے تھے۔ راستے میں وہ کہیں بھی گاڑی پہچان کر ہم پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس تشویش نے مجھے مضطرب کر دیا۔

اسی لمحے مجھے ایک نیا خیال سوجھا اور میں نے موبائل فون سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا "رستم کا نمبر ملا کر فون مجھے لوٹا دو۔"

اس نے اندھیرے میں لمحہ بھر توقف کیا پھر موبائل فون پر نمبر ملنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی سلطان شاہ نے فون میرے حوالے کر دیا۔

"میں ملک ممتاز بول رہا ہوں اور ابھی رستم سے مل کر لوٹا ہوں۔ اس سے میری بات کرا دو۔" بسیرا سے کسی کا جواب سن کر میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ریسیور پر قلیل سے وقفے کے لیے موسیقی بجی اور میری توقع کے بالکل برعکس رستم کی آواز ابھری "ہاں ملک ممتاز! کیا بات ہے؟ میرا آدمی کہہ رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔"

"پریشانی کی بات ہے۔ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد ایک مشتبہ گاڑی میرا پیچھا کر رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اپنی چار دیواری سے باہر رونما ہونے والے اس واقعے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اپنے مہمانوں کی بحفاظت واپسی تمہاری اخلاقی ذمے داری ہے۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا "وہ لوگ کسی گلی میں چھپ کر ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"دیکھو ملک' میرے گھر سے تم پوری عزت کے ساتھ باہر گئے ہو۔ اب یہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمت ہے تو اپنی گاڑی روک کر ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

میں دانستہ ہذیانی سی ہنسی ہنسا "تم تو مجھے خودکشی کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کے تیور ایسے ہیں کہ وہ ہماری کوئی بات سننے سے پہلے ہی گولیوں کی باڑھ کھول دیں گے۔"

"کوئی تمہارا ایسا دشمن کیوں ہو جائے گا؟ دشمنی ہوتی ہے تو اس کا کوئی سبب بھی ہوتا ہے جو دونوں فریق بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"میری کسی سے دشمنی ہے اور نہ میں نے کسی پر ظلم کیا ہے۔ اس وقت میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں وقت طے کر کے تم سے ملنے کے لیے آگیا اور مصیبت مول لے لی۔"

"میں کسی کی فالتو باتیں سن کر اپنا وقت اور موڈ برباد نہیں کرتا۔" اس کی آواز میں سختی در آئی "تم سے ذرا سی دیر پہلے ایک ڈیل مکمل ہوئی ہے اس لیے تمہیں وقت بھی دے رہا ہوں۔ آسان الفاظ میں بتاؤ کہ اس وقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"میں پیچھا کرنے والوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر انہوں نے اب تک گولی نہیں چلائی تو وہ صرف تمہارا پیچھا کر رہے ہیں' شرافت سے اپنے گھر یا ہوٹل چلے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا دیکھ کر وہ لوٹ جائیں گے۔"

رستم کے اس مشورے میں حکم پوشیدہ تھا۔ اس نے کھل کر اعتراف نہیں کیا لیکن اس مشورے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گاڑی ہماری قیام گاہ کا سراغ لگانے کے لیے ہمارے پیچھے نکلی تھی۔

"وہ فائر کریں یا نہ کریں' میں انہیں ضرور تباہ کر دوں گا۔" میں نے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ تمہاری مشکل آسان بھی ہو سکتی ہے۔" اس کا جواب مبہم تھا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے معاندانہ رویے سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ تعاقب کی کوشش اسی کے ایما پر کی گئی تھی۔ اپنے آدمیوں کی بے نیل و مرام واپسی پر ہی اسے پتا چلتا کہ اسے کے آدمیوں نے ہمیں فوراً کھو دیا تھا اور میری فون کال کا مقصد صرف اسے ٹٹولنا تھا۔

فون سے فارغ ہو کر میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ میں اول خان کی دی ہوئی اس کار سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے ہم پر کیا شبہ ہوا ہے۔" یک طرفہ گفتگو سے اخذ کیے ہوئے مفہوم کی روشنی میں سلطان شاہ نے کہا "کم از کم یہ بات تو طے ہو گئی کہ ہمارے تعاقب کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ تمہارا کوئی خوف یا وہم نہیں تھا۔"

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی گھر پہنچ گئے۔ سلطان شاہ نے اتر کر پھاٹک کھلوایا اور میں نے گاڑی اندر پارک کر کے پورچ کی روشنیاں گل کر دیں۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں ہی فکر مند اور خاموش نظر آرہے ہو۔" روشنی میں ہمارے چہرے پڑھ لینے کے بعد ویرا نے پورچ کے اندھیرے میں سوال کیا۔

"یہ تمہاری اور سلطان شاہ کی کل کل ہے جو رنگ لائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ سب کچھ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا تھا کہ واپسی پر رنگ میں بھنگ ہوگیا۔"

سلطان شاہ اسے خاموشی سے ڈرائنگ روم تک لے آیا۔ وہ دونوں عورتوں کو تازہ ترین واقعات سنانے لگا اور میں اول خان کو فون کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلا گیا۔

تعاقب کی کوشش کے ذکر پر اول خان پریشان ہوگیا۔ وہ عجیب سا واقعہ تھا جس کا ظاہری طور پر کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ رستم سارے چکروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی سینڈیکیٹ چلا رہا تھا۔ اسے یہ فکر تک نہیں ہوتی تھی کہ اس کے پاس آنے والا کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اسے ہمارے بارے میں جستجو کیوں ہوگئی تھی؟

میری دانست میں اس زنجیر کی گمشدہ کڑی پنڈت منوہر لال کی شخصیت میں پوشیدہ ہوسکتی تھی کیونکہ ایک طرف وہ بخشی اور دھن راج گاکھرا دوست تھا تو دوسری طرف رستم سے بھی اس کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ شاید اسی کے ذریعے کوئی بری خبر رستم تک پہنچی تھی۔

قوی امکان یہ تھا کہ اوبرائن کی ہلاکت پر امریکیوں کے شدید ردِعمل کے بارے میں پنڈت نے رستم کو کچھ بتایا ہو اور رستم نے کسی لمبے منصوبے کے بغیر ہمارا سراغ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اوبرائن کو مروانے والے کون تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے۔ وہ اس مقصد کے حصول میں ناکام ہوگیا تھا اسی کے ساتھ کہانی بھی ختم ہوگئی تھی۔

آخری نتیجہ اول خان نے اخذ کیا تھا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ رستم نے ہمارے اعتماد کو مجروح کرکے اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ اسے وہ فصل ہر حال میں کاٹنی تھی۔

اول خان سے طویل گفتگو ہوئی۔ اس کا ماحصل صفر تھا۔ بس ایک بات طے ہوئی کہ وہ عارضی طور پر میرے لیے کوئی دوسری گاڑی بھیج کر پرانی کار واپس منگوا لے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہمارے پورچ میں کھڑی ہوئی گاڑی تبدیل ہوچکی تھی۔

میرے ذہن میں مسلسل ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ میرے سامنے دو نشانے دھیرے دھیرے بالکل واضح ہوگئے تھے۔ پنڈت منوہر لال اور رستم ایرانی۔

پنڈت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں اس کے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ دس بجے میں نے اول خان کو دوبارہ فون کیا۔ اس سے پتا چلا کہ دھن راج کو لانے والی پولیس پارٹی رات میں کسی بھی وقت کراچی پہنچ سکتی تھی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے آنے سے پہلے موہنی اپنے گھریلو ملازمین سمیت پولیس کی تحویل میں چلی جائے؟" میں نے اس سے اگلا سوال پوچھا۔

"موہنی کا نام پولیس کی لسٹ پر ہے۔ ملازمین کو پوچھ گچھ کے لیے بلایا جاسکتا ہے لیکن تم یہ ضرورت کیوں محسوس کررہے ہو؟"

"میں نے صرف معلومات کے لیے پوچھا ہے ورنہ ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے اس خیال کو خود ہی مسترد کردیا۔ پولیس کی کسی بڑی کارروائی کے نتیجے میں پنڈت ہوشیار ہوکر وہ تمام شہادتیں تلف کرسکتا تھا جو اس کے مجرمانہ رابطوں سے متعلق ہوتیں۔ بہتر یہی تھا کہ اس کے خلاف خاموشی اور رازداری سے اچانک کارروائی کی جائے۔

"تمہاری یہ کال بے سبب نہیں ہوسکتی۔ یقیناً تمہارے ذہن میں کوئی نہ کوئی بات رینگ رہی ہے۔"

"ہوسکے تو کچھ ہتھیار لے کر یہاں آجاؤ۔ آج رات پنڈت سے ملاقات کرتے ہیں۔" میں نے نپی آواز میں کہا "کچھ ہتھیار، فاضل بھی ہونے چاہئیں جو یہاں رکھے جاسکیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات تمہاری بے چینی کوئی نہ کوئی رنگ لاکر رہے گی۔" اول خان کا جواب سن کر میں نے دوبارہ فون بند کردیا۔

بڑے مکان میں یہ سہولت تھی کہ چاروں افراد ایک دوسرے کے سر پر سوار نہیں تھے۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھا۔ ویرا کچن میں سامان جمانے میں غزالہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور میں نے تخلیے میں اول خان سے اپنی بات مکمل کرلی تھی۔

کچھ دیر بعد اول خان آیا تو سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ گھر دیکھ کر وہ خوش ہوگیا۔ اسٹیشن فور سے ہماری روانگی سے پیدا ہونے والی اس کی ناراضی بالکل رفع ہوچکی تھی۔ اس نے کہیں بیٹھنے سے پہلے تحسین آمیز تبصروں کے ساتھ گھر کا جائزہ لیا پھر میں اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لے بیٹھا۔

ویرا اور غزالہ نے دوبارہ اپنا کام شروع کردیا۔ وہ گھر کو جلد از جلد سمیٹ لینے کی فکر میں تھیں۔ سلطان شاہ کی نگرانی میں اول خان کے لائے ہوئے ہتھیار الماری میں رکھے جارہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہاری فرمائش پر میں آگیا ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ پنڈت کے گھر نہیں جاؤں گا۔" اس نے نرمی سے کہا "آج کل رستم نے ہر ایک کو ہلایا ہوا ہے۔ میں ان معاملات میں براہِ راست ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔ پنڈت اپنے خلاف ہونے والی کسی بھی زیادتی پر رستم کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔"

"ایسی بات تھی تو تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہے۔ تم لوگوں کو اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہونا چاہیے۔ ویسے بھی آج یہاں پہلا دن ہے۔ عورتیں اکیلی ہوتیں۔ تمہاری واپسی تک میں یہیں رکوں گا۔"

سلطان شاہ نے وہ پروگرام سنتے ہی روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اول خان مجھے پنڈت کے گھر کا پتا سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ شہر کے ایک معروف اور مہنگے علاقے میں مقیم تھا۔

وہاں ہمارا کشت و خون کا کوئی پروگرام نہیں تھا اس لیے ریوالوروں کے ساتھ صرف فاضل راؤنڈ جیبوں میں بھر لیے۔ اپنی تیاری مکمل کر کے ہم اول خان کے ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ہم اس پُر سکون اور آسودہ حال علاقے میں پہنچے تو شہر کے دوسرے علاقوں کی طرح وہاں بھی بیشتر اسٹریٹ لیمپس تقسموں سے محروم تھے۔ وہ تاریکی ہمارے لیے سود مند تھی۔ گاڑی میں سست روی کے ساتھ پنڈت کے مکان کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے قریبی نکڑ پر گاڑی چھوڑ دی اور تیزی کے ساتھ قریبی دیوار کا سایہ لے کر پنڈت کے مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

اس علاقے میں سارے ہی مکان وسیع اور کشادہ تھے۔ مکینوں کی گاڑیاں احاطوں اور گیراجوں میں بند تھیں۔ پھر بھی رات گئے اٹھنے والے ملاقاتیوں کی اِکّا دُکّا گاڑیاں باہر پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی آڑ میں اول خان کے ڈرائیور کے لیے وہاں رک کر ہمارا انتظار کرنا آسان تھا۔

مکانوں کے عقبی احاطے کی دیواروں میں چھوٹے آہنی گیٹ تھے مگر وہ سب مدتوں سے بند اور متروک تھے۔ اس سمت کی پتلی سی گلی میں گہرا اندھیرا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں وغیرہ سے چھن کر آنے والی روشنی کی وہاں تک کوئی رسائی نہیں تھی۔

"اچھی اور بُری"

اختر نے اپنی شادی کی تصویر مقامی ہفت روزے میں چھپنے کے لیے بھیجی۔ تصویر تو چھپ گئی مگر نیچے عبارت تبدیل ہو گئی۔ اختر اور ان کی بیگم کا نام کسی اور تصویر کے نیچے لگ گیا۔

"بیگم....!" اختر نے رسالہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری..."

"دونوں سنا دیں۔" بیگم نے رسالہ لیتے ہوئے فرمائش کی۔

"اچھی خبر یہ ہے کہ میرے سر پر بال اگ آئے ہیں.... اور بری خبر یہ ہے کہ تم بدصورت ہو گئی ہو۔"

کونے سے تیسرے مکان کی دیوار کے قریب رک کر سلطان شاہ نے ایک پتھر اندر اچھال دیا۔ پتھر ہلکی سی آواز کے ساتھ ترشی ہوئی گھاس یا نرم زمین پر گرا۔ چند ثانیوں تک کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو میں نے اچھل کر دیوار کی نکر پر ہاتھ جمائے اور پورا زور صرف کر کے دیوار پر سے ہوتا ہوا، پنجوں کے بل اندر کود گیا۔

وہ مکان میرے لیے اجنبی تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ اصل مکینوں کی تعداد صرف دو ہے۔ باقی چار پانچ ملازمین کو اس وقت اپنے اپنے کمروں میں محوِ خواب ہونا چاہیے تھا۔

انتظار اور احتیاط کے جملہ مراحل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے سلطان شاہ کو بھی اندر بلا لیا۔

بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے سرونٹ کوارٹرز میں تاریکی کے ساتھ سناٹا تھا۔ اصل عمارت کی صرف دو کھڑکیاں روشن تھیں۔ ہم نے زمین سے لگ کر درمیانی فاصلہ طے کیا اور عمارت کے اس پہلو پر چلے گئے جدھر ملازمین کے متوجہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مکان میں راج کرنے والے سناٹے نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل نصب تھی جسے اکھاڑنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ لوہے کی ان پٹیوں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایما پر سلطان شاہ کھڑکیوں پر بنے ہوئے چھجّے پر چڑھ گیا۔

چند ثانیوں بعد وہ کچن یا اسٹور کی دیوار میں ایک چوکور خلا دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا جس میں اگزاسٹ فین نصب نہیں تھا۔ اس خلا سے گزر کر ہم مٹی میں اٹی ہوئی دو چھتی سے ایک اسٹور میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسٹور کا دروازہ ذرا سی کوشش سے کھل گیا۔

دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد ہم دونوں تاریک راہداری میں تھے۔

مکان کی تاریک فضا میں ائرکنڈیشنرز کی آواز گونج رہی تھی۔ ان کے سہارے ہم پہلی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئے جس کے نچلے خلا میں ہلکی سبز روشنی نظر آرہی تھی۔ دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کے بعد میں نے دستے پر دباؤ ڈالا اور اندر سے ٹھنڈی ہوا کے مہکتے ہوئے جھونکے باہر آنے لگے۔ ہلکی روشنی میں موہنی پنڈت اپنے بستر پر بے فکری سے محوِ خواب تھی۔

میں نے دروازہ بند کرکے سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور کچھ فاصلے پر موجود دوسری خواب گاہ کے سامنے جا رُکا۔ فرش اور دروازے کے درمیانی خلا کی دھیمی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ کمرا بھی آباد تھا۔

مجھے اندر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کمرا ائرکنڈیشنڈ تھا، کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، ہلکی روشنی میں سب کچھ واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ باہر سے دیکھ لیے جانے کے خطرے سے بے نیاز ہوکر میں نے بستر پر بے سُدھ، اوندھے پڑے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ نشے میں دھت ہوکر گہری نیند... سویا ہوا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ دونوں خواب گاہیں اندر سے بولٹ یا مقفل نہیں کی گئی تھیں۔

اس کے رنگے ہوئے بالوں کی جھالر کے وسط میں تانبے جیسی چندیا بتا رہی تھی کہ اپنے ایک ایک بال کو رنگ کر جوان بنا دینے والا وہی شخص پنڈت منوہر لال ہوسکتا تھا۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ میں نے اسے بیدار کیا تو وہ اپنی مدہوشی میں، کسی خطرے کا ادراک کیے بغیر، غل غپاڑے پر اتر آئے گا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر اس کی خواب گاہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

شراب کی بوتلوں سے لے کر خواتین کی نازیبا رنگین تصاویر کی البموں تک... وہاں خرابات کا ایک انبار پوشیدہ تھا۔ ہر دراز اور الماری غیر مقفل تھی۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں کے درمیان کچھ نہ کچھ اُڑسا ہوا تھا۔ مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر کار میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ ایک بڑے تصویری فریم کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری کا دروازہ پوشیدہ اور مقفل تھا۔

میں کئی درازوں میں چابیوں کے گچھے دیکھ چکا تھا۔ تجوری کی تلاش میں اتنا وقت صرف نہیں ہوا، جتنا چابی کی تلاش میں ضائع ہوا۔ یہ پنڈت کی فطری بے پروائی کا نتیجہ تھا کہ مجھے اس سے پوچھے بغیر تجوری کی چابی مل ہی گئی اور میں نے تیسری کوشش میں وہ وزنی دروازہ کھول لیا۔

تجوری، نقدی، زیوارت کے بکسوں اور تمسکات وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ اندر ہاتھ مارنے پر مجھے کچھ فائلوں کی موجودگی کا احساس ہوا اور میں نے تجوری کے سامنے والا حصہ فرشی قالین پر خالی کرنا شروع کردیا۔ وہ نئی اور پرانی فائلوں اور لفافوں کا ایک موٹا سا ڈھیر تھا جو رقم وغیرہ کے پیچھے سے برآمد ہوا۔

میرے لیے وہاں رک کر ان تمام فائلوں اور لفافوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پنڈت منوہر لال کی مسہری پر پڑے ہوئے ایک فاضل تکیے کا غلاف اتارا اور اسے الٹ کر وہ پورا ڈھیر اس میں ڈال لیا۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے آخری بار تجوری کا جائزہ لیا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا۔ فرش پر موجود نقدی اور زیورات میرے لیے بے وقعت تھے۔

ہلکی روشنی میں سے نکلتے ہی، میں تاریکی میں سلطان شاہ کا ہیولا نہ دیکھ سکا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں پھر یک جا ہوگئے۔

مکان کے اندر موجود ہونے کے سبب ہم آسانی سے کوئی بھی دروازہ کھول کر باہر نکل سکتے تھے مگر میں نے کسی راستے کے خطرات مول لینے پر پرانے راستے کو ترجیح دی۔ اس بار سابق تجربہ ہمارے ساتھ تھا۔ ہم کسی دشواری کے بغیر چھجّے پر پہنچ گئے۔

میں چھجّے سے نیچے کود چکا تھا۔ کودنے کے بعد فائلوں کا تھیلا میری گرفت سے نکل کر قدرے اونچی دھمک کے ساتھ زمین پر گرا، میں نے تھیلا فوراً ہی اٹھالیا۔

سلطان شاہ چھجّے سے زمین پر آرہا تھا کہ کوئی نیند آواز میں چیخا "اوئے! تم کون ہے۔" اس للکار کے ساتھ ہماری طرف فائر ہوا مگر گولی کافی بلندی پر نکل گئی۔

وہ سچویشن بہت خطرناک تھی۔ ہم احاطے کی عقبی دیوار سے دور تھے۔ وہاں سے ہمیں گاڑی تک بھی پہنچنا تھا۔ ہم آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اندھا دھند دو فائر کرڈالے۔ ان فائروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقصد اپنے مسلح حریف کو خوف زدہ کر کے اپنے سے دور رکھنا تھا۔

فائر کرتے ہی میں نے پنجوں کے بل واپسی کی دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ کے لیے وہ صورتِ حال نئی نہیں تھی۔ ایسے مواقع پر اندھا دھند فائرنگ کے فوائد سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے دو فائر کیے۔ پنڈت کے چوکیدار کی طرف سے کُل تین گولیاں چلائی گئی تھیں۔ ذرا سی دیر میں ہونے والے ان سات فائروں کی وجہ سے کسی بھی ملازم نے ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ عقبی دیوار پھاندنے سے پہلے میں نے پھر ایک گولی چلائی۔ اس کے بعد ہم دونوں پچھلی گلی میں دوڑ رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں گاڑی تک پہنچنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا تھا۔

قانون پسند اور معزز شہریوں کی اس آبادی میں ہر گھر امن کا ایک جزیرہ تھا' دوسرے سے بالکل الگ تھلگ اور اپنے ہی گرد پھیلا ہوا۔ آٹھ فائر ہونے کے باوجود کوئی مالک یا ملازم گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اول خان کا ڈرائیور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گاڑی پتلی گلی کے نکڑ تک لے آیا تھا۔

اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ گولیوں کا تبادلہ شروع ہونے کے بعد ہم مقابلے کے بجائے فرار کو ترجیح دیں گے۔ اس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھا ہوا تھا۔ دروازے کھول کر ہم جوں ہی اندر بیٹھے اس نے گاڑی تیزی سے آگے دوڑا دی اور ذرا سی دیر میں آبادی سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

"صاحب! کھڑکیوں کے شیشے گرادیں۔ جلے ہوئے بارود کی بو ہوا سے اڑجائے گی۔" اس کا وہ مشورہ تجربے اور گہرے مشاہدے پر مبنی تھا۔ چیمبرز اور نالوں میں بھری ہوئی بارود کی بو ہمارے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی۔ اپنا شیشہ وہ پہلے ہی گرا چکا تھا۔ ہم نے بقیہ تین شیشے بھی کھول دیے۔

"صاحب! سب خیر ہے نا؟" سڑک پر نکل آنے کے بعد اس نے ادب سے پوچھا۔

"ہاں' تم بے فکر رہو۔" اتنا کہہ کر سلطان شاہ نے پشتو میں اسے کچھ بتانا شروع کردیا۔

گھر پر تینوں بے چینی سے ہماری واپسی کے منتظر تھے۔ کامیابی شاید ہمارے چہروں سے جھلک رہی تھی اور پھر ثبوت کے طور پر وزن والا ایک تھیلا ہمارے ساتھ تھا۔ کسی سوال کے بغیر انہیں جواب مل گئے۔

میں نے تکیے کے غلاف میں سے ایک کاغذ نکال لیا اور پھر سب ہی ان کے معائنے میں مصروف ہوگئے۔

○☆○

اگلے دن اخبارات میں خبریں ہی خبریں تھیں۔

نئی دہلی میں اوبرائن کی حادثاتی موت کی خبر خاصی نمایاں اور دل دوز تھی۔ اس کی خدمات کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا کی فلاح کے لیے ایک انقلابی منصوبے پر شب و روز کام کررہا تھا۔ اس کی ناگہانی موت سے وہ منصوبہ کافی پیچھے رہ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔

دو الگ الگ خبروں میں موسیٰ اور ملنگ نامی ہسٹری شیٹرز کی لاشوں کی برآمدگی کی اطلاعات تھیں۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں مارے گئے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی شدید پیشہ ورانہ رقابت کا نشانہ بنے تھے۔ یہ دور رس خیال رستم کی ہڈیاں تک سلگا دینے کے لیے کافی تھا۔

ایک خبر عمر کوٹ کے مضافات سے ناجائز ہتھیاروں کی ترسیل اور دہشت گردی کے کیس میں ماخوذ دھن راج کی گرفتاری کے بارے میں تھی۔

پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت کے بارے میں صبح کے اخبارات میں کچھ شائع نہیں ہوا تھا مگر اول خان نے فون پر بتایا تھا کہ موہنی پنڈت کو صبح پولیس نے اس کی قیام گاہ سے پکڑ لیا تھا۔ اس کے باپ کے کمرے کی تجوری کھلی ہوئی تھی۔ رقم اور زیورات قالین پر تھے اور پنڈت غائب تھا۔

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو' کمر' کولہے' کمر' ران' کاندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا' خوبصورت' موٹا اور تندرست بنا دیتی ہے۔

فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کرلیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آجائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت -/۳۵۰ روپے وزن ایک کلو جو بے ماہ کی مکمل خوراک ہے۔

ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم ارشد لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے باپ کے بارے میں موہنی کچھ بھی نہیں بتا سکی تھی۔ پچھلی رات کی فائرنگ کے شور سے بدحواس ہو کر وہ بیدار ہوئی تو پنڈت کا روشن کمرا خالی تھا۔ سب کچھ تجوری سے فرش پر نکالا جا چکا تھا اور اس کا باپ گھر میں موجود نہیں تھا۔ وہ اتنی بدحواس تھی کہ صبح ہونے تک اس بارے میں پولیس کو اطلاع دینے یا خاموشی سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ موہنی پنڈت نے ایسا سفید جھوٹ بولا تھا۔ فائرنگ کے تبادلے کے وقت نشے کی زیادتی سے پنڈت کا حال کسی مُردے سے بھی ابتر تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جا سکتا کہ دھماکوں سے ہوش میں آتے ہی وہ سر پر پیر رکھ کر اپنے گھر سے بھاگ کھڑا ہوا ہو۔

وہ پولیس کی تحویل میں جا چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ موہنی اپنی تمام تر پرکاری اور مکاری کے باوجود زیادہ دیر تک تفتیشی افسران کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ وہ عورت تھی اور اس سے لیڈی پولیس افسران ہی کو پوچھ گچھ کرنی تھی مگر خواتین کی پولیس فورس بھی اپنے دوسرے ہم عصروں سے کم نہیں تھی۔

"حالات ایک ہی دن میں چھلانگ لگا کر کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔" خبریں پڑھ لینے کے بعد ویرا نے کہا "ہواؤں کا رخ بدل گیا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ اب ہم کن مہروں کو آگے بڑھائیں گے۔"

"ایک بساط لپٹی ہے لیکن دوسری پھیل گئی ہے۔ تم رات والے تین کاغذوں کو کیوں بھول رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"اتنے موٹے پلندے میں سے برآمد ہونے والے وہ تینوں کاغذات پنڈت منوہر لال کے بغیر ادھورے ہیں۔ ان کو بنیاد بنا کر تم کن دیواروں سے اپنا سر ٹکراؤ گے؟" ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

"تمہارے لیے وہ کاغذات ادھورے ہیں مگر مجھے ایک راہ نظر آ رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پنڈت اپنے گھر سے بھاگ کر رستم کے پاس ہی گیا ہوگا۔"

"رستم تمہارے دماغ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے چڑ کر کہا "تم نے گاہے گاہے اس کی جو تصویر کشی کی ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بسیرا کو ایسی کسی سرگرمی میں ملوث نہیں کرے گا کہ قانون کے محافظوں کو اس کے پھاٹک پر دستک دینے کا موقع مل سکے۔"

"رستم اور بسیرا دو الگ چیزیں ہیں۔ بسیرا اس کا گھر ہے۔ براوقت آ جانے پر اس نے اپنے دوست کو کسی اور ٹھکانے پر بھیج دیا ہوگا۔ اس کا پتا صرف رستم بتائے گا....."

"اور رستم بسیرا میں رہتا ہے لہٰذا تم ایک مرتبہ پھر ادھر جاؤ گے۔" وہ میری بات کاٹ کر غرائی۔

میں اس کے چڑچڑے پن پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا "مجھے رستم کے مکان پر چڑھائی کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ مجرم جہاں بھی ہو' اس کی سرکوبی ضرور ہونی چاہیے۔"

"تم جا کر غزالہ کے ساتھ کھانا تیار کرو۔ یہ مسائل ہم خود طے کر لیں گے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑانے کے لیے کہا "یہ کوشش تمہاری آزادی کے لیے کی جا رہی ہے۔ تمہیں اسٹیشن فور سے رہائی مل چکی ہے' اب باہر نقل و حرکت کی اجازت بھی ملنی چاہیے۔"

"میں تم لوگوں کی وجہ سے احتیاط کرتی ہوں کہ کہیں میری وجہ سے مفت میں نہ مارے جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں کا خوف ہے نہ جان کی پروا۔"

اس نے ہلکی سی خفگی کے انداز میں وہیں بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ ختم کی اور پھر وہاں سے اٹھ گئی۔

"کیا تم واقعی رستم کے خلاف محاذ کھولنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اگر وہ پنڈت منوہر لال کی پشت پناہی کر رہا ہے تو اسے اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔ کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی۔"

"کیسے پتا چلایا جائے گا کہ پنڈت اسی کے پاس پناہ گزیں ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔ ذرا سی چھیڑ چھاڑ سے وہ کھلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"تو کیا تم نے دوبارہ اپنے اصل نام سے میدان میں اترنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ضروری نہیں کہ بس ایک نام ہی چلتا رہے۔ کل ملک ممتاز اور ملک افضل نے بھی اس کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ فی الحال وہی سلسلہ مناسب رہے گا۔"

میں اسے ساتھ لے کر بیڈ روم میں پہنچ گیا اور مسہری کے سرہانے بیٹھ کر رستم کا نمبر ملا لیا۔

"ملک ممتاز!" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا "رستم سے میری بات کراؤ۔"

وہ نام شاید بسیرا کے پورے محل میں شہرت پا چکا تھا۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے مجھے لائن ہولڈ کرنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشورہ دیا اور پھر قدرے تاخیر سے رستم فون پر آگیا۔

"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو۔" ریسیور پر رستم کی دھیمی اور بیانیہ سی آواز ابھری "پچھلی رات تم نے بلاوجہ میرا وقت برباد کیا تھا۔"

"وہ گفتگو بلاوجہ نہیں تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ میرے تعاقب کی کوشش میں خاک چاٹنے والے کس کے آدمی تھے اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی۔ تم کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہر سیر کو کہیں نہ کہیں سوا سیر ضرور ٹکراتا ہے۔ اب میں ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے لگ گیا ہوں۔"

"تو کیا تم ابھی تک کراچی میں ہو؟" اس کا سوال فوری اور بے ساختہ تھا۔

"تمہارا کبھی کسی ملک سے واسطہ نہیں پڑا۔" میں نے پُرغرور آواز میں کہا "ہم لوگ اپنی آن کے لیے جان بھی گنوا دیتے ہیں۔ تمہاری کسی اندھی تجوری میں پڑے ہوئے دس لاکھ روپے مالیت کے ڈالر اس کا ثبوت ہیں۔ ہماری زمینیں رہیں یا جائیں، آدمی وہاں لڑ کر فتح یاب ہوں یا مارے جائیں، ہمیں اس کی پروا نہیں ہے۔ تمہاری گردن پر پیر رکھنے کے بعد ہی ہم کوئی دوسری بات سوچیں گے۔"

فلمی انداز میں ادا کیے جانے والے ان مکالموں پر سلطان شاہ حیرت سے میرا منہ تک رہا تھا۔

"کل تک میرے سامنے بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔" رستم کی آواز بدستور دھیمی اور پُرسکون تھی۔ "اس وقت کوئی اور ہی زبان بول رہے ہو۔"

"اپنے بل میں چوہا بھی شیر ہوتا ہے۔ کل ہم تمہارے بل میں تھے، آج میدان میں ہیں۔ ہمت ہے تو بسیرا سے باہر نکل کر دکھاؤ، جوتے مار مار کر تمہیں بھی پنڈت منوہر لال بنادیں گے۔"

"پنڈت.... منوہر.... لال...." رستم نے توڑ توڑ کر حیرت سے وہ نام دہرایا۔ "تم یہ نام مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"مان لو کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ اس کے سارے کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ تمہاری بدمعاشی کا بدلہ لینے کے لیے ہم نے اسے ذلیل کیا ہے۔ قسمت بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہے کیونکہ پولیس اس کی بیٹی کو اٹھالے گئی ہے۔ وہ کب تک تمہارے پاس چھپا رہے گا....."

"اوہ!" رستم کی آواز اس بار بھی تحیر زدہ تھی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ حرکت تمہاری تھی۔ تم نے پنڈت کو تنگ کر کے پست ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ بہت شریف آدمی ہے۔"

"دست برداری"

نیاز صاحب کی بیگم جو فل ٹائم ملازمت، بچوں کی پرورش اور دیگر گھریلو ذمے داریوں سے ایک ساتھ نبرد آزما رہتی تھیں ایک روز جھلا گئیں اور لڑنے لگیں۔ نیاز صاحب نے ان کی دلجوئی کی "دیکھو بیگم..... تم ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور اچھی لیکچرر ہو لیکن انسان ہر وقت ہر محاذ پر کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کبھی کبھی کسی محاذ پر اس سے کوتاہی بھی ہوجاتی ہے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہیے..... عارضی طور پر ..... کچھ دیر کے لیے کسی ذمے داری سے دست بردار ہوجانا چاہیے۔"

مسز نیاز نے کچھ دیر سوچا پھر بولیں "ٹھیک ہے ..... میں اچھی بیوی ہونے کی ذمے داری سے دست بردار ہوتی ہوں۔"

"اس شریف آدمی کے کاغذوں کا سارا انبار ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ سامنے آئے تو ہم اسے مفت میں لوٹا دیں گے۔ بس تین کاغذ ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پوچھو کہ وہ ان کی کیا قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے؟"

"تم اس سے کوئی سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو؟" رستم کی آواز میں دوبارہ اطمینان اتر آیا۔

"کل تک ہم ضرورت مند تھے اور تمہاری شرطیں ماننے پر مجبور تھے۔ آج تم اور پنڈت ہماری جگہ لے چکے ہو۔ ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ دام لگاؤ، خود چل کر ہمارے پاس آؤ اور لین دین کرلو۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ سارے کاغذات میرے نہیں، پنڈت کے ہیں۔"

"مگر یہ یاد رہے کہ پنڈت تمہارا جگری یار ہے رستم! ملکوں کے منہ مت لگو۔ ایسی مار کھاؤ گے کہ زندگی بھر کے لیے اپاہج ہوجاؤ گے۔"

"تم چل کر میرے در پر آئے تو میں نے تمہیں عزت دی تھی۔ تمہیں تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ یہ کراچی ہے۔ یہاں جاگیروں والے قانون نہیں چلتے۔ تمہیں بھی کوئی سوا سیر ٹکرا سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر مہمانوں کو نہتّا کر کے ذلیل کرنا اور ان کا پیچھا کرنا عزت میں گنتے ہو تو ہم تمہیں بہت زیادہ عزت دیں گے۔ اتنی عزت کہ تمہیں سنبھالنی دوبھر ہو جائے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

میرے تذلیل آمیز رویے کے باوجود اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ کوئی اقرار نہیں کیا تھا تو میری کسی بات سے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ مجھے اپنا وہ داؤ کارگر ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"یہ ضد اور اُنا پرستی چھوڑ دو۔ کسی بھی وقت میرے پاس آؤ۔ مل بیٹھ کر ہر بات طے کرلی جائے گی۔" اس نے رسانیت سے پیش کش کی۔

"اب ہم ادھر نہیں آئیں گے۔ تم میں اپنے نام کی ذرا سی بھی خوبو ہے تو ہمارے پاس آؤ۔ اب ہم بات طے کریں گے..... تم سے بھی اور تمہارے پنڈت سے بھی!"

"آخر تم پنڈت کے دشمن کیوں ہوگئے ہو؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"میرے ساتھ چھوٹے ملک صاحب بھی تھے۔ تم نے دو کی بے عزتی کی ہے۔ پنڈت کے ساتھ مل کر تم بھی دو ہوگئے ہو۔ دو کا حساب ایک سے برابر نہیں ہو سکتا۔"

مجھے جاگیروں کی رسوم و رواج سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ میں نے ملک و قوم کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لیے اضطراری طور پر اپنے اور سلطان شاہ کے لیے دو نام چُنے تھے اور موقع محل کی مناسبت سے رستم ایرانی سے تیور بدل بدل کر بات کر رہا تھا۔ میرا عظیم تر مقصد صرف ایک تھا کہ کسی طرح پنڈت منوہر لال کو رستم کی تحویل سے نکال کر اپنی گرفت میں لے سکوں۔

اس وقت تک میری حکمتِ عملی کامیاب تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ مکالموں کی وہ جنگ کہاں ختم ہوتی تھی۔

"دیکھو! یہ کھوکھلی دھمکیاں ہم دونوں کا وقت برباد کر رہی ہیں....."

میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں رستم کی بات کاٹ دی "تم وقت کی بات کر رہے ہو، ہم دھاوا بول کر تمہاری حویلی کو برباد کردیں گے۔ بسیرا کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔"

"مہمان بن کر آنا تو سوبار آؤ لیکن کسی بری نیت سے تم نے ادھر کا رخ کیا تو میرے آدمی تمہیں اور تمہارے حامیوں کو پھاٹک پر ہی ڈھیر کردیں گے۔ میں تمہارا کوئی کمزور ہاری نہیں، کراچی کا ایک طاقت ور شہری ہوں۔ مجھ سے پنجہ لڑانے والے اپنی انگلیاں تڑوا بیٹھتے ہیں۔"

"وہ کاغذ تمہارے نہیں ہیں، تم اپنے چوہے دان سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہو تو تم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم تم سے پھر کسی وقت ملاقات کریں گے۔"

"وہ کاغذ کسی کے بھی ہوں، میں ان کے عوض میں تمہیں تمہاری دی ہوئی رقم لوٹا سکتا ہوں۔"

میں نے تحقیر آمیز ہنکارا بھر کر کہا "ہم نے وہ رقم ذرا سی ذاتی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے خرچ کی تھی۔ تم کراچی کے کوئی سُورما ہو تو کوئی بڑی بات کرو۔"

"بارہ، پندرہ....." "تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے نرمی سے فیاضی کا مظاہرہ کیا۔

"پیسہ مرد کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ پنڈت کو لے آؤ۔ ہم خود اس سے سودا کرلیں گے۔ تم کو بتانا ہوگا کہ تمہارے آدمیوں نے ہمارا پیچھا کیوں کیا تھا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی ہوگی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" اس بار رستم کی آواز میں ہلکی سی ترشی تھی "میں نے تمہاری پگڑی نہیں اچھالی کہ تم سے معافی مانگتا پھروں۔ مہمانوں کو خود ہتھیار چھوڑ کر میزبانوں سے ملنا چاہیے۔ رہی پیچھا کرنے کی بات تو دوسری ملاقات میں تمہاری باتوں نے مجھے شبے میں ڈال دیا تھا۔ اسی وقت میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگلی بار تمہارا پیچھا کراؤں گا۔ ان باتوں کو یاد کرو گے تو تمہیں میرا فیصلہ درست محسوس ہوگا۔"

"پنڈت کو کب اور کہاں لا رہے ہو؟" میں ایک دم نرم پڑ گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے بارے میں کہاں تک سچ بولنے پر تیار ہے۔

"وہ کہیں نہیں آسکتا۔ تم مجھ سے بات کرو۔ میں ابھی فیصلہ کردوں گا۔"

"سارے کاغذ لوگے یا صرف تین کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا۔

"تم نے تین کی بات کی ہے۔ باقی اس کے کھاتوں کے حساب اور تمسکات ہیں۔ تم نے وہ سب مفت میں لوٹانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ کا بندوبست کرلو۔ جگہ ہم بتادیں گے۔" میں نے رعونت سے کہا۔

"تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ؟" اس بار رستم اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے مطالبے نے شاید اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

"پنڈت سے پوچھ لینا۔ میں پھر کسی وقت فون کرلوں گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کاغذوں کے لیے شاید وہ اپنی زندگی بھی گروی رکھانے پر آمادہ ہوجائے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں فون بند کرکے سلطان شاہ کی طرف مڑا تو ویرا دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے، دروازے کے وسط میں تنی ہوئی کھڑی تھی۔

"کہو، رستم سے گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"پنڈت کو اسی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ تینوں کاغذ بہت اہم ہیں۔" میں نے مسکرا کر بتایا۔

"کاغذ کے ان پرزوں کے بارے میں کیا اسی نے تمہیں بتایا ہے؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"میں نے تین کاغذوں کا حوالہ دیا تھا۔ وہ ان کے پندرہ لاکھ دینے پر آمادہ ہے۔"

"چند ہی روز میں تمہاری رقم ڈیڑھ گنا ہو کر واپس مل رہی ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

ہماری رقم تو اول خان لوٹا ہی دے گا۔ اب میرا ہدف صرف پنڈت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تین کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔"

"بظاہر وہ تمہارا مطالبہ تسلیم کرلے گا مگر کاغذ لے کر تمہاری گردن اڑانے کی کوشش کی جائے گی۔" یہ کہتی ہوئی وہ خواب گاہ میں آگئی "تم اس مرتبہ پھر آگ سے کھیل رہے ہو۔ ذرا وہ تینوں کاغذ ایک مرتبہ پھر دکھاؤ۔ مجھے پتا تو چلے کہ ان میں کیا راز پنہاں ہے۔"

میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے وہ تینوں کاغذ نکال کر ویرا کی طرف بڑھا دیے۔ سلطان شاہ بھی تجسس آمیز انداز میں کرسی سرکا کر آگے آگیا۔

ایک کاغذ کاپی کے بوسیدہ سے صفحے پر مشتمل تھا۔ اس کے اوپری گوشے پر پھیکی قلمی تحریر میں MOSAD کا لفظ تحریر تھا اس کے نیچے خط لگا کر چھ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر لکھا ہوا تھا۔ نیچے شاید چیف اور اس کے سیکریٹری کے فون نمبر درج تھے۔ یہ سب میرا قیاس تھا ورنہ ویرا اس صفحے کو یکسر مسترد کرچکی تھی۔ اس کے نزدیک اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا نام بھی اہم نہیں تھا۔

دوسرا کاغذ انگریزی میں چھپا ہوا تھا۔ اس پر کہیں کسی کا نام تھا نہ دستخط اور تاریخ۔ اوپر جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا نام اور اس کا مخفف JISS چھپا ہوا تھا۔ متن میں تصدیق کی گئی تھی کہ اس کاغذ کا حامل تمام عملی اور نظریاتی مقاصد کے لیے سوسائٹی کا تاحیات رکن منتخب کرلیا گیا ہے۔ ویرا نے اس کاغذ کو بھی بے معنی اور گمراہ کن قرار دیا تھا۔

تیسرا کاغذ بھی قلمی تھا۔ اس پر ہاتھ سے چار خانے بنا کر کسی ترتیب کے بغیر سات قطاروں میں انگریزی کے حروفِ تہجی لکھے گئے تھے۔ ہر حرف کے سامنے ایک نمبر لکھا ہوا تھا جو دو ہندسوں پر مشتمل تھا۔ وہ تینوں کاغذ پنڈت کی تجوری سے برآمد ہونے والی ایک ہی فائل سے نکلے تھے اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بچے نے حروف تہجی اور ہندسے لکھنے کی مشق کی ہو۔

"ہوسکتا ہے کہ پنڈت اور رستم کے لیے کوئی اور کاغذات اہم ہوں جبکہ تم ان مہمل پرزوں کا حوالہ دے رہے ہو۔" ویرا چند منٹ تک ان کاغذوں میں سر کھپانے کے بعد بولی "مجھے ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ فائلوں کی دوبارہ ورق گردانی کروگے تو ایسے کئی کاغذ اور بھی مل سکتے ہیں۔"

"سچ بات یہ ہے کہ شروع سے اب تک تمہارا ساتھ دینے کے باوجود میں ابھی تک ان کاغذوں کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا۔" سلطان شاہ نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ تم دونوں کی اپنی اپنی رائے ہوسکتی ہے۔ میں موسیٰ کے بیان کی روشنی میں ان تینوں کاغذوں کو دیکھ رہا ہوں اس لیے انہیں اہمیت دے رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کوئی کاغذ صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہوسکتا کہ اس پر اسرائیلی سیکرٹ سروس یا اس کے دو عام عہدوں کے نام لکھ دیے گئے ہیں۔" ویرا اپنی عادت کے مطابق پھر بحث پر تلی ہوئی تھی "یہ نام اور ان کے بارے میں مضامین معلوماتِ عامہ کی بہت سی کتابوں میں مل جائیں گے۔ انہیں کسی بھی طرح اہم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

میں نے اس سے بحث جاری رکھنے کا ارادہ ترک کردیا "میں تم کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس وقت رستم سے ہونے والی گفتگو نے میرے اندازے کی تصدیق کی ہے۔"

"وہ سودے پر آمادہ ہو بھی گیا تو تمہیں اس سے مل کر شرمندگی ہوگی۔ وہ ان کاغذوں کو پہلی ہی نظر میں مسترد کردے گا۔" ویرا نے فتویٰ دے دیا۔

میں نے اس کے جواب میں خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ بحث کو بڑھانے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔

میرے ذہن میں ان واقعات کی بنیاد پر ایک سنگین خاکہ ترتیب پاچکا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی روشنی میں کام کو کس طرح آگے بڑھایا جائے۔ رستم کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اول خان کی مجبوریاں اور اس کا محتاط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رویہ میرے سامنے تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ میرے پاس سرکاری حلقوں تک رسائی کے لیے اول خان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

میں نے اول خان سے رابطہ کیا تو اس کے پاس کوئی خاص کام نہیں تھا۔ میری فرمائش پر وہ فوراً ہی ہمارے پاس آنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

پچھلی رات وہ بھی کافی دیر تک اس پلندے میں سر کھپاتا رہا تھا جو میں پنڈت منوہرلال کی تجوری سے نکال کر لایا تھا لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ واپس چلا گیا تھا۔ اپنے ٹھکانے سے ہماری روانگی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال آگیا تھا۔ بیوی بچوں کو پشاور سے بلانے سے پہلے گھر کی صفائی ستھرائی اور روزمرہ لوازم کی فراہمی کے لیے اسے تھوڑا سا وقت درکار تھا۔

اول خان کے آنے سے پہلے میں نے تین خصوصی کاغذوں سمیت' پورا ریکارڈ فاضل خواب گاہ میں منتقل کردیا۔ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے غزالہ نے وہاں اتنا بندوبست کردیا تھا کہ اسے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں' میں وہاں زیادہ سکون سے بات کرسکتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اول خان کے ساتھ راز و نیاز کی تیاری ہورہی ہے۔" مجھے فائلوں وغیرہ کا ڈھیر منتقل کرتے دیکھ کر ویرا نے طنز کیا۔

"راز و نیاز سے زیادہ یہ تمہاری سہولت کا خیال ہے۔ تم ڈرائنگ روم میں آرام سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھتی رہو۔"

"اور اگر میں ٹیلی وژن پروگرام نہ دیکھنا چاہوں؟" اس نے سوال کرڈالا۔

"پھر تم ہمارے ساتھ شریک ہوسکتی ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کھلے ذہن سے شرکت کرو۔ ابھی تک تم مخالفت برائے مخالفت کرتی رہی ہو۔"

"میں خاموش رہوں گی۔" وہ اٹھلا کر بولی "دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم اول خان کو کس طرح شیشے میں اتارتے ہو۔ وہ تمہاری باتوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتا ہے۔"

"معقول بات تمہارے سوا ہر ایک کو متاثر کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوچکا ہے کہ ایک بات پر اڑ جانے کے بعد تمہیں اپنا مؤقف بدلنا پڑا ہے پھر بھی ڈھٹائی تمہاری فطرت میں شامل ہے۔"

وہ میرے ساتھ ہی خواب گاہ میں چلی آئی اور ایک کرسی پر براجمان ہوگئی "میں کبھی کبھی تم سے تکرار کے لیے بھی ایسی باتیں کرلیتی ہوں لیکن ایمان داری سے بتا رہی ہوں کہ اس بار میں تم سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔"

"تم نے پھر وہی موضوع زندہ کرکے میرا دماغ خراب کرنا شروع کردیا!" میں نے اسے گھور کر سختی سے کہا "میں اسی لیے اس کمرے میں آیا تھا۔"

ویرا..... اپنے دونوں کانوں کو چھو...کر دل آویز انداز میں مسکرادی۔

اول خان آیا تو وہ بدستور میرے سر پر سوار تھی۔ غنیمت تھا کہ اس دوران میں اس نے اپنے وعدے کی مکمل پاس داری کی تھی۔

"میں خود بھی دفتر میں اکتاہٹ محسوس کررہا تھا۔" اول خان نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا "بس یہ سوچ کر بیٹھا رہا کہ تم چاروں مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگے ہو۔ میں نے روز یہاں کے چکر لگانے شروع کردیے تو تم پھر گھبرا جاؤ گے۔"

"لاحول ولا قوۃ" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ اکتاہٹ تمہاری ذات سے نہیں' وہاں کے سنگلاخ اور یکساں مردانہ ماحول سے تھی۔ ویرا کو وہاں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ یہ زیادہ دیر تک ایسے خشک ماحول میں نہیں رہ سکتی۔"

"یہ غزالہ کی شکایت تھی۔ بلاوجہ مجھے بدنام مت کرو۔" ویرا نے احتجاج کیا۔

"شکایت کسی کو بھی ہو' اس کا وجود ضرور تھا۔" اول خان بولا "میری خرابی یہ ہے کہ میں خود کو اپنے ماحول سے الگ نہیں سمجھتا کیونکہ انتھک محنت اور بے لوث کارکردگی کے لیے وہ ماحول میرا اپنا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے اقرار کیا "کمانڈر اپنی کمان میں موجود ہر خوبی اور خامی کا پوری طرح ذمے دار ہوتا ہے۔ کبھی یہ خیال دل میں نہ لانا کہ ہم میں سے کوئی تمہاری ذات سے فرار کا خواہاں ہے۔ اسٹیشن فور میں ہمارے لیے تم ہی تبدیلیوں کی علامت تھے ورنہ ہمارے لیے وہاں کھانے' اونگھنے اور پھر سوجانے کے علاوہ کیا مصروفیت تھی؟"

"یہ باتیں چلتی رہیں گی۔" اس نے کرسی میں پہلو بدل کر کہا "یہ بتاؤ کہ رات کیا نتیجہ نکلا۔"

"تمسکات' بنک اسٹیٹ منٹ اور پرونوٹ۔ یہ اس تھیلے کی کل کائنات تھی۔ اس پلندے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پیمانے پر سودی کاروبار چلا رہا ہے۔" یہ کہتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے میں نے الگ نکالے ہوئے تینوں کاغذ اس کے سامنے ڈال دیے۔

اول خان نے غور سے ان کاغذوں کا جائزہ لیا۔ اس کے سپاٹ چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی طرح وہ بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

"کیا یہ کاغذ بھی ان ہی فائلوں میں سے ملے ہیں۔" خاصے طویل اور تفکر آمیز سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔

"اس کی کاروباری دستاویزات سے ہٹ کر بس یہی تین کاغذ مختلف تھے۔"

"موساد اور سیکرٹ سوسائٹی کے ناموں کی وجہ سے ان کاغذوں کی کوئی اہمیت ہو تو ہو ورنہ بظاہر یہ بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے تذبذب سے کہا۔

"میری رائے تم سے سو فی صد متفق ہے۔" ویرا مطلب کی بات سنتے ہی بے ساختہ بول پڑی۔

"غور کرنے والی بات یہ ہے کہ پنڈت منوہر لال کے گھر بظاہر چوری کی واردات ہوتی ہے۔ وہ کچھ دیکھے بھالے یا پولیس سے رجوع کیے بغیر روپوش ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا سبب سمجھ میں آتا ہے؟" میں نے بنیادی سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اس کی روپوشی کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گا۔ تم نے خود بتایا ہے کہ وہ نشے میں مدہوش تھا۔ فائرنگ کے شور سے ہڑبڑا کر اٹھا اور گھر سے نکل بھاگا۔"

"نشہ اترنے کے بعد اسے اپنے گھر لوٹ آنا چاہیے تھا۔" میں نے اول خان کے استدلال پر اپنی جھلاہٹ کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ آیا ہو۔ اس وقت تک پولیس اس کی بیٹی کو لے جانے کے لیے وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ خوف زدہ ہو کر الٹے پاؤں کہیں غائب ہو گیا۔ اسے خوف ہو گا کہ کہیں وہ بھی نہ دھر لیا جائے۔"

اول خان کے منطقی جواب پر ویرا فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی۔

"مگر میں نے اس طرح نہیں سوچا۔" مجھے اپنا نکتہ نظر بیان کرنا پڑ گیا "تم شراب نہیں پیتے اس لیے یہ بات نہیں سمجھ سکو گے مگر ویرا مجھ سے اتفاق کرے گی کہ عادی شرابی کیسے ہی نشے میں ہو' لاشعوری طور پر اپنے مفادات کے بارے میں ہوشیار رہتا ہے۔ وہ فائرنگ سے بد حواس ہو کر نہیں بھاگا۔ یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ نامعلوم چور نقدی اور زیورات کو چھوڑ کر سارا ریکارڈ لے گئے تھے۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ اسے ریکارڈ سے زیادہ ان تین کاغذوں کی فکر تھی؟" اس نے پوچھا۔

"تم ذہین ہو۔ یہ واقعہ بالکل اسی طرح رونما ہوا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پنڈت کو رستم ایرانی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ میں رستم سے بات کر چکا ہوں۔"

اول خان کی آنکھوں میں عقابی چمک نمودار ہو گئی اور وہ اپنی کرسی میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے رستم کے ساتھ ہونے والی گفتگو دہرانی شروع کر دی۔

تفصیلات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ اول خان کے چہرے پر جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں اور خود ایک راہ کا تعین کر رہی تھیں۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" پوری بات سن لینے کے بعد اول خان بولا "ہو سکتا ہے کہ پنڈت خود موساد کے لیے کام کر رہا ہو۔"

"جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی والا مطبوعہ صداقت نامہ صرف اسی کے لیے ہے۔ چار خانوں میں بنا ہوا الفانیومرک چارٹ ان کے خفیہ پیغامات کا ڈی کوڈر ہو سکتا ہے...."

اول خان نے پُرجوش لہجے میں درمیان سے میری بات اچک لی "یہ بالکل ڈی کوڈر چارٹ ہے۔ اے سے زیڈ تک تمام حروف کے لیے نمبر مقرر کیے گئے ہیں۔ بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن میں اتنے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا۔"

"اگر سیکرٹ سوسائٹی کے ارکان نے اپنے لیے ڈی کوڈر اسی طرح ہاتھ سے نقل کیا ہوا ہے تو سوسائٹی بہت یتیم اور مسکین معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے متفقہ رائے کا بے دردی سے مضحکہ اڑانا شروع کر دیا "جس سوسائٹی کے پیچھے یہودیوں کا ذہن کار فرما ہو' وہ ہرگز اتنی بے سروسامان نہیں ہو سکتی۔ دنیا جانتی ہے کہ یہودی اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے دریا دلی سے پیسہ لٹاتے ہیں...."

"ہو سکتا ہے کہ پنڈت نے کسی مجبوری کی وجہ سے مطبوعہ ڈی کوڈر چارٹ کو نقل کیا ہو۔ یہودی سرگرمیوں کے لیے پاکستان ایک دشوار سرزمین ہے۔" اول خان میرا ہم نوا بن چکا تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے تعاقب میں ہم نے امریکا کی خاک چھانی ہے۔" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "گیپ کے اہم معاہدے کی فائل تم نے خود حاصل کی تھی۔ یہودیوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کے باوجود ہمیں کہیں بھی اس سیکرٹ سوسائٹی کا نام سننے کو نہیں ملا اور تم نے اسے پنڈت کی تجوری سے برآمد کرلیا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو مگر میری رائے ہے کہ اس طرح ہم وقت ضائع کریں گے۔"

میں صبر و سکون سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے بات پوری کرلی تو میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا "تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہماری گفتگو میں ایسی دخل اندازی نہیں کرو گی۔ پلیز! اب تم ڈرائنگ روم میں چلی جاؤ تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"سوری!" وہ فوراً خوشامد پر اتر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ بولنا میری سرشت میں شامل ہے۔ اول خان کو میری رائے سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ میں اب نہیں بولوں گی۔"

"تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا "موساد والے کاغذ کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے کہ میں درمیان میں بول پڑا۔"

"اپنے نام کی طرح "جس" کوئی خفیہ اور محدود سوسائٹی ہوسکتی ہے۔ فری میسنز کے بارے میں ہم بہت کچھ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ موساد کا چیف براہِ راست "جس" کی سرگرمیوں کا نگراں ہو۔ کاغذ پر چیف اور اس کے سیکریٹری کے ڈائرکٹ فون نمبر بھی ہوسکتے ہیں۔"

"تھیوری مکمل اور بے داغ ہے۔ یہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کی ایک تکون ہے جس میں سی آئی اے، را اور موساد والے ملوث ہیں۔" اول خان بات سمجھ رہا تھا۔

"اوبرائن جو ان سازشوں کا تخلیق کار تھا، رستم کی ایک سازش کے نتیجے میں اپنے انجام سے دو چار ہوچکا ہے میجر بخشی کو ہم نے اپنی سفارتی مصلحتوں اور مجبوریوں کی بنا پر نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کی جگہ دھن راج گرفت میں آیا ہوا ہے۔" میں نے وضاحت کی "پنڈت منوہر لال جو ہمارا شہری ہے، بظاہر موساد کا آلۂ کار نظر آرہا ہے اسے ہماری پوری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"یعنی اب رستم براہ راست ہمارا مدِمقابل بن چکا ہے۔" اول خان پر خیال آواز میں بڑبڑایا۔

"اگر وہ قلعہ بند مکان میں محصور ہو کر نہ بیٹھا ہوتا تو میں خود ہی اسے نکیل ڈال سکتا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہاں مسلح محافظوں کا ایک لشکر موجود ہے اور اسے اپنے اثر و رسوخ پر بھی گھمنڈ ہے۔ تمہیں کسی نہ کسی دروازے پر دستک دینی پڑے گی۔"

"معاملہ سنگین ہوگیا ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا ورنہ پنڈت ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"کل تک تم رستم کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ پنڈت کے گھر جانے سے بھی گریز کیا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم کسی دشواری میں پڑجاؤ۔" ویرا ایک مرتبہ پھر بول پڑی۔ اس بار اس کا لہجہ مصالحانہ تھا اس لیے میں نے اسے مداخلت پر ٹوکنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

"یہ اچھا ہوا کہ اب تک میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں اور ڈینی نے اپنے یا کرنل جمال دستی کے معروف نام کے بجائے ملک ممتاز کے روپ میں رستم کا سامنا کیا ہے۔ ایک انا پرست جاگیردار سے ذاتی مخاصمت کے خوف کی بنا پر وہ الزام تراشیاں نہیں کرسکے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی خاموشی کی وجہ سے میں کسی نہ کسی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ پنڈت منوہر لال تک محدود نہ ہو۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے لیے کام کررہے ہوں۔ اس کی روپوشی طویل ہونے کی صورت میں وہ زیرِ زمین چلے جائیں گے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے ان تینوں کاغذوں کی نقلیں دے دو۔ میں ابھی اس مشن پر نکلتا ہوں۔"

"یہی لے جاؤ، راستے سے فوٹو کاپیاں کروالینا۔" میں نے وہ کاغذ اسے دے دیے۔

وہ اٹھ رہا تھا کہ غزالہ اس کے لیے چائے لے آئی اور اسے مزید کچھ دیر کے لیے بیٹھنا پڑگیا۔

اول خان کے جانے کے بعد میرے ذہن پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہوگیا۔ سامنے بہت کچھ نظر آرہا تھا مگر میں بے بس تھا۔ اگلی کامیابیوں یا ناکامیوں کا دارومدار اول خان کے مشن پر تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سلطان شاہ نئے گھر کے لیے خریداری کے مشن پر نکل گیا۔ اس مرتبہ غزالہ کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ گھرداری کی ضروریات کے بارے میں سلطان شاہ کی معلومات کا خزانہ صفر سے کچھ ہی زیادہ تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی نہیں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد اسے ایسا موقع پہلی بار ملا تھا۔ میرے ذہن پر اس کی طرف سے ہلکا سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوف سوار ہونے لگا۔

غنیمت یہ ہوا کہ موقع میسر آنے پر وہ میری طرف آنے کے بجائے اپنے کمرے میں جا گھسی اور میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصروف رہنے کا ایک حیلہ سوچ لیا۔ جہانگیر دن میں اپنی گولڈن فارمیسی چلاتا تھا۔ میں نے اپنے کمرے سے اس کا نمبر ملالیا۔

دکان میں دو ملازمین کی موجودگی کی وجہ سے وہ فرصت سے بیٹھا ہوا تھا۔ میری آواز سن کر خوش ہوگیا اور چہکنے لگا "آج تم ہیٹ ٹرک مکمل کررہے ہو۔ پچھلے دو دنوں سے گھر آرہے تھے اور اب فون پر موجود ہو۔ مجھ پر یکایک اتنے مہربان کیوں ہوگئے ہو؟"

"مہربانی نہیں، بس ایک اطلاع دینی تھی۔ ہم نئے مکان میں منتقل ہوچکے ہیں۔ چاہو تو یہاں کا فون نمبر لکھ لو۔ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔"

"مبارک ہو۔ اب تم دوبارہ صاحب جائداد ہوگئے ہو۔ نمبر بتاؤ۔ اب روز گپ شپ ہوا کرے گی۔"

میں نے اسے نمبر لکھوانے کے بعد کہا "دن کے اجالے میں تم بہت معقول باتیں کرتے ہو۔ شام کو پینے کے بعد تمہاری عقل پر ایسی خاک پڑتی ہے کہ ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"گھر میں رہ کر عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ کام سلمٰی کرتی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے آج تک اسے چکھنے تک کی دعوت نہیں دی۔"

"اوہ! تو تم ایسے امکانات پر بھی غور کرتے رہتے ہو۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"جب سے ویرا کو پیتے دیکھا ہے، کئی بار یہ خیال آیا ہے۔ لیکن سلمٰی، سلمٰی ہے اور ویرا، ویرا، سلمٰی دو گھونٹ لے کر چغد ہوجائے گی، ویرا ذہین اور حاضر جواب ہوجاتی ہے۔"

"اور شاید تھوڑی سی بے تکلف بھی!" میں نے طنزیہ لہجے میں لقمہ دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "تم بہت گھنے ہو۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات تاڑ لیتے ہو۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ گوری ہے۔ دیسی عورتوں کی طرح کسی بے تکلفی کا برا نہیں مناتی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے آدمی پوری بوتل چڑھا کر ناچنا شروع کردے۔"

"اب تم دن دیہاڑے بہک رہے ہو۔" میں نے اسے ڈانٹا "دکان تمہاری روزی ہے۔ وہاں بیٹھ کر اپنے ملازموں کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
روشنی کے مینار
قیمت ۱۵/ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
عظمت کے مینار
قیمت ۱۵/ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
ایمان کا سفر
قیمت ۱۵/ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
کچرا گھر
قیمت ۱۰/ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/ روپے

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول۔ ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
آدھا چہرہ
قیمت ۲۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/ روپے

جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
کالی کہانیاں
قیمت ۱۴/ روپے، ڈاک خرچ ۱۶/ روپے

مشہور سوپر نک ڈیلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چرتا ہے۔
نک ویلوٹ کی چوریاں
قیمت فی جلد ۵۰/ روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶/ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منشن، بلیموریا اسٹریٹ، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اونچی آواز ہو تو اس سے کہیں ہلکی باتیں بھی باعث شرم ہوتی ہیں۔ میری آواز بہت نیچی ہے۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا "دراصل ویرا دن رات تمہارے ساتھ رہ رہ کر اپنی قدر کھو بیٹھی ہے ورنہ....."

اسی وقت ویرا ہاتھ میں اسکاچ کا ایک گلاس لیے، مٹکتی ہوئی، بہت شوخ انداز میں دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی اور میں نے فوراً ہی جہانگیر کی بات کاٹ دی "تم نے اس کا نام لیا اور وہ آگئی۔ کہو تو اسے بلا کر تمہاری بات کروا دوں۔"

"پہلے تم سے باتیں ختم ہو جائیں تو اسے بلا لینا۔ اس سے بات کر کے طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔"

جہانگیر کا جواب سننے کے دوران میں میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر فون کال کے بارے میں ویرا کے استفسار کا جواب دیا۔ ویرا جہانگیر کا نام سن کر بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور میں سمٹ کر ایک طرف ہو گیا۔

"مجھ سے تمہیں اور کیا باتیں کرنی ہیں؟" ویرا کے غیر متوقع نزول نے میرے ذہن کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ لنچ کے بعد اس کی وہ مے نوشی میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔

"اپنے آس پاس میرے لیے بھی کوئی مکان دیکھ لو۔ فلیٹ میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ اس بہانے ہم ایک دوسرے کے قریب بھی ہو جائیں گے۔"

"میرے قرب کے نتائج تم پہلے ہی بھگت چکے ہو۔ اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ بہتر یہ ہے کہ جہاں رہ رہے ہو، وہیں دل لگانے کی کوشش کرو۔"

"کس سے دل لگاؤں؟ یہ کام سلمٰی کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"فی الحال فلیٹ سے ہی دل لگاؤ۔ تمہاری بدنیتی کی بنا پر وہ ملازمہ بھی نہیں بدلے گی۔"

"یار انتہا ہے۔ وہ بچی بارہ سو روپے لے رہی ہے۔ بڑی آئے گی تو وہ اتنے ہی پیسوں میں بہت زیادہ کام کرے گی۔ یہ معمولی سی بات تم ہی اس کی کھوپڑی میں ڈال دو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ میری روکھی پھیکی زندگی میں تھوڑی سی رونق اور بہار آجائے گی۔"

"ویرا سے بات کر لینا۔" میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی ویرا کو آنکھ مار کر کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ دو چار روز کے لیے تمہاری مہمان نوازی قبول کر لے..... میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کبھی کبھی تم بہت طوطا چشم ہو جاتے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

اسے فون کر کے میں نے خود کو مصروف کرنا چاہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا۔ جب وہ میرے تیز و تند جوابوں سے اکتا گیا تو میں نے اسی کے کہنے پر ریسیور ویرا کو دے دیا۔

فون پر ہم دونوں میں سے کسی ایک کے مصروف ہونے میں ہی عافیت تھی۔ ویرا کو جہانگیر کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ اس کی خوشامدانہ تعریفوں سے خوش ہونا اور پھر باتوں کو طول دیتے چلے جانا، ہمیشہ ویرا کے پسندیدہ مشاغل رہے تھے۔ ریسیور اسے دیتے ہی میں مسہری سے اتر کر کمرے سے نکل گیا۔

میں خاصی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن پروگرام دیکھتا رہا لیکن ویرا میرے کمرے سے برآمد نہیں ہوئی وہ اس وقت جس موڈ میں تھی اس کے لیے جہانگیر ہی اس کے ساتھ موزوں گفتگو کر سکتا تھا۔

ٹیلی وژن پروگرام دیکھتے ہوئے بھی میرے ذہن میں پنڈت، موساد اور "جس" کے نام چکرا رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کاپی کے کاغذ پر موساد کے نام کے ساتھ لکھے ہوئے دو نمبروں پر براہ راست ڈائلنگ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ واقعی اسرائیل کے کسی شہر کے نمبر تھے یا میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔

وہ خیال آتے ہی میں تیزی سے اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ ویرا فون کا ریسیور کان سے لگائے میری مسہری پر نیم دراز تھی اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کے گلاس کا آدھا سیال اس کے معدے میں اتر چکا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے اس کے احمقانہ انہماک پر غصہ آیا مگر میں فوراً ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ ویرا کی اس محویت میں میرے لیے امان ہی امان تھی۔

ٹیلی فون کی پرانی ڈائرکٹریاں میں ڈائننگ روم کی ایک دراز میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کی پہلی جلد نکالی اور اس کے مخصوص صفحات پر موجود اس فہرست کو دیکھا جس میں دنیا بھر کے مختلف ملکوں اور شہروں کے لیے براہِ راست ڈائلنگ کے کوڈ موجود تھے۔ ایک بار پھر دوسری بار بھی جائزہ لیا لیکن ایران اور اٹلی کے درمیان تو کیا، پوری فہرست میں کہیں بھی اسرائیل کا نام یا کوڈ موجود نہیں تھا۔

ڈائریکٹری چھوڑ کر میں نے ایک مرتبہ پھر کمرے میں جھانکا تو ویرا اپنے شغل میں مصروف تھی۔ گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ فون پر مخاطب ہو گئی۔

میرے لیے اسے چھیڑنا مناسب تھا نہ میں زیادہ دیر صبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرسکتا تھا۔ میں نے کمرے سے موبائل فون اٹھایا اور ٹیلی وژن کی آواز بند کرکے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

ٹیلی فون پر انکوائری کا نمبر ملانا' جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ متعدد کوششوں کے بعد نمبر ملا تو دیر تک گھنٹی بجتی رہی جس کے بعد آپریٹر کی آواز آئی۔

اس سے شکایت بے سود تھی۔ کچھ کہتا تو وہ برہم ہوکر لائن بند بھی کرسکتا تھا۔

میری زبان سے اسرائیل کا نام سنتے ہی آپریٹر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا کہ مجھے اسرائیل سے کیا کام پڑ گیا تھا۔

"اسرائیلی ریاست سے کوئی کام نہیں ہے' بس ایک ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"دوبارہ کسی سے یہ دریافت نہ کریں ورنہ فون آبزرویشن میں آجائے گا۔" اس نے ہمدردانہ اور قدرے طنزیہ پیرائے میں جواب دیا "اسرائیل دشمن ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے لیے ڈائریکٹ ڈائلنگ ممکن ہے نہ کال بک کی جاتی ہے۔" اسی کے ساتھ فون بند ہوگیا۔

ویرا نے گلاس ختم ہونے کی وجہ سے فون بند کیا یا باتیں ختم ہونے کے بعد گلاس خالی کیا' اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ وہ کمرے سے برآمد ہوئی تو گلاس خالی تھا۔

"تمہارا دوست بہت دلچسپ آدمی ہے۔" اس نے لابی میں رک کر مجھے سنایا "کاش وہ تمہیں بھی عورتوں سے بات کرنے کا خوب صورت قرینہ سکھا سکے۔"

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے پینے کا جو ناوقت دورہ پڑا ہے' وہ سرور گہرا ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔ وہ ذرا سی دیر میں دوبارہ نمودار ہوئی اور مجھ سے کافی فاصلے پر پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں تھوڑی سی حیرت ہورہی ہوگی کہ آج میں تم سے دور کیوں ہوں۔" اس نے نئے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر پوچھا۔

"تھوڑی نہیں خاصی حیرت ہے۔" میں نے پورے خلوص سے اعتراف کیا "شاید جہانگیر نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں وہ پکا سؤر اور خودغرض ہے۔"

ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے کوئی بات نہیں سنی۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟ وہ واقعی مجھے اکسا رہا تھا کہ تم میری ذرا بھی قدر نہیں کرتے۔"

"پہلی بات یہ کہ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ دوسرا اشارہ تم نے خود فراہم کیا ہے۔ اس سے بات کرنے سے پہلے تم بستر پر میرے اتنے قریب آبیٹھی تھیں کہ میں بوکھلا گیا تھا۔ اس کی زہر فشانیاں سن لینے کے بعد تم مجھ سے گزوں دور بیٹھی ہو۔"

ویرا سر جھٹک کر ہنس پڑی "تم واقعی بہت چالاک ہو اور شاید اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتے ہو۔ اس نے بہت کچھ کہا

صورتِ حال

نرس:۔ یہ ایمرجنسی آپریشن کس کا ہورہا ہے؟"

اردلی:۔ ایک غریب آدمی کا.... جو گولف کورس کے قریب سے گزرتے ہوئے جماہی لے رہا تھا۔ سیٹھ صاحب نے ہٹ لگائی اور بال سیدھی اس کے پیٹ میں چلی گئی۔

نرس:۔ اچھا.... وہ صاحب جو آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے ٹہل رہے ہیں' شاید اس آدمی کے رشتے دار ہیں؟

اردلی:۔ نہیں.... وہ تو سیٹھ صاحب ہیں۔ انتظار کررہے ہیں آپریشن مکمل ہو تو وہ بال لے کر کھیل مکمل کریں۔

الزام

سیٹھ صاحب کو مجرمانہ حملے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ الزام ایک مشہور اداکارہ نے لگایا۔ عدالت میں وکیل صفائی نے پوچھا "محترمہ! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ سیٹھ صاحب نے کب آپ پر مجرمانہ حملہ کیا؟"

"جی ہاں... گزشتہ سال اپریل' مئی' جون اور جولائی میں۔" اداکارہ نے جواب دیا۔

○☆○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے مگر میں نے اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بس میرے دل میں اپنی عزت کا احساس جاگ اٹھا ہے۔ تم دنیا کے اکلوتے مرد ہو نہ میں کوئی بدصورت بڑھیا۔ دیکھوں گی کہ گزوں کا یہ فاصلہ طے کرنے میں کون اور کب پہل کرتا ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود کا کوئی حصہ اچانک خالی خالی ہوگیا ہو۔ مجھے ویرا سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ میں اسے خوش ادا اور خوش گفتار دوست ہی سمجھتا رہا تھا یا شاید میں نے اس کے بارے میں کبھی اپنا دل ٹٹولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے اچانک فاصلے کا احساس دلا کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جہانگیر پر تاؤ کھا کر رہ گیا جس نے باتوں کی روانی میں بہہ کر ویرا کو میری طرف سے بدگمان کیا تھا۔

ویرا روبوٹ نہیں تھی۔ جذبوں اور امنگوں میں گندھی ہوئی ایک جوان عورت تھی۔ وہ برسوں سے سب کچھ سہتی اور حالات میں مگن رہتی چلی آرہی تھی۔ اس نے کبھی خود کو مجھ سے الگ کرکے نہیں سوچا تھا مگر وقت کی بات تھی کہ جہانگیر کے چند غیر محتاط الفاظ نے اس کے دل کے نازک آئینے میں بال ڈال دیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگالی۔ ویرا لبوں کو ترکرکے شوخ اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔ پہلے وہ بہت بولتی تھی مگر میں اس کی کسی بات پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ اس وقت وہ بالکل خاموش تھی لیکن میں اس خاموشی میں ہزاروں شکوؤں' شکایتوں اور دعوتوں کی بلند آہنگ صدائیں سن رہا تھا۔ دھیرے دھیرے میرے اعصاب میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔

میرے لیے وہاں بیٹھنا دشوار ہورہا تھا' اٹھنے میں شکست کا اعتراف نہاں ہوتا۔ اسی عالم میں گھنٹی کی آواز نے میری مشکل آسان کردی۔ میں دروازے سے نکل کر گیٹ پر پہنچا تو اول خان لوٹ آیا تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا اپنے گلاس سمیت غائب تھی۔ شاید اس نے باہر سے اول خان کی آواز سن کر کمرے میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"موساد والے نمبر مل ابیب کے ہی ہیں۔" اول خان نے بیٹھتے ہوئے اعلان کیا۔

"یہ کیسے پتا چلا؟" میں نے اس بارے میں اپنی ناکام کوششوں کا ذکر کیے بغیر سوال کیا۔

"پاکستان' اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کا مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ لندن میں ہمارے ملٹری اتاشی نے ان نمبروں پر بات کرنے کے بعد یہ تصدیق کی ہے۔ صرف ان نمبروں کی وجہ سے بات آگے بڑھی ہے۔ رات تک کوئی نہ کوئی بڑا فیصلہ سامنے آجائے گا۔"

"یہ فیصلہ کون کرے گا؟" میں نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

"یہ سوال نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ انتظامیہ کے ذریعے رستم سے پنڈت منوہر لال کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ اس نے پنڈت کے ٹھکانے سے مکمل لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"اگر وہ بسیرا میں ہے تو اب وہ اسے وہاں سے نکال دے گا۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"ناممکن!" اول خان کا لہجہ پریقین تھا۔ "بسیرا سے نکلنے کے چار راستے ہیں اور اس وقت چاروں کی کڑی نگرانی ہورہی ہے۔ آنے جانے والوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جارہا۔ پنڈت کو نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہاں بڑا تصادم شروع ہوجائے گا۔"

"نکلنے والوں سے پوچھ گچھ نہیں ہورہی تو اسے چھپا کر لے جایا جاسکتا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رستم کی بے خبری میں گلیوں تک کی ناکا بندی کی جاچکی ہے۔ عارضی چوکیوں پر بسیرا سے نکلنے والی ہر گاڑی کی تلاشی لی جارہی ہے۔"

میرے وجود میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اول خان کی کوششوں سے نتائج سامنے آنے شروع ہوگئے تھے۔ میں نے اضطراری انداز میں نئی سگریٹ سلگانے کے بعد پوچھا "رات تک کیا فیصلہ ہونے کی امید ہے۔"

"رستم کو پنڈت کے بارے میں رات کے بارہ بجے تک مزید دیکھ بھال کا وقت دیا گیا ہے۔ وہ مکمل تباہی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے زبان کھولنی پڑے گی ورنہ بکتر بند گاڑیاں بسیرا کے چاروں پھاٹک توڑ کر اندر داخل ہوجائیں گی۔ پاکستان کی سرزمین پر موساد کے کسی کارندے کو پہنچنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔"

میرا ذہن اس منظر کی تابناکی کے تصور میں ڈوب گیا۔ اول خان' میری ذہنی محویت سے بے خبر' اپنی بھاگ دوڑ کی تفصیلات سنا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رستم سے پنڈت کے بارے میں کون پوچھ گچھ کر رہا ہے؟" اول خان کے خاموش ہونے پر میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو رہی۔" اول خان نے دو ٹوک لہجے میں کہا "کراچی کے ڈی آئی جی نے فون پر اس سے بات کی تھی۔ رستم نے کورا سا جواب دے دیا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے ٹھکانے سے بالکل لاعلم ہے۔ ڈی آئی جی نے اس پر واضح کر دیا ہے کہ وہ رات کے بارہ بجے تک منوہر لال سے رابطہ کر کے انتظامیہ کو مطلع کرے ورنہ شہر کی ہر اس عمارت کی تلاشی لی جائے گی جہاں پنڈت منوہر لال کے روپوش ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اب صرف بارہ بجنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

"یہ کھلی دھمکی اسے بہت گراں گزری ہوگی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس نے تلملا کر فوراً ہی آئی جی سے شکایت کی تھی اور یہ کہا کہ وہ کسی بھی وردی والے کو اپنی رہائش گاہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے گا۔ آئی جی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کی نوبت نہ آنے دے۔ اگر پنڈت منوہر لال ڈیڈ لائن گزرنے سے پہلے خود کو انتظامیہ کے حوالے کر دے تو مزید کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ وقت گزر گیا تو قانون کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔"

رستم سے فون پر ہونے والی وہ گفتگو اتنی سیدھی اور آسان نہیں رہی ہوگی۔ اول خان مجھے اس گفتگو کے اہم نکات ہی بتا سکتا تھا۔ باقی تلخیوں کا اندازہ میں نے خود لگا لیا تھا مگر اس بندوبست میں پولیس کی شمولیت میرے ذہن میں شبہات پیدا کر رہی تھی۔

"کیا یہ پورا آپریشن پولیس ہی کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا؟"

"انتظامی سطح پر یہ کام پولیس ہی کی ذمّے داریوں میں شامل ہے۔ پولیس کی وجہ سے رستم کو معاملے کی اہمیت اور سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا...."

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس وقت ساری اہمیت پنڈت کی ہے۔ میری طرف سے دھمکیوں کے بعد پولیس کے عزائم اس کے سامنے آئے ہیں۔ اس گفتگو کے ذریعے اسے بتا دیا گیا ہے کہ بارہ بجے کے بعد پولیس بسیرا پر دھاوا بول دے گی۔"

"ڈی آئی جی کے پیغام میں یہ مفہوم پنہاں تھا مگر آئی جی نے بہت نرمی اور مصلحت سے کام لیتے ہوئے رستم کو تسلی دی ہے۔ قانونی مجبوریوں کا ذکر کرنے کے ساتھ اس سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جب پنڈت منوہر لال بسیرا میں نہیں ہے تو اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس نے یہ بھی جاننا چاہا ہوگا کہ پنڈت کس جرم میں پولیس کو مطلوب ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ ایسی بات ہوئی ہو مگر میں اس سے لاعلم ہوں۔"

"میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔ کیا یہ پورا معاملہ پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا ہے؟"

"ہم نے انٹیلی جنس بیورو سے رابطہ کیا تھا۔ تل ابیب کے نمبروں کی تصدیق ہوتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے اب یہ ان کا کھیل ہے وہ اسے مقامی پولیس فورس کے ذریعے کھیلنا چاہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس افسران کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ پنڈت کی بجوری سے کچھ مشتبہ کاغذ برآمد ہوئے ہیں۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے از خود مقامی پولیس سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ پولیس کے محکمے میں رستم کے خاصے ہمدرد پائے جاتے ہیں۔"

اول خان مسکراتے ہوئے بولا "میں تمہاری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ تم لوگ خاموشی سے موسیٰ کو اٹھا لائے تھے۔ شہر کے کسی تھانے میں اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن پولیس شہر میں اسے تلاش کرتی پھر رہی تھی.... عوام سے بہت قریب رہ کر کام کرنے والے ہر سرکاری ادارے میں ایسی کالی بھیڑیں موجود ہوتی ہیں۔ ان کے باوجود یہ ادارے اپنی کارگزاری دکھاتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آج کی کارروائی اتنی ذمے داری اور رازداری کے ساتھ کی جائے گی کہ رستم کے کسی ہمدرد کو اپنا کام دکھانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"رستم میں ذرا بھی عقل ہے تو اب وہ پنڈت کو اپنے گھر سے نکال دے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ چند منٹ قبل ہمارے درمیان خاموشی سے آ بیٹھی تھی۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم رستم کو نیست و نابود کرنے نہیں جا رہے۔ ہمارا اصل ٹارگٹ پنڈت منوہر لال ہے۔" اول خان نے کہا "اگر وہ کسی خون خرابے کے بغیر ہمارے ہاتھ آ جاتا ہے تو ہمارا کیا بگڑتا ہے؟"

"یہ تمہاری سوچ ہو سکتی ہے۔ میری نظروں میں تو رستم بھی خطرناک مجرم ہے۔ پنڈت کے ساتھ اس کا صفایا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اپنے کاموں میں بہت ماہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پنڈت کو کسی ایسی ترکیب سے باہر نکال دے کہ پولیس والوں کو ہوا بھی نہ لگ سکے۔"

"اس امکان کی حتی المقدور پیش بندی کر لی گئی ہے۔" اول خان نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھایا "بسیرا سے آنے والے ہر راستے پر پولیس کی چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں جو ادھر سے آنے والی گاڑیوں کی تلاشی لے رہی ہیں۔ شہر کے بہت سے علاقوں میں عام طور سے ایسی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ رستم کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اسے علم ہو بھی جاتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ پنڈت کو غائب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دے گا۔"

وہ دونوں اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ویرا پورے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلوص کے ساتھ یہ چاہتی تھی کہ پنڈت کے ساتھ ہی رستم کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچانا ضروری ہے دوسری طرف اول خان رستم کے بارے میں قدرے لچک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رستم نے اوبرائن ڈی ہنٹ کو نئی دہلی میں موت کے گھاٹ اتار کر ہم لوگوں پر احسان کیا تھا جس کے صلے میں وہ تھوڑی سی مہلت کا حق دار ہو چکا تھا۔

میں خود بھی رستم کے اس کارنامے سے مرعوب تھا لیکن اس کا اعمال نامہ اس قدر سیاہ تھا کہ آخر کار اسے بھی جہنم واصل ہونا تھا۔ ہم اس سے ایک بڑا کام لے چکے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ محاذ آرائی کا آغاز ہونے کے بعد وہ ہمارے لیے ایسا ہی کوئی دوسرا اہم کام سرانجام دے سکے۔

"وہ خود پنڈت کو پولیس کے حوالے کرے گا نہ اسے بسیرا سے نکالنے کا خطرہ مول لے گا۔" میں نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا "اس سے تصادم ناگزیر نظر آرہا ہے۔"

"میں تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ اسے اتنا وقت کیوں دیا گیا ہے۔" ویرا نے اعتراض کیا "وہ کوئی امن پسند اور معزز شہری نہیں ہے جسے ڈھیل دی جائے۔ جو کچھ کرنا ہے، ابھی اور اسی وقت ہونا چاہیے۔"

"اسے کوئی ڈھیل نہیں دی جا رہی۔" اول خان نے فوراً ہی وضاحت کی "اسے بتا دیا گیا ہے کہ پنڈت منوہر لال کے سلسلے میں اس پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ ہمارے جال میں ہے۔ جتنی اچھل کود کرے گا، جال میں مزید پھنستا ہی چلا جائے گا۔ اس کا نمک کھا کر اپنے فرائض سے غداری کرنے والوں کو اس سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ بظاہر کوئی بھی اس کا بہی خواہ اور دوست نظر نہیں آرہا۔"

"پھر رات کے بارہ بجے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی کیا تک ہے؟"

"یہ ہماری مجبوری ہے۔" اول خان نے اس بارے میں پہلی مرتبہ زبان کھولی "آئی بی کے بعض افسران رات کو دس بجے والی فلائٹ سے کراچی آرہے ہیں۔ وہی اس آپریشن کی نگرانی کریں گے۔"

"پھر تو یہ پولیس آپریشن نہ ہوا۔" ویرا بے ساختہ بول پڑی "میں ابھی تک یہ بات ہضم نہیں کر پائی تھی کہ اتنے اہم معاملے کو محض شہری پولیس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔"

اول خان ہنس پڑا "تکنیکی طور پر یہ پولیس آپریشن ہی کہلائے گا مگر اس کی نگرانی آئی بی والے کریں گے۔ ان کے سوا کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ پنڈت منوہر لال کو کیوں تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"ایسی صورت میں ہم لوگ بھی کارروائی میں شریک ہو سکیں گے؟" ویرا نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "سب لوگ نہیں، صرف دو افراد شریک ہو سکیں گے...."

"ایک ڈینی اور دوسری میں۔" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

"میں کہاں جاؤں گا؟" اول خان نے پوچھا "پنڈت منوہر لال کا کیس میں نے ریفر کیا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے ایک آدمی کے ساتھ آپریشن میں شامل ہونے کی باضابطہ دعوت دی ہے۔"

ویرا کا منہ لٹک گیا "ظاہر ہے کہ تمہارا آدمی ڈینی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔"

"تم خود اتنی سمجھ دار ہو کہ تم نے اپنے نام سے پہلے ڈینی کا نام لیا تھا۔" اول خان بولا۔

"تم دونوں کو جانا ہے تو تم ہی سر کھپاؤ۔ میں کیوں اپنا دماغ خالی کروں۔" وہ اٹھ کر چل دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ پینے کی مزید طلب محسوس کر رہی تھی۔

"ان کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے لیکن میں دانستہ طور پر ویرا کو ان کی نظروں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔" ویرا کے چلے جانے کے چند لمحے بعد اول خان نے بتایا۔

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا ان سے ویرا کو کوئی خطرہ ہے؟"

"میری اور ایس ٹی ایف کی ترجیحات ہمارے خفیہ اداروں سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں پھر بھی میں ویرا کو غیر ضروری طور پر منظرِ عام پر لانا نہیں چاہتا۔ امریکی آج بھی اسے پکڑنے کے خواہاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کے آپریشن میں کسی سفید فام خاتون کی شمولیت کی کوئی خبر بنائی جائے۔"

اس بار میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان روانگی کے لیے اٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں گھر میں ایک مرتبہ پھر ویرا کے ساتھ تنہا تھا مگر غنیمت یہ تھا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں محدود تھی ورنہ اس کی طرف سے فاصلے کے چیلنج کے بعد میرے لیے اس کا سامنا کرنا خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے رہ رہ کر جہانگیر پر غصہ آرہا تھا جس نے ویرا کے ساتھ باتیں کرنے کے لیے بے ضرر سے شوق کو پورا کرنے کے لیے میرے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی کہہ ڈالی تھیں جو ویرا کے دل میں نقش ہو گئی تھیں۔

ویرا جب بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو میں نے اسے ہمیشہ سرتاپا سیاہ لباس میں دیکھا تھا۔ اس کے رنگ و روپ کے بارے میں بس سوچا ہی جا سکتا تھا، اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر وہ ہمیشہ مجھے دیکھتی رہتی تھی اور اسی دور میں مجھ پر یوں مہربان ہوئی کہ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔

برسوں کی رفاقت میں وہ بارہا مجھ سے ناراض بھی رہی تھی مگر مصالحت اور کشیدگی کے کسی بھی دور میں، میں نے اسے اپنی دسترس سے باہر نہیں پایا تھا۔ وہ روٹھی ہوئی تھی تب بھی مجھ سے قریب ہونے کے حیلے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے از خود دوستی کی ابتدا کر کے مجھے کبھی اپنے دل کو ٹٹولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ آسانی سے ہاتھ آجانے والی کسی بھی شے کی طرح شاید میں کبھی اس کی قدر نہ کر سکا لیکن جہانگیر کے چند فقروں نے اس کے وجود میں انا کی چنگاریاں سلگا کر میرے لیے ایک امتحان پیدا کر دیا تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی واپسی تک ویرا دوبارہ میرے سامنے نہیں آئی۔ اپنے کمرے میں گھسی رہی۔

وہ دونوں خاصے سامان سے لدے پھندے گھر آئے۔ ان کی غیر حاضری میں حالات میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ انہیں خوشی ہوئی کہ امید افزا پیش رفت کے نتیجے میں رات ڈھلنے تک بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

غزالہ نے آتے ہی متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی بے چین نگاہیں ویرا کو تلاش کر رہی تھیں مگر میں نے از خود کوئی بات نہیں کہی۔ ان دونوں کی آوازیں سن کر بھی ویرا اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی۔

گفتگو کے اختتام پر میں اپنے کمرے میں گیا تو غزالہ بھی میرے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گئی۔

"کیا ویرا سے آپ کا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" تخلیے میں پہنچتے ہی اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

میں نے مڑ کر حیرت سے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جھانکا اور اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے پوچھا "تمہیں یہ خیال کیوں ہوا؟"

"گھر میں غیر فطری سی خاموشی ہے۔ میرے حساب سے ویرا کو آپ کے آس پاس ہی موجود ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کسی طنز کے بغیر سادگی سے کہا۔

"ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے موڈ کی مالک ہے۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر میرے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی اور مٹھاس سے بولی "میں اس کے موڈ کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ نے یقیناً اس کے ساتھ زیادتی کی ہوگی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے لیے وہ بہت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی ہے اور آپ کی کسی بات کا برا نہیں مناتی۔ اگر وہ آپ سے ناراض ہو کر اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔"

"کبھی تم کو اس سے سنگین شکایتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، کبھی اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے۔" میں نے چڑ کر کہا "ایسا ہی شبہ ہو رہا ہے تو جا کر خود اس سے پوچھ لو۔"

وہ دلآویز انداز میں اٹھلا کر ہنس پڑی "اگر جھگڑا نہیں ہوا تو آپ میرے سوال پر چڑ کیوں رہے ہیں؟"

"میں ہرگز نہیں چڑ رہا۔" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں تو تمہیں دعوت دے رہا ہوں کہ جا کر خود اسی سے تفتیش کر لو۔"

اس کی رکتی ہوئی ہنسی پھر تیز ہو گئی "یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ مر کر بھی میرے سامنے آپ کی شکایت نہیں کرے گی۔"

"ہر وقت میرے خلاف زہر اگلتی رہتی ہے، بات بات پر بحث کرتی ہے اور تمہیں خوش فہمی ہے کہ وہ میری شکایت نہیں کرے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"مذاق کی بات اور ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مذاق مذاق میں وہ آپ سے بہت زیادہ الجھتی ہے۔ اس بہانے سے اسے آپ سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ سنجیدگی سے وہ میرے سامنے آپ کے خلاف زبان نہیں کھولے گی۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" میں نے حیرت اور قدرے غصے سے پوچھا۔

"مجھے گھر سے نکلتے ہی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا۔" اس نے مسہری چھوڑ کر قالین پر ٹہلتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا "میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتی تو شاید کسی بدمزگی کی نوبت نہ آتی۔"

اس کی قیاس آرائی نے مجھے حیران کر دیا مگر میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے تیزی سے پوچھا "پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟ کھل کر کہو کہ تمہارے ذہن میں کیا اندیشے پروان چڑھ رہے ہیں۔"

ٹہلتے ٹہلتے وہ تیزی سے پلٹی اور میرے قریب بیٹھ کر سپردگی کے انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا "میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں بھی ویرا کی طرح ایک عورت ہوں اور اس کے ذہن کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ لیتی ہوں.... خاص طور پر اس وقت جب وہ آپ کے بارے میں سوچ یا بول رہی ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

وہ ایسے والہانہ انداز میں میرے بدن سے چپک کر بیٹھی تھی کہ میرے ذہن پر چھانے والا چڑچڑاپن فوراً کافور ہو گیا۔ اس کی جگہ، میرے دل میں غزالہ کے لیے نرمی اور ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے اور میں نے ہولے ہولے اس کا سر سہلانا شروع کر دیا۔

"غلطی میری تھی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں دھیرے دھیرے بولے جا رہی تھی "جہاں انگارے دہک رہے ہوں، وہاں تیل نہیں ڈالا جاتا۔ وہ تنہائی بلکہ اکیلے پن کا شکار ہے۔ مجھے اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہیے تھا۔ آپ کو تنہا پا کر شاید اس نے کسی امتحان میں ڈال دیا ہوگا۔ آپ کے حوصلہ شکن ردِّ عمل نے اسے مایوس کر دیا۔ اس طرح ٹھکرائے جانے پر ہر شخص اپنی نظروں میں گر جاتا ہے۔ اب وہ ہم سب سے ناراض اور منہ چھپائے اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی ہے....."

جب تک وہ بات پوری نہ ہوئی، میں نے غزالہ کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن کام کا متن پورا ہوتے ہی میں نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموش کردیا "اس کے بارے میں اتنا نہ سوچا کرو۔ یہ بھی ویرا کا ایک دیرینہ مرض ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے اردگرد جو لوگ موجود ہوں وہ ہمیشہ اسی کے بارے میں سوچتے رہے۔ تمہیں تشویش میں مبتلا دیکھ کر اسے ذہنی راحت ملے گی۔"

میں نے غزالہ کی مفروضہ کہانی کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ موضوع جاری رہتا تو بات سے بات نکلتی رہتی اور مجھ سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی۔

سلطان شاہ مرد تھا۔ وہ ویرا کی غیر موجودگی کے بارے میں ذرا بھی فکرمند نہیں ہوا تھا لیکن غزالہ کی چھٹی حس نے اسے گڑبڑ کی خبر دے دی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ گڑبڑ کے بارے میں اس کا اندازہ سراسر غلط تھا۔ اس روز ویرا نے میرے ذہن میں در آنے والے اندیشوں کے بالکل برعکس' یکایک ہی گریز کا رویہ اپنا لیا تھا۔ وہ اپنی فطرت میں بہت عجیب عورت تھی اور مجھے اکثر حیران کرتی رہتی تھی۔

ایک چھت کے نیچے رہ کر ہم دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک اوجھل نہیں رہ سکتے تھے۔ بعد میں اس سے سامنا ہوا تو دوسروں کے لیے اس کا رویہ بالکل نارمل تھا وہ مجھ سے ہنس بول بھی رہی تھی مگر اس کے لب و لہجے میں مجھے لاتعلقی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابتدا میں ویرا کا بیگانگی کا وہ رویہ مجھے بہت تکلیف دہ محسوس ہوا مگر پھر میں نے اس تبدیلی کو قبول کر کے خود بھی ذرا سا بے رحمانہ جوابی لہجہ اپنا لیا۔

ویرا نے اس روز دن کے اجالے میں ہی خاصی مے نوشی کر ڈالی تھی جس کا گہرا سرور اس کی آنکھوں میں تیرنے والے سرخ ڈوروں سے جھلک رہا تھا۔ زبان بوجھل تھی اور الفاظ کا توازن قدرے بگڑا ہوا تھا۔ اس نے کچن میں غزالہ کی مدد سے اپنی شکم پری کا اہتمام کیا اور پھر سرِشام ہی سو جانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سلطان شاہ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر اسے دیکھتا رہا۔

"آج میم صاحبہ کے تیور کچھ بگڑے بگڑے نظر آرہے ہیں۔"

ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد سلطان شاہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ کا وہ ذومعنی سوال سن کر غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سلطان شاہ کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "تم نہایت گھامڑ شخص ہو۔ اتنی واضح بات کئی گھنٹوں کے بعد تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔"

اس نے بوکھلا کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس کی خوب رو مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔

"وہ... دراصل میں زنانہ نخروں پر زیادہ غور نہیں کرتا۔" اس نے مدافعت کرنے کی کوشش کی "غزالہ عورت ہے۔ اس نے ضرور کوئی اندازہ لگا لیا ہوگا۔"

"یہ موضوع بہت پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اگر اب نخروں پر غور و فکر کرنے کا کوئی ارادہ ہو تو غزالہ سے رجوع کر لینا۔ تمہیں خاصا افاقہ ہوگا۔"

سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا لیا "ویرا کی فکر میں' میں کون سا بیمار ہو گیا ہوں جو مجھے افاقہ ہوگا۔ اس کی ساری فکریں تم ہی کو مبارک ہوں۔"

وہ کھسیا کر لاجواب ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر مزید کوئی فقرہ کسنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اول خان نے رخصت ہوتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کب واپس لوٹے گا اور میں آپریشن میں اس کے ساتھ کیسے شریک ہو سکوں گا۔ رات اتر آئی' کھانے کا وقت ہو گیا مگر اس کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں ملی تو میں نے اسٹیشن فور فون کیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔

اس کی مصروفیات کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ اپنے پچھلے تجربے کی بنا پر مجھے معلوم تھا کہ جب تک اول خان میرے لیے کوئی خاص پیغام نہ چھوڑے' اس کے آدمی اس کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ دفتر میں اول خان تھا اور نہ اس کا کوئی پیغام۔

میرے لیے وہ انتظار بہت صبر آزما تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں اول خان کسی گورکھ دھندے میں پھنس کر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا پروگرام ہی منسوخ نہ کر دے۔ اسے کوئی بھی ناگزیر مجبوری پیش آسکتی تھی۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس آپریشن میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی فعال کردار نہیں تھا۔ آئی بی والوں کی نگرانی میں سارے مراحل مقامی پولیس کو طے کرنے تھے۔ یہ امکان بھی نظر آرہا تھا کہ وہ لوگ اپنی حکمتِ عملی میں کوئی تبدیلی نہ کر لیں۔

میرے ذہن میں اندیشوں اور وسوسوں کے وہ پہاڑ بھیانک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے کہ معاً مجھے یہ یاد آیا کہ انٹیلی جنس بیورو والے پوری کارروائی کے نگراں تھے۔ انہیں دس بجے والی پرواز سے کراچی پہنچنا تھا۔ ان کی آمد سے پہلے پروگرام میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں تھی۔

وال کلاک کی سوئیاں دس سے آگے بڑھ چکی تھیں۔ پرواز میں تاخیر نہ ہونے کی صورت میں آئی بی والوں کو ائرپورٹ پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

گیارہ بجے سے ذرا پہلے اول خان آپہنچا۔ تھکن کے باوجود وہ بہت پرجوش نظر آرہا تھا اور عجلت میں تھا۔

"ڈینی شام سے تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا "دیر ہو رہی تھی تو تمہیں سے فون ہی کر دیتے۔"

اول خان نے خفگی سے اسے گھورا اور اپنے لہجے پر قابو پا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا "میں کہیں بیٹھا گپ شپ نہیں لڑا رہا تھا' کاموں میں مصروف تھا۔ ذہنی کو معلوم تھا کہ دس بجے بیرون شہر سے کچھ مہمان آنے تھے۔ ان کی بریفنگ کیے بغیر میں ادھر نہیں آسکتا تھا۔"

اول خان کا پیش کیا ہوا وہ اکلوتا جواز ہی ہر شکایت کا مسکت جواب تھا۔ میں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنے کا فیصلہ کرلیا۔

"وقت کم رہ گیا ہے۔" اس نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "ہمیں آپریشن کے آغاز سے پہلے بیرا کا بیرونی طواف بھی کرنا ہے...."

"کیا ایک پیالی چائے پینے کا وقت بھی نہیں ہے؟" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

اول خان لمحہ بھر کے لیے متردد نظر آیا پھر صوفے کے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولا "جلدی سے لے آؤ۔ اس وقت چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

غزالہ لپک کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ میں موقع غنیمت جان کر خواب گاہ میں جا گھسا۔

میں نے بہت تیزی سے کپڑے تبدیل کیے' جوتے پہنے اور بیم گن جیب میں ڈال کر واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو غزالہ چائے لا چکی تھی۔

"خوب!" اول خان نے اپنی پیالی سے ایک گھونٹ لے کر توصیفی لہجے میں کہا "چائے کے بہانے تمہیں لباس بدلنے کا موقع مل گیا۔ میں صبح سے ان ہی کپڑوں میں بندھا ہوا ہوں۔"

"میں نے صرف بیم گن لی ہے...." میں نے اسے بتانا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"کافی ہے.... ویسے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تیاریاں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں۔"

چند منٹ میں چائے کی پیالیاں خالی کر کے ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر اول خان کی جیپ میں موجود تھی جس میں ڈرائیور نہیں تھا۔

"کیا بات ہے' اس وقت ویرا نظر نہیں آئی۔" اول خان نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی غیر حاضری ہر ایک محسوس کرلیتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "آج اس کی طبیعت ناساز ہے۔"

"وہ تو ہونی ہی تھی۔ میں اسے ساتھ لے جانے کا وعدہ کرلیتا تو وہ ہشاش بشاش رہتی۔"

"سڑکیں صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم آبزرور کے طور پر جا رہے ہیں۔ میری جیپ پر ایک شناختی اسٹکر موجود ہے۔ کوئی بھی ہماری نقل و حرکت میں مزاحم نہیں ہوگا۔"

"پھر بیرا کا طواف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بیرا کے چار پھاٹک ہیں۔ ان میں سے دو چھوٹے اور عملاً متروک ہیں مین گیٹ رستم کے دوستوں اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بہت پر شکوہ ہے۔ شاید تم اسی راستے سے وہاں آتے جاتے رہے ہو۔ چوتھا راستہ رہائشی عمارات سے قریب ہے۔ گھر والے اور ملازمین اسی طرف سے آتے جاتے ہیں۔"

"تم نے وہ عمارت دیکھے بغیر بہت کچھ معلوم کرلیا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اہل خانہ کے استعمال میں رہنے والا راستہ بھی بہت کشادہ ہے اور گاڑیوں کی آمد و رفت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس فورس کی زیادہ توجہ ان ہی دو راستوں پر مرکوز رہے گی۔ اندر سے مزاحمت کی گئی تو ان پھاٹکوں کو توڑ دیا جائے گا۔"

"وہ متروک راستوں سے بھی فرار ہو سکتا ہے۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"ادھر بھی نفری موجود رہے گی۔" اس نے یقین دلایا "آپریشن کو پوری طرح فول پروف بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف ایسے کوئی آثار نہیں ہیں کہ رستم نے بھاگ نکلنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہو۔ گاڑیوں کی تلاشی کا سلسلہ جاری ہے۔ بیرا سے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی خبر نہیں ملی ہے۔"

"اگر وہ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرچکا ہے تو اسے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر میں محصور ہو کر کافی دیر تک فورس کو دور رہنے پر مجبور کرسکے گا۔"

"آج رات مجھے ویرا کی خواہش پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔" اول خان کو جیپ چلاتے چلاتے ایک مرتبہ پھر ویرا یاد آگئی۔

"وہ تو خواہشوں اور ارمانوں کی شہزادی ہے۔ تم اس کی کس خواہش کا ذکر کر رہے ہو؟"

"پنڈت منوہر لال کے ساتھ رستم کی سزا یابی۔ آج وہ بری طرح مار کھائے گا۔"

"مجھے رستم کی اتنی زیادہ پروا نہیں۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔ میری بس ایک ہی آرزو ہے کہ اتنی بڑی کارروائی کو ناکام نہیں ہونا چاہیے۔ پنڈت منوہر لال اسی عمارت سے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"یہ خیال تم نے پیش کیا تھا۔ اس کے ملنے یا نہ ملنے کا انحصار ہم سب کی قسمتوں پر ہے لیکن اتنا ضرور بتادوں کہ رستم کے اطمینان نے مجھے وسوسے میں ڈال دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کی انا کو پاش پاش کرنے کے بعد ہم پنڈت کی گرد بھی نہ پاسکیں۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ دل ہی دل میں اول خان کے اس اندیشے کے غلط ثابت ہونے کی دعا مانگتا رہا۔ میں نے رستم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گفتگو کے بعد جو رائے قائم کی تھی وہ پوری ایمان داری کے ساتھ سب کے سامنے پیش کردی تھی۔ میرے نزدیک یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر تھی کہ رستم پنڈت کا پشت پناہ تھا اور اس کے مسائل سے پوری طرح باخبر تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں اول خان بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا آیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جلد از جلد رستم کی رہائش گاہ تک پہنچنے کی فکر میں ہے۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اول خان نے بار بار گھڑی دیکھنے کے باوجود جیپ کی رفتار تیز نہیں کی تو میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھول کر اپریٹس نکال لو۔" اس نے مشورہ دیا "اسے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آن کرنا ہے۔ آج کے آپریشن میں حصہ لینے والے تمام یونٹ ایسے ہی ٹرانسیسٹرز پر ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔"

میرے دل میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنے سامنے والا خانہ کھول کر موبائل فون سے قدرے بڑا اپریٹس نکال لیا اور کہا "میرے ذہن میں ایک بے نام سی خلش تھی۔ اپریٹس دیکھتے ہی مجھے اس خلش کا سبب معلوم ہوگیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمارا رابطہ ضروری تھا۔ اس کے بغیر ہم کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح خطرناک ماحول میں بھٹکتے رہتے۔"

"آج رات کے لیے میرا پاس ورڈ چارلی ہے۔ ضرورت پیش آنے پر مجھے الفا نامی کسی اتھارٹی سے رابطہ کرنا ہوگا۔" اس نے ہنس کر مجھے آگاہ کیا۔

اس رات درپیش مہم کے بارے میں بیشتر نکات واضح ہو چکے تھے۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے سے پہلے ہی بسیرا کے نواح میں پہنچ گئے۔

ہم جس سڑک پر تھے، اس پر پولیس کی کئی بکتر بند گاڑیاں، روشنیاں گل کیے سڑک کے کنارے کھڑی تھیں۔ اول خان نے کسی پوچھ گچھ کے خیال سے جیپ کی رفتار کم کی تھی کہ دیوہیکل آہنی گاڑیوں میں سے ایک ٹارچ چمکی۔ تیز روشنی کا ہالہ ہماری آنکھوں کو چکا چوند کرتا ہوا لمحہ بھر کے لیے ونڈ اسکرین کے بائیں سرے پر رکا پھر روشنی بند ہوگئی۔

"رکنے کی ضرورت نہیں۔ چلے جاؤ!" اندھیرے میں ایک بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی۔

اول خان نے فوراً ہی جیپ کی رفتار قدرے تیز کردی۔ اس ذیلی سڑک پر پیش آنے والے تجربے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ بسیرا کی طرف جانے والی ہر سڑک اور گلی میں مسلح مشینی دستوں کی بالادستی قائم ہوچکی تھی۔

میں اس سے پہلے بھی اسی راستے سے دو مرتبہ بسیرا آچکا تھا اور دونوں بار میرا سفر رات میں ہی ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس رات وہ راستہ زیادہ تاریک تھا۔ رستم کے خلاف ایکشن کی رازداری کے لیے اسٹریٹ لائٹس روشن نہیں کی گئی تھیں۔

جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں رستم کی رہائش گاہ کے احاطے کی فصیل جیسی دیوار نظر آنے لگی۔ اس کا پھاٹک بند تھا۔ داہنا موڑ کاٹتے ہوئے ہم دونوں نے ہی محسوس کیا کہ اندر سناٹا تھا۔ کچھ دیر کے لیے گیٹ پر پڑنے والی روشنی کو اندر والوں نے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

بسیرا کے احاطے کے ساتھ ساتھ اول خان کی جیپ بائیں طرف ایک شکستہ سڑک پر مڑگئی۔ چند ثانیوں بعد اس عمارت کا ایک چھوٹا اور متروک پھاٹک گزرا۔ جیپ بڑھتی رہی۔ اس عمارت نے علاقے کا ایک بڑا رقبہ گھیرا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف نیم پختہ یا پختہ راستے موجود تھے۔ عقب میں گھریلو استعمال والا راستہ تھا۔ دوسری بغلی دیوار میں چوتھا ویران پھاٹک بند تھا۔

رستم کی وسیع رہائش گاہ کا طواف کرکے ہم دوبارہ مین گیٹ کے سامنے سے گزرے اور اول خان نے تاریکی میں ایک جگہ جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

"بظاہر سب انتظامات مکمل ہیں۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر ایک نظر ڈال کر پراطمینان لہجے میں کہا "لیکن وہ سب اصل ہدف سے دور ہیں۔ عمارت کے آس پاس کسی کا سایہ تک نظر نہیں آرہا۔"

"اپریٹس آن ہو تو پتا چلے کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔

"چاہو تو اسے آن کرلو۔ سسٹم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کام شروع کرے گا۔ اس ڈیڈ لائن میں اب ایک منٹ سے قدرے زیادہ وقت رہ گیا ہے۔"

میں نے اپریٹس آن کردیا۔ جیپ کے کیبن میں ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجنے لگا۔ اس شور میں کوئی بھی انسانی آواز شامل نہیں تھی۔

"سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "وقت کی اتنی کڑی پابندی کا تصور عام شہری اداروں میں مفقود ہے۔"

"ہدف اہم ہو تو وقت کی پابندی ناگزیر ہوجاتی ہے۔ مختلف سمتوں سے پیش قدمی کرنے والوں کو اپنی ٹائمنگ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"الفا کالنگ فار میشنز۔" ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اپریٹس پر ایک پرسکون آواز ابھری "مختصر الفاظ میں نمبروار ہر کمانڈر اپنی رپورٹ دیتا چلا جائے.... اوور!"

پہلی رپورٹ لیڈنگ گروپ کی طرف سے تھی۔ باری باری مختلف آوازوں نے الفا کو پیغامات دیے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بالکل تیار اور اگلے حکم کے منتظر تھے۔

ایک موڑ سے آگے پیچھے دو تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ ان کی تمام نشستیں آباد تھیں۔ ان کے اگلے بمپروں پر وائرلیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انٹینا کے اونچے تار لہرا رہے تھے۔ دونوں گاڑیاں اس خم دار سڑک پر آگے جا کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"نقل و حرکت شروع ہو چکی ہے۔" میں نے خاموشی توڑنے کے لیے تبصرہ کیا۔

"بس کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا ہے۔ پنڈت منوہر لال سلو زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔"

"آئے گا.... ضرور آئے گا۔" میں نے اضطراب کے عالم میں ہتھیلیاں مسلتے ہوئے کہا "اپریٹس پر سناٹا ہے۔ کیوں نہ تم بھی الفا کو اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالو۔"

"نہیں!" اس نے انکار کر دیا "مجھے صرف ضرورت پیش آنے پر رابطہ کرنا ہے۔ اس وقت ان کے انتظامات میں ٹانگ اڑانے سے کوئی بدمزگی بھی ہو سکتی ہے۔"

میں نے بدمزگی کے سخت لفظ پر کوئی اعتراض کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ میری طرح وہ بھی ذہنی انتشار اور دباؤ میں مبتلا تھا۔ ایسی صورت میں روشن امکانات بھی مخدوش اور منفی نظر آنے لگتے ہیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ جیپ میں ہم دونوں ہی خاموش اور اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس دوران میں وقفے وقفے سے اپریٹس پر پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ جن میں سے بیشتر احکام الفا کی جانب سے تھے یا پھر اس کے آدمی اس کی ہدایت کے مطابق اپنی پوزیشنوں میں ردوبدل کے بارے میں اطلاعات دے رہے تھے۔

بسیرا کے احاطے کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ باہر سے ان کے درمیان بنی ہوئی کوئی عمارت نظر نہیں آ سکتی تھی لیکن ہمیں رات کی تاریکی میں اس عمارت کی بالائی فضا میں ایک روشن ہالہ نظر آ رہا تھا جس کا سبب اندر جگمگانے والی روشنیاں تھیں۔ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ ہالہ کس قدر زیادہ ہی نمایاں تھا۔

پھر اچانک فضا میں اندھیرا پھیل گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ آپریشن کی نگرانی کرنے والوں نے بجلی کمپنی کے تعاون سے بسیرا کی روشن فضاؤں پر وار کیا ہے مگر وہ خیال خاصا کمزور تھا۔ ہر مقابلے میں خود تاریکی کی آڑ لے کر روشنی میں نہائے ہوئے دشمن پر وار کرنا زیادہ سہل اور سودمند ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ ایسی غلطی نہیں کر سکتے تھے کہ بسیرا میں رہنے والوں کو تاریکی کی پناہ فراہم کرتے۔

مجھے اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑی۔ لمحہ بھر بعد ہی اپریٹس پر الفا کی اضطراری آواز ابھری "پورا ٹائم گٹ یکایک اندھیرے میں ڈوب گیا ہے۔ شاید دشمن کو شبہ ہو گیا ہے.... کاؤنٹ ڈاؤن ختم.... اصل پلان کے مطابق سب ایڈوانس کرو۔"

رات کی میٹھی آغوش میں سویا ہوا ماحول یکایک متعدد انجنوں کے شور سے گونج اٹھا۔ قرب و جوار کی ہر سمت سے گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"میں نے انفرا ریڈ دوربین سے سب دیکھ لیا ہے۔" فضا میں رستم کی مانوس اور نرم آواز گونجی تو میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ اپنی آواز پہنچانے کے لیے کوئی طاقت ور میگافون استعمال کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ "میرے گھر کا محاصرہ کیا جا چکا ہے.... میں ایک معزز اور شریف شہری ہوں۔ کسی نے بھی میری چار دیواری کا تقدس پامال کرنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔"

مجاز حکام کی طرف سے بارہ بجے کا وقت مل جانے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا مگر غافل نہیں تھا۔ شاید اس کے آدمی پہلے عام دوربینیں استعمال کر رہے تھے۔ اسے ذرا تاخیر سے خیال آیا کہ انفرا ریڈ دوربین اندھیرے کا توڑ کر سکتی ہے۔ اس نے اندھیرے میں پوشیدہ نفری اور گاڑیوں کو دیکھتے ہی اپنے گھر کا مرکزی برقی نظام معطل کر دیا اور مزاحمت کا فیصلہ کر لیا۔

چار مہیب بکتر بند گاڑیاں رستم کے مکان کے مین گیٹ پر پہنچ گئیں ان کے پیچھے وہ دو گاڑیاں تھیں جو کچھ دیر قبل پراسرار تیز رفتاری سے متحرک نظر آئی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی گاڑی میں الفا اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ موجود تھا۔ امکانی مزاحمت کی صورت میں وارننگ دینے کے لیے اس کے پاس بھی میگافون موجود تھا۔ دروازے پر گاڑیاں رکتے ہی الفا کی سرد، تحکمانہ آواز ہر طرف پھیلنے لگی۔

"رستم! تمہارے فرار کی ساری راہیں مسدود کی جا چکی ہیں۔ اپنی انفرا ریڈ دوربین گھما کر خود یہ سب دیکھ چکے ہو۔ اپنی چار دیواری کا تقدس بچانے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"میں ہتھیار ڈال دوں!" رستم کی آواز بلند اور استہزائیہ ہو گئی۔ تصادم کا یقین اس کے آہنی اعصاب میں نشتر بن کر اترا تھا۔ یہ کام میں نے نہیں سیکھا۔ تم جیتے جی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ مجھے اکیلے آدمی کے لیے تم اتنا لشکر لے کر آئے ہو لیکن پھر بھی ناکام رہو گے۔"

اپریٹس یا میگافون پر الفا کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ بکتر بند گاڑیوں کے انجنوں کی غراہٹیں تیز ہوئیں اور فضا اونچے آہنی پھاٹک کی جھنجھناہٹ سے لرز اٹھی۔

پھاٹک کے دونوں ستون بہت مضبوط تھے مگر اندرونی قابلے اور کھٹکے اس حملے کی تاب نہ لا سکے۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے اور پھر لوہا چرنے کی آوازیں پیدا ہوئیں، دونوں پھاٹک ایک پرشور جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ دو بکتر بند گاڑیاں اچھل کر اس راستے میں داخل ہو گئیں۔

پھاٹک آخری حد تک کھلنے کے بعد تیزی سے واپس ہوئے اور پھر گاڑیوں کے اگلے حصے سے ٹکرا کر رک گئے۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بسیرا کی پختہ روش ویران نظر آ رہی تھی۔ وہاں کوئی بھی مسلح یا غیر مسلح فرد موجود نہیں تھا۔ نہ ہی اندر گولیوں کی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باڑھ ماری گئی تھی۔

"تم نے میری سلطنت تباہ کردی' میرا پندار توڑ دیا۔" میگا فون پر رستم کی رندھی ہوئی اور کرب آلود آواز ابھری "آج مجھے پتا چلا کہ اب تک میں اپنی آستین کے سانپوں کو دودھ پلا کر پروان چڑھاتا رہا تھا۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو بہت اچھا تھا.... ہوگیا ہے تو مجھے یقین نہیں آرہا۔ میں اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں نہیں دوں گا۔ اسی بے یقینی کے عالم میں مرجانا پسند کروں گا۔"

میگا فون پر ایک فائر کے ساتھ کسی معصوم بچے کی دل دوز چیخ گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس سفاک درندے نے شاید اپنی انا کی چتا پر اپنے لاڈلے نواسے کی پہلی بھینٹ دی تھی۔ اس کا میگا فون آن تھا۔ دوسری گولی چلی اور اس بار رستم کی دبی دبی کراہ سے فضا لرز اٹھی۔

خودکشی کرتے ہوئے اس انا پرست کو شاید چیخنا پسند نہیں تھا۔ اس نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنی چیخ کو آخری کراہ میں سمیٹ دیا تھا۔

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ہم دونوں ہی گنگ ہو کر رہ گئے۔

"الفا کالنگ چارلی!" اپریٹس پر بوجھل اور تحیر زدہ آواز ابھری "یہ کیا ہوا؟ اس نے تو کوئی مقابلہ کیے بغیر خودکشی کرلی۔ وہ پہلی چیخ کس بچے یا عورت کی تھی....؟ اوور!"

"شان و شوکت کے ساتھ جینے والے بڑے مجرم شاید اسی طرح مرتے ہیں... وہ اپنے اکلوتے نواسے کو بہت چاہتا تھا۔ جاتے جاتے شاید اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے اوور!" اول خان' رستم کے اس انجام پر خوش نہیں تھا۔ اس کی آواز افسردہ تھی۔

"رستم نے ہار مان کر خودکشی کرلی ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میگا فون پر الفا کی آواز ابھری "اندر کی تمام روشنیاں آن کرو اور غیر مسلح ہو کر باہر آجاؤ۔ میں گنتی شروع کررہا ہوں۔ دس کا ہندسہ پورا ہونے کے بعد کسی کو امان نہیں ملے گی۔"

مین گیٹ پوری طرح کھول دیا گیا۔ وہاں کوئی متنفس نہیں تھا۔ چاروں بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے کمان کرنے والی دونوں گاڑیاں بھی احاطے میں صرف اس حد تک اندر داخل ہوئی تھیں کہ پیچھے والی گاڑیاں اندر سما سکیں۔ ان سب کی ہیڈ لائٹس آن تھیں۔ ان کی روشنی میں کھڑکیوں اور سوراخوں سے مملک آتشیں ہتھیاروں کی نالیں باہر جھانکتی نظر آرہی تھیں۔ اول خان نے اپنی جیپ ان کے پیچھے لگادی۔

الفا نے میگا فون پر رک رک کر گنتی شروع کردی۔ وہ صرف تین تک پہنچا تھا کہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت یکایک جگمگا اٹھی۔ باغ میں اور روشوں کے اطراف بھی لیمپ پوسٹ روشن ہوگئے۔ ان سب کو یقینی طور پر کسی مرکزی سوئچ کے ذریعے ہی بند کیا گیا تھا۔

وہ زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ بسیرا کے باسیوں نے میگا فون پر اپنے کانوں سے اپنے آقا کی آخری کراہ یا چیخ سنی تھی۔ ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ رستم نے مایوسی اور بے بسی کے شدید جذبات سے مغلوب ہو کر ایک ایسا قدم اٹھایا تھا جس نے آپریشن فورس کا کام بہت آسان کردیا تھا۔

گنتی پانچ تک پہنچی تو مختلف سمتوں سے متعدد سادہ پوش اور باوردی ملازمین اپنے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھائے نمودار ہونے لگے تھے۔

عارضی طور پر گنتی کا سلسلہ موقوف ہوگیا اور الفا اپریٹس پر آگیا۔ وہ لیڈیز پولیس کی انسپکٹر کو اپنی نفری کے ساتھ بسیرا کے رہائشی حصے میں داخل ہونے کا حکم دے رہا تھا۔ دوسرے گروپوں کو مردوں کی تلاش کے ساتھ یہ ہدف بھی دیا گیا تھا کہ جلد از جلد رستم کی لاش تک پہنچ کر رپورٹ کردیں۔

پانچ کے بعد چھ کی باری اتنی دیر میں آئی کہ عمارت اور احاطے کے مختلف حصوں سے نمودار ہونے والوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ان کی تعداد کسی طرح چالیس سے کم نہیں تھی۔ وہ سب مغموم اور نڈھال نظر آرہے تھے لیکن ان میں کوئی چہرہ ایسا نہیں تھا جسے رستم کا قریبی عزیز سمجھا جاسکے۔

بکتر بند گاڑیوں سے مسلح افراد نیچے اترے اور انہوں نے ان سب کو چار قطاروں میں صف آرا کرکے ان کی جامہ تلاشی لینی شروع کردی۔ وہ مرحلہ بہت تیزی سے مکمل ہوگیا۔ اس کارروائی کے بعد اگلی دونوں گاڑیوں سے چار افراد اتر کر قیدیوں کی کھیپ کی طرف بڑھے۔

اول خان نے مجھے اشارہ کرکے جیپ چھوڑ دی۔ ہم دونوں کی طرف کئی نگاہیں اٹھیں مگر کوئی معترض نہیں ہوا۔ ہم تماشا دیکھنے کے لیے سب سے آخر میں جا کھڑے ہوئے۔

"تم میں رستم کا وارث کون ہے؟" الفا کو میں نے اس کی آواز سے پہچانا۔ اس نے چند ثانیوں تک صف آرا افراد کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا تھا۔

"اس کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔" ایک ادھیڑ عمر شخص نے روہانسی آواز میں اس حقیقت کا انکشاف کیا "مردوں میں صرف اس کا نواسہ اس کا وارث تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اب بسیرا میں سرکوٹ کوٹ کر بین کرنے والی عورتوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

رستم کے عبرت ناک انجام کے بعد وہ کہانی بھی لرزہ خیز تھی۔ وہ جرائم کی دنیا میں لمبے سودے کرکے کس کے لیے خزانہ اکٹھا کررہا تھا؟

اسے صرف ہوس کا نام دیا جاسکتا تھا۔ اس کے نواسے کے بہتر مستقبل کے لیے بسیرا جیسی عالی شان رہائش گاہ اور رستم کی کمائی کا عشر عشیر بھی کافی ہوسکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پنڈت منوہرلال کے بارے میں تم میں سے کون جانتا ہے؟" الفا کے ساتھ کھڑے ہوئے شخص نے تیکھے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لٹکے ہوئے اداس چہرے اس اہم نام پر سپاٹ رہے تھے۔

ایک مرتبہ پھر اپریٹس پر آواز آنے لگی۔ لیڈی پولیس انسپکٹر پرجوش آواز میں بتا رہی تھی "سر! عورتوں کے ایک کمرے کی مسہری کے نیچے سے ایک معمر اور منحنی سا شخص برآمد ہوا ہے جو بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کے باوجود زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے ....اوور!"

"زنانہ حصہ فوراً خالی کردو اور اسے لے کر مین گیٹ کی طرف چلی آؤ۔ اوور اینڈ آل۔" الفا کا وہ فیصلہ بروقت اور صحیح ترین تھا۔ رستم کی پس ماندہ عورتوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان کا مربّی اپنے ہاتھوں اپنے برے انجام سے دوچار ہوچکا تھا۔ انہیں اس کی موت کا سوگ منانے کی آزادی ملنی ضروری تھی۔

لیڈی انسپکٹر کے پیغام میں میرے لیے بے پایاں خوشی پنہاں تھی۔ اس نے زنانہ حصے سے برآمد ہونے والے کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ پنڈت منوہرلال کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا تھا۔

ویرا کی خواہش پوری ہوچکی تھی۔ پنڈت کی بازیابی کے ساتھ رستم کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ مجھے دکھ تھا تو اس معصوم جان کا جسے رستم نے اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ وہ معصوم' خوب صورت' سرخ و سفید اور شرارتی بچہ اس وقت رہ رہ کر میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔

رستم کا المیہ یہ تھا کہ اسے اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں تھا۔ اسے اپنی برتری پر گھمنڈ تھا۔ اسی رو میں بہہ کر اس نے میرے ساتھ اور برائن ڈی ہنٹ کے قتل کا سودا طے کیا تھا۔ ذاتی معاملات میں بھی اسے دوسروں پر بھروسا نہیں تھا۔

اسے ڈر تھا کہ اس کی موت کے بعد اس کا چہیتا نواسا بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ جائے گا' کوئی اس کی مناسب دیکھ بھال نہیں کرسکے گا اور وہ زمانے کی ٹھوکروں میں رہ کر اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے گا۔ یہ ایسے ہولناک اندیشے تھے کہ اس نے اپنی زندگی سے پہلے اپنے نواسے کی زندگی کا چراغ گل کیا اور خود بھی اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

رستم سے ملاقاتوں میں' میں نے رائے قائم کرلی تھی کہ وہ آسانی سے شکست نہ ماننے والا ایک مضبوط آدمی ہے جس سے ٹکرانے والوں کو دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو حالات کی ذرا سی خرابی کی بنا پر مایوس اور دل گرفتہ ہوکر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتے ہیں۔

اگر اس پر ہلکا ہاتھ ڈالا جاتا تو وہ یقیناً مزاحمت کرتا اور اس انجام سے دوچار نہ ہوتا جو اس کا مقدر بنا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسے بارسوخ شخص کے گھر پر اتنے بڑے پیمانے پر یلغار کی جائے گی۔ یہ آپریشن فورس کی بھرپور طاقت ہی تھی جس کے مشاہدے نے رستم کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیا اور اس نے ذرا سی دیر میں خود ہی اپنے خلاف ایک فیصلہ کرلیا۔

آئی بی اور پولیس افسران یک جا ہوکر قطار بند ملازمین کے بارے میں مشورے کررہے تھے اور میرا ذہن سوچ کی اتھاہ وادیوں میں بھٹک رہا تھا کہ سامنے سے مردانہ اور زنانہ پولیس فورس کے جلو میں وہ شخص نظر آیا جس کے لیے وہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے۔

اس کے خضاب میں رنگے ہوئے مختصر سے سیاہ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی پھٹی سی معلوم ہورہی تھیں اور چہرے پر کئی دن کا بے داغ' سفید شیو بڑھا ہوا تھا۔

"یہی پنڈت منوہرلال ہے۔" اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اول خان نے اعلان کردیا۔ الفا نے پیچھے مڑ کر فضا میں ہاتھ کی جنبش سے اول خان کا شکریہ ادا کیا اور پھر آنے والے مہمان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ہماری صفوں میں شامل ہر شخص گہری دلچسپی سے پنڈت کی طرف متوجہ تھا۔

"سنا ہے تم نے اپنی زبان سختی سے بند کی ہوئی ہے۔" الفا نے پنڈت کے سر پر سختی سے ہاتھ جما کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

پنڈت نے الفا کے ہاتھ کی گرفت سے نکل جانے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا تو بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میرے ساتھ بدتمیزی مت کرو.... میں اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔"

"رستم کو بھی یہی گھمنڈ تھا جو اسے لے ڈوبا۔ زیادہ ضد کروگے تو تمہاری ننھی سی کھوپڑی کو پکے ہوئے خربوزے کی طرح پچکا دیا جائے گا۔" الفا نے اس کی چندیا پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا دیا۔

"تم سب بہت سفاک ہو۔ رستم ایک ہیرا تھا۔" اس کی آواز رندھ گئی "وہ زندہ رہتا تو تم میری پرچھائیں تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"ہم سب سمیت کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ اس کے مرتے ہی تم کتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگئے۔ اب ذرا اپنی زبان سے اپنا پورا نام بھی دہرا دو۔"

"میں وکیل سے ملے بغیر ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔" اس نے رٹا رٹایا جملہ دہرایا۔

"اگر تمہارا نام وکیل کو معلوم ہے تو اپنی ولدیت ہی بتا دو۔ یہ نہ کہنا کہ اس بارے میں بھی وکیل ہی روشنی ڈال سکے گا۔" الفا کے ساتھی کے الفاظ میں زہر گھلا ہوا تھا۔

پنڈت منوہرلال کوئی جواب دیے بغیر خالی خالی نظروں سے اس کا منہ تکنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے گاڑی میں ڈال دو۔" الفانے اپنے آدمیوں سے کہا پھر رستم کے ملازمین کی طرف متوجہ ہوگیا "تم میں سے کس کس نے اسے یہاں آتے دیکھا تھا؟"

"یہ سیٹھ کا دوست ہے۔ اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔" رستم کے ادھیڑ عمر اور پرانے خدمت گار نے سب کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے ہوئے جواب دیا "میں اندر رہتا ہوں مگر مجھے بھی پتا نہیں کہ یہ یہاں موجود ہے۔"

"کیا رستم نے تم لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ پولیس اسی پنڈت کی تلاش میں یہاں آنے والی ہے؟" الفانے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں صاحب!" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا "سیٹھ آج دس بجے سے پریشان ضرور تھا۔ تین آدمیوں کو دوربینیں دے کر چھت پر بھیجا ہوا تھا۔ اس کے لیے ہم سب پریشان تھے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سیٹھ کے لیے یہ آخری رات ثابت ہونے والی ہے۔"

"اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا؟" الفانے بے اعتباری سے پوچھا۔

"دس بجے سے تمام محافظ مسلح اور تیار تھے۔ یہ سیٹھ کا حکم تھا۔" وہ باقاعدگی سے زاروقطار رونے لگا "ساڑھے گیارہ بجے وہ اپنی دوربین لے کر چھت پر گیا۔ پتا نہیں اس نے وہاں کیا دیکھا کہ سب کو نیچے بھیج کر اپنے نواسے کو چھت پر بلوالیا اور سارے محافظوں کو ہتھیار خالی کرکے اپنے کمروں میں جانے کا حکم دے دیا۔ ہم سب، ت فکر مند تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بسیرا کے پھاٹک پر دوچار ہتھیار بردار دن رات موجود نہ رہے ہوں۔ آج اس نے تمہارے لیے سارے راستے خالی کرادیے تھے۔"

رستم کے انجام کی کہانی کا ہزرباب دل دوز اور افسوس ناک تھا۔ اس کے باوجود یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ وہ اپنے وقت کا ایک سفاک قاتل اور چالاک مجرم تھا جو مکافاتِ عمل کا شکار ہوکر بہت آسانی سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہوگیا تھا۔ ہم دونوں کے لیے رستم کی لاش کا دیدار ضروری نہیں تھا۔

پنڈت منوہرلال کی گاڑی میں منتقلی کے بعد مشن پورا ہوچکا تھا۔ ملازمین سے مزید بازپرس کے لیے کچھ نفری کو وہاں چھوڑ کر واپسی کا پروگرام بننے لگا۔ اول خان مجھے ساتھ لے کر خاموشی سے وہاں سے روانہ ہوگیا۔ بسیرا نے رخصت ہوتے ہوئے اس نے کسی سے ملاقات نہیں کی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس بار ہم صرف تماشائی رہے، کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔" راستے میں اول خان نے متاسف لہجے میں کہا "ایک عرصے کے بعد ایسی بے بسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

میں دھیرے سے ہنس دیا "یہ بتاؤ کہ آج کس نے کیا کیا ہے۔ تیاریاں بہت کچھ تھیں لیکن رستم نے کسی کو کارکردگی دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پوری بساط خود لپیٹ دی۔"

"یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بس لیڈیز پولیس فورس نے زنان خانے سے پنڈت کو برآمد کرکے کام دکھایا ہے۔ پتا نہیں رستم نے اس جیسے رنگین مزاج بڈھے کو اپنی عورتوں کے درمیان رہنے کی اجازت کیسے دے دی۔ اس کے عیبوں سے پورا نہیں تو آدھا شہر ضرور واقف ہے۔"

"وہ گھر کے کسی اور حصے میں روپوش رہا ہوگا.... آخری لمحات کی افراتفری میں اپنے ٹھکانے سے نکل کر عورتوں میں جاگھسا ہوگا۔"

"تمہارا نظریہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اصل متن تو اسی وقت کھلے گا جب پنڈت اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر بولنے پر مجبور کردیا جائے گا۔"

"اگر وہ ہماری تحویل میں ہو تو زیادہ آسانی سے کام آگے بڑھ سکے گا۔"

"مجبوری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسی وقت فیڈرل کسٹڈی میں چلا جائے۔"

"اس کے تینوں اصل کاغذ کہاں ہیں؟" میں نے چونک کر دریافت کیا۔

"وہ آگے چلے گئے۔ میرے پاس ان کی فوٹو کاپیاں محفوظ ہیں۔" اس نے اطمینان دلایا۔

واپسی پر اول خان تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ رکا تاکہ غزالہ کے ہاتھ کی چائے اور دیگر لوازم سے لطف اندوز ہوسکے۔ اس وقت تک ویرا نارمل ہوچکی تھی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ مجھے نظرانداز کرکے اس نے پہلا سوال اول خان سے کیا۔

"آج کل ستارے ہماری یاوری کررہے ہیں۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا "سب کچھ اسی طرح ہوا ہے جس طرح تم نے آرزو کی تھی۔"

"تو کیا وہ دونوں ہی ہاتھ آگئے۔" سلطان شاہ نے اپنی جگہ سے اچھل پر پوچھا۔

"ایک ہاتھ آگیا، دوسرا ہاتھ سے نکل گیا۔" میں نے اول خان سے پہلے سلطان شاہ کو جواب دیا۔

"کون ہاتھ سے نکل گیا۔" ویرا نے وہ سوال بھی اول خان سے کیا۔ وہ کائیاں آدمی تھا۔ دل میں ویرا کے موڈ کی خرابی کا اندازہ لگاچکا تھا۔ اس نے بات خوب صورتی سے میری طرف ٹال دی۔

"اپنی باتوں کو ڈینی خود ہی سمجھا سکتا ہے۔ اسی سے پوچھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"میری آرزو پوری کرنے کی بات تم نے کی تھی۔" ویرا اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گلے پڑ گئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج ڈینی سے تمہاری بول چال بند ہے اسی لیے میرے سر ہو رہی ہو۔"

"ہاں' تو تم کیا کہہ رہے تھے۔" اول خان کے اٹھائے ہوئے نکتے کی تردید کے لیے ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی۔

"پنڈت ہاتھ آگیا' رستم ضائع ہو گیا۔ اس نے اپنے کم سن نواسے کو قتل کر کے خودکشی کر لی۔"

ویرا کا چہرہ کھل اٹھا "اس کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ سانپ کا بیٹا سنپولیا ہوتا ہے۔ اس کا نواسا بھی بڑا ہو کر اپنے نانا کے نقش قدم پر چلتا۔ اچھا ہوا کہ آنے والے دنوں کا پاپ ابھی مٹ گیا۔"

"یقین نہیں آرہا کہ رستم نے اس شریر بچے کو بھی مار دیا ہوگا۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھا ہوا تھا اس لیے وہ ویرا کے جذبات کی تائید نہیں کر سکا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ بچ گیا ہو۔" اول خان نے پرامیدی کا مظاہرہ کیا "ہم نے میگافون پر فائر اور چیخ کی آوازیں ضرور سنی تھیں لیکن لاشیں دیکھے بغیر وہاں سے لوٹ آئے۔"

"وہ رستم کی چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ دونوں میں سے کوئی نہیں بچا ہوگا۔" میں نے اول خان کی نکتہ آفرینی پر اسے گھورتے ہوئے کہا "بگڑی ہوئی لاشوں کو دیکھنا کوئی خوش گوار فعل نہیں ہوتا۔"

"صبح کے اخباروں میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"سب کچھ بہت تیزی سے رونما ہوا۔ پہلے بات ملک ممتاز اور ملک افضل سے شروع ہوئی تھی پھر انتظامیہ درمیان میں آگئی اور پولیس ایکشن بھی ہو گیا۔ رستم کو مرتے مرتے یہ گتھی ستاتی رہی ہوگی۔" اول خان بولا۔

سوچنے کے لیے وہ بھی ایک نکتہ تھا۔ رستم کے بدحواس اور مایوس ہونے کی متعدد وجوہ میں ایک وجہ وہ بھی ہو سکتی تھی مگر اس پر سر کھپانا بے سود تھا۔ سبب کچھ بھی رہا ہو' اصل اور اہم ترین بات یہ تھی کہ رستم کے خاتمے کا ہدف حاصل کر لیا گیا تھا۔

چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے بٹن دبا کر اسے آن کر دیا۔ اپنی دانست میں آپریشن کی تکمیل کا اندازہ لگا کر اس نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا۔

دوسری طرف سے الفا اسی کے لیے پیغام نشر کر رہا تھا۔ اول خان نے فوری طور پر اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالی۔

"چارلی! تمہیں وہ تینوں کاغذ کس ذریعے سے ملے تھے؟ اوور!" الفا نے سوال کیا۔

"میرے معروف دوست کے ذریعے۔" اول خان نے میرا نام لیے بغیر کہا "میں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اوور!"

"ملزم کو اسلام آباد منتقل کرنے سے پہلے ہم اس سے جوائنٹ انٹروگیشن کر لیں تو بہت سی باتیں واضح ہو کر سامنے آجائیں گی۔ کل تم دونوں دستیاب ہو سکتے ہو؟"

وہ ہم دونوں کے دل کی آواز تھی۔ اول خان نے کال اوور ہوتے ہی ہم دونوں کی دستیابی کا عندیہ دے دیا۔

"گڈ!" الفا نے جواب دیا "میں کل صبح تمہیں پروگرام سے آگاہ کروں گا۔ اوور۔"

"میں منتظر رہوں گا.... کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ بسیرا کی چھت سے ملنے والی دو لاشیں کس حال میں تھیں۔ اوور!" اول خان نے موقع ملتے ہی اپنا سوال پیش کر دیا۔

"دونوں فائر کنپٹیوں پر کیے گئے تھے۔ گولیاں کھوپڑیوں کا ایک حصہ ساتھ لے کر دوسری طرف سے نکل گئیں۔ اچھا ہوا کہ تم نے وہ لاشیں نہیں دیکھیں۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی شبہ تھا۔ اوور!"

"نہیں لیکن تصدیق ضروری تھی۔ اوور!" اول خان کے پاس اس سوال کا جواب تیار تھا۔

الفا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ کوئی بات جاننے کے لیے ہمیں اخبارات کھنگالنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

مگر اخبارات شہری زندگی کے لیے ایک لازمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی قابلِ ذکر خبر ہو یا نہ ہو' لوگ ناشتے پر اخبار بینی کے عادی ہوتے ہیں۔ سلطان شاہ نے ایک ہاکر کے ذریعے گلشن اقبال کے نئے مکان میں بھی اس روزانہ چاٹ کا بندوبست کر لیا تھا۔

رستم کے گھر پر ہونے والی کارروائی کی خبر اگلی صبح صرف تین کالمی سرخی پر مشتمل تھی۔ اس منصوبے کو ذرائع ابلاغ سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اس لیے کسی کو بھی اس ایکشن کی وسعت کا صحیح انداز نہیں ہو سکا تھا۔ بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ ایک پولیس پارٹی کسی تفتیش کے سلسلے میں بسیرا گئی۔ رستم نے ملاقات سے انکار کر دیا اور پولیس کا سامنا کرنے پر خودکشی کو ترجیح دے بیٹھا۔ خبر میں زیادہ اہمیت اس بات کو دی گئی تھی کہ رستم نے اپنی جان لینے سے پہلے اپنے اکلوتے نواسے کو بھی مار دیا تھا۔

خبر میں پنڈت منوہر لال کے بارے میں دور کا بھی کوئی حوالہ نہیں تھا۔ شاید پولیس اہلکاروں نے بسیرا کے بے یارو مددگار ملازمین کو پنڈت کے بارے میں سختی سے اپنی زبانیں بند رکھنے کی ہدایت کی تھی جس کے نتیجے میں اخباری نامہ نگاروں کو بسیرا سے کوئی مواد نہیں مل سکا تھا۔

رستم شہر کے باخبر اور بے خبر حلقوں میں اپنے رسوخ اور مالی استحکام کی بنا پر خاصا معروف تھا۔ اس کے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ہر شخص اس پر تنقید کرنے سے گھبراتا تھا۔ اس کے خلاف کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عدالت میں کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا اس لیے واقفانِ حال بھی سرگوشیوں سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اس کی ناگہانی خودکشی پر اخباری رویہ بھی ہر تنقید سے عاری تھا۔

میں ناشتے کے بعد بھی اخبار کے مطالعے میں مصروف رہا۔ مجھے اول خان کی طرف سے الفا کے پروگرام کے بارے میں کسی اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

"اگر اخبار حفظ کرنے کی کوشش کررہے ہو تو وہ کامیاب نہیں ہوگی۔" ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ اخبار کے انتظار میں اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

ویرا کی طرف سے فاصلہ برقرار رکھنے کے چیلنج کے سوا ہم دونوں کے درمیان کوئی رنجش نہیں تھی پھر بھی مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اپنے مخصوص اور تیکھے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ میں نے کوئی عذر کیے بغیر خوش دلی سے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے، میں وقت گزاری کے لیے بازار کے بھاؤ دیکھ رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری بے خبری میں یہاں آبیٹھی ہو۔"

"آئندہ آنے سے پہلے ڈھول بجا کر آگاہ کردیا کروں گی۔" ویرا نے بے رخی سے کہا۔

"مشرقی شرفا یہ کام ڈھول کے بجائے گلے سے لیتے ہیں۔ کھنکارنے سے بھی مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں مشرقی نہیں، مغربی لڑکی ہوں اور تمہارے معیار سے شاید شرفا کی صف میں شامل ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتی۔" میری نرمی سے فائدہ اٹھا کر وہ کڑوی کسیلی باتیں کرتی رہی۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ گفتگو ختم کرکے اخبار کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

"اخبار دیکھو گی تو تمہیں حیرت ہوگی کہ رستم بھی شرفا میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تم اس منصب کے لیے زیادہ بہتر امیدوار ہو۔"

میرا وہ مشورہ مضر ثابت ہوا۔ ویرا نے فوراً ہی اپنی گود میں اخبار پھیلالیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تم لوگوں میں شرافت کا کیا معیار مقرر ہے۔ رستم شریف تھا تو دنیا میں کوئی بھی رذیل نہیں ہوسکتا۔"

"ہماری اس رسم کا خیال رکھنا کہ ہم مرجانے والوں کو برا نہیں کہتے۔ وہ عمل کی قوت سے محروم ہوکر خود ہی مکافاتِ عمل کے گھیرے میں چلے جاتے ہیں۔"

اس نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور قدرے بے اعتباری سے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج تمہارے لب و لہجے سے عداوت کے بجائے دوستی کا اظہار ہورہا ہے۔"

"تو کیا ہم دوست نہیں ہیں۔" میں نے جمود ختم کرنے کے لیے وہ بے ساختہ سوال زبان پر آنے دیا۔

"دوست بھی اچھے اور برے ہوتے ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں۔"

وہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے متبادل مشغلے کے طور پر سگریٹ سلگالی۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ الفا نے اس کے ساتھ مجھے بھی صدف مینشن میں بلایا تھا جس کی نچلی منزل پر اس کا عارضی فیلڈ آفس قائم تھا۔ اول خان نے اپنی سہولت کے مطابق الفا کو ساڑھے بارہ بجے کا وقت دیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر صدف مینشن پہنچ سکے۔

اول خان نے اسٹیشن فور سے فون کیا تھا۔ اسے ملیر چھاؤنی سے صفورا گوٹھ اور ریس کورس کے راستے ہمارے گھر تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے تھا۔ میں فوراً ہی تیاری کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں غزالہ شاید میری ہی منتظر تھی۔

"کل سے وہ بہت اَپ سیٹ ہے۔" مجھے دیکھتے ہی غزالہ نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "ذہنی کرب کی حالت میں اس کی سوچ پر مایوسی مسلّط ہوجاتی ہے...."

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "وہ اپنی ان ہی حرکتوں سے تمہارے اوپر اپنی مظلومیت کا رعب گانٹھتی ہے۔ دو چار روز میں اس کا دماغ خود بخود درست ہوجائے گا۔ میرا وقت خراب مت کرو۔ اول خان مجھے لینے کے لیے اپنے دفتر سے چل پڑا ہے۔ مجھے تیار ہونا ہے۔"

"میری بات مانیں اور موقع محل دیکھ کر اس سے صلح کرلیں۔ زیادہ بے زار ہوگئی تو وہ کسی بھی دن چپکے سے دنیا کے کسی بے نام گوشے کی طرف نکل جائے گی۔"

مجھے غزالہ کو کوئی موزوں جواب دینے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وہ اپنی بات پوری کرتی ہوئی، تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اس وقت پوری طرح سنجیدہ تھی۔

غزالہ کی پچھلی گفتگو کے حوالے سے اس کی نئی سفارش میرے لیے بہت اہم تھی۔ میرے من کا چور اپنی جگہ پر تھا مگر یہ بات ایک اعزاز سے کم نہیں تھی کہ غزالہ کے سامنے میرا بھرم قائم تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھے جس راستے پر چلنے کا مشورہ دے رہی تھی وہ کسی وقت خود اسی کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ یہ میری اپنی محتاط روی تھی کہ میں نے ویرا کی وجہ سے غزالہ کو کبھی بھی نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے ہر حال میں وہی درجہ دیا تھا جس کی وہ حق دار تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان آپہنچا اور مجھے ساتھ لے کر نئی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

"صدف مینشن میں دونوں سے ملاقات ہوگی یا صرف الفا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے سامنا ہو گا؟" راستے میں میں نے پوچھا۔

"وہ میرے لیے نئی جگہ ہے۔ دونوں افراد بھی اجنبی ہیں۔ رات کو میں نے بسیرا میں آواز کی بنا پر الفا کو پہچانا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی پتا چلے گا کہ کون کون ملاقات کے لیے موجود ہے۔"

"ان سے مذاکرات کے لیے کیا پروٹوکول اپنانا ہو گا؟" سرکاری افسروں کے لیے مراتب کا لحاظ ضروری تھا۔

"میری بات مختلف ہے۔ تم میرے دوست ہو۔ جب تک وہ کوئی واضح تخاطب اختیار نہ کریں' انگریزی سے کام چلا لینا۔ اس زبان میں آپ اور تم کا فرق پتا ہی نہیں چلتا۔"

اجنبیت اور بے یقینی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ہم مقررہ وقت سے پہلے نشتر روڈ کے عقب میں واقع صدف مینشن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پتھروں سے بنی ہوئی اس تین منزلہ پرانی عمارت میں اپنے نازک نام کا کوئی بھی وصف موجود نہیں تھا۔ بادی النظر میں وہ کوئی آسیب زدہ عمارت نظر آتی تھی۔ اس کی اوپری منزلوں تک رسائی کے لیے باہر سے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اکلوتا چوبی دروازہ بند تھا جس پر کال بٹن قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

پتھروں سے بنے ہوئے تین زینے چڑھ کر ہم دروازے کے سامنے پہنچے اور اول خان نے کوئی متبادل نہ پا کر لوہے کا وزنی کنڈا بجا کر اپنی آمد کا اعلان کر دیا۔ ایک شخص شاید دروازے سے لگا بیٹھا تھا۔ اس نے احتیاط سے ذرا سا دروازہ کھول کر اشتباہ آمیز نظروں سے سرتاپا ہمارا جائزہ لیا۔

"چارلی.... ہم الفا سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے نیچی آواز میں کہا۔

پاس ورڈ سنتے ہی دروازہ مزید کھلا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ وہ کراچی کی ایک چمکیلی دوپہر تھی مگر اندر ہلکی سی تاریکی کا راج تھا جس میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے پر ہم ایک اونچے مگر قدرے مختصر ہال میں تھے جس میں سے چوبی زینے اوپر کی منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔

بظاہر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس عمارت میں ہم تینوں کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔

"ادھر سیدھے چلے جائیں۔ راستہ ایک دروازے پر ختم ہو گا۔ دستک دے کر اندر چلے جائیں۔" دربان نے مہذب انداز میں ہماری رہنمائی کی اور ہم چوبی زینوں سے متصل راہداری میں مڑ گئے۔ اس راہداری میں اس قدر اندھیرا تھا کہ ان کے وقت بھی رہنمائی کے لیے چھت سے لٹکے ہوئے دو بلب روشن تھے۔

عمارت کے گھسے ہوئے زینوں اور میلی سنگی دیواروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی زمانے میں اسے نہایت فراخ دلی سے استعمال کیا گیا ہو گا مگر اس وقت وہاں پر ہول ویرانی کا راج تھا۔ وہاں کا ماحول کسی بھی کمزور دل آدمی کو خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آواز خاصی گونج پیدا کر رہی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہمارے میزبان کو ہمارے پہنچنے کا پیشگی علم ہو گیا۔ ہم دستک دیے بغیر کھلے ہوئے دروازے سے اندر پہنچ گئے۔ دروازہ کھولنے والا کوئی خدمت گار تھا جو ہمارے پہنچتے ہی باہر نکل گیا۔

اس کمرے میں دفتر کی کوئی علامت نہیں تھی۔ فرش پر گرد آلود اور بوسیدہ قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے ساتھ سات نشستوں کی گنجائش والے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ان ہی کی مناسبت سے پانچ میزیں تھیں۔ شیشے کی ایک الماری میں مختلف ضخامت کی فائلیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کمرے میں کبھی کبھی لکھنے پڑھنے کا کام بھی ہوتا ہو گا۔

صوفوں پر پختہ عمر کے دو صحت مند افراد بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ ان چہروں کی جھلک میں پچھلی رات دیکھ چکا تھا۔ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر کفایت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیے۔ اس وقت پتا چلا کہ الفا نامی صاحب کا نام جلال اور دوسرے کا رحمان تھا۔ انہوں نے اپنے عہدوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم چند منٹ پہلے آ گئے۔" جلال نے کسی رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست بات شروع کر دی "ہم پنڈت کا سامنا کرنے سے پہلے کچھ وضاحتوں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔"

"اپنی معلومات کے مطابق ہم ہر وضاحت پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

جلال نے شفاف شیشوں کی عینک ناک پر ذرا نیچے سرکائی اور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں "تم ڈینی ہو۔ ماضی میں تمہارا نام بہت کثرت سے سننے میں آتا رہا ہے۔"

وہ محتاط انداز میں شاید میری ستائش تھی۔ میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جلال نے اپنی بات جاری رکھی "وہ تین کاغذ تم نے پنڈت کے محفوظ ریکارڈ سے اڑائے تھے۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم پنڈت کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے جبکہ عیاشیوں کے سوا اس کا ماضی بے داغ ہے۔"

تفتیش کے انداز میں کیا جانے والا وہ سوال بہت ٹیڑھا تھا مگر ان لوگوں نے ملک کے لیے پچھلی رات جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کے پیش نظر میں نے بڑی نرمی سے کہا "اس کے ماضی کے سارے سیاہ داغ اس کی عیاشیوں میں ہی پوشیدہ تھے۔ اس کے ملنے جلنے والوں میں مشکوک افراد شامل تھے جو سرکاری اہل کاروں کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر کے ناداستگی میں انہیں اپنا آلۂ کار بنا لیتے تھے۔ دھن راج جو حال ہی میں پکڑا گیا ہے' نہ صرف اس کا دوست تھا بلکہ اس کی بیٹی موہنی پنڈت کا بھی بوائے فرینڈ ہے۔ وہ خود ان سب باتوں کا اعتراف کرے گا۔"

"موہنی پنڈت شاید مقامی ماڈل گرل ہے۔ انڈین قوفلیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے میجر بخشی سے گہرے میل جول کی وجہ سے اس کا نام ہماری لسٹ پر موجود ہے۔" اس مرتبہ رحمان نے میری بات کی تائید کی۔

"حیرت ہے کہ موہنی کا باپ ہونے کے باوجود پنڈت منوہر لال ہماری نظروں سے بچا رہا!" جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس کے استفسار پر میں نے موسیٰ اور ملنگ کا ذکر کیے بغیر پنڈت کی سرگرمیوں کے بارے میں ہر بات ان کے سامنے اگل دی۔

اس کی مخصوص پارٹیوں میں غیر ملکیوں اور بعض صیہونی ایجنٹوں کی شرکت کا انکشاف ان دونوں کے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خفیہ اداروں کی مروجہ اخلاقیات کی وجہ سے اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میری معلومات کے ذرائع کیا تھے۔

"یہ سب جان لینے کے بعد تم اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے گھر سے کچھ کاغذات اڑا لانے میں کامیاب ہو گئے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا "ان ہی میں وہ تین کاغذ بھی شامل تھے۔"

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان سوال کر بیٹھا "ان کاغذوں کے بارے میں پنڈت خود کیا کہتا ہے؟"

"ابھی تک اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔" جلال نے کہا "پچھلی رات سے اسے بھوکا اور بیدار رکھا گیا ہے۔ اب تک اس کے اعصاب کمزور پڑ چکے ہوں گے۔ ہم تمہارے سامنے اس سے ملیں گے۔"

"وہ ڈھلتی ہوئی عمر کا آدمی ہے۔" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بھوک، پیاس اور بے خوابی کی کیفیات اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گی۔"

جلال ایک مرتبہ پھر میری طرف متوجہ ہو گیا "ان تینوں کاغذوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"تل ابیب میں موساد کے فون نمبروں کا معما حل ہو چکا ہے۔" میں نے کہا "دوسرا مطبوعہ سرٹیفکیٹ یہ ثابت کرتا ہے کہ پنڈت جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا رکن ہے اور یہ سوسائٹی پاکستان کی ذرا بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتی۔ تیسرے کاغذ پر ان لوگوں کا کوئی سائفر کوڈ ہو سکتا ہے۔"

"ظاہری امکانات یہی ہیں مگر الفانیومرک سسٹم پر مشتمل وہ کرپٹو گرافی بہت دشوار ہے۔ اس میں انگریزی کے ہر حرف کے دو ہندسے مخصوص ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زبان میں ایک چار حرفی لفظ آٹھ ہندسوں پر مشتمل ہو گا اور اسے اسی طرح ڈی کوڈ کیا جا سکے گا۔"

"دشوار نہیں، عملی طور پر ناممکن۔" رحمان نے اپنے ساتھی کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

ان کا خدمت گار ایک ٹرے میں چائے کی چار پیالیوں کے ساتھ کچھ میٹھے اور نمکین بسکٹ لے آیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں افسروں کو کام کے ساتھ مدارات کا بھی خیال ہے۔

چائے کا دور ختم کرتے ہی وہ دونوں اٹھ گئے۔ ہم نے ان کی تقلید کی۔

سیلن زدہ راہداری سے گزرتے ہوئے میں اس عمارت کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہ سکا۔ میں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "یہ عمارت باہر سے اندر تک خاصی ڈراؤنی اور ویران لگتی ہے...."

رحمان نے ہنس کر میری بات کاٹ دی "ان ہی خوبیوں کی وجہ سے یہ عمارت حاصل کی گئی ہے اور یہاں کا ماحول برقرار رکھا گیا ہے۔ بعض حصوں میں تمہیں چمگادڑیں بھی مل جائیں گی۔ یہاں صرف چار گن مین ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے چائے لانے والا بھی گن مین تھا۔ ہم آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"شاید یہ عمارت خطرناک مجرموں سے تفتیش کے لیے مخصوص ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہاں لائے جانے والے قیدیوں کا کافی مورال خود بخود ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ رات کو اندھیرے کمروں میں چمگادڑیں چیخیں مار کر پھڑپھڑاتی ہیں تو یہ ماحول اور ڈراؤنا ہو جاتا ہے۔"

صدف مینشن ان کے خاص خاص ملزموں سے تفتیش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک کمرا نچلی منزل پر تھا۔ اوپر کے کمرے کبھی کبھی ہی کام میں لائے جاتے تھے۔

وہ دونوں اسی راہداری کے ایک دروازے پر رکے۔ فوراً ہی وہ دروازہ خشک آہنی قبضوں کی پرشور آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اندر جاتے ہوئے ہم اس کمرے کے سامنے سے گزرے تھے تو وہاں ایسا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو۔ دروازہ کھلتے ہی گن مین نے اپنے افسروں کو سلام کیا اور اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اندرونی دروازے کا تالا کھولنے کے لیے بڑھ گیا۔

آہٹوں اور تالا کھلنے کی آوازوں پر اندر سے بڑبڑاہٹیں سنائی دینے لگیں۔ مقفل دروازہ کھلا تو وہ کمرا دو طاقت ور قمقموں کی تیز روشنی سے دمک رہا تھا۔ پنڈت منوہر لال کمرے کے وسط میں ایک چارپائی پر بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ کمرا خاصا بڑا لیکن سامان سے خالی تھا تاکہ قیدی مایوسی کے عالم میں اپنی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ایک گوشے میں اینٹوں سے بنی ہوئی کوٹھری تھی جو شاید باتھ روم کے طور پر قیدیوں کے لیے بعد میں بنائی گئی تھی۔

پنڈت نے ہم چاروں کو وحشت زدہ متورم آنکھوں سے دیکھا اور چارپائی سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا "تو اب پتا چلا کہ میں یہاں اکیلا نہیں ہوں، درندوں میں گھرا ہوا ہوں۔"

اس کی آواز کمزور تھی لیکن الفاظ بتا رہے تھے کہ اس کا دم خم باقی تھا۔

جلال بڑھ کر اس کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ چند ثانیوں تک اسے قہربار نظروں سے گھورنے کے بعد جلال نے اس کے بائیں رخسار پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ پنڈت کے حلق سے ایک غراہٹ آزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا "ہم درندے نہیں، تم سے بہتر انسان ہیں۔ اگر تم نے اپنی زبان کو لگام نہ دی تو ہم درندگی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہمارے قیدی ہو۔"

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر نفرت بھری آواز میں چیخا "میرے وکیل کو بلا دو۔ پھر دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"تم ٹھہرو۔ اسے میں دیکھتا ہوں۔" میں نے جلال سے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ اس کے سر پر بالوں کی قلت تھی مگر جو بال تھے وہ خاصے لمبے تھے تاکہ ان کے ذریعے کھوپڑی کے بنجر حصوں کو چھپایا جاسکے۔ میں نے جاتے ہی اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کے جبڑے پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور اس کے دہانے کے ایک گوشے سے خون کی ہلکی سی لکیر بہہ نکلی۔

پنڈت کے ہاتھ غیر ارادی طور پر ہونٹوں تک گئے۔ چپچپاہٹ محسوس کرکے اس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا اور چیخ پڑا "خون.... تم نے مجھے زخمی کیا ہے...."

وہ دیوانہ وار میری طرف لپکا تھا لیکن اسی جبڑے پر پڑنے والے دوسرے گھونسے نے اسے زمین بوس کردیا۔ اس کا وجود منحنی تھا مگر وہ حیرت ناک قوتِ برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا۔

"تمہارے تینوں کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ بتاؤ! تم ان کی کیا قیمت دے سکتے ہو؟"

میرے وہ فقرے اس کے ذہن پر بجلی بن کر گرے۔ وہ اپنی چوٹوں کو بھول کر میرا چہرہ دیکھنے لگا "اب تم مجھے بلیک میل کروگے۔ میرے کاغذ میرے ہی ہاتھ بیچو گے۔"

"خریدنا چاہو تو سودا بھی ہوسکتا ہے ورنہ وہ ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک تمہیں اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کی مزحمت کا ادراک کرتے ہی میں نے گفتگو کا رخ یکسر تبدیل کردیا تھا۔ شاید جلال اور رحمان اس تبدیلی پر بری طرح چونکے ہوں لیکن انہوں نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"لک.... کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں پولیس کی نہیں، تمہاری ذاتی تحویل میں ہوں؟" اس کی سرخ آنکھوں میں امید کی ایک نئی چمک عود کر آئی۔

"ہم میں سے کوئی اپنی وردی میں نہیں ہے اور تم لاک اپ میں بند نہیں ہو۔"

"اگر میں تم سے کوئی سودا نہ کروں تو تم میرا کیا بگاڑ لوگے؟" اپنی جبلت کے تحت وہ میری باتوں پر یقین کرنا چاہ رہا تھا مگر بے اعتباری میں مبتلا تھا۔

"تمہیں آزادی یا موت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔" میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا "تم بسیرا سے پکڑے گئے ہو۔ تمہاری گرفتاری دکھانی پڑے گی۔ تم سودا کرلیتے ہو تو وہ کاغذ تمہیں مل جائیں گے۔ تم سے نرم سلوک کیا جائے گا۔ تمہاری فائل بہت ہلکی بلکہ کمزور ہوجائے گی اور تمہارا وکیل تمہیں جلد ہی رہا کرالے گا۔ تم نے سودے سے انکار کیا تو وہ کاغذ تمہاری فائل میں جائیں گے۔ تم جانتے ہو کہ وہ تمہاری موت کے پروانے ہیں۔ غداری کی سزا ہر عدالت سے ایک ہی ملتی ہے اور وہ ہے سزائے موت!"

"مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔" وہ کراہا "تم نے مار مار کر میرے اوسان خطا کردیے ہیں۔ میرا دماغ کام نہیں کررہا۔ اپنا مطالبہ بتاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ایک دو روز میں کوئی فیصلہ کرلوں گا۔"

اس کی مکاری پر میں دل ہی دل میں ہنسا پھر سخت لہجے میں کہا "میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ تمہیں اسی وقت فیصلہ کرنا ہے کیونکہ آج شام تک تمہاری گرفتاری دکھانی ہے۔ وہ کاغذ ایک مرتبہ فائل میں چلے گئے تو انہیں واپس نہیں لیا جاسکے گا۔"

اس مکار بڈھے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکائیں، بائیں ہاتھ کی پشت سے دہانے سے رواں خون صاف کیا "مگر وہ کاغذ تمہارے پاس کہاں سے آگئے؟ بسیرا میں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تم مجھے چکما دے کر لوٹنا چاہ رہے ہو۔"

لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ مار کھانے اور بدحواس ہونے کے باوجود اس کی عقل پوری طرح کام کررہی تھی۔ کاغذ اس کے گھر سے چوری ہوئے تھے پھر وہ پولیس کے پاس کیسے آسکتے تھے۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور کہا "رستم ان ہی کاغذوں کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ تمہارے گھر سے وہ سارے کاغذ ملک ممتاز نے اڑائے تھے۔ وہ رستم سے ان کا سودا کررہا تھا مگر ممتاز بھی ٹیڑھا آدمی ہے۔ وہ کاغذوں سمیت ہمارے ہاتھ لگ گیا اور اب تم بھی ہمارے قبضے میں ہو۔"

میری زبان اس وقت مشینی انداز میں چلتی گئی اور کہانی خود بخود موزوں ہوگئی۔

"تم جھوٹے ہو۔ میں کاغذ دیکھے بغیر تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرسکتا۔" وہ جھنجھلا سے حیلہ سازی کررہا تھا لیکن اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ میں اپنے دل میں پشیمان تھا کہ میں نے پنڈت کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے میں اس قدر سنگین غلطی کیسے کی تھی۔

پنڈت کے اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ وہ اول خان کے ذریعے آئی بی والوں کی تحویل میں جاچکے تھا۔ میں نے باری باری رحمان اور جلال کی طرف دیکھا۔ جلال نے اپنی جیب سے ایک خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔" اول خان نے مجھے لقمہ دیا "پنڈت ان کاغذوں کو ضائع کرنے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

میں نے لفافہ کھول کر وہ تینوں کاغذ نکالے اور فضا میں لہرا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دور سے پنڈت کو دکھائے۔ اول خان کی واضح وارننگ کے باوجود وہ حریصانہ انداز میں میری طرف لپکا اور رحمان نے پل بھر میں اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا "رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

پنڈت منوہر لال جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس کی نگاہیں کاغذوں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

میں نے چند قدم پیچھے ہٹ کر وہ کاغذ اپنے سامنے کرلیے "موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر جو تل ابیب کے ہی ہوسکتے ہیں، جس کی تاحیات رکنیت کا تصدیق نامہ اور تمہاری کرپٹو گرافی کا کوڈ چارٹ.... پاکستان میں یہ تین کاغذ تمہاری سزائے موت کے لیے کافی ہوں گے۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" اس کی آواز پر پہلی مرتبہ شکست کے آثار غالب ہونے لگے "تمہارا ہوم ورک مکمل ہے۔ بتاؤ، ان کاغذوں کی کیا قیمت مانگتے ہو؟"

میں نے وہ تینوں کاغذ موڑ کر اطمینان سے لفافے میں ڈالے اور لفافہ جلال کو لوٹا دیا۔

"میں کچھ نہیں مانگتا۔ تمہاری بولی وہاں سے شروع ہوگی جہاں ملک ممتاز نے چھوڑی تھی۔ تین کاغذوں کے تین کروڑ سے آگے کی بات کرو۔" ذہنی طور پر اسے پوری طرح زیر کرنے کے بعد میں نے کہا۔

میری زبان سے تین کروڑ کے ذکر نے اسے پوری طرح قائل کردیا ہوگا کہ ملک ممتاز واقعی ہمارے قبضے میں آگیا ہوگا کیونکہ میں نے ملک ممتاز کے روپ میں رستم سے تین کروڑ کا ہی مطالبہ کیا تھا۔

"اتنی تو میری جمع پونجی بھی نہیں ہوگی۔" پنڈت نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ملک ممتاز نے تمہاری تجوری دیکھ لینے کے بعد ہی منہ کھولا تھا۔" میں نے جواب دیا "وہ ذرا بھی سیانا ہوتا تو کاغذ چھوڑ کر تمہاری تجوری سے اس سے زیادہ رقم اور زیورات لے جاسکتا تھا۔"

"بس پھر بات تین کروڑ پر ہی ختم کردو۔" پنڈت کسی حیل حجت کے بغیر آمادہ ہوگیا۔

میں اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال کر ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے پہنچ گیا "تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہ کاغذ تمہارے ہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے کاغذ خوب پہچانتا ہوں۔" وہ یک بیک پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

میری ذرا سی چال بازی کے نتیجے میں وہ سب کچھ نہیں تو بہت کچھ اگل بیٹھا تھا۔ کاغذ اسی کے تھے، بہت اہم تھے اور اس نے ان کے بارے میں میری رائے کو چیلنج نہیں کیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکالے اور اس کے چہرے کو اچانک مکوں پر رکھ لیا۔ کمرا اس کی چیخوں سے لرزنے لگا۔

وہ کمرے کے فرش پر ایک ہی جگہ کھڑا ہوا، کسی شرابی کی طرح جھومتا اور اپنے چہرے کو میرے طوفانی مکوں سے بچانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ آخر کار تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

اس کے گرتے تک سب خاموش کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس کے گرتے ہی جلال قریب آکر محبت آمیز نرمی سے مجھے اپنے پہلو میں لے کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔

جاتے جاتے میں نے حقارت سے پنڈت پر تھوک دیا "حرام زادہ.... سور کا بچہ.... ہر شخص کو اپنی طرح کوڑیوں کا غلام اور بکاؤ مال سمجھتا ہے۔"

پنڈت کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی، اس کے کئی دانت ٹوٹ چکے تھے، چہرہ جگہ جگہ سے کٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر میرے دل میں گویا ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

"میں حیران رہ گیا تھا کہ ڈینی نے اس کے ساتھ کاغذوں کی سودے بازی کا کیا چکر شروع کردیا ہے۔" پنڈت کے کمرے سے نکلتے ہی رحمان نے ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی سے بولنا شروع کردیا "بعد میں متن کھلا کہ اس طرح اس سے اعترافات کروائے گئے ہیں۔"

جلال نے مجھے بدستور اپنے پہلو میں لیا ہوا تھا۔ اس نے میرے بدن پر دباؤ بڑھاتے ہوئے پوچھا "یہ ملک ممتاز کون ہے؟ تم اس کا ذکر نہ کرتے تو پنڈت ہرگز قابو میں نہ آتا۔"

"تم کل رات الفا تھے، آج جلال ہو، کل نہ جانے کیا بن جاؤ۔ اسی طرح کاغذ چراتے ہوئے میں ڈینی تھا اور رستم کے گھر میں پنڈت کی روپوشی کا سراغ لگاتے ہوئے ملک ممتاز بن گیا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"رستم ان کاغذوں کے تین کروڑ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"آمادہ نہیں ہوا تھا، مطالبہ سن کر حیران ہوا تھا۔ بات آگے بڑھتی تو آمادہ بھی ہوجاتا۔ تم نے دیکھا کہ پنڈت کتنی آسانی سے اس سودے کے لیے تیار ہوگیا۔"

"اور تم نے وہ موقع ٹھکرا دیا۔" رحمان نے رشک آمیز لہجے میں کہا "کاش! اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والوں کو یہ معلوم ہوسکے کہ تم جیسے ایک عام پاکستانی نے وطن کی محبت کے لیے کتنی بڑی دولت کو لات ماری ہے۔ صاف اور سچے ضمیر کے بغیر ایسے فیصلے نہیں کیے جاسکتے۔"

پنڈت منوہر لال سے پوچھ گچھ کے دوران میں رونما ہونے والے ڈرامائی موڑ کے نتیجے میں ہمارے اور آئی بی والوں کے درمیان حائل تکلف کی دیوار یکایک ہی گر گئی اور ہمارے درمیان خوشگوار گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں وہ دونوں کسی بخل یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کفایت کے بغیر ہمارے کردار کو سراہ رہے تھے۔

دفتر کے طور پر استعمال ہونے والے کمرے میں واپس پہنچ کر جلال نے کہا "پنڈت کے بارے میں میرے اندازے بالکل غلط ثابت ہوئے۔ وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سخت جان اور ضدی ہے۔"

"گلو خلاصی کے لیے بدحواسی کا عذر پیش کرتا رہا' جوں ہی ڈینی نے ان کاغذات کے حوالے سے بات گھمائی اور اسے یقین ہو گیا کہ وقت نہیں مل سکے گا تو اس کی حاضر دماغی قابلِ رشک تھی۔" اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے پاس کاغذوں کی موجودگی پر شبہ ظاہر کر کے اس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔"

"اس میں کوئی نہ کوئی وصف ہے جو ایک بین الاقوامی صیہونی تنظیم نے اسے اپنا تاحیات رکن بنایا ہوا ہے۔" میں نے انہیں یاد دلایا "متعصب یہودی اپنی صفوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کم ہی شامل کرتے ہیں۔"

"آج تم نے ثابت کر دیا کہ میں نے تم دونوں کو بلا کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "ہمیں ان تینوں کاغذوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ تم اندر کی کہانیوں کا حوالہ نہ دیتے تو شاید وہ ان کاغذوں سے اپنا تعلق تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیتا۔"

"ابھی ہم نے صرف ایک مرحلہ سر کیا ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کا اعتراف کرایا ہے مگر ہم اب بھی ایک بند گلی میں ہیں۔" میں نے کہا "ہمیں اگلوانا ہو گا کہ یہاں اس کے کیا روابط ہیں۔"

"ملک سے باہر بھی وہ معلومات فراہم کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو جواب دہ ہو گا۔" رحمان نے کہا۔

"یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے پاس موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر کیوں تھے۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر پر خیال لہجے میں کہا "پاکستان سے وہ نمبر ملائے نہیں جا سکتے۔"

"پنڈت کثرت سے بیرون ملک جاتا آتا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خفیہ طور پر' کسی فرضی پاسپورٹ کے سہارے اسرائیل کا سفر بھی کیا ہو۔" اول خان نے شبے کا اظہار کیا۔

"میں ڈینی کی رائے سے متفق ہوں۔" جلال نے کہا "اس بند گلی سے نکلنے کے لیے ابھی ہم کو پنڈت پر خاصی محنت کرنی پڑے گی۔ یہ کام کراچی میں رہ کر بہتر طور پر آگے بڑھ سکتا ہے۔"

"اسلام آباد میں لوگ پنڈت کے منتظر ہیں۔ ہم اسے کب تک یہاں روک سکیں گے؟" رحمان نے پوچھا۔

جلال نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھوئیں کے دائرے فضا میں بکھیرے اور کہا "میں بات کروں گا۔ اگر ہم اسے یہاں روکے رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ان دونوں کو بھی ہیڈ کوارٹرز بلانا پڑے گا۔"

فیروپائرین (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1956

T.M. Reg. 7635

فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کر دیتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کر دیتی ہے۔
فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کر کے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کر کے ورم اور سوزش اتارتا ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کر کے مسوڑوں کو مظبوط اور سخت بناتی ہے۔
فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا بنانے کا سبب بنتے ہیں۔
فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کر کے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔
فیروپائرین جراثیم کش ہے زخموں پر لگائی جا سکتی ہے۔

Packing
10 ml Rs. 12.00.
25 ml Rs. 24.00

ہر اچھے گھر کی ضرورت

تیار کردہ فیر لیبارٹریز O/1084، غازی روڈ، راولپنڈی۔ فون (051-451631)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں علم ہے کہ میں اپنے ڈسپلن کا پابند ہوں۔" اول خان نے مسکرا کر کہا "اوپر کی اجازت کے بغیر اپنا اسٹیشن نہیں چھوڑ سکوں گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" جلال نے بے پروائی سے جواب دیا "تمہارے چیف کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم اور ڈینی' آئی بی کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہو۔ عام طور پر ہم دوسری ایجنسیوں سے دور اور الگ تھلگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں لیکن پنڈت بنیادی طور پر تمہارا کیس ہے۔"

"ہم تمہارا بچہ تم سے چھیننا نہیں چاہتے۔" رحمان کے اس فقرے پر فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"پنڈت ہم میں سے کسی کا نہیں' سور کا اور وہ بھی ناجائز بچہ ہے۔" قہقہے تھمنے پر میں نے تلخی سے کہا "اس سے معلومات نچوڑنے کے بعد ہمیں جلد از جلد اسے اس کے انجام کو پہنچا دینا چاہیے۔"

جلال کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی "ہم اس کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمارے ملزموں کو عدالتیں ان کے انجام تک پہنچاتی ہیں۔ جو کام چل پڑا ہے' اس میں رکاوٹ نہیں آئے گی۔ اسے بہت جلد قانون کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کارروائی کا انحصار ہماری تفتیش پر ہے۔"

"ہم اعتماد کی فضا میں مل بیٹھ کر قانون کی باتیں کر رہے ہیں تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس وقت ڈینی کی پوزیشن کیا ہے" سکوت کا وقفہ آتے ہی اول خان نے ایک اہم سوال اٹھا دیا۔

"ہمارے ریکارڈ پر ڈینی ایک مفروضہ آسیب کا نام ہے جو کہیں نہیں پایا جاتا۔"

"لیکن کچھ عرصے پہلے آئی بی کو بھی اس کی تلاش رہی ہے۔" اول خان نے ماضی کا حوالہ دیا۔

"آئی بی ایک آئینی ادارہ ہے۔ کچھ دوستوں کی خوشنودی کے لیے ان کی شکایات پر کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کی حیثیت ریکارڈ تک محدود رہتی ہے۔ فیلڈ میں کام کیا جاتا تو ان کی اشتہاری مہمات کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکل سکتا تھا جو نہیں نکلا اور تم دونوں یہاں موجود ہو۔" جلال نے جواب دیا۔

"میں سمجھ گیا۔" جلال نے بین السطور جو کچھ کہا' وہ بہت واضح اور اطمینان بخش تھا۔

"لیکن میرا ایک مشورہ ہے۔" جلال نے مجھ سے کہا "وہ جب بھی سرگرم ہوں' تمہیں روپوش ہو جانا چاہیے' وطن دوست قوتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ یہ پالیسی اپنے نفاذ کی ایک خاص سطح پر جا کر فائلوں میں غائب ہو جاتی ہے۔ پالیسی سب سے نچلی سطح تک نہیں پہنچائی جا سکتی۔ بے خبری' غیر ضروری کارکردگی دکھانے کے شوق یا انعام کے لالچ میں اس سطح کا کوئی بھی اہل کار تمہیں گزند پہنچا سکتا ہے۔"

وہ کھل کر براہِ راست کوئی بات نہیں کہہ رہا تھا لیکن اس کا پیغام جواب میں پنہاں تھا۔ اپنے عہدے کی ذمے داریوں کی بنا پر وہ ایک خاص حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے آنکھ سے اشارہ کر کے اول خان کو وہ موضوع وہیں ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔

صدف مینشن کے اس کمرے میں چائے کا ایک الوداعی دور چلا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ واپسی پر جلال اور رحمان نے صدر دروازے سے ہمیں رخصت کیا تھا۔

راستے میں مجھے خیال آیا کہ ہم نے ان دونوں کو دھن راج کے بارے میں خصوصی توجہ کا احساس نہیں دلایا تھا۔ وہ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے چکر میں پکڑا گیا تھا لیکن کئی سازشی حوالوں سے اس کے ہاتھ پیر کافی دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

اول خان کی رائے بہت مختلف تھی۔ اس کی دانست میں جلال اور رحمان آئی بی کے سینئر اور تجربے کار افسران تھے اور سیکڑوں فقروں میں سے کام کی بات چن لینے کی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے پنڈت اور اس کی بیٹی موہنی کے حوالے سے دھن راج کا نام سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ اس معاملے میں کارآمد ثابت ہو سکے گا۔

گھر پر سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں چوکی داری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن آن کر کے اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ دونوں عورتیں قرب و جوار کے بازاروں کا جائزہ لینے کے ارادے سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔

غزالہ پر اس روز ویرا سے ہمدردی کا جو شدید دورہ پڑا ہوا تھا' اس کی بنا پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ غزالہ اسے دل بہلانے کے لیے ساتھ لے کر گھر سے نکلی ہوگی۔

"دونوں عورتوں کے بغیر گھر ویران اور خالی خالی سا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر صدف مینشن سے کم۔" اول خان دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ مجھ سے پوچھو۔ پچھلی رات میں نے خالی گھر میں گزاری تھی۔ بیوی بچوں کے بغیر در و دیوار کھانے کو آ رہے تھے۔"

ہمیں گھر پہنچتے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ دونوں واپس آ گئیں۔

سلطان شاہ پنڈت کے کاغذوں کے بارے میں پہلے ہی میرا ہم خیال ہو چکا تھا۔ اس کے لیے صدف مینشن کی کہانی میں کوئی سنسنی نہیں تھی لیکن جب اول خان نے اس بارے میں ویرا کو بتایا تو وہ متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ ابتدا سے میرے قائم کردہ نظریے سے متفق نہیں تھی۔

"اب آئی بی والے خود ہی اس سے نمٹتے رہیں گے۔" یہ قصہ اب ختم ہی سمجھو۔ وہ بولی۔

"ختم کہاں؟ اصل سلسلہ تو اب شروع ہوگا۔ وہ کن ڈوریوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو ہلا رہا تھا۔ ان کے سروں پر کون سے مہرے موجود تھے اور وہ خود کس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا؟" اول خان نے کہا۔

"سلسلہ تو ضرور چلے گا مگر اس سے تمہیں کیا لینا ہے۔ ملزم ثبوت سمیت آئی بی والوں کے پاس ہے۔"

"پنڈت بہت سخت جان ہے۔ وہ اس سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکتے تھے۔ ڈینی نے اپنے کرتب سے اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ پھنس چکا ہے۔"

"کوئی مجرم کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو' تھرڈ ڈگری کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تم دونوں اپنے کرتب نہ دکھاتے تو وہ دو چار دن بعد بولنے پر مجبور ہو جاتا۔" ویرا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"تم رابن مائر کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہیں؟" غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ویرا نے اپنے تبصرے کے ذریعے میری کارکردگی گھٹانے کی کوشش کی تھی۔

وہ ویرا کا ذاتی ردعمل تھا۔ اسے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میرے لیے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔

"یہ رابن مائر کا کیا قصہ ہے؟" اول خان نے پوچھا اور ویرا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔

"صبح تم بہت باریک بینی سے اخبار چاٹ رہے تھے۔" سگریٹ سلگا کر اس نے طنزیہ لہجے میں مجھ سے پوچھا "اس کا نام تو تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہو گا؟"

"میں اس نام کی اہمیت سے لاعلم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے نظرانداز کر دیا ہو۔"

"وہ امریکی وزارتِ خارجہ میں مشرقِ وسطیٰ کے معاملات کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔" اس بار وہ اول خان سے مخاطب ہو گئی "کل وہ چند روز کے دورے پر اسلام آباد جانے کے لیے کراچی پہنچا ہے۔"

"ایسے ماہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے آنے میں کیا خاص بات ہے؟"

"وہ یروشلم کا بہت متعصب یہودی ہے۔ اس کا خاندان دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکا میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ آج بھی اسرائیلی مفادات کا بہت بڑا علم بردار سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" اول خان نے تعریف کی "اس وقت اس کی کراچی میں موجودگی واقعی معنی خیز ہے۔ براہِ راست اسلام آباد جانے کے بجائے وہ یہاں کیوں رکا ہے؟"

"بس۔" میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہی تھی۔ پنڈت منوہر لال کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس سے رابطہ ٹوٹ جانے پر موساد اور "جس" والوں کو تشویش ہے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوئی اسرائیلی اہل کار پاکستان کا رخ نہیں کر سکتا۔ یہ ذمے داری شاید رابن نے اپنے سر لے لی ہے۔"

"اس کی سرگرمیوں پر صرف نظر ہی رکھی جا سکتی ہے۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "سفارتی مراعات کی آڑ میں کی جانے والی بدمعاشیوں کا کوئی سدباب نہیں کیا جا سکتا۔"

"جب تم میجر بخشی کے کرتوتوں سے واقف ہوتے ہوئے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو رابن ایک بڑی طاقت کا نمائندہ ہے۔ بے بسی سے تماشا دیکھتے رہو۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔"

"وہ میجر بخشی کی طرح یہاں ٹکا نہیں رہے گا۔ خاموشی سے حالات کا جائزہ لے کر واپس چلا جائے گا۔" میں ویرا کی سرد مہری پر خاموش نہیں رہ سکا۔ اس سے ہمیں ویسے بھی کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ اگر اس کا قیام طول پکڑتا ہے تو پھر ہمیں اس کو دیکھنا پڑے گا۔"

"تم اسے اتنی آسانی سے نہیں دیکھ پاؤ گے۔" ویرا نے مضحکہ اڑایا "امریکا نے اس علاقے کو اپنے شہریوں کے لیے مخدوش قرار دے کر انہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ سخت حفاظتی بندوبست کے بغیر کہیں بھی نہیں جائے گا۔"

پھر تو اس کی آمد کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات پکڑلی "گھر اور دفاتر کی چار دیواروں میں محدود رہ کر وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔"

"اس کی یہ مجبوری ہمیں کوئی نہ کوئی موقع فراہم کر سکتی ہے۔" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ ہمارے معاملات میں بہت کم دخل انداز ہوتی تھی مگر جب بھی بولتی تھی' دور کی کوڑی لاتی تھی۔

سب کی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اگر اس کے عزائم نیک نہیں ہیں تو خفیہ طور پر باہر نکلنا اس کی مجبوری ہے۔ ہماری انتظامیہ اس کے تحفظ کی کوئی ذمے داری ہی نہ لے۔ اپنی حکومت کی ہدایات کے برعکس وہ شہر کی خاک چھانتا ہے اور کسی برے انجام سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے لیے کسی کو بھی ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔"

"گڈ! یہ تجویز قابلِ عمل ہے۔" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا "ہمیں اس کی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کرنی ہو گی۔ مقررہ پروگرام یا راستے سے انحراف کرتے ہی وہ ہمارے نشانے پر ہو گا۔"

"اس کے خلاف کسی بھی کامیابی پر مجھے دلی مسرت ہو گی۔ امریکا میں' میں نے اس کی وجہ سے دو راتیں ایک حوالات میں گزاری تھی۔" ویرا نے تلخ لہجے میں انکشاف کیا۔

"شاید اسی وجہ سے تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اس نے تمہیں حوالات میں کیوں پہنچا دیا تھا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ اس وقت بھی کسی اہم عہدے پر تھا۔ ایک پارٹی میں اس نے مدہوشی کے عالم میں مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو میں نے اس کی ٹائی پکڑ کر دو تھپڑوں سے نواز دیا تھا۔ بھری پارٹی میں اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے اس نے مجھے بند کرا دیا۔"

"اپنی بے گناہی کے باوجود تم نے خاموشی سے دو دن کی قید سہ لی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بے گناہ تھی اسی لیے دو دن بعد آزاد ہو گئی۔ اس سے آگے اس کا رسوخ کام نہیں آسکا۔"

"حیرت ہے کہ امریکا میں بھی ذاتی اثر و رسوخ کے سہارے اس طرح شخصی آزادیاں تباہ کی جاتی ہیں۔" سلطان شاہ اونچی آواز میں بڑبڑایا "سنا تو یہ ہے کہ امریکا آزادیوں کی جنت ہے۔"

"امریکا میں بھی انسان ہی رہتے ہیں۔ انسان جہاں بھی رہے گا' وہاں خرابیاں ضرور پیدا ہوں گی۔ یہاں یہ خرابیاں بہت زیادہ ہیں' امریکا میں بہت کم۔" ویرا نے وضاحت کر کے بات وہیں ختم کر دی۔

وہ لوگ اپنی باتیں کرتے رہے اور میرا ذہن واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں الجھا رہا۔ میں ان کی ہر بات سن رہا تھا لیکن ذہنی طور پر ان کے ساتھ نہیں تھا۔

پنڈت منوہر لال' موساد اور رابن مائر۔ وہ ایک خطرناک مثلث تھی جو مسلسل میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ اگر رابن کا پاکستان کا دورہ پنڈت کے بارے میں تھا تو وہ خطرات سے اپنا دامن بچا کر کیا قدم اٹھا سکتا تھا اور کہاں جا سکتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں موہنی پنڈت کا نام ایک کوندے کی طرح لپکا۔ رابن کو اسی سے پنڈت کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ ویرا نے اس کی آمد کی خبر اخبار میں پڑھی تھی جس کا مطلب تھا کہ رابن شہر میں ایک رات گزار چکا تھا اور شاید موہنی سے ابتدائی رابطہ بھی کر چکا ہو۔ بیان قلم بند کرنے کے بعد پولیس نے موہنی کو رہا کر دیا تھا۔

"کیا تم پنڈت کے گھریلو فون پر فوری طور پر آبزرویشن لگوا سکتے ہو؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"پنڈت کے پکڑے جانے کے بعد بھی تم اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"رابن اس کی بیٹی سے رابطہ کر سکتا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"بندوبست ہو جائے گا لیکن فون کی نگرانی شروع ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"جتنا بھی وقت لگے' یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔ موہنی کی حرکت اور رابن کی نقل و حرکت اور رابطوں پر نگاہ رکھ کر ہم جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔"

"پھر مجھے جانا ہو گا۔" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "فون کے مقابلے میں میرا جانا زیادہ موثر رہے گا۔"

"بس جاؤ اور رابطے میں رہنا۔" میں نے اسے فوراً ہی رخصت کر دیا۔

○☆○

شام تک اول خان اپنے مورچوں پر تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ رابن مائر نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اور اپنے مقامی قونصل خانے کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو سادہ پوش اہل کار اس کی نگرانی پر مامور کر دیے گئے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس رابن مائر کو شناخت کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کا صرف سفید فام ہونا کسی دھوکے کا سبب بھی بن سکتا تھا۔

میں نے اس کے بارے میں ویرا سے استفسار کیا تو وہ بھی رابن کی کوئی خاص شناخت نہیں بتا سکی۔ وہ بہت عام سے چہرے مہرے کا مالک تھا۔ گوروں کی بھیڑ میں اسے الگ پہچاننا مشکل تھا۔ کامیابی کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود اول خان نے اپنا کام پورا کر دیا تھا۔

اسی طرح پنڈت منوہر لال کے گھر پر موجود ٹیلی فون لائنیں نگرانی میں آگئی تھیں۔ اپنے باپ کی طویل روپوشی اور دھن راج کی گرفتاری سے خوف زدہ ہو کر موہنی اپنے گھر میں ہی محصور تھی اور وقفے وقفے سے مختلف لوگوں کو فون کر رہی تھی۔

اول خان نے متعلقہ ٹیلی فون ایکسچینج میں اپنا آدمی بٹھا دیا تھا جو

بذریعہ ڈاک خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں

انگلش لینگویج کورس | ایئر ہوسٹس فلیٹ اسٹیوارڈ | بیوٹی پارلر کورس
بوتیک فیشن | آٹو سروسنگ | ڈرافٹسمین | ایئر کنڈیشنگ | ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ
ریڈیو ٹی وی سی آر مکینکس | الیکٹریشن | ڈریسنگ ٹیچنگ | اسکول ٹیچنگ میتھڈ
انٹیریئر ڈیکوریشن | فوٹوگرافی | صحافت | امپورٹ ایکسپورٹ | شیشی توانائی
سلنگ بیوٹی | کمپیوٹر | حکمت کورس | کوکنگ بیکنگ | موٹر سائیکل مرمت
آئل پینٹنگ | میڈیکل ایڈ | ڈینٹل ٹیکنیشن | لیڈیز ٹیلرنگ
ایئر لیکچر شپ ڈرائیور (جدید تربیت) | پبلک ریلیشنز آفیسر | نیوز ریڈر | مہ سازی | فلاور بیکنگ

یہ تمام کورسز اردو میں سیکڑوں تصاویر اور ڈایاگرام کے ساتھ پرنٹیڈ کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک طلبہ کے اولیوں کو گھر پر کراتے ہیں۔ کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی مکمل راہنمائی ایک وقت میں ایک کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ جوابی لفافہ کیساتھ خط لکھیں۔

اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس 1237
جی پی او۔ اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریکارڈ ہونے والی کالز کو ساتھ ساتھ مانیٹر کرتا جارہا تھا۔ اول خان نے اہم نکات کے بارے میں اسے خود بریفنگ دی تھی۔ اسے توقع تھی کہ کسی بھی جانب سے کوئی اہم پیغام ریکارڈ ہوتے ہی اس کا آدمی اسے اطلاع دے دے گا۔

وہ خود اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس کی دانست میں یہ بات کافی اہم تھی کہ رابن نے اسلام آباد کے لیے اپنی روانگی کو التوا میں ڈال دیا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے کراچی میں رک کر کوئی اہم کام نمٹانے کا ارادہ کرلیا ہو۔

وہ خبریں دینے کے بعد ہی اول خان کا پھر فون آیا۔ میں نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا۔

"ابھی ایرپٹس پر جلال نے رابطہ کیا تھا۔ ہم بالکل صحیح ٹریک پر چل رہے ہیں۔" اس کی آواز میں جوش اور ہیجان کی کیفیات نمایاں تھیں۔

"کیا وہ پنڈت سے کچھ اور اگلوانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کاغذوں کے بھید کھل جانے کے بعد اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ دونوں دوبارہ اس کے کمرے میں گئے تھے۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر ہر سوال کا جواب دیا۔ اس بار یرس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ اپنی جمع کی ہوئی ساری اطلاعات ہندسوں والے کوڈ میں یک جا کرکے رابن مائر کو فیکس کرتا رہا ہے۔ امریکا سے وہ مواد' تل ابیب منتقل کرنے کی ذمے داری رابن کی ہوتی تھی۔"

"اسے بھی اسی ذریعے سے ہدایات ملتی ہوں گی؟"

"یوں سمجھ لو کہ واشنگٹن میں رابن کا دفتر' پنڈت اور موساد کے درمیان پوسٹ آفس کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ ویرا نے آج بالکل صحیح خبر کی نشان دہی کی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ مردود اسلام آباد جانے کے بجائے یہیں بیٹھا ہوا ہے۔"

"یہ غیبی اشارے ہیں۔" سی ایس ڈی آن ہونے کی وجہ سے میں نے بے فکری سے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس کی موت ہی اسے امریکا سے کھینچ کر یہاں لائی ہو۔"

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ رابن کے بارے میں پنڈت کا وہ بروقت اعتراف اس کی موت کا وارنٹ بننے والا تھا۔ اس کی کوئی بھی لغزش ہمارے لیے کامیابی کا سبب بن سکتی تھی۔

"میں تمہاری اس نیک خواہش کے لیے بس دعا ہی کرسکتا ہوں۔"

"بس وہیں جمے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی اچھی خبر بھی آئے گی۔ پنڈت اس قدر مایوس ہوگیا ہے تو اس نے اپنے مقامی ذرائع کی بھی نشاندہی کردی ہوگی۔"

"صرف تین آدمی اس کے لیے معاوضے پر کام کرتے ہیں۔ بقیہ معلومات وہ گہری دوستیوں کے ذریعے حاصل کرتا رہا ہے۔ اس بارے میں اس کے گھر پر منعقد ہونے والی پرتعیش محفلیں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔"

"یہ سب گھر کے معاملات ہیں۔ انہیں بعد میں بھی سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ صرف اور صرف رابن پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ وہ اپنا نامعلوم مشن پورا کرتے ہی یہاں سے بھاگ نکلے گا۔"

"کل رستم کا صفایا ہوا' آج کس کی باری ہے۔" سلطان شاہ نے خواب گاہ کے دروازے پر رک کر پوچھا۔

"وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن قرائن رابن مائر کی نشان دہی کررہے ہیں۔" فون بند کرنے کے بعد میں نے اسے اندر بلاتے ہوئے کہا "وہ کراچی اور تل ابیب کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتا تھا۔"

"اب میں گھر پر نہیں رکوں گا۔" اس نے کرسی سنبھال کر شکایتی لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ یہ ہماری توقعات ہیں۔ ضرورت پڑی تو تم ہی سے کام لیا جائے گا۔"

وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' میں مسہری پر نیم دراز تھا کہ ویرا بھی کھلے ہوئے دروازے پر آگئی۔ وہ بس لمحے بھر کے لیے وہاں رکی اور کچھ کہے بغیر آگے' اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کل سے کچھ تھڑکی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔ روٹھنا اور خود ہی من جانا اس کی عادت میں شامل ہے۔"

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ قصہ کیا ہے۔" ویرا کے بارے میں وہ بھی تجسس میں مبتلا رہتا تھا۔

"اس کے خوش یا ناراض ہونے کے لیے کسی قصے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔"

وہ سرہلا کر احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ہنستے ہنستے وہ رکا اور پھر سوال کر بیٹھا "رستم کی موت کے بارے میں تمہارے کیا جذبات ہیں؟ کیا وہ واقعی پنڈت کے ساتھ موساد کے لیے کام کررہا تھا؟"

"ایک قاتل اور مجرم کی موت کے بارے میں کسی کے کیا خیالات ہوسکتے ہیں؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کرڈالا پھر کہا "موت بھی ایسی جو حرام موت ہو۔ اسے کسی نے نہیں مارا۔ میرا خیال ہے کہ وہ موساد والے چکر میں ملوث نہیں تھا۔ اس نے اپنی آن بچانے اور پنڈت سے دوستی نبھانے کی خاطر ایک غلط فیصلہ کیا۔ وہ گرفتاری دے دیتا تو شاید معاملہ سزا سے آگے نہ بڑھ پاتا۔ اس کے حق میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ پنڈت کا ساتھی نہیں تھا تو اس نے تم سے وہ کاغذ حاصل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اسے علم تھا کہ وہ کاغذ کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کی واپسی کے لیے بے چین تھا۔"

"اس کا قصہ ختم ہوگیا۔ اس کا زندہ ہونا ناممکنات میں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ویسے تمہاری دلیل وزنی ہے۔ اس بارے میں کسی وقت پنڈت ہی کو ٹٹولنا پڑے گا۔ کس بل نکل جانے کے بعد وہ ہر بات بتاتا جارہا ہے۔"

"اس کا نام شاید اس وجہ سے میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے لاڈلے نواسے کو بھی مرنا پڑا۔ وہ اکیلا مرا ہوتا تو مجھے بھول کر بھی اس کا نام یاد نہ آتا۔"

"اب میں تمہاری زبان سے یہ تذکرہ نہ سنوں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"اس نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہیں کمرے میں جما رہا۔ اسے بھی اول خان کی طرف سے کسی مثبت اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

ہمارا وہ انتظار طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا لیکن اول خان کی طرف سے کوئی نیا پیغام نہیں ملا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے واقعات برق رفتاری سے آگے بڑھتے بڑھتے اچانک ایک مقام پر ٹھہر گئے ہوں۔

آٹھ بجے کے قریب کال بیل چیخ اٹھی۔ سلطان شاہ کمرے سے نکل کر تقریباً دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں بھی بستر چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ گھنٹی کی ناوقت آواز نے مجھے پریشان کردیا تھا کیونکہ وہاں ہمارے کسی ملاقاتی کی آمد متوقع نہیں تھی۔ اس گھر کا فون نمبر جہانگیر کے پاس تھا' پتا اسے بھی معلوم نہیں تھا پھر وہ اس کی فارمیسی بند ہونے کا وقت تھا۔ دکان بند کرکے وہ اتنی جلد گلشن اقبال نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ بس ذرا سی دیر کی تشویش تھی۔ چند منٹ بعد ہی غیر متوقع طور پر اول خان اندر آگیا۔

"موہنی کی ایک بہت اہم کال ریکارڈ ہوئی ہے۔ میں فون پر پیغام دینے کے بجائے ایکسچینج سے ٹیپ لیتا ہوا سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ ذرا اپنا کیسٹ پلیئر منگوالو۔" اس نے آتے ہی کہا۔

گھنٹی کی آواز پر ویرا اور غزالہ بھی لابی میں آموجود ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ لپک کر ویرا کے کمرے میں سے کیسٹ ریکارڈر لے آیا اور ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔

"کیسٹ کے اے سائیڈ پر محض خرافات ہیں۔ اس کا سائیڈ بی چلاؤ۔" اول خان نے ہدایت کی۔

"کیسٹ بھی چل جائے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ اس کال میں کیا بات اتنی اہم ہے کہ تم اسٹیشن فور سے دوڑ لگا کر خود یہاں چلے آئے۔" ویرا نے اول خان کے رویے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"چاہتا تو یہ ہوں کہ کال سننے سے پہلے تجسس دور نہ ہو لیکن اس پیغام کا خلاصہ بتادینے میں ہرج بھی نہیں ہے۔ شاید آج رات رابن نے موہنی سے ملنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اس میں شاید والی کیا بات ہے؟ تم نے کال نہیں سنی؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے جو سنا' وہ بتادیا۔ کیسٹ تمہارے ساتھ سنوں گا۔ میں ایکس چینج میں رک کر چند منٹ ضائع کرنے کے بجائے سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ اس وقت ایک ایک منٹ اہم....."

کیسٹ چل پڑا۔ اول خان سمیت سب نے خاموشی اختیار کرلی۔

گھنٹی بجی اور پھر ایک مترنم نسوانی آواز ابھری "ہیلو! موہنی اسپیکنگ!"

"ہائے موہنی! یار کیا حال ہیں تیرے۔" دوسری نسوانی آواز بھی بہت جان دار اور خوشی سے بھرپور تھی "اخبار میں تیرے ڈیڈی کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا' وہ آئے یا ابھی بھی غائب ہیں۔"

"رخشی! وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔ "میں تجھے فون کرکے تھک گئی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ کیا تیرا فلیٹ بند پڑا ہوا تھا' تو تھی کہاں؟"

"سوری یار! ایک فرینڈ کے ساتھ لمبی ڈیٹ پر تین دن سے مری گئی ہوئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ائرپورٹ سے آئی ہوں اور آتے ہی پہلا فون تجھے کیا ہے۔"

"تجھے معلوم ہے کہ میں اپنے دل کی بات بس تجھ سے ہی کرسکتی ہوں۔ میں تجھے بہت مس کررہی ہوں۔"

"اب میں آگئی ہوں۔ کل تیرے پاس آؤں گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تو کتنی پریشان ہوگی۔ یہ پولیس والے کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ تیرے ڈیڈی کا پتا کیوں نہیں چلاتے؟"

"میں ان ہی سب باتوں سے پریشان ہوں۔ تجھ سے مشورے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجامہ شاکر ہومیو کلینک

ڈاکٹر آصف شاکر ◆ ڈاکٹر نرگس معسل

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

اوقاتِ ملاقات: صبح 11 تا 2 بجے

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ سفاری پارک گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام 7 تا 9 بجے رات

مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے تھے مگر تو لاٹ صاحب کی بچی ہے۔ کل آئے گی میرے پاس۔ دراصل میں نے ابھی تک ڈیڈی کی ایف آئی آر نہیں لکھوائی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"یہ کیا غضب کیا تو نے۔ ایف آئی آر تو فوراً کٹوانی تھی۔" رخشی تقریباً چیخ پڑی۔

"دراصل ڈیڈی ایک دوست کا بول کر خود گھر سے گئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایف آئی آر سے منع کر دیا تھا۔"

"وہ خود گئے تھے مگر کیوں؟ ان کا دوست کیا کہتا ہے؟" رخشی نے کئی سوال کر ڈالے۔

"لمبی کہانی ہے۔ گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ کچھ رقم وغیرہ کے ساتھ اہم کاغذ بھی لے گئے۔ جاتے جاتے گولیاں چلائیں۔ میں اٹھی تو ڈیڈی ڈرنک اور بدحواس تھے۔ انہوں نے کاغذ غائب دیکھے تو نشہ اڑ گیا اور وہ گھر سے چلے گئے۔ کل تک وہ اسی دوست کے پاس تھے۔ رات ادھر پولیس ایکشن ہو گیا..."

"اوہ تو رستم ایرانی کی بات تو نہیں کرتی؟ اس نے تو سوسائیڈ کر لیا۔"

"ہاں رخشی، اور ڈیڈی ابھی تک گھر نہیں لوٹے۔ آج صبح ان کے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ وہ امریکا سے آیا ہے اور اکیلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ ڈیڈی کے سلسلے میں۔"

"اکیلے میں... پھر وہ تیرے پاس ضرور کسی بری نیت سے آئے گا۔ کیا کوئی فارنر ہے؟"

"ہاں، خالص امریکن... تجھے معلوم ہے کہ میں ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہیں کرتی۔ بری نیت سے آ رہا ہے تو میرا تھوڑا سا وقت ہی خراب کرے گا نا؟ آئی نیور مائنڈ۔ میں ڈر رہی ہوں کہ کوئی اور گھپلا نہ ہو جائے۔ وہ بولا ہے کہ گھر میں کوئی نوکر بھی نہ ہو۔ وہ بالکل اکیلے میں ملنا چاہتا ہے۔"

"ڈیڈی غائب، رستم ڈیڈ اور اب یہ ڈیڈی کا نیا دوست!" رخشی کی آواز پُرتشویش ہو گئی "تو اس کو جانتی ہے؟ اور کیا بولتا تھا وہ؟"

"میں اسے نہیں جانتی۔ کوئی سالا رابن تھا۔ وہ یا اس کا آدمی دس بجے کے بعد آئے گا۔ وہ ڈیڈی کے بیڈروم میں ایک دفعہ سارے کاغذ دیکھنا چاہتا ہے۔ پتا نہیں یہ کاغذوں کا کیا چکر ہے۔"

"مائی پور بے بی!" رخشی نے اسے پچکارا "تو واقعی مشکل میں ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں تیرے پاس پہنچتی ہوں۔ ہم مل کر سب ٹھیک کر لیں گے۔"

"وہ تجھے دیکھ کر ناراض ہو جائے گا۔" موہنی کی سہمی ہوئی آواز ابھری "اس نے کئی بار بولا کہ گھر میں کوئی نہ ہو، یہ بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ تجھے شوٹ ہی نہ کر دے۔"

"ہائے لارڈ!" رخشی کی آواز میں خوف سمٹ آیا "پھر میں نہیں آتی۔ پندرہ پندرہ منٹ بعد تجھے فون کروں گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی اور تو نے جواب نہیں دیا تو پولیس ایمرجنسی کو فون کر دوں گی۔"

"پلیز رخشی! فون ضرور کرتی رہنا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ میں بھی ڈیڈی کی طرح گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔

"تو فکر مت کر۔ میں ضرور فون کروں گی۔" رخشی نے اسے یقین دلایا اور مادرپدر آزاد معاشرت کی دلدادہ دو لڑکیوں کی وہ گفتگو وہیں ختم ہو گئی۔

"میں نے کیسٹ ریکارڈر آف کر دیا "اس وحشت ناک گفتگو میں کام کی بات بس اتنی ہی ہے کہ دس بجے کے بعد رابن یا اس کا کوئی آدمی پنڈت منوہر لال کے گھر پہنچے گا...."

"رابن کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا، اس لیے میری وہاں موجودگی ناگزیر ہے۔" ویرا نے خوشی سے کہا۔

میں اس کی خوشی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ آخر کار اس کے میدان میں اترنے کا حیلہ پیدا ہو ہی گیا تھا۔

"یہ رابن کو گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "تمہاری پیش گوئی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ رابن ہی آئے۔" اول خان نے کہا "وہ یا اس کا آدمی آئے گا۔"

"رخشی درمیان میں نہ کودی ہوتی تو معاملہ بہت سہل ہو جاتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ملازموں کے بہتے ہی ہم موہنی کو بے بس کر کے گھر پر عارضی قبضہ کر لیتے۔ غزالہ اس کی جگہ لے لیتی اور ہم چھپ کر آنے والے کا انتظار کرتے۔ وہ بے خبری میں بہت آسانی سے زیر کیا جا سکتا تھا۔"

"رخشی نے وہاں پہنچنے سے انکار کر دیا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

"مگر وہ ہر پندرہ منٹ بعد فون کرتی رہے گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اس کی موہنی سے بات نہ ہوئی تو وہ فوراً پولیس کو پنڈت کے گھر کی طرف دوڑ لگوا دے گی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم موہنی کے ہمدرد بن کر اسے اعتماد میں لے لیں۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور فوراً اس خیال کو مسترد کر دیا۔ موہنی بہت ڈری ہوئی تھی۔ وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک سکتی تھی۔ اس سے یہ امید عبث تھی کہ وہ ہمارے اجنبی چہروں پر اعتماد کر کے رخشی کو ہمارے بارے میں آگاہ نہیں کرے گی۔ اس کوشش میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی کہ میں کارروائی سے بالکل باہر ہو جاتا کیونکہ موہنی مجھے کرنل جمال دستی کے روپ میں میجر بخشی کے ساتھ بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ایک تلخ تجربے سے دوچار ہو چکی تھی۔

"کسی لمبی چوڑی سوچ وبچار کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ رابن مائر کی قیام گاہ سے محفوظ فاصلے پر منڈلانے والے میرے آدمی اپنے شکار کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ ہمیں خود پنڈت منوہر لال کے گھر کی نگرانی کرنی چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔" میں نے کہا "اس کے پھاٹک پر اتنی کم روشنی ہوگی کہ دور سے آنے والے کو پہچاننا ممکن نہیں ہوگا۔ رابن کے دھوکے میں ہم اس کے آدمی سے بھڑ گئے تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"میری دانست میں ہمارا نشانہ رابن نہیں' اس کا مقصد ہے۔ اگر اس کا آدمی ناکامی سے دوچار ہو کر مارا جاتا ہے تو ہمارا ہدف پورا ہو جاتا ہے" اول خان نے رائے دی۔

"رابن' بھول کر بھی پنڈت کے گھر کا رخ نہیں کرے گا" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

"جو بھی آیا' وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ شہر کے راستوں سے واقف ایک مقامی ڈرائیور کی ضرورت ناگزیر ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک دو مسلح محافظ بھی ہو سکتے ہیں جو باہر رک کر گاڑی اور اندر جانے والے کی حفاظت کرتے رہیں۔ ہمیں چار پانچ حریفوں کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔"

"تم اس بات سے تو متفق ہو نا کہ جو آئے' اسے مار دیا جائے' رابن کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تمہارا اور غزالہ کا اتفاقِ رائے ہے' میں کیسے مخالفت کر سکتا ہوں۔"

"ایسی صورت میں ویرا کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی" سلطان شاہ بول پڑا۔ "وہ پانچ بھی ہوئے تو ہم تین کافی رہیں گے۔ ویرا کل کے اخبار میں مقتول کی تصویر دیکھ کر بتا دے گی کہ ہمارے ہاتھوں مرنے والا رابن تھا یا اس کا کوئی اور سفید فام ساتھی؟"

"مُردوں کی شناخت کا یہ کام تم ہی کو مبارک ہو۔ میں ساتھ جاؤں گی" ویرا چڑ کر بولی۔

"میرا جانا بھی ضروری ہے کیونکہ میں نے ڈینی کے ساتھ وہ گھر دیکھا ہوا ہے۔"

"شاید آج رات ہم سب کو ہی جانا پڑے" میں نے رسانیت سے انہیں سمجھایا "آنے والے دروازے کی سمت سے ہی آئیں گے لیکن کسی گڑبڑ کی صورت میں پچھلی گلی سے بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ ہمیں دونوں طرف ان کے استقبال کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

میں نے اول خان کو پنڈت کے مکان کا اندرونی نقشہ سمجھا کر منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا۔ وہ تینوں آنے والے وقت کی مناسب تیاری کے لیے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ سننے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ موہنی کو دس بجے تک گھر کے چوکیدار سمیت' ہر ملازم کو گھر سے روانہ کر دینا تھا۔ رابن یا اس کا آدمی اس مقررہ وقت کے بعد کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ہمارے پاس خاصا وقت تھا۔ کھانا تیار تھا۔ طے یہ ہوا کہ روانگی سے پہلے شکم پری کر لی جائے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ رابن دس بجے کے بعد گیارہ یا بارہ بجے تک وہاں پہنچتا اور ہم خالی پیٹ وہاں سو کھتے رہتے۔

موہنی کے گھر کی ویران عقبی گلی کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ کو غزالہ کے ساتھ رہنا تھا۔ ویرا میرے اور اول خان کے ساتھ مین گیٹ کی طرف موجود ہوتی۔ پیچھے والوں کو مکان کی چار دیواری سے باہر رہ کر اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ ادھر سے کوئی دیوار پھاند کر فرار نہ ہو سکے۔ ہم تینوں کو موقع کی مناسبت سے کارروائی کرنی تھی۔

کچھ ہتھیار گھر میں موجود تھے۔ باقی اول خان کی گاڑی میں رکھے ہوئے تھے۔ ہم فرائض کے لحاظ سے دو گاڑیوں میں بٹ کر ساڑھے نو بجے گھر سے روانہ ہوئے تو اول خان کے ذخیرے سے حاصل کی ہوئی تین زہریلی انگوٹھیاں ہماری انگلیوں میں موجود تھیں۔ دشمن پر قریب سے بے آواز اور مہلک وار کرنے کے لیے وہ انگوٹھیاں بے مثال تھیں۔

مین روڈ پر آنے تک ہماری گاڑیاں ایک دوسرے سے بچھڑ چکی تھیں مگر کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ موہنی کا گھر میرا اور سلطان شاہ کا دیکھا ہوا تھا۔ راستے میں سست روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم ٹھیک دس بجے موہنی والی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ نکڑ سے گزرتے ہوئے ہمیں عقبی گلی کے کونے پر سلطان شاہ کی گاڑی نظر آ گئی۔ اسی وقت یہ اندازہ ہوا کہ ان دونوں کو اپنی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے موزوں جگہ مل گئی تھی مگر مین گلی میں ہم جس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے' وہ ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اپنی گاڑی موہنی اور اس کے پڑوس کے مکان کی دیواروں کے قریب یوں لگا دی کہ کسی کا راستہ رکا اور نہ گاڑی کسی ایک حد میں رہی۔ قرب و جوار کے مکانوں کے پھاٹک بند تھے۔ کسی کو حتیٰ کہ خوش حال گھرانوں کے ملازمین کو بھی باہر بیٹھنے یا آوارہ گردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چوکنے انداز میں گاڑی چھوڑ دی۔

میں بظاہر بے پروائی سے چلتا ہوا موہنی کے پھاٹک پر پہنچا۔ رک کر اندر کان لگائے تو وہاں گہرا سناٹا تھا۔ شاید وہ رابن کی ہدایت پر ملازمین کو ہٹا چکی تھی اور خود گھر کے تمام دروازے بند کیے کسی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مجھے پھاٹک میں اپنے گزرنے کا راستہ پیدا کرنے کے لیے کسی میکانزم کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش تھی۔ آخر مجھے چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی پر انگریزی کے حرف یو جیسا ایک الٹا ہُک لگا ہوا نظر آیا۔ اسے اٹھاتے ہی ذیلی کھڑکی کھل گئی اور میں پنجوں کے بل اندر کچی روش میں داخل ہوگیا۔

مجھے دروازے میں غائب ہوتے دیکھ کر اول خان اور ویرا نے سرعت سے کام لیا۔ چند ثانیوں بعد وہ دونوں بھی میرے ساتھ آملے۔ وہ کچی روش اور پورچ پر مشتمل مختصر حصہ تھا جہاں ایک دیوار کے ساتھ چوکی دار کی خالی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ اس حصے میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی کم ہونے کے باوجود ہم تینوں کے لیے خطرناک تھی۔ ہم تیزی کے ساتھ پام کے اونچے گملوں کی اوٹ میں چلے گئے۔

"تم دونوں یہیں کہیں کمین گاہ تلاش کرلو۔ میں اندر جارہا ہوں" میں نے سرگوشی کی۔

"کیا دروازہ استعمال کروگے؟" میرے فوری ارادے نے اول خان کو پریشان کردیا۔

"ایگزاسیٹ فین کا ایک چوکور خلا میری نظروں میں ہے" یہ کہہ کر میں ان دونوں سے الگ ہوگیا۔

کسی ملازم سے سامنا نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں نے پوری احتیاط سے عمارت کے پہلو تک رسائی حاصل کی اور پھر تیزی سے چھجے پر چڑھ گیا۔ وہاں چوکور خلا جوں کا توں موجود تھا۔ وہاں تھا ہی کون جو یہ سوچتا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود کوئی پنڈت منوہرلال کی خواب گاہ تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا۔

دو چھتی 'اسٹور اور راہداری میں' میں نے ہر طرف کی سن گن لی۔ مکان میں پہلے کی طرح سناٹا تھا اور صرف ایک ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ موہنی شاید اپنے کمرے میں موجود تھی۔ میں اس دروازے پر رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ آنے والے کو ساری دلچسپی پنڈت کی خواب گاہ سے تھی۔

پچھلی بار وہ دونوں محو خواب تھے مگر ان کے کمروں کے دروازے اندر سے بولٹ نہیں تھے' اس روز پنڈت وہاں نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ موہنی کو اپنے باپ کا کمرا مقفل کرنے کا دھیان نہیں آیا ہوگا۔ میں نے دستے پر قسمت آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا اور کمرے میں رچی ہوئی ہلکی سی بساند میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔

ائرکنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے اس کمرے میں تازہ ہوا کے گزر کا ہر راستہ بند تھا۔ پنڈت کے فرار کے بعد ائرکنڈیشنر نہیں چلایا گیا تھا اس وجہ سے وہاں بساند کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے وہ سب سہنا تھا۔ کمرے میں بیش قیمت چوبی فرنیچر اور الماریوں کی بہتات تھی۔ میں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں سے چشم زدن میں باہر نکل سکوں۔ اس مہم میں محدود روشنی والی ٹارچ میری مدد کررہی تھی۔

ایک الماری کے برابر میں اسی لمبائی کا آئینہ نصب تھا۔ میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو پٹ کی طرح وہ آئینہ باہر کھل گیا۔ وہ کسی کے چھپنے کے لیے بہترین جگہ تھی۔ اس میں کچھ استعمال شدہ مردانہ اور زنانہ کپڑے موجود تھے۔ میں فوراً اس خلا میں داخل ہوا اور شیشے کا پٹ کھینچ کر بند کردیا۔

کھڑے ہوئے تابوت جیسے اس خلا میں پوزیشن لینے کے بعد میں نے چہرے پر اپنا رومال بھی باندھ لیا۔ میں نے گھر میں داخل ہونے کا فیصلہ اچانک کیا تھا اس لیے نقاب کا بندوبست نہیں کیا جاسکا تھا۔ میرے لیے کسی نقاب وغیرہ کے بغیر موہنی کا سامنا کرنا مناسب نہیں تھا۔

گھٹن اور تاریکی میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ جب میرے بدن پر کہیں کہیں پسینہ رینگنے لگا تو مجھے احساس ہوا کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں اپنے تمام ساتھیوں سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ میرے باہر نکلنے سے پہلے وہ کوئی اندھا دھند کارروائی کرکے مجھے خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

کافی دیر بعد مکان کے کسی حصے میں ڈوربیل کی آواز گونجی پھر ایک طویل سکوت چھا گیا۔ فرش پر ہر جگہ قالین موجود تھے اس لیے کسی کے قدموں کی چاپ تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آخر سکوت کا وہ سلسلہ منقطع ہوا اور میرے کانوں میں موہنی کی سہمی ہوئی آواز آئی "یہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہے۔ نامعلوم چور نے ان کی دیوار گیر تجوری سے سب کچھ باہر نکال

کاروباری راز

پہلا پھل فروش:۔ میرے کیلے اتنے کم اور تمہارے اتنے زیادہ کیوں بکتے ہیں۔۔۔ جب کہ دام دونوں کے برابر ہیں؟

دوسرا پھل فروش:۔ بات صرف اتنی ہے کہ تم دس روپے درجن بیچتے ہو جب کہ میں گاہک کو بتاتا ہوں کہ بیس روپے کے درجن ہیں اور ہر درجن کے ساتھ ایک درجن کیلے مفت ملیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا۔"

"ائرکنڈیشنر چلادو اور کمرے میں موجود تجوری اور درازوں کی چابیاں میرے حوالے کردو" امریکی لب ولہجے میں ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری۔

"تجوری سمیت اب ہر چیز غیر مقفل ہے" بے آواز سوچوں کے ذریعے کمرے میں پہلے ہی روشنی کی جاچکی تھی۔ موہنی کے جواب کے ساتھ ائرکنڈیشنر بھی چل گیا۔

"تجوری کا بچا ہوا سامان کہاں ہے؟" موہنی کے ساتھ آنے والے مرد نے پوچھا۔

"وہ میں نے دوبارہ الماری میں بھردیا ہے۔ مسٹر رابن! تم یقین کرو کہ وہ کاغذ اب یہاں نہیں ہیں۔ میرے ڈیڈی ان ہی کے لیے پریشان تھے۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے" اس کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی "تمہارا باپ پکا احمق تھا جو ان کاغذوں کی حفاظت نہیں کرسکا۔ پتا نہیں اس نے اپنے کمرے میں بے پروائی سے اور کیا کیا چھوڑا ہوا ہوگا۔"

"وہ۔۔۔وہ بظاہر بے پروا تھے مگر احتیاط ان کی سرشت میں شامل تھی۔"

اس گفتگو کے درمیان درازیں وغیرہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ائرکنڈیشنر چل جانے کے بعد فضا میں رچی ہوئی بساند ٹھنڈک میں ماند پڑتی جارہی تھی۔

"ان کاغذوں کے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا تھا؟" رابن کی آواز گونجی۔

"اسے تین کاغذوں کی طرف سے تشویش تھی جو موساد کی کسی ذیلی ایجنسی کے بارے میں تھے۔ تجوری سے کاغذوں کا پلندہ غائب ہونے کے بعد ڈیڈی نے صرف اتنا ہی بتایا تھا۔"

"وہ 'کتیا کی اولاد' جھوٹا بھی ہے۔ اس نے رستم کے گھر سے مجھے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ کاغذوں کے بارے میں اس نے کسی کو حتیٰ کہ تم کو بھی کچھ نہیں بتایا۔۔۔۔ تم نے یہ کہانی کس کس کو سنائی ہے؟" رابن کی آواز غصیلی اور کرخت ہوچکی تھی۔ اس نے رستم کا نام یوں لیا تھا جیسے اس سے واقف رہا ہو۔

"کسی کو نہیں۔۔۔ میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ مجھے معلوم ہے کہ موساد اس ملک میں شجر ممنوعہ ہے۔"

"تمہارے باپ نے تم سے آخری بار کب بات کی تھی؟"

"کل صبح۔۔۔۔ اس کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ پتا نہیں میرے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"یہ۔۔۔۔یع۔۔۔۔کک۔۔۔۔کیا۔۔۔" موہنی کی دہشت زدہ ہکلاہٹیں کمرے میں ابھریں۔ ٹھک کی آہنی آواز کے ساتھ ایک ہچکی ابھری اور کوئی بھاری وجود دھڑ سے نیچے گر گیا۔ فضا میں یکایک جلے ہوئے بارود کی تیز بو در آئی تھی۔ میں بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اب اس کباڑخانے کے ساتھ تم بھی جل کر راکھ ہوجاؤ گی" رابن کی استہزائیہ بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

کمرے میں کچھ چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ موہنی کو بے آواز گولی کو نشانہ بنانے کے بعد وہ سفاک درندہ شاید ہر چیز کو ٹھوکروں سے اڑا رہا تھا۔

اس کا ہتھیار خاموش تھا' میرا ریوالور پُرشور تھا۔ بیم گن میں دانستہ ساتھ نہیں لایا تھا کیونکہ اس کا استعمال جائے واردات پر میری موجودگی کا ایک کھلا اعلان بن جاتا تھا۔ توڑپھوڑ کی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھ سے دور تھا اور شاید اپنا ہتھیار واپس رکھ چکا تھا۔

میں نے ریوالور تھاما اور ایک جھٹکے سے آئینے والا پٹ باہر کھول دیا۔ پٹ بے آواز کھلا تھا لیکن رابن اپنے جبلی ردِ عمل کے تحت تیزی سے پلٹا تھا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ وہ بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا پھر اس کے خالی ہاتھ فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ مجھے دیکھ کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"اباؤٹ ٹرن" میں نے اگلا حکم دیا۔ اس نے زبان کھولنی چاہی۔ میں نے ریوالور والے ہاتھ کو جھٹکا دے کر شدت سے اپنا حکم دہرایا۔ وہ آہستگی سے گھوم گیا۔

میں نے فرش پر پڑی ہوئی موہنی کی لاش پر بس ایک سرسری نظر ڈالی۔ اس کی گوری پیشانی کے وسط میں چھوٹا سا ایک سیاہ داغ تھا اور پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحات کی دہشت اور بے یقینی مجسم ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ یقین نہیں کرسکی تھی کہ اس کے باپ کی دوستی کے نام پر آنے والا رابن اس کے لیے موت کا فرشتہ بن جائے گا۔

میں پنجوں کے بل بہت برق رفتاری سے رابن کے سر پر پہنچا۔ پرشور فائر کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی گدی پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ لچکیلا اور زہریلا کیپسول اپنی پوزیشن میں تھا۔ تھپڑ کھاکر رابن نے میری طرف گھومنے کی کوشش کی۔ اس وقت تک اس کی رگوں میں اترنے والا زہر اپنا کام شروع کرچکا تھا۔ اس کے گھومنے کی رفتار سست ہوگئی پھر وہ سلوموشن میں قالین پر بیٹھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھتے نیچے ڈھیر ہو گیا۔

مجھے شبہ تھا کہ داخلی دروازے کے باہر رابن کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہو گا۔ اپنے چہرے سے رومال ہٹا کر میں تیزی سے راہداری میں دوڑ پڑا۔ پرانے راستے سے پیچھے پر پہنچتے ہی میں زمین پر کود گیا۔

عمارت کے کونے پر آ کر میں نے اوٹ سے جھانکا تو وہاں ایک جسیم سفید فام ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ گیٹ کی نگرانی کر رہا تھا اس لیے اس کی پشت میری جانب تھی۔ اس کے بائیں شانے پر اسٹرپ سے لٹکی ہوئی سب مشین گن مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت ویرا اور اول خان کہاں تھے مگر یہ نظر آ رہا تھا کہ گہری سرمئی وردی میں ملبوس وہ گورا پام کے گملوں سے صرف چند گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ میرے اعصاب پر شدید اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان دونوں کو کس طرح اپنی واپسی سے آگاہ کروں۔

میری وہ مشکل قدرت نے خود ہی آسان کر دی۔ ان دونوں کو معلوم تھا کہ میں کدھر سے گیا تھا۔ شاید وہ بار بار ادھر کا جائزہ لے رہے تھے پھر ان میں سے کسی نے مجھے عمارت کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ لیا۔ گملوں کی اوٹ سے ٹھک کی آواز کے ساتھ موت کا ایک شعلہ لپکا اور ستون کے سہارے کھڑے ہوئے سفید فام کی گردن میں معدوم ہو گیا۔ وہ دراز قد اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ اس کے گرنے کی آواز خاصی پرشور تھی۔

یقینی طور پر وہاں صرف وہی تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کا بندوبست ہونے سے پہلے ویرا نے اپنے بے آواز ریوالور سے فائر نہ کیا ہوتا۔ میں نے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا گملوں کی اوٹ سے نکل رہی تھی۔ اول خان دیوار کے ساتھ اگے ہوئے گنجان پودوں میں سے باہر آ رہا تھا۔

یہ سارے واقعات بہت سرعت سے اور تقریباً ایک ساتھ ہوئے۔ اسی دوران میں پھاٹک والی کھڑکی کھلی اور سفید وردی میں ملبوس کوئی مقامی چہرہ بھڑکے ہوئے انداز میں اندر جھکا۔ پھر شاید زمین پر پڑے ہوئے سفید فام پر نظر پڑتے ہی غائب ہو گیا۔

میرے پھاٹک تک پہنچنے سے پہلے کسی گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور پھر وہ آواز بڑھتی ہوئی غراہٹوں کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔ ڈرائیور کو گیئر بدلنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"ان کا ڈرائیور گاڑی لے کر بھاگا ہے" قریب پہنچنے پر اول خان نے سرگوشی کی "غنیمت ہے کہ اس نے دہشت زدہ ہو کر چیخ نہیں ماری۔ اب فوراً باہر نکل چلو۔ اندر والا تو شاید کبھی چل کر باہر نہیں آ سکے گا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "خوف کی شدت سے بعض لوگوں کی گھگھی بندھ جاتی ہے یا آواز ہی حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ وہ ایسے ہی کسی قبیلے کا آدمی رہا ہو گا۔"

ہم تینوں اطمینان سے موہنی کے گھر سے باہر نکلے گاڑی میں سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو کھیل ختم ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اول خان نے دانستہ گاڑی ان کی طرف سے گزاری اور ہارن بجا کر وہاں سے آگے نکل گیا۔ سیدھے راستے کے اختتام پر وہ اس وقت تک رکا رہا جب تک وہ دونوں روانہ نہیں ہوئے پھر اس نے داہنی طرف والا راستہ لے لیا۔

"موہنی نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا ہو گا" واپسی کا آغاز ہونے پر ویرا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"میں نے چہرے پر رومال باندھ لیا تھا لیکن اس کا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ رابن نے اسے گولی مار دی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "وہ بہت زیادہ بپھرا ہوا تھا۔"

"باہر فائر کی آواز نہیں آئی۔ شاید اس نے بھی سائیلنسر استعمال کیا ہو گا۔ رخشی اگلی بار موہنی کو فون کرے گی تو اسے مایوسی کا سامنا کرنا ہو گا۔ وہی پولیس کو خبر دے دی گی۔"

"ویرا کو خوشی تھی کہ ایک طویل تعطل کے بعد اسے کسی کارروائی میں حصہ لینے اور امریکی قونصل خانے کے ایک مسلح محافظ کو مارنے کا موقع ملا تھا۔ سلطان شاہ اور غزالہ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سبب صرف یہ تھا کہ رابن اپنی بالادستی کے زعم میں صرف ایک آدمی کے ساتھ چوہے دان میں آ پھنسا تھا۔

رابن مائر جو امریکا کی سرزمین پر بیوروکریسی کی صفوں میں گھس کر صیہونی مفادات کے لیے کام کر رہا تھا، پاکستان کی سرزمین پر اپنی دوسری رات بھی نہیں گزار سکا تھا۔

اگلی صبح کے اخبار سنسنی خیز خبروں اور تبصروں سے بھرے ہوئے تھے۔ موضوعِ سخن رابن مائر کی ذات تھی۔

امریکی حکومت اور اس کے مقامی سفارت خانے کی واضح ترین ہدایات کے باوجود اس کی لاش کا پنڈت منوہر لال کے گھر میں پایا جانا ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔ وہ قونصل خانے کے محافظ کے ساتھ وہاں کیا کرنے گیا تھا؟ دوسری سنگین بات یہ تھی کہ موہنی کی پیشانی میں موجود گولی رابن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریوالور سے چلائی گئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر جلے ہوئے بارود کے ذرات برآمد ہوئے تھے۔ شہر کی ایک بدنام اور متنازع ماڈل گرل کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا؟

سوالات کا ایک طویل اور شرمناک سلسلہ تھا جو اس واقعے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا اور امریکی سفارتی ملازمین کے پاس مکمل خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک اخباری اطلاع یہ بھی تھی کہ ڈرائیور کے ذریعے کسی ناخوش گوار حادثے کی اطلاع ملتے ہی امریکی کمانڈوز کا ایک دستہ موہنی کے گھر سے سارے شواہد مٹانے کے لیے بہت تیزی سے وہاں پہنچا تھا لیکن ان کے پہنچنے سے بہت پہلے رخشی کی مخبری پر پولیس فورس نے پورے علاقے کو گھیر لیا تھا۔ کمانڈوز کو کسی کارروائی کے بغیر بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا تھا۔ ان کی دو گاڑیوں کی آمد کے بہت سے عینی شاہد موجود تھے۔

بظاہر وہ پاکستان کی سرزمین پر امریکیوں کی بدقسمتی کا تسلسل نظر آتا تھا لیکن اندر ہی اندر اسرائیل اور اس کی خفیہ ایجنسی بھی اس لڑائی میں شامل ہو چکی تھی۔ ہم لوگ اپنے طور پر جو کچھ کر رہے تھے اس کی کوئی قانونی یا سرکاری حیثیت نہیں تھی لیکن پنڈت منوہر لال کی صورت میں ایک مضبوط اور زندہ ثبوت آئی بی والوں کی تحویل میں موجود تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ سرکاری سطح پر اس بارے میں کیا ہونے والا تھا۔

بارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ آئی بی والے فوری طور پر ہم سے ملاقات کے خواہاں تھے۔

"کیا پنڈت نے پھر کوئی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں جلال فکر مند تھا۔"

"یہ سمجھ لو کہ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہیں گے۔ ابھی تک کسی کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا۔ انہیں ٹالنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔" "تمہیں اندازہ ہے کہ امریکی ایسے واقعات پر کیسے شدید اور جنونی ردِ عمل کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔"

"جلال اور رحمان سے ایک ملاقات میں ہی اتنی بے تکلفی ہو گئی ہے کہ ہمیں تھوڑی سی لچک کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ ایسے رابطے بعض اوقات عمر بھر کام آتے رہتے ہیں۔"

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"جو کچھ ہوا، ابھی تک ہم پانچوں کے درمیان ہے۔ ان سے کوئی بات کی گئی تو وہ فوراً ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائے گی۔ میرا تجربہ ہے کہ امریکی ریکارڈ تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔"

"جلال اور رحمان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی معلومات..."

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریکارڈ اپنی تجوریوں میں نہیں، دفتروں میں رکھتے ہوں گے، نہ جانے وہاں کس کس کا ہاتھ پہنچتا ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پنڈت کے لیے تین تنخواہ دار کام کر رہے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ ان کی فراہم کی ہوئی معلومات موساد تک پہنچائی جا رہی ہیں۔"

"بس یہ اونچ نیچ سمجھ لو۔ مجھے ملاقات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔"

"ان سے اس بارے میں پہلے ہی بات کر لیں گے، میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔"

فون بند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے فوراً ہی فکر ہو گئی کہ میں کس سے ملنے جا رہا تھا۔

اول خان کی آمد تک ہم دونوں اسی بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ وہ میرے خدشات سے سو فیصد متفق تھا کہ ایس ٹی ایف جیسی غیر دستاویزی تنظیم تک بات ٹھیک تھی۔ قوانین کی حدود میں رہ کر کام کرنے والے اداروں کی مجبوریاں ہمیں راس نہیں آسکیں گی۔ کبھی کبھی لوگوں کا اپنا لکھا ہوا کوئی نوٹ ہی ان کے گلے کی ہڈی بن جاتا ہے۔ برا وقت آنے پر سب ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

وہ بات غلط نہیں تھی۔ ہمارے بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو بھی بسا اوقات ہماری کھلی حمایت سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق کم از کم دو بار اول خان کی نوکری خطرے میں پڑ چکی تھی۔ یہ اسی کا حوصلہ اور اپنی مٹی سے پیار تھا کہ وہ مسلسل ہمارا ساتھ دیے جا رہا تھا۔

اول خان کے ساتھ سفر کے دوران میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں اور ہم صدف مینشن پہنچ گئے۔

جلال اور رحمان نے اسی مخصوص کمرے میں بہت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ رسمی کلمات کے تبادلے اور پنڈت سے میرے سوال جواب کی مکرر تعریف کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف آگئے۔

"کل کے واقعے کے بارے میں تم نے اخبارات دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے ہوں گے۔ اسلام آباد میں کھلبلی مچی ہے۔ سب کی نگاہیں آئی بی پر لگی ہوئی ہیں اور ہم گنگ ہیں۔ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں" رحمان نے کہا۔

"یہ سب درست ہے۔ اس بارے میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پنڈت کو تم ہی لوگوں نے گھیر کر ہم تک پہنچایا ہے' اس کے گھر سے کاغذات نکالے تھے۔ شاید تمہیں کچھ معلوم ہو۔۔۔ کوئی تفصیل' کوئی سراغ۔۔۔ رابن مائر وہاں کیا لینے گیا تھا۔۔۔؟"

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی کو دانستہ چشم پوشی سے کام لینا پڑتا ہے۔ تمہاری بہت سی مجبوریاں ہیں۔ ان کے مدِنظر تمہاری خاموشی اور معذرت ہی سب سے بہتر راہ ہوسکتی ہے۔"

"تم ڈر رہے ہو؟" جلال نے کہا "کہ کہیں تمہارا نام جھنڈے پر نہ چڑھ جائے؟"

"یہ ڈر نہیں' ایک حقیقت ہے۔ بہتیری باتوں کا ریکارڈ سے الگ تھلگ رہنا ہی سب کی سلامتی کے لیے بہتر ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" جلال نے ہی بات جاری رکھی "کل تم نے بہت کچھ کیا اور کہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہربات کا من و عن ریکارڈ پر آنا درست نہیں ہوگا۔ میری رپورٹ میں دور دور تک تمہارا نام نہیں ہے۔ سب کچھ ملک ممتاز کے حوالے سے سامنے لایا گیا ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو بتادیتا کہ ملک ممتاز کس حلیے کا آدمی ہے" میں نے ہنس کر کہا "ہر واقعے کے ساتھ کسی نام یا شناخت کو ریکارڈ پر لانا تمہاری ناگزیر مجبوری ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو حالات بھی بہت مختلف ہوتے۔ اس وقت ملک ممتاز صرف ایک نام ہے۔ وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں' میرا ترتیب دیا ہوا ریکارڈ تمہارے لیے کبھی خطرہ نہیں بنے گا۔ میں اس بات کی پوری ذمے داری سے ضمانت دیتا ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ کل کا واقعہ کس قدر اہم اور سنگین تھا" جلال کے خاموش ہوتے ہی رحمان نے بولنا شروع کردیا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے نکیلے سوال سامنے آئے ہیں۔ حکومت بین الاقوامی سطح پر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ شاید پنڈت منوہر لال کو امریکی سفیر سے ملوادیا جائے۔ کچھ اور مواد ہو تو پاکستان میں اسرائیلی مداخلت کی شکایت بھی کی جاسکتی ہے۔"

وہ دونوں پورے اعتماد سے بہت روشن امکانات کی باتیں کررہے تھے۔ میرا مدعا واضح ہوچکا تھا۔ ان کا جواب آگیا تھا' اول خان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف کے ساتھ کام کرکے ڈینی کی عادتیں خراب ہوگئی ہیں۔ یہ شخص ہمیشہ سامنے آنے سے گریز کرتا رہا ہے۔"

"اسی لیے اب تک اپنے بلکہ ملک کے دشمنوں کے سینے پر مونگ دل رہا ہے" جلال نے کہا۔

"یہ صرف میری نہیں' پوری ٹیم کی پالیسی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک بے نام ہے۔"

"اوہ! تمہاری کسی ٹیم کا ذکر میں آج پہلی بار سن رہا ہوں" جلال نے حیرت سے اعتراف کیا۔

"یہ ڈینی کا انکسار ہے" میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان جلدی سے بول پڑا۔

"تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے سامنے ملک کے مقتدر طبقے کی نمائندگی کررہا ہوں" جلال چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آگیا "وہ جاننا چاہتا ہے کہ رابن مائر کا قصہ کتنا پرانا ہے؟"

"کل دوپہر میں ہم تمہارے ساتھ تھے تو ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ دنیا میں کسی شخص کا نام رابن مائر ہوگا۔"

"نہیں ڈینی!" رحمان نے تڑپ کر مجروح لہجے میں احتجاج کیا "ایسی ناقابلِ یقین باتیں مت کرو۔ کچھ چھپانا چاہتے ہو تو صاف کہہ دو۔ ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔۔۔ چند گھنٹوں میں اتنا بڑا اور بے داغ شکار! یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میں ڈینی کے اس دعوے کا گواہ ہوں۔ یہ رابن کے مقدر کی گردش تھی کہ وہ وقت کے گھومتے ہوئے بے رحم پہیے میں اپنی گردن دے بیٹھا۔" اول خان نے میری حمایت کی "ڈینی کی پوری کہانی سنوگے تو تمہیں اس کی ہربات پر یقین آتا چلا جائے گا۔"

"پھر یہ عقل اور وجدان کا کوئی کرشمہ ہی ہوسکتا ہے" رحمان نے ہتھیار ڈال دیے۔

"رابن مائر پرسوں کراچی پہنچا' کل کے اخبار میں اس کی آمد کی خبر تھی جو میرے لیے بالکل غیر اہم تھی" میں نے اپنی بات شروع کردی "یہاں سے واپسی پر کسی نے مجھے بتایا کہ رابن مائر اسرائیل اور موساد کا کتنا بڑا ہمدرد ہے۔ میرے کان کھڑے ہوگئے اور اس کی آمد کے مقاصد پر غور شروع ہوگیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل کے اخبار میں اگر ایسی کوئی خبر موجود تھی تو میں نے اسے نظرانداز کردیا ہوگا" جلال بولا۔

"اس کے لیے پنڈت اور اس کی روپوشی سے آگاہ ہونے کے بعد موہنی اہم ہوسکتی تھی۔ اس نظریے کے تحت ہم نے سادہ سا ٹریپ تیار کرلیا۔ رابن ہمارے فعال ہونے سے بہت پہلے، صبح کے وقت موہنی سے بات کرچکا تھا مگر ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔"

میں نے اپنی جیب سے فون کالز کا ٹیپ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا "اس کی سائڈ بی پر محفوظ، رخشی اور موہنی کی گفتگو سن لو۔ ہر بات واضح ہوجائے گی۔"

وہ ثبوت، شہادتوں اور ریکارڈ کے رسیا تھے۔ میرا مشورہ قبول کرکے رحمان نے فائلوں والی الماری سے ایک چھوٹا سا کیسٹ پلیئر نکالا اور ٹیپ کا سائڈ بی چلادیا۔ دو تین کوششوں کے بعد ٹیپ کا مطلوبہ حصہ چل پڑا۔

وہ دونوں حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دیے دونوں لڑکیوں کی گفتگو سنتے رہے۔ کال مکمل ہونے پر جلال نے ٹیپ بند کردیا اور گہرا سانس لے کر بولا "اور سالا رابن ہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔"

"تم نے ان دونوں کو وہاں کیسے گھیرا تھا؟" رحمان نے پوچھا۔

"اس گفتگو کی روشنی میں سب کچھ آسان ہوگیا۔ میں پنڈت کی خواب گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ رابن کا ارادہ تھا کہ موہنی کو قتل کرکے وہاں آگ لگائے اور خاموشی سے نکل آئے۔ وہ میرا نشانہ بن گیا۔ محافظ کو کسی اور نے ماردیا۔ یہ بڑا اور بے داغ شکار ہماری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔"

"رابن اور موہنی کے درمیان ہونے والی گفتگو تم کو یاد ہے؟" جلال نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"لفظ بہ لفظ نہیں، خلاصہ سنا سکتا ہوں" میں نے جواب دیا "چاہو تو تم نوٹس بھی بنا سکتے ہو۔"

"یہ گفتگو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی کیونکہ یہ صرف قاتل نے سنی ہوگی۔ گفتگو دہرائی گئی تو سوال اٹھے گا کہ رابن کو مارنے اور ہم تک گفتگو پہنچانے والا کون تھا؟" جلال نے صاف گوئی سے کہا۔

میں نے اپنے کانوں سے سنی ہوئی تقریباً ہر اہم بات ان کے سامنے دہرادی۔

"اگر رابن نے رستم کے بارے میں ذرا بھی شناسائی کا اظہار کیا تھا تو پھر رستم بھی ان کا ایجنٹ تھا" جلال نے فوراً وہ نکتہ پکڑلیا "وہ اسی وجہ سے کھل کر پنڈت کی پشت پناہی کررہا تھا۔ اس کی خودکشی کے بعد ہم نے اس پہلو کو بالکل نظرانداز کردیا تھا۔"

"ایک کوشش کے طور پر رستم کے کمرے کی تفصیلی تلاشی لی جاسکتی ہے" میں نے اپنی رائے دی "ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس نے خودکشی سے پہلے وہ کاغذ تلف کردیے ہوں۔"

"اس کے بارے میں پنڈت بتادے گا" اول خان بولا "کسی چھان بین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

"اپنی بیٹی کے قتل پر وہ بہت دل برداشتہ ہے" رحمان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تم اس کی رگوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ آئے ہو تو اس سے بھی مل لو۔ شاید اس سے کوئی نئی بات معلوم ہوجائے۔ کل صبح کی پرواز سے اسے اسلام آباد بھیج دیا جائے گا۔"

"تمہیں رابن کے بارے میں میری کہانی میں کوئی جھول تو نظر نہیں آیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"جھول نہیں ہے لیکن تمہاری سوچ کی سمت بہت حیرت ناک ہے" رحمان نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا "رابن مائر کے بارے میں وہ سب باتیں سن کر ہم میں سے کسی کو بھی موہنی کا خیال نہیں آسکتا تھا۔"

"ڈینی کو سب سے پہلے اسی کا خیال آیا تھا" اول خان نے بتایا "اس کا کریڈٹ یہی ہے کہ اسے صحیح وقت پر صحیح باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔"

"میں ایک بات سمجھنے سے قاصر ہوں" جلال نے کہا "اسے پنڈت کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا مجبوری تھی؟ اس کام کے لیے وہ اپنے کسی آدمی کو بھی بھیج سکتا تھا۔"

"یہی ایک بات ان تین کاغذوں کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ تینوں کاغذ اکٹھے ہوں تو تھیوری بن جاتے ہیں۔ الگ الگ ہر کاغذ بے وقعت ہے۔ وہ کمرے میں کاغذ تلاش کرنے آیا تھا۔ سازوسامان کا انبار دیکھ کر اس نے تلاشی میں وقت برباد کرنے کے بجائے وہاں آگ لگانے کا فیصلہ کرلیا۔"

"کتنی عجیب بات ہے کہ کل شام پنڈت نے رابن مائر سے اپنے تعلق کا اعتراف کیا اور رات کو وہ مارا گیا" جلال نے رحمان سے کہا "سارے اتفاقات ایک ساتھ رونما ہوتے تھے۔"

"جس نامی تنظیم کا نام پہلی بار ہمارے سامنے آیا ہے" رحمان بولا "اس میں رابن کا یقیناً کوئی اہم کردار تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا نام دوسرے لوگوں سے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رازداری برقرار رکھنے کی یہ سرتوڑ کوشش اسے لے ڈوبی۔ رستم کے گھر سے پنڈت کا فون ملنے کے بعد وہ حالات سنبھالنے کے ارادے سے یہاں کے لیے روانہ ہوا لیکن اس کے پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد ہی رستم اور پنڈت کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا بھی یہی نظریہ ہے" میں نے رحمان کی تائید کی "اسے اسلام آباد میں کوئی سرکاری کام نہیں تھا۔ وہ واشنگٹن سے صرف کراچی کے لیے آیا تھا۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر پنڈت منوہر لال سے مشترکہ ملاقات کے لیے چل دیے۔

وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ خوراک کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہو جانے پر اس کی حالت بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔ زخموں پر بھی صفائی اور ڈریسنگ کی گئی تھی۔

اس نے سوجے ہوئے زخمی پپوٹوں کے درمیان بھنچی ہوئی پتلیوں سے ہماری طرف دیکھا اور کمزور آواز میں بولا "تم پھر آگئے..... کل تم نے مجھے بہت بے رحمی سے مارا تھا۔"

"اسی کے بعد تم نے خود کو بہت سی سہولتوں کا اہل ثابت کیا ہے" میں نے کسی ندامت کے بغیر کہا پھر سوال کیا "رستم کو تم نے موساد کی ذیلی تنظیم کی رکنیت دلائی تھی؟"

"الٹی بات کہہ رہے ہو" اس نے لمحہ بھر میں وہ پہیلی حل کر دی "وہ مجھ سے بڑا تھا اسی لیے سارے کام مجھ کو کرنے پڑتے تھے۔ وہ مرکے رسوا ہونے سے بچ گیا اور میں زندگی میں ذلیل و رسوا ہو گیا۔ کل رات رابن نے میری بیٹی کو مار ڈالا۔ وہ مجھے بچانے کا وعدہ کرکے آیا تھا اور میری بچی کا خون پی گیا۔"

"ایسے کام بگڑ جائیں تو یہی انجام ہوتا ہے" میں نے تھوڑی سی ہمدردی جتائی۔

"ذرا سی دیر میں میرے اور رستم کے خاندان برباد ہو گئے۔ اب مجھے زندہ رہنے کی کوئی آرزو نہیں رہی۔ میری ہرامنگ دم توڑ چکی ہے اور میں اپنے انجام کا انتظار کر رہا ہوں" میری طرف سے ہمدردی کے اظہار پر اس کی آواز میں رچی ہوئی مایوسی کچھ اور گہری ہو گئی۔

"مرنے کی خواہش بزدلی ہے۔ انہوں نے تمہارے دو گھر اجاڑے، تم ان کی پوری تنظیم کو فنا کر دو۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے کیونکہ اب تم اکیلے ہو" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"میں اپنے ناتواں کندھوں پر اتنی بڑی ذمے داری کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ تم مجھے ورغلانے کی کوشش مت کرو۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نیک دل نے میری بیٹی کے قاتل کو بھی مار ڈالا اور میرا کلیجا ٹھنڈا کر دیا۔ میرے ساتھ اتنی مہربانی ضرور کرنا کہ اس کی چتا جلانے کے لیے مجھے چھوڑ دینا۔ اس کے بدن کی راکھ اپنی پیشانی پر مل کر میں خود اسی کمرے میں آجاؤں گا۔"

"تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ تم زبان کھولو گے اور ہم ان کے چیتھڑے اڑائیں گے۔"

"ابھی میرا دل زخمی ہے۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو" وہ فضا میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

اس کی حالت واقعی اچھی نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں انتقام کا بیج بو دیا تھا جو سوکھ جاتا تو ہمارا کچھ نہ بگڑتا، پھوٹ نکلتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

ہم چاروں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اس کمرے سے نکل آئے۔

"رستم تو اس پنڈت کا باپ نکلا" رحمان نے راہ داری میں پہنچ کر کہا "اب سمجھ میں آیا کہ ان دونوں میں اتنی گاڑھی کیوں چھنتی تھی۔"

"باتیں اتنی دور نکل گئی ہیں تو کیوں نہ اوبی کی بات بھی ہو جائے" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"رستم نے ہمارے لیے وہی ایک بہترین کام کیا تھا۔ دشمن کے عیبوں کے ساتھ اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا "آف دی ریکارڈ بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

ہم کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ جلال نے پوچھا "رستم کے ساتھ اوبی کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"تم اوبی سے واقف ہو؟" اول خان کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھر آئے۔

"اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے محکمے میں سفید شیطان کے نام سے مشہور تھا۔"

"مگر وہ تو پچھلے ہفتے نئی دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا جا چکا ہے" رحمان نے کہا۔

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ ٹریفک کے اس خونیں حادثے کا اہتمام رستم نے کیا تھا" اول خان کے اس انکشاف پر وہ دونوں ششدر رہ گئے۔

"آج ہمارے لیے حیرتوں کا دن ہے" جلال نے کہا "رستم کو اس سے کیا پرخاش تھی؟"

"رستم کو کسی پرخاش نہیں تھی۔ وہ تو صرف کرائے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاتل تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے رستم کو اپنی جیب سے دس لاکھ روپے ادا کیے تھے۔"

"ملک ممتاز یعنی ڈینی؟" جلال نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنا سر خم کردیا۔ اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا "تمہارے پاس اتنی بڑی رقم موجود تھی؟"

"ملک کے لیے میں اس سے بڑی رقم بھی خرچ کرسکتا ہوں۔ اول خان اس رقم کی واپسی کے لیے کوشش کررہا ہے۔ شاید ایس ٹی ایف وہ رقم ادا کردے" میں نے صورتِ حال واضح کردی۔

"یہ سیکرٹ فنڈز کا وہ کیس تو نہیں تو جس میں پہلے سات لاکھ مانگے گئے تھے بعد میں تین لاکھ کا اضافہ ہوگیا تھا؟" جلال نے تائید طلب لہجے میں اول خان سے پوچھا۔

"وہی کیس تھا۔ رستم نے پہلے سات مانگے تھے۔ ڈینی سات لے کر پہنچا تو اس نے مزید تین لاکھ کا مطالبہ کردیا مگر یہ ضرور ہوا کہ کام بہت صفائی سے ہوگیا۔ اس کا ایشین پلان ہمارے لیے تباہ کن تھا۔"

"وہ حادثہ اس قدر مکمل تھا کہ کسی کو ابھی تک سازش کا شبہ نہیں ہوسکا۔ وہ سودا دس کیا، پندرہ لاکھ میں بھی برا نہیں تھا۔ ڈینی اور ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کے خلاف اس کی شکایتیں میرے پاس ہی آئی تھیں۔ بعد میں اس نے کرنل والی شکایت واپس لے لی تھی۔"

"اس کی پالتو کتیا کو بند فلیٹ میں زہریلی گیس دے کر تم لوگوں نے ہی مارا تھا" رحمان نے جلال کے بعد اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے واقعات کو دہرایا "اس حادثے سے خوف زدہ ہوکر وہ فوراً ہی نئی دہلی بھاگ گیا تھا۔ تم نے وہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"یہ بریفنگ زبانی اوپر تک جائے گی" جلال نے کہا "یہ واقعات اس قدر سنگین ہیں کہ کوئی بھی انہیں قلم بند کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اب پتا چلا کہ تمہارے خلاف شکایات کا طوفان کیوں تھما ہوا ہے۔ تم نے ڈینی کو ملک ممتاز کے لبادے میں چھپا دیا تھا۔"

"اب وہ لباس اتر چکا ہے۔ مجھے کوئی نیا نام اختیار کرنا پڑے گا" میں نے کہا۔

"اگر تم برا محسوس نہ کرو تو موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ ہم لے لیں۔ اس میں رابن کے خلاف ایک مضبوط شہادت موجود ہے" رحمان نے مجھ سے کہا کیونکہ میں نے کچھ دیر قبل وہ کیسٹ میز سے اٹھا کر دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے پوچھا "میرا تو خیال ہے کہ تم رابن کے قتل کے بارے میں بدستور انجان اور بے خبر بنے رہو۔ زبانی بریفنگ پر اکتفا کرو۔ یہ نازک معاملہ تمہارے ریکارڈ پر آنے سے پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں، ان کا سامنا کرنا دشوار ہوجائے گا۔"

"پیچیدگیاں تو پیدا ہوں گی" وہ سوچتے ہوئے بولا "پہلا سوال یہی اٹھ کھڑا ہوگا کہ موہنی کے فون پر آبزرویشن کیوں لگا ہوا تھا اور جب ان دونوں لڑکیوں کی گفتگو ریکارڈ ہوگئی تھی تو اس ملاقات کے بارے میں ہم نے کیا قدم اٹھایا جو تین افراد کے قتل پر منتج ہوئی۔"

"یہ دونوں سوال سطحی ہیں۔ اپنے گھر پر چوری اور پھر روپوشی کے بعد پنڈت منوہر لال بہت زیادہ مشتبہ ہوچکا تھا۔ مشتبہ افراد کا فون ہر ملک میں سنا اور ٹیپ کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو صرف ٹیپ ہوئی تھی۔ اسے سننے کی ضرورت واردات کے بعد پیش آئی۔ اس وقت تک سب کچھ ہوچکا تھا۔"

"اصل مسئلے تو تم نے خود حل کردیے۔ پھر اب کیا رہ جاتا ہے؟" رحمان ہنس پڑا۔

"کیسٹ تم لے سکتے ہو" وہ میں نے اس کے سامنے ڈال دیا "تمہارے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ رخشی کا بیان سامنے ہے۔ اس نے پولیس کو موہنی کے گھر بھیجا تھا اور خود

برصغیر کے جادو نگار تاریخی کہانیوں کے واحد مصنف ایاس سیتاپوری
اب ہاکت بوں کے لئے نیڈس شائع ہوگئے ہیں
انسان جو کبھی نہیں بدلا گا اور کبھی نہیں بدلا نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ کہ کبھی نہیں بدلی نہیں ہوں گی کیوں کہ یہ کہانیاں انسانوں کی کہانیاں ہیں۔
انسان! جو بادشاہ تھے، وزیر تھے، امیر تھے، فاتح تھے، ظالم تھے، رحم دل تھے، انصاف جذبات احساسات فطرت اور جبلت جو آدم میں تھی وہی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بنی مناسبت حالات، معاشرتی مقام اور تہذیبوں کے عروج و زوال کے مطابق ان کا طریقۂ اظہار بدلتا رہے گا اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایاس سیتاپوری نے ماضی کے بادشاہوں کی نہیں انسانوں کی کہانیاں لکھی ہیں۔ انصاف جبلت اور فطرت کے ساتھ زندہ رہنے والی کہانیاں۔ ان کہانیوں میں وہ سب کچھ ہے جو انسان میں ہے۔ حسد، رشک، شماتت، ریا، بت دوستی، دشمنی، جفاکاری، وفا، شعاری، سادگی، ریاکاری، ایثار، غداری، تزویر، انکساری، بے نیازی اور بے نیازی۔
انسانوں کی اثر انگیز کہانیوں کے مجموعے
تشیر کی کلی
محبت خانۂ عشق
انوکھا دھماکہ
لاگ کا بدن
شہزادی کا نیلام
چاند کا حسد
دلی کا دلی
داستان حور
رزم بزم
ہوشیار آشنا
قیمت فی کتاب ۳۰ روپے ○ ڈاک خرچ فی کتاب ۱۷ روپے
۳ کتابیں منگانے پر ڈاک خرچ معاف
دس کتابوں کے سیٹ کی رعایتی قیمت ۳۰۰ روپے مع ڈاک خرچ
آج ہی اپنا آرڈر بھیج دیجئے کیوں کہ یہ کتابیں محدود تعداد میں شائع ہو رہی ہیں
کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس ۱۰۲ ایسوسی ایشن ایلیا سٹریٹ ایم ٹی ایم ایچ ایریا کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس معاملے میں تمہاری ذرا سی بھی پیشگی باخبری کے بعد رابن مائر کے قاتل کی نشان دہی بلکہ گرفتاری تمہارا فرض بن جائے گا۔ امریکی ہر قیمت پر یہ جاننا چاہیں گے کہ رابن کا قاتل کون تھا۔"

"وہ ایک مشتبہ شخص کے گھر پر مارا گیا۔ مجاز حکام کو خبر کیے بغیر اس نے ایک مقامی کے گھر جاکر سفارتی آداب پامال کیے۔ ان سب حقائق کے باوجود وہ رابن کے قتل پر احتجاج کریں گے اور اس کے قاتل کو عبرت ناک سزا دینے کا مطالبہ کریں گے۔"

"یہ رسمی باتیں ضرور ہوں گی مگر ان میں کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کوئی جواز نہیں بنتا" میں نے کہا "میرا مشورہ ہے کہ اپنی رپورٹ پنڈت تک ہی محدود رکھو۔ اس کے بیان میں سب کچھ آچکا ہے۔ وہ رابن مائر سے رابطوں کا بھی انکشاف کرچکا ہے۔ رابن کی کہانی کو تاریکی میں ہی رہنے دو۔ فی الحال بریفنگ سے کام چلانے کی کوشش کرو۔ یہ احتیاط بعد میں تمہارے کام آسکتی ہے۔"

"مسئلہ وہی ہے کہ پنڈت مقامی شہری ہے۔ دباؤ کے تحت کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ مضبوط شہادتیں بھی درکار ہیں۔ وہ رابن کیس سے ملتی ہیں۔"

"یہاں تم کو مدافعانہ نہیں' ذرا جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ اپنی کارکردگی دکھانے کے بجائے جواب دہی کا بوجھ ان پر ڈالا جائے۔ وہ رستم کے خلاف کارروائی سے پہلے کراچی کیوں پہنچا تھا؟ پنڈت کے گھر وہ کس نیت سے گیا تھا؟ اس نے موہنی کو کیوں قتل کیا؟ سب سے بڑا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ کراچی میں اس کے مزید کن لوگوں سے روابط تھے۔ ان ہی میں سے کوئی اس کا قاتل ہوسکتا ہے۔"

"رحمان! یہ لائن زیادہ بہتر رہے گی۔۔۔ ہم تو شروع سے آخر تک بے خبر تھے۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا' من مانی کرتا رہا اور اپنے درپردہ معاملات کی بنا پر کسی حریف کے ہاتھوں مارا گیا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کراچی میں وہ کن لوگوں سے مل چکا تھا' قاتل کا چہرہ سامنے نہیں آسکے گا۔"

فوراً ہی میرے ذہن میں ایک اہم ترین نکتہ آگیا "تمہارے پاس بعض ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ پنڈت اپنی رپورٹیں باقاعدگی سے اسے فیکس کرتا رہا تھا۔ رستم کے گھر سے اسے فون کیا گیا ہوگا۔ ان دونوں کے گھروں پر لگے ہوئے ٹیلی فونوں کے نئے اور پرانے بل نکالے جائیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ فون بل کے سلسلے میں مقامی نمبر دستیاب نہیں ہوتے لیکن بیرونِ شہر اور بیرونِ ملک کی جانے والی ہر کال کا وقت' دورانیہ اور ملائے جانے والے فون کا نمبر بل کی تفصیلات میں شامل ہوتا ہے۔ میری نشان دہی پر ان دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔

"اب کام بہت آسان ہوجائے گا" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "وضاحتیں پیش کرنے کے بجائے ہم معلومات طلب کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔ واشنگٹن میں رابن کے دفتری اور گھریلو فون بل کی نقول مانگی جاسکتی ہیں۔ ان سے پتا چلے گا کہ وہ پاکستان بلکہ کراچی میں کس کس سے رابطے میں تھا۔"

اول خان کے بشرے پر بھی اطمینان کے تاثرات پھیل گئے۔

وہ لوگ پنڈت کو اسلام آباد میں پیش کرنے کے لیے ایک آخری فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہوہی گئے تھے اور میرا ذہن اپنی ہی بجھائی ہوئی تجویز میں الجھا ہوا تھا۔

فون بل شہری یا مقامی حدود سے باہر کسی بھی شخص کے نجی اور کاروباری رابطوں کا ایک بھرپور خلاصہ ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ بل کی اس اہمیت پر کسی شخص یا ادارے نے غور نہیں کیا تھا ورنہ ایک بل میں بار بار نمودار ہونے والے نمبر کی بنا پر بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ پنڈت کو کسی پارٹی کی نگرانی میں صبح اسلام آباد بھیج دیا جائے مگر اب زبانی بریفنگ کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ ہم دونوں کو اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔" باہمی مشاورت کے بعد ان دونوں نے اعلان کیا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اسے موہنی کی ارتھی اٹھانے اور چتا جلانے کا موقع ضرور دیا جائے" اول خان نے یاد دلایا۔

"تم کہتے ہو تو اس کی یہ رسوم اسلام آباد میں ہی ادا کرانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ پنڈت کو ہم کراچی میں نہیں روک سکتے" جلال نے پورے احترام سے جواب دیا۔

"وہ مجرم ہونے کے ساتھ ایک باپ بھی ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ مجھے پنڈت سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے" اول خان کو اس کا جواب سن کر فوراً ہی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔

موہنی بے راہ رو اور رنگین مزاج لڑکی تھی۔ وہ شہر کے جرائم پیشہ لوگوں کی آلۂ کار بنی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کا انجام اس کے گناہوں سے زیادہ اندوہناک تھا۔ اس کے ذکر پر میرے دل پر ایک بے نام سا بوجھ سوار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلام آباد ملک میں طاقت، اختیار، تمکنت اور ریاستی شوکت وجبروت کا مظہر شہر ہے۔ وہاں بیٹھنے والوں نے پنڈت منوہر لال کو اپنے روبہ رو طلب کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پنڈت کو کراچی میں روکا جاتا یا اس کی روانگی میں غیر ضروری تاخیر کی جاتی۔

پنڈت منوہر لال جیسے خطرناک سازشی مہرے کے لیے وہ ایک اندھی سرنگ کا ہولناک سفر تھا۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سفر کے اختتام پر اس کا کیا انجام ہوگا۔ اسے ایک معزز مہمان اور اقبالی گواہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے کر امریکیوں کے سامنے پیش کیا جائے گا یا اسے بدترین تشدد کی آخری بھٹی میں جھونک کر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔ اس صورت میں موہنی پنڈت کی لاش آئی بی والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ پنڈت نے اپنی بیٹی کی ارتھی کو کندھا دینے اور اس کی چتا کی راکھ اپنی پیشانی پر ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پنڈت کی اس خواہش کا اعادہ کر کے اول خان نے جلال اور رحمان کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

پنڈت کے غیر یقینی مستقبل کی وجہ سے وہ اس کی واپسی کے انتظار میں نہ موہنی کی لاش برف خانے میں رکھ سکتے تھے نہ پنڈت کی روانگی التوا میں ڈال کر جلد از جلد موہنی کی چتا جلانے کا بندوبست کر سکتے تھے۔ ایسے میں موزوں ترین فیصلہ یہی تھا کہ موہنی کی لاش پنڈت کے ساتھ اسلام آباد روانہ کر دی جائے اور وہیں اس کے کریا کرم کا بندوبست ہو جائے۔

اس پورے قصے میں تحریری واقعات کے مقابلے میں زبانی بریفنگ زیادہ وسیع اور اہم تھی جس کی وجہ سے آئی بی کے ان دونوں افسروں کا اسلام آباد جانا ضروری تھا۔ وہ ساتھ ہوتے تو اپنے افسرانِ بالا سے کہہ سن کر پنڈت کی آخری خواہش کی تکمیل کا بندوبست کر سکتے تھے۔

جلال اور رحمان کے ساتھ وہ نکات طے کر کے ہم واپس روانہ ہو گئے۔ موہنی پنڈت کے قتل کا واقعہ تازہ یا نیا نہیں تھا لیکن اس کی موت پر پنڈت منوہر لال کا ردِ عمل ہم دونوں کے لیے ہی غیر متوقع تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے کہ راستے میں اپریٹس بول پڑا۔

"چارلی اسپیکنگ... اوور!" اشارہ موصول ہوتے ہی اول خان نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں اپریٹس سنبھال لیا۔

صدف مینشن کی ملاقات میں آئی بی والے یہ بتا چکے تھے کہ رستم کے گھر پر کامیاب آپریشن کے بعد پولیس اور دوسری ایجنسیوں سے وہ اپریٹس واپس لے لیے گئے تھے۔ اس وقت وہ فری کوئنسی صرف ہمارے اور ان کے درمیان رابطے کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔

"الفا کالنگ!" ریڈیائی شور میں جلال کی بھرائی ہوئی آواز ابھری "اسلام آباد والے شاید سخت دباؤ میں ہیں۔ ہمیں ایک گھنٹے بعد ائرفورس کے ایک جہاز سے وہاں کے لیے روانہ ہونا ہے... تمہارے جانے کے بعد ہمیں ابھی ابھی یہ پیغام ملا ہے... اوور!"

"پنڈت کے گھر پر مارا جانے والا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ یہ سب غیر متوقع نہیں ہے... اوور!" اول خان کی آواز تفکر آمیز تھی۔

"رستم کے بارے میں بھی ریکارڈ طلب کیا گیا ہے" جلال کی پُرتشویش آواز ابھری "اس بارے میں ہمارے پاس سرے سے کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے۔ بس تمہاری فراہم کی ہوئی چند اطلاعات تھیں۔ تم سے ملنے والے تل ابیب کے فون نمبر کنفرم ہوتے ہی آپریشن کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جائیں گے، اوور۔"

"رستم!" اول خان نے چونک کر دہرایا "اس کے بارے میں اچانک ریکارڈ کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ وہ واقعہ تو اب پرانا ہو چکا ہے، اوور!"

"کسی بین الاقوامی ادارے نے کچھ انسانی حقوق کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے" جلال اپریٹس پر بتا رہا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ رستم ایران سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کر پاکستان آیا تھا۔ وہ بہائی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور اُن دنوں ایران میں بہائیوں کے لیے کہیں پناہ نہیں تھی... اوور!"

"مگر یہ اتنے پرانے، گڑے مردے اکھاڑنے کی اب کیا ضرورت پیش آ رہی ہے؟ اوور!" اول خان کی بے اندازہ حیرت میرے لیے تعجب انگیز نہیں تھی۔

"ناک گھما کر پکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ رستم کی خودکشی کو پاکستان میں اقلیتوں کے عدم تحفظ کا مسئلہ بنایا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کر کے غریب کو اتنا دہشت زدہ کیا گیا کہ اس نے اپنے نواسے سمیت خودکشی کر لی، اوور۔"

"دُم پر پاؤں پڑتا ہے تو یہ سؤر کے بچے ایسی ہی موشگافیاں شروع کر دیتے ہیں" اول خان چراغ پا ہو گیا "اس کے خلاف پنڈت منوہر لال جیتا جاگتا ریکارڈ ہے۔ وہ خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں بتادے گا کہ رستم بھی یہودیوں کا آلۂ کار تھا اور رابن مائر سے رابطے رکھتا تھا... اوور!"

"اوہ!" اول خان کے جواب نے شاید جلال کو چونکا دیا "بوکھلاہٹ میں' میں بھول ہی گیا تھا کہ پنڈت نے رستم کا بھی پردہ چاک کردیا ہے۔ دونوں کے فون بلوں سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ وہ واشنگٹن میں رابن مائر سے قریبی رابطے رکھتے تھے۔ ہمارے پاس ریکارڈ سے زیادہ جرم کا ثبوت موجود ہے.... اوور!"

"ہوسکتا ہے کہ ابھی تمہیں اس بارے میں تفصیل کا علم نہ ہو لیکن اسلام آباد پہنچنے کے بعد یہ ضرور بتانا کہ رستم کی خودکشی پر انسانی حقوق کا شوشا کس نے کھڑا کیا ہے۔ اوور!"

"معصوم نقابوں میں چھپے ہوئے ایسے سازشی چہروں میں ہم بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ شاید اس وقت ملک ممتاز بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگا؟ اوور!" اول خان کے مطالبے کا جواب دے کر جلال نے دریافت کیا اور اول خان نے اپریٹس مجھے تھمادیا۔

"اگلے نام کے انتخاب تک مجھے صرف ملک ہی رہنے دو۔ ملک ممتاز کا نام تمہارے ریکارڈ پر آیا ہوا ہے.... اوور!" میں نے اپریٹس لیتے ہی جلال کو یاد دلایا۔

"ٹھیک ہے' میں احتیاط کروں گا مگر یہ سسٹم اتنا فول پروف ہے کہ اس پر ہماری کوئی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی.... تم ہمارے پروگرام سے متفق ہو نا؟ اوور!"

"اس وقت اٹھائے جانے والے ہر نازک سوال کا جواب پنڈت منوہرلال کے پاس موجود ہے مگر اس بارے میں میرے کچھ تحفظات ہیں' اوور۔"

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں" جلال کی مضطربانہ آواز ابھری "ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہمیں قیدی کو لے کر شارع فیصل ایریئیں بھی پہنچنا ہے.... تم کیا سوچ رہے ہو؟ اوور۔"

"پنڈت سے ملنے والی معلومات کو پوری طرح استعمال کرو مگر فی الحال اس کا نام سامنے نہ لاؤ۔ اس وقت وہی ہمارے قابو میں ہے۔ اس کا نام کھول دیا گیا تو ہم اپنا کام آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی امریکی یا یہودی ایجنٹ اسے ٹھکانے ہی لگادے۔ اوور۔"

"تم چاہتے ہو کہ اسے اسلام آباد میں امریکیوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے؟ اوور۔"

"نہ صرف یہ احتیاط ناگزیر ہے بلکہ اس کا نام بھی... فی الحال صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ کئی دن سے مفرور اور روپوش ہے' اوور۔"

"اس کے گھر سے رابن مائر کی لاش برآمد ہونے کے بعد وہ یک بہ یک اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد والوں پر اس وقت پنڈت ہی کی تلاش کا دباؤ ہو' اوور۔"

"اسے پیش کرکے ہم اپنے حریفوں کی خواہش پوری کریں گے' اوور۔"

"اس کا نام پردے میں رکھ کر "جس" کے بارے میں ملنے والے تینوں کاغذوں کو منظرِ عام پر لانا ممکن نہیں رہے گا۔ ان کاغذوں کی بنیاد پر ہی کارروائی آگے بڑھی تھی' اوور۔"

"جلال! تم ایک تجربے کار سروس آفیسر ہو۔ اپنے حریفوں بلکہ دشمنوں کے سامنے اتنی معصومانہ سچائیاں پیش کرکے ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔ سب کچھ بدل ڈالو' اوور!"

"کیسے.... کیسے....؟" اپریٹس پر اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی "وقت گزرا چلا جارہا ہے۔ تم صحیح سمت کی نشان دہی کررہے ہو لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنی کم مدت میں یہ تبدیلیاں کیسے لائی جاسکتی ہیں۔ تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ ہو تو مجھے بتاؤ' اوور۔"

میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں فوری طور پر جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے مضطربانہ استفسار پر میرے ذہن کی چرخی چل پڑی اور خود بہ خود رستم کا پُرعزم چہرہ میری نگاہوں کے سامنے مجسم ہوتا چلا گیا۔

میرے انگوٹھے کا دباؤ پیغام نشر کرنے والے بٹن پر تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران میں جلال اپنی آواز ہم تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی اس کے لیے اعصاب شکن ثابت ہورہی ہوگی مگر میرے پاس کوئی فوری جواب موجود نہیں تھا۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد جوں ہی نکتہ میرے ذہن میں آیا' میں نے بولنا شروع کردیا "پنڈت کو ابھی روپوش ہی رہنے دو۔ شہر میں عملی طور پر بھی اس کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔ تم آسانی سے دعویٰ کرسکتے ہو کہ "جس" والے کاغذ رستم کے گھر سے برآمد ہوئے ہیں' اوور۔"

"ویری گڈ!" جلال کی آواز خوشی سے بھرپور تھی۔ "اب بات بن جائے گی' اوور۔"

"اس کہانی سے رستم کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے گی اور اس کے حق میں آواز اٹھانے والے منافق ہوش میں آجائیں گے۔ پنڈت نے خود اعتراف کیا ہے کہ رستم "جس"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پرانا رکن تھا۔ اوور!"

"تم نے زبردست راہ دکھائی ہے" جلال کی آواز تشکر آمیز تھی "میرے ذہن میں سارے نکتے آنے لگے ہیں۔ تم کو اب اسی اپریٹس پر میرا اگلا پیغام ملے گا' اوور!"

"تو کیا اس کی رینج اتنی زیادہ ہے کہ یہ کراچی اور اسلام آباد کے درمیان بھی کام کرتا رہے گا؟ اوور!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اتنا طاقتور نہیں ہے مگر میرا کوئی بھی آدمی تمہیں میرے رابطے سے آگاہ کرے گا..... میں قیمتی مشورے کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔ فی الحال خدا حافظ..... اوور اینڈ آل۔"

اپریٹس خاموش ہوگیا۔ گاڑی ہمارے گھر کے لیے آخری موڑ لے چکی تھی۔ شاید سلطان شاہ کے کان اول خان کی گاڑی کے انجن کی آواز سے مانوس ہو چکے تھے۔ اس نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا اور اول خان نے گاڑی پورچ میں لے جاکر بند کردی۔

"بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے بعد تم دونوں کی سرگرمیاں اچانک ہی کچھ پُراسرار ہوگئی ہیں" سلطان شاہ نے ہمارا استقبال کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"مار دھاڑ کے مقاصد مجرمانہ ہوں تو اس سے زیادہ آسان کام کوئی اور نہیں ہوتا۔ بامقصد کارروائی کے لیے جواز پیش کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے" میں نے کہا۔

گھر میں قدم رکھتے ہی ہمارا ویرا سے سامنا ہوا۔ اس نے دانستہ مجھے نظرانداز کرتے ہوئے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "سنا ہے کہ آئی بی والے تمہارے جوڑوں میں بیٹھتے جارہے ہیں؟"

ویرا کے استہزائیہ لہجے پر اول خان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور جواب دیا "ہر ادارہ ایس ٹی ایف ہوتا ہے اور نہ ہر اہل کار اول خان۔ آئینی اور قانونی اداروں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ انہیں دھیان میں نہ رکھا جائے تو انتہائی نیک نیتی سے کام کرنے والوں کو بھی لینے کے دینے پڑجاتے ہیں۔"

"اب تو شاید رابن مائر کا معاملہ چل نکلا ہوگا۔ وہ ان کا بہت اہم آدمی تھا" ویرا نے ڈرائنگ روم میں نشست سنبھالتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی۔

"سب ہی کچھ ساتھ ساتھ چل رہا ہے" اول خان نے بے پروائی سے جواب دیا "رابن مائر' پنڈت منوہرلال اور سیٹھ رستم ایرانی۔ ان واقعات سے اڑنے والی دھول رفتہ رفتہ ہی بیٹھے گی۔"

"تو کیا پنڈت منوہرلال کی گرفتاری ریکارڈ پر آگئی ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی مجبوریاں درپیش ہیں۔ آئی بی والوں کے دو ریکارڈ ہوتے ہیں۔ ایک افسرانِ بالا کے لیے اور دوسرا باضابطہ۔ بڑے ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ پنڈت کی گرفتاری صیغۂ راز میں رکھی جائے یا ظاہر کردی جائے۔ تم اس بارے میں کیوں فکرمند ہو؟"

"فی الحال اسے پردے میں رہنا چاہیے۔" ویرا نے نادانستگی میں میری رائے کی توثیق کی "ابھی اس سے بہت کچھ اگلوانا باقی ہے۔ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔"

اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں جیسے وہ ویرا کے کیے ہوئے سوال کا جواب میری زبان سے سننا چاہ رہا ہو۔

"ویرا کے اور تمہارے معاملات میں' میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرا نہیں' ہم سب کا مسئلہ ہے۔" اس مرتبہ ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے" سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں لقمہ دیا۔ "پنڈت نے اسے اغوا تو نہیں کیا تھا جو صرف اسی کو اس کے انجام کی فکر ہو' دوسروں کو بھی....."

"اپنی زہرافشانی بند کرو" ویرا نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "اب بولے تو میں ہاتھ ماردوں گی۔"

"کیسی بدقسمتی ہے کہ چوپائے بھی اپنے اگلے پیروں کو ہاتھ سمجھتے ہیں؟" سلطان شاہ کراہا۔

دھیمی آواز میں کہا ہوا وہ فقرہ ویرا کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ پر دوبارہ برستی' میں بول پڑا "رابن مائر کے ہاتھوں اپنی اکلوتی بیٹی کے قتل کی خبر نے پنڈت منوہرلال کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے....."

"رابن مائر سے اپنے رابطے کا اعتراف اس نے کل ہماری کارروائی سے پہلے ہی کرلیا تھا" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا "اس سے پہلے شاید ہم موہنی اور رخشی کی گفتگو کا کیسٹ حاصل کرچکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ گفتگو پنڈت کے اعتراف کے بعد سنی گئی تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر اب پنڈت نے ایک بڑا انکشاف کیا ہے۔ رستم ایرانی بظاہر سیاسی جرائم اور دہشت گردیوں سے دور رہتا تھا مگر وہ خود "جس" کا پرانا رکن تھا۔ اسی نے بعد میں پنڈت منوہرلال کو "جس" کا رکن بنوایا تھا اور سارا کام اسی پر لادیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ انکشاف سنتے ہی ویرا اپنی جگہ پر اچھل پڑی "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ پنڈت نے اپنی کھال بچانے یا تم سے کچھ رعایتیں حاصل کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑلی ہو۔"

"تم واقعات سے پوری طرح باخبر نہیں ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو" اول خان نے اس کی تصحیح کی "پنڈت نے یہ انکشاف انتہائی مایوسی اور بے بسی کے عالم میں کیا ہے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسے ہماری طرف سے ذرا بھی رعایت نہیں مل سکے گی۔"

"وہ پرلے درجے کا مکّار اور جھوٹا ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ رستم کا موساد یا "جس" سے کوئی تعلق تھا۔ پنڈت نے تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے" ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"اس نے ہمارے سامنے یہ اعتراف کیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا" اول خان نے بے بسی سے کہا "پنڈت ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی برداشت کی حد تک سب کچھ خاموشی سے سہہ لیتے ہیں لیکن جب ڈوبنے لگتے ہیں تو اپنے ساتھ سب کچھ لے ڈوبتے ہیں۔"

"تمہارے اس دعوے کی بنیاد کیا ہے؟" میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"بہت سیدھی اور قابلِ فہم بات ہے۔ اس خطّے میں سی آئی اے، موساد اور را کے بیشتر مفادات یکساں بلکہ مشترک ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رستم کے موساد اور "جس" سے گہرے رابطے ہوں اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اوبرائن ڈی ہنٹ یہاں کس مشن پر کام کر رہا تھا" ویرا نے اعتراض کیا۔

"تمہارا یہ نکتہ بہت وزنی اور اہم ہے" اول خان نے سرہلاتے ہوئے کہا "اوبرائن بہت اہم آدمی تھا۔ اگر ہم پنڈت کی بات کو درست مان لیں تو رستم کے ذریعے اوبرائن کے قتل کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ وہ آخری لمحات پر بھی کوئی نہ کوئی حیلہ کرکے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔"

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہو سکتا ہے" میں نے جواب دیا "رستم دوسروں کی طرح موساد اور "جس" کا ایک عام کارندہ نہیں تھا، اس کی اپنی ایک حیثیت اور شناخت تھی۔ اسے اپنی اس شناخت پر گھمنڈ تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی اس شناخت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔"

"کیا اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے نادرِ روزگار سازشی کی قیمت پر بھی؟" میری وضاحت پر ویرا کی آنکھیں حیرت سے اس کی پیشانی پر جا چڑھیں۔

"اپنے سامنے وہ اوبرائن سمیت ہر شخص کو حقیر اور کم تر سمجھتا تھا۔"

ویرا نے میری بات درمیان سے کاٹ دی "اپنے اس اقدام پر اسے کسی بازپرس کا خوف بھی نہیں تھا؟"

"کہاں کی بازپرس اور کیسا خوف؟" میں نے ہنس کر جواب دیا "وہ تہ در تہ بہروپوں میں چھپا ہوا تھا۔ اوبرائن کو مارنے کے لیے اسے بس ڈوریاں ہلانی پڑیں اور وہ ایک حادثے میں مارا گیا۔ حادثے کا ذمے دار فرار ہو گیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اوبی کی موت میں رستم کا ہاتھ تھا۔"

"اس نے تمہیں کام ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے رستم کو دس لاکھ روپے کی خطیر رقم اس قتل کے معاوضے کے طور پر ادا کی تھی" ویرا نے اضطراب سے کہا۔

"اس نے ڈینی سے کوئی لین دین نہیں کیا۔ پورا سودا رستم اور ملک ممتاز کے درمیان ہوا۔ ایسے سودوں میں کوئی فریق زبان نہیں کھولتا۔ ایک کی نشان دہی ہوتی ہے تو ساری گردنیں خود بہ خود شکنجے میں آتی چلی جاتی ہیں۔" اس بار اول خان نے میرا ساتھ دیا تھا۔

"پھر بھی میں یہ بات من و عن تسلیم نہیں کر سکتی۔ مجرمانہ سازشوں میں مالی مفاد کے ساتھ ساتھ جذباتی وابستگی بھی شامل ہوتی ہے" ویرا مصر رہی "اس نے ہر چیز کو بالائے طاق رکھ کر اوبرائن کے قتل پر آمادگی کیوں ظاہر کر دی۔ اسے تو بھڑک کر تم پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے تھا۔"

"یہ سب تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم رستم کے ساتھ معاملات طے کرنے میں شامل نہیں تھیں" سلطان شاہ گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیتے ہوئے بولا "اس کے دماغ پر اپنے بنائے ہوئے اصولوں کا خبط بھی سوار تھا۔ اس وجہ سے اسے آخری لمحات پر معلوم ہوا کہ ہم اس کے ذریعے کس شخص کو راستے سے ہٹانے کے خواہاں تھے۔ اوبرائن کے نام پر وہ چونکا تھا لیکن انکار نہیں کر سکا۔"

"وہ آخر تک کہتا رہا کہ ملک سے باہر کسی کو ٹھکانے لگانا مشکل کام ہے" ویرا کو اس بارے میں ہماری بتائی ہوئی ساری جزئیات یاد تھیں "وہ اوبرائن کو نہ مارنا چاہتا تو بعد میں کسی بھی مضبوط عذر کے ساتھ تمہیں سات لاکھ روپے لوٹا کر معاہدہ ختم کر سکتا تھا۔"

ویرا کے ان الفاظ نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کیا رستم خود بھی کسی وجہ سے اوبرائن کو ناپسند کرتا تھا اور اسے مار دینا چاہتا تھا؟

اس وقت تک میں بس ایک ہی لائن پر سوچ رہا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رستم کو اپنی انفرادیت اور بالادستی عزیز تھی۔ اپنے ایک روپ میں وہ موسادیا جس کا ایجنٹ تھا اور دوسرے روپ میں نقد معاوضہ لے کر بڑے جرائم کی منصوبہ بندی کرنے والا ایک سفید پوش مجرم تھا۔ جس کے جرائم کے بہت سے خاموش گواہ موجود تھے مگر اس پر یا اس کے کسی خاص آدمی پر کبھی کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا۔

مجھ سے یعنی ملک ممتاز سے سودا کرتے ہوئے وہ اپنے دوسرے روپ میں تھا۔ وہ ایک ایسے سفّاک اور سرد مہر قاتل کا روپ تھا جو بڑے معاوضے پر دنیا بھر میں کسی کو بھی مار ڈالنے کی ذمے داری لے سکتا تھا۔ اس نے اپنی نظروں میں اپنا وہ بھرم برقرار رکھنے کے لیے یا دوسرے الفاظ میں اپنی مجرمانہ انا کی سربلندی کے لیے اوبی کے بے داغ قتل پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اوبرائن زندہ تھا نہ رستم ایرانی کسی جواب دہی کے لیے دنیا میں موجود تھا۔ ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کے بعد اس بارے میں بس قیاس آرائیاں ہی کی جاسکتی تھیں لیکن ویرا نے ایک امکان کی نشان دہی کرکے مجھے نئی راہ سجھادی تھی۔

میں نے پنڈت کو یہ تو بتا دیا تھا کہ اس کی تجوری سے تینوں اہم کاغذات ملک ممتاز نے اڑائے تھے اور وہ ان کے ذریعے رستم کو بلیک میل کررہا تھا مگر اس سے اوبرائن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا تھا۔

پنڈت منوہرلال زندہ تھا۔ وہ رستم کا قریبی ساتھی تھا۔ اگر اسے یہ بتایا جاتا کہ نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے لیے حادثے کا اسٹیج رستم نے سجایا تھا تو وہ ویرا کے چبھتے ہوئے سوال کا کوئی ٹھوس جواب دے سکتا تھا۔

ویرا کی طرف سے اس امکان کی نشان دہی کے بعد بھی میرا اپنا نظریہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ رستم نے اپنے ساتھ اپنے چہیتے اور کم سن نواسے کی کنپٹی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر یہ ثابت کردیا تھا کہ اس کا بالادستی کا گھمنڈ ناقابلِ تسخیر تھا۔

ایسے مجرم خود کو دنیا کی ہر طاقت اور قانون سے ماورا سمجھتے ہیں اور اپنی کفالت میں آئے ہوئے افراد کے تحفظ کے بارے میں ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔ انہیں یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ ان پر کوئی بُرا وقت آیا تو ان کے سارے پیارے اور دلارے ناقابلِ برداشت مصائب میں گھر جائیں گے۔

جب رستم نے بسیرا میں محصور ہوکر انفرا ریڈ دوربین کی مدد سے قرب وجوار کی گلیوں میں مسلح ہیولوں اور متحرک و تاریک گاڑیوں کو اپنے مسکن کی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھ لیا ہوگا کہ اس کا بُرا وقت آپہنچا ہے۔ وہ ایسی بُری گھڑی تھی کہ شہر کے مقتدر حلقوں میں گہرا اثر و رسوخ رکھنے والے رستم کو کانوں کان بھنک بھی نہیں مل سکی تھی کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

ایسے لمحات میں ہر بڑے اور برے مجرم کو قانون کا آہنی چنگل اپنے حلقوم میں پیوست ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مجرم اکیلا ہو تو آخری سانس تک لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے کوئی گولی کھا کر اپنے دردناک انجام کو پہنچ جاتا ہے لیکن جن مجرموں کا کوئی والی وارث ہو' ان کے لیے اس راہ کا انتخاب کٹھن ہوجاتا ہے۔

شاید رستم نے بھی بحران کے ان لمحوں میں یہی سوچا ہوگا کہ آنے والوں کی رسد کی ہر راہ کھلی ہوئی ہے اور وہ بسیرا میں محصور ہے۔ مقابلہ کیا تو چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند روز تک مزاحمت کرسکے گا اور پھر لڑتے لڑتے بے خبری میں مارا جائے گا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کے گھر کی عورتوں کا کیا حال ہوتا اور قانون ایک مردہ مجرم کے اکلوتے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

قانون اس معصوم کو معاف کر بھی دیتا تو معاشرہ اسے ہرگز ... معاف نہ کرتا۔ رستم نے برسوں تک جرائم کی فصل کی آب یاری کرکے عزت' ثروت اور نیک نامی کی جو ساکھ کمائی تھی' وہ بسیرا پر پہلی گولی چلتے ہی خاک میں مل جاتی۔

شاید اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کا اکلوتا اور لاڈلا نواسا سر جھکا کر ندامت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے اور ساری عمر اپنے نانا کو ستا رہے جس نے اسے رسوائیوں کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ رستم کے لیے اس وقت دو میں سے کسی ایک راہ کا ارادی انتخاب ضروری تھا۔

یقین اور بے یقینی۔ امید اور ناامیدی۔ یقین اور امید کی ہر راہ اسی لمحے مسدود ہوگئی تھی جب اس نے اپنی دوربین سے پہلا منظر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ہر سو بے یقینی اور ناامیدی کے گھور اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا اور پھر بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کرلیا۔

اسے کوئی گولی کھا کر یا پھانسی کے پھندے پر لٹک کر مرنا ہی تھا۔ اپنے بعد وہ اپنی بیٹی کے لختِ جگر کو قانون اور زمانے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنی عالی شان رہائش گاہ کی اندھیری چھت پر سے شب خون مارنے والوں کو للکارا اور پھر اپنے ہاتھوں سے دونوں زندگیوں کا خاتمہ کرلیا۔

وہ شقاوت اور سنگ دلی کی انتہا تھی کہ وہ جسے سب سے بڑھ کر چاہتا تھا' اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھا تھا مگر وہ اس کے ذہن میں کار فرما نفسیاتی پیچیدگیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔ میں ویرا کی نشان دہی سے پہلے یہی سوچتا رہا کہ ایسے ہی کسی ذہنی پیچاک سے دوچار ہو کر رستم نے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تمہارے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا۔" میں نے ویرا کے سامنے اعتراف کیا "یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اگر رستم واقعی موسادیا "جس" کا ایجنٹ تھا تو کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہونے کے باوجود اوبرائن ڈی ہنٹ کو مارنے پر کیوں آمادہ ہو گیا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ بسیرا میں رستم کی خودکشی اور وہاں سے پنڈت منوہر لال کی بازیابی کے بعد مزید کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ آپریشن میں حصہ لینے والے وہاں کے ملازمین وغیرہ کو ہدایات دے کر لوٹ آئے تھے۔" سلطان شاہ نے اول خان سے سوال کیا۔

"رستم زندہ گرفتار ہوا ہوتا یا پنڈت منوہر لال ہمارے ہاتھ نہ آتا تو بسیرا کا تنکا تنکا الٹ پلٹ کر رکھ دیا جاتا۔ ان دونوں قصوں کے نمٹ جانے کے بعد وہاں کسی کارروائی کا کیا جواز رہ جاتا تھا؟" اول خان نے جوابی سوال کیا اور پھر کہا "اس وقت ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ "جس" کا رکن ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائری لکھنے کا عادی رہا ہو۔ اس کے ذاتی ریکارڈ سے بہت کچھ ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ کچھ ہاتھ آتا یا نہ آتا، کوشش ضروری تھی۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "تم بھول رہے ہو کہ اس آپریشن میں ہمارا کوئی رول نہیں تھا۔ ہم خاموش تماشائی تھے۔"

"آپریشن کی نگرانی تجربے کار افسران کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ امکانات کیوں نظرانداز کر دیے؟"

"میں ان کا دفاع نہیں کر رہا لیکن سچ پوچھو تو میں ان کی جگہ ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جو انہوں نے کیا۔ پنڈت کو پکڑ کر بسیرا سے لوٹ آتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ کیا انہیں اس پورے کیس کی اہمیت کا علم نہیں تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ان کی معلومات بہت محدود تھیں۔ وہ ہمارے بھیجے ہوئے تین کاغذوں اور ان کے مالک کے نام سے آگے کچھ نہیں جانتے تھے۔ تل ابیب کے نمبر کنفرم کرنے کے بعد انہوں نے کسی لمبے چوڑے ہوم ورک کے بغیر محدود مقصد کے لیے کارروائی کی۔ ان کا ہدف رستم نہیں، پنڈت تھا۔ اسے پکڑ کر وہ لوٹ آئے۔"

"رستم نے اپنے ملاقاتیوں کی وڈیو اور آڈیو فلمیں بنانے کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ ان فلموں کو محفوظ رکھتا ہوگا۔ ان میں ہماری فلمیں بھی ہوں گی۔ وہ کسی غلط ہاتھ میں پہنچ گئیں تو مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"اوہ!" اول خان بے فکری سے ہنس پڑا "تم بھی ویرا کی طرح گھما پھرا کر بات کرنے لگے ہو۔ یہ مسئلہ شروع سے میری نظروں میں تھا۔ مواصلاتی ماہرین کی ایک ٹیم نے بسیرا کا وہ پورا سسٹم اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ وہ کئی کیمروں اور ستر سے زیادہ حساس مائیکروفونز پر مشتمل تھا۔ ان میں کوئی فلم نہیں تھی۔ سارے کیسٹ نئے اور کورے تھے۔۔۔"

"ہو سکتا ہے کہ ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ وہ کسی محفوظ مقام پر پوشیدہ رکھتا ہو۔" سلطان شاہ نے قدرے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "پرانی فلمیں کیمروں یا ریکارڈرز میں نہیں چھوڑی جا سکتیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے الکٹرو میگنیٹک ٹیپ کا سراغ لگانے والے حساس آلات استعمال کیے ہوں۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ وہاں کوئی مشتبہ کیسٹ نہیں تھا۔ رستم کی خواب گاہ کے پیچھے ایک جدید برقی بھٹی بھی پائی گئی تھی۔ اس کی تہ میں پائے جانے والے فضلے میں پلاسٹک کے بچے کھچے اجزا پائے گئے ہیں۔ شاید وہ اس معاملے میں اپنے اصول کا پابند تھا۔ معاہدہ پورا ہوتے ہی کیسٹ تلف کر دیتا تھا۔"

"طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ پھر بھی موجود ہونے چاہئیں تھے۔"

"اس کے گاہکوں میں وعدہ خلافی کرنے والوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہوگا۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھایا "طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ وہ ان کے حریفوں کے ہاتھ بیچ کر اپنا خسارہ پورا کرنے کی بات خود ہی بتا چکا تھا۔"

"یہ بات بہت شدت سے میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے تمہارے سامنے رکھ دی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اپنے شانے اچھال کر کہا "اگر تم دونوں مطمئن ہو تو ٹھیک ہے۔"

اول خان کچھ وقت گزار کر واپس چلا گیا۔ اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا جو گلشن اقبال کے اس علاقے سے زیادہ دور نہیں تھا۔

میں پورچ سے اسے رخصت کر کے واپس آیا تو ویرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ سلطان شاہ شاید ڈرائنگ روم میں ہی ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

میں راہ داری میں ویرا کے سامنے رک گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں مگر اس نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ بس خاموش اور سپاٹ نگاہوں سے میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔

"دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟" آخر کار مجھے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ سکوت توڑنا پڑا۔

"کیوں.....؟ کیا یہاں کھڑا ہونا منع ہے؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"دروازہ کسی بھی طرف گزر جانے کے لیے بنایا جاتا ہے۔" میں نے اپنی غیر ارادی مسکراہٹ کو چھپائے بغیر ذو معنی لہجے میں کہا "دروازے پر وہی لوگ رکتے ہیں جو اندر جانے یا لوٹنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا ہوں۔ یہ تمہارا اپنا کمرا ہے۔ تمہیں یہ تذبذب کیوں ہے؟"

"روم میں جب جمی لائیڈ میرا اتالیق تھا تو امرا کی محفلوں میں رسائی سے پہلے میں سرِ شام یوں ہی دروازے پر آ کھڑی ہوتی تھی.... ذرا سی بن سنور کر۔ آج نہ جانے کیوں وہی سنہرے دن یاد آ رہے ہیں۔ اندر جاتے جاتے قدم دروازے پر بے اختیار رک گئے۔"

"وہ شاید تمہاری زندگی کا تاریک ترین دور تھا۔ جب تمہیں یہ سکھایا جا رہا تھا کہ ایک خوب رو لڑکی اپنے کن حربوں اور ہتھیاروں سے مردوں کو اپنا غلام بنا سکتی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ اس کا جواب سن کر میری مسکراہٹ یک بہ یک کافور ہو گئی تھی۔

"وہی تو زندگی کا اصل حسن تھا۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "جمی لائیڈ نے ڈان مرسیا نو بن کر مجھے یہی سکھایا تھا کہ مردوں کی بھیڑ میں تم کسی کو نہ چاہو اور وہ سب ٹوٹ کر تمہاری قربت کو ترستے ہوں تو سمجھ لو کہ تم کامیاب لڑکی یا عورت ہو پھر....."

میں نے غصے کے عالم میں اس کی بات کاٹ دی "تم کیا بے ہودہ اور غلیظ موضوع لے بیٹھیں....."

اس نے بھی مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی اور درمیان میں کہا "وہ کہا کرتا تھا کہ پھر تم اس بھیڑ میں سے اپنی مرضی کا کوئی خوش نما کھلونا چن لو' اس سے کھیلو اور اگلے دن بہت بے رخی سے اپنی پسند تبدیل کر لو۔ چہرے اور کھلونے بدلتے رہیں تو زندگی بہت تیز اور ہیجان انگیز رہتی ہے۔"

"تم نے یہ بکواس جاری رکھی... تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" میں نے اپنے بڑھتے ہوئے غصے پر قابو پا کر سرد لہجے میں کہا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی "ویسے تم کون سی اچھی طرح پیش آتے ہو جو اب یہ دھمکی دے رہے ہو۔ میرے ساتھ کسی اور کا ذکر سن کر جل بھن رہے ہو نا؟"

دوسروں کی موجودگی میں میرے ساتھ اس کا رویّہ خاصا بہتر تھا۔ دو دن سے میں محسوس کر رہا تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی وہ میرے ساتھ تلخی آمیز اور کاٹ دار باتیں شروع کر دیتی تھی۔ اسے کوئی سخت جواب دے کر فضا کو مزید خراب کرنے کے بجائے میں ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

جاتے جاتے میں نے ڈرائنگ روم میں نگاہ ڈالی تو سلطان شاہ ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے میں محو تھا۔ اسے میری آمد کا علم ہی نہ ہو سکا اور میں قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں غزالہ بستر پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی غزالہ رسالہ ایک طرف پھینک کر بستر پر سیدھی ہو گئی۔ اس نے مسکرا کر کچھ کہنا چاہا لیکن میرے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ کر وہ چونک پڑی اور سنجیدگی سے بولی "کیا بات ہے؟ ابھی تو آپ بہت اچھے موڈ میں اول خان کو الوداع کہنے گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں موڈ کیوں آف ہو گیا؟"

"کبھی کبھی یہ عورت بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔" میں نے ترشی سے کہا۔

"کیا کہہ دیا اس نے؟ ابھی وہ بھی اچھے بھلے موڈ میں تھی۔" غزالہ میرے جواب پر حیران رہ گئی۔

"اسے اچانک اپنا ماضی یاد آنے لگا ہے.... غلاظت کا کیڑا گندگی کے ڈھیر میں خوش رہتا ہے۔ اسے صاف ستھری فضا میں لانے کی کوشش کرو تو وہ گھٹن میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے۔" میں نے زہر آلود لہجے میں جواب دیا "میرا دماغ سنک گیا تو میں اس کا سر توڑ دوں گا۔"

غزالہ یوں ہنس پڑی جیسے میں نے کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہو "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے دعوے کو اتنی سرعت سے عملی جامہ پہنا بیٹھے گی۔ اس کے سامنے ظاہر بھی نہ ہونے دیں کہ اس کی کسی بات نے آپ کو مشتعل کر دیا ہے۔"

"میرا خون کھول رہا ہے اور تم ہنس رہی ہو۔ کیا کہہ رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی وہ؟ کیا دعویٰ ہے اس کا؟" غزالہ کے غیر معمولی ردِّ عمل پر میری کھوپڑی بھنّا کر رہ گئی۔

"وہ وہی کہہ رہی تھی جو آپ بتا رہے ہیں۔ بعض اوقات وہ مذاق میں بھی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ بھی اس کے دھوکے میں آگئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا دعوے کر رہی تھی؟"

"کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کے مزاج پر کامل اتھارٹی ہے۔ جب چاہے' چٹکی بجاتے میں آپ کا اچھا خاصا موڈ برباد کر سکتی ہے۔" میرے تیور دیکھ کر بھی غزالہ پوری طرح سنجیدہ نہیں ہو سکی تھی۔

"موڈ برباد کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک ڈھکی چھپی گالی بھی کسی شریف آدمی کا ذہن پراگندہ کر سکتی ہے۔ وہ میرے خلاف تم سے ایسی باتیں کیوں کرتی ہے؟"

میرے تیکھے سوال پر غزالہ سنبھلنے پر مجبور ہو گئی اور جلدی سے بولی "وہ کچھ نہیں کہتی' آج میں نے ہی اس سے پوچھ لیا تھا کہ وہ آپ سے کیوں لڑتی رہتی ہے۔"

"اور اس نابکار عورت کو میرے خلاف زہر اگلنے کا موقع مل گیا؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"بب.... بس.... پھر باتیں چل نکلیں۔" غزالہ نے ہکلاتے ہوئے بتایا "اس کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کے دل میں غبار ہے۔ اس کے برعکس وہ اب بھی آپ کو اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے...."

"اور اسی وجہ سے میرا موڈ تباہ کرنے کے دعوے کر رہی تھی۔" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر درمیان ہی میں لقمہ دیا۔

"کسی بات پر میں نے ہی کہا تھا کہ آپ بہت خوش مزاج ہیں۔ ہر وقت شگفتہ موڈ میں رہتے ہیں اور دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہیں۔" غزالہ نے معاملے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کہا "اس پر وہ بولی تھی کہ وہ جب چاہے ذرا سی بات پر آپ کو برہم کر سکتی ہے۔"

میں نے بے اختیار غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور مسکراتے ہوئے کہا "وہ جو کچھ بکتی ہے' اسے بکنے دو۔ اس کی باتوں پر تم کیوں سہمی ہوئی ہو۔"

میرے رویے کی اچانک تبدیلی پر غزالہ کے ہونٹوں سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ میں ڈر گئی تھی کہ آج ویرا کے مذاق کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی۔ آپ کو بھڑکا کر وہ مزے سے کہیں پاؤں پسارے بیٹھی ہو گی۔"

"ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بستر چھوڑ دیا "میں اسے احساس دلاؤں گا کہ کسی کا موڈ بگاڑنا کس قدر آسان ہوتا ہے۔"

"پلیز!" غزالہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا "وہ جو کرتی پھرتی ہے' اسے کرنے دیں۔ آپ اسے تنگ نہ کریں۔ وہ آپ کے بارے میں بہت حسّاس ہے۔ ہر بات اپنے دل پر لے لیتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" غزالہ کے ان فقروں پر میں نے اپنے دل میں تقویت سی محسوس کرتے ہوئے کہا "پھر بھی اسے ہلکا سا سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

میں غزالہ کو خواب گاہ میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی اور میں چونک پڑا کیونکہ اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔

"..... میں کسی دن ہاتھ پیر باندھ کر پوری بوتل تمہارے حلق میں انڈیل دوں گی۔" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ویرا کا وہ آخری فقرہ میرے کانوں میں پڑا۔

سلطان شاہ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے کوئی جواب دینے والا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے اپنے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا کے لیے! اسے کسی باڑے میں بند کر دو۔ یہ ہر وقت تنگ کرنے لگی ہے۔" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے التجا کی۔

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے کمرے کے وسط میں جگہ سنبھال کر خوش دلی سے پوچھا۔

"یہ پٹھان ہے۔ میں اسے سمجھا رہی تھی کہ اسکاچ کے ایک دو پیگ لینے سے اتنا نشہ بھی نہیں ہوتا جتنا عمدہ چرس سے بھری ہوئی ایک سگریٹ پینے سے ہوتا ہے۔" ویرا اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو فضا میں قدرے آگے لہراتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ چرس صرف پٹھان پیتے ہیں۔ پٹھانوں سے کہیں زیادہ سندھی' پنجابی اور بلوچ نشہ کرتے ہیں بلکہ باہر نکلو تو یورپ اور امریکا میں مسکن قدرتی پیداوار کے طور پر یہ نشہ بہت زیادہ مقبول ہے۔ ہالینڈ میں اس کی خرید و فروخت کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ہر ڈچ' پولیس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرفت کے کسی خوف کے بغیر اپنی جیب میں چرس کا ایک پوّا لے کر گھوم سکتا ہے....."

ویرا نے چڑ کر میری طولانی تقریر درمیان ہی سے اچک لی "ہم چرس کے کاروباری امکانات پر غور نہیں کر رہے تھے' بات صرف ایک گلاس اسکاچ پینے کی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ وہ شراب کے گلاس کو پاک کیے بغیر اس میں پانی پینا بھی حرام سمجھتا ہے تو تم اسے کیوں چڑاتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"جب تمہیں میرا جواب معلوم ہے تو بار بار اصرار کرنے سے فائدہ کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"پتھر پر بوند بوند پانی گرتا ہے تو وہاں بھی خفیف سا گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم اپنی ناک چٹکی سے دبا کر پورا گلاس غٹاغٹ چڑھا جاؤ۔" بات پوری کر کے ویرا نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"یہ روم نہیں ہے۔" میں نے ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا "سلطان شاہ کو اتنا نہ ستایا کرو کہ یہ بدک جائے۔ بعض کھلونے اتنے نازک ہوتے ہیں کہ ہاتھ میں آتے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسی قبیلے کا کوئی فرزند معلوم ہوتا ہے۔"

ویرا نیم ہذیانی انداز میں ہنسی پھر بولی "میں یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ کھلونوں کا دور روم میں رہ گیا۔ یہاں رہ جانے کے بعد تو میں تمہارے لیے کھلونا بن کر رہ گئی ہوں۔"

"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا "یہ بہک کر ہوش کی باتیں کرتی ہے۔ ہوش میں ہوتی ہے تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے ویرا۔ تمہیں کسی نے کھلونا بنایا ہے نہ سمجھا ہے۔" میں نے کہا۔

"کھلونے کھیلنے والے کے لیے بے جان ہوتے ہیں۔" وہ مزید ایک گھونٹ لے کر بولنے لگی "وہ ان سے کھیلے یا توڑ کر کوڑے دان میں پھینک دے۔ سب کچھ اسی کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر میں کھلونا نہیں ہوں تو یہاں میری مرضی کیوں نہیں چلتی؟ جو میں چاہتی ہوں' وہ کیوں نہیں ہوتا؟"

"تمہاری مرضی کی ہر جائز بات ہو کر رہتی ہے۔ اب تم خود ہی چاند کو پانے کی آرزو کرنے لگو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے تخلیے میں ادھوری رہ جانے والی بات سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم..... اور سلطان شاہ..... کیا تم دونوں خود کو چاند سمجھتے ہو؟" اس کا سوال ایک تیز ہذیانی سرگوشی کی صورت میں ڈرائنگ روم میں گونجا۔

"یہ سوال کر کے تم اعتراف جرم کر رہی ہو۔ کیا تم ہم دونوں کو حاصل کر لینا چاہتی ہو؟" میں نے بھی اسی جارحانہ انداز میں ویرا سے سوال کیا۔

"ارے ڈینی! تم بڑے سنگ دل ہو۔" وہ گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گئی "میں بے چاری' ایک بے نام و نشان لڑکی جسے اس کے باپ نے کبھی اپنی بیٹی نہ کہا' تم دونوں سے کیا چاہ سکتی ہوں؟ میرا تخلیقی خدا تمہاری اور غزالہ کی جوڑی کو سدا شاد و آباد رکھے' سلطان شاہ کا گھر آباد کرے۔ تم دونوں مجھے بہت عزیز ہو۔ یہ بات تمہارا دل بھی جانتا ہے۔ میری خواہش بس اتنی سی ہے کہ مجھے تھوڑی سی عزت کی نگاہ سے بھی دیکھ لیا کرو۔ میرے دل کے پار اتر جانے والے کڑوے کسیلے سوالات مت کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کی امانت ہو۔ میں تمہیں پانے کی آرزو کیسے کر سکتی ہوں۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت ہے مگر میں مسیحی ہوں۔ ہم ایک وقت میں ایک بیوی اور ایک شوہر کے فلسفے والے لوگ ہیں۔ یہ بھول جاؤ کہ میں خائن ہوں....."

وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی بات وہیں سے اچک لی "تم بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہو۔ ہم سب اپنے اپنے دلوں کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔ یہ پابندی ضرور ہے کہ یہاں روم والی آزادیاں نہیں ہیں۔"

"ان آزادیوں کو میں ٹھوکر مار چکی ہوں۔" اس نے ہوا میں داہنی ٹھوکر چلا کر کہا "غزالہ کو دیکھ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ چکی ہے کہ بے مہار آزادی مرد کو ملے یا عورت کو' نقصان سراسر عورت کا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے تم سے فاصلے کی بات کی تھی۔ وہ فاصلہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ تم نے اس سمت میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ خلوت میں ہونے والی گفتگو کو ویرا نے محفل میں چھیڑ دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "عملی طور پر تمہاری وہ شکایت بے بنیاد تھی مگر تم جلد ہی تبدیلی محسوس کرو گی۔ یوں ہر ایک سے لڑنے بھڑنے سے ایسی باتیں حل نہیں ہوا کرتیں۔"

میرے لیے ویرا کی شکایت بہت واضح اور کھلی کھلی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اس نے الفاظ کا موزوں انتخاب کیا تھا۔ اس کی پوری بات سلطان شاہ کے پلے پڑی نہ میری بات اس کی سمجھ میں آئی اور اس نے احتجاج کر ڈالا "اب تم دونوں نے ہی بہکی بہکی باتیں شروع کردی ہیں۔ جو میرے سر پر سے گزر رہی ہیں۔"

ویرا نے آخری بڑا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کردیا۔ اسی وقت غزالہ ہنستی ہوئی وہاں آگئی "یہاں کیا بہکی بہکی باتیں ہورہی ہیں۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"ڈینی سے سنو!" ویرا نے اسے آنکھ مار کر آسودہ لہجے میں کہا "میں اپنا مے خانہ یہیں اٹھالاتی ہوں۔"

"اس وقت وہ چھوئی موئی بنی ہوئی ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں غزالہ کو ہدایت دی "اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔"

"وہی نہیں' اس وقت تم بھی عجیب باتیں....." سلطان شاہ نے اپنی جھوک میں بولنا شروع کیا مگر میری آنکھیں دیکھ کر وہ یکایک خاموش ہوگیا۔

"وہ مجھ سے شکوہ کررہی تھی کہ اب گھر میں پیتے ہوئے وہ خود کو زیادہ ہی اکیلا محسوس کرنے لگتی ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ویرا کے لیے وافر ہمدردی موجود تھی "آپ نے مے نوشی بہت کم کردی ہے مگر ترک نہیں کی۔ کبھی کبھار اس بے چاری کا ساتھ بھی دے دیا کریں۔"

"یہ کیا کہہ دیا تم نے!" سلطان شاہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اب یہ دونوں باری باری ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے بہانے بوتل کے گرد بیٹھے نظر آئیں گے۔"

"جس طرح اڑیل سانڈ کو مضبوطی سے باندھ کر بوتل سے کڑوا تیل پلایا جاتا ہے' ویرا بالکل اسی طرح سلطان شاہ کو شراب پلانے کا ارادہ رکھتی ہے۔" میں نے مسکرا کر غزالہ کو آگاہ کیا "میں اسے ذرا بھی شہ دے دوں تو یہ شان دار واقعہ کل ہی رونما ہوسکتا ہے۔"

"اول تو وہ مجھے زیر ہی نہیں کرسکتی۔ مارشل آرٹس کے کچھ کرتب دکھا بھی لیے تو ایسی بُری گھڑی آنے سے پہلے وہ جہنم واصل ہوجائے گی۔" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "تم نے اسے ذرا بھی اکسایا تو میں زندگی بھر تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔"

غزالہ ہنسنے لگی "تم بلاوجہ ڈر گئے۔ یہ آج کل ویسے ہی ویرا سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

"اپنی مصلحتیں یہ دونوں ہی جانتے ہیں۔ پتا نہیں ان کے دماغ میں کب' کیا سوار ہوجائے۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کے بولا "اسی لیے میں نے اپنا فیصلہ سنادیا ہے۔"

چند منٹ بعد ویرا ٹرے لائی تو اس میں ڈمپل کی صراحی نما خوب صورت بوتل اور آئس پاٹ کے ساتھ ایک خالی گلاس بھی موجود تھا۔

"تمہارا گلاس تو پہلے سے یہاں موجود تھا' دوسرا گلاس کس کے لیے لائی ہو؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں اس سے پوچھا۔

وہ ہنس کر دھیرے سے بولی "دو گلاس سامنے موجود ہوں تو اکیلے پن کا احساس کم ہوجاتا ہے۔ یہ خوش گمانی رہتی ہے کہ کوئی ابھی ابھی گلاس خالی کرکے واش روم گیا ہے۔"

"تنہائی کا احساس اسی قدر ستاتا ہے تو تم شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟" غزالہ نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

ویرا اپنے گلاس میں اسکاچ انڈیل رہی تھی۔ اس طرف سے توجہ ہٹائے بغیر بولی "اول خان شادی شدہ ہے' ڈینی کو مکاؤ کے ڈون نے تمہارے پلے باندھ دیا' سلطان شاہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ حالات سازگار ہوں اور اس تکون سے نکل کر لوگوں سے میل جول کا موقع ملے تو کسی نہ کسی کا انتخاب کر ہی لوں گی۔ میرے لیے یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے۔"

اس کے سرسری انداز سے بھی ثابت ہورہا تھا کہ اس نے غزالہ کے سوال کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر اس کا تیکھا جواب سلطان شاہ سے برداشت نہ ہوسکا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر صوفے سے اٹھا اور پیر پٹختا ہوا' ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا۔" قالین پر سلطان شاہ کے جوتوں کی دھمک نے ویرا کو چونکا دیا۔ ویسے بھی وہ اپنے گلاس میں مقررہ مقدار انڈیل چکی تھی۔

"تمہارا جواب اسے پسند نہیں آیا۔ وہ ناراض ہوکر گیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جو آدمی عورت کے قرب سے بوکھلا کر بُری طرح بدکنے لگتا ہو' اس کے بارے میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے' میں اس سے دوستی کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی۔"

"اگر میں اسے رضامند کرلوں تو کیا تم واقعی اس سے شادی کرلوگی؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

"کیا بات کرتی ہو!" ویرا کا منہ بن گیا "پہلے اسے عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے کے آداب سکھاؤ۔ اگر وہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معیار پر پورا اترا تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔"

غزالہ کا جوش اسی لمحے ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ ان دونوں کے بارے میں پہلے بھی سوچتی رہی تھی۔

ویرا نے جوں ہی گلاس اٹھایا' میں نے اسے ٹوک دیا "ٹھہرو! پہلے دوسرا گلاس بھی بنالو۔"

"کس کے.... تمہارے لیے!" ویرا کی نیلی آنکھوں میں یکایک دیے سے جل اٹھے۔

میں نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تو وہ غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "ڈینی کی اس فرمائش پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"تم دونوں کے بارے میں' میں اکثر چشم پوشی سے کام لیتی ہوں۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کی مرضی کے سامنے میں نے ہمیشہ سر جھکایا ہے۔"

ویرا میرے لیے دوسرا گلاس تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ غزالہ اٹھ گئی۔

ویرا کو اس کی روانگی کا اندازہ ہوگیا تھا مگر وہ غزالہ کی طرف سے انجان بنی رہی۔

"تمہیں اخلاقاً ہی اس کو روکنا چاہیے تھا۔" میں نے غزالہ کے جانے کے بعد ویرا کو ملامت کی۔

"اگر وہ بیٹھ ہی جاتی تو کیا ہوتا.... سچ بات یہ ہے کہ غزالہ بہت سمجھ دار عورت ہے۔ تمہارا موڈ دیکھ کر خود ہی یہاں سے ٹل گئی۔ تم نے چند لمحوں کا فاصلہ طے کرنے میں کئی دن کا وقت لیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرا مان رکھ لیا۔ عورت بس اسی مان اور اعتبار کو ترستی ہے۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ شراب نوشی میں اس کا ساتھ دینے کی خواہش میری نہیں تھی۔ وہ غزالہ کی تجویز تھی جسے میں نے وقت ضائع کیے بغیر پوری خوشی سے قبول کیا تھا۔

"اب میرے روبہ رو آجاؤ۔" گلاس میں برف کے ڈلے ڈالنے کے بعد اس نے مجھے دعوت دی "آج تم ایک مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے روپ میں نظر آئے ہو۔"

"میں نے کبھی اپنا روپ نہیں بدلا۔" میں نے اپنی جگہ تبدیل کرتے ہوئے کہا "یہ سب تمہاری نگاہوں کا کمال ہے۔ کبھی یہ نیازمندی سے فرشِ راہ ہوئی چلی جاتی ہیں اور کبھی ناز سے پیشانی پر جا چڑھتی ہیں۔"

"اس میں سے کچھ بھی میرا نہیں ہوتا۔ میرے مزاج میں یہ ساری تبدیلیاں تم ہی لاتے ہو۔"

"تمہارا جام صحت!" میں نے اپنا گلاس ٹرے سے اٹھالیا۔ ویرا نے گلاس سنبھالا' مراسم کی تجدید کرتے ہوئے' وہ دونوں گلاس دھیمے سے فضا میں ٹکرائے اور ہم دونوں نے اپنے لب تر کرلیے۔

تلخ سیال کا چھوٹا سا پہلا گھونٹ بہت ہیجان انگیز تھا۔ میں نے گلاس رکھ کر سگریٹ سلگالی۔

میں نے لائٹر بجھایا ہی تھا کہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے سگریٹ کھینچ لی "تم دوسری سلگالو! تمہارے لبوں سے نکلی ہوئی سگریٹ کے دو کش ہی مجھے آسودہ کردیں گے۔"

وہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی اور آرزومند تھی کہ میں اسے منانے کے لیے پیش قدمی کروں' اس کی دل جوئی کروں۔ میں نے بس اس کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ میرے اس اقدام سے اتنی خوش ہوگئی تھی کہ سارے شکوے بھول کر دوبارہ اپنے اصلی رنگ میں آگئی تھی۔

"ڈینی! تمہیں پتا ہے کہ تم کیا ہو؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ہر شخص اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم ہی بتا دو۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اس کے چہرے کی طرف اگل دیا۔

"ایک سنگ دل اور تحکم پسند مرد۔ تم میں کچھ مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ اندر ہی اندر سسکتے اور سلگتے رہتے ہو لیکن اپنی آرزو خود بخود پوری ہونے کا انتظار کرتے ہو۔"

میں ہنس دیا "مجھے پتا نہیں کہ تم اسے میری خوبی سمجھتی ہو یا خامی قرار دیتی ہو۔"

"تم میرے تجربے کو نہیں جھٹلا سکتے۔ میں نے اب تک ہزاروں ننگی بھوکی نظروں کا سامنا کیا ہے۔ ہر مرد کی نگاہوں میں میرے لیے خوشامد کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا ہے۔"

"اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔" میں نے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے لیا۔

"نہیں تم ان میں سے نہیں ہو۔ شاید تمہاری یہی انفرادیت مجھے لے ڈوبی ہے۔"

"کیسی انفرادیت؟" میں نے پوچھا "میں بھی اکثر تمہاری خوشامدیں کرتا رہا ہوں۔"

"وہ تمہاری مکاری یا شاید نیازمندی ہوتی ہے۔ خوشامد کرتے ہوئے بھی تمہاری نگاہوں میں پروقار تحکم اور مطالبہ ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' وہ مان لو۔"

"یہ اطلاع میرے لیے بہت نیک ہے۔ مرد کے لیے اس کا وقار ہی سب کچھ ہوتا ہے۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ میرے بارے میں تم کیا سوچتے ہو!" اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آنکھوں کی چمک گہری ہوگئی۔

"سونے کے لیے رہا ہی کیا ہے؟ شادی شدہ مرد ایک کھونٹے کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ رسی دراز ہو تو یہ دائرہ ذرا پھیل جاتا ہے ورنہ وہی ایک دنیا ہوتی ہے جو اس دائرے میں آتی ہے۔"

"فرض کرو کہ غزالہ تم سے نہ ملی ہوتی تو میرے بارے میں تم کیا سوچتے؟"

"شاید تم سے شادی کرلیتا۔" میں نے بے دھڑک کہہ دیا۔ ایک مفروضہ پیش کرکے اس نے مجھے کچھ بھی کہنے کا کھلا موقع فراہم کردیا تھا۔

ویرا کا سرخ و سفید چہرہ تمتما اٹھا "میرے ماضی کے باوجود؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!" میں نے پورے وثوق سے کہا "تمہارا ماضی تم پر تھوپا گیا تھا۔ کسی کا ماضی کھنگالنے کا حق اسے ہوتا ہے جس کا دامن خود بے داغ ہو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہ حق نہیں ہے۔"

"تم بولتے ہو تو تمہاری روشن آنکھیں تمہارے ایک ایک لفظ کا ساتھ دیتی ہیں۔" اس نے گہرا سانس لے کر دھیمی آواز میں کہا "ایسے میں تمہارے الفاظ میرے دل کے زخموں کا مرہم بن جاتے ہیں۔"

"اسی لیے تم بار بار مجھ سے روٹھ جاتی ہو۔ لڑنے کے حیلے بہانے تراشتی رہتی ہو۔"

"یہ سب مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔ تمہاری بے رخی مجھے مشتعل کردیتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں اندر سے بنجر اور کھوکھلی ہوگئی ہوں۔"

میں نے ہنس کر ہولے سے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی اور کہا "اداسی کو ختم کرو۔ گزرنے والی یہ شام دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔ اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"میرے لیے یہ سب اچھی باتیں ہیں۔ ایک تم ہی تو ہو جس کے سامنے میں کھل کر ہر اعتراف کرسکتی ہوں۔"

"اعترافات کے لیے تمہارے یہاں ہولی فادرز کو بہت اختیارات حاصل ہیں۔"

"خدا، مسیح اور مریم۔ میرے مسلک میں ان تینوں کے سوا کسی کا کوئی گزر نہیں ہے۔ میں سچ بتا رہی ہوں کہ مغرب میں مذہب اور مسلک کا کردار بہت محدود ہوگیا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ نام اور شناخت بدل کر ایک تارک وطن کی طرح امریکا چلی جاؤں مگر تم لوگوں کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد میں اپنے وطن کے لیے بالکل ناموزوں ہوچکی ہوں۔ میری سوچ اور ترجیحات بدل گئی ہیں۔"

"میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ سرور ہلکا سا ہو تب بھی آدمی کو مذہب پر بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ دنیا کا نازک ترین موضوع گفتگو ہے۔"

"مذہب ہی نہیں، میں ہر حوالے سے خود کو مغرب کے لیے ناموزوں سمجھنے لگی ہوں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی شخصی آزادیوں کا بھیانک ثمر بھی آنے والے دنوں میں دل خوش کن نظر نہیں آتا۔"

"رخشی اور موہنی کی گفتگو کا کیسٹ تم نے سنا ہی ہوگا۔ وہ مشرق میں مغرب کی نقالی کا شاہکار تھا۔"

"یہ چلن دولت مند گھرانوں میں سرایت کررہا ہے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "رخشی بھی کسی بڑے گھر کی بیٹی ہوگی۔ موہنی کے کیس میں اس کا نام سامنے آچکا ہے۔ پتا نہیں وہ اپنے خاندان کی ناموس کو کہاں تک تباہ کرے گی۔ لڑکیوں کی آزادی بڑے خطرناک گل کھلاتی ہے۔"

وہ رائے میری یا کسی ٹھیٹ مشرقی مرد کی نہیں بلکہ مغرب کے آزاد معاشرے میں پلی بڑھی ہوئی ایک سمجھ دار عورت کی تھی۔ اس کے ذاتی مشاہدات اور تجربوں کی روشنی میں اس رائے کو مسترد کرنا یا جھٹلانا آسان کام نہیں تھا۔

ویرا مسلسل اور تیزی سے پیتی رہی۔ میں رک رک کر اور دھیرے دھیرے اس کا ساتھ دیتا رہا۔ اس کی گفتگو دنیا بھر کے موضوعات سے ہوتی ہوئی آخر میں پھر اپنی ذات پر آگئی۔ اس وقت تک اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیرنے لگے تھے اور زبان کافی بھاری ہوچکی تھی۔ ڈمپل کی صراحی نما بوتل کی تہ میں سنہرے سیال کی بس ایک پتلی سی لکیر باقی رہ گئی تھی۔

آخر کار بوتل سے گلاس کے راستے وہ آخری قطرے بھی آہستہ آہستہ ویرا کے معدے میں تحلیل ہوگئے۔ وہ خود بلا نوش تھی۔ پیتی تھی تو پھر بہکے بغیر پیتی ہی چلی جاتی تھی لیکن اس شام اس نے دوسری بوتل کو چھیڑنے کا کوئی عندیہ نہیں دیا اور تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔

○☆○

اگلی صبح ناشتے کے بعد بھی اول خان کا فون نہیں آیا تو مجھے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اس کے دفتر فون کیا تو وہ وہاں موجود تھا۔

"اپریٹس پر کوئی پیغام ملا ہے نہ کوئی فون آیا ہے۔ میں اسلام آباد کے بارے میں فکرمند ہوں۔" اس نے رسمی مزاج پرسی کے بعد خود ہی وہ موضوع چھیڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہارے پاس آئی بی والوں کے اسلام آباد کے فون نمبر موجود ہوں گے۔ ان میں سے کسی نمبر پر رابطہ کر کے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے رائے دی۔

"یہ پروٹوکول کے خلاف ہوگا۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا "اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ اس کا کوئی آدمی ہمیں ٹرا سمیٹر پر اس کے رابطے سے آگاہ کرے گا.... ہوسکتا ہے کہ دونوں اپنے دفاتر میں یا معمول کے نمبروں پر موجود نہ ہوں۔"

"اگر وہ دونوں اسلام آباد جاکر ہمیں فراموش کر بیٹھے ہیں تو ہمیں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی پنڈت اور رستم کا کیس ان کا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ محکمہ جاتی باتیں ہیں ورنہ ہم شروع سے آخر تک ہر معاملے میں شامل رہے ہیں۔ یہاں کی خبریں بتا رہی ہیں کہ اسلام آباد میں پچھلی رات خاصی سرگرمیاں رہی ہوں گی۔"

"یہاں کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے چونک کر سوال کیا "کیا پھر کوئی گڑبڑ ہوئی ہے؟"

"ان تینوں آدمیوں کو پکڑلیا گیا' جو پنڈت منوہرلال سے باقاعدہ تنخواہیں لے کر اسے معلومات فراہم کرتے تھے۔ انہیں ابتدائی طور پر صدف مینشن میں رکھا گیا تھا۔ رات گئے وہ پی آئی اے کی نائٹ کوچ سے اسلام آباد لے جائے گئے ہیں۔ آئی بی کے دو اہل کار ان کے ساتھ گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب صدف مینشن میں صرف دو گن مین رہ گئے ہوں گے۔"

اول خان فوراً ہی میری بات سمجھ گیا اور فون پر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "صدف مینشن ان کا خاص تفتیشی سیل ہے جہاں وہ زیرِ حراست ملزمان سے بازپرس کرتے ہیں۔ شہر کے مرکزی علاقے میں ان کا باقاعدہ اور مستقل دفتر ہے۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی اسی دفتر کے عملے کی ذمے داری ہے۔"

"تو پھر اسی دفتر سے رابطہ کرنا چاہیے" میں نے کہا "ہم صدف مینشن بھی جاسکتے ہیں۔"

"کم از کم میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ خفیہ معاملات میں باہمی رابطوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جلال نے خود اپنا نمبر دینے والی بات نہ کہی ہوتی تو تمہاری تجاویز پر سوچا جاسکتا تھا۔ فی الحال ہمیں صرف انتظار کرنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ساری رات ہی مصروف رہے ہوں۔"

"اگر تم ان سے رابطے کے سلسلے میں اتنے محتاط ہو تو میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنا کھیل ان کے ہاتھ میں دے کر ہم بے کار ہوگئے ہیں۔ سامنے کوئی ہدف ہے نہ دشمن۔ ہم بس انتظار کرسکتے ہیں۔"

"شاید تمہیں اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت کا صحیح اندازہ نہیں ہے...."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "یہ الفاظ میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ ان پُرپیچ سرکاری اصطلاحات کو عام آدمی سرخ فیتے کے نام سے جانتا ہے' ان کے نتیجے میں صرف اور صرف تاخیر رونما ہوتی ہے۔ نتائج عام طور پر وہی رہتے ہیں جو عام حالات میں ہونے چاہئیں۔"

"آج تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ویرا سے تعلقات میں پیدا ہونے والی کشیدگی اب تمہارے اعصاب پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔"

اول خان کی زبان سے وہ الفاظ سن کر میں چونک پڑا۔ اپنے تمام تر خلوص اور بے تکلفی کے باوجود وہ ہم میں سے

"بلند ہمتی"

ننھا طالب علم کلاس روم میں تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ گلوگیر آواز میں وہ بڑی مشکل سے مس کو بتا رہا تھا "مس! میرا سر' درد سے پھٹ رہا ہے.... مجھے آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آرہا.... اور.... اور میری ٹانگوں کی جان نکل چکی ہے.... مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جارہا...."

کئی منٹ تک اس کی حالت دیکھنے اور فریاد سننے کے بعد مس آخر کار متاثر ہوگئیں اور کلاس روم سے باہر جاتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولیں "اچھا.... میں تمہارے ابو یا امی کو فون کرتی ہوں کہ وہ آکر تمہیں لے جائیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں مس....!" ننھا طالب علم جلدی سے چلایا "میں بس سے چلا جاؤں گا...."

○☆○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی غیر محتاط تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میرے اور ویرا کے بارے میں کس بنا پر وہ ریمارک دے ڈالا تھا۔

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ ویرا سے میرے تعلقات خراب چل رہے ہیں؟"

"دو تین دن پہلے میں دن میں تم سے ملنے آیا تھا تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی مگر میں اپنی رائے ذرا سوچ کر ہی دیتا ہوں۔ غزالہ نے مجھے تم دونوں کے درمیان کسی فساد کی خبر دی تھی۔" ہلکی سی ہنسی کے بعد اول خان کی آواز آئی۔

"اوہ! گھر کا بھیدی ہے لنکا ڈھا رہا ہے" میں نے جوابی خوش دلی کا مظاہرہ کیا "غزالہ کو تم سے ایسی باتیں کرنے کا موقع کب مل جاتا ہے؟"

"یہ رازدارانہ سرگوشیاں ہرگز نہیں ہوتیں" اس نے وضاحت کی "میں تم لوگوں سے ملنے آتا ہوں تو خود کو گھر کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ مجھ سے ہر ایک اپنے دل کی بات کہہ سن لیتا ہے۔"

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ کل تمہارے جانے کے بعد ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے ہیں۔ تعلقات کا جمود اب ختم ہو چکا ہے۔"

"یہ خوشی کی بات ہے۔ تمہیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے تم لوگوں کی خاطر سب کچھ، حتیٰ کہ اپنا وطن تک چھوڑ دیا ہے اور یہاں کی دھیمی زندگی کو قبول کر لیا ہے۔"

"یہ نکتہ ہر وقت میرے ذہن میں رہتا ہے اسی لیے اب تک گزارا ہو رہا ہے۔"

"تم لمحہ بھر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو" ایک گہرے سانس کے بعد ریسیور پر اس کی آواز ابھری "میں بتا رہا تھا کہ رستم اور پنڈت کا معاملہ بہت نازک ہے۔ پاکستان میں صیہونی سازشوں اور خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں اکثر غلغلہ اٹھتا رہتا ہے۔ کچھ گرفتاریاں بھی ہوتی ہیں۔ بعد میں کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ نتیجہ کیا نکلا۔ ملزم بے گناہ ثابت ہوتے ہیں یا ان کے خلاف مواد نہیں ملتا اور انہیں خاموشی سے رہا کر دیا جاتا ہے۔"

"تم اکثر سسٹم کی خرابیوں کا رونا روتے رہتے ہو۔ ایسے واقعات بھی ان کمزوریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

"مگر اس بار ایسا نہیں ہے۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "پنڈت کے گھر پر رابن مائر کے قتل نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس بار ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ صیہونی فتنہ موساد اور جس (JISS) کے ذریعے پاکستان میں سرگرم عمل ہے۔"

"شواہد موجود ہیں تو انہیں سامنے آنا چاہیے۔ خاموشی کیوں ہے؟" میں نے کہا۔

"ایسے معاملات میں بہت سی مصلحتیں اور مجبوریاں مانع ہوتی ہیں۔ ان پر قابو پائے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی صرف ایک رات گزری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شام تک کوئی خبر مل جائے۔"

"اگر تم کو بھی صرف انتظار کرنا ہے تو یہیں آ جاؤ۔ مل جل کر وقت گزار لیں گے۔"

"میں صرف انتظار نہیں کر رہا۔ میں نے پنڈت اور رستم کے تین ماہ کے سارے فون بلز کی تفصیلات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوں ہی متعلقہ شعبے سے پیغام ملا، میں تفصیلات لیتا ہوا تمہاری طرف آ جاؤں گا۔ یہ بل ان دونوں کی سرگرمیوں کا مضبوط ترین ثبوت ثابت ہوں گے۔"

فون پر گفتگو سے فارغ ہو کر میں نے محسوس کیا کہ گھر میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔

کچن کے ساتھ میرا کمرا بھی خالی تھا۔ سلطان شاہ کی خواب گاہ کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ وہیں میرے کانوں میں ویرا کی دبی دبی مترنم ہنسی کی آواز آئی اور میں بند دروازے پر دستک دے کر، جواب کا انتظار کیے بغیر ویرا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے کارڈز کھیل رہے تھے۔ ویرا کسی پیشہ ور جواری کی طرح اپنے کارڈز دیکھ کر، دوسروں کے حوصلے پست کر دینے والے تبصرے کر رہی تھی۔

"یہ بند کمرے میں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے پیچھے سے غزالہ کے کارڈز دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کٹ تھروٹ برج کھیل رہے ہیں" ویرا نے سینہ زوری سے کہا "بڈنگ ہو چکی ہے۔ چاہو تو تم ڈمی کی جگہ لے سکتے ہو۔ سلطان شاہ تمہارا پارٹنر ہو گا۔"

میں نے غزالہ کے پتے چھین کر میز پر ڈال دیے اور ویرا تلملا اٹھی "تم نے ہمارا زبردست گیم برباد کر دیا۔ میں دیکھتی کہ سلطان شاہ اپنا کنٹریکٹ کیسے پورا کرتا ہے۔"

"برج پر لعنت بھیجو۔ ہم ٹرمپ کارڈز کھیلیں گے۔" میں نے کسل مندی سے کہا۔

سلطان شاہ شاید پھنسا ہوا تھا۔ اس نے میری بات سنتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی اپنے اور غزالہ کے کارڈز تیزی سے گڈ مڈ کردیے۔ ڈی کے الٹے پتے بھی اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔

"کوٹ پیس ہی کھیلیں گے۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "برج کا کھیل اچھے خاصے، ہنستے کھیلتے انسان کو ذرا سی دیر میں فلسفی اور قنوطی بنادیتا ہے۔"

"تم لوگ کمرا بند کیے کیوں بیٹھے تھے؟" میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تم فون پر مصروف تھے۔ ہم تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔" سلطان شاہ بولا "یہ ویرا کی تجویز تھی کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر اس کے کمرے میں محفل جمائی جائے۔"

"دیکھ لو!" ویرا نے اپنے پتے بھی میز پر پھینک دیے "یہ مرکر بھی سکس ڈائمنڈز نہیں بنا سکتا تھا۔"

میں انہیں کمرے سے نکال کر ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہتا تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں ہی بیٹھنے پر مصر رہی۔ کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں اور کم روشنی کی وجہ سے اسے اپنا کمرا زیادہ پسند تھا۔

ہم جس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے تھے، اس کے مطابق عورتیں ایک طرف تھیں، سلطان شاہ میرے سامنے تھا۔ ویرا کو اس ترتیب میں کوئی تبدیلی منظور نہیں تھی۔ کارڈز اٹھائے گئے اور بانٹنے کی ذمے داری ویرا کے سر آگئی۔ میرے لیے وہ آغاز ایک اچھا شگون تھا۔

وقت گزاری کے لیے وہ ایک اچھا مشغلہ تھا کیونکہ ویرا کبھی ایمان داری سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔ شارپنگ اور دوسری بے ایمانیوں کے ذریعے ہر قیمت پر جیتنے کی کوشش کرتی تھی، بار بار پکڑی جاتی تھی مگر شور و غل اور احتجاج کے باوجود، موقع ملنے پر بے ایمانی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

وہ سلسلہ دوپہر کے کھانے تک پورے زور و شور سے چلتا رہا۔ غزالہ میز لگانے کے لیے اٹھی تو رمی کا سلسلہ چل پڑا۔ ہم نے کھانے کا آغاز ہی کیا تھا کہ اول خان آپہنچا۔

ہم میں سے کسی کو اسے کھانے پر مدعو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میز تیار دیکھ کر وہ خوش ہوگیا اور کچن میں ہاتھ دھو کر خود ہی ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔

"دفتر سے سیدھے آرہے ہو یا آئی بی والوں کے ساتھ کہیں مصروف تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

اول خان نے قدرے تعجب سے میری طرف دیکھا پھر کہا "وہ لوگ تو کل شام ہی پنڈت کو اپنے ساتھ لے کر اسلام آباد چلے گئے تھے۔ کارروائیوں کا مرکز یہاں سے اسلام آباد منتقل ہوچکا ہے۔"

"تم نے اس بارے میں ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا" ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

"موقع ملا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا۔ اب ہماری نظریں اسلام آباد پر لگی ہوئی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ آج کسی وقت وہاں سے کوئی نہ کوئی اچھی خبر ضرور ملے گی۔" اول خان نے میری بات پر گرہ لگائی "بلوں کے بارے میں تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔"

"کیسے بل؟" اس بار غزالہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی اور میں نے محسوس کیا کہ اس بار ہم میں سے ہر شخص، ہر بات سے باخبر نہیں تھا۔

"فون بل!" اول خان نے اسے بتایا "وہ میں نے ابھی نہیں دیکھے لیکن بل نکالنے والے نے بتایا ہے کہ دو نمبروں سے واشنگٹن کا باقاعدہ رابطہ رہا ہے۔"

"کھانے سے فارغ ہو کر ہم پانچوں، ایک ایک کرکے ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔

اول خان نے رستم کی خودکشی کے بعد پیش آنے والے واقعات کا ایک اجمالی خاکہ سب کے سامنے پیش کردیا تاکہ کوئی اپنی بے خبری کا گلہ نہ کرسکے۔

"جب بہت کچھ سامنے آچکا ہے تو پنڈت منوہر لال کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟" ویرا نے سب کچھ سن لینے کے بعد پہلا اعتراض

ایک جج صاحب جن کی دیانت داری اور دیانت پسندی، دونوں کی بڑی شہرت تھی، ایک ہوٹل میں اپنا بٹوا بھول گئے جس میں خاصی بڑی رقم تھی۔ دوسرے روز ایک ویٹر بٹوا واپس کرنے آیا تو وہ بہت خوش ہوکر اسے انعام سے نوازنے کا ارادہ کرتے ہوئے بولے "تمہیں کیسے پتا چلا کہ بٹوا میرا ہی ہے؟"

"صاحب! بٹوا کس کا ہے... یہ تو آپ جانیں... اور آپ کا خدا جانے... مجھے تو اس میں آپ کا شناختی کارڈ رکھا ہوا ملا تھا۔" ویٹر نے سادگی سے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردیا۔

"یہ ڈینی کا مشورہ تھا۔ وہ لوگ اس پر کہاں تک عمل کرتے ہیں' یہ ان کا فعل ہے۔" اول خان نے کہا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میرا جواب مختصر تھا "اسے سامنے لانے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے تو اسے منظرِ عام پر لانے میں کوئی ہرج نہیں۔"

"تم اسے سات پردوں میں چھپالو تب بھی یہ بات رابن مائر کو معلوم تھی کہ پنڈت منوہرلال اپنے گھر ہونے والی چوری کی پُراسرار واردات کے بعد رستم کے پاس پناہ گزین ہے...!"

"یہ ہم کہہ رہے ہیں' وہ سرکاری سطح پر اس کا اعتراف نہیں کرسکتے۔ وہ پنڈت اور رستم کے ساتھ رابن کے کسی بھی رابطے کا حوالہ نہیں دے سکتے۔" میں نے ویرا کی بات کاٹ دی "رابن مائر یہاں موساد یا "جس" کے ایجنٹ کے روپ میں نہیں آیا تھا۔ امریکی سفارتی افسر کی حیثیت سے آیا تھا۔"

"پنڈت کو روپوش رکھ کر نہ صرف اسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے بلکہ امریکی حکام سے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ رابن ہر سفارتی اور حفاظتی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اس کی بیٹی کو قتل کرنے اس کے گھر گیا تو یہ شبہ ہونا فطری امر ہے کہ پنڈت اسی کے خوف سے کہیں روپوش ہے۔"

"میں بحث کو طول نہیں دیتی مگر یہ ضرور بتادوں کہ اس کی آڑ میں تم تل ابیب والوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکو گے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا "ذرا اس کی وضاحت بھی کردو۔"

"بہت سیدھی سی بات ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "تمہارے پاس موساد کے چیف اور سکریٹری کے فون یا فیکس نمبر ضرور موجود ہیں مگر پاکستان اور اسرائیل میں کوئی براہِ راست مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ پنڈت اپنے پیغامات رابن مائر کو واشنگٹن بھیجتا تھا۔ رابن وہ پیغامات وہاں سے تل ابیب فیکس کردیتا تھا۔ رابن مرچکا ہے۔ تم یہ رابطہ کیسے استعمال کرو گے؟"

"بظاہر تمہارا یہ نظریہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا توڑ ہوسکتا ہے۔"

"وہ یقیناً کوئی طویل اور صبر آزما طریقہ ہوگا۔ میں اتنی دور تک کی منصوبہ بندی کی قائل نہیں ہوں۔"

اول خان نے اس دوران میں اپنی جیب سے فون بلوں کا ایک پلندہ نکال لیا۔

اس میں ایک موٹی گڈی بسیرا میں نصب سات نمبروں کے بارے میں تھی۔ دوسری پتلی گڈی میں پنڈت منوہرلال کے گھر کے دو نمبروں کے پچھلے تین ماہ کے بل تھے۔

"ان میں سے ہر بل ہزاروں میں ہے۔" اول خان نے موٹی گڈی کی ورق گردانی کرتے ہوئے حیرت سے کہا "بیرونِ ملک اور شہر سے باہر کی جانے والی کالز کی ہر نمبر پر بھرمار ہے۔"

"ایک ایسا آدمی جو شب و روز اپنے گھر میں محصور رہتا ہو' اپنی بیرونی مصروفیات کے لیے فون پر ہی انحصار کرسکتا ہے۔ اس کے غلیظ کاروبار کا انحصار بھی فون پر تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"ان میں بیشتر کالز ایران کی معلوم ہوتی ہیں۔" اول خان نے بلز دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا "امریکا کے کوڈ کے ساتھ دو نمبر بار بار آرہے ہیں۔ ان کا سٹی کوڈ شاید واشنگٹن کا ہے۔"

"رستم کا ایران سے بہت گہرا اور پرانا تعلق تھا۔" میں نے کہا "اپنے رشتے داروں سے اس نے فون پر ہی اپنے رابطے برقرار رکھے ہوں گے۔"

فون بل میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ رستم کے بلوں میں ڈبل زیرو نائن ایٹ یعنی ایران کے انٹرنیشنل ڈائلنگ کوڈ والے نمبروں کی خاصی تعداد تھی۔ امریکا کے کئی نمبر تھے لیکن وہ کہیں کہیں نظر آئے' واشنگٹن کے دو نمبر ہر مہینے کئی بار موجود تھے۔

اس کے مقابلے میں واشنگٹن سے پنڈت منوہرلال کے رابطوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اول خان نے اپنے ذرائع سے وہ تازہ ترین کوائف حاصل کیے تھے۔ ان سے پتا چل رہا تھا کہ منوہرلال کی روپوشی کے بعد رستم کے ایک نمبر سے تقریباً ہر روز واشنگٹن کے نمبروں پر طویل گفتگو ہوتی رہی تھی۔

بظاہر وہ متعدد کاغذوں پر بکھرے ہوئے اعداد و شمار تھے لیکن ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آرہی تھی کہ رستم نے "جس" کے بارے میں بیشتر مقامی ذمے داریوں کا بوجھ پنڈت منوہرلال پر ڈالا ہوا تھا لیکن رابن مائر سے وہ خود ہی رابطے میں رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ پنڈت کے ایک فون سے کبھی کبھار کی جانے والی کالز کو ناگزیر ضروریات کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا تھا۔

وہ بہت دلچسپ اور نیا کھیل تھا۔ ٹیلی فون بلز کی وہ اہمیت اور افادیت سب ہی کے لیے نئی تھی اس لیے ذرا سی دیر میں وہ گڈیاں کھل کر پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئیں اور ہر ایک قلم سنبھال کر نمبروں کے ساتھ ملک اور شہر کے نام درج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے میں منہمک ہوگیا۔

تین بجے اول خان کے پاس موجود آئی بی کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ٹرانس مٹر آن کیا تو لائن پر الفا کا پیغام چارلی کے نام آرہا تھا مگر وہ آواز جلال کی نہیں تھی۔

جلال کے کوڈ کے استعمال کا مقصد تھا کہ بولنے والا اسی کا آدمی تھا۔ اول خان سے جواب ملنے پر اس نے اسلام آباد کا ایک نمبر لکھوانے کے بعد کہا کہ وہ اس نمبر پر کسی وقت بات کرلے۔ بات کرتے ہوئے ملک کو اپنے ساتھ رکھے۔

"بہت ناقص اور ادھورا پیغام ہے۔" وہ مختصر سی بات ختم ہوجانے پر ویرا نے کہا "اسلام آباد کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"وہاں کے حالات کا علم فون پر ہوگا۔ یہ کال اپنی جگہ مکمل تھی۔"

"اور یہ ملک صاحب کون ہیں؟" ویرا نے اول خان سے سوال کیا۔

"یہ ذات شریف!" اول خان نے مسکرا کر میری طرف اشارہ کیا "رستم سے یہ ملک ممتاز کے نام سے ملے تھے اب عارضی طور پر صرف ملک صاحب ہیں۔"

پیغام میں وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اسی وقت جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ہمارا اعصاب شکن انتظار ختم ہوسکے۔

اول خان کے فقروں سے اندازہ ہوا کہ اس کا فون جلال نے خود ہی ریسیو کیا تھا۔ اس کی گفتگو بس چند استفہامیہ فقروں تک محدود رہی پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں نے اول خان سے معذرت کرلی ہے کہ اس وقت مجھے تم سے بات کرنی تھی۔" میری آواز سن کر جلال نے کہا "مجھے امید ہے کہ اس نے برا نہیں مانا ہوگا۔"

"اس سوال کا جواب اول خان ہی دے سکتا ہے۔ تمہیں میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ عملی مسائل میں بھرپور ساتھ دے سکتا ہے۔ الجھے ہوئے مسائل کے حل کے لیے وہ خود بھی تم پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے۔"

"کیا مسئلہ درپیش ہے؟" میں نے دزدیدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کراچی سے اچانک روانگی کے پروگرام نے پنڈت کو کنفیوز کردیا ہے۔" وہ بولا۔

"فون پر یہ گفتگو محفوظ ہے نا؟" میں نے سی ایس ڈی کا ذکر کیے بغیر اس سے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"آئی بی کے نمبر پاکستان میں سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"پنڈت کیوں اپ سیٹ ہے؟" میں نے پوچھا "اس نے تمہارے لیے کوئی پریشانی تو نہیں کھڑی کی؟"

"وہ بہکی بہکی باتیں کررہا ہے' بار بار اپنی بیٹی کے بارے میں سوال کررہا ہے۔ تھوڑا سا تشدد بھی اسے راہ پر نہیں لاسکا۔ مجھے یہاں سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"پنڈت کی بیٹی کی لاش اس وقت کہاں ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"وہیں' کراچی کے سرکاری مردہ خانے میں۔ پنڈت کی واپسی تک وہ محفوظ رہے گی۔"

"تمہیں پنڈت کے ساتھ ہی موہنی کی لاش کو بھی لے جانا چاہیے تھا' ہوسکتا ہے کہ وہ بیٹی کی وجہ سے ذہنی صدمے یا سکتے سے دوچار ہوگیا ہو۔ یہ کیفیت اس کے دماغ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"یار' تمہیں معلوم ہے کہ ہم کتنے مختصر نوٹس پر کراچی سے روانہ ہوئے ہیں۔ موہنی کی لاش کو ساتھ لانا کسی بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح ممکن نہیں تھا۔"

"تم اسے موہنی پنڈت کے بے جان چہرے کا دیدار کروا سکتے تھے۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے' اب وہ کبھی اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔"

"وہ بیٹی کے سوا کچھ بول ہی نہیں رہا۔ میں نے اصولی طور پر افسرانِ بالا سے تمہاری تجویز کی منظوری لے لی ہے مگر وہ پنڈت کا اعترافی بیان سنے بغیر کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔"

"مجھے اس کی زبان کھلوانے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ تم اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کردو۔ اپنی نگرانی میں اسے موقع دو کہ وہ اپنی بیٹی کی آخری رسوم میں شرکت کرسکے۔"

"مجھے معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ اتنا گمبھیر ہوجائے گا تو میں اسے کراچی میں ہی آگ لگوا دیتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ کام پنڈی میں ہی ہوجائے پھر بھی تم دونوں کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔"

"ہم دونوں وہاں آکر کیا کرسکیں گے؟ ایک بار پنڈت کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہاری ہر بات کا جواب دینے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"وہ صورت سے پاگل بلکہ نیم وحشی نظر آرہا ہے۔ سوجی ہوئی آنکھیں' رنگے ہوئے سیاہ بالوں کی بڑھی ہوئی سفید جڑیں اور پھر اس کی ہذیانی بڑبڑاہٹیں..... مجھے ڈر ہے کہ اس پر زیادہ تشدد کیا گیا تو وہ مرجائے گا۔ مرنے سے پہلے اسے میرے بڑوں کے سامنے اپنا بیان ضرور ریکارڈ کرا دینا چاہیے۔ تم اس کی رگ رگ سے واقف ہو۔ میں بہت شدت سے یہاں تمہاری ضرورت محسوس کررہا ہوں۔"

"میں اول خان سے مشورہ کرکے تھوڑی دیر بعد فون کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کہہ دینا کہ ہوسکے تو خاموشی سے یہاں چلا آئے۔ کل رات سے پہلے تم دونوں واپس چلے جاؤ گے۔ اس کے یونٹ میں کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ وہ اسلام آباد آیا تھا۔"

اس کا آخری مشورہ بالکل احمقانہ اور خود غرضی پر مبنی تھا مگر میں نے اس بارے میں کوئی تکرار کیے بغیر اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت کی زبان پر لگے ہوئے تالے کی چابی تمہارے ہی پاس ہے۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "شاید اب تمہیں اسلام آباد طلب کیا جارہا ہے۔"

"مجھے ہی نہیں' تمہیں بھی بلایا گیا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اپنے اوپر والوں کو خبر دیے بغیر یہاں سے کھسک لو۔ جلال کا کام پورا ہونے پر کل واپس لوٹ آنا۔"

"جلال کا کام کیا ہے؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"اپنے افسران کے سامنے پنڈت کو زبان کھولنے پر مجبور کرنا۔" میں نے بتایا۔

"خوب!" ویرا طنزیہ لہجے میں بولی "اسے اپنے افسروں کی خوشنودی کا اتنا خیال ہے اور اول خان کو اپنے افسروں سے مشورہ تک نہ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔"

"مصائب میں پھنس کر آدمی اس سے بھی زیادہ کور عقل ہوجاتا ہے۔"

"اس پر کون سی مشکلات آئی ہوئی ہیں؟ پنڈت کے اعتراف کے چار گواہ موجود ہیں۔ جلال اور رحمان کے علاوہ تم اور اول خان بھی وہاں موجود تھے۔ اس کا ریکارڈ سامنے ہے۔ اس کے فون بل تابوت میں آخری کیل ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔" اول خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسی صورتِ حال میں بڑے افسروں کے سامنے سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملزم پر پوری طرح کام کیے بغیر اسے ان کے سامنے پیش کردیا گیا ہے۔"

"پنڈت کو وہ اپنی مرضی سے اسلام آباد نہیں لے گئے' اسے حکم دے کر وہاں طلب کیا گیا ہے۔ اگر کام ادھورا بھی رہ گیا ہے تو اس میں ان دونوں کا کیا قصور ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم لوگ جو چاہو' کہتے رہو۔ میری رائے ہے کہ ہمیں اس کی مدد کے لیے اسلام آباد جانا چاہیے۔ مجھے اوپر سے اجازت لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بس اپنی روانگی کی اطلاع دینی ہوگی۔ ایس ٹی ایف میں ہر ایک اس معاملے کی اہمیت سے واقف ہے۔"

"پھر میں اسے فون کردوں؟" میں نے اول خان سے پوچھا "وہ ہمارے کسی پیغام کا بے چینی سے انتظار کررہا ہوگا۔"

"پہلے میں اپنے کمانڈر سے بات کرلوں پھر تم فون کرلینا۔" اس نے کہا۔

اپنی فورس کے بارے میں اول خان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں تھا۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے کمانڈر سے بہت مختصر بات کی' شاید وہ پہلے بھی اسے بریفنگ دیتا رہا تھا اس لیے ان کی گفتگو چند لمحوں میں ختم ہوگئی۔

"اب تم جلال کو بتا دو۔" اول خان نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"روانگی کا بندوبست تم کو کرنا ہے۔ تم ہی اس سے بات کرلو۔"

جلال کا فون مصروف تھا۔ تیسری کوشش میں رابطہ ہوا۔ اول خان نے اپنا پیغام دیا کچھ دیر تک دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اختتامی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

"جلال نے تمہاری بات مان لی ہے۔ شام کی پرواز سے موہنی کا تابوت اسلام آباد پہنچ جائے گا۔ وہاں سے اسے براہِ راست پنڈی کے پرانے شمشان گھاٹ پہنچا دیا جائے گا۔"

"کیوں؟ کیا اسلام آباد میں کوئی شمشان نہیں ہے۔" ویرا نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ نہ ہو۔" میں نے جواب دیا "پورا شہر گھومنے کے باوجود میں شہر میں مسلمانوں کا کوئی قبرستان دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہندوؤں کا شمشان کہاں ملے گا۔"

"کیا وہاں رہنے والے زندگی کی اس آخری ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں؟"

ویرا کے استہزائیہ لہجے پر میں ہنس پڑا "ہوسکتا ہے کہ میں مضافات میں واقع قبرستان تک نہ پہنچ سکا ہوں۔ زندہ آبادیوں کی منصوبہ بندی میں آخری آرام گاہوں کا بندوبست ضرور کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے لیے الگ جگہ شاید نہ ہو کیونکہ وہ بہت صحت کش ماحول میں اپنے مردے جلاتے ہیں۔"

"ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد سب شہروں کا شہر ہے۔ وہاں وفات پانے والوں کی تدفین ان کے اپنے شہروں اور قصبوں میں کی جاتی ہوگی۔ غریب غربا کے لیے کہیں کوئی جگہ چھوڑ دی گئی ہوگی۔" سلطان شاہ بھی اس بارے میں قیاس آرائی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

"تم میں سے کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے جلال کو روانگی کا پروگرام دینے کے بجائے پرواز سے قبل ایرپورٹ سے فون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم نائٹ کوچ سے نکلیں گے۔" اول خان نے تدفین کے موضوع کو وہیں دفن کرتے ہوئے ہم سب کو آگاہ کیا۔

"نائٹ کوچ سے سفر میں رقم کی کچھ بچت ضرور ہوجاتی ہے لیکن اس کے عوض پوری رات برباد ہوجاتی ہے۔" سلطان شاہ نے تنقید کی "ہم اتنے مفلس نہیں ہیں کہ اتنی چھوٹی بچتوں کے پیچھے بھاگتے پھریں۔"

"بچت نہیں' میں سہولت دیکھ رہا ہوں۔ ہم نے روانگی میں عجلت سے کام لیا تو موہنی کے کریا کرم میں بھی شرکت کرنی پڑے گی۔ اسلام آباد میں نائٹ کوچ کی لینڈنگ سے پہلے وہ سارے ناخوشگوار مراحل طے ہوچکے ہوں گے۔" اول خان نے کہا۔

اول خان کے اس فیصلے سے اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اپنی دو روزہ غیر حاضری میں کام کاج کی تقسیم کے ارادے سے اول خان روانہ ہوا تو میں بھی گاڑی لے کر شہر کی سڑکیں ناپنے نکل کھڑا ہوا۔ وہ میرا اپنا شہر تھا مگر مجھے اس کی سیر کیے کافی دن ہوگئے تھے۔

گلشن سے ڈرائیو کرتا ہوا میں خالی الذہنی کے عالم میں قائداعظم کے مزار کی طرف جا نکلا۔ پاکستان کے بانی کے مزار کے گرد بہت کم ترتیب تھی۔ عمارت اور اس تک جانے والے طویل زینوں کے سوا' سڑک سے' ہر طرف مٹی کے ٹیلے اور چٹانیں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان

"خواہش"

رمضان صاحب شہر کے ایک اعلیٰ آڈیٹوریم میں میجک شو دیکھنے گئے تو شعبدے باز کا ایک خصوصی شعبدہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خدا کی پناہ.....!" وہ بے اختیار تحسین آمیز انداز میں چلائے "یہ کام آپ نے کیسے کیا؟ کیا آپ یہ جادو مجھے نہیں سکھا سکتے؟"

"سکھا سکتا ہوں....." شعبدے باز نے متانت سے جواب دیا "لیکن میرا اصول ہے کہ جسے سکھاتا ہوں اسے چند دن بعد قتل کردیتا ہوں۔"

رمضان صاحب نے ایک لمحے سوچا پھر بولے "اچھا..... ٹھیک ہے..... تو پھر میری بیوی کو سکھا دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا بجا سرسبز درخت استادہ تھے جو شجر کاری کی کسی پرانی مہم کے نتیجے میں بڑھتے چلے گئے تھے۔ مزار کا طواف کرتے ہوئے مجھے قلق ہوا کہ پاکستانیوں نے اپنے قائد کا مزار تعمیر کرکے اس منصوبے کو یکسر بھلا دیا تھا۔ اس کے گرد باغات' لائبریری' میوزیم اور دوسری عمارات کی تعمیر کے منصوبے دیمک کی خوراک بننے کے لیے فائلوں میں چھوڑ دیے گئے تھے۔

وہاں سے نکلنے کے بعد میں تھوڑی دیر میں امریکی قونصل خانے کے سامنے جا پہنچا۔ اس روز آہنی جنگلوں کے پیچھے بنی ہوئی شان دار عمارت تاریک پڑی ہوئی تھی۔ باہر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو تاریک احاطے میں کچھ ہیولے متحرک نظر آرہے تھے۔ باہر' فٹ پاتھ کے کنارے بنی ہوئی نیم پختہ چوکی میں مسلح پولیس والے عمارت کی حفاظت پر مامور تھے۔

اس عمارت میں کام کرنے اور آنے جانے والے بیشتر سفید فام بظاہر ہمارے دوست تھے لیکن روزِ اول سے ہمارے بدخواہ تھے۔ کسی خوش نما چہرے پر بڑھ آنے والے بدگوشت کی طرح ہمیں کاٹ کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ ان کا آخری سرخیل اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو اسی قونصل خانے کے کسی کمرے میں بیٹھ کر عظیم تر ایشیائی اتحاد کے منصوبوں میں رنگ بھرا کرتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اپنے خواب کی کوئی تعبیر دیکھنے سے پہلے ہی وہ مجھ سے ٹکرا گیا اور پھر نئی دہلی میں بہت صفائی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

وہ قونصل خانہ آئے دن پاکستان کے کسی نہ کسی بدترین دشمن کی میزبانی کرتا رہتا تھا۔ ان میں رابن مائر کا نام فہرست کے بالکل آخری سرے پر تھا۔ صیہونی مفادات کا وہ رکھوالا نفیس سفارتی نقاب اوڑھ کر اپنے ایجنٹوں کو کسی برے وقت سے بچانے کا عزم لے کر بہت مستعدی سے کراچی پہنچا تھا۔ اس کی آمد کی پہلی رات رستم کا پاپ کاٹا گیا پھر اس درندے کو کراچی میں اپنی دوسری رات گزارنی نصیب نہ ہو سکی۔ اضطرار کے عالم میں وہ وہیں پہنچا جہاں ہم اس کے لیے جال بچھائے بیٹھے تھے۔ وہ موہنی پنڈت کو مارنے میں ضرور کامیاب ہو گیا لیکن پھر اسے وہاں سے زندہ نکلنا نصیب نہ ہو سکا۔

قونصل خانے اور باغِ جناح کی درمیانی سڑک سے گزرتے ہوئے وہ اشتعال انگیز خیالات میرے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلتے رہے اور پھر میں پل عبور کرکے کلفٹن والی سڑک پر نکل گیا۔

اس راستے میں جہانگیر کا گھر واقع تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے ادھر جانے کے بارے میں سوچا مگر پھر ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت جہانگیر گھر پر موجود نہ ہوتا اور سلمیٰ موقع غنیمت جان کر میرے لیے مسئلہ بن جاتی۔ میں اس سڑک سے ہوتا ہوا ساحلِ سمندر کے ایک دور افتادہ حصے پر جا نکلا۔

سمندر کی تھکی تھکی لہریں پتھریلی دیوار کو تقریباً چھوتی ہوئی دم توڑ رہی تھیں۔ میں گاڑی کو کنارے سے لگا کر چوڑی دیوار پر بیٹھ گیا۔ سمندر کی طرف سے آنے والی بھیگی ہوئی اور خنک ہوا' لہروں کے شور میں بہت مزا دے رہی تھی۔ میرے سامنے وسیع اور تاریک سمندر پھیلا ہوا تھا اور پشت پر اسٹریٹ لائٹس کی ہلکی روشنی بڑھتے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

میں خاصی دیر تک وہاں بیٹھا' پُرسکون ساحلی فضا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میرے ذہن سے بیشتر تفکرات دور ہو چکے تھے۔

میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو میرے دل میں نیا عزم انگڑائیاں لے رہا تھا۔

گھر پر تینوں میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ویرا بول پڑی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں نکل گئے تھے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے اب آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔"

"گھومتا پھرتا ساحل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں کی تھوڑی سی تازہ ہوا کھا کر لوٹ آیا مگر راستے میں' میں نے دو ایسی عمارتیں دیکھی ہیں جنہوں نے میرے وجود میں آگ سی بھڑکا دی ہے۔"

"کیا اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کی طرف جا نکلے تھے؟" ویرا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"میرے لیے ان کی ذرا بھی وقعت نہیں ہے۔ آدمی زندگی بھر گھر کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے' اسے بناتا' سنوارتا اور سجاتا ہے' اس پر ناز کرتا ہے مگر دم نکلنے کے بعد اسے جوں کا توں چھوڑ جاتا ہے۔ چھوڑے ہوئے گھر اور اثاثے پر کڑھنا بزدلی اور بے وقوفی ہے...."

"پھر تم کن عمارتوں کی بات کر رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر پوچھا "مجھے تو اس شہر میں ایسی کوئی عمارت نظر نہیں آتی جو کسی کو اتنا متاثر کر سکے۔"

"بہت سی چیزوں کو دیکھنے کے لیے نگاہ اور سمجھنے کے لیے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اہلِ دل ہو نہ اہلِ بصیرت۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ویرا نے اسے خاموش کردیا۔

"مزارِ قائد اور امریکی قونصل خانہ" میں نے قدرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توقف کے بعد تلخی سے کہا۔

"ان دونوں میں آپ نے کیا تعلق دیکھ لیا؟" غزالہ حیرت سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ان دونوں کو دیکھ کر اپنی بے بسی کا احساس گہرا ہونے لگتا ہے۔ ہم کتنے بے بس ہیں کہ اپنے عظیم قائد کا مزار بھی آج تک مکمل نہیں کر سکے۔ اس کے اردگرد بے ترتیب سبزے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اور تم جذباتی ہو رہے ہو" ویرا بولی "کہو تو میں تمہاری قومی بے حسی کی ایسی دسیوں مثالیں گنوا دوں۔ ان کوتاہیوں میں تم امریکیوں کو کیوں قصوروار ٹھہراتے ہو... انہوں نے تمہارے ہاتھ پکڑ کر تمہیں کام کرنے سے تو نہیں روکا۔ ان کے قونصل خانے کا ذکر تم کیوں لے آئے؟"

"وہ ہماری بے بسی کا دوسرا روپ ہے" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا "ان کے کرتوت ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے مکروہ چہروں سے ہم اچھی طرح واقف ہیں مگر ہم کتنے بے بس ہیں کہ کان پکڑ کر انہیں اپنی سرزمین سے نہیں نکال سکتے۔ وہ یہاں دندناتے پھرتے ہیں اور ہمارے قومی خزانے سے تنخواہیں پانے والے دن رات ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آخر ہم ہر طرف سے اتنے مجبور اور بے بس کیوں ہیں؟"

"اوہ!" ویرا کے ہونٹوں سے بے اختیار ایک گہرا سانس خارج ہو گیا "تم اندر کی بہت سی کہانیوں اور سازشوں سے واقف ہو اس لیے ہر بات کو ایک خاص زاویے سے دیکھتے ہو۔ تمہارے جذبات کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ یہ سب سسٹم کی خرابی کی بات ہے۔ اول خان بھی اسی سسٹم کے سامنے بے بس ہے' وہ کسی مجرم کی طرح بار بار یہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ بھی اس سسٹم کا کل پرزہ ہے۔"

"اس عمارت پر تاریکی اور نحوست کا راج تھا۔ شاید اوبرائن اور رابن مائر کی پے در پے اموات نے ان مردودوں کو دہشت زدہ کر دیا ہے اور وہ گوشہ نشین ہو گئے ہیں مگر ہمارے محافظ اس خالی عمارت کی بھی نگہبانی کرنے پر مجبور ہیں... میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں اس نظام کا ایک حصہ نہیں ہوں۔ اس سے باہر رہ کر اس کی بہتری اور بحالی کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں' کر رہا ہوں۔"

"بلاوجہ اپنا خون نہ جلاؤ" ویرا نے ہمدردی سے مجھے پچکارا "کھانے سے پہلے منہ ہاتھ دھو کر سمندری ہواؤں کا کھار اتار لو تاکہ ہم کھانا کھا سکیں۔ تمہیں گیارہ بجے ائرپورٹ بھی پہنچنا ہے۔"

"نائٹ کوچ کی روانگی کا وقت کیا ہے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"بارہ بج کر پانچ منٹ۔ اول خان وہیں تمہارا انتظار کرے گا" ویرا نے کہا۔

ویرا کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے سمندر کی تازہ ہوا کا لطف ضرور اٹھا لیا تھا مگر میں اپنی جلد کے کھلے ہوئے حصوں پر سمندری نمکیات کی چپچپاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سیدھا غسل خانے میں جا گھسا۔ اسلام آباد کے سفر سے پہلے میرا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

کھانے کی میز پر ویرا کی کوشش رہی کہ خوش گوار موضوعات پر بات ہوتی رہے۔ میں اپنے ساتھ اس کی طفلانہ ہمدردی کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کے لیے انجان بنا رہا۔ وہ اتنی بری ہرگز نہیں تھی جتنی کبھی کبھی نظر آنے لگتی تھی۔

ڈنر کے بعد چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا نے کارڈز نکال لیے مگر وہ دور زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ مجھے اپنی ضروریات کا مختصر سا سامان ایک بیگ میں سمیٹنا تھا۔

میں نے میز چھوڑی تو غزالہ بھی میرے ساتھ ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ویرا کو فقرے چست کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ "یوں کہو کہ بیگ تیار کرنے کے بہانے' تخلیے میں غزالہ کو الوداع کہنے جا رہے ہو۔"

"ہم لیلیٰ مجنوں والے مرحلوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں" میں نے مڑ کر ایسے جواب دیا "چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ آ سکتی ہو۔ ہمیں تخلیے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جاؤ' معاف کیا۔ اسلام آباد سے واپسی پر تم سے یہ حساب لیا جائے گا" ویرا نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے؟"

وہ تینوں ہی مجھے ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے بے چین تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں تھے مگر گھر خالی چھوڑ کر ہم چاروں کا رات گئے گھر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان شاہ مجھے چھوڑنے جاتا تو عورتیں گھر میں تنہا رہ جاتیں۔ ان میں سے کوئی میرے ساتھ ائرپورٹ جاتی تو رات گئے اسے واپسی کا طویل سفر تنہا طے کرنا پڑتا۔ میں نے سختی سے انہیں روک دیا۔

میں انہیں الوداع کہہ کر اپنے ہلکے پھلکے بیگ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ سلطان شاہ نے قریبی سڑک سے مجھے ٹیکسی میں سوار کرایا پھر وہ بھی گھر لوٹ گیا۔

ائرپورٹ کے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رسٹ واچ پونے گیارہ بجا رہی تھی۔ میں نے قرب وجوار میں نظریں دوڑائیں مگر اول خان کہیں موجود نہیں تھا۔ وقت گزارنے کے لیے میں سگریٹ سلگا کر ایک طرف ہو گیا۔ اس وقت بین الاقوامی روانگی والے حصے میں زیادہ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

وہ وقت مغرب سے کراچی ہو کر مشرق بعید کی طرف جانے والی پروازوں کے لیے ہی موزوں تھا اس لیے سامان سے لدے پھندے اور مضطرب مسافروں کی بھیڑ میں مقامیوں سے زیادہ زرد رو اور چپٹی ناکوں والے ایشیائیوں کی تعداد شامل تھی۔

وہاں ایسے ایسے چہرے اور تماشے نظر آ رہے تھے کہ وقت بہت تیزی سے گزر گیا۔ میں وہاں سے واپس ہوا تو ملکی پروازوں کے ڈپارچر لاؤنج سے اول خان برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ میری غیر موجودگی میں وہاں پہنچ کر سیدھا اندر چلا گیا تھا اور میری تلاش میں دوبارہ باہر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا اور ہاتھ ملاتے ہوئے، میری طرف جھک کر، سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم احمقوں کی طرح کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ ائرپورٹ پر پچھلے کئی گھنٹوں سے کچھ مشتبہ افراد منڈلاتے پھر رہے ہیں۔ میرے ساتھ سیدھے اندر چلے آؤ۔"

"یہ خبر تمہیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میرے دو آدمی موہنی پنڈت کے تابوت کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ اس وقت بھی وہ ائرپورٹ پر موجود ہیں..... تابوت کی روانگی کے ایک آدھ گھنٹے بعد ہی وہ مشتبہ چہرے نظر آئے تھے۔ ان کی ساری توجہ مقامی پروازوں کی روانگی پر مرکوز ہے۔"

"کیا انہیں ہمارے پروگرام کی کوئی سن گن مل گئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ امکان ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ ساری گڑبڑ موہنی کے تابوت کی روانگی سے شروع ہوئی ہے۔ دشمنوں کو پتا چل گیا ہے کہ اس کی لاش یہاں سے اسلام آباد لے جائی گئی ہے اور اب وہ کسی سراغ کی تلاش میں یہاں ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"وہ زندہ تھی تو رابن مائر کے لیے انتہائی اہم تھی۔ مر چکی ہے تو ہمارے دشمنوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ سرکاری مردہ خانے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔"

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے" اول خان نے بے بسی سے کہا "وہ ایک بے ضرر سی لاش تھی۔ شاید آئی بی والوں سے اس کی منتقلی میں بے احتیاطی سرزد ہوئی ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ دعا کرنی چاہیے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل سکیں۔ تمہارے آدمیوں نے یہ خبر بہت دیر سے دی ہے۔ اب اس کا کوئی تدارک مشکل نظر آتا ہے۔"

"شاید تھوڑی بہت تاخیر ہوئی ہو مگر زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ انہوں نے الگ الگ ہو کر ان تینوں کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ اس وقت وہ پانچوں ریستوران میں ہوں گے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ دونوں ریستوران سے نکل کر شہر روانہ ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تینوں صبح تک یہیں جھک مارتے رہیں۔"

"یہ سب ہو چکا ہے تو پھر فکر کی کیا بات ہے۔ وہ چاہیں تو ان تینوں کو کسی ویران حصے میں لے جا کر گھیر بھی سکتے ہیں۔ یہ کام ساڑھے گیارہ بجے کے بعد ہو سکتا ہے۔"

"بدقسمتی سے وہ تینوں مقامی ہیں۔ وہ مقامی نہ ہوتے تو میں کوئی سخت فیصلہ بھی کر سکتا تھا۔ میرے دونوں آدمی ساڑھے گیارہ بجے نکل جائیں گے۔ تین نئے آدمی ان کی جگہ لے لیں گے۔ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو پکڑ کر اسٹیشن فور لے جانے کا ٹاسک رکھتے ہیں۔ ایک پکڑا گیا تو بقیہ دونوں بھی ہماری دست رس سے دور نہیں ہوں گے۔"

ہمارے ٹکٹ اظہر خان اور مظہر خان کے ناموں سے تھے۔ اول خان نے چیک اِن کاؤنٹر پر ٹکٹ دے کر بورڈنگ کارڈز لیے اور ہم سیکیورٹی کے مرحلے سے گزر کر آگے بڑھتے چلے گئے۔

پرواز کے لیے بورڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کیے بغیر طیارے میں سوار ہو گئے۔

"اگر وہ تینوں تمہارے آدمیوں کا تعاقب کر رہے ہیں تو پھر اسلام آباد میں بھی گڑبڑ ہو سکتی ہے" میں نے راستے بھر سوچنے کے بعد طیارے میں اپنی زبان کھولی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہمارا جہاز اڑ جانے کے بعد بھی ان کے پاس بہت وقت ہو گا۔ ہمیں اسلام آباد ائرپورٹ پر کوئی غیر متوقع صورتِ حال پیش آ سکتی ہے۔ میں اسی لیے تم سے ملے بغیر لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ میں نے جلال کو پرواز کا نمبر دینے کے ساتھ نئی پوزیشن سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اول خان چاروں کھونٹ چوکس تھا "جلال کیا کہتا ہے؟"

"وہ فوری طور پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ ہم کسی کی نظروں میں نہیں آئے۔ ہمیں لینے کے لیے وہ خود اسلام آباد ائرپورٹ پہنچے گا۔"

بورڈنگ مکمل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر جہاز کے دروازے وغیرہ بند ہوئے اور ضروری کارروائیوں کے بعد طیارہ حرکت میں آگیا۔

"مجھے یہ سوچ کر مایوسی ہوتی ہے کہ دشمنوں کو ہمارے ملک میں ہر سطح پر زرخرید مل جاتے ہیں" جہاز فضا میں بلند ہونے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"پیسوں کے لیے ہر ملک میں لوگ بک جاتے ہیں" اول خان نے میری تشویش کو زیادہ اہمیت نہیں دی "ان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کراچی ائرپورٹ پر نظر آنے والے تینوں افراد کا یہی کیس ہوگا۔"

"پہلے پنڈت منوہرلال کے تین تنخواہ دار آئی بی والوں نے پکڑے اب یہ تین نئے چہرے سامنے آگئے۔ پتا نہیں اسلام آباد میں انہوں نے کتنے آدمی خریدے ہوئے ہیں۔"

"زیادہ مت سوچو۔ سوچ سوچ کر تھک جاؤ گے" اس نے مجھے سمجھایا "میں نے تمہارے نکل جانے کے بعد تمہارے گھر فون کیا تھا تو ویرا نے مجھے بتایا کہ قائداعظم کے مزار اور امریکی قونصل خانے کو دیکھ کر تم جذباتی ابال میں مبتلا ہوگئے تھے۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ سوچنا میری عادت ہے۔ جب تک کوئی نئی بات سامنے نہیں آتی' میرے ذہن میں یہی سب گند ہلچل مچائے رکھے گا۔"

"اسے بھول کر پنڈت کے بارے میں سوچو۔ ہوسکتا ہے کہ جلال ہمیں ائرپورٹ سے سیدھا اسی کے پاس لے جائے۔ وہ بلاوجہ ائرپورٹ پر نہیں آئے گا۔"

دوران پرواز فضائی میزبان مسافروں کو ہلکا ناشتا فراہم کررہے تھے کہ طیارے کے پیجنگ سسٹم پر کپتان کی آواز ابھری "اظہر خان یا مظہر خان نامی مسافروں سے التماس ہے کہ وہ فوری طور پر کیبن کریو سے رجوع کریں شکریہ۔"

کپتان نے اردو میں ہی وہ پیغام ایک بار پھر دہرایا۔ ائرہوسٹس جوں ہی ٹرے لے کر ہمارے قریب سے گزری' میں نے اسے اشارے سے روک لیا۔

وہ مسکراتے ہوئے رکی مگر اس کے انداز سے عجلت کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے کہا "میرا نام مظہر خان ہے اور یہ اظہر خان ہیں۔"

"میں ابھی آئی" یہ کہہ کر وہ آگے گئی۔ ہاتھ کے سامان سے گلوخلاصی حاصل کرکے اور اپنے فرائض کسی اور کو سونپ کر لوٹ آئی۔

"آپ دونوں میں سے ایک صاحب میرے ساتھ آجائیں" اس نے اخلاق سے کہا۔

میں نے اول خان کی طرف دیکھا' اس نے سرہلادیا "تم سرے پر ہو' تم ہی ہو آؤ۔"

میرے اٹھنے سے پہلے ہی ائرہوسٹس طیارے کی ناک کی طرف چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔

اکانومی کلاس میں ٹرالیوں اور نشستوں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے ہم دونوں اسی ترتیب سے فرسٹ کلاس کے کشادہ کیبن سے گزرے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ طیارہ تقریباً بھرا ہوا تھا۔ فضائی کرائے کی رعایت مسافروں کو اپنی رات سے زیادہ عزیز تھی۔

فرسٹ کلاس کیبن کے اختتام پر اس نے کاک پٹ کا دروازہ کھول کر کپتان سے کچھ کہا اور میرے لیے جگہ خالی کردی۔ میں آگے بڑھا تو کاک پٹ کا مرعوب کن منظر میرے سامنے تھا۔

کاک پٹ کے اگلے حصے میں فرش سے دیوار تک ہندسوں اور سوئیوں والے بے شمار ڈائل روشن تھے۔ کپتان اور اس کا معاون پوری وردیوں میں ملبوس' سروں پر ہیڈ فون چڑھائے اپنی نشستوں میں موجود تھے۔ وہ کراچی کی کوئی سڑک نہیں' بے کراں وسعتوں میں پھیلی ہوئی ایک فضائی شاہراہ تھی جس پر ایک وقت میں ایک بلندی پر دو طیاروں کا ایک دوسرے کے آس پاس موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"سر! امید ہے کہ آپ کا سفر خوش گوار گزر رہا ہوگا" کپتان نے سر گھما کر میری طرف دیکھتے ہوئے اخلاق سے کہا۔

"بہت زیادہ خوش گوار سفر ہے۔ سارا حسن کاک پٹ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس سے آگے تو گھور اندھیرا ہے" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"کراچی کنٹرول ٹاور سے آپ کے لیے پیغام ہے۔ اسلام آباد ائرپورٹ پر آپ رن وے پر رکیں گے۔ وہاں سے ایک پروٹوکول کار آپ دونوں کو باہر لے جائے گی" اس نے آگاہ کیا۔

"شکریہ!" اس سے کچھ پوچھے بغیر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ پیغام جلال کا ہوسکتا تھا۔

"زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ پیغام پیجنگ سسٹم پر نشر نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ پیغام ذاتی طور پر آپ دونوں میں سے کسی تک پہنچادوں۔"

شاید وہ گفتگو طیارے کے بلیک بکس کے ریکارڈ کا حصہ بن رہی تھی اس لیے کپتان نے ان فقروں کی ادائیگی ضروری سمجھی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

مجھے وہاں تک پہنچانے والی ائرہوسٹس پتا نہیں کب واپس جاچکی تھی۔

"کراچی کنٹرول ٹاور کے ذریعے جلال کا پیغام تھا" اپنی نشست پر واپس پہنچ کر میں نے اول خان کو بتایا "وہ ہمیں رن وے سے ہی باہر لے جائے گا۔"

اول خان خوش ہوگیا "مجھے توقع نہیں تھی کہ ہمیں جہاز پر پیغام مل سکے گا۔"

کراچی سے اسلام آباد تک کی مسافت باتوں ہی باتوں میں طے ہوگئی۔ پونے دو بجے لینڈنگ کے بعد ہم مسافروں کی کھیپ کے ساتھ رن وے پر موجود تھے۔

مسافر پی آئی اے کی بسوں کی طرف جارہے تھے۔ جلال نے شاید ہمیں جہاز کی سیڑھیوں پر ہی دیکھ لیا تھا۔ اس نے معانقہ کرکے ہم دونوں کا استقبال کیا اور ہمیں ساتھ لے کر ایک لمبی سی سیاہ کار کی طرف بڑھ گیا جو رن وے پر سفید لکیر سے لگی کھڑی تھی۔ گاڑی پر سبز سرکاری نمبر پلیٹ آویزاں تھی۔ گاڑی کے دونوں پہلوؤں پر دو سادہ پوش گن مین کھڑے ہوئے تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے پر ان دونوں نے اپنے ہاتھ پیشانیوں تک لے جاکر سلام کیا' ہمارے ہاتھوں سے مختصر سامان لیا اور ہمارے لیے دونوں عقبی دروازے کھول دیے۔ اول خان گھوم کر دوسرے دروازے سے بیٹھ گیا۔ مجھے جلال کو جگہ دینے کے لیے درمیان میں کھسکنا پڑگیا۔ محافظوں نے پچھلے دروازے بند کرکے اگلی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا قافلہ روانہ ہوگیا۔ آئی بی کی گاڑی رن وے کی نشان زدہ حد کے متوازی ٹرمل سے دور ہوتی جارہی تھی۔

پاکستان میں ہمیشہ آئی بی کا ایک پُراسرار سا دبدبہ رہا ہے۔ بعض سیاست داں اور بڑے افسر اس کے معمولی کارندوں سے خوف زدہ پائے گئے ہیں۔ اس روز ائرپورٹ پر کہیں بھی گاڑی کو روکا گیا' نہ اس کی چیکنگ کی گئی۔ رن وے کا ایک سروس گیٹ کھلا اور گاڑی زن سے باہر نکل گئی۔

"کراچی میں دیکھے جانے والے مشتبہ آدمیوں کا کیا بنا؟" رسمی مزاج پرسی اور معذرت کے بعد جلال نے خود ہی اصل موضوع چھیڑدیا۔

"میرے آدمی ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میری پرواز کے دوران میں کیا ہوا' مجھے معلوم نہیں۔ کراچی فون کروں گا تو رپورٹ مل جائے گی۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی پکڑا گیا ہوگا" اول خان نے جواب دیا۔

"یہاں کی سناؤ' اسلام آباد میں کیا ہورہا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"میرے آدمی نگرانی کررہے ہیں۔ ابھی تک ائرپورٹ پر کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا" جلال نے بتایا "اسلام آباد ویسے بھی وی وی آئی پی ائرپورٹ ہے۔ یہاں ہمارا سیل چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے۔"

"تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟ کچھ بولتا ہے یا ابھی تک اڑا ہوا ہے؟"

"تمہارا اندازہ سوفیصد درست نکلا" اس نے بلا جھجک کہا "وہ موہنی کی لاش سے لپٹ کر کسی یتیم بچے کی طرح ایسی دل دوز آوازوں میں پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے کہ سب ہل کر رہ گئے۔ شام ڈھلے اس نے اپنی بیٹی کی چتا کو آگ دکھائی تھی۔ اس کے بعد سے وہ پرسکون مگر گم صم ہے۔"

"اس سے چھیڑچھاڑ تو کی گئی ہوگی" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"واجبی سی" اس کا جواب ذومعنی تھا "تم لوگ آہی رہے تھے۔ ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑدیا۔ وقفہ مل جانے کے بعد وہ شاید آسانی سے راہ پر آجائے گا۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی واجبی سی کوششوں کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

"اس وقت ہم اسی سے ملنے جارہے ہیں" تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے بتایا "اسے ایک سرکاری ریسٹ ہاؤس میں رکھا گیا ہے۔"

ائرپورٹ سے شاہراہ پر آنے کے بعد گاڑی تیزی سے شہر کی طرف دوڑتی رہی مگر زیرو پوائنٹ پر جلتے بجھتے ہوئے سگنل سے اس کا رخ بائیں طرف ہوگیا۔ وہ راستہ اسلام آباد کو جی ٹی روڈ سے ملاتا تھا۔

سڑک پر ہمارا سفر زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی ایک نیم پختہ ذیلی سڑک پر اترگئی جو سبزے اور درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی اندھیرے میں کہیں گم ہورہی تھی۔ آخر کار وہ پُرپیچ سڑک ایک قدیم طرز کے ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں داخل ہوگئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے وہ ریسٹ ہاؤس دور افتادہ اور آبادی سے بالکل کٹا ہوا تھا مگر وہاں جنریٹر کے کسی شور کے بغیر بجلی کی سہولت موجود تھی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سن کر ریسٹ ہاؤس کا مسلح گارڈ پہلے سے احاطے میں آچکا تھا۔ اس نے جلال والا دروازہ کھول دیا۔

جلال کی جگہ میں ہوتا تو اس محافظ سے قیدی کے بارے میں ضرور کوئی نہ کوئی سوال کرتا۔ لیکن جلال اپنے معاملات کو خود بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے ہم دونوں کے اترنے کا انتظار کیا پھر ہمیں ساتھ لے کر ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں چڑھ گیا۔ محافظ لپک کر اس سے آگے نکلا اور سامنے کا دروازہ کھول دیا۔

ریسٹ ہاؤس زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بیٹھک نما اس کمرے کے بعد ایک چوڑی راہ داری تھی۔ وہاں بھی جلال کا ایک آدمی موجود تھا۔ اپنے افسر کو دیکھتے ہی اس شخص نے کھٹکا کھول کر ایک دروازہ اندر دھکیل دیا۔

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آہٹیں سن کر پنڈت منوہر لال پہلے ہی چوکنا ہو چکا تھا اور چارپائی سے اٹھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی اور پھول کر نیلا ہو رہا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی اور ویران نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"تم زبان کھولو گے یا اب بھی کچھ مار سہنے کا حوصلہ ہے؟" جلال نے اسے گھورتے ہوئے سفاکی سے پوچھا "اپنی بیٹی کی چتا جلانے کے بعد تمہیں ہوش آجانا چاہیے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ ویسی ہی سپاٹ نظروں سے جلال کا چہرہ تکتا رہا۔

"ڈراما کر رہا ہے یہ حرام زادہ.... یہ اب بھی نہ بولا تو میں چاقو سے اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا" جلال نے غصے سے تلملا کر کہا "میں نے صرف تمہاری سفارش پر اس بدنام لڑکی کی لاش یہاں منگوائی تھی...."

"ٹھہرو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے کہا "شاید تم نے اسے بُری خبر اب تک نہیں سنائی" جلال سے یہ کہہ کر میں پنڈت منوہر لال کی طرف متوجہ ہو گیا "ہم تمہارے لیے ایک بری خبر لائے ہیں، پنڈت!"

کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کی ویران آنکھیں جلال کے چہرے سے ہٹ کر میری طرف مرکوز ہو گئیں۔

"رابن مائر نے موہنی کو گولی مار کر ختم کر دیا لیکن وہ اب بھی زندہ ہے۔"

"نہیں!" پنڈت اتنی قوت سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی "تم جھوٹے ہو.... مجھے اخبار دیا گیا تھا۔ میں نے خود پڑھا تھا کہ موہنی کو گولی لگی اور رابن کسی زہر سے مارا گیا تھا۔ وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔"

میرے فرضی انکشاف نے اسے اتنا شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی لاتعلقی یکایک ختم ہو گئی تھی، اس کی جگہ نفرت کی چنگاریوں نے لے لی تھی۔

"وہ کوئی خاص زہر تھا" میں نے اپنا لہجہ نرم اور دھیما رکھا "وہ چند گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہوا تھا۔ اس کی نبض بہت سست ہو گئی تھی۔ چند گھنٹوں بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ.... یہ کب کی بات ہے؟" اس نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کل رات موہنی ماری گئی تھی.... آج رابن زندہ ہے" مجھے یقین تھا کہ جنون اور دیوانگی کے عالم میں پنڈت کو زمان و مکان کا ہوش ہی نہیں رہا ہو گا۔

"وہ بھیڑیا ہے.... بھوک لگتی ہے تو یہ درندے اپنے ہی کسی کمزور ساتھی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا.... مجھ پر برا وقت آیا تو اس نے میری ہی بیٹی کو گولی مار دی۔" وہ رک رک کر، غصیلی اور رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

موسیقی کی ابجد کا قاعدہ
گانا سیکھنے کے لیے نہایت موزوں کتاب

ابجدِ موسیقی

یو۔ پی کے نامور گلوکار مہدی حسن کہتے ہیں کہ:
یہ کتاب لوگوں کے ذوق کے لیے، موسیقی میں ان کی دلچسپی کو استوار کرنے کے لیے بہت بہترین ہو گی۔ یہ کتاب بہت آسان اور اچھے پیرایے میں لکھی گئی ہے۔ بھلے لوگوں کے لیے ہماری فی الحال کوششیں، دلچسپ تھے بے تکلفانہ اس کتاب سے بہتر سے بہتر فائدہ اٹھا سکیں گے اور ان کو فائدہ پہنچے گا۔ اگر انہوں نے اس کتاب میں دی گئی ہدایات پر عمل کیا۔

موسیقی کے استاد نظام الدین خاں کہتے ہیں کہ:
ایک سنگیت موسیقی پریمیوں، ان لوگوں کے لیے کتابیں لکھی گئی ہیں جو پڑھے ہوئے ہیں، ان کے لیے بہت تھوڑا بات ہوتی ہے لیکن، جو موسیقی کے انجان لوگوں کے لیے ہے۔ یہ وہ اس فن کی بنیاد ہے جو آدم رکھ سے ہوں، میوزیکل ہے کہ سنگیت پریمی اسلم اچھا خیال ہے کوئی صنعت ہی کر سکتا تھا۔ میں اس کی ذات کے بارے میں یہ فخر کر سکوں گا کہ میں نے انہیں ہم کو کھایا اور اس طرح سکھایا، اسی طرح انہوں نے سے یہاں بھی کہا۔ یہ کتاب لکھ کر تو انہوں نے موسیقی کی بہت بڑی خدمت کی ہے

معروف ادیب وصحافی نیل صادل زادہ کہتے ہیں کہ:
یہ کتاب موسیقی کی کلید ہے۔ موسیقی کا مقصد راحت اور شاکستہ پہنچانا ہی ہے۔ یہ موسیقی کی تعلیم بھی ہے۔ اس کی ساری سے موسیقی پھیلانے والی دوسری کتابوں سے بہتر کرتی ہے۔

جوان نسل معروف شاعر جمال احسانی کہتے ہیں کہ:
اس کتاب کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ موسیقی سے بے پناہ لگاؤ رکھتے ہیں تو بہت سی بھولی بسری چیزیں یاد آجائیں گی۔ آپ جیسے جیسے پڑھتے جائیں گے، ویسے ویسے کتاب ختم ہو جائے گی۔ آپ کو موسیقی کا شوق ضرور شکتی ہو گا۔ سمجھنے لگیں گے کہ یہ کتاب، پھر آپ میں موسیقی سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کر دے گی۔ مجھے اس کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ علم ہوا کہ ٹیلے سے کوکا کا رشتہ کتنی گہرائی تک ہے۔
ان حضرات کا تصیب اظہار رائے کتاب پر مٹا دیا گیا ہے۔

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۰ سعید منزل ہمدرد اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۷۴۳۰۰

قیمت ۱۰۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۸/- روپے علاوہ ڈاک خرچ پیشگی بھیجنا ضروری ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے اس کے انجام تک پہنچانا چاہتے ہو تو تمہیں ایک مرتبہ پھر سب کچھ بتانا ہوگا....."

"نہیں، نہیں!" اس نے میری بات کاٹ دی "اب مجھ سے کچھ مت پوچھو۔ اسے میرے سامنے لے آؤ۔ میں اپنے دانتوں سے اس کا نرخرا چباؤں گا....."

"وہ مرگیا ہوتا تو اور بات تھی۔ اب وہ قانون کی تحویل میں ہے۔ اسے تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم ہماری مدد کرو۔ ہم پھانسی گھاٹ پر اس کی گردن توڑ کر ایک فٹ لمبی کردیں گے۔"

رابن مائر کے خلاف وہ کراہت آمیز الفاظ پنڈت کے لیے آسودگی کا سبب بن گئے۔ اس نے مٹھیاں اور آنکھیں بھینچ کر ایک جھرجھری سی لی پھر آنکھیں کھول کر بولا "تم نے مجھے موہنی کی چتا جلانے کا موقع دیا۔ تم قول کے پکے ہو۔ تم ضرور اس کی گردن توڑ دو گے..... پوچھو، کیا پوچھتے ہو۔"

جلال میرے قریب سرک آیا اور تحیر زدہ سرگوشیانہ آواز میں بولا "کہو تو میں سب کو بلالوں۔ ایسا نہ ہو کہ اس پر دوبارہ خاموشی کا دورہ پڑجائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا" میں نے اسے یقین دلایا "ذہنی جھٹکا کھا کر یہ صدمے سے نکل گیا ہے۔ اب بولتا رہے گا۔ اس وقت مجھے اس سے دو چار باتیں کرلینے دو۔"

"میں ایک مرتبہ پھر تمہاری یقین دہانی پر بھروسا کر رہا ہوں" اس نے بے بسی سے کہا۔

رابن مائر کی بربادی اور سزایابی کا تصور اس وقت پنڈت منوہرلال کے لیے سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ اصل سوالوں کی طرف آنے سے پہلے میں نے چند ثانیوں تک اسی موضوع کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا "رابن مائر جیسے موذی شخص سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟"

"رستم..... رستم..... رستم!" اس نے تکرار کی "اس نے اپنے گھر پر مجھے رابن سے ملوایا تھا۔ رستم ایران کا دشمن تھا کیونکہ وہاں بہائیوں کو قتل اور برباد کیا گیا، میں پاکستان کا دشمن تھا کیونکہ اس کے نام پر لاکھوں ہندو بے گھر اور تاراج ہوئے تھے۔ میں نے رابن سے دوستی کرلی۔"

وہ ایک نیا سراغ تھا۔ رستم کراچی میں بیٹھ کر ایران کے خلاف اپنا عناد نکال رہا تھا۔ اس کے فون نمبروں سے ایران میں کیے جانے والے رابطے یقیناً مذموم مقاصد کے لیے تھے۔ اس کی اصل دشمنی ایران سے تھی۔ اس نے صیہونیوں کی مدد کے لیے وہاں بڑا نیٹ ورک قائم کیا ہوا تھا۔ کراچی میں رہ کر پاکستان کے خلاف براہِ راست کام کرنا اس کی اپنی سلامتی کے لیے خطرناک تھا جبکہ رابن کا ہدف پاکستان بھی تھا۔ رستم نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے رابن مائر اور پنڈت منوہرلال کو ملوا دیا۔

"ایران اور پاکستان کے خلاف کام کرنے کے عوض تمہیں رابن سے کیا ملتا تھا؟"

"وہ ملعون یہودی کسی کو کیا دے سکتا تھا۔ بس چند سہولتیں تھیں" پنڈت نے رک رک کر کہا "سارا خرچ ہم دونوں اٹھاتے تھے، اپنے اپنے انتقام کے لیے۔"

"کسی ملک سے انتقام لینے کے لیے دو تین آدمی کافی نہیں ہوتے۔" میں نے رسانیت سے کہا "تین تنخواہ داروں کے علاوہ اور کون کون تمہارا ساتھ دیتا تھا؟"

وہ ہذیانی انداز میں ہنسا "میں کس کس کا نام لوں؟ سب میرے دوست ہیں۔ کوئی میری دوستی میں اور کوئی اس ملک کی دشمنی میں، جانے یا ان جانے، میری مدد کرتا رہتا تھا۔"

"کیا ان میں اوبرائن ڈی ہنٹ بھی شامل تھا؟" میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"وہ خود کو نئے ایشیا کا افلاطون کہتا تھا۔ اونچے حلقوں میں بیٹھ کر دوسروں کی کامیابیوں کو اپنے سر منڈھ لینا اس کی قابلِ نفرت عادت تھی۔ وہ مجھے اور رستم کو بھی اپنا تابع بنانا چاہتا تھا۔ رستم کسی سے دبنے یا ڈرنے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ اوبرائن سے نفرت کرتا تھا۔"

"تمہیں اوبرائن کے انجام کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "اچھے لوگوں کو سب بھول جاتے ہیں مگر بروں پر ہر ایک نظر رکھتا ہے۔ وہ نئی دلی کے کسی حادثے میں کتے کی طرح مارا گیا تھا۔"

"تمہیں رستم کے اصل کاروبار کا بھی علم ہوگا۔ ایسا تو نہیں کہ رستم ہی نے اسے مروا دیا ہو؟"

"مجھے پتا نہیں مگر میں دو باتیں ضرور جانتا ہوں۔" پنڈت اپنی بگڑی ہوئی حالت پر تیزی سے قابو پا رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ اونٹ کی طرح پکا کینہ پرور تھا اور اوبرائن کی موت پر اس نے کھل کر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔"

رستم اور پنڈت نفرتوں کے سوداگر تھے۔ وہ بھاری مالی خسارہ اٹھانے کے باوجود دو مملکتوں کے خلاف اپنا اپنا بغض نکال رہے تھے۔ رابن مائر مفت میں ان سے فیض حاصل کررہا تھا۔ اس پورے کھیل میں میرے لیے سب سے بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الجھن یہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ جب رستم اور اوبرائن کے مشن یکساں تھے تو رستم نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے' دس لاکھ روپے کے عوض اسے ٹھکانے کیوں لگا دیا تھا۔

پنڈت منوہر لال کی قوت گویائی بحال ہوتے ہی مجھے اس سوال کا مسکت جواب مل گیا تھا۔ اسے اوبرائن سے نفرت ضرور تھی مگر وہ اس کے قتل کے بارے میں نہیں سوچ سکا تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے اسے اعتماد میں لیا تو اس نے اس سودے کو آم کے آم' گٹھلیوں کے دام سمجھ کر بے چون وچرا قبول کرلیا۔

قتل نئی دہلی میں ہوا اس لیے رستم کی ذات ہر شک و شبے سے بالا رہی' اس کو ایک دشمن سے نجات مل گئی اور اس کام کے دس لاکھ روپے بھی ڈالروں کی صورت میں مل گئے۔

رستم کو اس سودے میں نفع ہی نفع نظر آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ملک ممتاز سے دس لاکھ لے کر وہ اس سے اپنی جان کا سودا کر رہا تھا۔

پنڈت سے جو نئی باتیں معلوم ہوئی تھیں وہ اپنے نواسے کے بارے میں رستم کی گہری فکرمندی کے اسباب بھی مہیا کرتی تھیں۔ رستم ایرانی نژاد تھا۔ وہ خود وہاں سے بھاگ آیا تھا لیکن اس کی موت کے بعد پاکستان میں حالات موافق نہ ہوتے تو اس کے خاندان کے باقی ماندہ افراد ایران کی طرف کوچ کرسکتے تھے۔

بے یار و مددگار عورتوں کو شاید ایران میں پناہ مل جاتی لیکن رستم کے اکلوتے وارث کے لیے وہاں کوئی جگہ نہ ہوتی۔ رستم کے دل میں چور تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بسیرا پر آپریشن کے بعد رفتہ رفتہ ساری حقیقتوں پر سے پردہ اٹھتا چلا جائے گا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ ایران کے خلاف تعصب پرست یہودی مفادات کی پاسبانی کرتا رہا تھا۔ اس کے نواسے کو وہاں جگہ مل بھی جاتی تو وہ ذلت' رسوائی اور غداری کے الزامات سے ہمیشہ سرنگوں رہتا۔ کبھی جاہ و حشم کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

کینہ پرور رستم حساب کتاب اور جوڑ توڑ میں بہت طاق تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس نے جو فیصلہ کیا' وہ شاید اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔

"رستم براہِ راست ایران کے معاملات دیکھتا تھا۔ تم پاکستان کے نگراں تھے مگر تم رستم ہی کو جواب دہ تھے۔ وہ تمہاری اطلاعات اور رپورٹیں رابن مائر کے ذریعے تل ابیب پہنچاتا تھا" میں نے پوچھا۔

"تم رستم کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" پنڈت جھلا کر بولا "سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود مجھ سے اسی کے بارے میں پوچھے جارہے ہو۔ وہ مرگیا۔ اس کا قصہ اس کے ساتھ ختم ہوگیا۔ مجھ سے رابن کی بات کرو۔ آستین کے اس موذی سانپ کی جو ابھی تک زندہ ہے۔"

"جب تم رستم کو جواب دہ تھے تو رابن کو براہِ راست فون کیوں کرتے تھے؟"

"وہ فون اور فیکس ذاتی کاموں کے لیے ہوتے تھے۔ میں نے تم کو بتایا نا کہ ہمیں اس سے صرف کچھ مراعات ملی ہوئی تھیں۔ اس کے ذریعے ہم کسی کو بھی امریکا کا کوئی ویزا دلوا سکتے تھے۔ وہاں کے تعلیمی اداروں میں داخلے آسانی سے مل جاتے تھے۔ ان احسانوں کے بدلے' میں اس کے لیے معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے اتنی بے رحمی سے استعمال کرنے کے بعد وہ یوں میرا سینہ چھلنی کردے گا۔"

"پابندیٔ وقت"

دفتر کے کام سے طارق بذریعہ جہاز کراچی سے لاہور جانے کے لیے گرتے پڑتے ذرا تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تو فلائٹ روانہ ہورہی تھی۔ سرنگ نما راستے کا گیٹ بند ہورہا تھا۔ طارق کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے لڑنے لگے کہ انہیں بورڈنگ کارڈ دیا جائے اور جہاز رکوایا جائے۔

"فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔" انہوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔

ائرلائن کی ملازم خاتون نہایت تحمل اور شائستگی سے بولیں "وہ تو ٹھیک ہے سر۔ لیکن آپ چونکہ یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ کو روانہ کرنا پڑا۔"

○☆○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"روپوش ہونے کے بعد بھی تم نے اس سے بات نہیں کی؟" میرے پاس رابن مائر کے بارے میں سوالات کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ سلسلہ معلومات افزا تھا۔

"رستم کے گھر سے میں نے دوبار اس سے بات کی۔ وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا کہ کوئی نقصان ہونے سے پہلے وہ مجھے اور موہنی کو پاکستان سے نکال لے جائے گا۔"

"تم نے پاکستان کے دفاعی راز بھی رابن مائر کو فراہم کیے تھے؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے "بس اسی بات پر وہ ناراض رہتا تھا۔ میں ایسے معاملوں میں ہاتھ ڈالنے والوں کی کئی لرزہ خیز کہانیاں سن چکا تھا۔ میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وقت مل جاتا تو شاید میں اس کے دباؤ سے مجبور ہو کر ادھر بھی چل پڑتا..... ابھی تک میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"مجھے ان لوگوں کے نام درکار ہیں جو بڑے سرکاری عہدوں پر ہیں اور ویزوں یا داخلوں کے لیے تمہارے احسان مند ہیں۔ تم نے کچھ نہ بتایا تو ہمیں رستم کے گھر سے ریکارڈ مل جائے گا۔"

"رستم کے گھر سے بے اندازہ دولت کے سوا تم کو کوئی غیر قانونی چیز نہیں ملے گی۔ وہ ہر کاغذ جلا کر تلف کرتا تھا۔ سارے کام اور حساب اس کی یادداشت میں محفوظ رہتے تھے۔"

"رستم کے قصیدے مت سناؤ۔ رابن کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانے کے لیے مجھے چند اہم ناموں کی ضرورت ہے۔ ایسے نام جن کے لیے رابن نے کبھی کوئی سفارش کی ہو۔ کل تک یہ نام مل جانے چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے..... میں یاد کرنے کی کوشش کروں گا" اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

میں واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ میرے ساتھ وہ دونوں بھی دروازے کی طرف ہو لیے۔

بیٹھک نما کمرے میں پہنچتے ہی جلال جذبات سے مغلوب ہو کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا "تم نے بہت بڑی مشکل آسان کر دی۔ تمہارا چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر لگا ہے۔"

"اس سے آج نئی باتیں ہوئی ہیں۔ کاش کل اسے یہ سب اسی طرح یاد آ سکے!" اول خان نے حسرت سے کہا۔

"اس نے از خود کچھ نہیں بتایا" جلال نے کہا "سب ڈینی کے سوالوں کے جواب تھے۔"

"ایسے ضدی مجرموں سے کچھ اگلوانے کے لیے خاص ڈھب کے سوالات ضروری ہوتے ہیں۔ ڈینی نے آج یہ کام بہت خوبی سے انجام دیا ہے" اول خان نے اقرار کیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں کسی وقت بھی کوئی کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس وقت میرے بڑے بڑے یہاں نہیں تھے لیکن گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ کل ہمیں یہ سوال دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"کل نہیں، آج کہو۔ اس وقت صبح کے تین بج رہے ہیں" میں نے انہیں توجہ دلائی اور دونوں ہی ہنس پڑے۔

"تمہیں ایک دم ہی رابن مائر کے مردے کو زندہ کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟" گاڑی میں واپسی کا سفر شروع ہونے کے بعد جلال کو وہ سوال یاد آ گیا۔ اس کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"کراچی میں بیٹھ کر میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا" میں نے کہا "یہ میرے مشاہدے کا نتیجہ تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شدید صدماتی کیفیت کا شکار ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی لاش دیکھ چکا تھا۔ اسے رابن کے قتل کے بارے میں بھی معلوم تھا مگر لاش اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اسے جھنجوڑنے کی ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی کہ اسے بیٹی کے خون کے انتقام کی ضرورت کا احساس دلایا جائے، یہ حربہ کام کر گیا۔"

"میں آخر تک اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ تم اسے کون سی بُری خبر سنانے والے ہو" جلال بولا "اس کے بے ساختہ ردِ عمل پر میں پل بھر کے لیے ہل کر رہ گیا تھا۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہو گا کہ اس کے ہاتھوں موہنی کی آخری رسوم کی ادائیگی اس کے ذہن پر نقش تھی۔ اسے قابو میں رکھنے کے لیے یہ اقدام ناگزیر تھا۔" اول خان نے کہا۔

"رحمان اس مشق سے متفق نہیں تھا" جلال نے اپنے ساتھی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "مگر میں بند گلی میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی افادیت کا یقین نہ ہونے کے باوجود میں نے محض اس لیے لاش کی فوری منتقلی کا فیصلہ کر لیا کہ یہ تم دونوں کا مشترکہ مشورہ تھا۔"

"بعض اوقات بہت چھوٹی چھوٹی باتیں دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہیں" میں نے کہا۔

"پنڈت سے بات کرتے ہوئے تم نے اس کی تازہ ترین فون کالز کا ذکر بھی چھیڑا تھا۔ کیا تم نے محکمے سے اس بارے میں کچھ کوائف حاصل کر لیے ہیں؟" جلال نے جاننا چاہا۔

"پنڈت اور رستم کی تین ماہ کی بلنگ کی مکمل تفصیل موجود ہے" میں نے اسے آگاہ کیا "کراچی سے واشنگٹن ڈی سی کا ڈائلنگ کوڈ ڈبل زیرو دن ٹو زیرو ٹو ہے۔ دونوں کے بلوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کوڈ کے ساتھ دو نمبر موجود ہیں۔ یقینی طور پر وہ رابن مائر کے ہی نمبر ہو سکتے ہیں۔"

"اور رستم کے نمبروں سے ایران کے لیے متعدد کالز کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں سے بعض کا دورانیہ دس پندرہ منٹ سے بھی زیادہ ہے۔" اول خان نے میرے خاموش ہوتے ہی لقمہ دیا۔

"وہ تفصیلات تم اپنے ساتھ لائے ہو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"کیوں؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کیا "کیا تمہیں وہ ریکارڈ نہیں مل سکا؟"

"کل ہی تو بات ہوئی تھی" اس کے لہجے میں ہلکی سی خفت تھی "پی آئی اے سے آنے والی ڈاک ارجنٹ ہونے کے باوجود کبھی کبھی دیر سے ملتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کراچی سے پیکٹ روانہ کر دیا گیا ہو اور وہ راستے میں ہو۔ وہ نقلیں مل سکیں تو آج کئی مرحلے سر ہو جائیں گے۔"

"بلوں کا لفافہ میرے بریف کیس میں موجود ہے" اول خان نے اسے دلاسا دیا "اترتے ہوئے میں وہ تمہیں دے دوں گا۔"

"آج بہت سے چشم کشا حقائق سامنے آئے ہیں جو ٹیپ کر لیے گئے ہیں۔ وہ بل ان کی تصدیق کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اوپر آیا ہوا سفارتی دباؤ جلد از جلد ختم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اتنا مواد سامنے آجانے کے بعد ہمارے ڈی جی امریکیوں سے ملاقات کا فیصلہ کریں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے ڈائریکٹر جنرل سمیت کوئی بھی حکومتی عہدے دار براہِ راست غیر ملکی سفارتی افسروں سے نہیں مل سکتا۔ کیا یہ بندوبست آج ہی ہو جائے گا" میں نے پوچھا۔

"ایسے معاملات میں دفتر خارجہ رابطے کا کام کرتا ہے۔ یہ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ وہ لوگ کسی تاخیر کے بغیر میٹنگ طے کر لیں گے۔ امریکی بھی ہمارا موقف جاننے کے لیے سخت مضطرب ہیں۔"

"ان کا اضطراب قابلِ فہم ہے۔ رابن مائر کی موت نے انہیں بہت نازک امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ظاہری شواہد اس کے خلاف ہیں۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہمارے پاس اور کیا مواد ہے۔"

"پنڈت نے اپنی خاموشی ختم کر دی ہے۔ اگر بیان کا دوسرا حصہ سننے سے پہلے اسے کسی بہتر مقام پر منتقل کر دیا جائے تو وہ بالکل ہی رام ہو سکتا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے زبان کھولی "جب تک اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر لیا جاتا، وہ ہمارے کام آتا رہے گا۔"

"یہ اندازہ ہو گیا ہے" جلال نے سر ہلا کر اس کی تائید کی "تمہیں بلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ پرانی باتیں دہرانے پر آمادہ ہو جائے مگر اس نے نئے عقدے کھولنے شروع کر دیے۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں اب بھی کیا، کیا محفوظ ہو گا۔"

"وہ کھل کر پاکستان سے اپنی نفرت کا اظہار کر چکا ہے۔" میں نے کہا "اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ کسی اجرت کے بغیر رابن مائر کے لیے کام کر رہا تھا۔ ایسے غدار کا صرف ایک ہی انجام ممکن ہے۔ اس کا کام پورا ہونے کے بعد اسے جلد از جلد کیفرِ کردار کو پہنچ جانا چاہیے۔"

وہ صبح تڑکے کا وقت تھا اور پورا اسلام آباد سویا ہوا تھا۔ سیاہ کار دو رویہ شاہراہِ کشمیر پر تیزی سے دوڑتی رہی۔ اس سڑک پر دور دور تک کسی گاڑی یا متنفس کا نام و نشان نہیں تھا۔

ویسے پنڈی اور اسلام آباد کو ایک دوسرے کا جڑواں شہر کہا جاتا ہے مگر مزاج میں دونوں شہر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ پنڈی پر عسکری طرزِ معاشرت کا غلبہ ہے اس لیے وہاں کے باسی سحر خیز ہیں۔ موسم کے سرد و گرم کی پروا کیے بغیر منہ اندھیرے روزی کی تلاش میں نکلنے کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں جب کہ اسلام آباد میں زندگی کی چہل پہل ذرا دیر سے ہوتی ہے۔

شاہراہِ کشمیر سے ہماری گاڑی میونسپل روڈ پر مڑ گئی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ پوری رات کالی کرنے کے بعد جلال ہم دونوں کو کہاں چھوڑنے والا تھا۔

میونسپل روڈ کچھ دور سیدھی چل کر خود بہ خود داہنی طرف مڑ جاتی ہے۔ وہاں ہم نند اسی روشنیوں میں لپٹے ہوئے ویران جنرل پوسٹ آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے مارکیٹ روڈ پر نکل آئے۔ تیز روشنی میں نہائی ہوئی وہ خالی سڑکیں خواب ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔

مارکیٹ روڈ شالیمار مرکز کے سامنے سے راہے کی صورت میں آغا خان روڈ پر ختم ہو گئی۔ وہاں سے ہماری گاڑی داہنی طرف گھومی تو میں دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لے کر رہ گیا۔

میری توقع کے عین مطابق آغا خان روڈ پر واقع ہالیڈے اِن پر ہمارے سفر کا خاتمہ ہو گیا۔ دنیا کے ہر بڑے ہوٹل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح وہاں بھی تھکا تھکا عملہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے موجود تھا۔

پورٹر کے اٹھانے کے لیے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ میں نے اپنا تھیلا کندھے پر لٹکایا' اول خان نے بریف کیس اٹھایا اور ہم جلال کے ساتھ ہوٹل کی روشنیوں میں ڈوبی ہوئی پرشکوہ عمارت میں داخل ہوگئے۔ جلال نے کاؤنٹر پر ہمارے نام بتا کر چابیاں طلب کیں تو معلوم ہوا کہ پانچویں منزل پر دو متصل کمرے ہمارے لیے پہلے سے محفوظ کرا لیے گئے تھے۔

وہ عالی شان ہوٹل آج بھی اسی مقام پر موجود ہے لیکن نئے انتظامات کے تحت وہ ہوٹل میریٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس کی ہر شام بہت رنگین اور دلکش ہوتی ہے۔ شہر بھر کے آسودہ حال بے فکرے اپنی بیشتر شامیں اسی کے مختلف حصوں میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔"

اس وقت جلال پر ہماری احسان مندی اور مہمان داری کا بھوت سوار تھا۔ اول خان نے نیچے ہی فون بلوں والا لفافہ اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کرنا چاہا لیکن وہ ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچائے بغیر واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

سامان نہ ہونے کے باوجود ایک پورٹر سائے کی طرح ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا کل بوجھ ہمارے کمروں کی دو چابیوں پر مشتمل تھا۔

پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ایسے خوب صورت کمرے میں لمبی نیند لینے کے لیے کراچی سے وہاں تک کا سفر مہنگا نہیں تھا۔

"اب تم دونوں لمبی تان کر آرام کرو" جلال نے مشورہ دیا "تمہارے دروازوں پر نو ڈسٹربنس کے ٹیگ لگا دیے جائیں گے۔ اب بارہ بجے رحمان تمہارے پاس آئے گا۔"

اس یقین دہانی کے بعد جلال فوری طور پر واپس ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ہمیں ہوٹل کے کمروں تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے لیے بہت سا کام باقی تھا۔

کشادہ اور بے داغ بستر دیکھ کر میری پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ اول خان پہلا کمرا مجھے سونپ کر اپنے بریف کیس سمیت برابر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے اپنے ٹرول بیگ میں سے شب خوابی کا لباس نکال کر کپڑے تبدیل کیے اور نائٹ لیمپ کے سوا تمام روشنیاں گل کر کے بستر پر ڈھیر ہوگیا۔

اپنی نیند پوری کر کے میں خود ہی بیدار ہوا تھا۔ عقبی کھڑکی پر کھنچے ہوئے دبیز پردے کی وجہ سے کمرے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ رات بلکہ صبح سویرے والا سماں جوں کا توں برقرار تھا لیکن میرے سرہانے رکھی ہوئی رسٹ واچ دس بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

نہایت اطمینان سے تر و تازہ ہونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اول خان عرف اظہر خان کے بارے میں سوچا۔ اگر دس بجے تک میری نیند پوری ہو چکی تھی تو اسے بھی بیدار ہونا چاہیے تھا۔ میں نے انٹرکام پر اس کے کمرے کا نمبر ملایا تو وہ مصروف تھا۔

اپنا کمرا مقفل کر کے میں نے پڑوس والے دروازے پر دستک دی اور اندر سے اول خان کی آواز سن کر دروازہ کھول لیا۔ وہ مجھ سے پہلے تیار بیٹھا تھا اور فون پر اپنے کسی آدمی بات کر رہا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر سنگل صوفے میں دھنس گیا۔ شاید میری وجہ سے اس نے جلد ہی گفتگو ختم کر دی اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا "رات کو میرے آدمیوں نے ان تینوں میں سے ایک کو پکڑ لیا تھا اور اس کو بری طرح مارا ہے۔ پٹنے کے بعد اس نے بتایا ہے کہ وہ تینوں اپنے استاد داؤد کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تھے۔ داؤد ان سے الگ تھلگ رہ کر اشاروں کنایوں سے ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسی کے ایما پر وہ میرے آدمیوں کے پیچھے ریستوران میں گئے تھے۔ وہ آخر تک وہیں تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ تعاقب کے بعد انہیں کیا کرنا تھا" میں نے پوچھا۔

"یہ سب کراچی پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا۔ فی الحال میں نے انہیں داؤد کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ہماری واپسی تک اسے بھی اسٹیشن فور پر موجود ہونا چاہیے۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا ہے مگر اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ناشتے کا ہے۔"

وہ مسکرا دیا "میں معلوم کر چکا ہوں۔ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال بند ہو چکا ہے۔ ہمیں روم سروس سے رجوع کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا لینا پسند کرو گے۔"

"جو چاہو منگوا لو اور جلال کو بھی اطلاع دے دو کہ ہم مقررہ وقت سے پہلے بیدار ہو چکے ہیں۔"

اول خان نے روم سروس والوں کو آرڈر دیا اور پھر خود ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

جلال اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ "ان تک اطلاع پہنچا دو کہ ہوٹل سے اظہر خان کا فون آیا تھا۔ یہ بہت اہم اور ضروری معاملہ ہے" پیغام دے کر اس نے فون بند کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناشتے سے پہلے ہی رحمان ہمارے پاس آپہنچا۔ ائرپورٹ پر اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے بہت تپاک اور بے تکلفی سے ہمیں اپنے شہر میں خوش آمدید کہا اور بتایا کہ جلال اچانک بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ اس نے اظہر خان اور مظہر خان کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیا ہوا تھا۔ اس کے پی اے نے اول خان کا پیغام فوراً ہی رحمان تک پہنچا دیا۔ اس کا دفتر ہوٹل سے بہت قریب تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے ہوٹل پہنچ گیا۔

اول خان کے بے تکے آرڈر کی وجہ سے دو آدمیوں کے لیے آنے والا ناشتا ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ صرف ایک پیالی کے اضافے سے رحمان بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح چھ بجے سے دفتر پہنچا ہوا تھا۔ اسے بھاگ دوڑ کی وجہ سے چائے کی ایک پیالی تک پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"آخر اس طرح ہلکان ہونے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اول خان نے ناشتے کے دوران میں رحمان سے پوچھا "مجرم تمہارے قبضے میں ہے' تعاون پر آمادہ ہو چکا ہے پھر تم کیوں بھاگتے پھر رہے ہو۔"

"کسی کو امید نہیں تھی کہ پنڈت منوہر لال آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ ہو سکے گا۔ مایوسی کی وجہ سے بہت سی ضروری کارروائیاں ادھوری چھوڑ دی گئی تھیں" رحمان نے بتایا "تمہارے پہنچنے کے بعد ایک دم پانسہ پلٹ گیا ہے۔ سات بجے ہمارے ڈی جی نے خود پنڈت سے ملاقات کی ہے۔ کسی پوچھ گچھ کے ارادے کے بغیر وہ صرف یہ دیکھنے گئے تھے کہ پنڈت اب کس موڈ میں ہے۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے ڈی جی کو اس کے اعترافات سننے کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ حکومت کی ایک ذمے دار شخصیت کے سامنے اس کا بیان لیا جائے گا۔ سب کی متفقہ رائے ہے کہ پنڈت کو بار بار چھیڑا گیا تو وہ بدک جائے گا۔"

"سب کچھ ایک مرتبہ ہو جانا چاہیے" میں نے اس سے اتفاق کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ رستم اور پنڈت کے معاملے کو اس قدر طول کیوں دیا جا رہا ہے۔ دو اور دو چار کی طرح ہر بات بالکل سامنے ہے۔ فیصلہ کر کے ذرا سی دیر میں کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔"

"بڑے فیصلوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے روٹین کا حصہ ہیں۔"

"شام کی کسی پرواز سے ہماری روانگی کا بندوبست کر دو"

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا "اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ رستم کے انسانی حقوق کا قضیہ کس نے اٹھایا تھا؟"

"کوئی اکرم الٰہی ہے۔ وہ کراچی میں ہی رہتا ہے لیکن اس کا باقاعدہ دفتر خیابانِ قائداعظم پر بلیو ایریا کی ایک عمارت میں ہے" رحمان نے بتایا۔

"تو وہ کوئی پاکستانی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "جلال نے تو کسی بین الاقوامی ادارے کا ذکر کیا تھا۔"

"اس کا دفتر انسانی حقوق کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا مقامی حصہ ہی ہے۔"

"اکرم الٰہی فریڈم انٹرنیشنل کی پاکستانی شاخ کا چیئرمین ہے۔ فریڈم انٹرنیشنل یہاں این جی او کے طور پر کام کر رہی ہے۔"

"غیر سرکاری تنظیمیں کسی نہ کسی کی امداد سے چلتی ہیں۔ اسے کہاں سے فنڈز ملتے ہیں؟"

"ایسے اداروں کو برائے نام سرکاری امداد ملتی ہے۔ بڑی بڑی رقمیں بیرونی امداد کی صورت میں آتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ سرکاری ذرائع سے تقسیم ہونی چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اکرم الٰہی کو بھی کہیں سے رقم مل رہی ہو۔"

"شاید تمہیں اس طرف توجہ دینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو پھر ہم اسے وہیں دیکھیں گے۔ رستم جیسے غدار اور سازشی کے حق میں آواز اٹھانے والا نیک نیت نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے لوگ مضبوط پشت پناہی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ احتیاط سے دیکھنا ہو گا کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ ان کے کیا مقاصد ہیں اور وہ کس سمت میں جا رہے ہیں؟"

"وہ جو کچھ بھی ہو' رستم اور رابن مائر سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ جب ان دونوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے تو اکرم کس گنتی میں ہے؟" مجھے ہلکا سا تاؤ آگیا۔

"رستم اور رابن بے شک مار دیے گئے بلکہ رستم نے تو کھلی خودکشی کی ہے مگر ان واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں فیصلوں میں تاخیر کا سبب بن رہی ہیں۔ ایک وقت میں کئی محاذوں پر لڑنا دانش مندی نہیں ہے۔ موجودہ گرد دب جائے تو اکرم کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' کیا ان لوگوں پر غلط ہاتھ ڈالا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ بہترین فیصلے تھے" رحمان نے جلدی سے کہا "اسی لیے ہر شخص حالات سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کررہا ہے۔ ہم لوگ کسی حکومت کی مجبوریوں کو نظرانداز کرکے من مانے فیصلے نہیں کرسکتے۔"

اول خان نے مجھے اشارہ کرکے کہا "قانونی اداروں کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں امریکا اور روس کی حکومتیں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنی سرزمین پر دشمن کے ایجنٹوں کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھیں۔ ایسی برداشت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو دو طرفہ خونریزیوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

اول خان کی وضاحت سے رحمان کو سہارا مل گیا "میرا نکتہ بالکل یہی تھا۔ رابن مائر کی حرکتوں کے باوجود یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ وہ ایک سفارتی مہمان بن کر یہاں آیا تھا اور اس کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔ اس کے جرائم اور بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کے انجام پر رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنا پڑے گا۔ قانون سے ماورا خوں ریزی پر مذمت کا اظہار بین الاقوامی اخلاقیات کا حصہ ہے۔"

"رابن کے خلاف تمہارے مہیا کیے ہوئے ثبوت جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے، تعزیتی بیان اسی قدر ہلکا اور نرم ہوتا چلا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"ہم ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سب کی بھاگ دوڑ ان مربوط کوششوں کا ایک حصہ ہے" رحمان نے کہا "ہم اپنی ذمے داری کم سے کم رکھنی چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں کیوبا کے فیڈل کاسترو کی مثال دیتا ہوں۔" اول خان نے کہا "وہ شاید روئے زمین پر امریکیوں کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص ہے۔ سی آئی اے اس پر متعدد قاتلانہ حملے کرواچکی ہے جو سب کے سب ناکام رہے۔ اگر وہ آج کسی دہشت گردی کا نشانہ بن جاتا ہے تو میری بات لکھ لو کہ غیر سرکاری طور پر امریکا میں جشن منایا جائے گا مگر امریکی صدر اس کے لیے تعزیتی بیان جاری کرے گا جس میں دہشت گردی کی مذمت پر زور ہوگا۔"

اول خان میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ فکر بھی تھی کہ میں کہیں رحمان سے الجھ نہ پڑوں۔ ایسی کسی صورت کو ٹالنے کے لیے اس نے نہایت بھونڈے انداز میں کیوبا کے صدر کا ذکر چھیڑا تھا جو میں نے خاموشی سے سن لیا۔ اس پر میرا کوئی تبصرہ لاحاصل تھا۔

اس ہلکی سی تکرار کے بعد ہم نے خاموشی سے ناشتا ختم کرلیا۔

"آؤ! اب دفتر چلتے ہیں" ناشتا کرکے رحمان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"دفتر میں ہمارا کیا کام ہے؟" میں نے پوری سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کام ہے بھی اور نہیں بھی" رحمان مسکرایا "تم ہمارے مہمان بن کر اسلام آباد آہی گئے ہو تو ہمارے ڈی جی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جلال نے ہمیں بارہ بجے تک سونے کی آزادی دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ متوقع ملاقات ایک بجے کے لگ بھگ ہی ہوسکے گی" میں نے متفسرانہ لہجے میں کہا۔

"شاید اتنا وقت ہوجائے گا" رحمان نے میری تائید کی "گپ شپ میں یہ وقت آرام سے گزر جائے گا۔"

"ہمیں ساتھ لے جاکر تم بندھ جاؤ گے۔ آج تم لوگ ویسے ہی کام کی زیادتی کے شکار ہو۔ ہم ہوٹل میں رہیں گے۔ ڈی جی آجائیں تو تم آکر ہمیں دفتر لے جانا۔"

"یہ نہیں ہوگا" رحمان اڑ گیا "کام روز ہوتا رہتا ہے۔ تم روز یہاں نہیں آؤ گے۔ تمہیں میرے ساتھ دفتر چلنا ہوگا۔ بور ہونے لگو گے تو ہوٹل واپس لے آؤں گا۔"

مزید انکار اس کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا کرسکتا تھا۔ میں بھی اٹھ گیا۔

ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں رحمان کی گاڑی موجود تھی۔ ہم آغا خان روڈ سے کانسٹی ٹیوشن ایونیو پر مڑے اور ذرا سی دیر میں کیبنٹ بلاک کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ دربان نے رحمان کو دیکھ کر سلاخ دار گیٹ کھول دیا اور ایک قریبی حصے میں گاڑی پارک کردی۔

کیبنٹ بلاک کے ابتدائی حصے میں چند کمرے آئی بی کے لیے مخصوص تھے۔ رحمان نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے اشارے سے اپنے سربراہ کے دفتر کی نشان دہی کی اور پھر ایک کمرے میں گھس گیا۔

اس کا کمرا سادہ اور پروقار تھا۔ اس نے بتایا کہ اس بلاک میں آئی بی کے ڈی جی اور چند افسران ہی بیٹھتے تھے۔ دوسرے دفاتر کسی اور بلاک میں واقع تھے۔

رحمان نے اپنی میز سنبھالی ہی تھی کہ اس کے اسٹینو فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے اپنے ماتحت سے کچھ پیغامات سنے، چند نمبر ملانے کی ہدایت کی اور پھر اپنی میز پر رکھا ہوا کمپیوٹر آن کردیا۔

"اس بلاک میں شاید ملک کے حسّاس ترین دفاتر سمٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے ہیں" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"ہاں.... اسے تم حکومت کا اعصابی مرکز بھی کہہ سکتے ہو۔ صدر اور وزیراعظم کی طرف سے تقرریوں اور تبادلوں کے سارے احکام اسی بلاک کے ایک حصے سے جاری ہوتے ہیں۔ ہم لوگ یہاں بیٹھتے ہیں اس لیے تم ہمیں بھی تھوڑی بہت اہمیت دے سکتے ہو۔"

"شاید جلال بھی دفتر میں نہیں ہے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"جلال اور ڈی جی دونوں غائب ہیں۔ جب تک ان میں سے کوئی واپس نہیں آجاتا' مجھے دفتر میں رہنا ہے۔" رحمان نے مجھے بتایا "دفتر میں ایک نہ ایک ذمے دار آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔"

"تم ہوٹل میں ہمارے پاس تھے تو یہاں کوئی نہیں تھا جب کہ آج کا دن بہت اہم ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور وہ ہنستے ہوئے بولا "پیغام نوٹ کرلیے گئے تھے۔ اب میں نے وہ کالز لوٹانے کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔"

وہی ہوا۔ وہ ریسیور رکھتا تھا اور اس کا ماتحت فوراً ہی دوسرا نمبر ملادیتا تھا۔ فون پر گفتگو کے دوران میں رحمان نے کئی مرتبہ کی بورڈ کو چھیڑ کر مانیٹر کی اسکرین پڑھ کر کسی کو کچھ بتایا اور اسکرین کو دوبارہ اس کی ابتدائی حالت میں لوٹادیا۔

ڈیڑھ بجے تک وقفے وقفے سے فون آتے رہے۔ اس دوران میں ہماری باتیں بھی چلتی رہیں۔ رحمان کو باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ہمیں بور نہیں ہونے دیا۔

ہم اس کے دفتر میں چائے کی دوسری پیالی پی رہے تھے کہ جلال وہیں آپہنچا۔

"وہ مرحلہ بہت خوبی سے نمٹ گیا" جلال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اس وقت پنڈت منوہر لال موم کی ناک بنا ہوا ہے۔ وہ تم دونوں کو یاد کررہا تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری یہاں تک کی دوڑ رائیگاں نہیں گئی" اول خان نے مسرت سے کہا "شام کو یہاں سے واپس جاتے ہوئے ہمارے دل بڑھے ہوئے ہوں گے۔"

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ دونوں آپس میں بہت بے تکلف تھے مگر جلال ان میں سینئر تھا۔ رحمان اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"تو کیا تم شام کو واپس جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں میرے کچھ ضروری کام ادھورے ہیں جن کی دیکھ بھال کے لیے کراچی میں میری موجودگی ضروری ہے" اول خان نے کہا۔

اسی وقت رحمان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور اٹھاکر اس نے بہت مؤدب لہجے میں وقفے سے تین چار بار یس سر' یس سر کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

جلال کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں "ڈی جی صاحب ان دونوں کو تمہارے ساتھ بلا رہے ہیں۔" رحمان نے کہا "انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"آؤ! اچھا ہے کہ یہ ملاقات اسی وقت ہوجائے۔ تین بجے امریکی سفارت کاروں کے ساتھ اجلاس شروع ہوجائے گا۔ پتا نہیں وہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔"

ڈی جی کا دفتر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں اس کا پی اے اور گن مین بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر جلال نے اندھے شیشوں والے پارٹیشن میں موجود دروازے پر انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے پیچھے ہم نے پیش قدمی کی تھی کہ بڑی سی چوبی میز کے پیچھے سے بھاری جسم اور پختہ عمر کا ایک وجیہہ شخص نکل کر ہمارے استقبال کے لیے آگیا۔

جلال نے ہم تینوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ اس نے اپنے رتبے کو بھلا کر بہت فراخ دلی سے ہمارے لیے توصیفی کلمات ادا کرتے ہوئے تپاک سے ہاتھ ملائے اور ہمیں کرسیاں پیش کرکے دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ اس کی کرسی کے پیچھے' دیوار پر قائداعظم کی بڑی تصویر آویزاں تھی۔

"میں نے کئی میٹنگز میں تم دونوں کا ذکر سنا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ پاکستان میں آج بھی ایسے بے لوث اور فرض شناس شہری موجود ہیں جو ملک کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ جلال نے مجھے جو بریفنگ دی ہے وہ حیران کردینے والی ہے۔ مگر ریکارڈ میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے" اس نے کہا۔

"میں اس عزت افزائی کے لیے آپ کا ممنون ہوں" خواہش کے باوجود میں عقابی آنکھوں اور سفید وسیاہ بالوں والے شخص کے لیے تم کا صیغہ استعمال نہیں کرسکا "آج شام ہم واپس جارہے ہیں۔"

"کیوں؟" ڈائریکٹر جنرل نے جلال سے سوال کیا "انہیں آج ڈنر پر مدعو کیوں نہیں کرتے؟"

"سر! ان کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ کراچی میں اپنے کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھورے چھوڑ کر آئے ہیں" جلال نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کے اجلاس کے بعد میرا ڈنر کا ہی پروگرام تھا۔"

اس دوران میں، میں تیزی سے اس دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ ڈی جی کے پاس بھی کمپیوٹر موجود تھا۔ ایک الماری میں فلا پیپرز قطار در قطار لگی ہوئی تھیں مگر اسی کے ساتھ فائلوں سے مفر نہیں تھا۔ قالین پر ایک طرف فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ پارٹیشن میں لگا ہوا اندھا شیشہ یک رخ تھا۔ باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ڈی جی کے کمرے میں سے باہر کی ہر تفصیل نظر آرہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ رابن مائر کے ساتھ کرسٹوفر نامی میرین گارڈ بھی پنڈت کے گھر رہ گیا" اس نے قتل اور موت جیسے الفاظ سے پرہیز کرتے ہوئے کہا "کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رابن کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کر کے وہاں لے جایا گیا تھا۔"

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ ڈی جی کے ان فقروں میں ویرا کی کارروائی کا ذکر تھا کیونکہ پورچ میں پہرہ دینے والے گارڈ کو اسی نے اپنے بے آواز ریوالور کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہم لوگ آج صبح سے مصروف رہے ہیں" ڈی جی قدرے توقف کے بعد معذرت کر رہا تھا "تمہارا کام ختم ہوتے ہی ہمارا کام شروع ہو گیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ میری خواہش تھی کہ کام کے اس دباؤ سے نکل کر ہم کو ایک ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے اور ہم ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔"

"زندگی رہی تو یہ موقع ضرور آئے گا... ہاں، اگر آج کے اجلاس میں ہماری شرکت کی کوئی گنجائش ہو تو اس کے لیے دوسرے کام نظرانداز کیے جاسکتے ہیں۔"

ڈی جی کے بھرے بھرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہاری شرط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ روانگی ملتوی ہو سکتی ہے، ہمیں مل بیٹھنے کی فرصت میسر آسکتی ہے۔"

"نو سر!" اول خان اضطراری انداز میں بول پڑا "پتا نہیں ڈینی نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ ہماری واپسی ضروری ہے۔ ڈینی مناسب سمجھتا ہے تو رک جائے۔ میں اجازت چاہوں گا۔"

مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ ڈی جی کے چہرے پر دوبارہ سنگلاخ سنجیدگی طاری ہو گئی "ہمارے اجلاس خفیہ ہوتے ہیں۔ پچھلے نقصانات کی روشنی میں، میں نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ ہمارے کسی باضابطہ اجلاس میں باہر کا کوئی آدمی شریک نہیں ہو گا۔ آئی ایم سوری مائی ڈیر ڈینی! میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں۔ تم اپنی محنت کا آخری ثمر دیکھنا چاہتے ہو۔ ان کی جھکی ہوئی نظریں، عرق آلود پیشانیاں اور بوکھلائے ہوئے چہرے دیکھنا چاہتے ہو، بے ربط دلیلیں اور بے مغز حیلے سننے چاہتے ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم تھا۔ اسی لیے میں نے یہ شرط تجویز کی تھی۔ میری واپسی بھی ضروری ہے۔"

دفتر کا باوردی اردلی چائے اور اس سے متعلقہ لوازم سے لدی ہوئی ٹرے لے آیا۔ شاید ڈی جی نے پر تکلف چائے کے لیے پہلے ہی کوئی ہدایت جاری کر دی تھی۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی سر! ہم نے تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کیا ہے۔" اول خان نے سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا حالانکہ ہمیں ناشتا کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔

"یہ لنچ کا وقت ہے۔" وہ وال کلاک پر نظریں دوڑا کر بولا "مگر مجبوری ہے کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ تین بجے مجھے دفترِ خارجہ پہنچنا ہے۔ اجلاس کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ ان کی ٹیم کی سربراہی قائم مقام سفیر کر رہا ہو گا۔ اجلاس کی میزبانی دفتر خارجہ کے ایڈیشنل سکریٹری کریں گے۔"

"مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہو رہا ہے کہ ایسے واقعات کے نتیجے میں متعلقہ محکموں پر کتنا کڑا وقت آجاتا ہے۔ ایک آدمی کی موت نہ جانے کتنے افراد کے اعصاب ہلا کر رکھ دیتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر اولی اور رستم کی باہمی چپقلش کی کہانی درست ہے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اولی کے ساتھ وہ حادثہ نئی دہلی میں پیش آیا۔ وہ واقعہ بالکل اسی طرح یہاں رونما ہو جاتا تو نہ جانے کیا کچھ ہو سکتا تھا... دشمنوں کے بارے میں ہم بھی بہت کچھ منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں لیکن جب اپنے کسی اقدام کے دور رس نتائج کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں پسپائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔" ڈی جی نے کہا۔

"اگر یہ ہمارے لیے کوئی ڈھکی چھپی ہدایت ہے تو میں اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میرے الفاظ میں تمہارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا۔ تم فری لانسر ہو۔ اپنی مرضی سے فیصلے اور کام کرتے ہو۔ تم نے ہمیشہ پوری احتیاط اور ذمے داری سے کام کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ سہراب گوٹھ کے نواح میں اپنے جنگی ہیلی کاپٹر اور متعدد تجربے کار کمانڈوز کی مکمل بربادی پر بھی وہ زیادہ واویلا نہیں کر سکے تھے۔ انہیں مدافعانہ لب و لہجہ اختیار کرنا پڑ گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ان کے سی ون تھرٹی کے اغوا کا کیس بھی ایسا ہی تھا۔" جلال نے لقمہ دیا "وہ یہاں سے لاشیں لے کر گئے تھے۔ کیسے الزام لگاتے کہ ان کے جہاز کو ایک پاکستانی نے اغوا کیا ہے۔ وہ تو خود ایک تابوت میں اس پاکستانی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ یہ ان کے نصیب کی خرابی تھی کہ وہ پاکستانی تابوت سے نکل کر جہاز پر قابض ہو گیا۔"

"تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔" میں نے جلال سے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کی اتنی باریکیاں تم لوگوں کے علم میں آ سکی ہوں گی۔"

"وہ کون تھا جسے انہوں نے برفانی تابوتوں میں بند کر لیا تھا؟" ڈی جی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میرا دستِ راست سلطان شاہ تھا۔" میں نے کہا "وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ میں بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے سلطان شاہ کو گھر سے اٹھا لیا۔"

"میرے دل میں تم لوگوں کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔" اس نے خلوص سے کہا "تمہاری ذات سے بہت سے واقعات منسوب ہیں مگر ان میں اہم ترین قصہ گیپ کے اصل کاغذات امریکا سے نکال کر یہاں پہنچانے کا تھا۔ وہ امریکا کے صدر اور مجرموں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جس میں بیع کنی کے لیے پاکستان، ایران اور افغانستان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کاغذوں نے ہمیشہ کے لیے امریکی عزائم بے نقاب کر دیے ہیں۔"

میرے دل کا زخم تازہ ہو گیا "ان کاغذوں کے لیے میں نے امریکا میں بہت صعوبتیں جھیلی تھیں۔ کچھ روز غلغلہ رہا۔ پھر پتا ہی نہیں چل سکا کہ گیپ کا قصہ کہاں تحلیل ہو گیا۔"

"ان کاغذوں کی نقل ہمارے پاس موجود ہے۔ امریکیوں نے ان کاغذوں کی اصلیت سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تجزیے کے بہانے اصل کاغذ حاصل کر کے تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ایک پاکستانی وفد وہ کاغذ لے کر تہران گیا تھا۔ ایرانیوں نے ان کاغذوں کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ جب امریکی اس دستاویز کو اپنانے سے منکر ہیں تو کس بنیاد پر کوئی احتجاج کیا جائے۔ وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہو گیا۔"

"ہماری ساری محنت برباد ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ گیپ کی تشہیر سے دنیا بھر میں امریکا کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ جائے گی۔ وہ خوف زدہ ہو کر اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"دنیا بھر میں کہیں سے مثبت جواب نہیں ملا۔ گیپ کے کاغذوں سے پہلے دنیا بھر میں خفیہ امریکی مراسلے پھیل چکے تھے کہ کچھ ناپسندیدہ پاکستانی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکا اور اس کے صدر کو بدنام کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ ہر حکومت نے ان نقول کو شبے کی نظر سے دیکھا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔"

وہ واقعہ بہت پرانا ہو چکا تھا اور ایک خلش بن کر مجھے ستاتا رہتا تھا۔ اس نے چند فقروں میں اس کا انجام سنا دیا۔ امریکیوں نے پروپیگنڈے کے صیہونی فلسفے کے ذریعے سچ کو جھوٹ میں بدل ڈالا تھا۔

"جھوٹ شدت اور تواتر کے ساتھ بولا جائے تو کچھ عرصے بعد، بولنے والے کو بھی وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "آج کے دور میں ایسے جھوٹ کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

"یہ نہ سمجھو کہ تم ناکام ہو گئے۔" ڈی جی نے پر زور لہجے میں کہا "ہمیں کسی سے کچھ نہیں لینا تھا۔ وہ فائل حاصل کر کے تم نے امریکا میں گیپ کا نفاذ روک دیا۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والی قوتوں کا گٹھ جوڑ ختم ہو چکا ہے۔ وہ ہمارے مفادات کے لیے بہت خطرناک تھا۔"

ڈی جی کے لیے اس گفتگو میں پیشہ ورانہ دلچسپی کے تمام عناصر موجود تھے۔ چائے ختم ہو گئی مگر وہ از خود گفتگو کو آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک میری نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی۔ سوئیاں دو سے آگے نکل چکی تھیں۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی "دو بج چکے ہیں۔ آپ کی میٹنگ کا وقت قریب ہے۔ ہم چلتے ہیں۔"

اس مرتبہ وہ ہمارے ساتھ بیرونی کمرے کے دروازے تک آیا اور ہمیں گرم جوشی سے رخصت کر دیا۔

میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ جلال سے جہاز کی نشستوں کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا "تم بے فکر ہو کر ہوٹل میں آرام کرو۔ تمہیں سات بجے والی پرواز سے واپسی کے ٹکٹ مل جائیں گے۔"

"کوئی ضرورت پڑ گئی تو تم سے کہاں رابطہ ہو سکے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی میں ڈی جی کے ساتھ اجلاس میں چلا جاؤں گا۔ پتا نہیں وہاں سے کب واپسی ہوتی ہے۔ پانچ بجے دفتری عملہ بھی چلا جائے گا۔ رحمان میرے ساتھ ہو گا... خیر میں کسی نہ کسی سے کہہ دوں گا۔ وہ ہوٹل میں تم سے خود ہی رابطہ کر لے گا۔"

رحمان ہمیں لے کر کیبنٹ بلاک سے نکلا اور ہوٹل پہنچا دیا۔ اس بار مجھے یا اول خان کو کچھ نہیں کہنا پڑا۔ وہ خود ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوٹل کے پورچ میں ہم سے مل کر واپس چلا گیا۔

پے در پے چائے کی کئی پیالیاں پینے کی وجہ سے عارضی طور پر اشتہا باقی نہیں رہی تھی لیکن وہ اسلام آباد کی صحت مند فضا کا اثر تھا کہ کمرے میں باتیں کرتے کرتے ہم دونوں کو بھوک کا احساس ستانے لگا۔

روم سروس کو انٹرکام پر کھانے کے لیے ہدایت دے کر میں نے آپریٹر سے کراچی میں اپنے گھر کا نمبر ملوالیا مجھے یقین تھا کہ فون کوئی بھی اٹھائے' جب یہ پتا چلے کہ کال اسلام آباد سے آئی ہے تو ریسیور ویرا لے لے گی۔ آپریٹر نے نمبر ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو لائن پر ویرا ہی موجود تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آگیا۔" میری آواز سن کر ویرا فون پر چہکی "یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ کام ہوا ہے یا ابھی تک ہوٹل میں پڑے اینڈ رہے ہو۔"

"اس سے پہلے کہ آپریٹر کی کسی غلطی سے لائن ڈراپ ہو' ہاتھ بڑھا کر سی ایس ڈی آف کردو۔"

"وہ میں نے آپریٹر کی آواز سنتے ہی آف کردی تھی ورنہ لائن اسی وقت ڈراپ ہوجاتی جب آپریٹر بورڈ سے یہ لائن تم کو منتقل کررہی تھی۔"

"تو کیا تم نے آپریٹر کی آواز سے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"آپریٹر دفتر کے بورڈ کی بھی ہوسکتی تھی۔ اس نے نمبر پوچھنے کے بعد خود بتایا تھا کہ مظہر خان ہالیڈے ان اسلام آباد سے بات کرنی چاہ رہے ہیں.... تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہم نے یہاں پہنچتے ہی اپنا کام کرلیا تھا۔ اب دوسرے کام ہورہے ہیں۔"

"پھر واپسی کب تک ہورہی ہے۔" ویرا نے عقل مندی کی کہ سی ایس ڈی بند کرنے کے بعد بینڈت کا نام لینے یا اس کے بارے میں زیادہ تفصیل کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ آج ہی کی کسی پرواز سے لوٹ آئیں۔ واپسی کا انحصار نشستوں کی دستیابی پر ہے۔"

"ایسی بھی کیا عجلت ہے۔ اگر مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے تو دو چار دن وہیں رکے رہو۔ اسلام آباد کا موسم کراچی سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"

"ہماری روانگی سے پہلے کراچی میں کچھ کام نکل آیا تھا۔ اسے نمٹانا ضروری ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم جہاں بھی جاتے ہو' کام تمہارے پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔"

"فون پر یہ خرافات نہ بکو.... دوسروں کو بھی میرے متوقع پروگرام سے آگاہ کردینا۔"

"میرے ساتھیوں کو کسی مظہر خان کے پروگرام سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"دلچسپی ہو یا نہ ہو' تم اپنا فرض پورا کردینا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" میری بات کے جواب میں فون پر اس کی تحیر زدہ سی آواز ابھری "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فرضی کام کے بہانے تم اپنی مادہ سے ملنے کے لیے کراچی آرہے ہو.... اگر ایسا ہے تو میں تمہاری دل جوئی کے لیے اسے آج ہی اسلام آباد بھیج سکتی ہوں۔ اس کی بھی آب وہوا تبدیل ہوجائے گی۔"

"اس بارے میں واپسی پر ہی بات ہوگی۔ تم ہمیں فون کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں تمہارے ساتھی کا نام بھول رہی ہوں۔ اسے تم کیا کہتے ہو۔" ویرا نے اول خان کے بدلے ہوئے نام کے بارے میں جاننے کی کوشش میں سوال کیا۔

"اظہر خان!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"خوب۔ وہ بھی تمہارا ہم قافیہ ہے۔ اظہر خان اور مظہر خان کی جوڑی قوالی میں نام پیدا کرسکتی ہے۔"

"تم ڈفر ہو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس کی زبان میں خارش شروع ہونے کی صورت میں وہ ایسی ہی بے سروپا باتوں میں گھنٹوں مصروف رہ سکتی تھی۔

"شاید تم نے غزالہ سے بات ہونے کی امید میں فون کیا تھا!" اول خان مسکرا کر بولا۔

"ویرا کی موجودگی میں ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ فون ملوانے سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ کال وہی ریسیو کرے گی۔ ایسے معاملات میں اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دستک دینے والے کو اندر بلالیا۔

کھانا لذیذ اور تازہ تھا۔ روم سروس کے ویٹر نے میز پر قابیں لگائیں تو کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر گیا۔ اس کے جاتے ہی ہم نے اشیائے خورونوش سے پورا پورا انصاف کرنا شروع کردیا۔

شکم سیر ہونے کے بعد اول خان ستانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر باہر نکل گیا۔ میں نے صبح رحمان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ ہوٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں غیر ملکیوں کی خاصی آمد و رفت تھی۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین کی بھی کافی تعداد تھی۔ کمرے میں پڑے رہ کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ ہوٹل کی لابی میں کسی مناسب جگہ پر قبضہ جما کر روز مرہ زندگی کے ان زندہ کرداروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

فیشن، دست کاری کے نازک نمونوں اور اشیائے ضرورت سے لدی ہوئی، شاپنگ آرکیڈ کی دکانوں کی سیر کے بعد میں لابی میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر فوراً ہی ایک ویٹر چمکتی ہوئی صاف ستھری ایش ٹرے لے کر آیا اور اسے میرے سامنے رکھی ہوئی استعمال شدہ ایش ٹرے سے تبدیل کر کے جانے لگا تو میں نے اسے چائے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے اپنے لیے جو گوشہ منتخب کیا۔ وہاں میز کے گرد پانچ آدمیوں کا گروپ بہت آرام سے سما سکتا تھا۔ چار نشستیں خالی تھیں جو زیادہ دیر تک خالی نہیں رہ سکیں۔

میں اپنے لیے چائے بنانے میں مصروف تھا کہ تیز خوشبو کے ایک جھونکے نے مجھے چونکا دیا۔ ایک بنی سنوری اور دلکش لڑکی دوسری خالی جگہوں کو نظر انداز کر کے میرے سامنے آ بیٹھی تھی۔

گورے رنگ کی اس دراز قامت لڑکی کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر پختگی کے بجائے معصومیت رچی ہوئی تھی۔ وہ پرس اپنی گود میں لیے یوں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔

جب اس نے مجھ سے نگاہیں چار کرنے کی کوشش نہیں کی تو میں نے پوری توجہ اپنی چائے پر مرکوز کر دی۔ چائے گرم اور عمدہ بنی ہوئی ہو تو شکم پری کے بعد عجیب ہی مزہ دیتی ہے۔ ذائقے اور لذت میں وہ چائے ہر اعتبار سے بہترین تھی۔

میں چائے پیتے ہوئے بے مقصد اور آوارہ نظروں سے آنے جانے والوں کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اس لڑکی کی دھیمی اور مخمور سی آواز نے مجھے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

"سنیے! آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے پلکیں جھپکا کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ساڑھے تین۔" اسے وقت بتاتے ہوئے مجھے بے ساختہ خیال آیا کہ جلال کے باس کے اہم ترین اجلاس کا پہلا نصف گھنٹا گزر چکا تھا۔

"شکریہ!" اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ ذرا گہری ہو گئی "کیا آپ اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

سب بینک ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقابلا

مکمل دو حصوں میں

تاریکِ اعظم کے پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور سفلی کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور اُن کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابلِ یقین سرگزشت —— ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی —— جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا —— شگون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر چھیدا جاتا تھا عجیب و خلقت اور خوفناک دیوتاؤں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا —— نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کی جاتی تھی

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حُسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا —— خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اُٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا ——

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ -/۵۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ○ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں!" اسے جواب دیتے ہوئے مجھے اپنی حماقت پر غصہ آگیا۔ لمبے اور بے تکے ٹیگ والی' کمرے کی چابی کو کسی بھی جیب میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ممتاز ہوٹلوں میں یہ اہتمام اس لیے کیا جاتا ہے کہ مہمان باہر جاتے ہوئے اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرانا نہ بھولیں۔ میں ہوٹل کی حدود سے باہر نہیں گیا تھا اس لیے چابی میرے ساتھ تھی اور میں نے اپنی اقامت کے اس اشتہار کو میز پر رکھا ہوا تھا۔

"اسی ہوٹل میں کوئی دلاور نان جی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ساڑھے تین بجے مجھے یہاں بلایا تھا۔" چند منٹ کے توقف کے بعد لڑکی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔

میں بڑے ہوٹلوں کی راہ داریوں اور طعام گاہوں میں بھٹکنے والی ان شکاری لڑکیوں سے بارہا ٹکرا چکا تھا جو پیشہ ور ہونے کے باوجود اتفاقی ملاقات کے بہانے' اپنی پسند کی کسی بھی اسامی سے مل بیٹھتی ہیں اور جاتے ہوئے اسے اچھی خاصی رقم سے محروم کرجاتی ہیں۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکا کر میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ میں نے آگے جھک کر دھیمی آواز میں پوچھا "تم دلاور نان جی کو پہلے سے جانتی ہو یا آج پہلی ملاقات ہے؟"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو۔" وہ تنک کر بولی "کیا کوئی شریف لڑکی کسی اجنبی کے ایک فون پر یوں دوڑی ہوئی ہوٹل آسکتی ہے؟"

"بہت سی شریف لڑکیاں تو جاننے والوں کے فون پر بھی نہیں آئیں گی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ میرے دوست ہیں۔ میں ان سے کمرے کا نمبر پوچھنا بھول گئی تھی۔"

"تم یہاں بیٹھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں اسی بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

"اوہ... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مضطرب نظر آنے لگی "اب میں کیا کروں۔"

میں دلچسپی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر کہا "یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر اس ہوٹل میں دلاور نان جی کا کوئی وجود ہے تو استقبالیہ والے ذرا سی دیر میں تمہیں اس کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔ اس کے لیے تمہیں مجھ جیسے اجنبیوں سے مشورے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے جواب پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھی اور پھر چمک دار فرش پر ایڑیاں بجاتی شاپنگ آرکیڈ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے میری طرف سے کوئی متبادل پیشکش نہ ہونے پر اس کا موڈ تباہ ہوگیا تھا۔

چائے کا بل ادا کرکے میں لفٹ کی طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جب تک میں وہاں بیٹھا رہوں گا' وہ لڑکی اپنی کسی دوسری کوشش کے لیے ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

ساڑھے پانچ بجے میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ جلال کے کسی آدمی نے ہم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ انٹرکام پر کاؤنٹر سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے لیے کوئی کال نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی دستک دے کر میرے کمرے میں آگیا۔

"سیٹ اور ٹکٹ کا کیا بنا؟" اس نے آتے ہی سوال کرکے میری تشویش میں اضافہ کردیا۔

"ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا "پانچ بج چکے ہیں۔ ان کا دفتر بھی بند ہوچکا ہوگا۔"

"جلال نے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی آدمی کو ہم سے رابطہ کرنے کی ہدایت کردے گا۔"

"آدمی نہیں آیا۔ لابی میں ایک لڑکی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔" میں نے کھسیانی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جلال اپنا وعدہ بھول گیا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ اتنا غیر ذمے دار نہیں ہوسکتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ وہ غیر ذمے دار نہیں ہے لیکن آج اس کے سر پر اجلاس کا بھوت سوار تھا۔ افراتفری میں اسے ہمارا پروگرام یاد ہی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس سے تو یہ بہتر ہوتا کہ ہم خود ائرپورٹ پہنچ جاتے اور ٹکٹ خرید کر روانہ ہوجاتے۔ اب تو اس کا بھی وقت نہیں رہا۔ آج کی رات یہاں گزارنی پڑی تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔"

ہم دونوں بے بسی سے گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھتے دیکھ کر کڑھتے رہے۔ جب سوا چھ بج گئے تو میں نے روانگی کی آس چھوڑ دی۔

چند لمحوں بعد میرے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھالیا۔

"سر! آپ کے بورڈنگ کارڈز آگئے ہیں۔ میں نیچے آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا انتظار کر رہا ہوں۔" انٹر کام پر ایک سخت اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

وہ پیغام اتنا عمدہ تھا کہ میں نے اسے کچھ سنانے کا ارادہ ترک کر کے ریسیور رکھ دیا۔

"جلدی نکلو۔ ٹکٹ کے بجائے بورڈنگ کارڈز ہی آگئے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ مہمان نوازی کبھی کبھی اسی طرح تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔" میں نے اول خان کو دھکیل کر کہا۔

گراؤنڈ فلور پر ہم لفٹ سے اترے تو قمیص شلوار میں ملبوس ایک منحنی سا ترش رو شخص وہیں ہمارا منتظر تھا اور ہمیں پہچانتا تھا۔ سلام کر کے اس نے ہمارے ہاتھوں سے بیگ اور بریف کیس لے لیے۔

ہوٹل میں شام کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ اس بھیڑ میں' میں خاموش ہی رہا لیکن جب پورچ میں ایک کنارے سے کھڑی ہوئی گاڑی میں ہمارے سفر کا آغاز ہوا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا "ہم چار بجے سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"سر! ٹکٹ تو میں نے تین بجے بنوا لیے تھے۔ سوچا کہ آپ آرام کر رہے ہوں گے۔ ائر پورٹ سے بورڈنگ کارڈز لے کر ہی چلوں گا تاکہ آپ کا زیادہ وقت برباد نہ ہو۔"

"ہمارے آرام کے چکر میں یہ پرواز نکل جاتی تو کیا ہوتا؟" اول خان غرایا۔

"سر! ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔" اس کی آواز میں معصومانہ بے چارگی سمٹ آئی "بورڈنگ کارڈز میرے پاس ہیں۔ جب تک آپ سوار نہیں ہوں گے' جہاز نہیں اڑے گا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی رسٹ واچ دیکھی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "چھ بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم ائر پورٹ پر ہوں گے۔ پھر بھی بیس منٹ بعد جہاز چلے گا۔"

ہمارے تفکرات اپنی جگہ تھے' اس کا حساب اپنی جگہ تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے وہ حساب پہلے نہیں کیا تھا ورنہ ہمارے پاس پہنچنے میں مزید بیس منٹ کی دیر کر دیتا۔

اسلام آباد ائر پورٹ پر اس نے سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی سی آئی پی لاؤنج کے قریب روکی تو اسی کے محکمے کا کوئی آدمی لپک کر ہماری طرف آیا' دروازے کھول کر پورے احترام سے ہمیں اتارا گیا اور نووارد نے سلام کر کے ہمارے دونوں عدد اٹھا لیے۔ ہمیں..... لانے والا پیشانی پر کوئی شکن لائے بغیر سلام کر کے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جانے سے پہلے اس نے ہمارے ٹکٹوں کے خالی کور اور بورڈنگ کارڈز نووارد کو دے دیے تھے۔

نیچی چھت والے ایر کنڈیشنڈ سی آئی پی لاؤنج میں متعدد اخباری نامہ نگار اور فوٹو گرافر ادھر ادھر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کی عقبی دیوار کی طرف گئے۔ باہر ایک کار ہماری منتظر تھی۔ نووارد زمینی میزبان سے کارڈز کے بقیہ حصے لے کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم دونوں اس سے پہلے ہی عقبی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔

وہ سیڑھیاں طے کر کے ہمیں جہاز کے دروازے تک

وہ حد سے زیادہ ہی تخیل پرست ہے۔ اکیلا ہی سنیما ہال میں جا بیٹھتا اور فرض کر لیتا کہ اپنی محبوبہ کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اپنے آپ سے سرگوشیاں کرتا رہتا اور خود ہی جواب بھی دیتا ہے۔ اپنا ہی ہاتھ پکڑ کر سہلاتا رہتا ہے... حتیٰ کہ کبھی حد سے بڑھنے لگے تو خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ بھی مار لیتا ہے۔

○☆○

پہلا سیلزمین:۔ تمہیں یقیناً سیلزمین کے طور پر کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔

دوسرا سیلزمین:۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

پہلا سیلزمین:۔ قیمتیں بتاتے وقت تمہارے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

○☆○

بٹ صاحب کی بیگم نے ایک روز بٹ صاحب سے شکوہ کیا "آپ مجھے گھمانے پھرانے نہیں لے جاتے۔"

"میں شادی شدہ عورتوں کو گھمانے پھرانے کا قائل نہیں ہوں۔" بٹ صاحب نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbookstree.pk

چھوڑنے آیا۔ ہم جہاز میں سوار ہونے والے آخری مسافر تھے۔ ہمارے انتظار میں جہاز کا عملہ بہت مضطرب تھا۔ ہمارے پہنچنے پر فضائی میزبانوں کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا۔

ٹریفک کی وجہ سے ہمیں ائرپورٹ پہنچنے میں کچھ زیادہ وقت لگا تھا۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ جہاز کے انجن چل پڑے۔

مجھے اس روز پہلی بار تجربہ ہوا کہ وی آئی پی مسافر کیا ہوتا ہے اور اسے سفر سے پہلے کیا کیا رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہماری وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

طیارہ جب تک رن وے پر موجود رہا' میرا ذہن اسلام آباد کے معاملات میں الجھا رہا۔ آئی بی والے ذہین' مستعد اور معاملہ فہم لوگ تھے۔ انہیں پیچیدہ ترین معاملات کو نمٹانے کا گہرا تجربہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رابن مائر کی موت سے جنم لینے والے پہلو دار مسائل آخر کار پُرعزت انداز میں حل ہو جائیں گے۔

طیارہ رن وے چھوڑ کر فضا میں بلند ہوا تو میرا ذہن خود بہ خود کراچی کی طرف بھٹک گیا۔

"خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" طویل خاموشی کے بعد اول خان نے مجھے چھیڑا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ دفترِ خارجہ میں امریکیوں کے ساتھ ہونے والا اجلاس ختم ہو چکا ہوگا۔ نئے شواہد کی روشنی میں امریکی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے ہوں گے۔"

"میں کراچی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تمہارے آدمی ایک قیدی پر قناعت کیے بیٹھے ہوں گے یا انہوں نے داؤد پر ہاتھ ڈال دیا ہوگا؟"

"ان کے لیے داؤد پر ہاتھ ڈالنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ انہیں اس کا کوئی سراغ مل گیا تو وہ اسے قبر میں سے بھی نکال لائیں گے۔"

"ایسی صورت میں' میں ائرپورٹ سے اسٹیشن فور ہی جاؤں گا۔ ایک مرتبہ گھر چلا گیا تو وہاں سے واپس لمبی دوڑ لگانے کا موڈ نہیں بنے گا۔"

اول خان ہنس دیا "میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اپنے دفتر سے ہوتا ہوا گھر جاؤں گا۔ آج پشاور سے میرے بیوی بچے واپس آنے والے تھے۔ ان میں گھرنے کے بعد دفتر کل پر چلا جائے گا۔"

"تمہارے بچے آرہے تھے اور تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے" میں نے حیرت سے کہا "تم اسلام آباد کا پروگرام ایک دن کے لیے ملتوی کر سکتے تھے۔"

"میں آج کا کام کل پر ٹالنے کا قائل نہیں ہوں۔ ہمارے اس سفر کے نتائج دور رس ہو سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے التوا مناسب نہیں سمجھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اسلام آباد میں مزید قیام کے لیے جلال کے باس کی ہر پیشکش کو رد کر دیا۔"

"اب میں سمجھا کہ تم آج ہی کراچی واپسی پر کیوں زور دے رہے تھے۔"

"میری بیوی سمجھ دار ہے۔ ٹیکسی لے کر گھر آگئی ہوگی۔ میری اس سے زیادہ غیر حاضری ان سب کو گراں گزرتی۔ اب میں دونوں جانب سے سرخ روئی محسوس کر رہا ہوں۔"

وہ فرض کو عبادت کا درجہ دینے والوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے گھر بار کو کبھی اپنے کاموں پر ترجیح نہیں دی تھی۔ میں اس کے اس عظیم جذبے کو صرف خراجِ تحسین ہی پیش کر سکتا تھا۔

کراچی میں لینڈنگ سے پہلے میں نے ایک عرصے کے بعد اس روشن شہر کا فضائی نظارہ کیا۔ جہاز جوں ہی بادلوں کے پردے چیر کر نیچے آیا' تاحدِ نظر روشنیوں اور روشن غبار کا ایک جال سا بکھرا ہوا نظر آنے لگا۔

ہمارے پاس دستی سامان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد ہم رکے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ چند منٹ بعد ایک ٹیکسی ہمیں اسٹیشن فور لیے جا رہی تھی۔

رات کے اندھیرے میں اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ والے اول خان کو نہ دیکھ سکے۔ ٹیکسی رکنے پر جوں ہی ایک گارڈ قریب آیا' اول خان نے اونچی آواز میں اس سے کچھ کہا۔

گارڈ نے مستعد ہو کر اسی ناقابلِ فہم لہجے میں کوئی مختصر سی بات کہی اور رکاوٹ ہٹانے چلا گیا۔

"داؤد آچکا ہے!" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا اور مجھے بے اختیار ویرا کا ایک تازہ فقرہ یاد آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ کام میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسلام آباد کے بعد کراچی میں بھی بالکل وہی صورتِ حال تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ۔۔۔ اس رپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائز بانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن لور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنجی پنڈت کی لاش اور پھر اس رپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آفوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آفوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈفینس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ منصوبے کے مطابق ہم سب ڈفینس پہنچے تو اس علاقے میں دھوئیں اور شعلوں کے بادل دور سے نظر آ رہے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

گاڑی آگے بڑھنے کے ساتھ وہاں کی صورتِ حال قدرے واضح ہو گئی۔ بجلی کے تاروں میں کسی خرابی کے باعث کھمبوں پر نصب ایک ٹرانسفارمر جل رہا تھا۔ اس میں بھرے ہوئے تیل کے اخراج کے سبب فضا میں کثیف دھوئیں کے بادل بھرے ہوئے تھے۔ اس خرابی کی بنا پر آس پاس کا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا جس کی وجہ سے منظر کچھ زیادہ ہی گمبھیر نظر آ رہا تھا۔

دور سے وہ سب دیکھتے ہی میرے ذہن میں سب سے پہلے اس اندیشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں ہماری مطلوبہ عمارت آگ کی زد میں نہ آ گئی ہو مگر قدرے قریب پہنچتے ہی وہ اندیشہ رفع ہو گیا۔

بجلی کے کھمبوں پر آہنی سہاروں پر رکھے ہوئے ٹرانسفارمر میں جلنے کے لیے تیل اور موٹے موٹے تاروں پر چڑھے ہوئے پی وی سی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب لوہے' المونیم اور تانبے کا ڈھیر تھا۔ وہ برقی آلات کی آگ تھی اس لیے خوف کی وجہ سے کسی نے اسے بجھانے کی کوشش نہیں کی' بس تماشائی دور کھڑے خوف اور حیرت سے سارا منظر دیکھتے رہے اور چند لمحوں بعد ہی شارٹ سرکٹ سے پیدا ہونے والے شعلے' چنگاریوں میں بدل کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ فضا میں دھوئیں کے ساتھ جلے ہوئے تاروں کی تیز بدبو باقی رہ گئی۔

سڑک سے جو راستہ سیدھا مائیکرو آفوز کی طرف جاتا تھا۔ وہ بھیڑ کی وجہ سے مسدود تھا۔ حامد نے بھی تماشا دیکھنے کے انداز میں ٹویوٹا ایک کنارے سے لگا کر روک لی۔

"کیا ارادہ ہے؟" اندھیرے میں اول خان کا سرگوشیانہ سوال گونجا اور میں چونک پڑا۔ اوور لوڈنگ یا شارٹ سرکٹ کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعے کے نظارے میں محو ہو کر ذرا سی دیر کے لیے میں بالکل بھول بیٹھا تھا کہ ہم لوگ اس وقت اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔

"ادھر بھیڑ ہے ..... گاڑی آگے لے جاؤ۔ اندر کی گلیوں سے ہو کر ہم اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں۔" میں نے عقابی نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اندھیرے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ میں اس اندھیرے کو غیبی تائید سمجھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

حامد اس دوران میں گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔ چند میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے جگہ نظر آ گئی اور اس نے اپنی گاڑی بائیں طرف موڑ کر' مین روڈ سے تو حید کمرشل کی حدود میں داخل کر دی۔

گاڑی مڑتے ہوئے میں نے گردن گھما کر دیکھا تو سلطان شاہ کی گاڑی کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

چند موڑ کاٹنے کے بعد ہم اندرونی تنگ سڑکوں سے گزرتے ہوئے مائیکرو آفوز کے قریب پہنچ گئے۔ اس رخ پر پہنچنے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جلا ہوا پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر یا پی ایم ٹی مائیکرو آفوز والی عمارت سے قدرے دور تھا۔ چنگاریاں وغیرہ گرنے کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھیڑ ان کھمبوں کے قریب سمٹ چکی تھی۔

حامد نے ایک خالی جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کی اور انجن بند کر دیا۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ علاقے کی بیشتر دکانیں اور دفاتر وغیرہ بند ہو چکے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں میں جنریٹروں کے ذریعے روشنی بحال کی جا رہی تھی۔ وہاں جتنی بھی بھیڑ تھی' وہ خورد و نوش کی دکانوں کے گاہکوں یا کمرشل ایریا کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی تھی۔ کچھ لوگ شاید اس حصے سے بھی دوڑے چلے آئے تھے جہاں برقی رو کی فراہمی کسی خلل کے بغیر جاری تھی۔

ہمارے درمیان پورا پروگرام پہلے سے طے تھا' چاروں نے بہ یک وقت اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ اول خان ہم سب سے آگے مائیکرو آفوز کی عقبی گلی کی طرف ہو لیا۔

میں دانستہ اس عمارت کے قریب سے ہو کر گزرا۔ بند دروازے میں لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے ایک ٹارچ کی روشنی متحرک تھی۔ شاید اس عمارت کا محافظ جنریٹر چلانے کی فکر میں تھا۔

اول خان اندھیرے میں میجر عباسی والی بلڈنگ کے بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت بجلی کی فراہمی موقوف ہونے کے سبب پہلا مسئلہ سامنے آیا۔ کال بیل یا انٹرکام ناکام ہو چکا تھا۔ اول خان کو مجبوراً آہنی دروازے کا کنڈا بجانا پڑا۔ اندر سے فوری طور پر ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری "کون ہے؟"

"خان!" اول خان نے اپنا پورا نام دہرانے سے گریز کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

زینوں پر اترتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ ساتھ ساتھ اندر کوئی روشن ہالا بھی متحرک تھا۔ اس گھور اندھیرے میں ٹارچ وغیرہ کے استعمال کے بغیر میجر عباسی اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے خیریت سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ وہ ایک ذمے دار آدمی تھا اور اول خان سے پروگرام طے کر لینے کے بعد برقی تعطل کی پروا کیے بغیر' اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے لیکن فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سن چکے تھے۔ اول خان نے آواز سن کر اسے اور اس نے اول خان کو پہچان لیا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دروازہ کھولنے کے بعد میجر عباسی نے ہم میں سے کسی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ شاید اول خان نے اسے اپنے مشن کی اہمیت سے کسی حد تک آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے روشنی کا دائرہ پختہ فرش پر مرکوز کر کے کہا "چاروں اندر آجاؤ۔"

چاروں کے اندر پہنچتے ہی اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا اپنے کام کے لیے تمہیں پورے علاقے کو تاریکی میں ڈبونے کی ضرورت تھی؟"

واضح طور پر اس کا وہ سوال اول خان کے لیے تھا۔ اس نے جواب میں ویسی ہی دھیمی آواز میں کہا "یہ ہماری ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک اتفاق ہے کہ تمہارا پی ایم ٹی جل گیا۔ اس علاقے کی بجلی کل رات تک بھی بحال ہو جائے تو خدا کا شکر اور کے ای ایس سی کا شکریہ ادا کرنا۔"

میجر عباسی کی بلڈنگ میں ہر فلور پر دو فلیٹ تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان گھروں کے مکینوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہم چاروں کو خاموشی سے ساری منازل سے گزار کر کھلی چھت پر لے گیا۔

"چھت کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لو۔ کام پورا ہو جائے تو دروازہ کھول کر نکل جانا۔ میں یہاں موجود رہ کر خود کو کسی واقعے کا عینی شاہد نہیں بنانا چاہتا۔" یہ کہہ کر میجر عباسی فوراً ہی واپس چلا گیا۔

اس اثنا میں میری توجہ پڑوس والی چھت کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی اونچی آہنی باڑھ کے پیچھے' کھلی ہوئی چھت پر بھیڑیوں جیسے جسیم کتوں کا ایک جوڑا زبانیں باہر لٹکائے اور دُمیں گرائے موجود تھا۔ ہماری آہٹوں پر وہ کتے چونکے ضرور تھے مگر انہوں نے کسی غیر معمولی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

چھت کے ایک گوشے میں لفٹ کے لیے اونچا سا پختہ کمرا بنا ہوا تھا۔ اسی سے ملحق دوسرا کمرا شاید کتوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں کمروں کے سامنے والے کونے میں ایک اور بند کمرا تھا۔

مجھے عمارت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا تھا' اس کی روشنی میں وہ گردشی زینوں والا راستہ ہی ہو سکتا تھا۔

ہم چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کیا۔ ہر ایک ضروری سامان اور ہتھیاروں سے لیس' اپنی جگہ تیار تھا۔

میں ڈارٹ گن لوڈ کر کے آہنی جنگلے والی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جو دونوں چھتوں کے درمیان حائل تھی۔

تاروں بھرے آسمان اور نیم روشن چاند کی روشنی میں دونوں کتوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ میری پیش قدمی جاری رہی تو وہ دونوں سر اٹھا کر ہلکی ہلکی غراہٹوں کے ساتھ آگے لپکے۔

اندھیرے میں ان کے کھلے ہوئے جبڑوں میں چمکتے ہوئے سفید دانت اور باہر لٹکتی ہوئی سرخ زبانیں بہت بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔ درمیان میں مضبوط رکاوٹ ہونے کے باوجود' میں لمحے بھر کے لیے پھریری لے کر رہ گیا۔

میرے اور ان کتوں کے درمیان مشکل سے دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا تو میں ٹھٹھ گیا۔ وہ جوڑی دانت کھوسے' خوں خوار نظروں سے مجھے گھور کر ہلکی مگر غضب ناک آواز میں غرا رہی تھی۔

میں نے آہنی جنگلے کے درمیان سے ایک کتے کے کھلے ہوئے جبڑے کا نشانہ لے کر ڈارٹ گن چلا دی۔ ڈارٹ ٹھیک اپنے نشانے پر لگا اور ایک کتے کے حلق یا دہانے کے کسی حصے میں غائب ہو گیا۔ کھوکھلی سوئی پیوست ہوتے ہی ڈارٹ میں سے سریع الاثر زہر میرے پہلے شکار کے جسم میں داخل ہوا اور وہ اسی لمحے لڑکھڑا کر چھت پر ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے کتے نے بس ایک مرتبہ اسے دیکھا اور پھر اس کے انجام کی پروا کیے بغیر دوبارہ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گیا۔

اس بار وہ اگلے پنجوں پر بار بار لپک کر' اپنی تھوتھنی جنگلے سے گزار کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنی مہلت ملی کہ میں نے جلدی سے دوبارہ ڈارٹ گن لوڈ کی۔ اشتعال کے عالم میں اس کا جبڑا زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھی آسانی سے میرا ہدف بن گیا۔

ادھر میں نے دوسرا ڈارٹ چلایا اور ادھر ویرا فوراً ہی اچھل کر دیوار کے کنارے پر چڑھی اور بہت پھرتی کے ساتھ جنگلے پر سے ہوتے ہوئے' پنجوں کے بل برابر والی عمارت کی چھت پر اتر گئی۔ دونوں کتوں کے جہنم واصل ہو جانے کے بارے میں وہ اس قدر پُر یقین تھی کہ اس نے ان پر ایک نگاہ ڈالنی بھی گوارا نہیں کی۔

ہم تینوں نے ایک ساتھ ویرا کی تقلید کی۔ آہنی سلاخیں تھام کر دیوار پر پنجے جمائے اور پھر کئی فٹ اونچے خاردار جنگلے کو عبور کر کے فریڈم انٹرنیشنل کی چھت پر پہنچ گئے۔

ویرا بڑھ کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو بادی النظر میں گردشی زینوں کو چھت سے ملاتا تھا۔ وہ ایک پٹ والا فاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈور تھا۔ اس وقت ویرا کی ماہرانہ حرکتیں قابلِ تحسین تھیں۔ اس نے پٹ کے اوپری اور نچلے حصے پر باری باری دباؤ ڈال کر اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے دروازہ بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ صرف ہنسی قفل کے ذریعے بند پٹ اپنی جگہ رکا ہوا تھا۔

ایسی کسی متوقع رکاوٹ کا سدِباب کرنے کے لیے ویرا کی جیب میں قفل شکنی کے نازک اور پیچیدہ اوزاروں کا ایک ہلکا سا گچھا موجود تھا۔ ہم تینوں کے پہنچنے تک وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلنے سے پہلے بھی میں عمارت کے زیریں حصے میں کسی وزنی انجن کے چلنے کا شور اور ارتعاش محسوس کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے بعد وہ آواز نمایاں ہو گئی۔

میں نے دروازے کے عقب میں نمودار ہونے والے تاریک خلا میں ٹارچ کی روشنی ڈالی ہی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر سرچ لائٹ مرکوز کر دی ہو۔ ہم چاروں ہی بھڑک کر پسپا ہوئے تھے مگر اگلے ہی لمحے ہمیں اصل حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔

گراؤنڈ فلور پر مامور گن مین جنریٹر چلا چکا تھا۔ اس نے متبادل سوئچ آن کر کے پوری عمارت کی برقی رو بحال کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں زینے کی چھت میں لگا ہوا بلب یکایک روشن ہو گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق اول خان اپنے ماتحت' حامد کے ساتھ چھت پر ہی رک گیا۔ عقبی دروازے کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ' غزالہ کے ساتھ موجود تھا۔ تینوں پارٹیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر اس ابتدائی مرحلے پر ہم سلطان شاہ سے رابطہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میں نے پنجوں کے بل پیش قدمی کر کے زینے پر قدم رکھ دیا۔ اس بار ویرا میرے پیچھے تھی۔

تاریکی میں ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ہم خود کو پوشیدہ رکھ کر محض آہٹوں وغیرہ کے سہارے عمارت میں اپنے حریف کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر اسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ روشنی بحال ہو جانے کے بعد ہم وہ سبقت کھو چکے تھے۔ اور کسی بھی لمحے ہمارا دشمن سے سامنا ہو سکتا تھا۔

اول خان نے مائیکرو آٹوز میں خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ بھال یا نگرانی کے بارے میں جو اظہارِ خیال کیا تھا' وہ میرے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا۔ زینے طے کرتے ہوئے میں نے محتاط نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن مجھے چھت پر یا دیواروں میں کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی اور ہم دونوں بے آواز قدموں سے زینے طے کرتے ہوئے عمارت کی تیسری منزل پر پہنچ گئے۔ ایک بند دروازے نے اس فلور کو زینوں سے الگ کیا ہوا تھا۔ لفٹ والا راستہ' دروازے کے پیچھے اور مرکزی عمارت میں واقع تھا جو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

میں نے سنی سنائی تفصیلات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ تیسری

♦♦♦

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو مختلف جگہیں سنبھال لیں۔ ویرا کو وہیں رک کر لفٹ کی نگرانی کرنے کی ہدایت دے کر میں محتاط انداز میں اندر بڑھنے لگا۔

ضرورت نہ ہونے کے باوجود فیشن کے مطابق پورا فرش دبیز قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ پورے فلور کی مکانیت دو کشادہ بیڈ رومز' ڈرائنگ' ڈائننگ رومز اور لابی پر مشتمل تھی۔ ہر جگہ بیش قیمت فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیا سجی ہوئی تھیں لیکن کہیں بھی کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

دونوں خواب گاہوں کے بستروں کی بے شکن چادریں بتا رہی تھیں کہ ان دنوں وہ کمرے کسی کے زیرِ استعمال نہیں تھے۔ فلور ویران ہونے کی وجہ سے میں نے پورے اطمینان اور باریک بینی سے ہر حصے کا جائزہ لے ڈالا لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار ملے اور نہ ہی کوئی اور کار آمد چیز مل سکی۔

اس مہم میں ساری اہمیت ہماری دو نفری ٹیم کی تھی اس لیے کسی نے بھی ٹرانس ہمزا استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے ویرا کے پاس واپس پہنچنے کے بعد بہت دھیمی آواز میں اول خان کو تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کر دیا۔ یہ بات واضح تھی کہ میری وہ رپورٹ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی سن لی ہوگی۔

"اگر وہ فلور خالی ہے تو ہم نیچے آ رہے ہیں۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان نے کہا "ہمارے پہنچنے کے بعد تم نیچے اتر جانا۔ اس طرح ہمارے درمیان کم سے کم فاصلہ رہے گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ہم سے آملے۔ میں اس دوران میں پُرتشویش نگاہوں سے لفٹ کا جائزہ لیتا رہا۔ ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ لفٹ کے دروازے پر طبع آزمائی کر چکی تھی۔ دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ لفٹ اس فلور پر موجود نہیں تھی۔ میں اس وقت لفٹ کے ساتھ زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کال بٹن دبانے پر جوں ہی لفٹ اپنی جگہ چھوڑ کر تیسری منزل کی طرف روانہ ہوتی' عمارت میں موجود ہمارے حریفوں کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

میں نے تلاشی مکمل ہونے تک لفٹ کو بھولے رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

اول خان اور حامد کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں زینوں کے ذریعے نچلی منزل کی طرف چل دیے۔

مجھے یقین تھا کہ چھت سے تیسری منزل پر پہنچنے کے بعد وہ دونوں چین سے نہیں بیٹھیں گے' اس فلور کے چپے چپے کی تلاشی لے ڈالیں گے۔ مکمل ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے ہم اس طرح کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کر سکتے تھے۔

چھت پر خوں خوار کتوں کی رکھوالی اور گراؤنڈ فلور پر گن مین کی موجودگی کی وجہ سے اس عمارت کے اندرونی دروازے مقفل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے فلور میں ہمیں آسانی سے رسائی مل گئی۔ تعمیر کے اعتبار سے وہ منزل اوپر والے حصے سے مختلف نہیں تھی لیکن اس کی آرائش میں بہتر اور شستہ ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

اس فلور کے رکھ رکھاؤ سے مکین کے ذوق کی نفاست اور پختگی کا اظہار ہو رہا تھا جس سے اس امر کی تصدیق ہو رہی تھی کہ وہ منزل مقبول چوہدری کے ماموں کے تصرف میں رہی ہوگی۔

لفٹ اس منزل پر بھی موجود نہیں تھی لیکن ایک خواب گاہ کا شکن آلود اور بے ترتیب بستر اعلان کر رہا تھا کہ وہاں کوئی نہ کوئی رہ رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر ہاتھی دانت کا بیش قیمت اور منقش لائٹر' سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ ایش ٹرے میں خاصی راکھ کے ساتھ سگریٹوں کے مسلے ہوئے ٹوٹے موجود تھے۔

کمرے کی بند فضا میں دھوئیں کی تازہ بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے راکھ اڑائے بغیر ایش ٹرے کو سونگھا اور اندازہ لگا لیا کہ وہ سب زیادہ پرانا نہیں تھا۔ اوپر سے وہاں تک' سب خواب گاہیں ہوا بند اور ایر کنڈیشنڈ تھیں لیکن موسم کی ہلکی سی خنکی کے سبب کہیں بھی ایر کنڈیشنر نہیں چل رہے تھے اور ہر بو اپنی اصل سمیت برقرار تھی۔

اسی سائڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں متعدد دوائیں نظر آئیں۔ وہ سب زخموں وغیرہ کی مرہم پٹی سے متعلق تھیں۔ ان کی موجودگی اس امر کی غماز تھی کہ مقبول چوہدری اپنا فلور چھوڑ کر اپنے ماموں کی خواب گاہ پر قابض تھا۔ ایک خفیہ ایجنسی کے سادہ پوش' احتجاجی مظاہرین کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہونے کے بعد وہ اسی کمرے میں پڑا اپنے زخموں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کے ملازمین کی طرف سے اس کے بیرونِ شہر جانے کی کہانی سراسر بے بنیاد اور لغو تھی۔ وہ یقینی طور پر اسی عمارت میں چھپا ہوا تھا۔

مقبول چوہدری کی موجودگی کی وہ روشن شہادتیں سامنے آتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔ ہم اپنے مجروح شکار کے ساتھ ایک ہی عمارت میں موجود تھے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ وہ عمارت کے کس گوشے میں گھسا ہوا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر نیچے نہ گیا ہو۔ ایسا ہوا تھا تو جنریٹر کے ذریعے برقی رو کی فراہمی بحال ہونے کے بعد اسے اوپر آجانا چاہیے تھا۔ وہ کسی بھی لمحے' کہیں سے نمودار ہو سکتا تھا۔

دو سو گز کے کمرشل پلازوں پر بنی ہوئی دوسری عمارات کی طرح اکرم الٰہی کی وہ بلڈنگ زیادہ پیچیدہ نہیں تھی۔ میں چند منٹ میں تلاشی سے فارغ ہو کر اپنے فیصلے اخذ کر چکا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ایریٹس پر اول خان سے رابطہ کیا اور اسے اپنے مشاہدوں سے آگاہ کیا۔ وہ بات کرتا ہوا' تیزی سے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"اب صرف فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر باقی رہ جاتا ہے۔" اول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان پُر تشویش آواز میں بڑبڑایا "زخمی حالت میں وہ وہاں کیا کر رہا ہوگا؟"

"نہ صرف وہ زخمی ہے بلکہ کچھ دیر پہلے یہاں گھور اندھیرا بھی تھا۔" ویرا الجھن آمیز لہجے میں بولی "فریڈم کے دفتر کے بعد نکاس کا عقبی راستہ ہے جہاں پہنچتے ہی ہمارا گن مین سے تصادم ہو سکتا ہے۔"

"قیاس آرائیوں میں وقت خراب مت کرو۔" میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "اور میرے ساتھ آؤ۔ عمارت میں اس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد ہمیں تلاشی کا عمل جلد از جلد مکمل کر لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خطرہ بھانپ کر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔"

فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر پوری منزل پر محیط تھا۔ قانونی کتب' ریکارڈ کی فائلوں اور کمپیوٹر سے آراستہ وہ دفتر بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایجنسی کے سادہ پوش اہلکاروں کی طرف سے کی جانے والی توڑ پھوڑ کے سارے شواہد جوں کے توں موجود تھے۔ مقبول چوہدری کا وہاں بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں مقبول چوہدری کے مقیم ہونے کا ثبوت مل جانے کے بعد یہ بات پریشان کن تھی کہ عمارت کی تینوں منزلوں پر اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر مائیکرو آٹوز کسی خفیہ راستے کے ذریعے بقیہ عمارت سے منسلک تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اتنی رات گئے وہاں کیا کرنے گیا ہوگا۔

وہ تنہا مقبول کا گن مین ہی سمجھا سکتا تھا لیکن بھڑکے ہوئے اس بھیڑیے کا سامنا کرنا' خودکشی سے کم نہیں تھا۔ عمارت کی حدود میں کسی بھی اجنبی کا سایہ دیکھ کر وہ اندھا دھند فائرنگ شروع کر سکتا تھا۔

پوری عمارت کی چھان بین کے بعد ہم پہلی منزل پر لفٹ کے سامنے جمع ہو چکے تھے۔

"اگر مقبول اس وقت بھی عمارت کے کسی حصے میں موجود ہے تو چوکی دار کو بھڑکانے سے ہمارا کھیل بگڑ جائے گا۔" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں رائے دی۔

"ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔" میں نے کہا "اس سے نکلنے کا راستہ وہی بتا سکتا ہے۔ ہمیں خطرہ مول لے کر اس پر قابو پانا پڑے گا ورنہ ہماری یہ مہم ناکام ہو جائے گی۔"

"تم اس کے جسم کے کسی حصے پر بیم گن فائر کر کے خاموشی سے اسے معذور کر سکتے ہو۔"

ویرا کی اس تجویز پر میں نے سختی سے کہا "بیم گن کے استعمال سے میں بچنا چاہ رہا ہوں۔ یہ ہر موقع پر ہماری موجودگی کا اشتہار بنتی رہی ہے...."

"ویسے بھی بیم گن ضرور بے آواز ہے مگر زخمی ہونے کے بعد گن مین آسمان سر پر اٹھا لے گا۔" میری بات پوری ہونے سے

جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و
تہذیب کے حیات افروز واقعات
صدیوں سے زندہ ایک پُراسرار شخص
کی آپ بیتی، ھوا جس کی دوست
تھی، سمندر جس کے لیے آغوش مادر
تھا، آگ اس کے بدن کو نمو دیتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے
کے ریکارڈ توڑ دیے

صدیوں کا بیٹا

پانچ حصّوں میں مکمّل

قیمت فی حصہ ۵۰ روپے * ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶ روپے

مکمل سیٹ منگانے پر قیمت صرف ۲۰۰ روپے، ڈاک
خرچ معاف۔ صرف ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ
فرمائیں۔ یہ رعایت صرف منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی مل سکے گی۔

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳
سعید منشن، بلیو ایریا، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے اول خان بول پڑا "ہیم گن کی زد پر لینے کے لیے ہم میں سے کسی کو اس کے سامنے جانا ہوگا۔ اس نے پہلے گولی چلا دی تو تم سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہوگا۔"

حامد سعادت مندی کے ساتھ خاموش کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اول خان کے ادب کی وجہ سے خاموش ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کا حوصلہ بڑھایا "کہو.... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس وقت تم بھی ہمارے مشوروں میں برابر کے شریک ہو۔"

"سر! میرے پاس بلیو ڈارٹس ہیں۔" اس نے اول خان کی طرف متوجہ ہو کر جھجکتے ہوئے زبان کھولی "میں کوئی کھٹکا کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کرلوں تو وہ نشانے پر آتے ہی بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ بہترین ترکیب ہے۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا "دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آجائے گا اور ہم اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

مجھے یاد آیا کہ کتوں کو ہلاک کرنے کے لیے میں نے جو ڈارٹ شانس استعمال کیے تھے' ان کا رنگ سرخ تھا۔ وہ ڈسپوزیبل سرنج کی طرح شفاف تھیلیوں میں پوری احتیاط سے پیک تھے۔ ان کے برعکس نیلے ڈارٹ شانس شاید کسی بھی انسان یا حیوان کو ایک معینہ مدت کے لیے بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کیے جاسکتے تھے۔

"یہ کام میں کروں گی۔" ویرا نے رضاکارانہ پیشکش کی "خوں خوار ترین مرد بھی اپنے نشانے پر کسی عورت کو پاتا ہے تو لمحہ بھر کے لیے ہچکچا کر رہ جاتا ہے اور میرے لیے وہی ایک لمحہ کافی ہوگا۔"

میں نے ویرا کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈارٹ گن میرے پاس تھی' حامد نے بلیو ڈارٹ شانٹ دیا اور ویرا گن لوڈ کر کے دبے قدموں زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ عمارت کی اوپری تینوں منزلیں بالکل خالی تھیں مگر ہر فلور پر کم از کم اتنی روشنی موجود تھی کہ مزید روشنی کیے بغیر ہر چھوٹی بڑی چیز آسانی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ تمام سوئچ پہلے سے آن تھے اور جنریٹر کا سوئچ آن ہوتے ہی ساری روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

وہ حقیقت صرف ایک سبب کی نشان دہی کر رہی تھی کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے مقبول وہیں کہیں موجود تھا۔ وہ کسی کام یا ضرورت کے تحت عمارت کے کسی نامعلوم حصے میں گیا تو اس نے روشنیاں کھلی چھوڑ دیں۔ بجلی گئی اور جنریٹر کے ذریعے بحال ہو گئی' عمارت تاریکی سے دوبارہ اُجالے میں آگئی لیکن مقبول واپس نہیں آیا۔

زینوں کی طرف سے ایک بلّی کی بھرائی ہوئی میاؤں سن کر میں چونک پڑا۔ عمارت میں داخلے کا ہر راستہ مسدود تھا۔ ہم نے کہیں کوئی بلّی نہیں دیکھی تھی' وہ یقیناً ویرا کی حرکت تھی۔

"شش.... اوئے' گدھے کا بچے.... تم اور کیسے آگیا۔" نیچے سے گن مین کی غصیلی آواز ابھری۔

دوسری بار ویرا کی میاؤں زیادہ رسیلی تھی۔ اس مرتبہ اس نے ایک حیرت ناک حرکت کی' پہلی آواز دیتے ہی ایک غراتی ہوئی' جارحانہ میاؤں کی۔ کوئی بھی ناواقف شخص ان دونوں آوازوں کو سن کر یہی سمجھ سکتا تھا کہ سیڑھیوں کے کسی حصے میں بلیوں کا کوئی جوڑا اپنے ازدواجی معاملات پر تبادلہ خیال میں مصروف ہے۔

ایک کی جگہ دو آوازیں سن کر گن مین کی کھوپڑی سنک گئی۔

"خدائی خوار' گھر کو پلید کرے گا.... پتا نہیں کدر سے آگیا.... صاب امارا بوٹی کھا جائے گا۔" اس کی قریب آتی ہوئی آواز میں حیرت اور غصے کا ملا جلا امتزاج تھا۔

گن مین کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ بلیوں کے دو طرفہ مکالموں کی خالق کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔ وہ غالباً اپنی گن اٹھا لے بغیر بھنا کر زینوں کی طرف بڑھا تھا تاکہ لات مار کر مفروضہ بلیوں کو کسی طرف سے باہر نکال سکے۔

"گڈ! تم بہت اچھے اور بے ضرر بلّے ہو۔" ویرا کی طنزیہ سی سرگوشی گونجی۔ شاید اس فقرے کے ذریعے اس نے مقبول کے گن مین کو اپنے نشانے پر لانے کی کوشش کی تھی۔ جنریٹر کے شور میں بھی اس کی آواز واضح تھی۔

زینے میں ڈارٹ گن فائر ہوتے ہی شپ کی ہلکی سی آواز ابھری اور ویرا اندر لوٹ آئی۔ گن مین کے گرنے سے پہلے اس کی ایک سسکی سنائی دی تھی جو جنریٹر کی آواز میں بھی نہیں دب سکی تھی۔

"گن بہت طاقت ور ہے۔ ڈارٹ گردن پر لگتے ہی اس کے بدن میں اتنا خلل سرایت کر گیا کہ وہ کوئی آواز نکالے بغیر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔" ویرا نے آتے ہی اطلاع دی۔

عمارت کی تینوں منزلیں خالی تھیں' گراؤنڈ فلور سے بھی خطرہ دور ہو چکا تھا۔ ہم چاروں تیزی سے مگر احتیاط کے ساتھ نیچے پہنچ گئے۔

نیچے پہنچتے ہی میری نگاہ دروازے کے شفاف شیشے پر پڑی اور میں اپنے ساتھیوں کو بائیں بازو سے دھکیلتا ہوا' دیوار سے جا لگا۔ اس وقت پورا علاقہ تاریک تھا جب کہ ہم روشنی میں تھے۔ باہر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص ہماری بے خبری میں شیشے میں سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ہم نے وہیں کھڑے کھڑے بہت پھرتی سے اس مختصر سے مستطیل کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ ایک طرف نفٹ تھی' دوسری طرف چکر دار وہ زینہ تھا جس کے ذریعے ہم چھت سے گراؤنڈ فلور تک پہنچے تھے۔ ان دونوں کے درمیان' قالین پر' گن مین کی صاف ستھری سنگل مسہری اور کرسی تھی۔ شاید وہ اپنے کھانے پینے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندوبست فریڈم انٹرنیشنل کے دفتری کچن میں کیا کرتا تھا کیونکہ گراؤنڈ فلور پر ایسی کوئی سہولت نظر نہیں آرہی تھی۔

وہاں جو کچھ تھا' نظروں کے سامنے تھا۔ اس میں کوئی خفیہ چیز نہیں تھی۔

گراؤنڈ فلور پر جنریٹر کا بہت زیادہ شور تھا پھر ہم وہاں محفوظ بھی نہیں تھے۔ میں نے جائزہ لیا تو گن مین کے بدن پر ہولسٹر یا چابیوں کا گچھا موجود نہیں تھا۔ بستر پر اس کی وہ دونوں چیزیں' پستول سمیت' سرہانے رکھی ہوئی تھیں۔

"بستر پر سے وہ چیزیں اٹھاؤ اور گن مین کو بھی زینوں سے اوپر لے جاؤ۔" میں نے اول خان کے کان کے قریب منہ لاکر کہا "میں اس کارروائی کے لیے دو ٹنٹیاں گل کیے دیتا ہوں۔"

اندھیرے میں پیش آنے والی دقتوں کا مجھے اندازہ تھا مگر اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بیرونی دروازے میں لگے ہوئے شفاف اور بلٹ پروف شیشے کی وجہ سے' اُجالے میں خود کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔

میں زینوں کے نیچے جنریٹر تک پہنچا تو مطلوبہ سوئچ آسانی سے نظر آگیا۔ میں نے سوئچ بند کیا تو جنریٹر کی آواز تبدیل ہوئی اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔

میرے کان آہٹوں وغیرہ پر جمے ہوئے تھے' میں نے بس اتنا وقت لیا کہ وہ بے ہوش گن مین کو اٹھا کر چند زینے عبور کرسکیں۔ اسی وقت اوپر سے ایک سخت اور اشتعال انگیز..... آواز گونجی۔

"ابے' طور خان! بجلی کے ساتھ کیا آنکھ مچولی کررہا ہے؟" وہ آواز مردانہ تھی اور میرے اندازے کے مطابق دوسرے فلور سے آئی تھی۔

لمحے بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے۔ ہم خود اعتمادی کے چکر میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوچکے تھے۔ ہمارا حریف یا اس کا کوئی معاون ہماری بے خبری میں اوپر پہنچ چکا تھا۔ میرے آدمی بے ہوش گن مین کے ساتھ تاریک زینوں پر تھے۔ اگر میں فوری طور پر روشنی نہ کرتا تو وہ نامعلوم شخص حالات کا جائزہ لینے کے لیے زینوں پر آسکتا تھا۔ شاید میں اس کے نشانے سے بچا رہتا مگر میرے ساتھی پوری طرح اس کی زد میں آسکتے تھے۔

وہ کوئی محفوظ حل نہیں تھا مگر میں نے ذرا سی مہلت لینے کے لیے سوئچ آن کردیا۔ مجھے توقع تھی کہ روشنی بحال ہونے پر وہ شخص عارضی طور پر مطمئن ہوجائے گا اور اس دوران میں وہ تینوں بے ہوش گن مین کو لے کر پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ زینوں کو چھوڑ دینے کے بعد وہ بہت بہتر پوزیشن میں اپنے حریف کا مقابلہ کرسکتے تھے۔

روشنی ہوتے ہی میری نگاہ لفٹ کی طرف گئی۔ اس بار روشن مستطیل میں دو انگریزی ہندسہ روشن تھا۔ یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ وہ جو بھی تھا' دوسری منزل پر ہی تھا۔

میں سانس روکے اپنی جگہ پر جما رہا۔ وہاں شور کے ساتھ انجن کی حرارت بھی ناقابلِ برداشت تھی مگر ہمارے لیے دو جگہوں پر بٹنا ضروری ہوگیا تھا۔

اوپر سے ابھرنے والی اجنبی آواز اول خان وغیرہ نے بھی سنی تھی۔ شاید انہوں نے اپنی رفتار بڑھالی تھی کیونکہ چند ہی لمحوں بعد زینے پر کوئی سایہ تک باقی نہیں رہا۔

میں اپنی جگہ سے نکلا اور بہت تیزی کے ساتھ' پنجوں کے بل سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

وہ تینوں بے ہوش گن مین کو دروازے سے اندر لے جانے کے بعد فرش پر ڈال چکے تھے اور کسی تیز کارروائی کے خطرناک عزم کے ساتھ دوبارہ باہر نکلنے کی تیاری کررہے تھے۔

"وہ دوسری منزل پر ہے۔" ویرا نے لفٹ کی طرف اشارہ کرکے اضطراری لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں لفٹ کہاں تھی اور وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوا ہے.... تیاری کے ساتھ میرے پیچھے چلے آؤ۔" میرے ان الفاظ پر اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر میں اس کی بات سنے بغیر پلٹ کر دوسری منزل کی طرف ہولیا۔

ہم چاروں نے اس بار بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن ہمارے حریف کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ ہم سے بڑی بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی کہ ہم نے چھت کا دروازہ بند کردیا تھا لیکن نچلی منزلوں سے گراؤنڈ فلور کی طرف جاتے ہوئے ہم نے زینوں کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ اگر وہ دروازے بند رکھنے کا عادی تھا تو دوسری منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی اس نے خطرہ بھانپ لیا ہوگا۔

وہ اندر جاکر بستر پر آرام کرنے یا باہر زینوں پر نکل کر حالات کا اندازہ لگانے کے بجائے اسی مختصر سی مشترکہ راہداری میں جما رہا جہاں لفٹ اور زینے کے دروازے آمنے سامنے کھلتے تھے۔

میں جوں ہی زینے سے کھلے ہوئے دروازے میں گھسا' اس نے اعشاریہ تین آٹھ بور کا مہیب' بے آواز ریوالور میرے اوپر تان لیا۔ اس کے مضروب چہرے اور بائیں کلائی پر بندھی ہوئی پٹی کی بنا پر میں نے فوری طور پر اندازہ لگالیا کہ وہی مقبول چوہدری تھا جو کچھ نام نہاد احتجاجی مظاہرین کے تشدد کا نشانہ بنا تھا۔

وہ دراز قد' وجیہہ اور خوش رو نوجوان تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی عقابی آنکھوں اور خم دار پتلے پتلے ہونٹوں سے اس کی رنگین مزاجی جھلک رہی تھی۔

"وہیں رک جاؤ اور ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس نے لفٹ کے دروازے کے قریب سے سفاکانہ لہجے میں حکم دیا "ورنہ تمہیں گولی مار کر میں تمہاری لاش کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

میرے پاس اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول نیچے' قالین پر گرا کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے "یہ اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں ورنہ میرے ساتھیوں نے تمہارے فرار کے دونوں راستے مسدود کیے ہوئے ہیں۔"

"تم کون ہو اور میرے گھر میں کیا لینے آئے ہو؟" اس نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"بہت سے لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی تم بیرون شہر ہونے کے بجائے اپنے گھر میں ہی روپوش ہو۔ ہم بائیس افراد اسی شبے کی تصدیق کے لیے یہاں آئے تھے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مقبول کا سامنا ہونے پر میرا ردِعمل دیکھتے ہی میرے تینوں ساتھی زینوں پر رک گئے تھے۔

"بائیس افراد....!" اس نے دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "شاید اس علاقے میں اندھیرا تم ہی لوگوں نے کیا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟"

"کچھ نیچے طور خان کے ساتھ ہیں' کچھ چھت پر تمہارے خوں خوار کتوں کی رکھوالی کر رہے ہیں۔" میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے قدرے وضاحت سے جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ دو چار آدمی فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر کی تلاشی لے رہے ہوں۔ آج تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔"

اس نے سرکتے ہوئے اپنی جگہ بدلی اور پھر میرے اوپر فائر کرتے ہوئے لفٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس نے عجلت میں نشانہ لیے بغیر گولی چلائی تھی اس لیے وہ چھت میں پیوست ہوگئی۔

بے آواز ریوالور سے پیدا ہونے والے سخت کھٹکے کی آواز نے سب کو مضطرب کر دیا۔ میں تیزی سے لفٹ کی طرف لپکا تو بقیہ تینوں افراد بھی اندر گھس آئے مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے لفٹ وہ فلور چھوڑ چکی تھی۔

مستطیل چند لمحوں کے لیے تاریک ہو چکا تھا۔ کال بٹن کے نیچے روشن ہو جانے والے تیر سے معلوم ہوا کہ لفٹ نیچے جا رہی تھی۔ دیرا اچھل کر زینوں کی طرف دوڑ پڑی مگر میں وہیں رکا رہا۔ میں نے لفٹ کے کال بٹن پر انگلی رکھ کر اسے مسلسل دبا لیا تھا تاکہ مقبول چوہدری کو اتارتے ہی لفٹ اوپر آسکے۔

مستطیل میں دو کے بعد ایک کا ہندسہ روشن ہوا اور بجھ گیا۔ لفٹ رکے بغیر نیچے جا رہی تھی۔ ایک کے بعد انگریزی کا حرف جی بھی روشن ہو کر بجھ گیا۔ لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی رکے بغیر گزر گئی تھی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ اگر لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی نیچے گئی تھی تو اس عمارت میں کوئی خفیہ تہ خانہ بھی تھا۔ کچھ دیر صبر آزما انتظار میں گزری۔ اس دوران میں مستطیل سے کچھ پتا نہ چل سکا کہ لفٹ کہاں رکی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ لفٹ کی آمد ظاہر کرنے والا تیر روشن ہو چکا تھا۔ اسی وقت دیرا ہانپتی ہوئی واپس آگئی۔

اس عمارت کے مکینوں کے سوا' دوسروں کو تہ خانے کے وجود سے بے خبر رکھنے کے لیے لفٹ کی موجودگی کی منازل کی نشان دہی کرنے والے برقی نظام سے تہ خانے یا "بی" کا حرف دانستہ حذف کر دیا گیا تھا۔ جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو شاید مقبول تہ خانے میں ہی تھا اور لفٹ بھی وہیں رکی ہوئی تھی۔ جنریٹر چل جانے کے بعد وہ کسی وقت لفٹ سے دوسری منزل پر پہنچا اور مجھ سے ٹکراؤ کے بعد دوبارہ وہیں فرار ہوگیا۔

"تمہارا یہ مجرم ذرا بھی ذہین نہیں ہے۔" لفٹ کی آمد کا اشارہ روشن ہونے پر دیرا نے کہا۔

"تم نے اس سے ملے بغیر یہ اندازہ کیسے لگا لیا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بوکھلایا ہوا ہے۔ ذرا سی بھی ذہانت استعمال کرتا تو تہ خانے میں لفٹ کے دروازے میں کوئی رکاوٹ اڑا دیتا۔ وہاں کا دروازہ بند نہ ہوتا تو لفٹ قیامت تک اوپر نہیں آسکتی تھی۔"

"یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا مگر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔" اول خان بولا "اپنے بھاگنے کی فکر میں اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ ہمیں روک کر بھی وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔"

مجھے باہر والی پارٹی کا خیال آیا اور میں نے فوراً اپیٹس پر بات شروع کر دی "باہر ہوشیار رہو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی کسی بھی لمحے باہر نکلنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔ وہ اندر سے نکلتے ہی پکڑا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو ہم اس کے خلاف طاقت بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ کی طرف سے جواب آیا۔

لفٹ آکر رکی اور ہم چاروں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ اندر پینل پر لفٹ کی منازل کے تعین کے چھ بٹن تھے۔ گراؤنڈ اور چھت سمیت اوپر کی منازل کے پش بٹنوں پر نمبر یا حروف موجود تھے گراؤنڈ یا جی سے نیچے والا بٹن سادہ تھا۔ دروازہ بند ہونے پر میں نے وہی بٹن دبا دیا۔ لفٹ خفیف سے جھٹکے سے نیچے روانہ ہوگئی۔

مقبول چوہدری سے سامنا ہونے کے بعد پورا کھیل کھل کر سامنے آگیا تھا اس لیے ہم نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ مجھ پر فائر کر کے بھاگا تھا' دوبارہ نظر آجاتا تو میں بھی اسے گولی کا نشانہ بنانے کا پورا حق رکھتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنے ماموں کے قائم کیے ہوئے اداروں کو اس قدر پُراسرار بلکہ مجرمانہ انداز میں کیوں چلا رہا تھا اور اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔

لفٹ رکنے پر ہم دروازہ کھول کر باہر نکلے تو خود کو ایک تنگ سی جگہ میں پایا۔ اوپر کے مقابلے میں تہ خانے کی تعمیر کا انداز بہت مختلف تھا۔ ہم چاروں وہاں سے آگے بڑھے تو ایک کمرا نظر آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مقبول چوہدری کے تیور دیکھ چکا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔

"تم لوگ جو بھی ہو' بے خوف و خطر اندر چلے آؤ۔" کمرے میں سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری "مجھے معلوم ہے کہ مقبول تم سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے۔ اس نے مجھے مہینوں سے یہاں قید کیا ہوا ہے۔"

اس شخص کے آخری الفاظ معنی خیز تھے۔ میں اپنی پارٹی کا قائد تھا اس لیے سب سے پہلے آگے بڑھ گیا۔

وہ کمرا کسی وقت بہت صاف ستھرا رہا ہو گا مگر اس وقت شدید بے توجہی کا شکار تھا۔ تہ خانے میں ریت کا گزر نہیں تھا مگر ہر چیز میلی نظر آ رہی تھی۔ سامان بے ترتیبی سے قالین پر بکھرا ہوا تھا۔ اکلوتی مسہری کی چادر شکن آلود اور اتنی میلی تھی جیسے اسے مہینوں سے نہ بدلا گیا ہو۔

بستر کے قریب ایک وحشت زدہ' ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے بہت میلے تھے۔ سر اور داڑھی کے کھچڑی جیسے بال بہت بے ترتیبی سے بڑھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ آزاد تھا لیکن میں اس کی داہنی پنڈلی میں پڑا ہوا وہ آہنی حلقہ دیکھ چکا تھا جو ایک موٹی زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کا دوسرا سرا ایک مضبوط اور دیوار گیر کنڈے کے ساتھ مقفل تھا۔ زنجیر کی کل لمبائی چھ یا سات فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ مقبول کا وہ قیدی بس اتنی ہی دور تک آزادی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

کمرے کی چھت پر کسی انجن کے بیدار ہونے کا ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا تو ادھیڑ عمر قیدی ہذیانی انداز میں بول پڑا "وہ بزدل نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ چور زینے سے بھاگ جائے گا...."

"مجھے راستہ بتاؤ.... وہ کدھر سے فرار ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس دروازے کے پیچھے چور زینہ ہے جو گیراج کے دفتر میں نکلتا ہے..... وہ گیراج سے کوئی گاڑی لے گیا۔" وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔

وہ مکالمے اس قدر بے ضرر بلکہ حوصلہ افزا تھے کہ بقیہ تینوں بھی اندر گھس آئے اور اول خان نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی کہ شاید وہ مقبول کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری دانست میں وہ کوشش بے سود تھی۔ میں اس وحشت زدہ قیدی کی طرف متوجہ ہوا جس کے بالوں کی سیاہی میں جا بجا سفیدی جھلک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنے قیاس کو بھلا کر اس سے پوچھا "مقبول چوہدری سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"دشمنی نہیں' اس سے میری قریبی رشتے داری ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا "وہ حرام زادہ میرا بھانجا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس قدر لالچی اور بدفطرت ہے۔"

"تم اکرم الٰہی ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "لوگ تو کہتے ہیں کہ تم ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"وہ کتے کا بچہ جو چاہے کہہ سکتا ہے... میں مہینوں سے یہاں سسک سسک کر جی رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" اکرم الٰہی کی مظلومیت کے انکشاف نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میرا جرم یہ ہے کہ وہ بے روزگار تھا' میں نے اسے اپنا گیراج سونپ دیا۔ کراچی میں وہ بے گھر تھا' میں نے بہت شوق سے بنائے ہوئے گھر کی پوری ایک منزل اسے دے دی... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا ہوں۔ میرے ٹکڑوں پر پلنے والا میرا سب کچھ چھین لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

اول خان عقبی دروازے سے واپس آ پہنچا۔ ناکامی اس کے بشرے پر کندہ تھی۔ "وہ ایک اکارڈ لے کر نکل گیا۔" اس نے آتے ہی متاسفانہ لہجے میں اعلان کیا۔

"وہ نکل گیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔" اکرم الٰہی نے مسہری پر بیٹھ کر منتقمانہ انداز میں کہا "تم لوگ مجھے اس قید سے نجات دلا دو تو میں اسے چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تمہارے کام پر قابض ہو کر اس نے بہت بدنامیاں کمائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "اور یہ سارے برے کام تمہارے کھاتے میں جمع ہوتے رہے ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ تمہارا دامن صاف ہے؟"

"میری حالت میری بے گناہی کا ثبوت ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے کہا "میں اس کے کالے کرتوتوں میں شریک ہوتا تو اس حال کو نہ پہنچا ہوتا۔"

اول خان نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ اکرم کو زنجیر کی قید سے آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے...."

"غور سے میری طرف دیکھو!" اکرم الٰہی نے زہریلی آواز میں دخل اندازی کی "مہینوں سے اُسترا اور قینچی تو دور کی بات ہے' میں نے صابن اور ٹوتھ پیسٹ کی صورت نہیں دیکھی۔ کمرا اور یہ باتھ روم میرا مقدر بنا ہوا ہے۔ میرے کتوں کو عزت سے راتب کھلایا جاتا ہے' مجھے دو وقت کی روٹی بھی بہت ذلت سے دی جاتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقبول نے تمہیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتراض کیا "وہ تمہارے کاموں پر قابض ہے' اس عمارت کا مالک بنا ہوا ہے' سب کو معلوم ہے کہ تم باہر گئے ہوئے ہو۔ تمہیں مار کر وہ کہہ سکتا ہے کہ تم امریکا یا آسٹریلیا میں بس گئے ہو۔"

اکرم الٰہی کا ہذیانی قہقہہ بہت خوف ناک تھا۔ ہنسی کا دورہ تھما تو اس نے کہا "یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ مجھے زندہ رکھنا اس کی مجبوری ہے۔ مجھ سے براہِ راست بات کیے بغیر فورڈ فاؤنڈیشن والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے ایک پیسے کی گرانٹ نہیں دیں گے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ مجھے اسی کام پر مجبور کر رہا تھا.... ہر بار یہی ہوتا ہے۔ میں انکار کرتا ہوں' وہ مجھ پر تشدد کرتا ہے' مجھے بھوکا رکھتا ہے اور زندہ رہنے کی خاطر میں جھک جاتا ہوں۔ اس نے میری یہ کمزوری پکڑلی ہے کہ اچھے دنوں کی آس میں' میں ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

فورڈ فاؤنڈیشن ایک بڑا نام تھا جس کی پوری دنیا میں شہرت تھی۔ انسانیت کی فلاح اور تعلیم کے فروغ کے لیے بیش بہا خدمات کے ساتھ لوگ بعض مشتبہ معاملات میں بھی اس کا نام لیتے تھے لیکن امریکا میں قائم اس عالمی فلاحی ادارے کے خلاف کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے تمہاری کیا اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پاکستان میں' میں نے ان کے مالی تعاون سے اس وقت فریڈم انٹرنیشنل کی داغ بیل ڈالی جب یہاں کے لوگوں کو شعور تک نہیں تھا کہ این جی اوز معاشرتی بہبود کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ میرے مقاصد نیک تھے۔ وہ میری ہر ضرورت پوری کرتے تھے مگر صرف میرے ذاتی مطالبے پر۔ میری آواز ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ کوئی اور اکرم الٰہی بن کر ان سے کوئی مدد نہیں اینٹھ سکتا۔ یہ مقبول کی مجبوری ہے۔ اسی وجہ سے میں زندہ ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے وہ تم پر کیوں دباؤ ڈال رہا تھا؟" میرے لیے اکرم الٰہی کی گفتگو اچانک دلچسپ ہوگئی تھی۔

"یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ فاؤنڈیشن کے وسیع مالی وسائل کے غلط استعمال کے لیے سی آئی اے کے بہت سے ایجنٹ اس میں گھس گئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مقبول چوہدری نے میری فریڈم انٹرنیشنل کے عظیم مقاصد کو پس پشت ڈال کر ان ایجنٹوں سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ وہ سی آئی اے کے ایجنڈے پر کام کررہا ہے اور میرے ذریعے فاؤنڈیشن سے بڑی بڑی رقمیں لوٹ رہا ہے۔"

"میرا سوال تازہ ترین معاملے کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ رُستم ایرانی نامی کسی ایرانی مہاجر کے حقوق کا مسئلہ ہے۔" اکرم الٰہی اس معاملے کی سنگینی سے بے خبر تھا۔ وہ روا روی کے انداز میں بولنے لگا "وہ بھائی ہے اور اسے دباؤ ڈال کر مارا گیا ہے۔ اس کیس پر آواز اٹھانے کے لیے مجھے فاؤنڈیشن سے ایک لاکھ ڈالر طلب کرنے ہیں۔"

"اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل ایک بیان جاری کرچکی ہے۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "اگر فاؤنڈیشن والے تمہارا مطالبہ پورا نہ کریں تو وہ کیا کرے گا؟"

"وہاں میری شہرت بہت اچھی ہے' اب تک ایسا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ سی آئی اے والے بہت چالاک ہیں۔ مقبول سے جو کام بھی لیتے ہیں' اس کے دہرے مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اپنے کاموں کے اچھے پہلو بتاتا ہے۔ مذموم خفیہ مقاصد اس کے اور اس کے آقاؤں کے علم میں ہوتے ہیں۔"

"تمہیں قیدی بنانے کے بعد وہ فاؤنڈیشن سے کتنی رقم بٹور چکا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس سا وٹ پروف تہ خانے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہے۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اس نے یہاں سے سب گھڑیاں ہٹادی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی بار میں نے پانچ لاکھ ڈالر مانگے تھے۔" اس نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"اس کے لیے کیا بہانہ تراشا گیا تھا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک پاکستانی بن کر سوچو تو بہت ذلیل اور گھٹیا مقصد تھا۔ گھروں سے آشناؤں کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیاں اپنے ماں' باپ اور خاندان کی رو سیاہی کا باعث بنتی ہیں' خاندان اور معاشرے میں ہولناک ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے لیکن مقبول' عورت اور مرد کی انفرادی آزادیوں کے نام پر ایسے بھگوڑے جوڑوں کو قانونی مدد فراہم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا... یہ سب ہمارے ملک اور مذہب کے خلاف سی آئی اے کے منصوبے ہیں۔"

"اور تم نے اسے رقم دلوادی تھی!" میں نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں مجبور تھا۔ فاؤنڈیشن کا وائس چیئرمین امریکی ہے۔ امریکا میں یہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ شادی کے بغیر لاکھوں جوڑے اکٹھے رہتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی راہ پر ہولیتے ہیں۔ وہ ہماری طرح عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وائس چیئرمین میرا پروگرام سن کر خوش ہوا تھا کہ پس ماندہ اور جاہل قوموں میں بھی ایسے اعلیٰ مقاصد کے بارے میں سوچا جانے لگا ہے۔"

"ابھی تک تم خود کو کسی فرشتے کی طرح معصوم اور بے گناہ ثابت کرتے رہے ہو!" ویرا بولی۔

"فرشتوں کے پاس پیٹ کا جہنم نہیں پھٹکتا۔" اس نے ویرا کے طنز کا جواب اسی لہجے میں دیا "مجھے زندہ رہنے کے لیے اس جہنم کو بھرنا پڑتا ہے۔ اس جہنم کی خوراک مقبول فراہم کرتا ہے۔ میں اپنی برداشت کی آخری حد تک مزاحمت کرتا ہوں۔ جب موت کا خوف ہیولوں کی صورت میں اپنے اردگرد نظر آنے لگتا ہے تو میں فرشتہ نہیں رہتا' آدمی بن جاتا ہوں۔" اس نے رک رک کر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میرے پاس وقت کا حساب نہیں ہے' میں ایک نیند لیتا ہوں تو سمجھو کہ ایک رات گزر جاتی ہے۔ اس حساب سے چار دن ہوچکے ہیں' میں بھوکا ہوں۔ صرف نل کے پانی پر گزارہ کررہا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا حساب واقعی بگڑا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنا زیادہ وقت بیداری کے عالم میں گزار رہا تھا پھر بھی ویرا اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکی "چار دن کے بھوکے ہو اور بڑی روانی سے بول رہے ہو۔"

ایک لمبی مدت کے بعد کسی ہمدرد کو اپنے سامنے دیکھا ہے..... میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہوتی تو اب تک میں نے کمینے مقبول کے سامنے سر جھکا دیا ہوتا...."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم نے ہمیں اپنا ہمدرد کیسے سمجھ لیا؟"

"وہ تم لوگوں سے ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے' اس کے چہرے پر خوف کی نحوست ناچ رہی تھی۔ اس کے ہر دشمن کو اب میں اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتا ہوں..... تم میری بیڑی نہیں کھولو گی؟"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری اور اول خان کی طرف دیکھا اور ہماری نظروں میں رضامندی کے اشارے پا کر وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا کے پاس قفل شکنی کے جملہ لوازم موجود تھے۔ اس نے بہت آسانی سے اکرم الٰہی کی داہنی پنڈلی کو تنگ آہنی کڑے سے نجات دلا دی۔ اکرم الٰہی نے اٹھ کر دیوانہ وار کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔

اکرم الٰہی کی وہ حرکت اس قدر اچانک تھی کہ ہم سب ہی بوکھلا گئے۔ حامد نے اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اکرم الٰہی دوڑتے دوڑتے بولا "میں کہیں نہیں جا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی مرضی سے دوڑ کر خوش ہو لینے دو۔ مجھے ایک مدت کے بعد یہ آزادی ملی ہے۔"

سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا مگر میں ترحم آمیز لہجے میں بولے بغیر نہ رہ سکا "اپنا یہ شوق اس بدبودار کمرے سے باہر نکل کر بھی پورا کر سکتے ہو۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ہانپتے ہوئے ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے بدن اور کپڑوں تک سے تیز بساند آ رہی تھی جو نتھنوں سے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔

تہ خانے سے نکلنے کے صرف دو راستے تھے۔ خفیہ زینے سے مائیکرو آٹوز کے راستے باہر نکل جانا یا لفٹ کے ذریعے اوپر کی کسی منزل تک پہنچنا۔ باہر بجلی کے مسئلے کی وجہ سے ویسے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اگر لوگوں میں یہ خبر پھیل جاتی کہ اکرم الٰہی بیرونِ ملک جانے کے بجائے اپنے تہ خانے میں قید تھا اور وہاں سے رہائی پا چکا ہے تو وہاں ایک جم غفیر لگ سکتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لفٹ استعمال کی جائے۔

چھوٹی سی لفٹ صرف چار افراد کے لیے کافی تھی لیکن اس میں ہم پانچوں سما گئے۔ اس تنگ جگہ میں' اکرم الٰہی کے وجود سے پھوٹنے والی بدبو ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔

دوسری منزل پر لفٹ چھوڑتے ہوئے اکرم الٰہی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا غلیظ وجود ہم سب کے لیے سخت ناگوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کر ہم سے غسل خانے میں جانے کی اجازت چاہی۔ اس وقت تک ہم اس کی کہانی پر بڑی حد تک یقین کر چکے تھے۔ میں نے اسے غسل کرنے اور لباس بدلنے کی اجازت دینے کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ سر یا داڑھی مونچھوں کو تراشنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔

ہم لوگ اپنے ذہنوں میں اس مہم کے اختتام کا جو خاکہ لے کر آئے تھے وہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ مجرم صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے خلاف سب سے بڑا گواہ ہماری تحویل میں تھا۔

میں اول خان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ویرا اٹھ کر کہیں چل دی۔ اول خان نے فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کیا تو وہ غزالہ اور سلطان شاہ کو لیے' واپس لوٹ آئی۔

"یہاں اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان بھنک تک نہیں ملی۔" غزالہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے شکوہ کیا "ہم دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے گاڑی میں سوکھ رہے تھے۔"

"تمہارے لیے مقبول چوہدری کو باہر بھیجا تھا مگر وہ گدھا غلط راستے سے نکل گیا۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "اب مجھے یہاں رک کر اپنے آدمیوں کا انتظار کرنا ہو گا۔ تم لوگ یہاں سے بازیاب ہونے والے قیدی کو اپنے ساتھ لے کر گھر نکل جاؤ۔ وہ چند روز تک تمہارا مہمان رہے گا۔"

"کیوں؟" ویرا نے برا سا منہ بنایا "اسے اسٹیشن فور کیوں نہیں لے جاتے؟"

"حفاظت کے ساتھ اسے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت بھی ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے وضاحت کی "یہاں سے ہاتھ آنے والے بقیہ افراد وہیں جائیں گے۔"

"یہاں رہا ہی کون ہے؟ چاہو تو بے ہوش گن مین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دو۔" ویرا بولی۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "گیراج میں بھی دو گن مین ہیں۔ اکرم الٰہی ہمیں بتائے گا کہ ان میں سے کون کون مقبول کا وفادار ہے۔"

"یہ عمارت اکرم ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس سے یہ ضرور پوچھنا کہ اسے یہاں اس قدر حفاظتی انتظامات کی کیا ضرورت تھی۔" ویرا' اکرم الٰہی کے غلیظ و متعفن وجود سے شاید کراہت میں مبتلا ہو چکی تھی "پچھلا دروازہ کسی والٹ کے دروازے کی طرح فولادی ہے۔ اس کا سہ رخی قفل دو چابیوں کے استعمال سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔"

اکرم کو ایک مدت کے بعد غسل کرنے کی آزادی میسر آئی تھی۔ وہ ایک گھنٹے بھی غسل خانے میں گھسا رہتا تو کم تھا لیکن وہ غیر معمولی وقت لیے بغیر نہا دھو کر اور کپڑے تبدیل کر کے اپنی خواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاہ سے برآمد ہوا تو بڑی بڑی سنوری ہوئی زلفوں اور سینے تک لہراتی ہوئی داڑھی کی وجہ سے بزرگانہ مردانہ وجاہت کا پیکر نظر آرہا تھا۔

آتے ہی اس نے مسکرا کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "خدا کا شکر اور تم لوگوں کا شکریہ کہ آج مجھے یہ مبارک رات نصیب ہوئی جب میں دوبارہ آزاد ہوں۔"

"تمہاری جون ہی بدل گئی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر تبصرہ کیا "نہا دھو لیے تو اب شکم سیری بھی کرلو تاکہ یہاں سے روانگی کے بارے میں سوچا جاسکے۔"

بھوک اس پر اتنی زیادہ غالب تھی کہ وہ ویرا کی دی ہوئی دعوت کو رد نہ کرسکا اور سیدھا ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے لیے چند ڈبے اور برتن لے کر ڈرائنگ روم میں ہی آگیا اور ہماری موجودگی کی پروا کیے بغیر ندیدے پن سے ٹھنڈی خوراک پر ٹوٹ پڑا۔

"خدا کی پناہ!" خاموشی سے پیٹ میں چند لقمے اتار لینے کے بعد وہ بولا "وہ اپنے فلور سے زیادہ میرے فلور پر قابض تھا۔ اس نے میرے بیڈروم کا حشر خراب کیا ہوا ہے۔"

"تمہیں اس عمارت میں اتنے زیادہ حفاظتی انتظام کی کیا ضرورت تھی؟" اول خان نے ویرا کا سوال پوچھا۔

"میں اکیلا رہتا ہوں۔ زندگی گزارنے کے لیے میرا ایک خواب تھا جو میں نے دو سو گز کے اس چھوٹے سے پلاٹ میں سمو دیا۔ بجلی بند ہوتے ہی پوری عمارت تہ خانے اور گیراج سے الگ تھلگ ہوجاتی ہے۔ بجلی آتی رہے تو لفٹ سے تہ خانے میں پہنچ کر زینوں سے گیراج میں پہنچا جاسکتا ہے۔ اس بلڈنگ میں، میں نے اپنے کاروبار، مشغلے اور رہائش کو بہت سوچ سمجھ کر یک جا کیا تھا۔"

"اور پچھلا بلٹ پروف، فولادی دروازہ؟" ویرا نے خاص طور پر پوچھا۔

"اکیلے آدمی کے لیے یہ سب ضروری ہوتا ہے۔ میری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں پھٹک سکتا۔ میں کسی گن مین کے پہرے کے بغیر آزادی سے پیر پھیلا کر سو سکتا ہوں۔"

"لیکن تمہارے اپنے چہیتے نے تمہارے اس سارے حفاظتی حصار کو چکنا چور کرکے، تمہیں اسی قلعے میں قید کردیا۔" ویرا نے اس سے کچھ زیادہ ہی الجھنا شروع کردیا۔

وہ اداسی سے مسکرا دیا "اسے اپنی اس ذلیل حرکت کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ آزادی مل جانے کے بعد میں اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن سکتا ہوں۔"

"ہمیں اس کی فکر ہے۔ وہ کہاں پناہ لے سکتا ہے؟" اول خان نے سوال کیا۔

"اگر اس نے اپنی پسند کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے تو اسے نرگس کے گھر پہنچنا چاہیے۔" کھانے کے ساتھ ساتھ وہ ہر سوال کا جواب بھی دیتا جارہا تھا۔

اکرم الٰہی کی رائے میں نرگس بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ مقبول نے خود ہی نرگس کو اس سے ملایا تھا۔ اکرم الٰہی کو اس کے گھر کا پتا یا فون نمبر معلوم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اس کا ناخلف بھانجا اپنے بدترین وقت میں بھی نرگس سے دست بردار نہیں ہوسکتا تھا۔

طور خان کو اکرم الٰہی نے دیکھ بھال کر خود ملازم رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ طور خان، مقبول چوہدری کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ اس بے چارے کو علم ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کے فرش سے نیچے والی خفیہ منزل میں اس کے اصل مالک کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا تھا۔

اکرم الٰہی کا خیال تھا کہ مقبول کے دوسرے ملازمین کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ مقبول خود ہی لفٹ کے راستے اسے کھانے پینے کی اشیا گاہے گاہے پہنچاتا رہتا تھا۔ اس کی واپسی بھی لفٹ کے ذریعے ہوتی تھی۔ پوری قید کے دوران میں اس نے صرف چند بار اسے زینوں کے راستے گیراج کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود تہ خانے میں اکرم الٰہی نے مقبول کے سوا کبھی کسی کی پرچھائیں نہیں دیکھی تھی۔

مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے بارے میں جس رازداری سے کام لیا تھا، اس کے بعد نجی زندگی میں اس کا بے فکر ہونا قرینِ قیاس تھا۔ اول خان پُریقین تھا کہ گیراج کے عملے کے لوگ یا ان میں سے کوئی نہ کوئی نرگس کے گھر کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا۔

گیراج وقت کی پابندی سے شام کے پانچ بجے بند ہوجاتا تھا۔ عملے سے پوچھ گچھ کے لیے اگلی صبح کا انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی مقبول کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد اکرم الٰہی کو ہمارے بارے میں کچھ جاننے کا اشتیاق ہونے لگا۔ اس نے یہ فرض کرلیا تھا کہ ہم سب سرکاری اہل کار تھے اور شاید مقبول چوہدری کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، وہ بس یہ جاننے کے لیے مرا جارہا تھا کہ ہمارا تعلق کس فرض شناس محکمے سے تھا۔

اول خان نے وہ سوالات سختی سے رد کردیے۔ کوئی راہ نکلتی نظر نہ آئی تو اکرم الٰہی نے مجبور ہوکر اپنا مدعا بیان کردیا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل کی نیک نامی بچانے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور مقبول کے قصے میں ان مذموم سرگرمیوں کا ذکر نہ آنے پائے جو مقبول اس ادارے کی آڑ میں پروان چڑھا رہا تھا۔

اکرم الٰہی کی وہ خواہش بہت غیر حقیقی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

مائیکرو آٹوز کو اکرم الٰہی نے پہلے ہی مقبول کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اصل جھگڑا فریڈم انٹرنیشنل پر قبضے کا تھا۔ وہ ذکر حذف کرنے کے بعد اس قصے میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اکرم الٰہی اپنی زندگی کے بھیانک ترین تجربے سے گزرنے کے باوجود وہ معاملہ کیوں دبانا چاہ رہا تھا۔

"حامد! تم اکرم الٰہی کے ساتھ فریڈم انٹرنیشنل کے ریکارڈ کا جائزہ لے ڈالو۔" میں نے اکرم الٰہی کو وہاں سے ٹالنے کے لیے حامد سے کہا "اکرم کی قید کے دوران میں ہونے والی کارروائیوں کی فائلیں ہمیں مدد دیں گی۔"

حامد ہوشیار آدمی تھا۔ اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا اور اکرم الٰہی اس کے ساتھ چل دیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے ابھی تک اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان نہیں کیا۔ اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے ہمارے چہرے دیکھ لیے ہیں مگر ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھائیں گے۔" میں نے کہا۔

"پھر اس کا کیا کیا جائے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا "وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ اس میں تمہاری رائے بھی پوری طرح شامل تھی۔"

"اس لیے میں نے ذمے داری تم پر نہیں ڈالی' اپنا ارادہ بدلنے کی بات کی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ اس کے بارے میں ویرا کی تجویز پر عمل کرو اور اسے اسٹیشن فور لے چلو۔"

"وہ کہیں بھی لاجواب نہیں ہوا۔ اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا سوچا سمجھا جواب موجود تھا۔" ویرا نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا "حواس باختہ اور ہار کھایا ہوا آدمی اتنی مدلل اور مفصل باتیں نہیں کرتا۔ برحق ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "موت کے جبڑوں سے نکلتے ہی کوئی مکار ترین آدمی بھی اتنی روانی سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حقیقت بیان کرنے کے لیے آدمی کو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سچ زبان سے بہتا چلا جاتا ہے۔"

"ایک صورت اور بھی ہے۔" میں نے رائے دی "فی الحال' اس کی رسّی دراز کردو اور اسے یہیں چھوڑ دو۔ چند روز کی کڑی نگرانی سے سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس دوران میں فریڈم انٹرنیشنل کی پرانی کارکردگی کا ریکارڈ بھی چھانا جاسکتا ہے۔ مجھے اکرم کی کہانی پر یکایک ہی کچھ شبہ ہونے لگا ہے۔"

"پھر اسے یہیں چھوڑے دیتے ہیں۔" اول خان نے ہتھیار ڈال دیے "دوسرے آدمیوں سے اسٹیشن فور میں بازپرس کی جائے گی۔ ان کی کہانیاں بھی خاصا مواد فراہم کردیں گی۔"

"یہ اس کا قلعہ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اس ننھی سی سلطنت میں کس طرح بے خوف و خطر رہتا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"کتوں کی موت کے بعد اس کا قلعہ غیر محفوظ ہوگیا ہے۔"

اول خان کے دل میں اکرم کے لیے نرم گوشہ موجود تھا۔

"اس کا ذکر ہی مت کرو۔ وہ خود بھی اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیے بغیر بستر پر نہیں لیٹے گا۔"

اکرم الٰہی اور حامد میری توقع کے برعکس جلد واپس لوٹ آئے۔ حامد کے ہاتھ میں صرف دو فائلیں تھیں۔

اکرم نے آتے ہی پُرجوش لہجے میں کہا "میں نے آج کی تاریخ دیکھ کر حساب لگایا ہے کہ میں چھتیس دنوں تک مقبول کی قید میں رہا ہوں۔ ان دنوں اسے فورڈ فاؤنڈیشن سے آخری فیکس رُستم کے بارے میں ملا تھا۔ اس نے وہی پیغام فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے پریس کو جاری کردیا۔"

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مقبول چوہدری اس ادارے کو تمہارے متعین کیے ہوئے اصولوں پر چلاتا رہا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں اعتراض کیا۔

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم فاؤنڈیشن میں گھسی ہوئی کالی بھیڑوں سے واقف نہیں ہو۔" اس نے حامد کے ہاتھ سے ایک فائل لے کر کھولی اور ایک خاص صفحہ الٹ کر فائل میرے سامنے رکھ دی۔

"یہ دیکھو!" اس نے پیغام کے آخر میں چھپے ہوئے نام پر انگلی رکھ کر اپنی بات جاری رکھی "تم بارسوخ آدمی ہو۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ تم اپنے ذرائع سے تصدیق کرسکتے ہو کہ فاؤنڈیشن میں ملازمت کے ساتھ' جان اسمتھ آج بھی فیرفیکس میں سی آئی اے کے پے رول پر ہے۔"

میرے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سی آئی اے کے ملازمین کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری قید کے دوران میں جان نے فیرفیکس کو خیرباد کہہ کر فورڈ فاؤنڈیشن کی ملازمت اختیار کرلی ہو؟"

لمحے بھر کے لیے اکرم الٰہی کی آنکھوں میں بوکھلاہٹ تیر گئی۔ میرے چبھتے ہوئے سوال سے اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ جوش بیان میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگے نکل گیا تھا۔ اس کے چہرے کا بیشتر حصہ خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہوتا تو اس کی پریشانی کا زیادہ واضح اندازہ ہوسکتا تھا۔

"میں سس.... سی آئی اے کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی "جان اسمتھ دراصل کراچی میں رہا ہے۔ میری اس سے ذاتی واقفیت تھی۔"

اس بار میں بے رخی سے ہنسے بغیر نہ رہ سکا "اس دلدل میں زیادہ ہاتھ پیر نہ مارو۔ جان اسمتھ نام کے ہزاروں لوگ امریکا میں مل جائیں گے پھر تم اس بات کا کیا جواز دوگے کہ کراچی میں مامور ایک سی آئی اے ایجنٹ سے تمہارے ذاتی مراسم تھے؟ تم تھکے ہوئے ہو' تمہارا ذہن ماؤف ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بے بسی سے ہنسنے لگا "میں واقعی بہک رہا ہوں مگر مجھے خوشی ہے کہ تم لوگوں کا رویہ بہت ہمدردانہ ہے۔ تم سب نے موت کے اندھے کنوئیں سے نکال کر مجھ پر احسان کیا ہے۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ حامد اور اول خان سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اکرم الٰہی کو دانستہ نظرانداز کردیا۔ میں اس کے ذہن میں بے نام خوف اور وسوسہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ایسی کیفیات سے دوچار ہونے کے بعد اس کی طرف سے لغزشوں کا امکان بڑھ جاتا۔

"میں ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دوں۔ چابیاں استعمال کیے بغیر یہ باہر کیسے نکلیں گے؟" اکرم الٰہی نے مسکین لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ وہ اکرم کو کوئی جواب دیے بغیر خود ہمارے ساتھ ہولیا۔

"تم دونوں ہم زبان ہوجاتے ہو تو فتنے بیدار ہونے لگتے ہیں۔" اول خان نے لفٹ میں سوار ہوکر ہنستے ہوئے کہا "تم نے اسے خلجان میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ بہت مضطرب ہے۔"

"اس کی باتوں پر غور کروگے تو تم بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاؤ گے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اتنا معصوم نہیں ہے' جتنا خود کو ظاہر کررہا ہے۔"

لفٹ گراؤنڈ فلور پر پہنچی تو ہم پانچوں باہر نکل گئے۔ ویرا پچھلا دروازہ کھول کر غزالہ اور سلطان شاہ کو اندر لاچکی تھی۔ اس نے... گچھے میں سے دو لمبی چابیاں استعمال کرکے وہ عمل دہرایا اور ہم باہر نکل گئے۔

توحید کرشل کا خاصا بڑا حصہ اس وقت بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے باعث وہ واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا اور گلیوں میں نظر آنے والی بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ سلطان شاہ اپنی کار کو اطمینان سے سڑک پر لیتا ہوا چلا گیا۔ مین روڈ پر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے پہلا سوال داغ دیا۔

وہ دونوں عمارت میں ہونے والی پیش رفت میں شریک نہیں تھے اس لیے ان کے پاس سوالات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا۔ میں' ویرا کے ساتھ مل کر ان دونوں کو جواب دیتا رہا۔ یوں توحید کرشل سے گلشن اقبال تک کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

باتوں کے دوران میں ہم میں سے کوئی بھی تعاقب کے امکان سے غافل نہیں تھا مگر شہر کی بعض ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا کہ ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔

○☆○

اگلے روز میں کافی دن چڑھے بیدار ہوا۔ اس جبری بیداری میں اول خان کے فون اور غزالہ کی کوششوں کا دخل تھا۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے ریسیور کان سے لگالیا۔

اول خان نے میری غنودہ آواز سے صحیح اندازہ لگا کر کچھ دیر بعد فون کرنے کی پیش کش کی مگر میں نے اسی وقت بات کرنے پر اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ مائیکرو آٹوز میں مقبول کے نوجوان معاو
سے نرگس کا پتا معلوم ہوگیا تھا۔ اس بارے میں وہ ذاتی طور پر کو
کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ اسے اسپیشل ٹاسک فورس
اسٹیشن کمانڈروں کے اجلاس میں شرکت کے لیے فوری طور
پشاور طلب کرلیا گیا تھا۔

اس نے نرگس کا پتا نوٹ کرانے کے بعد بتایا کہ اس کے
آدمی اکرم الٰہی کی مسلسل نگرانی پر مامور تھے۔ اس نے حامد
ہدایت کردی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے موصول ہونے وا
رپورٹ فون پر مجھ تک پہنچاتا رہے اور مجھے کوئی ضرورت پیش
آجائے تو عملی امداد فراہم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے۔

"تم بہت غلط وقت پر پشاور جارہے ہو۔ اسٹیشن کمانڈروں
اجلاس کے بارے میں' میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔" میں
اس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد کہا۔

"ایسے اجلاس بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے رہتے ہیں۔ م
کوشش کروں گا کہ وہاں سے فارغ ہوتے ہی کراچی لوٹ آؤں
حامد تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"نرگس کا پتا اکرم الٰہی کے علم میں آگیا ہوگا؟" میں نے سوا
کیا۔

"اسے بھنک بھی نہیں ملی جب سے تم نے اس پر شکو
وشبہات کا اظہار کیا ہے' میں محتاط ہوگیا ہوں۔"

"میں نے اس پر کسی شک و شبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ویرا
خیالات تھے۔ میں اکرم الٰہی کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ
جب کہ مقبول چوہدری کے جرائم ہمارے سامنے ہیں۔"

"داؤد سے کام لینے اور پھر اسے قتل کرادینے کے بعد مقبو
کی گردن پھنس چکی ہے۔ اکرم الٰہی کو چھتیس دنوں تک حبس بے
میں رکھ کر اس نے ایک اور جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کوئی شخ
کیسے ہی سنگین جرم میں کیوں نہ ملوث ہو' ریاستی قانون دو سر
شہریوں کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اسے اپنی نجی قید میں رکھیں۔"

"مقبول کی طرف سے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ ہم سب کو چو
کر نکل گیا۔"

"طور خان سمیت تینوں گن مین اور مقبول کا معاون ہما
تحویل میں ہیں۔ مائیکرو آٹوز کو بند کردیا گیا ہے۔ وہاں صرف ا
مستری بیٹھا ہوا ہے تاکہ وہ گیراج میں موجود چار گاڑیاں ان
مالکان کو واپس کرسکے۔ مقبول جو اکارڈ لے کر فرار ہوا۔ وہ بھی ا
گاہک کی ملکیت ہے۔"

میرے لیے وہ اطلاعات اطمینان بخش تھیں۔ اول خان پچ
رات کافی دیر سے واپس لوٹا تھا۔ قیدیوں کے علاوہ وہ فری
انٹرنیشنل کا مزید کچھ ریکارڈ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ صبح نو بجے
مائیکرو آٹوز کے عملے سے پوچھ گچھ کے لیے دوبارہ وہاں پہنچا تو ا
الٰہی اپنے بڑھے ہوئے بالوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چہرے کے بالوں میں سر سے بہت زیادہ سفیدی نمایاں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کلین شیو ہو کر نسبتاً کم عمر بن کر منظرِ عام پر آنے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

میں نے اسے بال ترشوانے سے صرف اس لیے روکا تھا کہ اسے اصل حالت میں متعلقہ حکام تک پہنچایا جاسکے۔ اس بارے میں میرے ذہن میں آئی بی کا ہی نام تھا۔ ایس ٹی ایف والے جن ملک دشمنوں کا حساب خود بے باق نہیں کرتے تھے' ان کو خاموشی سے متعلقہ محکموں کے حوالے کردیتے تھے۔ مقبول ان کی لسٹ پر آیا ہوا ایک مستند قاتل تھا جب کہ اکرم الٰہی کے مستقبل کا معاملہ التوا میں چلا گیا تھا۔

تین بجے حامد کا فون آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکرم الٰہی کی ملکیتی بلڈنگ اس علاقے میں اپنے نمبر سے زیادہ مائیکرو سینٹر کے مفروضہ نام سے مشہور تھی۔ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اکرم الٰہی بلڈنگ ہی میں مقیم تھا مگر اس نے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ علاقہ بدستور بجلی سے محروم تھا۔ کے ای ایس سی والے جاں فشانی سے جلے ہوئے پی ایم ٹی کی تبدیلی میں مصروف تھے۔ مائیکرو سینٹر کا جنریٹر بند ہوچکا تھا۔ شاید مسلسل استعمال کی وجہ سے اس میں ڈیزل ختم ہوچکا تھا اور وہاں اکرم کی مدد کے لیے کوئی ملازم نہیں تھا جو جنریٹر کا خالی پیٹ بھرنے کا بندوبست کرسکے۔

حامد کو اس عمارت سے نکاس کے دونوں راستوں کا علم تھا۔ مقبول چوہدری نے پچھلی رات اس کی موجودگی میں ہمیں جل دے کر وہاں سے فرار کی خفیہ راہ اختیار کی تھی۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ اس کے دونوں آدمی کاٹھ کے اُلّوؤں کی طرح وہاں ڈیوٹی دیتے رہ گئے ہوں اور اکرم الٰہی ان کی بے خبری میں وہاں سے نکل گیا ہو مگر پھر بھی میں نے اپنا شبہ دور کرنا ضروری سمجھا اور حامد سے بات ختم ہونے کے بعد اکرم الٰہی کا رہائشی فون نمبر ملالیا۔

تین گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید میرا اندیشہ درست تھا مگر چوتھی گھنٹی ختم ہوتے ہی مجھے ریسیور پر اکرم الٰہی کی محتاط آواز سنائی دی۔ اس نے اپنا نام بتائے بغیر صرف ہیلو کہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ کافی دیر سے گھنٹیاں بج رہی تھیں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! یہ تم ہو۔" ادھر سے اطمینان کے ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا گیا "میں تذبذب میں تھا کہ یہ کال سنوں یا نہ سنوں۔ بس اب یہ طے ہوگیا کہ میں چار گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاؤں گا۔ لوگ عام طور پر اتنے لمبے انتظار کی زحمت کیے بغیر فون بند کردیتے ہیں۔ چوتھی گھنٹی پر میں سمجھ لوں گا کہ تم میں سے کوئی لائن پر ہے.... ہمارے درمیان اتنی مفاہمت ہونے کے باوجود یہ بات بہت عجیب ہے کہ میں تمہارے نام تک سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم مجھے مظہر کہہ سکتے ہو۔" اس کی تشفی کے لیے میں نے کہہ دیا پھر پوچھا "تم وہاں سکون سے رہ رہے ہو؟ کسی نے تمہیں پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"ابھی میں اپنی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ چھت پر کسی نے میرے قیمتی اور بہترین تربیت یافتہ واچ ڈاگز کی جوڑی کو وارٹ شاٹس کے ذریعے ہلاک کردیا ہے۔ مجھے ان پر بہت ناز تھا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "جب انسانی سروں پر تلوار لٹک رہی ہو تو کتوں کے لیے رونا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔ انہیں بھول جاؤ۔ وہ زندہ رہتے تو شاید تم قید ہی میں سسک سسک کر مرجاتے۔"

"انہیں تم نے مارا تھا؟" اس کا وہ تحیرزدہ سوال بے ساختہ تھا۔

"کسی نہ کسی نے مارا ہی ہوگا ورنہ وہ زندہ ہوتے۔" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

"کتے مارے گئے' طور خان بھی نہیں ہے۔ میں خود کو پنجرے میں قید ایک وحشی بن مانس سمجھ رہا ہوں۔ کوئی ہرج نہ ہو تو میں اپنا حلیہ درست کرلوں تاکہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہوسکوں۔"

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس مقبول چوہدری کی طرح غائب نہ ہوجانا۔" میں نے اپنی بات پوری کرکے فون بند کردیا۔ اس کال کے ذریعے میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش بھی کرڈالی تھی کہ اس کی نگرانی نہیں ہورہی تھی۔ اپنی نقل و حرکت کے بارے میں وہ پوری طرح آزاد تھا۔

"تم بلاوجہ ان دونوں پر وقت برباد کررہے ہو۔" ویرا نے وہ گفتگو سن کر رکھائی سے کہا "میری مانو تو مقبول اور اکرم کی گردنیں اتارلو۔ یہ دونوں موذی ہیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں گے۔"

"تم بہت سفاک بلکہ خون آشام ہوگئی ہو۔ انسانوں کو یوں چیونٹیوں کی طرح بلاوجہ نہیں مسلا جاسکتا۔"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم اپنی راہ سے بھٹک کر ماموں اور بھانجے کے ذاتی تنازعے میں الجھ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے بالکل ہی مختلف رائے قائم کی ہوئی تھی۔

"وہ ایک ضمنی معاملہ ہے ورنہ فریڈم انٹرنیشنل اور امریکی ایجنٹوں کے درمیان قریبی تعاون کے کھلے ثبوت مل چکے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بار انہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی آڑلی ہوئی ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کی۔

"تم امریکی ہو اس لیے کچھ بھی کہہ سکتی ہو ورنہ ہم لوگ کسی ادارے پر الزام تراشی کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ محض اکرم الٰہی جیسے شخص کے بیان اور مقبول کی سرگرمیوں کی بنا پر کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری رائے میں یہ سلسلہ کچھ طول پکڑے گا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا "ہم سے کوئی غلطی نہ ہوئی تو یہ کھیل اگلے چند روز میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہر مخفی کا چہرہ بے نقاب ہو جائے گا۔"

"مجھے یہ معاملہ بہت گہرا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پاکستان میں امریکی ہر محاذ پر بری طرح پٹ رہے ہیں ..... انہیں جان و مال کے خطرے نظر آرہے ہیں۔ رابن مائر والے قصے کے بعد انہیں سفارتی اور اخلاقی محاذ پر ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ اب وہ خود پسپا ہو کر پاکستانیوں پر سرمایہ کاری کرنے کے موڈ میں آچکے ہیں۔ پتا نہیں فریڈم انٹرنیشنل جیسے کتنے این جی اوز ان کے جال میں پھنسنے والے ہوں...."

"وہ تمہارے گھر کو گھر کے چراغوں سے پھونک دینا چاہتے ہیں۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہی اصل اندیشہ ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "غیر ملکی میدان میں الگ سے پہچانے اور پھر گھیر لیے جاتے ہیں۔ مقامیوں کے خلاف اس طرح کھل کر کارروائیاں نہیں کی جاسکتیں۔ ہم نے اپنے طور پر کام کرنا چاہا تو اول خان کو ہم سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔"

اس کلیدی نکتے پر ہم چاروں دیر تک سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

میں پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کے تحت پانچ بجے گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ شریف آباد میں نرگس کے گھر کا جائزہ لینے کا تھا اور موقع مل جاتا تو وہاں کچھ کام بھی کیا جاسکتا تھا۔

میری معلومات کے مطابق شریف آباد، لیاقت آباد سے آگے، داہنے ہاتھ پر آباد، فیڈرل بی ایریا کی پہلی متوسط آبادی تھی۔ جہاں گنجان آبادی ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے واقف ہونے پر مجبور تھے۔ تھوڑا سا وقت صرف کر کے میں نرگس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال سکتا تھا۔

میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے ہوتا ہوا ذرا سی دیر میں شریف آباد کی صاف ستھری اور تعلیم یافتہ آبادی میں داخل ہو گیا۔ میں نے ایک جنرل اسٹور والے سے اس پتے کے بارے میں دریافت کیا تو مکان نمبر دیکھتے ہی وہ بولا "آپ نسرین باجی سے ملنے آئے ہیں۔" میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔

اس کے بتائے ہوئے راستے میں اتنے موڑ تھے کہ کچھ آگے جانے کے بعد مجھے بھٹکنے کا احساس ہوا۔ میں نے گاڑی روک کر ایک دکان دار سے سوال کیا تو وہ بھی پتا دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ میں نسرین باجی کا مہمان تھا اور پھر اس نے مجھے راستہ سمجھا دیا۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے میرے ذہن میں نسرین باجی کے بارے میں تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس علاقے میں دور تک مشہور تھی اور اس کا پتا بیشتر دکان داروں کو ازبر تھا۔

تیسری جگہ میں بلا ضرورت رک گیا۔ اس مرتبہ بھی میرا تجربہ مختلف نہیں رہا۔ اسٹیٹ ایجنسی والے نے ذو معنی انداز میں پتے سے واقفیت ظاہر کر کے نسرین باجی کے گھر کی نشان دہی کی تھی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک خاتون کا اپنے علاقے میں یوں دور دور تک مشہور ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ آبادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اسے ایک نام سے جانتے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی نے اس بات پر حیرت ظاہر نہیں کی تھی کہ ایک اجنبی، نسرین باجی کا گھر کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

مجھے وہ پتا نرگس کے حوالے سے ملا تھا مگر وہاں نسرین نامی کوئی خاتون رہتی تھی۔ پتا نہیں ان دونوں میں کیا تعلق تھا۔ وہ نرگس کی ماں، بہن، بھاوج یا کچھ بھی ہو سکتی تھی۔

میں نے پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس گلی کے تمام مکانات کی چوڑائی یکساں تھی لیکن قطار کے سرے پر واقع نسرین باجی کے گھر کی چوڑائی دگنی تھی۔ میں نے سست رفتاری کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے پھاٹک کی جھری پر نگاہ ڈالی تو اندر اکا دکا تو کیا، کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آسکی۔ گلی میں، دیوار کے سہارے ایک سوزوکی خیبر ضرور کھڑی ہوئی تھی۔

اکرم الٰہی نے بہت وثوق سے دعویٰ کیا تھا کہ مقبول چوہدری فرار کے بعد نرگس کے گھر پر ہی پناہ لے گا مگر میں اس دعوے سے متفق نہیں تھا۔ خطرات میں گھر جانے کے بعد کوئی عام آدمی بھی ایسے ٹھکانے کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرتا جہاں اس کے پائے جانے کے امکانات دوسروں اور خاص طور پر کسی دشمن کے علم میں ہوں۔

میں وہاں صرف اس ارادے سے پہنچا تھا کہ نرگس سے مقبول کے بارے میں کوئی خبر نکال سکوں۔ نسرین باجی کی شہرت کی وجہ سے مجھے اپنے ارادے میں کامیابی ہوتی نظر آرہی تھی۔

اس مکان کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پوری آبادی کا ایک چکر لگایا اور یوں کچھ وقت گزار کر دوبارہ وہاں پہنچا۔ اس وقت تک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی خیبر جا چکی تھی۔ میں نے اس خالی جگہ میں اپنی گاڑی کھڑی کر دی۔

دل ہی دل میں تیاری کرتے ہوئے میں نے گاڑی لاک کر کے ستون پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مکان کے اندرونی حصے میں بجنے والی گھنٹی کی مترنم آواز میرے کانوں میں آئی۔ مختصر سے انتظار کے بعد پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

ایک بنی سنوری اور خوب رو لڑکی کو اپنے روبرو پا کر میں چند لمحوں کے لیے سٹپٹایا مگر پھر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا "میں نسرین باجی سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے اس کے کسی سوال سے پہلے کہہ ڈالا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اندر آجایئے۔" لڑکی نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر داخل ہونے کا راستہ دے دیا۔

دہرے پلاٹ پر بنا ہوا وہ مکان کافی کشادہ تھا۔ میرا استقبال کرنے والی لڑکی نے معذرت کی کہ ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ایک چھوٹے اور آراستہ کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مجھے مکان کے اندرونی حصے میں سرے سے پیر تک تیار ایک اور لڑکی گزرتی ہوئی نظر آئی۔

مسہری اور مختصر صوفوں سے مزین' اس کمرے میں بیٹھنے کے بعد میری میزبان نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ زبان کھولی "میرا نام نیا ہے.... آپ کو کس نے بھیجا ہے؟"

اس گھر میں رہنے والی بلکہ نظر آنے والی دونوں لڑکیوں میں مجھے خانہ داری کے جوہر کا شدید قحط محسوس ہوا تھا ورنہ عام گھروں میں لڑکیاں یوں ہر وقت تک سک سے تیار ہو کر نہیں رہتیں۔ اس مشاہدے کی بنا پر نسرین باجی کی شہرت کے بارے میں میرے شبہات راسخ ہو گئے۔

"اس وقت تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی اوباشانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ عرصے پہلے جاوید نے نسرین باجی کا ذکر کیا تھا۔ آج دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آیا۔"

"اچھا! نیا نے میرے بہانے کو بلا عذر تسلیم کر لیا "وہی جاوید جو پلازا پر آٹو پارلر کا کام کرتے ہیں۔"

"شاید وہی ہو۔ میں یار کی یاری سے مطلب رکھتا ہوں۔ اس کے کام دھندے کی پروا نہیں کرتا۔"

"آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔" وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے بولی "میرے ساتھ بیٹھیں گے یا کسی اور سے بھی ملنا پسند کریں گے۔ اس وقت میری دو سہیلیاں بھی یہاں موجود ہیں۔"

"ان میں سے کسی کا نام نرگس بھی ہے؟" میں نے نظریں ترچھی کر کے دھیرے سے پوچھا۔

"نرگس گئی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ ٹینا اور ماریا موجود ہیں۔ بلاؤں انہیں؟"

"میری میزبانی تم نے کی ہے۔ میں کسی اور کو بلا کر تمہاری دل آزاری نہیں کروں گا۔"

"شکریہ!" وہ پلکیں جھپکا کے بولی "ہمارے ساتھ تو روز یہ ہوتا رہتا ہے۔ باجی کی تربیت یہ ہے کہ ہمیں مہمان کی مرضی' پسند اور خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

میں نے اس کی دل جوئی کے لیے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ بھڑک کر مجھ سے ذرا دور سرک گئی۔

"نہیں ..... یہ باجی کے اصول کے خلاف ہے۔ پہلے پندرہ سو روپے دے دیں پھر میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہوں گی۔ چاہیں گے تو بوتل بھی آجائے گی۔ پندرہ سو اس کے ہوں گے۔"

"یہ ظلم ہے۔" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "تمہاری وقعت ایک بوتل سے بہت زیادہ ہے۔"

"یہ آپ کی مرضی ہے۔ جو دیں گے' سلام کر کے قبول کر لوں گی۔" اس کے چہرے پر پہلی نظر پڑنے کے بعد میں تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ وہ اس قدر بے حجابی سے سارے معاملات از خود طے کر لیتی ہوگی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے ٹینا اور ماریا کو بلانے سے انکار کر کے نیا کے دل کے کسی گوشے میں ذرا سی جگہ پیدا کر لی تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر شاید میں کام کی کوئی بات معلوم کر سکتا تھا۔

میں نے اسے دو ہزار روپے دیتے ہوئے یہ بات جتا دی کہ اس میں پانچ سو روپے صرف اور صرف اس کے تھے۔ اس نے میرے قریب ہو کر مجھے سلام کیا' پانچ سو کا ایک سبز نوٹ اپنے بلاؤز میں اڑسا اور ایک منٹ کی اجازت لے کر کمرے سے نکل گئی۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

چند منٹ بعد وہ آئی اور مجھے وہاں سے اٹھا کر ایک اندرونی خواب گاہ میں لے گئی جو پہلے کمرے سے زیادہ کشادہ' آراستہ اور خوشبودار تھی "پانچ سو روپے اس کمرے کے ہوں گے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

دو ہزار روپے سے محرومی کے بعد نیا کی وہ نئی شرط میرے لیے بہت ناگوار ثابت ہوئی مگر میں اس وقت نرگس کے گھر میں موجود تھا اس لیے اپنے غصے کو پی گیا۔ میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر میں تمہیں لے کر ڈرائیونگ پر جانا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"بالکل نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولی "یہاں ایسے دلیر مہمان بہت کم آتے ہیں۔ ہمارے ساتھ باہر نکلنے میں ہر ایک کو اپنی عزت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"بے وقوف ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس چار دیواری میں قدم رکھتے ہی اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ آدمی کی اصل عزت وہ ہوتی ہے جو خود اس کے دل میں' اپنے لیے ہوتی ہے۔"

"ایک بات بتا دوں۔ تم رات بھر بھی مجھے شہر میں گھماتے رہو تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔" معاملات طے ہوتے ہی وہ آپ جناب سے تم پر آگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آخر میں تمہیں پھر یہیں آنا پڑے گا۔ باجی اپنی لڑکیوں کو کسی ہوٹل میں نہیں جانے دیتیں۔ وہاں آئے دن پولیس کی پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی ہے۔"

"فائیو اسٹار ہوٹلوں میں پولیس قدم تک نہیں رکھتی۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

"وہ ہنس پڑی "پانچ ہزار کے کمرے میں راتیں گزارنے والے پندرہ سو میں ہمیں نہیں لے جاتے۔ ان کے کام دوسرے ہوتے ہیں۔ تم ان میں سے معلوم نہیں ہوتے.... وہ اپنا بندوبست فون پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر لیتے ہیں۔"

میں نے اپنی مرضی سے اسے پانچ سو روپے فاضل ادا کر دیے تھے مگر مجھے بے وقوف بن کر پانچ روپے لٹانا بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے اس پر واضح کر دیا کہ کمرے کی ضرورت ہوئی تو واپسی پر کچھ طے کر لیا جائے گا۔

اس نے میری بات سے نہ جانے کیا مفہوم نکالا کہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ وہ بے باک ضرور تھی مگر بد تمیز نہیں تھی۔ اپنی ہنسی پر قابو پا کر جلد ہی میرے ساتھ ہو لی۔

اس وقت سورج اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا' فضا میں ہر طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ گھر سے باہر نکل کر میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تو میں اس پر ترس کھائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خوب صورت اور کم عمر تھی۔ نہ جانے کن مجبوریوں کے تحت گناہوں کی اس بھیانک دلدل میں اتری ہوئی تھی۔

یہ اس پیشے کا عالمی اصول ہے کہ پہلی ملاقات پر لڑکی کا ماضی کریدنے کی فطری کوشش کی جائے تو وہ ہمیشہ اپنی مظلومیت اور بے چارگی کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اسلوب اختیار کرتی ہے۔

میں نے گفتگو کی ابتدا اس کے مختصر سے نام سے کی تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ اس کا فرضی نام تھا۔ گھر یار کی عزت کے لیے وہ اور اس جیسی ہر لڑکی اپنا اصل نام چھپاتی تھی۔

وہ ایک غریب گھرانے کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ چند برس پہلے' باپ کے انتقال کے بعد ماں' تین چھوٹی بہنوں اور سب سے چھوٹے بھائی کی کفالت کا بوجھ سر پر پڑا تو وہ گھر سے ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ وہ خوش رو اور خوش گفتار تھی' انٹر پاس تھی۔ اسے آسانی سے ملازمت مل گئی مگر دو سرے ہی ہفتے اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا باس اس سے دفتری کاموں کے ساتھ کچھ ذاتی کام بھی لینا چاہتا تھا۔ اپنے شان دار دفتر کی خلوت میں اس نے نیا کو شان دار مستقبل کے خواب دکھا کر اپنے چنگل میں لینا چاہا تو وہ خوف زدہ ہو کر اس کے دفتر سے بھاگ نکلی۔

اس نے وہاں سے اپنے دس پندرہ دن کے واجبات بھی نہیں لیے اور گھر لوٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

پہلے بھیانک تجربے کے کئی روز بعد اس نے دو سری کوشش کی۔ تیسری تنخواہ کے ساتھ اسے ملازمت سے جواب مل گیا کیونکہ اس نے اپنے مالک کے سیکریٹری سے عشق لڑانے سے انکار کر دیا تھا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری نے اپنی ناکامی پر جھلا کر نیا کے خلاف' اپنے مالک کے ایسے کان بھرے کہ اس نے اپنے دفتر میں ایک طویل لکچر دے کر نوکری سے نکال دیا۔

وہ پے در پے کئی ناکام تجربات سے گزری۔ ہر بار اسے یہ سبق ملا کہ اس جیسی لڑکی صرف نوکری کر کے اپنے گھر والوں کا پیٹ نہیں پال سکتی۔ اسے کچھ نہ کچھ گندے سمجھوتے بھی کرنے پڑیں گے۔

اسی دوران میں اس کی نظروں سے ایک بیوٹی پارلر کا اشتہار گزرا۔ وہ انٹرویو کے لیے پہنچی تو نسرین باجی اپنی سہیلی کے بیوٹی پارلر میں موجود تھی۔ اس کے گھریلو حالات کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرنے کے بعد نسرین باجی نے کھل کر اسے بتا دیا کہ چھ ہزار روپے ماہانہ کے عوض کیا کرنا ہو گا۔

نیا کو نسرین باجی کی یہ ادا پسند آئی کہ وہ دوغلی نہیں تھی۔ جو چاہتی تھی' کھل کر بتا رہی تھی۔ دو سرے آجر پکے منافق ثابت ہوئے تھے۔ خشک اور معصوم بلکہ بارعب کاروباری چہروں کے پیچھے' کہیں نہ کہیں ہوس کا جال بچھائے بیٹھے تھے۔ کہتے کچھ تھے' چاہتے کچھ اور تھے۔

نیا نے سوچا کہ گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے یہی سب کرنا ہے تو پھر کیوں نہ باجی کے لیے کیا جائے۔ وہ اسے دگنی تنخواہ کی پیشکش کر رہی تھی۔ نیا نے گھر والوں کو بتایا کہ اسے شام سے رات تک کے لیے بیوٹی پارلر میں چھ ہزار کی نوکری مل گئی ہے تو بیوہ ماں کی آنکھیں ممتا کے نور سے چمک اٹھیں۔ اس کے ہاتھ بیٹی کی ترقی کی دعا کے لیے اٹھ گئے۔

واپسی میں دیر سویر کو نیا نے اپنی نئی نوکری کا معمول بتایا تھا۔ سب جانتے تھے کہ دلہنوں اور بیگمات کے میک اپ میں کتنا وقت لگتا ہے۔ شہر میں تقریبات دیر سے ہوتی ہیں' اس لیے "گاہک" دیر سے آتی ہیں اور ان کی تیاری میں نیا کو بھی دیر ہو جاتی ہے۔

تنخواہ کے علاوہ' وہ کبھی کبھار اوپر کی آمدنی کے دو چار سو اپنی ماں کے ہاتھ میں دینے لگی تو کسی کو کوئی فکر اور تشویش ہی نہ رہی۔ سب ان بیگمات اور دلہنوں کے حق میں دعائے خیر کرتے تھے جو نیا کا زیادہ وقت لیتی تھیں تو اسے دل کھول کر انعام بھی دیتی تھیں۔

اس کام میں باجی کی بیوٹی پارلر والی سہیلی بھی کسی نہ کسی حد تک شریک تھی۔ کسی بھی لڑکی کے لیے گھر بار سے فون آتا تو وہ بہانا کر دیتی کہ مطلوبہ لڑکی کہیں خضاب یا مہندی لگانے گئی ہوئی ہے۔ فون پر باجی کے ذریعے لڑکی کو پیغام ملتا تو وہ اپنے گھر فون کر لیتی۔ یوں ہر ایک کا بھرم رہ جاتا تھا۔

میں اس کہانی کے دوران میں نیا سے ہمدردی بھی ظاہر کرتا رہا۔ میں اس کی ذہنی رو کو ایسی راہ پر ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کو فراموش کر کے مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ محسوس کرنے لگے۔

مختلف علاقوں کی سیر کرتے ہوئے ہم شام کو کلفٹن کے ساحل پر پہنچے تو بہت دور' سورج کا قرمزی اور نارنجی گولا دھیرے دھیرے آسمان اور پانی کی چھوتی ہوئی لکیر سے نیچے ڈوب رہا تھا۔

"ساحل پر سورج ڈوبنے کا منظر کس قدر حسین ہوتا ہے!" نیا جذباتی لہجے میں بولی۔

"یہاں سورج واقعی ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے۔ شہر میں تو یہ صرف غروب ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے میری ساری رام کہانی سن لی۔ اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ نا!" کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد نیا نے میرا بازو بھینچ کر مجھ سے مطالبہ کیا۔

"مجھے میرے پارٹنر نے کئی لاکھ روپے کی چوٹ دی ہے۔" میں نے اداسی سے کہا "اور اب وہ غائب ہے۔ بس' وہی غم غلط کرنے کے لیے میں آج تمہاری طرف آیا تھا۔ نرگس ہوتی تو وہ میرے زخموں پر کچھ مرہم رکھ سکتی تھی۔"

"نرگس! تم نے دوسری بار اس کا نام لیا ہے۔ کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ میرا دغاباز پارٹنر نرگس پر بری طرح مرتا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارے پارٹنر کا؟" نیا چالاک تھی مگر تجربے کار نہیں تھی' تجسس میں مبتلا ہوگئی "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہیں جاوید نے باجی کا نام اور پتا دیا تھا۔"

میرا جی چاہا کہ اس کا منہ بند کردوں۔ نسرین نے باجی جیسے مقدس رشتے کو بری طرح پامال کیا ہوا تھا۔ وہ عورت باجی نہیں' باجی کہلانے کی مستحق تھی مگر میں نے ضبط سے کام لیا اور مضمحل سی آواز میں نیا کو بتایا "یہ اتفاق ہے کہ جاوید اور مقبول' دونوں تمہاری باجی کی ڈیوڑھی کے غلام ہیں...."

"اوہو.... تو مقبول نے تمہیں لاکھوں کا دھوکا دیا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"تم مقبول کو جانتی ہو؟ اس کا پورا نام مقبول چوہدری ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ آتا رہتا تھا۔ پچھلے ہفتے سے غائب ہے۔" نیا کے لب ولہجے سے نفرت ابلی پڑ رہی تھی "وہ بہت مکار' خود غرض اور گھمنڈی ہے۔ باجی کو پیسے دے کر ہم لوگوں سے اپنا اور نرگس کا بدن دبواتا ہے۔ جب سے اس نے نرگس پر ہاتھ رکھا ہے' اس کمینی کے بھی نخرے ہوگئے ہیں۔ باجی نے اسے کام سے ہٹا دیا ہے اور اس کی جگہ نئی لڑکی رکھ لی ہے۔"

مقبول کے خلاف اس کی نفرت کا اندازہ ہوتے ہی میں اپنی نشست میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "نرگس کام نہیں کرتی تو آج کہاں گئی ہوئی تھی؟"

"وہ کہیں بھی نہیں گئی۔ میں نے تم سے بہانا کیا تھا۔ وہ پیچھے کے بڑے بیڈ روم میں مقبول کے زخموں کی مرہم پٹی کررہی تھی۔" نیا کا لہجہ تحقیر آمیز تھا "کسی نے اسے چار چوٹ کی مار ماری ہے۔ وہ کل رات سے باجی کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی اکارڈ باجی نے خود ایر پورٹ پر چھوڑی تھی۔"

نیا میرے مطلب کے موضوع پر آئی تو اس نے اپنی معلومات کا خزانہ لٹانا شروع کردیا۔ اکارڈ کے بارے میں اس کے اچھوتے انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"گاڑی ایر پورٹ پر کیوں چھوڑی؟ یہ باتیں تم مجھے اب بتا رہی ہو؟"

"وہ باجی کے پاس چھپا ہوا ہے۔ گاڑی وہاں سے ملے گی تو لوگ سوچیں گے کہ وہ جہاز سے کہیں اور چلا گیا ہے۔ باجی گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی سے واپس آئی تھیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ میں اس دھوکے باز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"رات کو وہ آیا تو تین لڑکیاں گھر میں مہمانوں کو بھگتا رہی تھیں۔ رات کی باتیں انہوں نے بتائیں اور اس لولے زخمی کو تو ہم خود دیکھ چکے ہیں۔ سب اس کی نوکرانیاں بنی ہوئی ہیں مگر باجی نے سب کو منع کردیا ہے کہ مقبول کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔"

"پھر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

میرے سوال پر وہ سٹپٹا گئی "تم.... تم ہی نے تو پوچھا تھا۔ تم اس کا نام نہ لیتے تو میں تمہیں ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں ہنس پڑا "اس نے تمہاری باجی کو اپنے زخموں کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"یہ نہیں معلوم.... لڑکیوں سے سنا ہے کہ کسی سے اس کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے چھپنے کے لیے باجی کے گھر آیا ہے۔ زخم بھر جائیں گے تو جاکر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "وہ کسی ہوٹل میں چلا جاتا۔"

"ہوٹل میں وہ تماشا بن جاتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس کا پورا منہ زخمی ہے اور ایک بازو پٹیوں میں بندھا ہوا ہے۔ ہوٹل والے ایسے آدمی کو کمرا کیسے دیتے؟"

"تم نے اپنی باجی کے حکم کی خلاف ورزی کرکے مجھے یہ سب باتیں بتائی ہیں۔ نسرین کو پتا چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گی۔" میں نے اسے پکا کرنے کے لیے کہا۔

"تم بتاؤ گے تو انہیں پتا چلے گا ورنہ انہیں کیا معلوم کہ ہم کیا باتیں کرتے رہے ہیں۔"

"اگر میں نسرین کو بتا دوں تو کیا ہوگا؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھے نوکری سے نکالتی ہے تو نکال دے۔ دو برسوں میں' میں نے بہت کام سیکھ لیا ہے۔ میں چل پھر کر اس سے زیادہ پیسے کما سکتی ہوں۔ یہاں بس ایک بھرم ہے کہ میں بیوٹی پارلر میں کام کرتی ہوں۔"

"دیکھو! مقبول نے میرا پیسا کھایا ہوا ہے اور تمہیں موقع بے موقع ذلیل کرتا رہتا ہے۔ تم ذرا سی ہمت کرو تو ہم دونوں مل کر اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ساحل کا منظر اس قدر حسین ہے۔ تم گاڑی کہاں لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جارہے ہو؟" نیا نے میری بات سنی اَن سنی کرکے احتجاج کیا "میں ابھی گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہیں گھر نہیں لے جارہا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم میری بات کا جواب دو۔"

"میں اس ذلیل آدمی سے بدلہ لے کر کیا کروں گی؟ خدا اسے خود ہی ذلیل اور خوار کررہا ہے پھر بھی باجی اسے اپنا داماد بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ پیسے پر جان دینے والی عورت ہے۔"

"داماد!" میں نے حیرت سے دہرایا "تو کیا نرگس، نسرین کی بیٹی ہے؟"

"نرگس اور ثریا اس کی بیٹیاں ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ باجی گندے بازار سے اٹھ کر شریفوں کی بستی میں آبسی ہے جب ہی اپنی بیٹیوں کو بھی کام پر لگایا ہوا ہے۔ جب سے نرگس نے مقبول پر ڈورے ڈالے ہیں، وہ روز نئے نمونوں کی بدتمیزیاں برداشت کرنے سے بچ گئی ہے۔"

نسرین کے بارے میں نیا کی رائے سے اختلاف کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہوتا تو وہ خود جو چاہتی، کرتی رہتی لیکن اپنی بیٹیوں کو غلط راستے پر نہ لگاتی۔ نیا اس سے ہزار درجے بہتر اور عظیم تھی کہ اپنے گھر کی عزت کی خاطر نام بدل کر وہ گندی نوکری کررہی تھی۔ جائز روزی کے حصول کے لیے اس کا ہر تجربہ ناکام ہوچکا تھا اور اس نے مجبوری کے عالم میں، محض اپنے گھر والوں کے لیے، نسرین کی نوکری قبول کی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ گھر جاکر نسرین کو ایک بات سمجھانی ہے کہ اب مقبول بالکل کنگال ہوچکا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ مقبول کو گھر سے نکال دے گی۔"

"وہ یقین ہی نہیں کرے گی۔" نیا نے پورے وثوق سے کہا۔ "وہ ابھی تک تلملا رہی ہے کہ مقبول نے ذرا سے ڈر کی وجہ سے اپنی لاکھوں کی گاڑی بلاوجہ ایرپورٹ بھجوا دی۔ وہ اسے اپنے استعمال کے لیے رکھنا چاہ رہی تھی۔ مقبول نے اسے ڈانٹ کر گاڑی لے جانے پر مجبور کیا تھا۔"

"تم ہمت کرو تو نسرین کیا، مقبول بھی تمہاری بات کو نہیں جھٹلا سکے گا۔" میں نے اصرار کیا "مقبول بالکل قلاش ہے۔ کل تک وہ اپنے ماموں کے مال پر عیش کررہا تھا، آج ماموں اس کی تلاش میں ہے...."

"کیا....؟" نیا کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہارا مطلب ہے کہ تم مقبول کے ماموں ہو۔"

"نہیں۔" میں نے جھلّا کر کہا "اس کا ماموں کوئی اور ہے۔ میری طرح وہ بھی اس کی تلاش میں ہے اور رات کو وہ چور کی طرح چھپتا چھپاتا جس گاڑی میں وہاں پہنچا تھا، وہ چوری کی تھی۔ کل تک یہ خبر اخباروں میں آجائے گی۔"

"پیسا ماموں کا تھا، گاڑی چوری کی تھی تو پھر اس نے نرگس پر لاکھوں روپے کیسے لٹا دیے....؟"

"وہ اپنے ماموں کے پیسے کو آگ لگا رہا تھا۔ اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوچکا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے سمجھانا چاہا۔

وہ اپنے جسم سے چھ ہزار روپے مہینہ کمانے والی ایک غریب لڑکی تھی، لاکھوں کا وہ ہیر پھیر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا "میں نسرین سے یہ سب کہہ دوں پھر تم اپنا مال واپس لینے کے لیے شریف آباد پر چڑھائی کردو گے؟" اس نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری باتیں سن کر مقبول خود وہاں سے بھاگ نکلے گا۔ نسرین کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں باہر اسے گھیر لوں گا۔ نسرین نے اپنی زبان بند رکھی تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"میں اسے کیا بتاؤں گی؟ وہ پوچھے گا کہ یہ ساری باتیں مجھے کس نے بتائی ہیں؟" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"وہ حواس باختہ ہوجائے گا، اسے تم سے کچھ پوچھنے کا ہوش نہیں رہے گا۔" میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے کہا "پوچھے تو کہہ دینا کہ نئے مہمان یا گاہک نے بتائی ہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ تم نے ابھی تک مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ کیا یہی سب بتانے کے لیے مجھے وہاں سے نکال کر کلفٹن لائے تھے؟" میرے ولاسے سے بھی اس کی تشفی نہیں ہوسکی۔

"اچھا ہوا کہ بے خبری میں ہم وہاں سے نکل آئے۔ نسرین کے گھر میں بیٹھے رہتے اور اچانک اس سے سامنا ہوجاتا تو وہاں بہت خون خرابا ہوتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے اور جھگڑا شروع ہوجاتا۔"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو....؟ میرے ہاتھ پیروں میں خوف سے اینٹھن ہورہی ہے۔ رک رک کر شروع سے بتاؤ کہ مجھے کیا کہنا اور کرنا ہے۔" نیا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے ایک بار پھر اسے اس کا رول سمجھانا شروع کردیا۔ وہ ہراس کے عالم میں پوری توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ کہیں لے چلو۔" پوری بات سن لینے کے بعد وہ پھر پھیل گئی "میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مقبول کو مجھ پر شبہ ہوگیا تو میں بے موت ماری جاؤں گی۔"

مجھے غصہ آگیا "تم ایسی کی تیسی میں جاؤ۔ میں تمہیں کہیں نہیں لے جاسکتا۔ گھر میں گھس کر اسے ماروں گا اور پھر جو کچھ ہوگا، اس کی ذمے دار تم ہوگی۔"

اس نے باقاعدہ رونا شروع کردیا اور مجھے گاڑی فوراً ہی ڈیفنس کی ایک سنسان گلی میں موڑنی پڑ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر تک میں دانت پر دانت جمائے دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جب اس کے سُرنہ نہ ہوئے تو میں نے گاڑی ایک خالی پلاٹ پر پڑے ہوئے کچرے کے ڈھیر پر چڑھا کر روک دی۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی۔ اس حرکت کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ وہ رونا بھول گئی "گاڑی یہاں کیوں روکی ہے؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"اب تمہارے حلق سے رونے کی منحوس آواز برآمد ہوئی تو تمہارا گلا دبا کر تمہیں یہیں پھینک دوں گا۔" میں نے خشک اور غصیلے لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"اب تو میں خاموش ہوں۔ گاڑی یہاں سے اتار لو۔ میں وہی کروں گی جو تم کہہ رہے ہو۔"

میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی ریورس کی اور دوبارہ سڑک پر آگیا۔

کچھ دیر تک خاموش رہ کر میں نے اپنا غصہ ضبط کیا پھر اسے حکم دیا "اب جلدی جلدی بتاتی چلی جاؤ کہ تمہیں نسرین سے کیا کیا کہنا ہے۔"

کچھ دیر پہلے تک وہ حماقت میں خود کر رہا تھا۔ میرے آنکھیں دکھانے پر اس نے اپنا آموختہ' بدلے ہوئے الفاظ میں دہرانا شروع کردیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میرا بتایا ہوا اصل متن اس کی ناکارہ کھوپڑی میں جم چکا تھا۔

میں نے چلتی کار میں موبائل فون کی میموری کی مدد سے گھر کا نمبر ملایا۔

فون پر سلطان شاہ موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی چہکنے لگا "شام سے تم کہاں غائب ہو۔ تمہاری طرف سے سب فکر مند ہیں۔ تم نے جاتے ہوئے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"میں اپنے اچھے بُرے کو خوب سمجھتا ہوں۔ کہیں آنے جانے کے لیے مجھے تمہاری یا کسی اور کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے نیا کا ردِعمل دیکھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا "میں دو ہزار روپے میں اس وقت ایک لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا ہوں۔ تم نے زیادہ بکواس کی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔"

"اوہ.... تم یہ سب کہے سنا رہے ہو؟ کیا واقعی تمہارا معیار اتنا پست ہوگیا ہے کہ بات چوبیس ہزار روپے درجن تک پہنچ گئی ہے؟" سلطان شاہ موقع کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔

"ہاں۔ میں اسی کا منہ توڑوں گا کیونکہ اس نے رو رو کر میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ مقبول اسی کی نائکہ کے گھر میں چھپا ہوا ہے اور یہ اسے میرے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہے۔"

"مبارک ہو!" سلطان شاہ وہ خبر سنتے ہی شاید خوشی سے اچھل پڑا "یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی آسانی سے اپنے گم شدہ ہدف کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"یہ شریف آباد جاکر اسے گھر سے نکالے گی اور میں اسے گھیر لوں گا۔ تم فوراً الاعظم کے نمکو سینٹر یا اسپتال کے پاس پہنچ جاؤ۔ کتوں والی مشین ضرور ساتھ لے آنا۔"

"ڈارٹ گن کے ساتھ شاید بلیو شاٹس کی ضرورت ہوگی۔" سلطان شاہ کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا "عورتوں کو تو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"فی الحال یہی ایک کافی ہے۔ تم پوری بات سمجھ گئے ہو۔" میں نے فون بند کردیا۔

"برا نہ مانو تو مجھے بھی بتا دو کہ تم کس سے بات کر رہے تھے۔" نیا نے ہولے سے کہا۔

"ایک دوست تھا۔ کارپوریشن میں کتے پکڑنے کا کام کرتا ہے۔ مقبول کو وہی پکڑے گا۔" اس بار میں نے نرمی سے جواب دیا۔ زیادہ تلخی کا مظاہرہ کرکے میں اسے بددل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم پولیس کو نہ بلالو۔ نسرین وردی والوں سے بہت ڈرتی ہے۔ اس سے ملنے کے لیے وہ لوگ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں۔"

"میں اپنے معاملے خود نمٹاتا ہوں۔ پولیس' تھانے سے کوئی مدد نہیں لیتا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ نسرین کے گھر کے پاس کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نیا نے التجا کی "وہاں ہم پانچ لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ وہ ٹھکانا بند ہوا تو پانچوں گھروں کے چولہے بجھ جائیں گے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس نوکری کی پروا نہیں ہے۔ تم خود بھی بہت کچھ سیکھ گئی ہو۔"

"شاید میں نے جوش میں کہہ دیا ہوگا۔ آج کل بے عزتی کے کاموں کے لیے بھی عزت دار ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہمارے سروں پر نسرین کا ہاتھ بھی ہے۔ اس سے ہمیں بہت زیادہ حوصلہ رہتا ہے۔"

میں چپ رہا۔ اس کے الفاظ نے میرے ذہن میں ایک طوفان سا برپا کردیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ اس کی زندگی کا سچا تجربہ تھا اس کے سوا سب کچھ جھوٹ تھا۔

"تم دوسرے مردوں کی طرح نہیں ہو۔ مجھے بہت اچھے لگے ہو۔" آخر نیا نے ہی وہ سکوت توڑا "دوسرے تو ہماری بوٹی بوٹی سے اپنی رقم کا معاوضہ وصول کرتے ہیں.... تم چپ کیوں ہوگئے ہو؟"

"مجبور اور بے بس لڑکیوں کے سامنے مجھے ایسی ہی چپ لگتی ہے' چالاک لومڑیوں کا شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔"

"تم سے بعد میں ملاقات ہوسکتی ہے؟" اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوجھل دل کے ساتھ اپنا موبائل فون نمبر بتایا جو اس نے گاڑی میں موجودہ قلم اور کاغذ کی مدد سے نوٹ کرلیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شریف آباد میں' میں نے نیا کو نسرین کے مکان سے دانستہ کچھ دور اتارا تاکہ اس کے گھر میں گھسنے سے پہلے میں سلطان شاہ کو لے کر وہاں پہنچ سکوں۔

اسے اتار کر میں آگے بڑھا تو اسپتال کی دیوار کے قریب سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔ اسے لے کر میں تیزی سے نسرین کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اور سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کردیا۔

میرے لیے دو نکات اہم تھے۔ اپنی گاڑی کو نیا کی نگاہوں سے بچانا اور نسرین کے مکان کے اگلے اور پچھلے راستوں پر بیک وقت نگاہ رکھنا۔ ان دونوں کا حل بہت سادہ تھا۔

نیا کو سامنے کے دروازے سے گھر میں داخل ہونا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو ادھر مامور کردیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ مقبول وہاں سے بھاگنے کے لیے پیچھے والی تنگ' کچی اور گندی گلی استعمال کرے گا۔ میں نے اپنی گاڑی اس طرح پارک کی کہ وہ نیم تاریک گلی میری نگاہوں میں رہے۔

نسرین کا گھر علاقے میں ویسے ہی بدنام تھا۔ قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے میری گاڑی اور سلطان شاہ کی مشتبہ موجودگی کو محسوس کرلیا ہو تب بھی کسی نے ہمارے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ننگ اور بدنام لوگوں سے شرفا کی کنارہ کشی نے معاشرتی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ہر برے آدمی کو یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ کہیں بھی پہنچ کر غنڈا گردی کرے' کوئی اسے روکنے کے لیے پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پورا معاملہ اس کے اور متاثرہ فریق کے درمیان ہی طے ہوگا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں فاصلے کے لحاظ سے حساب لگاتا رہا کہ نیا کب گھر میں داخل ہوئی ہوگی اور کب اس نے نسرین کو اعتماد میں لیا ہوگا۔

میری توقع سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا لیکن وہ انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ خاصے طویل وقفے کے بعد نسرین کے مکان کا پچھلا دروازہ کھلا' کسی دراز قامت مرد نے سر نکال کر دائیں بائیں دیکھا اور پھرتی سے گلی میں آکر میری مخالف سمت میں چل دیا۔ اس کی چال' قامت اور جسامت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقبول چوہدری ہی تھا۔

نسرین کا مکان کونے پر واقع تھا۔ گھر سے نکل کر وہ چند قدم چلتا اور گندی گلی سے باہر آجاتا مگر مقبول نے بالکل مخالف سمت اختیار کی تھی۔ وہ مکانوں کی ایک طویل قطار عبور کرکے ہی دوسری طرف نکل سکتا تھا۔

میں نے تیزی سے گاڑی گھمائی' سلطان شاہ غافل نہیں تھا۔ کسی غیر معمولی سرعت کا مظاہرہ کیے بغیر وہ مجھ سے آملا اور میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑلی۔

"وہ گندی گلی کے آخری سرے پر نمودار ہوگا۔ ڈارٹ گن تیار کرلو۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"اسے بہت لمبی گلی طے کرنی پڑے گی۔ تم مجھے پہلے سے وہاں اتار دو۔ پیدل رہ کر میں اسے آسانی سے اپنا نشانہ بنا سکوں گا۔ گاڑی میں بیٹھا رہا تو فاصلے اور ہوا کی وجہ سے نشانہ خطا ہوسکتا ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ بات تجربے پر مبنی تھی۔ مقبول نے آدھی گلی بھی طے نہیں کی ہوگی کہ میں نے سلطان شاہ کو آخر میں اتار کر گاڑی کو ذرا فاصلے پر کنارے سے لگا دیا۔

سلطان شاہ چہل قدمی کے انداز میں پتلی گلی کے سامنے سے گزرا اور مقبول کی پوزیشن کے مطابق چند قدم دور جاکر واپس ہولیا۔

اس کا اندازہ اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ ادھر مقبول لمبے لمبے ڈگ بھرتا' گلی سے نکل کر داہنی طرف مڑا اور ادھر سلطان شاہ اس سے چند قدم پیچھے پہنچا ہوا تھا۔ اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر سلطان شاہ نے جیب سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر ڈارٹ گن چلائی' مقبول چلتے چلتے لڑکھڑا کر اپنی جگہ پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے جسیم وجود کے گرنے کی آواز اتنی پرشور تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود افراد بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ کی ڈارٹ گن دوبارہ اس کی جیب میں غائب ہوچکی تھی۔ وہی مقبول چوہدری سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دوڑ کر فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔ دوسروں کو واقعے کے سرپیر کا کچھ علم نہیں تھا جب کہ مجھے ڈارٹ شاٹ کی فکر تھی۔ اندھیرے میں سلطان شاہ کے داہنے ہاتھ کی حرکت سے میں نے اندازہ کرلیا کہ قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' اس نے ڈارٹ کو مقبول کے بدن سے نکال کر کہیں اچھال دیا تھا۔

اس کے گرد مجمع لگتے ہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بڑھا کر ایسی جگہ پر لے گیا جہاں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے مقبول کو نہلا دیا تھا۔

اس پر روشنی پڑتے ہی سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں اور انہوں نے اس کے ساکت وجود کو اٹھاتے اٹھاتے زمین پر ڈال دیا۔

"اوہ! یہ تو پہلے سے بہت زیادہ زخمی ہے.... اس کا پورا چہرہ پرانی چوٹوں سے سوجا ہوا ہے۔ شاید ایک ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گر کر مرچکا ہے۔"

بھانت بھانت کے ان تبصروں میں سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز بھی شامل تھی۔ اپنی بناوٹی حیرت کا اظہار کرنے کے بعد اس نے دوسروں کو مخاطب کیا "اٹھاتے اٹھاتے اسے پھینک کیوں دیا؟ یہ زندہ ہے یا مردہ' اس بے چارے کو کسی اسپتال تو پہنچا دو۔ گاڑی بھی کھڑی ہے۔"

میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے بغیر انجن بند کیا اور ہینڈ بریک کھینچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"یار یہ چلتے چلتے گرا تھا۔ اپنی گاڑی میں اسے اسپتال چھوڑ دو گے؟" مقبول کے گرد جمع ہونے والوں میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔

"یار، مجھے جلدی ہے۔ اٹھا کر کسی بھی کلینک پر لے جاؤ۔" میں نے کہا۔

"کوئی نیا آدمی ہے۔ پتا نہیں کہاں سے آیا ہے۔ مجھے تو یہ پولیس کیس لگتا ہے۔" ایک آدمی یہ کہہ کر تیزی سے اپنی راہ ہولیا۔ کسی نے اسے ملامت نہیں کی۔

"بھائی، اسپتال پہنچا کر چلے جانا۔ تمہارا وقت انسانی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی سے میری خوشامد کی "آج کل تو لوگوں کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔"

"اچھا!" میں نے نیم دلی سے کہا "پھر جلدی اٹھاؤ اسے۔ وقت خراب مت کرو۔"

وہاں لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ چند افراد نے مقبول کو اٹھا کر میری گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالا۔ سلطان شاہ ہمدردانہ انداز میں اس کا سر گود میں لے کر اندر گھس چکا تھا۔

"ایک دو آدمی اور آجاؤ۔ اسپتال میں اسے اتارنا بھی ہوگا۔" میں نے دعوت دی۔

مجمع میں سے کوئی آگے نہیں آیا۔ کسی نے ہانک لگائی "وقت خراب مت کرو۔ تم دونوں ہی اسے لے جاؤ۔ اسپتال والے خود اتار لیں گے۔"

"لعنت ہو تم لوگوں کی بزدلی پر۔" گاڑی کا انجن بیدار ہونے پر سلطان شاہ کھڑکی میں سے غرایا "کل تم میں سے بھی کسی کو ایسی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

میں گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔ ہم مقبول چوہدری کو بھرے مجمع میں سے نکال لانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

پیچھے ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر سلطان شاہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "تیرے لیے سیٹ سے زیادہ پائیدان ہی اچھا ہے۔ میرے کپڑے بھی مٹی سے گندے کروا دیے مردود نے۔"

وہ چلتی گاڑی میں بندر کی سی پھرتی سے اچک کر میرے برابر والی نشست پر آگیا۔

"اب بتاؤ کہ تم نے اس کا کھوج کیسے نکال لیا۔" مشن پورا ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے جرح شروع کر دی "مجھے اندازہ نہیں تھا تم اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل جاؤ گے۔"

"ہم دونوں ہوتے تو گھوم گھام کر واپس لوٹ جاتے۔ یہ اس علاقے کے ایک بدنام اڈے میں چھپا ہوا تھا۔" میں نے اس کے بے تکے سوالات سے بچنے کے لیے خود ہی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔

"تو یوں کہو کہ نسرین باجی کی شیطان جیسی شہرت نے تمہیں کوئی فیصلہ کرنے میں مدد دی!" سلطان شاہ نے مختصر سی کہانی سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔

"بنیادی بات یہی تھی۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں مقبول کا سامنا کیے بغیر، نیا سمیت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہماری کامیابی میں نیا کا کردار بہت اہم ہے۔ گھر پہنچنے کے بعد وہ اپنا ارادہ بدل لیتی تو ہم ساری رات انتظار ہی میں سوکھتے رہتے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ خراب شہرت کے باوجود لوگ اپنے درمیان نسرین جیسی شیطان صفت عورت کا وجود برداشت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہاں جانے والوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔" وہ بولا۔

"یہ خرابیاں شرمناک ہیں مگر ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے جن تین افراد سے پتا معلوم کیا، وہ خود رنگین مزاج رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی نیک نفس ہوتا تو بے اعتنائی برت کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر سکتا تھا۔"

"اتنے بڑے شہر میں اتنی آسانی سے ایک مطلوب مجرم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ اب تم نے اسے پکڑ ہی لیا ہے تو کہاں لے جاؤ گے؟"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"گھر لے گئے تو یہ شور شرابا یا ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "بہتر یہی ہے کہ اسے صدف مینشن پہنچا دو۔ آئی بی والوں نے تمہیں اس عمارت کے استعمال کی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"آئی بی والوں کو خوشی ہوگی کہ ہم اپنا قیدی صدف مینشن میں لے جائیں مگر پھر یہ ان کا کیس بن جائے گا۔ وہ ابھی تک پنڈت منوہر لال کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"ان سے مل بیٹھنے کے بعد ہمیں ان کے ضابطوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔" سلطان شاہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑایا "ہم اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے۔"

"ہم من مانی ہرگز نہیں کرتے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "ہم خدائی فوج دار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے ضمیر کے مطابق بہترین فیصلے کرتے ہیں اور ان پر عمل کر گزرتے ہیں۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ اس معاملے میں ہماری آزادیاں سلب ہو جائیں گی۔"

"تم اسٹیشن فور کو کیوں بھول رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اول خان پشاور گیا ہوا ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ "وہ ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔"

"یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "حامد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمیت ایس ٹی ایف کے بیشتر افسران ہم سے واقف ہیں اور ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔ مقبول چوہدری ان ہی کی تحویل میں بہتر رہے گا۔"

سلطان شاہ اپنی بغلیں جھانک کر رہ گیا پھر کھسیائے ہوئے انداز میں بولا "تم میرا امتحان لے رہے تھے؟"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے۔ پتا نہیں تم ہر وقت سہاروں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو۔"

اس وقت ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے گزرنے والے تھے۔ وہ جلدی سے بول پڑا "گاڑی گھر کی طرف سے نکال لو۔ ان دونوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اس وقت تمہارا دماغ ماؤف معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں فکر ہوتی تو اب تک کئی فون آ چکے ہوتے۔"

"وہ فون نہیں کریں گی۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی غلط موقع پر بجنے لگے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔" اس کی وضاحت کچھ زیادہ ہی بودی تھی۔ وہ بھول رہا تھا کہ موبائل فون بند کر کے غلط موقع پر کسی کی مداخلت کے خطرے کو میں خود ہی دور کر سکتا تھا۔

"ادھر جانے کی ضرورت نہیں، فون پر انہیں بتا دو۔" میں نے موبائل فون اسے دے دیا۔

حسن اسکوائر سے ہم یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے۔ وہ اسٹیشن فوراً تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ تھا۔

میں ڈرائیونگ میں مصروف رہا۔ سلطان شاہ فون پر ویرا سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا ایک سیلاب رواں تھا۔ راستے میں دو مقامات پر پولیس کی گاڑیاں نظر آئیں لیکن پُرہجوم ٹریفک کی.....روانی میں خلل کے خطرے کی وجہ سے پولیس کے جوان گاڑیوں کی دیکھ بھال پر زیادہ دھیان نہیں دے رہے تھے۔ میں ویسے بھی سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر گاڑی چلانے کا عادی ہوں اس لیے ہم کسی روک ٹوک کے بغیر سفر طے کرتے چلے گئے لیکن چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ہماری گاڑی روک لی گئی۔

ملٹری پولیس کے سنتری نے عقبی نشست کے پائیدان میں مقبول چوہدری کے ٹھٹھرے ہوئے وجود کی جھلک دیکھتے ہی اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر ہم پر تان لیا۔ اس کی ہینڈز اپ کی للکار سنتے ہی چوکی پر کھلبلی مچ گئی۔ سب نے میگزین لوڈ کر کے اپنی گنیں سیدھی کیں اور ہماری گاڑی کو نشانے پر لے لیا۔

ہم دونوں اپنے اپنے دروازے کھول کر، ہاتھ اٹھائے گاڑی سے اتر آئے۔

"ہم اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے بتایا۔

کسی نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ کئی آہنی نالیں بیک وقت ہمارے جسموں سے آ لگیں اور پھر چیک پوسٹ کے انچارج نے ہماری جامہ تلاشی لے کر بھانت بھانت کے کئی ہتھیار اپنی تحویل میں لے لیے۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر دفتر میں آؤ۔" افسر نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

"تمہاری شناخت!" دفتر میں پہنچ کر اس نے مطالبہ کیا مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ کرنل جمال دستی کے نام پر بنا ہوا شناختی کارڈ گھر پر ہی محفوظ تھا۔

"ہم سویلین ہیں۔ تم فون پر ایس ٹی ایف کے کسی افسر سے بات کر سکتے ہو۔"

اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا پھر سرد لہجے میں پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"

میں چند لمحوں کے لیے تذبذب میں پڑ گیا۔ اس وقت ہم بہت خراب پوزیشن میں تھے۔ میں کوئی فرضی نام لیتا تو حامد اس کی تصدیق نہ کرتا۔ چیک پوسٹ والوں کا رویہ فوراً جارحانہ ہو جاتا۔ وہ لوگ ہمارے خلاف خطرناک کمانڈو ایکشن کر کے چند لمحوں میں مجروح اور بے بس کر سکتے تھے۔

"ڈینی!" میں نے دھیرے سے کہا۔

میرا نام سنتے ہی انچارج کے خشم ناک تیور اعتدال پر آئے اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں تحیر زدہ نظر آنے لگے "سر! آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔" اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ماتحت عملے کے لیے ان الفاظ میں پیغام پوشیدہ تھا۔ میرے بدن سے لگی ہوئی تینوں آہنی نالیں الگ ہو گئیں اور میں نقاہت کے احساس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سر! ہم ڈسپلن سے مجبور ہیں۔" انچارج فون پر ایک نمبر ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ضروری شناخت کے بغیر ہم آپ کو اندر نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کی گاڑی میں ایک زندہ یا مردہ بندہ بھی ہے۔"

اس کا نمبر مل گیا اور اس نے فوراً ہی میرے بارے میں بات شروع کر دی۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف حامد ہی موجود تھا۔

"سوری سر!" اس نے میری آواز پہچاننے کے بعد مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا "اب آپ ریسیور صوبیدار میجر کو دے دیں۔ یہ اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں۔"

فون پر شناخت ہوتے ہی ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ صوبیدار میجر نے ہمارے ہتھیار لوٹاتے ہوئے بہت تپاک سے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس نے میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا مگر میں نوٹ کر چکا تھا کہ میرا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ نام سنتے ہی اس کے تیوروں اور لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر حامد خود ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔

وہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں مقبول چوہدری کو ہماری تحویل میں دیکھ کر بے اعتباری سے سرہلا کر رہ گیا "رات کو یہ ہمارے سامنے بھاگا تھا اور اب اس حال میں ہے۔ ایسی کامیابیوں کے بارے میں بس سوچا جاسکتا ہے۔ ان کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔"

"اس کی گاڑی ایر پورٹ کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔" میں نے اسے بتایا "اسے آج ہی منگوالو۔ صبح کے اخباروں میں مائیکرو آٹوز سے چوری ہونے والی اس گاڑی کی بازیابی کی خبر ضرور آنی چاہیے۔ میرے انفارمر کے تحفظ کے لیے خبر میں گاڑی کا نمبر ضرور شامل ہونا چاہیے۔"

"سر!" حامد نے اپنی ایڑیاں بجا کر کہا "میں ابھی سنٹرل پولیس کنٹرول سے بات کرلوں گا۔"

"قیدی بہت سخت جان مگر زخمی ہے۔" میں نے اسے مقبول چوہدری کے بارے میں بریف کیا "اسے کل دوپہر تک اس حال کو پہنچا دو کہ یہ جھوٹ نہ بول سکے۔"

"مجھے علم ہے، سر!" وہ بدستور مؤدب تھا "یہ قاتل اور غدار ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسٹیشن فور کی قید، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ یہ خود بولنے لگے گا۔"

"میں کل فون کرکے خود یہاں آؤں گا۔ اس کے لیے مجھے کارڈ کی ضرورت ہوگی تاکہ ایم پی چیک پوسٹ پر کوئی دقت نہ ہو۔ قیدی نہ ہو تب بھی میں ہر وقت مسلح رہتا ہوں۔"

"سوری سر۔ شناختی کارڈ کے لیے صرف چیف کے پاس اتھارٹی ہے۔ وہ لوگ میرے دستخط نہیں مانیں گے۔ میں فون پر چیف کو آج کا واقعہ بتا دوں گا۔ وہ کوئی ایسا بندوبست کردیں گے کہ ان کی واپسی تک آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ آج کے واقعے پر میں شرمندہ ہوں۔ کل آپ فون کریں گے تو میں خود ملٹری پولیس والوں کے پاس پہنچ کر آپ کے آنے کا انتظار کروں گا۔"

اول خان سے پہلے خود اس نے میرا مسئلہ حل کردیا تھا۔ آمد کا پیغام ملنے پر وہ خود چیک پوسٹ پر پہنچ جانے کا وعدہ کررہا تھا تو مجھے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے ایما پر اس کے آدمی مقبول کو میری گاڑی سے نکال کر اس کی جیپ میں منتقل کررہے تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے مجھے اکرم الٰہی کے بارے میں رپورٹ دینی شروع کردی۔

اس عمارت میں موجود سات فون بند کیے جاچکے تھے۔ اکرم الٰہی کے زیر استعمال، دوسرے فلور کا فون کام کررہا تھا اور اس پر مسلسل آبزرویشن اور مانیٹرنگ کا بندوبست کیا جاچکا تھا۔ میں نے رسمی طور پر اس کی کارکردگی کی تعریف کی ورنہ موبائل فون کی موجودگی میں اکرم الٰہی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی اہم گفتگو کے لیے ٹی اینڈ ٹی کی لائن استعمال کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

حامد ہمیں دفتر تک لے جانے اور ہماری مدارات کرنے پر مصر تھا مگر میں اس کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مقبول کی بے ہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔ ہم اسٹیشن فور پر رک کر اپنا وقت برباد کریں گے۔

چیک پوسٹ پر ہی مقبول کو حامد کی تحویل میں دے کر ہم دونوں نے واپسی کا سفر شروع کردیا۔ اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ نے سنبھال لی تھی۔

ہم صفورا چوک سے یونیورسٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے کال وصول کرنے والا بٹن دبا کر انسٹرومنٹ کان سے لگایا تو ویرا بول رہی تھی "تم لوگ اس وقت کہاں ہو اور کب تک گھر واپس پہنچ رہے ہو؟"

"ہم راستے میں ہی ہیں۔ تمہیں ہماری کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنی ضروریات کے بارے میں خود کفیل ہوں۔ جلال دو مرتبہ تمہارے لیے فون کرچکا ہے۔"

"سلطان شاہ نے فون کیا تھا تو تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"دونوں کالز اس کے بعد آئی ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تمہارا موبائل نمبر نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اس کا تیسرا فون بھی آجائے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"بتایا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی بات کا ذکر کرتی۔ لوٹ رہے ہو تو بس سیدھے گھر چلے آؤ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم دس منٹ سے پہلے گھر میں موجود ہوں گے۔" میں نے کال منقطع کردی۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا مگر یہ یاد نہ آسکا کہ ہمارے اور آئی پی والوں کے درمیان پنڈت منوہر لال کے سوا اور کون سا معاملہ چل رہا تھا۔ اسلام آباد سے میری اور اول خان کی واپسی سے پہلے پنڈت اس حد تک راہِ راست پر آچکا تھا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر ان سے تعاون کررہا تھا۔

سلطان شاہ ان معاملات سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھا۔ اسے وہی موٹی موٹی باتیں معلوم تھیں جو میں اسے بتاتا رہا تھا۔ وہ جلال کی تازہ ترین پریشانی کے بارے میں میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس موضوع پر اس سے بات کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھادی اور کراچی کے ناخواندہ ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح ہارن کا بے جا استعمال کرتا ہوا ہر گاڑی سے آگے نکلتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلا گیا۔

دس منٹ سے پہلے ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے۔ ہمیں مزید کوئی کام درپیش نہیں تھا اس لیے سلطان شاہ نے گاڑی پورچ میں لگا کر پھاٹک مقفل کر دیا۔

میرے ذہن پر جلال کی فون کالز سوار تھیں۔ ویرا کو مقبول چوہدری کی کہانی جاننے کی بے چینی تھی۔ ایک غزالہ تھی جو راضی بہ رضا رہنے والی انتہائی صابر اور قانع مخلوق تھی۔ میں ویرا کو سلطان شاہ کے حوالے کر کے ڈرائنگ روم سے ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

ویرا نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ وہ اس وقت بھی گھر کے بجائے اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

جلال نے بہت تپاک سے میری مزاج پرسی کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اپنے مقصد کی طرف آ گیا۔

"میں نے تم سے فریڈم انٹرنیشنل کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ سوال سنتے ہی میں سنبھل گیا "اکرم الٰہی بیرون ملک گیا ہوا ہے۔ یہ معاملہ اس کی واپسی تک ٹال دیا گیا ہے۔" میں نے نپا تلا جواب دیا۔

"میں نے اول خان کو فون کیا تھا مگر وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے تمہاری تلاش شروع کی تھی۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اول خان نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہو۔"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہو گا۔ مشترک مفادات ہوں تو وہ مجھے اعتماد میں ضرور لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار یہ میری خوش فہمی ہی ہو۔ تمہیں اچانک فریڈم والے کیوں یاد آ گئے؟"

"بعض امریکی سفارتی افسران نے ہماری وزارتِ خارجہ کے افسروں کی نیندیں حرام کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اب انہوں نے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں غلط سرکاری کاموں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو بے رحمی سے ہراساں کیا جا رہا ہے۔ امریکا ایسے اقدامات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

"کیا انہوں نے اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کا خاص طور پر نام لیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" جلال نے اقرار کیا "سارا زور ان ہی پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے سربراہ کو بے دردی سے مار پیٹ کر اس کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ کل رات کچھ دہشت گردوں نے پورے علاقے کی بجلی اڑا کر دفتر پر دھاوا بول دیا۔ اسے اپنی جان بچانے کے لیے دفتر اور گھر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اب سب کچھ بند پڑا ہوا ہے۔"

"ان سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس این جی او کا سربراہ ملک سے باہر ہے تو وہ کس کی بات کر رہے ہیں۔"

"انہوں نے اکرم الٰہی کے بھانجے، مقبول چوہدری کا نام لیا ہے جو اپنے ماموں کی غیر حاضری میں فریڈم انٹرنیشنل کے سارے امور کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔"

جلال کی وضاحت نے میرے سامنے پوری پچویشن عیاں کر دی۔ مقبول چوہدری نے نرگس کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد یقینی طور پر اپنے کسی امریکی آقا سے رابطہ کر کے اسے ظلم کی داستان سنائی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ماموں کا ذکر گول رکھا تھا۔ وہ شکایت ان ہی خطوط پر وزارت خارجہ تک جا پہنچی تھی۔

"اب انہوں نے ساری ذمے داری ہماری حکومت پر رکھ دی ہے۔" جلال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "اگر مقبول کو مزید کوئی نقصان پہنچا تو اس کی ذمے دار ہماری حکومت ہو گی۔"

"انہیں بتا دو کہ فریڈم انٹرنیشنل پوری طرح فعال ہے۔ مقبول اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے زیرِ زمین چلا گیا ہے۔ اس سے کسی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ میں مسلسل ان کے دو نمبر ملانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ کٹے ہوئے ہیں۔ وہاں سے کوئی جواب مل گیا ہوتا تو میری آدھی پریشانیاں ختم ہو سکتی تھیں۔"

"ان کا دفتر ایک چار منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر ہے۔ تم میرا دیا ہوا نمبر ملاؤ۔ چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد تمہیں اندر کی کہانی مل جائے گی۔" میں نے اسے اکرم الٰہی کا ڈائریکٹ نمبر نوٹ کرا دیا۔

"میں یہ نمبر بھی ملا لوں گا مگر تم بھی تو کچھ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ اگر مقبول چوہدری اس نمبر پر موجود ہے تو امریکی افسر کیوں باؤلے کتوں کی طرح بھونکے جا رہے ہیں۔"

"میں نے مقبول کا نام نہیں لیا۔" میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ "تمہاری بات فریڈم انٹرنیشنل کے اصل سربراہ، اکرم الٰہی سے ہو گی۔"

"وہ باہر سے کب واپس آیا؟" جلال میری پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور بہت محدود مگر ہنگامی نوعیت کے سوالات کر رہا تھا جن کے جواب امریکیوں کو دوبارہ خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

"وہ باہر نہیں تھا۔ چھتیس دنوں تک زیرِ زمین رہنے کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔"

"وہ منظرِ عام پر آیا تو مقبول زیرِ زمین چلا گیا۔ کیا یہ ماموں بھانجے اکٹھے نہیں رہ سکتے؟"

"مقبول فی الحال روپوش ہوا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی زیرِ زمین بھی چلا جائے گا۔ تم...."

میری بات کا مطلب سمجھتے ہی جلال نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "تم جو کچھ کر رہے ہو، کرتے رہو۔ میں تمہیں نہیں روکتا لیکن اپنی رفتار ذرا دھیمی رکھو۔ اسے اتنی مہلت ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے دو کہ یہاں کی الجھنیں دور ہو سکیں۔ جنگ میں بھی فوجیں دشمن کے علاقے کو رک رک کر، مرحلے وار فتح کرتی ہیں۔ وہ ٹینکوں سے سب کچھ روندتی چلی جائیں تو آگے فتح ہوتی رہتی ہے مگر پیچھے سے آنے والا بد نظمی اور تباہی کا ریلا سب کچھ بہالے جاتا ہے۔ کم از کم اول خان کی آمد کا انتظار کرو۔ وہ سپاہی ہے، میری رائے سے اتفاق کرے گا۔"

"تم امریکیوں کی اس تیز ترین شکایت سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ مقبول کی ڈوریاں کون ہلا رہا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے، سراسر ہمارے خلاف جا رہا ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں" جلال نے جواب دیا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے حالات کو جوں کا توں رہنے دو تاکہ میں امریکیوں کا دباؤ ختم کرانے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن کوئی وعدہ نہیں کر سکتا" میں نے پورے خلوص سے جواب دیا۔ "جو شخص دونوں ہاتھوں سے، دن رات اپنی قبر کھودنے میں مصروف ہو اسے کوئی کب تک بچا سکتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ رات کو کسی کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد بھی اس نے ہوش کے ناخن نہیں لیے۔ اپنے کسی باپ سے شکایت لگا دی۔ وہ اس سے بھی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔"

"میں تم سے کچھ اگلوانے کی کوشش نہیں کر رہا۔" اچانک جلال کا لہجہ بہت نرم اور محتاط ہو گیا "مقبول چوہدری جہاں بھی ہے، تمہاری نظر میں ہے یا تم اب بھی اس کی تلاش میں ہو؟"

میں جلال کے سوال پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا پھر اسے جواب دیا "وہ ہماری نظروں میں ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہم جب چاہیں، گردن پکڑ کر اس نیولے کو رگڑ سکتے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" جلال کی آواز میں اطمینان امڈ آیا "وہ تمہاری نظروں میں ہے تو اپنے بل میں گھسا رہے گا، کوئی نئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"اب تم مجھے کب تک پیش قدمی کی اجازت دے سکو گے؟"

"جلد از جلد، وقت کا تعین میرے بس سے باہر ہے۔ حالات کے تحت ہم انہیں آنکھیں دکھاتے رہتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہمیں آخر کار ان کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی بہت سی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم ان کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔"

"یہ نازک معاملے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں تمہارے فون کا منتظر رہوں گا۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کر کے تمہیں ابھی فون کروں گا۔ میرے لیے یہ خبر حیرت ناک ہے کہ وہ باہر جانے کے بجائے کراچی میں ہی کہیں رہ رہا تھا۔"

میں نے اکرم الٰہی کی روپوشی کے بارے میں جلال کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ گفتگو وہیں ختم کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اس سے پہلے کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہمیں مقبول چوہدری کو رہا کرنا پڑے، تمہیں اسے مار دینا چاہیے۔" پوری بات سمجھ میں آتے ہی سلطان شاہ ہتھے سے اکھڑ گیا "وہ غدار اور نمک حرام ہے۔"

"غور کرو تو موجودہ حالات بھی بہت دلچسپ ہیں" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "امریکی اسے آزاد سمجھ کر اس کے حق میں پورا زور لگا رہے ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ اس وقت ہمارے جال میں پھنس کر بے بس ہو چکا ہے تو وہ تلملا اٹھیں گے۔"

"خود مقبول کو اندازہ نہیں ہو گا کہ وہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے والے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے نکتہ لگایا "نرگس اور نسرین کے گھر میں خود کو بالکل محفوظ و مامون سمجھ کر اس نے کسی امریکی سے رابطہ کیا ہو گا لیکن وہاں زیادہ وقت گزارنے سے پہلے اسے بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا..."

"نیا جیسی بھی ہو، ہمارے لیے وہ قابل احترام بن چکی ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "مقبول کو نسرین کے گھر سے نکال کر ہمارے چنگل میں پھنسانے کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔"

"میں پہلے ہی اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ تم بلاوجہ یہ بات دہرا رہی ہو۔" میں نے کہا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں بلاوجہ بولنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا مگر مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بہتر زندگی گزارنے کے لیے اسے سہارا دیں، اس کی مدد کریں۔"

"گڈ لک ڈینی!" ویرا نے اچھل کر نعرہ لگایا۔ "غزالہ تمہیں اس سے شادی کرنے کی چھوٹ دے رہی ہے۔ تمہاری طرح نیا بھی بہت خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔"

سلطان شاہ زیر لب مسکرا دیا مگر غزالہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے ویرا کو مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا "کسی لڑکی کی مدد شادی کے بغیر بھی کی جا سکتی ہے۔ اسے تھوڑا سا سرمایہ مل جائے تو وہ اپنا کوئی باعزت روزگار شروع کر سکتی ہے۔"

"تمہیں مذاق پر اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں ڈینی کو اچھی طرح جانتی ہوں، یہ بھول کر بھی دوسری شادی نہیں کرے گا۔"

سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارے فتوے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم چپکے چپکے ایسی کوششیں کرتی رہی ہو۔"

"تم بکواس کرو گے تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی" ویرا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر غرائی۔

"ارے.... تم بھی مذاق میں سنجیدہ ہونے لگیں" سلطان شاہ نے دور سرکتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا "ابھی تو تم غزالہ کو اس کے برعکس مشورہ دے رہی تھیں۔"

"ڈیڈی! اسے سمجھالو" ویرا بے بسی سے ہنس کر بولی۔ "یہ مذاق کرنا ہی نہیں جانتا۔ جب بولتا ہے' چٹکیاں لینے کی کوشش کرتا ہے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"اس کی کہانی حیرت ناک بلکہ ناقابلِ یقین ہے۔" دوسری طرف سے جلال کسی تمہید کے بغیر بول رہا تھا "بہت اچھا ہوا کہ مجھے تم سے مشورہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اکرم الٰہی نے بہترین مواد فراہم کیا ہے۔ میں امریکیوں کے دانت کھٹے کردوں گا۔ وہ جان بوجھ کر مقبول چوہدری جیسے احسان فراموش درندے کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مقبول کے بارے میں میری باتیں بے وقت کی راگنی نہیں تھیں۔"

"میں تمہاری ہر بات بہت سنجیدگی سے سنتا ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو مجھے اکرم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ شخص بالکل احمق ہے۔ اس نے ایک نئی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیسی مشکل....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس نے چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد فون اٹھایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرے کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لیے میں نے گفتگو کی ابتدا اپنے باضابطہ تعارف سے کی اور وہ بار بار میرے احسان کا ذکر کرکے آخر تک شکریہ ادا کرتا رہا۔ میرے مسلسل انکار کے باوجود یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے مقبول چوہدری کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔"

"تمہیں اس سے کیا پریشانی ہے؟ اچھا ہے کہ وہ تمہارا احسان مند رہے گا۔"

"یہ بات کہیں اور پڑے گی۔ اس جھگڑے کے ایک فریق کے طور پر ہمارا نام بھی ملوث ہوا تو امریکیوں کے موقف کو تقویت ملے گی۔ وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ فریڈم انٹرنیشنل کو حکومت کے اشارے پر تنگ کیا جارہا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک اپنے اصل محسنوں سے بے خبر ہے۔"

"ہم اس پر کوئی احسان کرنے نہیں گئے تھے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ وہ وہاں قید تھا اور ہماری وجہ سے اسے آزادی مل گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ آپریشن نہیں تھا۔"

"اس کی غلط فہمی دور کرو۔ معاملات سدھارنے کے لیے ایسا ہونا بہت ضروری ہے۔"

"فی الحال ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ ہماری ساری توجہ اس کے بدمعاش بھانجے پر مرکوز ہے۔ میں اسے فون کرنے کا کوئی بہانہ تراش بھی لوں تو اسے کیا بتاؤں گا؟ تم سے ہونے والی گفتگو کا حوالہ دینے سے اس کی یہ غلط فہمی اور راسخ ہوجائے گی کہ ہم تمہارے ایما پر اس کی مدد کے لیے گئے تھے۔"

"تم اس سے رابطہ کرو۔ ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ کہنا پڑے۔ وہ تم پر اعتماد کرتا ہے تو شاید خود ہی میرا ذکر نکال لے اور تمہیں وضاحت پیش کرنے کا موقع مل جائے۔"

"میں ایک کوشش کرلوں گا" اسے اطمینان دلانے کے لیے مجھے وعدہ کرنا پڑگیا۔

پچھلی رات توحید کمرشل کے علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ ہماری توقعات کے بھی برعکس تھا۔ وقتی طور پر اکرم الٰہی ہمارا حلیف بن کر سامنے آیا تھا لیکن میں پوری طرح پرکھے بغیر اس پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

"تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے" جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے اعتراض کردیا "جب تک آئی بی والوں سے تمہاری بات نہیں ہوئی تھی' تمہاری ہر احتیاط بجا تھی۔ معاملات کھل جانے کے بعد تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کا ماضی کیا تھا۔"

ویرا کا اعتراض بجا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل پر مقبول چوہدری کا تسلط صرف چھتیس دن رہا تھا۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی سفید اور سیاہ کا مالک تھا۔ وہ نکتہ پہلے بھی ہمارے زیرِ غور آچکا تھا مگر عین وقت پر میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے جلال سے اسی وقت بات کرنے کے بجائے وہ کام اگلے دن پر ٹال دیا۔

○☆○

وہ صبح کے چار بجے کا عمل تھا اور میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور مقررہ وقفوں سے بار بار بجتی ہی رہی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

میرے برابر میں غزالہ دنیا ومافیہا سے بے خبر' آسودگی کی گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹیاں اسے حسین ورنگین ارمانوں کی خوابناک دنیا سے واپس لانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔

میرا غنودہ ذہن اتنے سویرے فون کرنے والے کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا اور حامد کی آواز میری ان سوچوں کا جواب بن کر میرے کانوں میں اترنے لگی۔

"سوری سر!" میری ہیلو کے جواب میں وہ کہہ رہا تھا "اتنی صبح نیند خراب کرنے پر معافی چاہتا ہوں لیکن بات ایسی تھی کہ میں مجبور ہوگیا...."

اس کی تمہید نے مجھے بوکھلا دیا اور میں نے اس کی بات کاٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی "مقبول کہاں ہے؟"

"وہ لاک اپ میں مقررہ پراسس سے گزر رہا ہے لیکن اکرم الٰہی ہاتھوں سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہے..."

"حامد! پلیز مجھے اصل بات بتاؤ۔ اس پر ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"سر! اس کے پاس کسی بوب رافیل کا فون آیا تھا۔ وہ اکرم الٰہی سے ملاقات کے لیے صبح کی پرواز سے کراچی آرہا ہے۔" حامد نے ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ ڈالی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے کہے ہوئے دونوں فقروں کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر پوچھا "فون کہاں سے آیا تھا؟ یہ بوب رافیل کون ہے؟"

"فون ابھی تین بج کر دس منٹ پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ کال اسلام آباد سے کی گئی تھی۔ گفتگو کا دورانیہ بہت مختصر تھا۔ ایک منٹ ستائیس سیکنڈ میں بات ختم ہوگئی..."

"اسلام آباد کا نمبر کہاں کا تھا؟" اضطراب کے باعث میں بار بار قطع کلامی کیے جارہا تھا۔

"فون امریکی سفارت خانے کے نام ہے' رہائشی بلاک کے ایک فلیٹ میں زیرِ استعمال ہے۔ بوب رافیل سفارت خانے میں سوشل منسٹر کے عہدے پر کام کرتا ہے۔"

"بوب اور اکرم کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تفصیلی ریکارڈنگ کہاں ہے؟"

"ایکس چینج میں۔" حامد نے بلا تاخیر جواب دیا "میں نے فون پر ہی وہ ٹیپ سنا ہے۔ ان کے درمیان چند فقروں کا تبادلہ ہوا جن کا نچوڑ میں بتا چکا ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ بوب رافیل کا نام اکرم کے لیے نیا نہیں تھا۔ نام سننے کے بعد وہ اسے سر کہہ کر مخاطب کررہا تھا۔"

"ان کی ملاقات مائیکرو سینٹر میں ہی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت تک میرے ذہن سے نیند کا خمار کافور ہوچکا تھا اور میں بہت تیزی کے ساتھ اس پیش رفت پر سوچ رہا تھا۔

"وہ گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملیں گے!" حامد نے اطلاع دی۔

"غور کرلو... ایسا نہ ہو کہ تم اس ریکارڈنگ کی کوئی بات بھول رہے ہو؟"

"آپ چاہیں تو ایکس چینج فون کرکے صرف میگاٹون فور کا حوالہ دیں۔ آپ کو ٹیپ سنوادیا جائے گا۔ میں ابھی متعلقہ آدمی کو فون پر پیغام دے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایکس چینج کا نمبر بتایا جو میں نے لکھ لیا۔

"گیارہ بجے کا مطلب ہے کہ وہ دس بجے یا شاید اس سے بھی پہلے گھر سے نکلے گا؟" میں نے کہا۔

"غالب امکان یہی ہے۔ میں سات بجے چار آدمیوں پر مشتمل' ایک تازہ دم ویجی لنس اسکواڈ وہاں بھیج دوں گا۔ وہ لوگ وائرلیس اپریٹس اور موبائل فون کے ذریعے ہر وقت میرے رابطے میں رہیں گے۔ اکرم الٰہی جوں ہی اپنے گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی۔" اس کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "میں خود دس بجے ہوٹل پر پہنچ جاؤں گا۔ میری بیک اپ سپورٹ کے لیے تم کو صرف دو تین آدمیوں کے ساتھ وہاں آنا پڑے گا۔"

"مجھے ہر حال میں فیلڈ میں رہنا ہے۔ جہاں کے لیے حکم ہوگا' پہنچ جاؤں گا۔"

"مجھے اطلاع دیے بغیر دفتر نہ چھوڑنا۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اب میں جاگ رہا ہوں۔ تم جب ضرورت محسوس کرو' مجھے موبائل نمبر پر فون کرلینا تاکہ میرے ساتھیوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اول خان کی غیر حاضری میں تمہارے کندھوں پر اچانک بہت زیادہ بوجھ آپڑا ہے۔"

"آپ مجھے ہر لمحے مستعد اور تیار پائیں گے۔ میں اسٹیشن پر ضرور موجود ہوں لیکن مجھے دفتر سے نکل کر تیاریوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ آپ میرا موبائل فون نمبر لے لیں۔"

اس نے اپنا نمبر دہرایا جو میں نے سادہ پیڈ کے سرے پر نوٹ کرلیا۔

"میں فون بند کررہا ہوں۔ تم ایکس چینج میں پیغام دے دو۔ میں تین منٹ بعد وہاں کال کرکے گفتگو کا ٹیپ سننا چاہوں گا..... ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی اور اشارہ مل سکے۔"

"میگاٹون فور کا حوالہ ضرور دیں' سر!" اس نے تاکید کی۔

میں نے فون بند کرکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ' ماچس اور موبائل فون اٹھایا پھر خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل آیا۔ دروازہ بند کرکے میں نے لابی میں لگے ہوئے انسٹرومنٹ پر سے کارڈلیس فون بھی اپنے ساتھ لے لیا اور ان تیاریوں کے ساتھ میں نے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر جگہ سنبھال لی۔

ٹھیک تین منٹ بعد میں نے ٹیلی فون ایکس چینج کا نمبر ملایا۔ سلسلہ مل جانے پر دعا سلام کا تبادلہ ہوا اور میں نے فوراً میگاٹون فور کے الفاظ دہرادیے۔ میرے مخاطب نے کال کو ٹیپ بجانے والی مشین سے منسلک کرنے کے لیے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت کی۔

چند ثانیوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گنتی شروع کردی۔ آٹھویں گھنٹی کے بعد میرے ریسیور میں اکرم الٰہی کی آواز ابھری۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے وہ سوال اردو میں کیا تھا۔

"اکرم! میں بوب ہوں... بوب رافیل!" خالص امریکی لب ولہجے میں دوسری آواز ابھری۔ اس نے اکرم الٰہی کا سوال سمجھے بغیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگریزی میں اپنا تعارف کرایا تھا۔

"اوہ' سر! آپ؟" اکرم الٰہی نے انگریزی میں تحیّر سے کہا۔

"اتنے سویرے!"

"میں تم سے ملنے کے لیے صبح کی پرواز سے آرہا ہوں۔" وہ بوب رافیل کا جواب تھا۔ "تمہیں گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملنا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ بہت ضروری ہو چکا ہے۔"

"اوکے سر! میں پہنچ جاؤں گا۔" اکرم الٰہی کی آواز فکرمندانہ سی ہو گئی۔

"بائے!" اس آخری الفاظ کے ساتھ کلک کی آواز آئی اور میرے کان میں ڈائل ٹون گونجنے لگی۔ میں نے ریسیور واپس رکھ دیا اور پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگالی۔

حامد نے اس کال کے بارے میں جو کچھ بتایا' وہ من و عن درست تھا۔ وہ یہ نوٹ نہیں کر سکا تھا کہ اکرم الٰہی کو بوب رافیل کا حکم سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' وہ الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی مجوزہ ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر بہت آسانی سے یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ امریکی سفارت کار فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ اس ثبوت کی ضرورت آئی بی کو تھی لیکن جلال اس بارے میں بہت محتاط تھا۔

وہ دریا میں اترنے کی شدید خواہش کے باوجود اپنا دامن خشک رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سامنے آکر بوب رافیل پر ہاتھ ڈالتا تو امریکی ایک نیا الزام عائد کر دیتے کہ ان کے سفارت کاروں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ سفارتی مراعات اور تحفظات کی وجہ سے بوب رافیل کا کچھ بھی نہ بگڑتا' ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

میں نے جلال سے رابطہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا' اپنے طور پر کرنا تھا۔

سات بجے تک حامد سے چار مرتبہ فون پر رابطہ ہوا۔ اس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ آخری کال اسی کی طرف سے آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے ویگن لنس اسکوڈ کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکل رہا تھا۔

میں نے ایک ایک کر کے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کو بھی بیدار کر دیا۔ آرام دہ بستروں سے یوں صبح سویرے نکالے جانے پر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں مجھے گھیر لیا۔

ان کا ردِعمل میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا مگر نئی کہانی خاصی سنسنی خیز تھی۔ امریکیوں سے متبول چوہدری کے گہرے روابط کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد امریکی سفارت خانے کے سوشل منسٹر سے اکرم الٰہی کی ملاقات معنی خیز تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں ماموں بھانجے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امریکیوں کے وفادار بننے پر تلے ہوئے ہوں۔

فرینک نے ڈون سے کہا "میری گھریلو زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی کشش' کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"اس کا حل یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی سے عشق لڑاؤ۔ معاشقوں کے بعد عموماً میاں بیوی ایک دوسرے کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔"

"لیکن اگر بیوی کو معلوم ہو گیا تو...؟"

"یہ نیا زمانہ ہے... جا کر بیوی کو پہلے ہی بتا دو۔"

چنانچہ فرینک نے اسی شام گھر جا کر بیوی کے سامنے اعلان کیا۔ "ہماری ازدواجی زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہو چکی ہے۔ اس میں کچھ بہتری لانے کے لیے میں باہر عشق لڑانے جا رہا ہوں۔"

"کسی احمق نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے" بیوی منہ بنا کر بولی "میں پہلے ہی یہ نسخہ آزما چکی ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧

"تم خود بتا رہے ہو کہ اکرم الٰہی' بوب کا پروگرام سن کر پریشان ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بوب' متبول کا راستہ صاف کرنے کے لیے کراچی آرہا ہو۔" ویرا نے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر بحث کی ابتدا کی۔ اکرم نے اس سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے لیکن وہ عین وقت پر غائب بھی ہو سکتا ہے۔ اب تک اسے یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ وہ اپنے کن دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں بھاگنا چاہتے ہو؟"

"اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو جا کر سو جاؤ۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا "آج گیارہ بجے اکرم الٰہی کے ساتھ بوب رافیل کے چہرے پر سے بھی نقاب اٹھ سکتی ہے۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہ رہا ہے؟"

"سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔" غزالہ نے کہا "بوب رافیل کو اکرم کے اکلوتے فون نمبر کا علم صرف اور صرف جلال کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ متبول کے سلسلے میں ہونے والی الزام تراشیوں پر جلال نے شاید اپنی رپورٹ دے دی ہے۔ اس میں اکرم کی واپسی اور اس کے فون نمبر کا ذکر ضرور رہا ہو گا۔ وہ رپورٹ وزارت خارجہ سے ہوتی ہوئی رات میں کسی وقت امریکیوں تک پہنچی اور وہ اکرم کی راہ پر لگ گئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ اس وقت دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں اس سمت میں سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ رات کو جلال نے اسے فون کیا تھا۔ اس کے بعد صبح سویرے بوب رافیل نے اس سے رابطہ کرلیا۔ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ اکرم ان دونوں کالز کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا ہمدرد تصور کررہا تھا۔ اسی حوالے سے اس نے جلال کا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے جلال سے وعدہ کیا تھا کہ اکرم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسے فون کروں گا مگر میں نے فون نہیں کیا۔

عین ممکن تھا کہ اکرم اس وقت کسی سے مشورہ لینے کی شدید ضرورت محسوس کررہا ہو مگر اس کے پاس مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ واحد صورت یہی رہ جاتی تھی کہ میں خود اس سے رابطہ کرتا۔ اگر اس کا ذہن صاف تھا تو اسے دونوں پیغامات کے بارے میں مجھ سے کھل کر بات کرنی چاہیے تھی۔

ویرا کی آنکھوں سے بے زاری اور بوجھل پن کا احساس ہورہا تھا۔ ایک سگریٹ پی لینے کے باوجود یوں بار بار منہ بنا رہی تھی جیسے جمائیاں روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے رات کو اپنے کمرے میں لوٹنے کے بعد شاید زیادہ مے نوشی کی تھی جس کے اثرات نے اس وقت بھی اس کے اعصاب کو جکڑا ہوا تھا۔ ذہنی طور پر وہ ہمارے ساتھ نہیں تھی۔

"تم تھکی ہوئی ہو تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" میں نے اسے ہمدردانہ مشورہ دیا "مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ ہوتا تو میں تمہاری نیند میں ہرگز دخل انداز نہ ہوتا۔"

وہ شاید ایسی کسی پیش کش کی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور دھمکی آمیز لہجے میں بولی "میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں' مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے دوبارہ نیند نہ آئی تو میں تمہارا سارا دن برباد کردوں گی۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون پر اکرم الٰہی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

رابطہ ہونے پر اس مرتبہ بھی اس نے میری آواز پہچان لی اور بولا "رات سے میں مسلسل تم لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ تصور میرے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کہ میں اپنے محسنوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تم لوگوں کا انٹیلی جنس بیورو سے تو تعلق نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر بے پروائی سے کہا "مناسب وقت آنے پر تمہیں خود یہ خود اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ تمہیں اچانک آئی بی کا خیال کیسے آگیا۔"

"خالی ذہن میں آنے والے خیالات کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"میں نے تمہاری خیریت جاننے کے لیے فون کیا تھا۔ اپنا دفتر کب سے کھول رہے ہو؟"

"ابھی میں خود کو سنبھال رہا ہوں۔ یہاں کا نظام ابتر ہے۔ اس ایک نمبر کے سوا سارے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔ اگلے ہفتے سے پہلے دفتر کھولنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکوں گا۔" اس کی آواز اس کے ذہنی انتشار کی نشان دہی کررہی تھی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے اچانک کہا "چھتیس دن کی قید کے بعد میں بالکل اکیلا ہو کر رہ گیا ہوں۔ اپنا کوئی فون نمبر دے دو تو میں پریشانی میں تم سے کچھ مدد لے سکوں گا۔ مقبول کے ظلم نے مجھے اندر سے بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

اس نے جلال یا بوب رافیل کے فون کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھ سے راز داری برتنے کا مطلب یہ تھا کہ میری بلکہ ہم لوگوں کی طرف سے اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

میں نے فون کرکے اسے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔ اگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا تو وہ اس کی بدنصیبی تھی۔ میں کہا "فکر مت کرو۔ ہم لوگ ضرورت مندوں کو زبردستی مدد فراہم کرنے والوں میں سے ہیں۔ کسی بھی نازک موقع پر تم ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔"

اس طنزیہ پیغام کے ساتھ میں نے فون بند کردیا۔ سلطان شاہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر بولا "اکرم الٰہی کی نیت صاف نہیں ہے۔ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں کی تیاری کے دوران میں ہی غزالہ نے پھرتی سے ناشتے کی میز لگادی۔ ہم نے چلتے پھرتے ناشتا کیا اور کچھ ضروری ہتھیار لے کر نو بجے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ہوٹل پہنچنے سے پہلے توحید کمرشل کا ایک چکر لگا کر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ حامد نے وہاں اکرم الٰہی کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کیا بندوبست کیا تھا۔

ہم راستے میں تھے کہ موبائل فون پر حامد کا پیغام آگیا "سر! نگرانی کا پورا انتظام ہوگیا ہے۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی۔ میں اس وقت ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔"

"ریستوران میں داخلے کے راستے پر کڑی نظر رکھو۔ تھوڑی دیر میں ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔"

ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ہلکا سا اعصابی تناؤ محسوس کررہا تھا۔ شاید نیند پوری ہونے سے پہلے' صبح کے چار بجے بیدار ہونے کی وجہ سے اعصابی کشیدگی سر ابھار رہی تھی پھر میرے ذہن پر ایک فکر اور بھی سوار ہونے لگی تھی کہ جس طرح ہم لوگ اکرم الٰہی کو پہچانتے تھے اسی طرح وہ بھی ہم سب کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ آخری مرحلے سے پہلے وہ اپنے آس پاس ہماری جھلک بھی دیکھ لیتا تو آنے والے واقعات کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم حالات کا جائزہ لے کر' وقت سے پہلے ریستوران کے گرد اپنی اپنی کمین گاہوں میں جگہ سنبھال لیں۔

توحید کمرشل میں زندگی کے آثار ضرور تھے مگر زیادہ گہما گہمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ علاقے میں وہی دکانیں کھلی تھیں جن کا تعلق خورونوش اور روز مرہ ضروریات سے تھا۔ وہاں کی کاروباری سرگرمیاں دیر سے شروع ہو کر شاید شام ڈھلے ہی اختتام کو پہنچتی تھی۔

مائیکرو سینٹر سے کافی فاصلے پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ حامد کے آدمی اس عمارت کے دونوں راستوں پر موجود تھے۔ اکرم الٰہی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں جل دے کر مائیکرو آٹو یا عمارت کے عقبی راستے سے کہیں بھی جا سکے۔

ذہن میں ایک نکتہ آنے پر میں ذرا سا مضطرب ہوا۔ حامد نے اکرم الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمی اپنے مطلوبہ شکار سے واقف نہیں تھے لیکن پھر میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ اس وقت مائیکرو سینٹر میں اکرم الٰہی کے سوا کوئی دوسرا متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت سے باہر آنے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ حامد نے انہیں یہی حکم دیا ہو گا کہ وہ عمارت سے نکلنے والے پر نظر رکھیں اور اسے باخبر کر دیں۔

پونے دس بجے سلطان شاہ نے ہوٹل کے پورچ میں میری جگہ سنبھالی اور گاڑی کو پچھلی پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ میں پورچ میں اتر کر تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھسنے کے بعد بائیں ہاتھ پر وہ ریستوران تھا جہاں گیارہ بجے بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی ملاقات ہونے والی تھی۔ مجھے حامد کے انتظار میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھٹکنا پڑا۔ وہ لابی کے کسی صوفے میں دھنس کر داخلی راستے کی نگرانی کر رہا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آ گیا۔

"لابی میں میرے تین آدمی موجود ہیں" اس نے ہاتھ ملا کر میرے ساتھ چلتے ہوئے رپورٹ دی "وہ ابھی تک گھر پر ہے۔ عمارت سے چڑیا کا بچہ تک باہر نہیں نکلا۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی صوفے کی طرف بڑھ گیا جس پر اس کا رومال پڑا ہوا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا کہ اس نے بروقت پہنچ کر لابی کے بہترین ٹھکانے پر قبضہ کیا تھا۔ ہم دونوں وہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے اور حامد نے مجھ سے پوچھ کر ایک گزرتی ہوئی ویٹریس کو کافی کا آرڈر دے دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی دوسرے دروازے سے غزالہ کے ساتھ داخل ہو کر لابی کے اسی حصے میں آ پہنچا۔ اس نے اچٹتے ہوئے انداز میں ہم دونوں پر نگاہ ڈالی پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی مگر وہ براہِ راست ہمارے سامنے تھے۔

کافی آئی، وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سوا دس بج چکے تھے لیکن مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی، نہ ہوٹل میں کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

ساڑھے دس بجے میرے ایما پر حامد نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر پوری مستعدی سے موجود تھے۔ عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔

وہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ مجھے بے چینی ہونے لگی۔ ہماری نگاہوں کے سامنے امریکیوں سمیت، ہر رنگ اور نسل کے لوگ ہوٹل میں آتے جاتے رہے تھے۔ ان میں سے کئی ریستوران کی طرف بھی گئے تھے لیکن ہمارے لیے ان میں سے بوب رافیل کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ ہم صرف اور صرف اکرم الٰہی کے ذریعے اسے شناخت کر سکتے تھے اور وہ مردود اپنے فلیٹ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سوئی کی گھڑیاں آگے بڑھنے کے باوجود ہر محاذ پر سناٹا چھایا رہا تو میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ خون کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اپنی کنپٹیاں دکھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

پونے گیارہ بجے میں نے اضطراب کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حامد بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

معاً میرے ذہن میں ایک خوف ناک خیال نے سر ابھارا، مائیکرو سینٹر سے نکلنے کے تیسرے راستے کو ہم بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ وہ وہی راستہ تھا جس کے ذریعے ہم نے مقبول اور اکرم تک رسائی حاصل کی تھی۔

اگر اکرم کی نیت میں کوئی کھوٹ تھا تھا تو وہ بھی اپنی چھت سے فرار ہو کر بالا ہی بالا کسی دوسری عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچ سکتا تھا۔ مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ گھر سے غائب ہو چکا ہے۔ اس کے لیے ہوٹل میں داخل ہونا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے سے گزرا ہو اور ہم اسے نہ پہچان سکے ہوں۔ سبب بہت سیدھا اور منطقی تھا۔ ہم نے اسے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا پورا چہرہ لمبے لمبے خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بالوں کی تراش خراش اور شیو کے بعد شاید ہم میں سے کوئی بھی اسے پہلی نظر میں پہچان لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

میں ان امکانات پر جتنا غور کر رہا تھا، مجھے ان میں جان نظر آ رہی تھی۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر حامد نے اپنے آدمیوں سے ایک مرتبہ پھر رابطہ کیا۔ ان کا جواب مایوس کن تھا۔

"میرے پیچھے آؤ" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اسے ہدایت کی اور لمبے لمبے ڈگ اٹھاتا، ریستوران کی طرف جانے والی کشادہ راہ داری میں ہو لیا۔

حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم ایک نظر میں اسے نہیں پہچان سکتے تھے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دور سے ایک جھلک دیکھ کر بھی ہمیں شناخت کر لے گا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگیا۔ پنڈت منوہر لال کو اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ایرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مارٹز کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نماد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ....ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائزبانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن فور پہنچایا جاچکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈز سے مائیکرو آفنوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۴۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آفنوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور منتقل کر دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کر چکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے جب کہ وہ ہمیں دور سے بھی شناخت کر سکتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں تیزی سے ریستوران کی طرف جا رہا تھا۔ حامد' سلطان شاہ اور غزالہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔

اس وقت ریستوران میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بڑے ہوٹلوں میں قیام کرنے والے مسافروں کو ناشتا فراہم کرنے کی ذمے داری ہوٹل کی انتظامیہ کی ہوتی ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ ناشتے کی ہوش ربا قیمت کمروں کے کرائے میں شامل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہوتی ہے کہ مسافروں کو مقررہ اوقات میں ہوٹل کے مخصوص ہال میں پہنچ کر اس خدمت سے استفادہ کرنا ہوتا ہے۔

ناشتے کا وقت شاید بہت دیر پہلے گزر چکا تھا۔ ریستوران میں آباد چند میزوں پر وہی لوگ نظر آرہے تھے جو کاروباری یا کسی اور مصروفیت کی بنا پر مل بیٹھنے کے لیے موجود تھے۔ ان ہی میں بوب رافیل اور اکرم الٰہی بھی شامل تھے۔

بوب رافیل ہمارے لیے یکسر اجنبی تھا۔ ہم میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ بس رات گئے اچانک ہی اس کا نام سننے میں آیا تھا۔ اس کے نام کے آخری حصے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہودی رہا ہوگا لیکن امریکیوں کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی۔ وہ مذہبی اقدار سے مکمل طور پر آزاد' بے فکر لوگوں کی قوم تھی۔ اس کا ہر فرد اپنی خوشی کے لیے زندہ رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان کے لیے نام کی اہمیت ذاتی یا پھر زیادہ سے زیادہ خاندانی شناخت تک محدود تھی۔ وہاں مذہب اور عقیدے کے پُرپیچ بکھیڑوں میں پڑ کر نام تجویز کرنے کی روایات بہت مضبوط نہیں تھیں۔

اکرم الٰہی کو ہم میں سے تین نے دیکھا ہوا تھا مگر اپنے حلیے میں کہ اس کے سر اور چہرے پر ایک ماہ سے زیادہ پرانے بالوں کا ایک گھنا جنگل اگا ہوا تھا جسے داڑھی یا زلفوں جیسے کسی شائستہ نام سے معنون نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اگر اکرم الٰہی ہوٹل کے ریستوران میں موجود تھا تو وہ چہرے کے بال صاف کرنے کے ساتھ' اپنے سر کے بالوں کو بھی سلیقے سے ترشوا چکا ہوگا۔ ایسی صورت میں ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

ان دونوں کے درمیان ریستوران میں گیارہ بجے ملاقات کا وقت طے تھا۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ہوٹل پہنچ چکا تھا۔ اس کے برعکس' اکرم الٰہی کے بارے میں مصدقہ اطلاعات تھیں کہ وہ مائیکرو سینٹر کے کسی راستے سے باہر نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔

یہ محض میرا قیاس تھا کہ اکرم الٰہی ہمارے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ ہماری مدد کے نتیجے میں اس نے پورے چھتیس دن کی ہولناک قید تنہائی سے نجات حاصل کی تھی مگر پھر بھی وہ ہم پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہماری شناخت کا علم نہیں تھا۔ ہم اس کے بارے میں اندازے لگا رہے تھے' وہ ہمارے بارے میں اندازوں پر چل رہا تھا۔

ہمارے طور طریقوں سے اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ہم عام جرائم پیشہ افراد کی صفوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے جس بے نیازی کے ساتھ مقبول چوہدری کو مائیکرو سینٹر سے بے دخل کر کے اکرم الٰہی کو اس کی جائداد اور کاروبار کا قبضہ دلوایا تھا' اس کی بنا پر اکرم الٰہی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوتا کہ ہمارا تعلق آئی بی سے نہ سہی' کسی نہ کسی خفیہ سرکاری ادارے سے ضرور ہوگا۔

خفیہ سرکاری اہل کار اگر کسی کی راہ پر لگ جاتے ہیں تو آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس حلیے کی روشنی میں اکرم الٰہی کا یہ سمجھنا قرین قیاس تھا کہ ہم لوگوں نے اسے' اس کے سفاک اور خود غرض بھانجے کے چنگل سے نجات دلا کر بظاہر بالکل آزاد کر دیا تھا مگر پس پردہ اس کی نگرانی ضرور کرا رہے ہوں گے تاکہ مقبول چوہدری کے خلاف کی جانے والی کارروائی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔

یہ تجزیہ صرف ایک نتیجے کی نشان دہی کرتا تھا۔ اکرم الٰہی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بوب رائفل سے ملنا گزیر تھا' اسے اپنی نگرانی کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اس نے مائیکرو سینٹر کا کوئی راستہ اختیار کرنے کے بجائے چھت سے گزر کر کسی اور عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے سوچا ہوگا کہ اس طرح وہ نگرانی کرنے والوں کو غچا دے کر خاموشی سے بوب رائفل سے مجوزہ ملاقات کرے گا۔ اس سے نمٹنے کے بعد دوبارہ دوسری عمارت کے راستے' مائیکرو سینٹر سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ مائیکرو سینٹر سے باہر گیا تھا۔

وہ میری تھیوری تھی۔ اس کی بنیاد پر میں ریستوران میں داخل ہوا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایک ادھیڑ عمر اور دراز قد آدمی نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

میری بے چین' عقابی نگاہیں اسی پر مرکوز ہو گئیں اور میں اسی کی طرف ہو لیا۔

میں نے چند ساعتوں میں مشاہدہ کر لیا تھا کہ وہ ایک باریش سفید فام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سفید فام آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے پورے چہرے پر حلق تک' ترشی ہوئی اور ہموار داڑھی تھی جو یہودیوں کا خاصہ ہے۔ ہمیں دیکھ کر بوکھلانے والا ادھیڑ عمر شخص متامی تھا۔ اس کے بدن پر گرے رنگ کا بے داغ سوٹ موجود تھا۔ میری یا شاید ہماری طرف دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھا' لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر اس نے یکایک دوڑ لگا دی۔ وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی خالی کرسیوں کو گراتا ہوا اس راستے کی طرف جا رہا تھا جو سومنگ پول کی طرف نکلتا تھا۔

ایک خوش پوش اور معزز نظر آنے والے شخص کے یوں اچانک بھاگ نکلنے سے ریستوران میں سنسنی پھیل گئی۔ اونچی' تحیر زدہ آوازوں کے ساتھ متعدد افراد نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ گھبراہٹ میں' کھولتی ہوئی چائے یا کافی چھلکنے کی وجہ سے' ہال میں کئی خوف زدہ نسوانی چیخیں بھی گونجیں۔

میں نے آخری منظر یہ دیکھا کہ بھاگنے والے کا سفید فام ساتھی فضا میں ہاتھ لہرا کر کے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

دو اور دو چار کی طرح سب کچھ سامنے آ چکا تھا۔ ہم میں سے کوئی اکرم الٰہی کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن اس نے ہمیں شناخت کرتے ہی' اپنے ردِ عمل سے خود کو بے نقاب کر دیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اکرم الٰہی کے پیچھے دوڑ لگا دی تاکہ اس کی گردن دبوچ سکوں

وہ ادھیڑ عمر تھا' اسے اپنے بھانجے کی ظالمانہ قید سے رہائی حاصل کیے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کی گرائی ہوئی کرسیاں میری راہ میں حائل تھیں۔ میں ان سے بچتا اور انہیں پھلانگتا ہوا تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ وہ دربان کو ہکا بکا چھوڑ کر ریستوران سے سومنگ پول کی طرف نکل گیا۔

اس وقت میرے حواس پوری طرح بیدار اور متحرک تھے۔ مجھے اپنے پیچھے دھینگا مشتی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازیں بھگدڑ کی وجہ سے ہو سکتی تھیں یا پھر میرے ساتھیوں کے خلاف اکرم الٰہی کا سفید فام ملاقاتی مزاحمت پر اتر آیا تھا۔ میرے لیے وہ وقت پیچھے مڑنے کا نہیں تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ اکرم الٰہی کے ریستوران سے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے ہوٹل کی حدود میں ہی بے دست و پا کر لوں تاکہ اس کے یا بوب رائفل کے دفاع کی ہر راہ مسدود ہو سکے۔

میں ریستوران سے باہر نکلا تو اکرم الٰہی مجھ سے کافی دور نکل چکا تھا۔ وہ سومنگ پول کے گرد پھیلے ہوئے وسیع لان کے ایک سرسبز حصے پر پوری قوت سے دوڑتا ہوا' چار دیواری کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ ہوٹل کے پُرشکوہ ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا سڑک پر نکل سکتا تھا۔ راستے میں کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں اکرم الٰہی کو شکار کرنے کے لیے خم دار ڈرائیو وے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگا رہا تھا اور میرا شکار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو مائیکرو سینٹر سے اپنی خفیہ روانگی کے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکے گا۔

اس کے ستارے یاور تھے یا میرے مقدر کی گردش تھی کہ میں اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ دوڑتا ہوا' ہوٹل کے داخلی ڈرائیو وے سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

میرے مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے اکرم الٰہی ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر آگے روانہ ہو چکا تھا۔

میں مین روڈ پر پہنچا تو اگلے چوراہے کا سبز سگنل میرا منہ چڑا رہا تھا۔ ادھر جانے والا ٹریفک پوری تیزی سے رواں تھا۔ اکرم الٰہی کی ٹیکسی چوراہا عبور کر کے کافی آگے نکل چکی تھی۔

اس سڑک پر آگے جانے کے بعد وہ کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ کلفٹن' کینٹ اسٹیشن اور صدر کے ذریعے' اس کے سامنے کراچی کی بے کراں اور گنجان آباد وسعتیں بکھری ہوئی تھیں جبکہ مجھے اپنے لیے دور دور تک کوئی خالی سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔

○☆○

"اکرم!" اس کے دوڑتے ہی بوب رائفل فضا میں ہاتھ بلند کر کے تحکمانہ لہجے میں دہاڑا تھا "رک جاؤ۔ میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

اکرم نے اس کی ایک نہ سنی کیونکہ میں اس کے پیچھے لپک چکا تھا۔ اس کی دوڑ جاری رہی۔

آخر بوب رائفل نے بھی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ریستوران سے کھسکنا چاہا مگر اس سے پہلے میرے تینوں ساتھی اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہاں ہو، وہیں رک جاؤ!" حامد نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے للکارا "تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو تم خود اپنے نقصان کے ذمے دار ہو گے۔"

ریستوران میں پہلے ہی سنسنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں موجود گاہکوں کی نظروں کے سامنے دو خوش پوش اور باوقار افراد آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اندھا دھند سوئمنگ پول کی طرف نکل چکے تھے۔ اب ایک تیسرا شخص مہیب ریوالور کی زد پر ایک سفید فام کو للکار رہا تھا۔ لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا آغاز ہو سکتا ہے۔ وہ سب بہت تیزی سے نکاسی کے قریب ترین راستوں کی طرف لپکنے لگے۔

ریستوران میں یکایک پیدا ہونے والے شور و غل اور اس کے درمیان ابھرنے والی چند بے ساختہ سریلی چیخوں نے وہاں کی انتظامیہ کو بدحواس کر دیا تھا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مہذب اور معزز شہریوں میں یکایک پیدا ہونے والی افراتفری پر کس طرح قابو پایا جائے۔

بے یقینی کے ان چند لمحات کے بعد جب تک ہوٹل کے مسلح محافظ نمودار ہوتے، متعدد افراد ریستوران سے نکل چکے تھے اور بقیہ بھیڑ کی صورت میں ایک دوسرے کو دھکیل کر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہے تھے۔

"خبردار! میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔" باریش سفید فام نے حامد کی دھمکی کے جواب میں تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میرا نام بوب رافیل ہے اور میں ایک سفارت کار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے!" حامد نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "تم امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر ہو.... میں جاننا چاہتا ہوں کہ اکرم الٰہی کے ساتھ تم یہاں کیا سازش کر رہے تھے؟"

حامد کے وہ الفاظ بوب رافیل کے لیے پریشان کن ثابت ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی لہرائی پھر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جواب دیا "میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ مجھے ویانا کنونشن کے تحت سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ میں کسی اکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔"

"جھوٹ مت بولو!" حامد نے اسے تنبیہہ کی "وہ تمہاری میز سے اٹھ کر بھاگا تو تم نے نام لے کر اسے روکنا چاہا تھا۔ یہاں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں نے تمہارے الفاظ سنے ہوں گے۔"

بوب رافیل تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا پھر بولا "تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ بہت سے بھاگ چکے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں، وہ نکل بھاگنے کے چکر میں ہیں پورے ہال میں عملاً ہم چاروں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

حامد نے اس کی قلابازی پر سٹپٹائے ہوئے انداز میں اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی اور گہرا سانس لے کر جواب دیا "یہ بات ہے تو یوں ہی سہی۔ تمہیں اپنی شناخت ثابت کرنی ہوگی۔ جب تک اس کی تصدیق نہیں ہو جاتی، تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ اس وقت تمہاری پوزیشن نازک ہے۔"

اسی لمحے ہوٹل کے دو مسلح محافظ لپکتے ہوئے ان چاروں کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے دور سے ہی کہا "ہتھیار پھینک دو۔ یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

ان باوردی محافظوں کو دیکھتے ہی بوب رافیل شیر ہو گیا اور چیختی ہوئی اونچی آواز میں حامد سے بولا "مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم خود اعتراف کر چکے ہو کہ تم نہ صرف میرے نام سے واقف ہو بلکہ میرے عہدے تک سے آگاہ ہو۔ تم بلاوجہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو!" حامد ہوٹل کے محافظوں کو قریب پا کر بوب رافیل پر غرایا "میں نے سرے سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم بدحواسی کے عالم میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہے ہو یا پھر تمہارے کان بج رہے ہیں۔"

حامد کی اس جوابی قلابازی نے بوب رافیل کو پریشان کر دیا۔ اس نے اضطراری انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر اپنی نظریں غزالہ کے چہرے پر گاڑ دیں "مادام! تم نے ضرور سنا ہوگا کہ ابھی چند لمحوں پہلے یہ مسلح شخص میرے بارے میں مکمل واقفیت کا اظہار کر رہا تھا۔" اس نے ہوٹل کے محافظوں کو سنانے کے لیے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تم نے فرار ہونے والے مشتبہ آدمی کو،

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدتوں یاد رہنے والی ہوش ربا داستان

ایک نوجوان کی خودنوشت جو انقلاب کے ہاتھوں برباد ہو کر خون کا کفن کو کھلا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش شعلوں کے بیل سے ہوئی تھی۔ ایسا پرہول ماحول جس میں سوچنے جاگنے کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ ایک ایسی سوچ کے ہاتھوں برباد ہو جانے والے نوجوانوں کا ماجرا جو اپنے ہاتھوں کو اپنے خون میں لتھڑا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

مکمل ناول میں 4 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ 50 روپے ڈاک خرچ 16 روپے
4 حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز

23 ۔ 2637960 ، فون: 2628517 ، کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا نام لے کر روکنے کی کوشش ضرور کی تھی...."

"تم سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہو جب ہی ایک ساتھ میرے گرد موجود ہو۔" اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "مجھے پہلے ہی اندازہ کرلینا چاہیے تھا کہ مجھے ایک منظم سازش کے تحت یہاں گھیرا گیا ہے۔" خود کلامی کے انداز میں بات کرتے کرتے وہ یکایک ہوٹل کے محافظوں سے مخاطب ہوگیا "تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مسلح دہشت گرد ریوالور کی نوک پر مجھ جیسے نہتے سفارتی افسر کو خوف زدہ کررہا ہے۔ میرا نام بوب رافیل ہے اور میں امریکی سفارتی مشن میں سوشل منسٹر ہوں۔ براہِ مہربانی جلد از جلد اسے غیر مسلح کرکے اپنے قابو میں کرلو...."

وہ دونوں سفید چمڑی والے کی تقریر سے متاثر ہوتے نظر آرہے تھے کہ سلطان شاہ بوب رافیل کی بات کاٹ کر اردو میں ان دونوں سے مخاطب ہوگیا "بھول کر بھی اس بہروپیے کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ بہت اونچا چکر ہے اور اس میں کئی ایجنسیاں ملوث ہیں۔ خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ رکھو۔"

"تم بے فکر رہو۔ اس گورے لفنگے نے آتش بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تو ہم کوئی گولی چلائے بغیر اسے یہاں سے لے جائیں گے۔" غزالہ نے ان کے اطمینان کے لیے لقمہ دیا۔

وہ دونوں محافظ صحت مند اور قد آور ہی نہیں، تعلیم یافتہ بھی تھے۔ ان تینوں کو حیرت ہوئی جب ان میں سے ایک باوردی محافظ شستہ انگریزی میں بوب رافیل سے مخاطب ہوا "سوری سر! ہم نے اپنے کانوں سے تمہاری اور مادام کی جو گفتگو سنی ہے، وہ تمہارے حق میں نہیں ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے دفتر تک چلنا ہوگا۔"

"اس.... اس.... کالے اور ڈراؤنے ریوالور کے سائے میں!" بوب رافیل نے ہکلا کر احتجاج کیا۔

"تم آمادگی ظاہر کرو تو یہ ریوالور ابھی اپنی جگہ غائب ہوجائے گا۔" حامد نے پورے سکون سے اسے یقین دلایا "ہمیں تم سے زیادہ اس ہوٹل کی ساکھ عزیز ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے اکرم کی طرح بھاگنے کی کوشش کی تو میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ میری چلائی ہوئی گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی میں اترے گی اور تم زندہ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنی مرضی سے نقل و حرکت کرنے کے قابل نہ رہ سکو گے۔"

"ہاں...." اسی محافظ نے حامد کی یقین دہانی کی تائید کی "تم چاروں میں سے کوئی نہیں بھاگے گا۔ ہمارے دفتر میں یہ معاملہ قانون کے تقاضوں کے عین مطابق طے ہوجائے گا۔"

"آمادگی کے اظہار سے پہلے میں ایک گارنٹی چاہتا ہوں جو میرا حق ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے ایجنسیوں کا ذکر سننے کے بعد دونوں پڑھے لکھے محافظ بہت محتاط نظر آرہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بوب رافیل کے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ، جواب طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بوب رافیل خود ہی اپنا بات مکمل کرنے پر مجبور ہوگیا "ان تینوں سے پہلے مجھے فون تک رسائی ملنی چاہیے۔ میں کراچی میں اپنے قونصل خانے کو اس ناگہانی مصیبت کی اطلاع دینا چاہوں گا۔"

ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ صورتِ حال خدوش ہوتی جارہی تھی۔ کسی بھی لمحے ہوٹل کا مزید عملہ پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں پہنچ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی پوزیشن نازک تھی۔ ان کے تذبذب کا اندازہ لگا کر دوبارہ حامد کو دخل انداز ہونا پڑا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلا فون تم کرلینا۔"

حامد کی پیشکش پر بوب رافیل کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہراتے نظر آئے۔ اس کے پاس حالات سے سمجھوتا کرنے کی بات پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔

ریستوران کے وسیع و عریض مگر اجڑے ہوئے ہال میں الفا کے مہرے لنڈا لزا کردہ پُرپیچ شطرنج کھیلی جارہی تھی جس سے میں اس وقت قطعی بے خبر تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان تینوں نے بہت آسانی کے ساتھ بوب رافیل کو نروس حالت میں اپنی تحویل میں لے لیا ہوگا۔

بعد میں غزالہ اور سلطان شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ حامد سربراہی میں، ان کے لیے وہ کام اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا حامد بہت ذہین اور حاضر دماغ افسر سہی مگر بوب رافیل بھی گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے کئی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں جو آسانی سے اپنی گردن ان کے چنگل میں دے دیتا۔

بہرحال، اکرم الٰہی کو کھو دینے کے بعد ریستوران میں وا کے لیے میں نے وہی راستہ اختیار کیا جسے اکرم الٰہی نے اپنے ف کے لیے منتخب کیا تھا۔ راستے میں، بوب رافیل کے پکڑے جا کے پورے یقین کے باوجود مجھے اکرم الٰہی کے پھسل کر نکل جا سخت افسوس تھا۔

اول خان شہر سے باہر تھا، حامد بذاتِ خود میدان میں اترا تھا۔ اس کے آدمیوں کو شاید کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکا تھا اندر سے باہر تک کیا کچھ ہوگیا تھا۔

ہماری منصوبہ بندی میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اکرم الٰہی ا بوب رافیل کو ہوٹل میں مل بیٹھنے کا کھلا موقع دیا جائے اور ان دور سے نگاہ رکھی جائے۔ جب وہ واپسی کا قصد کریں تو ان کی روک لی جائے۔ اسی بنا پر حامد نے اپنے آدمیوں کو ہوٹل عمارت سے نکلنے والے راستوں پر مامور کیا تھا جب کہ اکرم ا نے اپنے فرار کے لیے جو راستہ اختیار کیا، وہ گاڑیوں سے ہو کے پورچ اور پھر بڑے داخلی دروازے تک رسائی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جانے والے اسی ڈرائیو وے کا وہ سیدھا حصہ استعمال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے تھے جو دوسری سڑک پر نکلتا تھا۔

میرے ذہن پر بس ایک ہی خیال بوجھ بن کر سوار تھا کہ اکرم الٰہی کے فرار کے بعد بوب رائفل پر زیادہ دباؤ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اسے چند گھنٹوں سے زیادہ کسی طرح نہیں روکا جاسکتا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی جلال کا نام کوندے کی طرح لپکا۔ گو ہم نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات سے حتیٰ الامکان الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن مقبول چوہدری نے نسرین باجی نامی طوائف کے گھر میں اپنی مختصر سی روپوشی کے دوران اپنے جن امریکی آقاؤں کو اپنی درد بھری کہانی سنائی تھی، وہ کمر کس کے فوری طور پر میدان میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے سرکاری پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو طاقت کے زور پر کچلنے کا غلغلہ اٹھا کے وزارت داخلہ اور خارجہ کو پریشان کردیا تھا۔

فریڈم انٹرنیشنل کا نام آئی بی والوں کے ذریعے ہمارے کانوں تک پہنچا تھا اس لیے جب امریکیوں نے مقبول چوہدری کی حمایت میں آنکھیں دکھانی شروع کیں تو منطقی طور پر جلال کا ذہن ہماری طرف مرکوز ہوگیا۔ پچھلی رات کی گفتگو میں، میں نے بڑی حد تک اسے یہ اشارے دے دیے تھے کہ ہم مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی کی راہ پر لگ چکے تھے۔

مقبول چوہدری اپنی غداری کے جرم میں آخر کار ایس ٹی ایف کے زنداں میں پہنچایا جاچکا تھا تاہم میرے دیے ہوئے فون نمبر پر جلال خود اکرم الٰہی سے بات کرکے یقین کرچکا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں صرف چہرے بدلے تھے ورنہ اس این جی او کا وجود برقرار تھا۔ اس کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔

اس وقت سرکاری محاذ پر جلال ہی پس پردہ رہ کر امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ اختیارات اور ضابطوں نے اس کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے مگر وہ وسیع تر قومی مفادات کی خاطر ہماری سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امریکیوں کی سرکوبی کے لیے بیشتر مواد اسے ہم سے ہی مل رہا تھا۔

ریستوران کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ آخر کار میں نے جلال کو پوری طرح اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرکے موبائل فون نکال لیا۔

اس وقت تک ریستوران میں ہونے والی بھگدڑ کی خبر شاید باہر بھی پھیل چکی تھی کیونکہ سوئمنگ پول والے راستے کا محافظ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں اندر داخل ہوکر لان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پودوں کے قریب رکا اور موبائل پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

خوش قسمتی سے جلال اپنے دفتر میں ہی موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے پچھلی رات کی سرخ روئی کی کہانی چھیڑ دی۔ فریڈم انٹرنیشنل کے ایک فون نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے

غیر ممالک میں رہنے والے قارئین کے لیے

ہر ماہ گھر بیٹھے رجسٹرڈ ایر میل سے فراہمی

جاسوسی ڈائجسٹ — سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت

کسی بھی پرچے کے ۱۲ شماروں کے لیے زرِ سالانہ

ایشیا، یورپ اور افریقا کے لیے ۱۵۰۰ روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور جنوبی امریکا کے لیے ۱۸۰۰ روپے

آج کی قیمت پر اکیسویں صدی کا سبسکرپشن کسی اضافی زحمت کے بغیر

ایک سے زائد رسائل اور ایک سے زائد سالوں کے لیے رقم ارسال کرکے اپنے قیمتی وقت اور روپے کی بچت کے ساتھ اپنے پسندیدہ ماہناموں سے بروقت لطف اندوز ہوتے رہیں۔

اپنی رقوم

JASOOSI DIGEST PUBLICATION

کے نام

63-C, PHASE II EXTENSION
DEFENCE COMMERCIAL AREA
MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500 PAKISTAN

کے پتے پر ارسال کریں۔ ڈرافٹ کی رقم کراچی میں واقع کسی بھی ملکی یا غیر ملکی بینک کی شاخ میں قابلِ ادائی ہونا ضروری ہے۔ ڈرافٹ یا چیک کی بیرونِ پاکستان کلیرنس کے لیے زرِ سالانہ کی رقم میں بینک چارجز (دس ڈالر کے مساوی) اضافہ کرنا ہوگا۔ اپنی یہ رقم ضرور بچائیں۔

FAX: (92) (21)580.2551
email: Jasoosi @ attgolbal.net

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد اس نے اپنے افسران بالا کو جو رپورٹ دی تھی وہ ہر امریکی الزام کی تردید کے لیے کافی تھی۔

معمولی ردوبدل کے بعد وہ رپورٹ افسر مجاز کے دستخطوں کے ساتھ' رات ہی امریکی سفارت خانے کو فیکس کردی گئی تھی۔ یہ بات میں پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ وہ فیکس ملنے کے بعد بوب رافیل نے رات یا صبح کے تین بج کر دس منٹ پر اسی فون نمبر پر اکرم الٰہی سے مختصر بات کرکے' اس سے صبح گیارہ بجے ملاقات کا وقت اور مقام طے کیا تھا۔

اس قصے کی جزئیات خاصی طویل تھیں اور جلال وہ سب مجھے سنانے کے موڈ میں تھا مگر میں بار بار اسے اپنی بات مختصر کرنے کی تاکید کرتا رہا اور جوں ہی اس نے میرے بنیادی خدشات کی تصدیق مکمل کی' میں نے اسے اکرم الٰہی اور بوب رافیل کے بارے میں تازہ ترین حالات کے نچوڑ سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جلال کے لیے میری رپورٹ دھماکا خیز تھی۔ اس نے پہلے ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے مگر میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ بوب رافیل کی گرفتاری کو طول دینے کے لیے کچھ کرسکتے ہو تو فوری طور پر کرو ورنہ اکرم الٰہی کے بعد وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دو!" اس نے پُرجوش آواز میں بے ساختہ مشورہ دیا "اس سے پہلے ہم اسے دل کھول کر رگڑ سکتے ہیں۔"

"اگر گنجائش ہوئی تو میں ضرور کوشش کروں گا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے خطرہ بھانپتے ہی سفارتی مراعات کی دہائی دینی شروع کردی ہوگی۔ میں نے اس کی ایک جھلک ہی دیکھی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے۔ لفاظی اور مکاری سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اندر کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ فون کرو۔ میں اس دوران میں اپنے کراچی آفس سے کسی کو ہوٹل بھیجتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایسے مواقع پر کیا حکمتِ عملی ہونی چاہیے" اس کے لہجے میں جوش و خروش نمایاں تھا۔

"ہوٹل والوں نے پولیس سے مدد طلب کرلی ہوگی۔ وہ پہنچ گئے تو کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے لان پر اضطراری انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔ میں جلد از جلد ریستوران میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا مگر اس نئے چکر کے بارے میں جلال کو پوری طرح باخبر رکھنا بھی ضروری تھا۔

"پہلے تم اندر کی خیر خبر لو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری موقع پر موجودگی بہت سے مسائل کے خاتمے کا سبب بن جائے گی۔ قدرت نے مختصر سی مدت میں ہمیں امریکیوں کو نیچا دکھانے کا یہ دوسرا موقع فراہم کیا ہے۔ چند روز پہلے رابن مائر اپنے ایک میرین کمانڈو کے ساتھ موہنی پنڈت کے گھر مارا گیا اور اب بوب رافیل چوہے دان میں بری طرح پھنسا ہوا ہے....."

وہ پھر غیر ضروری اور جذباتی باتوں کی طرف بہک رہا تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میں نے پوری تصویر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ میں اپنی سرتوڑ کوششیں کررہا ہوں۔ تم جو کچھ کرسکتے ہو' فوراً کر گزرو۔ شاید ہمیں تیسرا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ جو ہونا ہے' آج ہی ہو جانا چاہیے۔"

میں نے فون بند کرکے جیب میں ڈالا اور لان پر دوڑ لگا دی۔

میں سومنگ پول کے رخ سے ریستوران میں داخل ہوا تو وہاں سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ میرے تینوں ساتھی بوب رافیل اور دو باوردی محافظوں کے ساتھ ریستوران کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ویران ریستوران کے بکھرے ہوئے فرنیچر کی وجہ سے ہال میں دوڑ لگانی ممکن نہیں تھی مگر پھر بھی میری رفتار بہت تیز تھی۔ فرشی قالین پر میرے قدموں کی دھمک محسوس کرکے دونوں محافظ بہت تیزی سے پلٹے تھے۔ ان کا وہ ردِعمل اس قدر بے ساختہ تھا کہ بقیہ چاروں افراد کی گردنیں بھی پیچھے گھوم گئیں۔

شاید ہوٹل کے دونوں مسلح محافظ مجھے تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر کوئی ناخوش گوار قدم اٹھاتے مگر حامد فوراً ہی کچھ بول پڑا۔ ان دونوں کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک جاتے جاتے رک گئے تھے۔

میرے انتظار میں وہ سب رک گئے تھے۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند لمحوں میں درمیانی فاصلہ طے کرکے ان کے ساتھ جا ملا۔

"وہ بھگوڑا کہاں رہ گیا؟" حامد نے میری توقع کے عین مطابق سوال کر ڈالا۔

اس نے اردو میں سوال کیا تھا اور اس کا جواب نہایت مایوس کن تھا۔ میں نے بوب رافیل پر ایک نظر ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں گہرا تجسس تیر رہا تھا۔

"وہ ایک آوارہ کتے کی طرح دھر لیا گیا" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد انگریزی میں جواب دیا اور پھر بوب رافیل کی اعصاب شکنی کے لیے بھاری بھرکم اصطلاحات کا سہارا لیتے ہوئے بات جاری رکھی "اسے ویجی لینس اسکواڈ والے اپنی آرمرڈ گاڑی میں ڈال کر اسپیشل انٹروگیشن سیل لے گئے ہیں۔ وہاں وہ کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرا بیان سن کر بوب رافیل کے شانے قدرے ڈھلک گئے اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی "تم لوگ بہت سفاک ہو" وہ خوف اور حقارت کے ملے جلے لہجے میں کہہ رہا تھا "تیسری دنیا کے نیم وحشی ملکوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ تم لوگ اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے۔ اپنے معززین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیچڑ اچھالتے ہو' ان پر الزام تراشیاں کرتے ہو اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کرتے ہو۔"

"تمہارا یہ ہمدردانہ تبصرہ کس کے لیے ہے؟" سلطان شاہ نے نرمی سے پوچھا۔

"اس وقت ایکرم ایلائی سے زیادہ بدنصیب اور ہمدردی کا مستحق شخص اور کون ہو سکتا ہے؟" بوب رافیل نے جلوس کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن چند منٹ پہلے تو تم اس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر رہے تھے" حامد نے اسے یاد دلایا۔

بوب رافیل نے اسے قہربار نظروں سے گھورا اور کہا "اپنی گندی زبان بند رکھو.... وہ بچ نکلتا تو میں تمہیں بتاتا کہ کون کس کو جانتا ہے۔ کیول کے بعد ایکرم ایلائی کے خلاف تمہاری کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ تمہاری حکومت فریڈم انٹرنیشنل کو ہر قیمت پر کچلنے پر تل گئی ہے۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں' امریکی سی آئی اے تو اپنی سرحدوں سے باہر بھی ہر اس فرد اور ادارے کا سر کچلتی رہی ہے جو امریکا کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہو۔" غزالہ نے اس پر طنز کیا۔

"تمہاری ننھی ننھی کھوپڑیوں میں سی آئی اے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ امریکا بہت بڑی جمہوریت ہے۔ وہاں تمہیں' تیسری دنیا کے مکاروں کو' سی آئی اے کے سوا اور کچھ کیوں نظر نہیں آتا؟"

"اس لیے کہ ہر معاملے کی جڑیں فیڈیکس اور لینگلے کے سی آئی اے سینٹر میں اتری ہوئی ہیں۔ امریکا میں صدر اور حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں' سی آئی اے عشروں سے رواں چڑھ رہی ہے۔ تمہاری اصل حکومتیں اس رسوائے زمانہ ایجنسی کی تائید کی محتاج ہوتی ہیں۔ جان ایف کینیڈی کو بھرے جلوس میں سی آئی اے نے ہی مروایا تھا کیونکہ اس نے بعض معاملات میں اس کے سربراہ کے مشوروں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

وہ نوک جھوک چلتی رہی اور ہم ہراساں تماشائیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیکورٹی چیف کے دفتر میں پہنچ گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ ہمارے ساتھ موجود دو محافظوں میں سے ایک' خود سیکیورٹی چیف تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس بڑے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے بھی وہ خود عام محافظوں کی طرح وردی میں ملبوس تھا۔

دفتر میں پہنچتے ہی بوب رافیل نے فون استعمال کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا "کوئی بھی بات کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارے دعوے کا کیا دستاویزی ثبوت موجود ہے؟"

"میں بوب رافیل ہوں۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر سیکیورٹی چیف کے سامنے رکھ دیا۔ "میرے ایک فون پر میرے دعوے کے متعدد گواہ یہاں پہنچ جائیں گے..."

"وہ تمہیں ہماری تحویل سے نکال لے جانے والے غنڈے بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس کی دلیل مسترد کر دی "تم جس نام سے چاہو' وزیٹنگ کارڈ چھپوا سکتے ہو۔ یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"تم درمیان میں مت بولو!" بوب رافیل نے طیش سے کہا۔ "میں چیف سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہمارے درمیان کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس پر پوری طرح عمل ہونا چاہیے۔"

"آپ لوگ کون ہیں اور یہ کیا چکر ہے؟" چیف نے الجھن آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"یہ شخص فراڈ ہے۔ اس کا بھاگنے والا ساتھی ایک مجرم تھا۔ ہم غیر سرکاری شخصیات کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے معذور ہیں۔ کسی بھی لمحے بااختیار افراد یہاں آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" میں نے کہا۔

"میں فراڈ نہیں ہوں" بوب رافیل نے پرزور احتجاج کیا "تم ایک سفارت کار کی توہین کر رہے ہو۔"

"بوب رافیل کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہے جب کہ تم کراچی میں جھک مار رہے ہو۔ بوب آج صبح تک اسلام آباد میں تھا۔ تم جھوٹے اور پکے بہروپیے ہو" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

"میں صبح کی پرواز سے کراچی آیا ہوں...." میری توقع کے عین مطابق اس نے دعویٰ کیا اور میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اپنے ٹکٹ کا بچا ہوا حصہ دکھاؤ۔ تمہیں فون کرنے کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے مجھے خون آشام نظروں سے گھورا پھر کہا "وہ یک طرفہ ٹکٹ تھا۔ بورڈنگ کے بعد میں نے اسے ضائع کر دیا۔"

"سرکاری سفر یک طرفہ ٹکٹ پر اسی صورت میں ہوتے ہیں جب کسی کا تبادلہ ہو جائے۔ اگر تم نے ٹکٹ ضائع کر دیا تو اب چند گھنٹے بھی ضائع کرو۔ ایرلائن کے ریکارڈ سے تمہاری شناخت ہو جائے گی" میں سوچے سمجھے انداز میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ سے تنگ تر کرتا جا رہا تھا۔

"میں اس وقت تک تمہارا قیدی نہیں رہ سکتا' مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔"

"کسی تصدیق کے بغیر تمہیں کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں کیا ہوتا ہے۔ ملزم سے ٹھیک ٹھاک باز پرس کے بعد ہی اس کی گرفتاری ظاہر کی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج شام سے پہلے تم خود سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو جاؤ۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہارے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔"

081 .002.1

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوب رافیل کے حلق پر اگے ہوئے گھنے بالوں میں ہڈی اوپر نیچے حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ شاید وہ تھوک نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟"

"تم جو نتیجہ چاہو' اخذ کر سکتے ہو۔ میں نے حقائق بیان کیے ہیں۔ کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے کہ ایک سفارت خانے کا سوشل منسٹر اسلام آباد سے کراچی آتا ہے اور کراچی میں اس کے قونصل خانے والے اسے یتیمی کے عالم میں بالکل بے سروسامان چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہیں کوئی پروٹوکول کیوں نہیں دیا گیا؟"

"کراچی والوں کو علم نہیں ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ فون پر میں ان ہی سے بات کروں گا۔ تم یقین کرو کہ میں بوب رافیل ہوں۔ وہ لوگ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ میں ائرپورٹ سے سیدھا ہوٹل آیا تھا۔"

"تم بوب رافیل ہو یا بوب ہوپ۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے اس کی تصدیق ناگزیر ہے۔"

"اور اگر کسی نے نام بدل کر سفر کیا ہو؟" چند لمحوں کی تشویش آمیز خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"تم نے کس نام سے یہ سفر کیا تھا؟" میں نے بہت تحمل اور نرمی سے پوچھا "نام بتادوگے تو تصدیق کا کام آسان ہو جائے گا ورنہ ہر کمپیوٹر بوب رافیل کی تلاش میں بھٹک کر ناکامی کا اعلان کرتا رہے گا۔"

"تم میرے خلاف کوئی نئی فرد جرم عائد کردوگے" وہ باتوں کے جال پھنستا جا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ تم پر قتل کا ناقابل تردید الزام ہو تب بھی ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر تم واقعی بوب رافیل ہو تو جلد یا بدیر رہا ہو جاؤ گے۔ اسلام آباد والے تمہاری گمشدگی پر خاموش نہیں رہیں گے۔"

"اسٹیفن کوائے...." بوجھل سے سکوت کے بعد اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میں نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔ واپسی کا کوپن اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد تمہیں ائرلائن سے رابطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ٹکٹ میرے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے تہ کیا ہوا ٹکٹ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔

ہم دونوں کی گفتگو پر ہوٹل کا سیکیورٹی چیف حیران تھا۔ عام لوگ اس نکتے پر توجہ نہیں دیتے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ نام بدل کر سفر اور خاص طور پر فضائی سفر کرنا سنگین اور قابل تعزیر جرم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اندرون ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت کرنے والی کمپنیاں محض نفع اندوزی کے لیے مسافروں کی شناخت کا کوئی مطالبہ نہیں کرتیں اور ایکس کے نام پر وائی سفر کے سارے مراحل طے کر لیتا ہے۔ نام کی تبدیلی کا تنازع اس وقت رنگ لاتا ہے جب دوران پرواز طیارے کو خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے یا طیارہ اغوا ہو جائے۔

پہلی صورت میں جائز ورثا معقول زرتلافی سے محروم رہ جاتے ہیں' دوسری صورت میں اصل مسافر سنگین مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ میرے لیے یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ بوب رافیل نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بوب رافیل کا وہ ٹکٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "ہاں' تو مسٹر اسٹیفن کوائے! یہ بتاؤ کہ اب تمہاری کس بات کا اعتبار کیا جائے؟ اگر تم بوب رافیل ہو تو تمہیں یہ بتانا پڑے گا' تمہیں ایسی کون سی مجرمانہ مجبوری درپیش تھی کہ تمہیں نام بدل کر' چوروں کی سی رازداری کے ساتھ اسلام آباد سے کراچی آنا پڑا؟ اکرم الٰہی سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ ہے؟ اگر تم اسٹیفن کوائے ہو تو تمہارا جرم ثابت تم نے جعلی سفارتی افسر بن کر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔"

"تم بدعہدی کر رہے ہو!" احتجاج آمیز لہجے میں وہ چیخ پڑا "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھنا بلکہ مائیکروا سکوپ سے دیکھنا۔ میں نے تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کچھ کہا تو صرف اس لیے کہ انہیں میری کامیابی یا ناکامی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ یہ میری واپسی تک تمہیں بہلائے پھسلائے رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"کراچی والوں کو میرے بارے میں کوئی پیشگی اطلاع نہیں ہے لیکن اسلام آباد میں میرا سفارت خانہ پوری طرح فعال ہے۔ میں نے ایک بجے تک ان سے رابطہ کر کے رپورٹ نہ دی تو ہر طرف ہلچل مچ جائے گی...."

"یہ تمہاری خوش گمانی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ اپنا سر پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم لوگوں کے لیے پاکستان ہائی رسک کنٹری ہے۔ یہاں سفارت کار تو کجا' تمہارے عام شہریوں کو بھی محدود اور محتاط نقل و حرکت کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وہ کیا کہیں گے کہ تم کسے مطلع کر کے فرضی نام سے کراچی آئے ہو؟"

اس تمام گفتگو سے ہوٹل کے سیکیورٹی چیف کو اندازہ ہو گیا کہ بوب رافیل غلط وکٹ پر کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے ماتحت کو ہمارے ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تاکہ ریستوران میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں اپنے انتظامی افسران کو باخبر کر سکے۔ اس کے لیے ہوٹل کے کاروبار کی پرسکون انداز میں بحالی ہر کارروائی پر مقدم تھی۔

بوب رافیل بری طرح پھنس چکا تھا مگر میں اسے ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔ آئی بی والوں کو اعتماد میں لینے کے بعد محتاط رہنا ضروری تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کہیں بعد میں ان کے لیے دشواریاں پیدا نہ ہو جائیں۔

میں اسے باتوں میں الجھائے رہا لیکن میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ پر جا رہی تھیں۔ بوب رافیل کی زبان سے ایک بجے کا ذکر سننے کے بعد میری خواہش تھی کہ ہم آئی بی والوں کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل سے نکل جائیں۔

اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے امریکی یہ شکایت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا سوشل منسٹر کراچی کے ہوٹل سے غائب ہو گیا البتہ وہ اپنے مقامی قونصل خانے میں مامور ایجنٹوں کو صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہوٹل بھیج سکتے تھے۔ وہ واقعہ ہوٹل کے بھرے ریستوران میں پیش آیا تھا جہاں وقوعے کے وقت گاہکوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود' ریستوران کا پورا عملہ موجود تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کے لیے اس واقعے کو چھپانا یا دبانا ممکن ہی نہیں تھا۔

قونصل خانے کے ایجنٹ ایک بار یہ پتا چلا لیتے کہ اکرم الٰہی کے بھاگنے کے بعد بوب رافیل کو گھیر لیا گیا تھا تو وہ کوئی نئی حکمت عملی طے کر کے بوب رافیل کی بازیابی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔

اس دوران میں' میں نے اردو میں اپنے ساتھیوں کو یہ جتا دیا تھا کہ میں اکرم الٰہی کا پیچھا کر کے بے نیل و مرام واپس آیا تھا۔ بوب رافیل کو سنائی جانے والی کہانی قطعی بے سروپا اور فرضی تھی۔

ہم لوگ انتظار کی صبر آزما کیفیت سے گزر رہے تھے اس لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو رہا تھا مگر حقیقت میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ سارا کھیل گیارہ بجے تک اکرم الٰہی کے نظر نہ آنے کے بعد شروع ہوا تھا اور پھر سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔

واقعات پے در پے ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمیں ان اعصاب شکن حالات سے لڑتے لڑتے گھنٹوں گزر گئے ہوں مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں پورے نصف گھنٹے بعد بارہ بجانے والی تھیں۔

دو سادہ پوش اور تیز و طرار مقامی' ہوٹل کے ایک گارڈ کے ساتھ وہاں پہنچے تو میں نے انہیں ان کے تیوروں سے ہی پہچان لیا اور مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ جلال نے اسلام آباد سے ڈوریاں ہلانے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

آنے والوں نے ہم سب سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملائے' بوب رافیل کو خشمناک نگاہوں سے گھورا اور سیکیورٹی چیف کے ماتحت کو اس کی میز سے اٹھا کر دفتر کے ایک گوشے میں لے گئے۔

پوری رازداری کے ساتھ شناخت کا مرحلہ طے ہوتے ہی ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی بوب رافیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے ہونٹ سوکھ گئے۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا" اس نے دہشت سے ہکلاتے ہوئے کہا "تم میں سے کسی نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں چیخ چیخ کر پورے ہوٹل کو سر پر اٹھا لوں گا۔"

میری انگلی میں ربر کے رنگین کیپسول والی وہ انگوٹھی موجود تھی جس کے کھوکھلے نگینے میں بے ہوش کرنے والا سریع الاثر محلول بھرا ہوا تھا۔ میں نگینہ گھما کر اس کی گردن یا پشت پر ہلکی سی چبھن بھی جڑ دیتا تو وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری آغوش میں پہنچ سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھانپ کر غزالہ فوراً بول پڑی۔

"نہیں.... یہ حسّاس مجرم ہے۔ طبّی رپورٹ اسے دیے جانے والے ہر محلول کو ظاہر کر دے گی.... میں ابھی اس خبیث کا قدرتی علاج کرتی ہوں" اردو میں یہ کہہ کر ویرا نے اپنی کرسی چھوڑی اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پیچھے ٹہلنے لگی۔

بوب رافیل نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ دیر تک خوف زدہ نظروں سے دیکھتا ہی رہا۔ غزالہ کو ایک دیوار گیر تصویر میں مکمل طور پر منہمک پا کر وہ اطمینان سے سیدھا ہو گیا۔

مجھے یاد آیا کہ ویرا نے مارشل آرٹس میں باقاعدہ تربیت لی ہوئی تھی اور وہ کئی مردوں کے نرغے میں بھی خود کو محفوظ رکھنے کے فن میں طاق تھی لیکن غزالہ نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سیکھا ہوا تھا۔

بوب رافیل کو اپنی طرف سے غافل پا کر وہ تیزی سے مڑی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور پھر اچانک ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بوب رافیل کی گردن اور شانوں کی جڑوں میں پیوست کرنی شروع کر دیں۔ نہ جانے غزالہ نے اس کی کن رگوں پر ہاتھ ڈالا تھا کہ دردناک سسکاریاں لینے کے باوجود وہ کرسی سے نہ ہل سکا۔

○☆○

صبح سویرے سلطان شاہ سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد ویرا اپنے کمرے میں گئی تو اس نے خود محسوس کیا کہ اس کے اعصاب پر رات کی مے نوشی کا خمار طاری تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر گر گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ سو گئی۔

اس کی نیند کا وہ دورانیہ طویل اور گہرا رہا۔ اس کی آنکھ کھلی تو نیند پوری ہونے کے نتیجے میں ساری کسل مندی کافور ہو چکی تھی۔ اس نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو پورا گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس وقت وال کلاک صبح کے دس بجا رہا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کیا اور پانی کھولنے کے انتظار میں اخبار کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اخبار کے آخری صفحے پر اسے وہ خبر نظر آ گئی جو نیا کے بچاؤ کے لیے ضروری تھی۔

ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ سے علاقہ پولیس نے وہ مروقہ اکارڈ برآمد کر لی تھی جو مائیکرو آٹوز سے مقبول چوہدری لے بھاگا تھا۔ وہ گاڑی مقبول چوہدری کی ملکیت نہیں تھی بلکہ اس کے ڈرائیور میں معمولی مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ بند گیراج میں دلاسد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکارڈ سب سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔ مقبول چوہدری نے خود کو عمارت میں محصور پایا تو تہ خانے کے راستے گیراج میں نمودار ہو کر وہی گاڑی لے بھاگا اور سیدھا شریف آباد میں نسرین کے اڈے پر پہنچ گیا۔

وہ اندر کی باتیں تھیں۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق اکارڈ کے مالک کو جب یہ علم ہوا کہ اس کی گاڑی مائیکرو سینٹر سے غائب ہے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی چوری کی ایف آئی آر کٹوادی۔

یہ کراچی پولیس کی شاندار کارکردگی تھی کہ مسروقہ کار چوبیس گھنٹوں میں برآمد کرلی گئی تھی۔ خبر میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ کار چرانے والا شاید گھبراہٹ میں کسی پرواز سے دوسرے شہر کی طرف نکل گیا تھا۔

ویرا کو معلوم تھا کہ میرے ایما پر حامد نے اپنے رسوخ سے کام لے کر کار کی بازیابی اور اس خبر کی اشاعت کا بندوبست کرایا تھا تاکہ نسرین باجی کے گناہ پرور ٹھکانے میں پھنسی ہوئی نیا کسی عقاب سے محفوظ رہ سکے۔

ناشتے کے دوران میں ویرا کے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ وہ مسلسل ہمارے اس مشن کے بارے میں سوچے جارہی تھی جو اکرم الٰہی اور بوب رائفل کو گھیرنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ پچھلی رات جلال سے بات ہونے کے بعد اکرم الٰہی مائیکرو سینٹر سے باہر نکلنے کی ہمت کرسکے گا۔ ہماری طرح وہ بھی چھت کے خفیہ راستے کو بھولی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اپنے چہرے کے بال مونڈ دینے کے بعد اکرم الٰہی ہمارے لیے ناقابلِ شناخت ثابت ہوسکتا تھا۔

پھر بھی اسے یہ موہوم سا امکان ستا رہا تھا کہ ہوٹل میں گیارہ بجے کوئی ہنگامہ کھڑا ہوہی گیا تو اسے بہت قلق ہوگا کہ وہ اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوسکی۔

رفتہ رفتہ یہ ذہنی دباؤ اتنا شدید ہوگیا کہ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ ناشتا ختم کیا اور پھرتی کے ساتھ روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے سرعت سے کام لیا تو وہ گیارہ بجے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہوجائے گی۔

گاڑی ہمارے استعمال میں تھی۔ ویرا گھر کو مقفل کرکے پیدل ہی نکل کھڑی ہوئی اور قریبی موڑ سے خالی ٹیکسی لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس کے وینٹی بیگ میں ایک ریوالور اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھی کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ ٹیکسی گاڑیوں کے ہجوم میں رک رک کر بہت سست رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ یہ تاخیر ویرا پر اعصابی دباؤ کی صورت میں اثر انداز ہورہی تھی۔

ویرا کے لیے وقت کا عنصر بہت اہم تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیشکش کی کہ وہ اسے گیارہ بجے تک منزل مقصود پر پہنچادے تو وہ اسے دگنا کرایہ ادا کرے گی۔

پیٹرول کی ہوش ربا گرانی کے ستائے ہوئے ڈرائیور کے لیے وہ پیشکش بہت پرکشش تھی۔ اس نے فوراً ہی بریک اور اسٹیرنگ پر اپنے ماہرانہ کنٹرول کے مجرانہ مظاہرے شروع کردیے اور سفر کی اوسط رفتار خاصی تیز ہوگئی۔ ٹیکسی اپنی قطار بدلتی، دوسری گاڑیوں کو دباتی آگے بڑھتی رہی مگر پھر بھی ڈرائیور گیارہ بجے اپنی منزل سے قدرے دور تھا۔

اس نے مایوسی سے ایک گہرا سانس لے کر اپنی ٹیکسی کی رفتار توڑی ہی تھی کہ ویرا بول پڑی "شاباش! گاڑی اسی طرح دوڑاتے رہو، تم نے اپنی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ تمہیں دگنا کرایہ ہی ملے گا۔"

ٹیکسی کی رفتار بڑھ گئی۔ ہوٹل کی کثیرالمنزلہ عمارت نظر آنے لگتی تھی۔ چند منٹ کی بات تھی اور پھر ٹیکسی اسے ہوٹل کے پورچ میں پہنچادیتی۔ اس خیال سے ویرا کے دل ودماغ میں ہیجان برپا ہونے لگا۔

ٹیکسی اپنی منزل سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اسے ٹریفک سگنل سے پہلے بائیں طرف گھوم کر ہوٹل کے ڈرائیوے میں داخل ہوجانا تھا مگر عین اسی وقت ایک خالی ٹیکسی اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ وہ ڈرائیور کسی مسافر کی تلاش میں سست روی سے کچھ اس طرح ڈرائیونگ کررہا تھا کہ اسے بائیں طرف سے اوورٹیک کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کا ڈرائیور داہنی طرف سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تو اس کے لیے آخری موڑ کاٹنے میں کوئی بھی غیر متوقع رکاوٹ پیدا ہوسکتی تھی۔

اس نے راستہ لینے کے لیے ہارن بجانا شروع کردیا مگر یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور بالکل اندھا اور بہرا ہو۔ اسے عقب نما آئینے میں کچھ نظر آرہا ہو نہ ہارن سنائی دے رہا ہو۔

ویرا کا ٹیکسی ڈرائیور اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلیاں مار مار کر غصے میں اس کے پیچھے چلتا رہا اور جب ہوٹل کے ڈرائیوے میں مڑنے کا آخری مرحلہ آیا تو اسے پوری قوت سے بریک لگانے پڑگئے۔ ویرا اپنی نشست سے اچک کر رہ گئی۔

ڈرائیوے سے ایک خوش پوش شخص بدحواسی کے عالم میں دوڑتا اور فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا برآمد ہوا۔ اگلی خالی ٹیکسی اس کے لیے رک گئی۔

ویرا کا دورانِ خون اچانک تیز ہوگیا۔ اجنبی نے اپنے چہرے کے بال بالکل صاف کردیے تھے مگر آنکھوں اور خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا نے پہلی ہی نظر میں اکرم الٰہی کو پہچان لیا تھا۔

"اب ہوٹل میں جانے کی ضرورت نہیں... اگلی ٹیکسی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے چلو۔" ویرا نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی "میں تمہیں انعام دے کر خوش کردوں گی۔ میں اسی مردود کے لیے یہاں آئی تھی۔"

اکرم الٰہی کے سوار ہوتے ہی وہ ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ مسافر مل جانے کے بعد ڈرائیور کی سستی دور ہوگئی تھی۔ ڈرائیوے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے مجھے ڈرائیوے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگاتے دیکھا لیکن وہ میرے انتظار میں رک کر اکرم الٰہی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس کی ٹیکسی زن سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"میم صاحب! برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" ویرا کے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"ضرور پوچھو لیکن یہ سمجھ لینا کہ میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں۔ کئی مرد میرے ہاتھوں سے پٹ چکے ہیں۔"

"توبہ توبہ!" ڈرائیور نے لمحے بھر کے لیے اسٹیرنگ چھوڑ کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "میں اپنی پنجروں کے لیے کبھی کوئی غلط بات نہیں سوچتا۔ یہ ٹیکسی میری روزی ہے۔ ڈرپوک عورتیں تو ویسے بھی ٹیکسی میں سفر کرنے سے گھبراتی ہیں۔ چار ہوں تب بھی رکشا ہی پکڑتی ہیں۔ مجھے اپنی گاڑی کی عزت بہت پیاری ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔ اگلی ٹیکسی پر نظر رکھو اور جلدی پوچھو' کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم انگریز ہو لیکن اردو بہت اچھی بولتی ہو۔ ہم سے بھی اچھی۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ستائشی لہجے میں کہا "یہ تم نے کیسے سیکھ لی؟"

اس وقت ویرا کو اس سے کام لینا تھا۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "تم بدھو ہو' ہر سفید چمڑی والا انگریز نہیں ہوتا۔ امریکا' آسٹریلیا اور یورپ والے بھی گورے ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں کے لیے ایک ہی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگے والا تمہارا آدمی ہے۔"

"اتنی لمبی دوڑ نہ لگاؤ۔" ویرا نے نرمی سے اس کی بات کاٹی "وہ میرا آدمی نہیں' تمہارے ملک کا ایک نمبر کا غدار ہے۔ اگر وہ ہاتھ آگیا تو تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ اردو میں نے خود ہی سیکھی ہے۔"

ویرا کا انکشاف سن کر وہ اردو کو بالکل بھول گیا اور تحیر زدہ لہجے میں بولا "غدار ہے۔ تو پھر اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم کہو تو کہیں بھی ٹکر مار کر اس کی ٹیکسی روک لیتے ہیں۔ پیچ کس پیٹ میں ڈال کر اس کی ساری انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔ غداروں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔"

ویرا ٹیکسی ڈرائیور کی حب الوطنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کا وہ جذبہ قابلِ قدر تھا اور ویرا اسے مزید ابھار کر اکرم الٰہی کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتی تھی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی۔ وہ اکرم الٰہی سے ٹکرا جاتی تو اسے زیر کرنے کے بعد کہیں بھی نہیں لے جاسکتی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غداروں کے خلاف اپنے اعتماد کا اظہار کرکے ویرا کا وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

"ابھی اسے چھیڑنے یا ہوشیار کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے سمجھایا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ ہوٹل سے بھاگ کر کہاں کا رخ کرتا ہے۔ تم کو سارا دن بھی سڑکیں ناپنی پڑیں تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ کرایہ...."

"بس میم صاحب!" ٹیکسی ڈرائیور نے بگڑ کر ویرا کی بات کاٹ دی "اپنا کرایہ اور انعام اپنے پاس رکھو۔ یہ ہمارے ملک کا غدار ہے تو اسے پکڑنے کے لیے دس پانچ گیلن پیٹرول تو کیا' میں اپنا خون بھی دے سکتا ہوں۔"

ویرا سکتے کی سی حالت میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ حب الوطنی کے معاملے میں وہ غریب آدمی اس قدر فیاض بلکہ شاہ خرچ ثابت ہوگا۔

پاکستان میں ویرا غریب اور متوسط طبقے سے دور رہی تھی۔ اس کا جن مجرموں اور سازشیوں سے واسطہ پڑا' وہ سب مالی طور پر آسودہ حال تھے۔ ان کی خود غرضیاں دیکھ دیکھ کر ویرا اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ پاکستان کے خوش حال شہریوں کو اپنے ملک کی بقا اور سلامتی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مال بٹورنے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ یہ دوڑ دور سے ایسی خطرناک نظر آتی تھی کہ اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز دشوار تھی۔

غنیمت تھا کہ اس روز ویرا اکیلی اور بے سروسامان تھی۔ کراچی کے ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مہم کے لیے مالی اور عملی مدد کی پیش کش کرکے ویرا کا دل جیت لیا تھا۔

بعد میں اپنے اس تجربے کا ذکر کرتے ہوئے ویرا نے کہا تھا۔ "اس کی بات سن کر میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک ایسی قوم کے لیے جدوجہد کررہی ہوں جس میں تمہارے اور اول خان کے علاوہ مجید جیسے بے مایہ مگر پرجوش آدمی بھی موجود ہیں۔"

مجید اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نادم اور خاموش تھے۔ ویرا کو افسوس تھا کہ اس نے مجید کے جذبے کو پیسوں میں تولنے کی مذموم کوشش کی تھی اور مجید کو شاید اس بات پر دکھ تھا کہ اس نے اپنی قوم سے ہمدردی جتانے والی ایک میم کو بے دردی سے جھڑک دیا تھا۔

جب تک اگلی ٹیکسی پل عبور کرکے کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے میں سفر کرتی رہی' دونوں خاموش رہے۔ سفر کا سلسلہ ایک سمت میں آگے ہی آگے جارہا تھا لیکن جب اکرم الٰہی کی ٹیکسی ڈیفنس میں توحید کمرشل کے راستے پر جانے کے بجائے سیدھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساحل سمندر کی طرف بڑھتی رہی تو ویرا چونک پڑی۔

"یہ اپنا گھر چھوڑ کر سمندر کی طرف کیوں جا رہا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

"ڈوب مرنے کے لیے جا رہا ہوگا۔" مجید نے بے ساختہ کہا۔

"ہر بے غیرت آدمی کو کبھی نہ کبھی غیرت آ ہی جاتی ہے۔"

"اس کا وقت پورا ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے زندہ نہیں بچا سکتی۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہوگا کہ ہمارا شکار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آ جائے...."

"میں اتنی بات سمجھتا ہوں۔ یہ مر گیا تو اس کی کہانی اسی کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائے گی۔ اس کے سارے ساتھی بچ جائیں گے۔ ان کو بھی اپنے حصے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"تم تو اچھے خاصے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔" رہی سہی تلخی ختم کرنے کے لیے ویرا ہنس پڑی۔

"میں نے ابن صفی کے سارے ناول پڑھے ہوئے ہیں۔" مجید نے سنجیدگی سے انکشاف کیا "انہیں پڑھ کر آدمی کو اچھے اور برے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ عقل سے پیدل ہیں جو جاسوسی ناولوں اور کہانیوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اپنے سرہانے ہر وقت ایسی دو چار کتابیں ضرور رکھتے ہیں۔"

اگلی ٹیکسی ساحل سے ذرا پہلے داہنی طرف مڑ گئی۔ اگر اکرم الٰہی کے دماغ میں کوئی فتور نہیں آیا تھا تو وہ کیسینو کے نام سے شہرت پانے والی عمارت سے ہو کر کہیں پہنچنا چاہ رہا تھا۔

اچانک ویرا کے ذہن کا ایک دریچہ کھل گیا اور بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آنے لگی۔ اکرم الٰہی ٹیکسی سے براہِ راست مائیکرو سینٹر جانے کے بجائے ساحل پر آ گیا تھا۔ وہاں سے توحید کمرشل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر کے وہ شاید پیدل چل کر اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

مجھے اکرم الٰہی کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ویرا کو یہ انداز ہو چکا تھا کہ ہوٹل میں گڑبڑ ہو چکی تھی۔ اکرم الٰہی اور بوب رافیل کی ملاقات مکمل ہو سکی تھی اور نہ اکرم الٰہی پکڑا گیا تھا۔ ہوٹل میں جو کچھ ہونا تھا اس کے لیے وہاں بہت سے لوگ موجود تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے والا اکرم الٰہی صرف اسی کے رحم و کرم پر تھا۔

"مجید! ایک بات سمجھ لو۔" ویرا نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا۔ "یہ آدمی مجھے پہچانتا ہے۔ میں اس کے قریب گئی تو یہ بھاگ کھڑا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہ خیال رکھنا کہ وہ میری ٹیکسی لے کر بھاگنے نہ پائے۔"

"میری خواہش ہے کہ میں اسے زیر کروں۔" ویرا نے اپنی آرزو ظاہر کی۔

"اس پر پہلا حق تمہارا ہے۔ تم اس کے لیے گلشن اقبال سے دوڑی چلی آ رہی ہو۔ پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں اترتا ہے پھر تم ہی کوشش کر لینا۔ اگر تم کوئی بہت خطرناک عورت نہیں ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر نہیں بھاگے گا۔ پاکستانی مرد ایک عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ اس سے ڈر کر بھاگنا مردانگی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ بھاگا تو میں اسے ٹیکسی کی ٹکر مار کر کہیں بھی گرا دوں گا۔ بس آس پاس کھلا میدان ہونا چاہیے۔"

اگلی ٹیکسی ویران عمارت کے پہلو سے گزری اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ مجید نے اپنی ٹیکسی موڑ پر ہی روک لی مگر انجن بند نہیں کیا۔ وہ خوش تھا کہ دشمن نے اترنے کے لیے صحیح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

ویرا نے اپنے وینٹی بیگ سے کھوکھلے نگینے والی انگوٹھی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی ڈھیلی تھی لیکن ویرا کچھ دیر کے لیے اسے سنبھال سکتی تھی۔

اکرم الٰہی کرایہ ادا کر کے ٹیکسی سے اترا اور خالی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

ساحل کی ریت پر دور دور تک تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ سورج نصف النہار پر پہنچنے والا تھا۔ اکرم الٰہی نے وہیں کھڑے کھڑے آسمان کی طرف دیکھا پھر جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

مجید نے ویرا کا اشارہ پا کر اپنی ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

اکرم الٰہی ہوٹل سے بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا اور وہ خود ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا اس لیے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ایک دوسری ٹیکسی نے محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس نے انجن کی آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا اور ساحل کی طرف منہ کیے سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔

ساحل کے اس حصے میں کافی ویرانی تھی مگر کہیں کہیں اِکا دُکا افراد نظر آتے تھے۔ مجید کے لیے وہ سنہرا موقع تھا کہ وہ ٹیکسی کے اگلے حصے کی ہلکی سی ٹکر سے اکرم الٰہی کو تپتی ہوئی ریت پھانکنے پر مجبور کر دے مگر ویرا نے سختی سے اسے منع کر دیا "دانستہ ٹکر کو حادثہ سمجھ کر لوگ اس کی مدد کے لیے دوڑے چلے آئیں گے۔ بس تم گاڑی اس کے قریب روک لینا۔ میں پل بھر میں اسے ٹیکسی میں گھسیٹ لوں گی۔"

مجید نے اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اکرم الٰہی بری طرح چونک کر پلٹا۔ اسی لمحے ویرا دروازہ کھول کر عقبی نشست سے نیچے اتری اور اس نے چنّاخ کی آواز کے ساتھ اس کے داہنے رخسار پر اپنے بائیں ہاتھ کا طمانچہ جڑ دیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرا گیا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ماہرین کا دریافت کیا ہوا سریع الاثر محلول، انگوٹھی میں جڑے ہوئے رنگین ربر کے کھوکھلے نگینے سے نکل کر اکرم الٰہی کے داہنے رخسار کی جلد میں سرایت کر چکا تھا۔ اس نے مزاحمت کے لیے ہاتھ بلند کرنا چاہے جو پوری طرح اٹھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھول گئے۔

ویرا نے اس کے گلے میں جھولتی ہوئی ٹائی سے لگام کا کام لیا اور وہ منہ کے بل نشست سے ٹکرا کر اس طرح عقبی پائیدان میں گرا کہ اس کا آدھا دھڑ ریت پر لٹک رہا تھا۔

اندر سے مجید نے بے رحمی سے اکرم الٰہی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور پیچھے سے ویرا نے دھکیلا۔ چند ہی لمحوں میں اس کا پورا وجود ٹیکسی میں سما گیا۔ ویرا پچھلا دروازہ بند کر کے پھرتی سے مجید کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی اور ٹیکسی چل پڑی۔

شروع سے اس وقت تک جو کچھ ہوا' غیر متوقع طور پر ہوا۔ گھر سے چلتے ہوئے یہ بات ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سر کر ڈالے گی۔ اکرم الٰہی کو پہچانتے ہی اس کے سر پر ایک دھن سوار ہوئی تھی کہ اسے ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ اس ادھیڑبن میں وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکی تھی۔

اسے نہایت آسانی سے زیر کرتے ہی وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی کہ اسے کہاں لے جائے۔

اس کے ذہن میں پہلا خیال اسٹیشن فور کا آیا مگر وہ پچھلی رات میری زبان سن چکی تھی کہ مجھے اور سلطان شاہ کو مقبول چوہدری کو وہاں پہنچانے میں کیا دشواری پیش آئی تھی۔ ہمارا مسئلہ حامد نے حل کر دیا تھا مگر ویرا جانتی تھی کہ اس وقت حامد بھی ہمارے ساتھ ہوٹل میں الجھا ہوا تھا۔ حامد کی واپسی کے انتظار میں اسے کسی چیک پوسٹ پر قیدی کی طرح وقت گزارنا گوارا نہیں تھا۔ اس نے وہ امکان یکسر مسترد کر دیا۔

آئی بی والوں سے اشتراکِ عمل کی وجہ سے صفدر مینشن دوسرا محفوظ ٹھکانا تھا۔ ویرا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ آئی بی والوں کی وہ عمارت نشتر روڈ پر کہیں واقع تھی۔ وہ اس طویل سڑک سے متصل' اس کے صحیح محل وقوع سے واقف نہیں تھی۔ ٹیکسی میں ایک بے ہوش قیدی کو لے کر اس گنجان آباد علاقے میں صدف مینشن کو تلاش کرنے میں سنگین خطرات مضمر تھے۔ آخر میں گلو خلاصی کا پورا یقین ہونے کے باوجود وہ اپنے ساتھ مجید کو کسی سنگین درمیانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں تھی۔

رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے مجرموں پر پولیس کے ناروا تشدد کے بارے میں وہ اخبارات میں کئی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ پولیس کے بارے میں ایسی کہانیاں عام ہونے کے باوجود جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ جرائم کی ہر نئی رو پرانی لہر سے زیادہ سنگین ثابت ہوتی تھی۔

"مادام!" گاڑی ایک سڑک پر موڑتے ہوئے مجید نے ویرا کو مخاطب کیا "غدار کا پارسل تو تیار ہو گیا ہے۔ اسے پہنچانا کہاں ہے؟"

اس کا لہجہ مزاحیہ تھا۔ وہ ویرا کے ذہن میں ہونے والی اکھاڑ پچھاڑ سے بے خبر شاید یہ سوچ کر نہال ہوا جا رہا تھا کہ اس نے ایک غدار کی سرکوبی میں کسی سرکاری عورت کا ساتھ دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

ویرا کے پاس مجید کے اس اہم سوال کا کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ اس نے نیم دلی سے کہا "وہیں لے چلو' جہاں سے تم نے مجھے اپنی ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔"

"معاملہ خطرناک نہ ہوتا تو وہاں جانے سے پہلے میں اپنے گھر ضرور جاتا تاکہ میری بیوی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ آج میں نے اپنے ملک کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اسے میرا ٹیکسی چلانا پسند نہیں ہے۔ ہر وقت کہتی رہتی ہے کہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور دھندا کر لوں۔ اس میں عزت نہیں ہے۔ دیکھو خدا نے آج کیسی عزت دی ہے۔ اصل عزت وہ ہوتی ہے جو انسان کے اپنے دل کے اندر ہوتی ہے۔ رشتے داروں اور دوسروں کے کہنے سننے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

ویرا نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی مگر جواب میں کچھ نہ بولی۔ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا مگر اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے پر مطمئن نہیں تھی۔ وہ مجھ سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

موبائل فون کو ہماری تحویل میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے کسی کو بھی اس کی عادت نہیں پڑ سکی تھی۔ جوں ہی ویرا کو میرے موبائل فون کا دھیان آیا' وہ فوراً بول پڑی۔ "راستے میں کوئی فون بوتھ نظر آئے تو گاڑی روک لینا۔ مجھے ایک اہم فون کال کرنی ہے۔"

"ضرور' ضرور!" مجید خوش ہو کر بولا "بس ٹیکسی ذرا پرانی ہے ورنہ اس وقت کسی زبردست انگریزی فلم کا مزہ آ رہا ہے۔ تم شاید کسی بڑے کو بتاؤ گی کہ تم نے اپنا کام کر لیا ہے۔"

"ہاں' حقیقی زندگی کبھی کبھی فلموں سے بھی زیادہ حسین اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔"

"میں ٹیکسی نہ چلا رہا ہوتا تو آج کی اتنی بڑی خوشی سے محروم رہ جاتا۔" وہ بہت مسرور تھا۔

پہلا پبلک فون نظر آتے ہی مجید نے ٹیکسی احتیاط سے ایسی جگہ روک دی جہاں پچھلے پائیدان میں پڑا ہوا قیدی کسی راہ گیر کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ویرا ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے بوتھ میں گھس گئی۔

کسی بھی ایمرجنسی کے لیے ہم لوگ ہر وقت فون کارڈ ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ ویرا نے سلاٹ میں کارڈ ڈال کر میرا نمبر ملایا اور بزی ٹون سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا۔

ریسیور کریڈل کے ہک سے لٹکا کر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ناخنوں کا جائزہ لینے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○☆○

میں نے جلال سے مختصر سی بات کر کے فون بند ہی کیا تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔

میں چونک پڑا۔ اس وقت مجھے کون فون کر سکتا تھا۔ میں نے بٹن دبانے کے بعد موبائل فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔

"میں نے اکرم الٰہی کو پکڑ لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں لے جاؤں۔"

"تم تو گھر پر پڑی سو رہی تھیں۔ اکرم تم سے کہاں ٹکرا گیا؟" میں اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

"وہ ہوٹل سے بھاگ رہا تھا کہ میں پہنچ گئی۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ وہ ایک ٹیکسی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں جاؤں؟ گھر شاید محفوظ نہیں رہے گا۔" ویرا بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں بول رہی تھی۔

"میں بوب رافیل کو لے کر نکل چکا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ کلفٹن بیچ سے تھوڑی دور نکلے ہیں۔" ویرا کی آواز ابھری۔

"ہم لوگ اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ تم فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹھیک سامنے گورا قبرستان کے بس اسٹاپ پر پہنچو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ اول خان کی لینڈ روور تم پہچانتی ہو۔"

ویرا نے مزید کچھ کہنے سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ویرا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو اعتماد میں لے کر اتنی بڑی کامیابی حاصل کر گزرے گی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اکرم الٰہی کو پکڑ کر میرے اس جھوٹ کی لاج رکھ لی تھی جو میں نے اس بارے میں بوب رافیل سے بولا تھا۔

"کون تھا؟ اکرم کہاں ہے؟" میرے فارغ ہوتے ہی اسٹیرنگ وہیل پر موجود حامد سوال کر بیٹھا۔

"وہ بھی پکڑ لیا گیا۔" میں نے مسرت سے اسے آگاہ کیا "ویرا اسے لا رہی ہے۔"

"گڈ!" حامد کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی "اس کے نکل جانے پر مجھے یہ مشن ادھورا بلکہ ناکام نظر آ رہا تھا۔ شاید ہم بوب رافیل کو زیادہ سبق نہ دے سکیں لیکن اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیاں ضرور توڑ سکتے ہیں۔"

یہ بات سب جانتے تھے کہ بوب رافیل ایسا قیدی نہیں تھا جسے مکافاتِ عمل کے طور پر ہمیشہ کے لیے غائب کیا جا سکے۔ اسے کسی نہ کسی مرحلے پر رہا کرنا ناگزیر تھا۔ اس وجہ سے اس کی گرفتاری میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سرے سے نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری اور پھر رہائی کے سلسلے میں ضابطے کی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے ابتدا سے آخر تک اس کیس کی ہر ذمے داری انٹیلی جنس بیورو کو اپنے ذمے لینی تھی۔

اس اعتبار سے بوب رافیل کو ہوٹل سے براہِ راست صدف مینشن ہی منتقل کیا جانا چاہیے تھا مگر اس بارے میں آئی بی والوں کی مجبوری بھی وہی تھی جو ویرا کی تھی۔

صدف مینشن کی مہیب اور اجاڑ عمارت کے گرد و نواح میں رہنے یا کاروبار کرنے والوں کے لیے کوئی بات بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عمارت پر کہیں کوئی نمایاں سائن بورڈ نہ ہونے کے باوجود سب جانتے تھے کہ صدف مینشن کسی ایجنسی کے تصرف میں ہے اور لوگ عام طور پر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں خوف سے کہیں زیادہ رازداری کا عنصر تھا۔

لوگوں کی اس خود اختیاری احتیاط کے باوجود آئی بی والوں نے خود کو کبھی اپنے پڑوسیوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے وہاں آتے جاتے تھے اور کسی سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے مگر اس عمارت میں ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ بس ایک عمارت تھی۔ اس کا کوئی احاطہ تھا نہ وہاں صحن پایا جا سکتا تھا اس لیے گاڑیاں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہاں سے عمارت کے داخلی دروازے تک ایک کھلا راستہ تھا جو سب کی نگاہوں میں تھا۔

اس خرابی کی وجہ سے آئی بی والے' دن کی روشنی میں اپنے قیدی شہر کی کسی بھی حوالات میں رکھتے تھے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے کے بعد انہیں خاموشی سے صدف مینشن میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ آس پاس کی آبادی میں غیر ضروری خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔

مگر بوب رافیل کوئی عام قیدی نہیں تھا۔ وہ شہر کے کسی لاک اپ میں بھی بھیجا جاتا' بات پھیل جاتی۔ دن کے اجالے میں اسے براہ راست صدف مینشن لے جانا ہر اعتبار سے عقل و احتیاط کے خلاف ہوتا۔ اس مجبوری کی بنا پر یہ طے ہوا تھا کہ اسے عارضی طور پر ایس ٹی ایف کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کی منتقلی کے لیے آئی بی والوں نے ایمبولینس اور اسٹریچر کے استعمال کی تجویز بھی رد کر دی تھی۔

آئی بی کے افسران نے اپنی نگرانی میں بوب رافیل کو لینڈ روور میں پہنچایا اور چلے گئے۔ میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو گاڑی میں گھر بھیج دیا اور خود لینڈ روور میں حامد کے ساتھ ہو لیا۔

راستے میں موبائل فون پر ویرا سے بات ہونے سے پیشتر میں نے جلال کو ان انتظامات کے بارے میں بریف کرنا چاہا تو وہ پہلے سے باخبر تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ بوب رافیل اپنی تعیناتی کے مقام سے سینکڑوں میل دور پکڑ لیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو کچھ ہوا' وہ سو فی صد ہمارے حق میں تھا لیکن میں ویرا اور اس کے ساتھی ڈرائیور کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔ ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے تو ہمیں پورا یقین تھا کہ وہ گہری پینک میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ ہماری مہم میں حصہ لینے کے قابل تھی اور نہ اسے اس مہم سے کوئی دلچسپی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ وہ سوتے سوتے اٹھی' اس نے ہمارے ساتھ آ ملنے کا ارادہ کیا' اسے ایک ایسا ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو اس کا ہم خیال اور ہم نوا تھا' وہ ایسے وقت پر ہوٹل کے قریب پہنچی کہ اکرم الٰہی وہاں سے فرار ہو رہا تھا' ویرا نے سب کچھ بھول بھال کر اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور آخر کار اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی کی کوئی ٹھوس حقیقت نہ ہو' کسی ڈراما نگار کا لکھا ہوا ڈراما ہو جس میں سب کچھ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ڈراما نگار نے لکھا ہو یا ہدایت کار چاہتا ہو۔

ویرا کو سب کچھ سجا سجایا ملا تھا اور وہ ناقابلِ یقین مگر پے در پے اتفاقات کے سہارے ایک بڑی کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ اس کا کمال یہ تھا کہ اس نے ایک اجنبی ڈرائیور کو اس طرح شیشے میں اتارا تھا کہ وہ اپنی سلامتی کو بھول کر اندھا دھند ویرا کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔

میرے دل میں شدت سے یہ خواہش مچلی کہ کاش میں بھی ویرا کے ساتھ ہوتا اور یہ دیکھتا کہ وہ ایک اجنبی شخص کے ذہن میں کس طرح اترتی چلی جاتی ہے۔

ایف ٹی سی یا فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کراچی کی ایک مشہور عمارت ہے جس کی مسجد اپنی ساخت میں انفرادیت رکھتی ہے۔ ہم اس کے سامنے مقررہ بس اسٹاپ پر پہنچ کر رک گئے۔

ہمارے لیے وہ فاصلہ کم تھا لیکن ویرا کو وہاں تک پہنچنے کے لیے نسبتاً زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر سگریٹ سلگالی۔

"سر!" حامد نے مودب لہجے میں مجھے مخاطب کیا "جب سے آپ کو فون پر یہ اطلاع ملی ہے کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا ہے' آپ خاموش اور کچھ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"پریشان نہیں' میں اندر سے بہت خوش ہوں۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مگر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کبھی اتنے اتفاقات بھی یکجا ہو سکتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے لب پھڑکے اور پھر ساکت رہ گئے۔

"کہو کہو.... کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے متجسس انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"آپ ہی کی مثال ذہن میں آ رہی تھی۔ ڈر رہا ہوں کہ آپ برا نہ مان جائیں۔"

"محاذ پر شانہ بشانہ لڑنے والے آپس میں گہرے دوست بن جاتے ہیں' ایک دوسرے کی بات کا برا نہیں مناتے۔ میرا خوف اپنے ذہن سے بالکل جھٹک دو۔"

"ہم لوگ بھی آپ کے کاموں کے بارے میں وہی سوچتے ہیں جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

"اتنے اتفاقات میں نے آج تک یکجا ہوتے نہیں دیکھے۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آپ واقعات کا ایک اہم کردار ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ آتا ہے' کرتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجے میں جو کچھ سامنے آتا ہے' دوسروں کے لیے محیر العقول ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"مگر میں نے آج تک ایسا محسوس نہیں کیا۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا۔

"میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ واقعات کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کرتے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق فیصلے کرتے چلے جاتے ہیں اور مطلوبہ مقاصد یا نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ دور سے تماشا دیکھنے والوں یا نتائج سننے والوں کو یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مجھے اس سے اتفاق کرنا پڑا "ویرا بر وقت اور صحیح فیصلے کرنے پر قادر ہے۔ وہ ذہین نہ ہوتی تو آج میرے قریبی ساتھیوں میں شامل نہ ہوتی۔"

"میں نے مادام کی بہت تعریف سنی ہے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کی نفسیات سے کوئی فائدہ اٹھایا ہو گا ورنہ وہ اکرم الٰہی کی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کے بجائے مادام کو کسی پولیس اسٹیشن میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ ویرا نے میری بات کی لاج رکھ لی۔ وہ ہمارا قیدی ہے۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا "اب یہی دیکھ لیں کہ بوب رافیل ہمارے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ آپ نے اس پر ایک نفسیاتی وار کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔"

میری مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ مجھے کوئی خاص بات یاد نہیں آ سکی تھی۔

"آپ اپنی دانست میں ناکام لوٹے تھے مگر آپ نے اسے یہ بتایا تھا کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا۔ اس کے بعد ہی اس کا حوصلہ ٹوٹ سکا تھا ورنہ وہ ہم لوگوں کے سامنے ضد پر اڑا ہوا تھا۔"

"وہ اس وقت کی ضرورت تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "اب اس کے سامنے بھول کر بھی اکرم الٰہی کا ذکر نہ کرنا۔"

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا "اسے بے دست و پا دیکھ کر بوب کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی اپنی کہانی سناتا چلا جائے۔"

"نہیں حامد' بات اتنی سیدھی نہیں ہے۔" میں نے گہری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ بوب رافیل کو بھرے پُرے ہوٹل سے پکڑا گیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہمیں اس کو رہا کرنا پڑے گا۔"

"سر! میں معذرت خواہ ہوں۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی!۔۔وہ بولا "اس کی رہائی اور اکرم الٰہی کو پوشیدہ رکھنے میں کیا تعلق ہے؟ ہماری کوشش تو یہی ہوگی نا کہ رہا کرنے سے پہلے ہم بوب رافیل سے جو کچھ اگلوا سکتے ہیں' اگلوالیں۔ وہ مواد بعد میں ہمارے کام آئے گا۔"

"تمہاری آخری بات بالکل صحیح ہے لیکن سوال میں گہرائی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "رہائی پانے کے بعد وہ اپنے والدین کو بتائے گا کہ اس کے ساتھ اکرم الٰہی بھی قید تھا۔ ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجرموں کی سرپرستی کرنے والے واقعی ان کے والدین ہوتے ہیں۔ بوب رافیل اب بھی ان کو یہی بتائے گا کہ اکرم الٰہی ہمارا قیدی ہے کیونکہ آپ نے اس کو یہ تاثر دیا ہے۔"

"وہ سنی سنائی بات ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے اکرم الٰہی کو ٹیکسی میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا ہوگا۔ ضرورت پڑی تو ہوٹل کے عملے میں سے ہی ایسے گواہوں کو سامنے لایا جاسکے گا جو بوب رافیل کے دعوے کی تردید کریں گے۔ وہ اکرم الٰہی کی قید کا چشم دید گواہ بن گیا تو اسے جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے پیچیدگی پیدا ہوجائے گی۔"

وہ پُرخیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔ بات ذرا دیر سے اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

اچھا ہوا کہ حامد نے وہ ذکر نکال لیا تھا۔ اسٹیشن فور پہنچنے اور قیدیوں کے ہوش میں آنے سے پہلے ان نکات کا صاف ہوجانا ضروری تھا ورنہ ہم خود اپنی دو عملی سے کوئی نقصان اٹھا سکتے تھے۔

وہ سارا ابہام صرف اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اکرم الٰہی نے ہماری توقع سے کہیں زیادہ مکّاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ مائیکرو سینٹر سے اس کے خفیہ فرار کی وجہ سے ہمارا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

ہم اس کی باقاعدہ روانگی اور پھر ہوٹل آمد کے انتظار میں مزید کچھ وقت گنوا دیتے تو وہ بوب رافیل سے مل کر' ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہوا واپس چلا جاتا۔ غنیمت ہوا کہ آخری لمحات پر ہمیں ہوش آگیا اور ہم نے اچانک ہوٹل کے ریستوران پر دھاوا بول کر اکرم الٰہی کو سامنے آنے پر مجبور کردیا۔

شروع سے اس وقت تک ہمیں آپس میں مشورہ کرنے اور نئی حکمت عملی طے کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ بس ایک موٹی سی بات طے ہوسکی تھی کہ بوب رافیل کو آئی بی کے کھاتے میں قید ہونا تھا۔

"ابھی وقت ہے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر حامد سے کہا "کوئی اور نکتہ ذہن میں موجود ہو تو اس پر بھی تبادلہ خیال کرلو۔۔۔"

"نو سر!" اس نے اپنے داہنے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "وقت کے ساتھ مسائل اور نکات سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کا کام آپ ہی کریں گے۔ ویسے بھی ڈسپلن کے تحت ہر مشن کا ایک چیف ہوتا ہے۔ میں احکام کی تعمیل کرتا رہوں گا۔ صرف اتنا بتا دوں کہ میں نے اپنے تین آدمیوں کو ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردیا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ وہ کم از کم ایک بجے تک عیش کرتے رہیں گے۔ پھر اسلام آباد والوں کے ایما پر ان کے مقامی قونصل خانے سے کوئی نہ کوئی ہوٹل کا رخ ضرور کرے گا۔"

اپنی گفتگو کے دوران میں ہم بار بار اس ٹریفک کا جائزہ لے رہے تھے جو سگنل کھلنے کے دوران ڈیفنس اور کورنگی کی سمت سے آکر بڑے ریلوں کی صورت میں شارع فیصل پر آرہا تھا۔ ہم دونوں کا اندازہ تھا کہ ویرا اسی سمت سے نمودار ہوکر سگنل سے داہنی طرف آئے گی۔

آخر کار ہمیں ایک سیاہ اور پیلی ٹیکسی نظر آئی جو مڑنے والے ٹریفک کی بھیڑ سے بائیں طرف کٹ کر تیزی سے الگ ہورہی تھی۔ ٹیکسی کا بایاں انڈی کیٹر بھی تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔

دن کی چمکتی ہوئی تیز دھوپ میں دور دور تک ہر چیز روشن اور صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اس ٹیکسی میں ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر ویرا براجمان تھی۔

اسی لمحے حامد نے لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ شاید اس نے بھی ویرا کو پہچان لیا تھا۔

"چل پڑو!" اسے ہدایت دے کر میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر نکالا اور ہاتھ لہرا کر ویرا کو اشارہ کیا۔ ویرا نے ہاتھ ہلا کر جوابی اشارہ دیا اور دونوں گاڑیاں دھیرے دھیرے ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوتی چلی گئیں۔

"ٹیکسی ڈرائیور بہت دلیر اور ایمان دار آدمی ہے۔" حامد نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں راستے میں اس کی نیت نہ بدل جائے۔"

"وہ کتنا ہی بے جگر اور مخلص کیوں نہ ہو' ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھا سکتے۔ ہمیں راستے میں کہیں نہ کہیں رکنا پڑے گا تاکہ ویرا اور اکرم الٰہی کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائیور کو رخصت کرسکیں۔"

"یہاں سے ملیر ہالٹ کے موڑ تک سڑک اسی طرح مصروف ملے گی۔ ٹریفک کی اس بھیڑ بھاڑ میں ہم کہیں رک کر اپنا کام پورا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"پھر اسے کہاں تک ساتھ لے جاؤ گے؟" میں نے پُرتشویش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لہجے میں پوچھا۔

"چھاؤنی کی حدود کے آغاز سے پہلے اسے فارغ کردیں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس علاقے میں واپس جاتے ہوئے اسے بھی اطمینان رہے گا کہ اس نے صحیح فریق کی حمایت کی ہے۔"

میں نے چپ سادھ لی۔ سفر خاموشی اور تیزی کے ساتھ جاری رہا۔

ملیرہالٹ ریلوے اسٹیشن سے ہم بائیں طرف مڑگئے۔ ٹیکسی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ دونوں طرف عمارتوں اور سایہ دار درختوں کا سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا اس سے آگے داہنی طرف شہری آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بائیں طرف خاردار تاروں کی باڑھ کے پیچھے ائرپورٹ کی زمین تھی۔

شہری آبادی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی فوجی عمارات نظر آنے لگیں۔ چھاؤنی کا اصل علاقہ ان انتظامی عمارات سے کچھ دور شروع ہوتا تھا جہاں ملٹری پولیس کی چیک پوسٹ قائم تھی۔

حامد نے ایک قدرے سنسان علاقے میں لینڈروور سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ ذرا سی دیر کے لیے ویرا کی ٹیکسی دھول کے بادل میں چھپ گئی۔ لینڈروور رکنے کے بعد غبار چھٹا تو ٹیکسی بھی پیچھے رک چکی تھی۔

"یہ مجید ہے!" ویرا نے ہماری طرف جھپٹتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں ٹیکسی ڈرائیور کا تعارف کرایا "یہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں... بروقت ہوٹل پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ راستے کے ٹریفک میں اس نے کسی بازی گر کی طرح اپنی ڈرائیونگ کے کمالات دکھا کر مجھے حیران کردیا۔"

میرے بعد حامد نے بھی بہت تپاک سے مجید سے ہاتھ ملائے۔ وہ ایسی بے یقینی سے باری باری ہم لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بہت فراخ دلی سے شاباش دی تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "بس صاحب! پہلے میم صاحب کی اردو نے دل جیتا پھر پاکستان سے ان کی محبت نے میری غیرت کو جگا دیا اور میں ان کا غلام ہوگیا۔ غدار میری ٹیکسی میں ہے۔ جب اسے سولی چڑھاؤ تو رسی میں ایک ڈور میرے نام کی بھی باندھ دینا۔"

میں نے اپنی جیب سے ہزار ہزار کے دس تہ کیے ہوئے نوٹ نکال کر زبردستی اس کی جیب میں اڑس دیے "یہ رکھ لو۔ یہ ہماری طرف سے تمہارے بال بچوں کے لیے حقیر سا نذرانہ ہے...."

"نہیں صاحب...." اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "اتنی بے دردی سے میری قیمت نہ لگاؤ۔ میں میم صاحب سے وعدہ کرچکا ہوں کہ ایک پیسا نہیں لوں گا۔ کرائے کا نہ انعام کا۔"

"یہ قیمت ہے نہ کرایہ، نہ انعام۔" میں نے محبت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا "یہ نذرانہ ہے۔ تمہاری عظمت اور حب الوطنی کے نام!"

"ہم غریب لوگوں کا کیا ہے صاحب!" وہ رندھی ہوئی آواز میں پیسے واپس کرنے پر مصر رہا "شہر میں روز دو چار گاڑیوں کے نیچے کچلے جاتے ہیں اور کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا ٹینکر میری ٹیکسی کے ساتھ مجھے بھی پیس ڈالے، مجھے غدار سے لڑنا چاہیے۔ میں اپنے سینے پر اس کی گولی کھالیتا تب بھی مجھے کوئی غم نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ میم صاحب میرے گھر والوں کی دیکھ بھال کرلیں گی مگر اب میں زندہ ہوں، کمانے کے قابل ہوں۔ یہ پیسے رکھ لو۔ اس پیارے پاک وطن کی تھوڑی سی خدمت کا حق ہم غریبوں کو بھی دے دو۔ یہ پیسے واپس رکھ لو!"

فرط جذبات میں وہ بولتا ہی چلا گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔

میں آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی، ان نم آنکھوں کا سامنا نہیں کرسکا۔ مجید کے سامنے میں خود کو بہت حقیر محسوس کررہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے پہاڑ تلے آیا ہوا اونٹ خود کو محسوس کرتا ہے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ نوٹ خاموشی سے واپس لے لیے جو میں نے دوران سفر بڑی احتیاط سے گن کر مجید کے لیے الگ رکھے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے میں سکتے کی حالت میں چلا گیا پھر میں نے بے اختیار مجید کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر اس بے مایہ مزدور کی پُرنور پیشانی چوم لی جو کروڑ پتی لٹیروں کے برعکس اپنی دھرتی کے لیے اپنا خون بھی دینے کے لیے تیار تھا۔

اسے دیکھ کر میرا یہ یقین راسخ ہوگیا کہ پاکستان میں جب تک ایک بھی مجید موجود ہے، کوئی اس ملک کا بال بیکا کرسکتا ہے، نہ اسے اپنے مذموم عزائم کی آماجگاہ بنا سکتا ہے۔

میرے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں مجید کے وجود نے ایک شدید جھٹکا لیا اور شاید اس کے دل کا غبار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔ پھر وہ پرسکون ہوگیا۔

میں نے ویرا کو ہدایت کی کہ وہ مجید سے اس کے گھر کا پتا لے لے اور خود حامد کے ساتھ اکرم الٰہی کے ساکت اور گندے وجود کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مجید اور اکرم الٰہی۔ پاکستانیوں کی دو مثالی انتہائیں تھیں جنہیں قدرت کی ستم ظریفی نے ملیر چھاؤنی کی چوکھٹ پر یک جا کردیا تھا....!

وہ کارروائی بہت تیزی سے مکمل ہوئی۔ اکرم الٰہی کو لینڈروور کے عقبی حصے میں بوب رائیل کے ساتھ ڈالنے کے بعد ہم نے اپنے نئے دوست کو گرم جوشی سے الوداع کہا اور لینڈروور غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مجید اپنی ٹیکسی کے پاس کھڑا، حسرت بھری نظروں سے ہمیں روانہ ہوتے دیکھتا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واقعی مجید ایک عظیم، سچا اور بے لوث پاکستانی ہے۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہیں کہاں مل گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے نکما سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔ دیکھ لو، مقدر نے کیسا وسیلہ فراہم کیا۔"

ویرا کے جواب میں طنز تھا۔ میں نے پلٹ کر اسے گھورا اور اس کی زبان فوراً بند ہو گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں حامد کے سامنے ایسی آزادانہ گفتگو کے حق میں نہیں تھا۔

چیک پوسٹ والوں کے لیے گاڑی اور اس کے ڈرائیور میں سے کوئی بھی اجنبی نہیں تھا۔ بس اسپیڈ بریکر اور رکاوٹ کی وجہ سے رفتار ضرور سست ہوئی مگر لینڈ روور کسی تلاشی کے بغیر ملٹری ایریا میں داخل ہو گئی۔

حامد کے استفسار پر ویرا نے اکرم الٰہی کو پکڑنے کی کہانی سنانی شروع کر دی۔

وہ سب ہماری ایک ہی مہم کا تسلسل تھا۔ تین نادر الوجود مجرم ہماری تحویل میں آ چکے تھے اور تینوں ہی الگ الگ ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر اس انجام کو پہنچے تھے۔

مقبول چوہدری کو سلطان شاہ نے ڈارٹ گن سے بلیو شاٹ چلا کر بے ہوش کیا تھا، بوب رافیل کی حساس رگوں کو غزالہ کی نرم و نازک انگلیوں نے مسل کے رکھ دیا تھا اور ویرا کے پاس انگوٹھی کے جعلی نگینے کی کہانی تھی۔

اسٹیشن فور پر تینوں قیدیوں کو الگ الگ کمروں میں پہنچانے کی کارروائیاں جاری تھیں کہ میرا موبائل فون بول اٹھا۔

دوسری طرف جلال تھا۔ اس کی آواز زندگی سے بھرپور تھی۔

"اس وقت کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

"قیدیوں کو ڈھونے کی بے گار میں جتے ہوئے ہیں۔" میں ٹہلتا ہوا ایس ٹی ایف والوں سے الگ ہو لیا۔

"یہ سعادت مقدر والوں کو ملتی ہے۔" ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز آئی "مجھے تم پر رشک آنے لگا ہے۔ جہاں ہاتھ ڈالتے ہو، کامیابی کی دیوی دونوں ہاتھ باندھ کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔"

"تم اتنی پھونک دے رہے ہو تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اکرم الٰہی بھی پکڑا گیا...."

"کب....؟ کیسے....؟ کہاں سے....؟" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑا "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹیکسی پکڑ کر فرار ہو گیا اور تم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہی ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسے ایک ساتھن نے پکڑا ہے۔"

"ساتھن....؟ یہ کیا بلا ہے؟ میں یہ لفظ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

وہ حیران رہ گیا۔

"موڈ میں آ کر میں نے بھی یہ لفظ پہلی بار استعمال کیا ہے۔ اگر لغت میں یہ لفظ کہیں موجود ہو تو اس کے معنی ساتھی کی مادہ کے ہونے چاہئیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اوہ.... تو یوں کہو کہ تمہاری کسی ساتھی عورت نے اسے پکڑا ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"بوب رافیل کے ساتھ ہی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے قیدی کے بجائے قیدیوں کو ڈھونے کا ذکر کیا تھا۔ دونوں بے ہوش ہیں۔ انہیں الگ الگ کوٹھڑیوں میں ڈالا جا رہا ہے۔"

"یہ غضب کی خبر سنائی ہے تم نے۔ بس اسی لیے مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اکرم الٰہی کے پائے کا مجرم ایک مرتبہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائے تو مشکل سے ہی ہاتھ آ جاتا ہے۔"

"پیروں فقیروں کی دعا ہے کہ اپنی ہر مشکل خود بخود آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔"

وہ ہنسا پھر بولا "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ غالب نے شاید تمہارے لیے ہی کہا تھا کہ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔"

"اس کام سے میں تائب ہو چکا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کب کی اطلاع ہے؟" اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی "ابھی تو تم موڈ میں آ کر اردو لغت میں نئے الفاظ کا اضافہ کر رہے تھے۔ یہ موڈ کیسے بنا ہوا ہے تمہارا؟"

"تمہیں دیکھ کر رنگ پکڑ رہا ہوں۔ مسلسل سنجیدگی سے میں اکتایا ہوا تھا۔"

"چھوڑو یار۔ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ مجھے چکر نہ دو۔ میں تم سے بہت دور، اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر تمہارا گلا س نہیں چھین سکتا۔"

"یہ واقعہ چند منٹ پہلے کا ہے جب میں مجید نامی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ملا تھا۔ وہ ایک چھلا چھلایا، خالص پاکستانی ہے۔ اندر سے باہر تک بالکل ایک جیسا۔ اس سے مل کر بہت شرم آئی اور پہلی بار احساس ہوا کہ ملک و قوم کے غم میں گھلنے کے لیے الکحل بہت ضروری نہیں ہے۔"

"آج تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ اس وقت تمہارا معدہ خشک ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں کیوں ہری ہری سوجھ رہی ہے؟"

"ہری ہری سوجھ رہی ہے!" اس نے مستفسرانہ انداز میں میرے الفاظ دہرائے "اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تمہاری اردو بہت کمزور بلکہ ناقص ہے۔ یہ ساتھن سے بہت مختلف اور سادہ سا جملہ ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آئی بی کے تم جیسے ذمے دار افسر پر اچانک شاعری کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یار، کام کے دباؤ اور مسلسل پریشانیوں میں اچانک بوب رافیل جیسی کوئی سرخ روئی حاصل ہو جائے تو تم یقین کرو کہ گنگنا کر رمبا ناچنے کو جی چاہتا ہے مگر سالا اسٹیٹس آڑے آجاتا ہے۔"

"اسٹیٹس آڑے آنے لگے تو پشتو میں غیبت شروع کر دیا کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"دیکھو، تم پھر کوئی الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم بات کہہ گئے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"غیبت سے اسٹیٹس سمیت ہر چیز پس پشت چلی جاتی ہے۔ آدمی کا ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔ پیٹ کا ابھار بھی دور ہو جاتا ہے۔ ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالنے کا موقع مفت میں ہاتھ آتا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آج تم واقعی موڈ میں ہو۔ بہت روانی سے فضول گوئی کر رہے ہو۔"

"ابھی تک تم موج میں آکر مجھے دو مصرعے سنا چکے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "میں بھی اپنے ذہن کی دھول جھاڑ رہا تھا۔ بوب رافیل کا ہاتھ آنا ہمارے لیے کسی خوشی کے بجائے نئی دشواریوں کا نکتہ آغاز بن سکتا ہے۔"

"اس بار ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز سے پختہ عزم کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا میں تمہاری اس خوش گمانی کا کوئی معقول سبب جان سکتا ہوں؟"

"یوں چبا چبا کے سوال نہ کرو۔ میرے سر کے آدھے بال سفید ہیں میری خوشی بے سبب نہیں ہے۔"

"دھوپ سے میرے بھی دو چار بال سفید ہو چکے ہوں گے۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اس بار میری تجویز پر جارحانہ رویّہ اپنایا گیا ہے اور ان کی بازی ان پر ہی الٹ دی گئی ہے۔"

"اب مجھے ایک مصرعہ سنانا پڑے گا۔ ایک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔" میں نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہم سے بوب رافیل کے بارے میں کوئی استفسار کریں، ہماری وزارتِ خارجہ ان سے بوب رافیل کی نقل و حرکت کے بارے میں باضابطہ سوال کر چکی ہے۔"

"کیا انہیں کسی بین الاقوامی قانون کی رو سے ایسا اختیار حاصل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اس نے پورے وثوق سے کہا "سفارتی مراعات کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ کسی رانڈ کے سانڈ کی طرح پورے ملک میں دندناتے پھریں۔ یہ معاملہ امریکا کا ہے اس لیے براہِ راست سوال نہیں کیا گیا۔ بات گھما کر پوچھی گئی ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کیوں گھما رہے ہو؟ میں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"انہیں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں ایک نیم غیر ملکی پکڑا گیا ہے جس کے پاس سے اسٹیفن کوائے کے نام کا ٹکٹ برآمد ہوا ہے۔ وہ کبھی خود کو اسٹیفن کوائے کہتا ہے اور کبھی امریکی سفارت خانے کا بوب رافیل نامی سوشل منسٹر بن جاتا ہے۔ وہ تصدیق کریں کہ بوب رافیل اسلام آباد میں ہی موجود ہے تاکہ مشتبہ شخص سے سختی سے باز پرس کی جا سکے۔ اس کے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے۔"

"واہ!" اس نکتہ آفرینی پر میرے ہونٹوں سے بے ساختہ داد نکلی "یہ بہت موزوں طریقہ ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہر حال میں ایک بجے تک بوب رافیل کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کریں گے اس لیے یہ خط سوا بارہ بجے امریکی سفارت خانے میں دیا جا چکا تھا۔ اس سے پندرہ منٹ پہلے ایک پروٹوکول آفیسر نے فون پر اپنے امریکی ہم منصب سے بات بھی کی تھی۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکے۔"

"اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "یہاں کا امریکی قونصل خانہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان پندرہ منٹ میں کوئی نہ کوئی جانچ پڑتال کے لیے ہوٹل پہنچ چکا ہوگا۔"

"ایک بجے تک وہ تذبذب میں رہیں گے۔" جلال کا لہجہ فاتحانہ ہو گیا "ان کی طرف سے بوب رافیل کے غائب ہونے کی تصدیق ہونے تک تم اس کی ہلکی پھلکی مرمت کر سکتے ہو۔"

"تمہاری ساری گفتگو کا نچوڑ آخری جملے میں ہے۔ وہ خبیث ابھی تک ہم سب کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اب میں اسے ایسی گھتی چوٹیں لگاؤں گا کہ وہ کسی کو دکھا بھی نہ سکے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا۔" وہ میرے دعوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا "یہ لوگ بہت ڈھیٹ اور بے حیا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو بھری پریس کانفرنس میں وہ اپنے سارے کپڑے اتار دے گا۔"

"پاکستان اور بھارت آئے دن ایک دوسرے سے اپنے سفارت کاروں پر تشدد کی شکایات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی بھی شخص نے اپنی شکایت کے ثبوت میں کپڑے اتارے ہوں۔"

"ہمارا کلچر مختلف ہے۔ یہاں صرف زخموں اور زخمیوں کی تصویروں کے اجرا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ جو چاہو کرو، ہم معاملہ سنبھال لیں گے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو باتوں ہی باتوں میں، میں حامد وغیرہ سے بہت دور نکل آیا تھا۔ میں فوراً ہی واپسی کے لیے مڑ گیا اور فون پر جلال سے پوچھا "تم نے تالاب میں پہلا پتھر پھینک ہی دیا ہے تو ہمیں تیزی دکھانی پڑے گی...."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں! تمہارے پاس بس وہی وقت ہے جو وہ تذبذب میں گزار رہے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا' وہ بہت سرعت اور شدت سے ہوگا۔ حقیقتِ حال کو تسلیم کرتے ہی وہ بلبلانا شروع کردیں گے۔"

"کیا اسے کسی وقت صدف مینشن بھی منتقل کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے شاید یہ قصہ نمٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ذہنی طور پر اسے رہا کرنے کے لیے بالکل تیار ہو؟"

"اس معاملے میں' میں بالکل بے بساط ہوں۔ یہ اوپر کا فیصلہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کی رہائی کراچی میں ہی عمل میں آئے گی یا اسے اسلام آباد لے جایا جائے گا؟"

"انہیں اچھی طرح ذلیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کراچی میں رہا کیا جائے۔ یہ سب سوالات قبل از وقت ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا وہ کس انداز میں اور کتنی شدت سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

"بوب رافیل کا ذکر شروع ہوتے ہی تمہارے لہجے سے تازگی جاتی رہی ہے۔" میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ شب و روز کا معمول ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے جب کوئی بہانہ ہاتھ آتا ہے تو دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ تم موبائل فون پر رابطے میں رہنا۔ کوئی تبدیلی رونما ہوتے ہی میں تم سے بات کروں گا۔"

میں واپس پہنچا تو حامد اور ویرا کا پتا نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو جوان تپتی دھوپ میں میرا انتظار کررہے تھے۔

ان کی نشان دہی پر میں ایک بیرک کے کمرے میں گیا تو بوب رافیل سیمنٹ کے ننگے فرش پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب پانی سے بھری ہوئی دو بالٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور ویرا ڈونگے بھر بھر کر اس کے چہرے پر پانی ڈال رہی تھی۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟" میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"وقت بچا رہی ہوں۔" ویرا نے اپنا کام روکے بغیر جواب دیا۔ "یہ مہمان مجرم ہے۔ پتا نہیں کب چلا جائے۔ اس لیے پہلے اسی کو ہوش میں لا رہی ہوں۔ سنا ہے غزالہ نے اس کے شانوں کی رگیں دبائی تھیں۔"

"میں جلال سے بات کررہا تھا۔ اس نے بوب کو کوٹنے کی آزادی دے دی ہے۔" میں نے بتایا۔

ویرا اپنے کام میں لگی رہی اور میں انہیں اسلام آباد کے ان واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو جلال کے ذریعے میرے علم میں آئے تھے۔ انہیں دہراتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ امریکیوں کا ردِعمل واقعی مدافعانہ اور پُراسرار سا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس کی جیبوں میں رقم کے سوا کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔" حامد نے بتایا "اپنے اصل نام کا ایک وزیٹنگ کارڈ اور اسٹیفن کوائے کے نام پر بنا ہوا ٹکٹ وہ خود حامد کے حوالے کرچکا تھا۔ ان دو متضاد چیزوں کے سوا اس کے پاس شناخت کے نام پر کوئی تیسری چیز نہیں تھی۔"

جب تک ویرا اس کے چہرے پر سادہ پانی انڈیلتی رہی' بوب رافیل نے اپنی پلکیں تک نہیں جھپکائیں لیکن جب فیلڈ میس سے یخ پانی لایا گیا تو دوسرا ڈونگا خالی ہونے سے پہلے اس نے جھرجھریاں لے کر اپنے پپوٹے پھڑکانے شروع کردیے۔ ویرا نے پورے استقلال سے اپنا کام جاری رکھا۔

تیسرا ڈونگا شروع ہوا تو بوب رافیل نے حلق سے خوف زدہ آوازیں نکالتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں۔ ویرا نے ہاتھ روک لیا۔ بوب نے فرش پر ہاتھ مارے اور وہاں پھیلے ہوئے پانی کے چھپاکوں سے متوحش ہو کر ہوا میں یوں ہاتھ چلانے لگا جیسے ڈوبنے سے بچنے کی کوششیں کررہا ہو۔

ویرا نے اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر رسید کی اور غرائی۔ "ہوش میں آؤ ورنہ میں تمہارا چہرہ ادھیڑ دوں گی۔"

بوب رافیل چیخ مار کر تکلیف سے دہرا ہوگیا مگر اس کی یادداشت تیزی سے بحال ہورہی تھی۔ سر پر منڈلاتے ہوئے سنگین خطرے کا ادراک کرکے وہ فوراً ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے پر مجبور کردیا۔

اس کے بھیگے ہوئے بال کھوپڑی پر اسی طرف چپکے ہوئے تھے جس طرف کی کروٹ سے وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس شرابور ہو کر بدن سے چپکا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی تالاب یا دریا کی تہ میں سوتے سوتے اچانک باہر نکل آیا ہو۔

"تم لوگ کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے' خوف زدہ لہجے میں زبان کھولی "تم میرے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک کیوں کررہے ہو؟"

ویرا ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتی رہی۔ جوں ہی وہ خاموش ہوا' ویرا نے اس کے پیٹ میں الٹا ہاتھ رسید کیا اور وہ اوغ کی آواز نکال کر آگے جھکتا چلا گیا۔ ویرا نے ماہرانہ انداز میں اپنی بائیں کلائی اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنسا کر' اوپر کی طرف زوردار جھٹکا دیا اور وہ جھکتے جھکتے' کراہ کر پھر سیدھا ہونے پر مجبور ہوگیا۔

"کتیا کے بچے! سچ سچ بتاؤ کہ تم اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آئے تھے؟" پے در پے کئی جھٹکے دینے کے بعد ویرا نے اپنا پہلا سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں کسی اکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔" اس نے بھرائی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

ویرا نے پہلی بار اس پر اپنی پوری طاقت استعمال کی اور کمرا طمانچے کی آواز سے گونج اٹھا۔

بوب رافیل اپنے قدموں پر لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔

وہ جس انداز میں ویرا کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا ہی مکار اور چالاک کیوں نہ ہو' لڑاکا ہرگز نہیں تھا اور کوئی بے پروایانہ ضرب اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی' گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے ایک بجانے کے سفر میں مصروف تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ آدھی آستینوں کی جس بش شرٹ اور پتلون میں تھا' وہ پانی میں شرابور ہو رہی تھیں۔ انہیں سکھانے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ اگر جلال ہنگامی طور پر اس کی طلبی کا کوئی پیغام دے بیٹھتا تو اسے اس حلیے میں واپس لے جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کوئی قابل ذکر تشدد ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت قابلِ رحم نظر آ رہی تھی۔

"ویرا! تم دفتر میں جاؤ۔ اسے ہم دیکھ لیں گے۔" میں نے ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد اردو میں کہا۔

"یہ بچنے کے معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔ میں بہت نزاکت سے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دوں گی۔"

"میں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا۔" حامد نے تعریفی لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "مادام کے ہاتھ پیروں میں بجلی کی سی پھرتی ہے۔ مارشل آرٹس کے ایسے ماہر میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"

میں نے لحہ بھر کے لیے حامد کو گھورا اور وہ سٹپٹا گیا پھر میں تلخ لہجے میں ویرا سے مخاطب ہو گیا "بے جا ضد نہ کیا کرو۔ اس وقت یہ کوئی مظلوم آبی مخلوق نظر آ رہا ہے۔ ہمیں اس کے کپڑے سکھانے کی ضرورت ہے۔"

ویرا نے برا سا منہ بنایا اور کچھ کہے بغیر اس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

کپڑے اتارنے کے حکم پر وہ مچل گیا۔ حامد نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو طلب کر لیا۔ انہوں نے بوب رافیل کو گیلے کمرے سے برآمدے میں لے جا کر اس کی بش شرٹ اور پتلون اتار لی۔ وہ بنیان اور انڈرویر میں کھڑا رہ گیا۔

"اس کے کپڑے نچوڑ کر استری سے سکھلاؤ اور اسے دھوپ میں کھڑا کر دو۔" میں نے حامد کے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ایک شخص بوب کے گیلے کپڑے لے کر چلا گیا۔ دوسرے اسے کھلے میدان میں ہانک لے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا!" حامد نے مایوسی سے کہا "دو چار تھپڑوں سے اس کا کیا بھلا ہوا ہو گا؟"

"اسے مار کر اپنا دل ٹھنڈا کر لو۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ زبان نہیں کھولے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں آپ سے بالکل متفق ہوں لیکن اسے سبق تو ملنا ہی چاہیے۔"

"نوٹ پھوٹ' نیل اور زخم کا خیال رکھنا۔ اس کے سوا تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔"

"تھینک یو سر! ڈی پریکیٹس کے بجائے زندہ دشمن پر ہاتھ پیر چلانے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ دیکھنے سے آپ کو بالکل پتا نہیں چلے گا کہ اس کی رگڑائی کی گئی ہے۔" اس نے ممنونیت سے کہا اور برآمدے سے اترنے لگا۔

میں پلٹ کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا جو اس وقت حامد کے تصرف میں تھا۔

دفتر میں ویرا جلی بھنی بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی "سکھا دیے اس کے کپڑے؟"

"تم ہمارے ساتھ شریک نہیں تھیں اس لیے بہت سی باتوں سے بے خبر ہو۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے پھر بولنے لگی۔

"اب اس کے بال سنوار کر تازہ شیو بھی کر ڈالو۔ یہی ناز برداریاں کرنی تھیں تو اسے یہاں کیوں لائے تھے؟ ہوٹل میں ہی کسی وی آئی پی کمرے میں بند کر دیا ہوتا۔"

وہ غیر ضروری طور پر تنک مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی جسے میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا۔ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر اکرم الٰہی کو پکڑ کر ایک ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کے انعام میں ویرا کے سو نخرے بھی نظر انداز کیے جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کی تکرار کے بعد اس کا جوش خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔

شاید اس کے سکون کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میدان کی طرف سے بوب رافیل کی بے ساختہ اور دردناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ نہ سہی تو کوئی اور اکرم الٰہی کو تختہ مشق بنائے ہوئے تھا۔

ڈیڑھ بجے تک کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

ہوٹل کی نگرانی پر مامور' ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی خاموشی ان اعتبار سے قابل فہم تھی کہ وہ ایک مصروف ہوٹل پر تعینات کیے گئے تھے جہاں آنے جانے والے گاہکوں میں ہر خطے کے سفید فاموں کی بھاری تعداد شامل ہوتی تھی۔ اس بھیڑ میں ان کے لیے یہ سراغ لگانا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون کس نیت سے آیا تھا۔

وہ کوئی کھلی لڑائی نہیں تھی جس میں دوست' دشمن سب سامنے ہوتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ قونصل خانے سے چند ایجنٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چائے یا کافی پینے کے بہانے ہوٹل کے ریستوران میں پہنچے ہوں اور بالا ہی بالا وہاں سے مطلوبہ معلومات سمیٹ کر خاموشی سے واپس چلے گئے ہوں۔

اگر پس پردہ ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو ہمارے بے خبر رہنے کے باوجود کہیں نہ کہیں سے اس کا ردِ عمل ضرور ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم اسلام آباد میں ہی کوئی ہلچل ہونی چاہیے تھی۔ امریکیوں کو اعتراف کرلینا چاہیے تھا کہ بوب رائفل غائب تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی طرف سے اسٹیفن کوائے سے ملاقات کا مطالبہ سامنے آجانا چاہیے تھا۔

بوب رائفل نے اپنے آدمیوں کو ایک بجے کی ڈیڈ لائن دی تھی۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رائفل کی دہری شناخت رکھنے والے مشتبہ سفید فام کی گرفتاری کی خبر مل جانے اور ایک بجے کا مقررہ وقت گزر جانے کے بعد ان کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔ جلال کا یہ اندازہ کہ ایک بجے کے بعد واقعات میں سرعت اور شدت پیدا ہوجائے گی' غلط ثابت ہورہا تھا۔

کچھ دیر بعد حامد بھی لوٹ آیا "وہ واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کیے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"اب اسے دوبارہ کسی کمرے میں بند کرادو تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ یہاں کا جائزہ لے کر کوئی بات ذہن نشین کرسکے۔ اس کی رہائی کے بعد بھی یہ بات پوشیدہ رہنی ضروری ہے کہ وہ کہاں قید تھا۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ میرے ذہن میں بھی وہی ایک بات چکرا رہی تھی۔

"اس کے کپڑے سوکھنے کے کس مرحلے سے گزر رہے ہیں؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دھلنے اور سوکھنے کے بعد اس کے بدن پر واپس پہنچ چکے ہیں۔ اس کی بش شرٹ پر بہت داغ دھبے آگئے تھے۔ وہ دھلے بغیر' پہننے کے قابل نہیں رہی تھی۔" حامد نے ادب سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اس سے مل سکتی ہوں!" ویرا کی جواب طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"بالکل۔" میں نے کھلے دل سے کہا "بس اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ حامد پہلے ہی اس کی اچھی خاصی خاطر تواضع کرچکا ہے۔"

"میں مرے ہوئے کو مارنے کی قائل نہیں ہوں۔" اجازت ملتے ہی اس کے پتلے پتلے لبوں پر ساحرانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی "میں اس سے کچھ مذاکرات کرنے جارہی ہوں۔"

میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ خود کو اس پر مسلط کرکے بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دو بجے فون کی گھنٹی بجی۔ حامد نے ریسیور اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے یس سرلیس سر کہتا رہا پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

وہ اول خان کی کال تھی۔ میری آواز سنتے ہی وہ تحیر زدہ آواز میں بولنے لگا "کل شام کو حامد سے میری بات ہوئی تھی تو سب کچھ وہی تھا جو میں چھوڑ کر آیا تھا' آج میں اسلام آباد میں ہوں۔ یہاں پتا چلا ہے کہ کراچی میں بساط بالکل ہی بدل گئی ہے۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو صرف انتظار ہورہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب ہورہی ہے۔"

"کیوں؟" میرے سوال پر اس کی آواز تیز ہوگئی "کیا حامد سے تمہیں پورا تعاون نہیں مل رہا؟"

"حامد نے حق ادا کردیا۔" میں نے کسی مبالغے کے بغیر جواب دیا "یہ ساتھ نہ دیتا تو ہم ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اس وقت ہم تین قیدیوں کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔"

"یہ میں سن چکا ہوں۔ وہ لوگ بوب رائفل کے معاملے میں کیوں خاموش ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ مجھے شبہ سا ہورہا ہے کہ کہیں انہوں نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے بوب رائفل کو قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ نہ کرلیا ہو۔"

"ان معاملات میں ایسا نہیں ہوتا۔" اول خان کا لہجہ بے اعتباری لیے ہوئے تھا "ایک شخص کو بیچ منجدھار میں یوں بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے تو پوری سروس میں بددلی پھیل سکتی ہے۔"

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خاموشی پراسرار ہوتی جارہی ہے۔ جلال ہی اس معاملے پر کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ چاہو تو اس سے پتا کرکے مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ ہم یہاں بالکل بے خبر بیٹھے ہیں۔"

"یہاں بھی ہر طرف حیرت اور خاموشی کا راج ہے۔ جب سے مجھے کراچی کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں' میں جلال سے رابطے میں ہوں۔ اپنے کام کے ساتھ اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو کیا تمہارے چیف کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ہر حساس معاملے سے باخبر رہتا ہے لیکن اس بارے میں میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ کسی اور معاملے میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔"

"امریکی شاید خاموش بیٹھے ہماری طرف سے کسی غلطی کے ارتکاب کا انتظار کررہے ہیں۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا "وہ غلطی جو بھی ہو' اس کا نقصان بوب رائفل کو براہِ راست پہنچے گا...."

"ہماری غلطی سے انہیں کوئی فائدہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔" اول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان نے اعتراض کیا۔

"فرض کرو کہ بوب رافیل ہمارے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔" میں نے کہا "اس وقت سارا زور اس کی موت پر آجائے گا۔ یہ بات دب جائے گی کہ وہ کہاں سے اور کن حالات میں پکڑا گیا تھا۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ اس وقت وہ بہت خراب پوزیشن میں ہیں۔ اسے قربانی کا بکرا بنا کر وہ واقعی بہتر پوزیشن میں آجائیں گے۔ ہمیں ایسی کسی غلطی سے بچنا چاہیے۔"

"ہم بہت محتاط ہیں۔ ان کو جواب کی یا دہانی کرا کے یہ جتانا ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ان کے جال میں پھنسنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان سے بارہ بجے رافیل کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"

"یا دہانی ہی سب سے بہتر رہے گی۔" اس نے اتفاق رائے ظاہر کیا "انہیں معلوم ہوجائے گا کہ بوب رافیل پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے ہم ان کے جواب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ عجیب پُر پیچ صورتِ حال تھی۔ مجرم ہٹ دھرمی پر اتر آیا تھا' اس کے مرتبوں نے چپ سادھ لی تھی' ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جمود کیسے ختم ہوگا۔

اول خان سے گفتگو ختم ہونے کے بعد پھر انتظار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ویرا واپس آگئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب لوٹی ہے۔ شاید حامد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی موجودگی میں ویرا میرے ساتھ محتاط رہ کر گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے دروازے میں ویرا کی جھلک دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑی اور دفتر سے نکلنا چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیر مار کر آئی ہو۔" میں نے ٹانگیں پسار کر کہا۔

"اپنی دانست میں وہ اپنی ضد پر اڑا رہا ہے لیکن میں نے اکرم الٰہی کے حوالے سے اسے چرکے دے دے کر کچھ نہ کچھ اگلوالیا ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ بوب رافیل' اکرم الٰہی کے خلاف کوئی خطرناک ارادہ لے کر کراچی کے دورے پر آیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بغض و عناد کی بو آرہی تھی۔"

"سلطان شاہ یہی شکایت کرتا ہے کہ تم اپنے مخاطب کو بلاوجہ سلگانے کے فن میں طاق ہو۔"

"سلطان شاہ...ایک بگڑا ہوا نابالغ بچہ ہے۔ میں اس کی پروا نہیں کرتی...."

"یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ بتاؤ کہ تم بوب رافیل کو سلگا کر کیا کچھ اگلوا سکی ہو۔ وہ اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آیا تھا۔"

"میں نے اسے بتایا کہ اکرم نے اس کی ساری پول کھول دی ہے۔ میرا یہ جھوٹ کارگر رہا اور اس کی زبان چل پڑی۔ وہ اکرم الٰہی کو پکا بلیک میلر قرار دے رہا تھا۔"

"یہ اس کی رائے ہوسکتی ہے جس سے ہمارا متفق ہونا بالکل بھی ضروری نہیں۔ اصل حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہوسکے گا جب ہم اکرم الٰہی کی کہانی بھی سن لیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اکرم فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے امریکی اداروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا ہے اور یہ بھاری رقوم مطلوبہ مقاصد پر صرف کرنے کے بجائے ذاتی استعمال میں لاتا رہا ہے۔ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین نے جب بھی اس کا کوئی مطالبہ پورا کرنے سے انکار کیا' اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ سرگرمیوں کی فائل مشتہر کرنے کی دھمکی دے کر اپنا مطالبہ منوالیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فاؤنڈیشن کچھ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جن کی تشہیر سے اس کی ساکھ اور نیک نامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اکرم الٰہی اس حقیقت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"ہر ادارے کی کچھ نہ کچھ خفیہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ اکرم الٰہی کو فیکس اور ٹیلکس پر جو بھی ہدایات دی جاتی تھیں' وہ ہدایات کے مطابق انہیں ضائع کرنے کے بجائے محفوظ کرلیتا تھا۔ وائس چیئرمین کو اس کی مجرمانہ ذہنیت کا اندازہ ہوا تو دیر ہوچکی تھی۔ اس کے بعد دو احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلی یہ کہ اکرم الٰہی کی آواز محفوظ کرلی گئی تاکہ اس کے نام سے کوئی اور فاؤنڈیشن سے فراڈ نہ کرسکے۔ اسی وجہ سے مقبول چوہدری اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔" میں سمجھ گیا کہ مقبول چوہدری کے بارے میں کہا گیا فقرہ ویرا کی ذاتی رائے پر مبنی تھا بوب رافیل ایسی کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"دوسری احتیاط یہ کی گئی کہ اکرم یا فریڈم انٹرنیشنل سے مراسلت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسے ہر پیغام فون پر دیا جانے لگا مگر پھر بھی فورڈ فاؤنڈیشن والے پچھلے ریکارڈ کی وجہ سے اکرم الٰہی کے مطالبات پورے کرنے پر مجبور تھے۔ ان کے لیے ساکھ کی قیمت چند لاکھ ڈالرز سے بہت زیادہ ہے۔"

"ساکھ!" میں تحقیر آمیز انداز میں ہنسا "ان کی ساکھ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ وہ جب چاہتے اکرم الٰہی کی بلیک میلنگ سے چھٹکارا حاصل کرسکتے۔ اس کے لیے صرف ایک گولی کافی ہوتی۔"

"وہ شاید یہ بھی کر گزرتے لیکن بوب رافیل کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی بہت عیار ہے۔ اس نے وہ فائل کسی خفیہ مقام پر رکھی تھی اور فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین کو یہ بتا دیا تھا کہ اس کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی تو اس کا سارا نقصان فاؤنڈیشن کو پہنچے گا۔ اکرم الٰہی کی ناگہانی موت پر' اس کے ہمدرد خفیہ مشتہر ختم کردیتے۔"

"حیرت ہے کہ بوب رافیل نے یہ سب اتنی تفصیل سے اگل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا!" میں نے کہا۔

"وہ جھلّا کر مختصر جواب دے رہا تھا۔ اس کے ہر جواب میں اکرم الٰہی کی کوئی نہ کوئی خامی پنہاں تھی۔ ان جوابات کو ترتیب اور تفصیل سے میں نے خود جوڑا ہے۔"

اگر وہ سب درست تھا تو اکرم الٰہی کو بے بس بلکہ قید کر لینے کے بعد وہ فائل مقبول چوہدری کے قبضے میں ہونی چاہیے تھی۔ فائل کی تشہیر یا فاؤنڈیشن کو واپسی خود مقبول چوہدری کے حق میں نہ ہوتی کیونکہ وہ پیسے کا لالچی تھا۔ بلیک میلنگ کا سب ختم ہوتا تو شاید فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کے مراسم ہی منقطع ہو جاتے۔ بھاری آمدنی کے اس ذریعے کو مقبول اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایسی کوئی فائل تھی تو مقبول ہی کے قبضے میں تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے بوب سے اتنی باتیں اگلوا لیں۔ وہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوگا۔"

"یہ ایک پہلو تھا۔ دوسری کہانی بھی چونکا دینے والی ہے۔" ویرا مسکرا کے بولی۔

"اوہ! تو کچھ اور بھی باقی ہے۔" میں اپنی کرسی میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں!" ویرا نے اپنی گردن ہلائی "فریڈم انٹرنیشنل کی آڑ میں اکرم الٰہی ہیروئن کا ریکٹ بھی چلا رہا تھا۔"

"نہیں!" میں نے بے اعتباری سے کہا "اس قصّے میں ہیروئن کہاں سے آ گئی۔"

"اسے امریکا کی ایک سوسائٹی سے اس مقصد کے لیے سرمایہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ پاکستان کے راستے امریکا کو ہیروئن کی ترسیل کو روکے۔ اس نے ادھر کا رخ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ ہیروئن کی اسمگلنگ میں بے اندازہ دولت ہے۔ اپنے مقصد کو بھول کر وہ خود اس کاروبار میں ملوث ہوتا چلا گیا۔"

"یہ بوب کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اس کے الزام میں جان ہے۔ تم شی کو کیوں بھول رہے ہو۔ وہ بھی ایک سوسائٹی ہی تھی جو ہیروئن کے انسداد کے لیے قائم کی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے شی کے قدم اکھڑنے کے بعد وہی کام کچھ این جی اوز کو سونپ دیا گیا ہو۔" ویرا کے پاس مدلل جواب موجود تھا۔

"یعنی امریکا میں ہیروئن کی اسمگلنگ روکنے کے لیے یہاں اس کی کھپت پیدا کی جائے؟"

"بالکل۔ شی کا مشن یہی تھا۔" ویرا نے زور دے کر کہا۔ "پاکستان میں شی ختم ہو چکی ہے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں ہیروئن کا استعمال بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔"

"یہاں ہیروئن کے استعمال میں اضافے کی شرح واقعی بھیانک ہو چکی ہے لیکن اس بارے میں تم جو کچھ کہہ رہی ہو' اس میں کھلا تضاد موجود ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"تم امریکیوں کو نہیں جانتے۔" ویرا نے اصرار کیا "میرے بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ لوگ تیسری دنیا کے ملکوں میں حکومتوں اور عوام کی مدد کے نام پر این جی اوز کی سرپرستی کر کے ایک مفاد پرست طبقے کی پرورش کر رہے ہیں جو دولت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی جائز یا ناجائز مقصد کے لیے کام کرنے پر تلا رہتا ہے۔ اگر تم زیادہ گہرائی میں جاؤ تو اندازہ ہوگا کہ یہ طبقہ اپنے مفادات کی وجہ سے امریکا کا سب سے بڑا وفادار ثابت ہوگا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم کہہ رہی ہو کہ اکرم الٰہی اپنے مقصد کو بھول کر خود ہیروئن کی اسمگلنگ میں شریک ہو گیا تو پھر یہاں ہیروئن کا استعمال کیوں بڑھ رہا ہے؟"

"یہ بات میں نے نہیں' بوب رافیل نے کہی ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "اچھائی کو فروغ دینے کے لیے بہت سخت محنت کی ضرورت پڑتی ہے مگر بدی اور بد عادتوں کے لیے صرف تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ برائی کا بیج بو دو۔ اس میں سے جو کچھ پھوٹتا ہے اکاس بیل کی طرح تیزی سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔"

"ہیروئن خود بخود نہیں پھیل رہی' اسے وہ لوگ پھیلا رہے ہیں جو دولت کی جھنکار سننے کے لیے موت کی سوداگری پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی گردنیں اتار لو' ہیروئن کا فروغ ختم جائے گا۔"

"بوب رافیل از خود کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے جلے کٹے تبصروں سے میں نے جو نتائج اخذ کیے' تمہارے سامنے رکھ دیے۔ اکرم الٰہی کے اصل کرتوتوں پر سے مقبول پردہ اٹھائے گا۔"

"وہ گھر کے قیدی ہیں۔ بوب کا قضیہ نمٹے تو ان دونوں سے پرسکون طریقے سے باز پرس کی جائے گی۔"

"یہ کام میں اس وقت بھی شروع کر سکتی ہوں۔ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔"

میں نے اسے گھورا اور اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس بار جلال نے فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمارے سارے اندازے دھرے رہ گئے.... یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک گیا ہے۔ اب بوب رافیل کو ہاتھ بھی نہ لگانا!"

"کہو تو اس سے پچھلے سلوک بلکہ بدسلوکیوں کی معافی بھی مانگ لیں!"

"اب تک جو کچھ ہوا ہے' اسے بھول جاؤ۔ آئندہ کے لیے احتیاط سے کام لو۔ ابھی تک کسی خبر کی تصدیق نہیں ہوئی لیکن زبردست افواہیں گردش میں ہیں۔ مجھے اوپر سے صرف اتنا حکم ملا ہے کہ بوب کی رہائی کی تیاری کر لی جائے۔"

"دفترِ خارجہ کے خط کا کیا جواب ملا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچھ نہیں۔ مقامی سطح پر انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ واشنگٹن میں امریکی صدر کو صبح چار بجے نیند سے بیدار کر کے بوب رائیل والے معاملے سے آگاہ کیا گیا تھا۔"

"اگر میری یادداشت درست ہے تو واشنگٹن کا وقت ہم سے دس گھنٹے پیچھے ہے یعنی یہ واقعہ ہمارے وقت کے مطابق ابھی دوپہر کے دو بجے پیش آیا ہوگا۔ کیا تمہیں یہ خبر واشنگٹن سے ملی ہے؟"

میرے لہجے میں موجود ہلکا سا طنز اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا اور اس کی خفت آمیز آواز آئی "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسلام آباد میں ہوش ربا افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"تو کیا واشنگٹن والی خبر بھی ان افواہوں کا حصہ ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"میں امریکی صدر کی خواب گاہ میں نہیں تھا اس لیے سنی سنائی باتیں ہی تم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تلخی تھوک دو۔ مذاق کا برا نہیں مناتے۔ ہر افواہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی ہے۔"

"کہا جا رہا ہے کہ امریکی صدر نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اسی وقت اپنے مشیروں کو طلب کیا اور غور و خوض کے بعد ہمارے وزیراعظم سے فون پر براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اوہ!" میں اس انکشاف پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ واشنگٹن کے لیے بوب رائیل کی ذات اتنی اہم ہو سکتی ہے۔"

"وہ انتہائی بد ذات ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات سے زیادہ امریکا کی پوزیشن کا ہے۔ رابن مائر والے معاملے کے بعد وہ مزید سبکی سے بچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پسپائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"مگر یہ خاموش پسپائی کس طرح ممکن ہو سکی؟" میرا ذہن جلال کے کیے ہوئے انکشافات کے گہرے جھٹکے سے فوری طور پر سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"بس قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ ترین سطح پر اگر ہلکی سی معذرت بھی کر لی جائے تو بڑی سے بڑی بات پل بھر میں ختم ہو سکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ امریکی صدر معذرت کیے بغیر بوب رائیل کی گلو خلاصی کی درخواست نہیں کر سکتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "ایسی صورت میں درخواست کو رد کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیا وزیراعظم کو شروع سے اس معاملے سے باخبر رکھا گیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غیر ملکی سفارت کاروں سے تعلق رکھنے والے ہر قابلِ ذکر واقعے کی سب سے پہلی بریفنگ پرائم منسٹر ہاؤس ہی بھیجی جاتی ہے۔"

"کیا اس کی رہائی کا حکم وہیں سے جاری کیا گیا ہے؟" میرا تجسس دور نہیں ہو رہا تھا۔

"افواہوں کی شدت میں کہیں سے صحیح خبر نہیں مل رہی۔ مجھے چند منٹ پہلے اپنے ڈائریکٹر جنرل کا زبانی حکم ملا ہے۔ یہ تازہ ترین واقعہ ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی حقائق سامنے آسکیں گے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب دیانا کنونشن کے مطابق بوب رائیل کو ہر حال میں رہائی مل ہی جانی تھی تو امریکی صدر کو حرکت میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تمہیں یہ بات غیر معمولی محسوس نہیں ہوتی؟"

"ابھی صرف افواہیں ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اگر ان کی تصدیق ہو جاتی ہے تو جواز ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ محض اپنے سفارتی استحقاق کی بنا پر رہا ہوتا تو پریس اس معاملے کو اچھالتا' سب کچھ ریکارڈ پر آجاتا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان سفارتی سرد مہری پیدا ہو سکتی تھی۔ امریکا کی عالمی رسوائی الگ ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ ان تمام تلخ اثرات سے بچنے کے لیے بالائی سطح پر چند منٹ کی ایک فون کال کو ترجیح دی گئی ہو۔"

"تو کیا اب اس کی رہائی خاموشی سے عمل میں آئے گی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ افواہیں درست ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ پریس میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آنے پائے گا۔" اس کا لب و لہجہ بہت محتاط تھا۔

"کیا یہ غنڈا گردی بلکہ دادا گیری نہیں ہے؟" میری آواز میں مایوسانہ تلخی اتر آئی "علاقے کے دادا گیر بھی یہی کرتے ہیں۔ کسی کو دھمکانا ہو تو اپنے کارندوں کو بھیجنے کے بجائے خود موقع پر پہنچ کر اپنا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ یہ کرسی یہاں سے ہٹالو۔ ان کا مخاطب جانتا ہے کہ اس نے کرسی نہ ہٹائی تو اس کا انجام کیا ہوگا...."

"تم بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوتا رہتا ہے۔ تم یقین کرو کہ افواہیں درست ثابت ہوئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس میں ہماری بہت بڑی اخلاقی فتح ہوگی۔ ہم نے اپنی کاوشوں سے انہیں پاکستان میں اس حال کو پہنچا دیا کہ امریکا کی عزت بچانے کے لیے وہاں کے صدر کو ہمارے سربراہ سے رجوع کرنا پڑا۔"

"شاید میری کھوپڑی ہی الٹی ہے جو میں تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھتا ہوں!"

"میں تم سے زیادہ حسّاس طبیعت کا مالک ہوں لیکن میں ذرا بھی مایوس یا افسردہ نہیں ہوں۔ دراصل تم امریکیوں سے اس قدر نالاں ہو کہ تمہیں ان کی ہر حرکت میں سازش اور مکاری کی بو آتی ہے۔"

"تو کیا حقیقت میں ایسا نہیں ہے؟" میں نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔

"مان لو کہ کم از کم اس بار ایسا نہیں ہے۔ یہ معاملہ بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باعزت انداز میں طے ہونے جا رہا ہے۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ اب محترم و معظم بوب رافیل صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں پہنچایا جائے؟"

"کہیں نہیں۔ میرے دونوں افسر اسٹیشن فور کے لیے نکل چکے ہیں۔ وہ تمہارے پاس رکیں گے۔ میں پوزیشن واضح ہوتے ہی تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ بوب رافیل کی رہائی کہاں اور کس طریقہ کار سے عمل میں آئے گی۔"

"کیا اول خان کو اس تازہ ترین تبدیلی کا علم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ میرے رابطے میں ہے مگر ابھی یہ بات اس کے علم میں نہیں ہے۔ ہدایات ملنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے کیونکہ اس وقت تم ہی بوب رافیل کے نگران اعلیٰ ہو۔"

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' کم از کم ایک پیش گوئی پوری ہو گئی کہ بوب کا معاملہ آج سورج غروب ہونے سے پہلے نمٹ جائے گا۔ اس میں عزت ملتی ہے یا ندامت ہاتھ آتی ہے' یہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

"ہاں' یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ زیادہ سوچ سوچ کر اپنا خون نہ سلگاؤ۔ میں ایک مدت سے سرکاری ملازمت کر رہا ہوں۔ جب اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر عمل کرنا پڑتا ہے تو آدمی ایسے ہی ڈپریشن سے دوچار ہوتا ہے مگر میں اس وقت مطمئن ہوں۔ تم بلاوجہ سوچ سوچ کر بال کی کھال نکالے جا رہے ہو۔ میرے اگلے فون کا انتظار کرو۔ شاید میں تمہاری مزید تسلی کرا سکوں۔"

جلال نے میری دل جوئی کے لیے ایک چھوٹی سی تقریر صادر کر کے فون بند کر دیا۔

"وہ صحیح کہہ رہا ہے!" سوال و جواب کے معمول سے فارغ ہو کر ویرا نے جلال کے موقف کی تائید کی۔

"کہہ رہا ہو گا مگر میں اس فیصلے سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔ چور رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اسے سرِعام جوتے مار کر اس کا منہ کالا کرنا چاہیے۔ ہم اپنے چور کو خاموشی سے چھوڑنے جا رہے ہیں۔"

"یہ تم نے فرض کر لیا ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ کیسے چھوڑا جائے گا۔"

"تم میری بات لکھ لو کہ میرا مفروضہ بالکل صحیح ثابت ہو گا۔ سمجھوتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"ایسا ہو بھی جائے تو تمہیں اور حامد کو ذاتی طور پر خوش ہونا چاہیے۔ تم دونوں نے چند گھنٹوں کی محنت سے امریکا کے صدر کو اپنے سامنے سرنگوں کر لیا ہے۔ انا کا گھاؤ جسمانی زخم سے کہیں زیادہ کاری ہوتا ہے۔"

"ہو گا.... تھوڑی دیر کے لیے زبان بند کر لو۔ میں خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔" میری وہ فرمائش سن کر ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"میرے لیے یہاں بیٹھ کر خاموش رہنا شاید ممکن نہیں ہو گا۔ میں حامد کو تلاش کرتی ہوں۔"

وہ اپنی مخصوص چال میں دروازے سے نکل رہی تھی تو عقب سے اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ منافق نہیں تھی۔ کچھ کہہ رہی تھی تو اپنے ضمیر کے مطابق درست ہی کہہ رہی ہو گی۔

میں نے سر جھٹک کر پیکٹ سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

○☆○

کیبنٹ روم میں اضطراب کے عالم میں ٹہلتے ہوئے امریکیوں نے میری آہٹ پر چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی سنجیدگی کچھ اور گہری ہو گئی۔

بوب رافیل میرے پیچھے تھا۔ اس کے عقب میں انٹیلی جنس بیورو کے مقامی دفتر کے وہ دونوں افسران تھے جنہوں نے ہوٹل کے حفاظتی عملے سے مل کر ہمیں شناخت کے مشکل مرحلے سے بچایا تھا۔ وہاں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حامد کسی عام شہری کے سامنے اپنے ایس ٹی ایف کے شناختی کارڈ کی نمائش کر کے فورس کی رازداری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور ہوٹل والے ہماری باضابطہ شناخت کے بغیر ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔

ان پر نظر پڑتے ہی بوب رافیل "جان" کہہ کر تیزی سے ان دونوں کی طرف لپکا تھا مگر ان میں سے زیادہ لمبے اور معنک امریکی نے خشک لہجے میں اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔

"جان! کس قدر تذلیل و جان لیوا انتظار کے بعد اپنوں کی صورت نظر آئی ہے اور تم کیا کہہ رہے ہو؟" بوب رافیل نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں شکایت کی۔

"ہاں بوب!" اسی امریکی نے گمبھیر آواز میں کہا "یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ابھی تمہاری منتقلی عمل میں نہیں آئی۔ تم ہمارے معزز دوستوں کی تحویل میں ہو۔ تمہیں ان کی ہدایات سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

اس اثنا میں' میں لمبی میز کے سرے پر ان دونوں تک پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں نے پُرتپاک مصافحوں کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ عینک والے کا نام جان اسمتھ تھا اور اس کا ساتھی راجر بروک تھا۔ انہوں نے آئی بی کے افسران سے بھی اسی تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن بوب رافیل کے ساتھ ان کا رویہ بدستور سرد مہرانہ تھا۔

ہمیں کیبنٹ روم کے دروازے تک پہنچانے والا سیکیورٹی افسر دروازے سے ہی واپس جا چکا تھا۔

ہم مستطیل میز کے سرے کو چھوڑ کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ آئی بی کے افسران میرے ساتھ تھے۔ بوب رافیل اپنے ہم قوموں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے خشک رویّے کی وجہ سے بوب کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔

"رسمی گفتگو کے آغاز سے پہلے میں تمہاری اجازت سے ایک سرکاری حکم بوب کو سنانا چاہتا ہوں۔" جان نے کہا۔ اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میں حیران ہوا کہ اس نے مجھے آئی بی والوں پر کیوں ترجیح دی تھی لیکن مجھے فوراً ہی اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے سے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ میں سب سے پہلے کمیٹی روم میں داخل ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ٹیم میں میری پوزیشن قائدانہ تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا مگر تجربے کار سفارتی افسران کے لیے کسی کے آگے، پیچھے، دائیں یا بائیں ہونے کی اہمیت مسلمہ تھی۔ پروٹوکول کے ان روایتی قاعدوں کی روشنی میں وہ مہمانوں کے استقبال میں تقدیم و تاخیر کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔

"ضرور، ضرور!" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

جلال کے اصرار پر میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہونے پر آمادہ ہوا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈینی کی حیثیت سے نہ پہچان لے۔

ان دنوں امریکی ایجنٹ خارش زدہ کتوں کی طرح ہر طرف سے عتاب میں آئے ہوئے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس عالم میں بھی میری تلاش سے غافل نہیں تھے۔ میں نے ان سے اپنا تعارف مظہر خان کے نام سے کرایا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے دیکھ کر ان دونوں میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"بوب رافیل!" جان نے اسے یوں مخاطب کیا جیسے کسی تحریری فرمان کے ابتدائی الفاظ پڑھ رہا ہو۔

بوب نے چونک کر پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے یہ بات غیر معمولی تھی کہ جان نے رواج کے برعکس اسے اس کے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔ جان کے چہرے پر چھائی ہوئی اجنبیت دیکھ کر بوب کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں اور اس کا بایاں ہاتھ بے ساختہ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑے بدستور جان اسمتھ کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

ذرا سے توقف کے بعد جان نے اسی انداز میں اپنی بات جاری رکھی "تم پاکستان میں اپنی تعیناتی کے دوران میں آج اپنے فرائض سے غفلت اور اختیارات سے تجاوز کے مرتکب ہوئے ہو جس کی بنا پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کو اپنے دوست ملک، پاکستان کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بنا پر ایک صدارتی فرمان کے تحت تمہیں فوری طور پر ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے اور تم ہر سفارتی رعایت سے محروم ہوچکے ہو....."

"نہیں جان...!" بوب نے تقریباً رو دینے والی آواز میں اس کی بات کاٹ دی "تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تم مجھے کیا خبر سنا رہے ہو؟"

"افسوس کہ سب کچھ یوں ہی ہے۔ برطرفی کے بعد تم اسلام آباد نہیں جاؤ گے۔ کراچی سے میسر پہلی پرواز سے تمہیں واپس امریکا جانا ہے۔" جان نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات پوری کرڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سلگتے ہوئے وجود میں ایک ٹھنڈی سی، سکون کی لہر سرایت کرتی جارہی ہو۔ میرا دل چاہا کہ میں چوڑی میز پھاند کر جان کا منہ چوم لوں مگر ہم وہاں ذاتی خوشیوں کے اظہار کے لیے نہیں، بوب رافیل جیسے سفارتی آوارہ گرد کو اس کے اصل مالکان کے حوالے کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

"یہ ظلم ہے جان، یہ ظلم ہے۔" بوب رافیل نے انتہائی مایوسی کے عالم میں احتجاج کیا "تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ میں ان تینوں کے سامنے کچھ بھی نہیں دہرا سکتا۔ میرے وہم و گمان میں بھی....."

"بوب! پلیز شٹ اپ!" جان کی آواز سخت اور درشت ہوگئی "مجھے تمہارے جذباتی صدمے کا اندازہ ہے۔ مگر میں اپنے منصب کی ذمے داریوں سے مجبور ہوں۔"

"میں ابھی اور اسی وقت سفیر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" بوب نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"میری طرح وہ بھی ریاست کے ملازم ہیں۔ یہ حکم نامہ ان ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچا ہے۔ یہاں کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، واشنگٹن جاکر کہنا۔ اب خاموش رہو۔"

بوب نے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ امریکیوں نے بوب رافیل کی ڈرامائی برطرفی کا وہ کھیل محض ہماری دل جوئی کے لیے رچایا تھا۔ امریکا پہنچتے ہی بوب رافیل کو ملازمت سمیت تمام مراعات واپس مل جانی تھیں لیکن بوب چونکہ خود متاثر ہوا تھا اس لیے وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اپنی برطرفی کو حقیقت سمجھ کر منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

امریکا پہنچنے کے بعد بوب کو جو بھی انعام ملتا وہ بعد کی بات تھی۔ وقتی طور پر یہی کافی تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے معاملے میں دم کے بل ناچنے والے امریکیوں کے صدر کی خفت اور شرمندگی ایک فرمان کی صورت اختیار کرچکی تھی۔

"صدارتی فرمان کا نچوڑ تم نے سن لیا۔" جان نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہوئے ہمیں بوب کو اپنے ساتھ لے جانے میں کسی رکاوٹ یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"وہ اس کمرے میں قدم رکھتے ہی تمہاری تحویل میں آچکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمیں کسی دستاویز کا تبادلہ نہیں کرنا تھا پھر بھی ہم رسم نبھانے کے لیے میز کے گرد بیٹھے ہیں۔"

"شکریہ!" جان نے میز پر سے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ میز اتنی چوڑی تھی کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا پڑا۔

"ہمیں امید ہے کہ صدر کی اس تادیبی کارروائی کے بعد ایسے کسی ناخوشگوار واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔" میں نے پرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے چہکتا ہوا تبصرہ کیا۔

"شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ ہوگا۔ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوگی۔" وہ منافقانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی قطاریں کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"کیا بوب کی برطرفی کا صدارتی فرمان پریس کو بھی جاری کیا جائے گا؟" میرے ساتھ بیٹھے ہوئے آئی بی کے ایک افسر نے پوچھا۔

"نہیں۔ انتظامی تقرریاں، تبادلے اور معزولیاں اندرونی معاملات ہوتے ہیں پھر بھی پریس والے اپنی دلچسپی کی خبریں تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ فی الحال یہ فرمان ہماری داخلی دستاویز ہے۔"

"ہمارے ذریعے بھی یہ خبر نکل سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہمیں اپنی رپورٹ دینی ہوگی۔"

"کیوں راجر؟" جان نے اپنے ماتحت سے پوچھا "یہ اچھا احتیاطی سوال ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"نہیں جان! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" راجر نے اپنے افسر کے رتبے کا لحاظ کیے بغیر بے خوفی سے کہا "جب تک بوب امریکا پہنچ نہیں جاتا، یہ فرمان خفیہ رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔" جان نے ناک پر اپنی عینک نیچے سرکا کر کہا۔

"اس فرمان کے ذریعے بوب کو فوری طور پر ہر سفارتی تحفظ سے محروم کردیا گیا ہے۔ پتا نہیں پروازوں کی کیا پوزیشن ہے، اسے کتنے گھنٹے کراچی کے مرکزی علاقے میں گزارنے پڑیں۔ خبر پھیلنے کے بعد کسی بنیاد پرست نے اسے مار دیا تو کیا ہوگا۔"

اپنی سلامتی کے بارے میں اس اندیشے کو سن کر بوب نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں سے نکالا اور تشویش سے ہم تینوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی خوف زدہ اور پریشان تھا، اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

"بہت اہم بات اٹھائی ہے تم نے!" جان نے مضبوطی سے اپنی شہادت کی انگلی فضا میں لہرا کر کہا پھر فیصلہ کن لہجے میں مجھ سے بولا "تم اپنے افسران بالا کو دی جانے والی رپورٹ میں اس کا ذکر کرو مگر یہ رپورٹ کانفیڈنشل ہو۔ انسانی تحفظ کے معاملات پر راجر گہری نظر رکھتا ہے۔ میں کبھی بھی اس کی رائے کو نظرانداز کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔"

راجر کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سنتے ہی مجھے غصہ آیا مگر میں اپنی باری آنے تک خاموش رہا۔ جان نے اپنی بات پوری کرلی تو میں نے کہا "بوب جیسے غیر ذمے دار آدمی کو کوئی بنیاد پرست کیوں مارے گا؟ ہاں، کوئی سرپھرا محب وطن ضرور اس کی جان کے درپے ہوسکتا ہے۔ قاتل کوئی بھی ہو، وہ صرف قاتل ہوتا ہے، اسے کسی اور حوالے سے نام دینا زیادتی ہے۔"

"سوری مازر۔" جان نے جلدی سے کہا "بنیاد پرست کی اصطلاح ہم مذہبی انتہاپسندوں کے لیے استعمال کرتے ہیں...."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہلکی سی ترشی سے کہا "اسی لیے میں اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔ پاکستانی تمہارے مخصوص مفہوم میں بنیاد پرست نہیں ہوتے وہ اعتدال پسند ہیں۔"

"اگر تمہیں اس لفظ پر ایسا ہی اعتراض ہے تو میں اسے واپس لیتا ہوں۔" راجر نے بدمزگی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں پاکستانیوں کی بہت عزت کرتا ہوں مگر قرب و جوار کی مسلح تحریکوں کی وجہ سے یہاں ایک ایسا عنصر ضرور در آمد ہوا ہے جو ہماری تعریف پر پورا اترتا ہے۔ میں اس کی نشان دہی کر رہا تھا۔"

"جب تم نے اپنے بیان میں ترمیم کرلی ہے تو یہ وضاحت غیر ضروری ہے۔" جان نے راجر سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔ "اگر کوئی بات رہ نہ گئی ہو تو ہم یہ اجلاس ختم کرلیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے سروں کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سب نے تقریباً ایک ساتھ ہی کرسیاں چھوڑ دیں۔

جلال نے جب فون پر مجھے یہ بتایا کہ ہمیں شام کے سات بجے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر اس عمارت میں پہنچنا ہے اور اسے وہاں آنے والوں دو امریکیوں کے سپرد کرکے لوٹ آنا ہے تو خود اسے بھی صحیح طرح علم نہیں تھا کہ اس ملاقات میں مزید کیا کچھ ہوسکتا ہے۔

بس اسے ایک بات کا پورا یقین تھا کہ امریکیوں کے ریکارڈ میں میری کوئی تصویر نہ ہونے اور میری ظاہری ہیئت میں ہونے والی بعض اختیاری تبدیلیوں کی وجہ سے اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان سکے۔

ہم تینوں بوب کو لے کر مقررہ وقت پر وہاں پہنچے تو احاطے میں امریکا کے سفارتی نمبروں والی مخصوص رجسٹریشن پلیٹ کے ساتھ ایک جیپ پہلے سے موجود تھی جس میں دو مسلح محافظ نظر آرہے تھے۔

وہاں سے گزر کر کانفرنس روم میں داخل ہونے تک مجھے یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کسی وجہ سے مجھے پہچان نہ لیا جائے مگر غنیمت ہوا کہ تعارف کا مرحلہ خیر و خوبی سے گزر گیا۔

اس کے بعد مختصر سے اس اجلاس میں جو کچھ ہوا' میرے لیے وہ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ دل خوش کن بھی تھا۔ ہم امریکیوں پر اپنا دباؤ آخری حد تک بڑھانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ مرحلہ وار پسپا ہوتے ہوتے' آخر کار دیوار سے جا لگے تھے۔

اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے صدارتی فرمان کا جو ڈھکوسلا پیش کیا تھا' میرے لیے وہ ذرا بھی قابلِ اطمینان نہیں تھا۔ ہمارے لیے یہ معلوم کرنا ناممکنات میں سے تھا کہ بوب کو امریکا پہنچنے کے بعد بلکہ کمیٹی روم سے نکال لے جانے کے بعد کن نوازشات کا مژدہ سنایا جائے گا۔

بوب کی معافی اور حوصلہ افزائی کے خدشوں کے باوجود وہ پیش رفت میری توقع سے زیادہ اطمینان بخش تھی۔ ایک مرتبہ وہ مردود اپنے وطن پہنچ جاتا تو اس کے معاملے کی تشہیر کر کے پاکستان سیاسی سطح پر خاصی سرخ روئی حاصل کر سکتا تھا کیونکہ برطرفی کے فرمان میں امریکی صدر کی ڈھکی چھپی معذرت غیر معمولی بات تھی۔

میں ان خیالات میں الجھا رہا۔ آئی بی کے دونوں افسران بھی میرے اخذ کیے ہوئے نتائج سے متفق تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ جان اسمتھ کراچی کے قونصل خانے میں سی آئی اے مشن کا مقامی چیف تھا اور غالباً اسی کے ایما پر بوب نے اکرم الٰہی سے ملنے کے لیے اسلام آباد سے کراچی تک دوڑ لگائی تھی۔

میرے لیے اس انکشاف پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ خود بوب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ جان سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے اس کی برطرفی کا فرمان سنا رہا تھا۔

اس مختصر اور کامیاب اجلاس کے بعد اسٹیشن فور میں میرے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی پچھلی رات سے اس وقت تک میں مسلسل بیداری اور بھاگ دوڑ سے دوچار رہا تھا اور آخری مرحلے سے نمٹ جانے کے بعد تکان نے پوری شدت سے میرے اعصاب پر حملہ کر دیا تھا۔ میرے ایما پر ان دونوں نے گاڑی کا رخ گلشن اقبال کی طرف کر لیا جہاں وہ تینوں میری واپسی کے منتظر تھے۔

راستے میں' میں نے جلال کو فون پر اپنی رپورٹ دی تو اس نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ بوب رافیل کی رہائی کے سمجھوتے کے بارے میں میری مایوسی اور ناامیدی غیر ضروری تھی۔

"اس وقت جو کچھ ہوا ہے اس پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "میں تمہارے اندازوں کی داد دیتا ہوں۔"

"تمہارے الفاظ سے کسی تحفظ کا اندازہ ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ہمارے موجودہ حریف اونٹ کی طرح کینہ پرور ہیں۔ ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی اپنا باپ بنا لیتے ہیں ورنہ ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے پھرتے ہیں۔"

"گدھے کا نام عزت سے لو۔" جلال نے ہلکے سے قہقہے کے بعد کہا "گدھا ان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے انتخابی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"یہ اپنی شکست کھلے دل سے قبول نہیں کرتے۔ اس وقت جھکے ہیں تو جلد ہی کہیں نہ کہیں اس کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کر دیا "ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"یہ لڑائیاں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"فی الحال صرف اور صرف آرام۔" میں نے کسل مندی سے کہا "فریڈم انٹرنیشنل والے دونوں بدمعاش اب ہر حمایت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان پر کل کچھ کام کیا جائے گا۔"

"میں بھی ان ہی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا کیونکہ بوب رافیل ان کی حمایت کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔"

"یہ سب دکھاوا ہے۔ انہوں نے اسے بتا دیا ہو گا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"وہ اسے کہیں بھی کھپا لیں لیکن اب وہ فارن مسروس کیڈر میں نہیں آ سکے گا۔ ایک بار بدنامی یا ناکامی کا گہرا داغ لگ جانے کے بعد وہ دنیا کے کسی بھی ملک کے لیے قابلِ قبول نہیں رہے گا۔"

"اول خان کو بھی بتا دینا کہ اب تک یہاں کیا ہو چکا ہے۔ وہ فکر مند تھا۔"

"ہر ایک کی نظریں کراچی پر مرکوز تھیں۔ مجھے کئی اہم افراد کو یہ خبریں پہنچانی ہوں گی۔"

"اس پوری مشق میں مجھے ایک ذاتی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اگر سی آئی اے کا جان اسمتھ مجھے نہیں پہچان سکا تو غالباً اب کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"

"تمہیں سب سے زیادہ خطرہ شاید اوبرائن ڈی ہنٹ سے تھا۔ تمہارے خلاف اس نے منظم انداز میں کام کیا تھا۔" جلال نے اپنی معلومات کی روشنی میں رائے ظاہر کی "عملی طور پر تم اس فکر سے اسی وقت آزاد ہو گئے تھے جب وہ شیری کے قتل پر خوف زدہ ہو کر یہاں سے دہلی بھاگا تھا۔"

شیری کے نام پر میں ذرا سی دیر کے لیے سوچتا رہا پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ اوبرائن کی کتیا کا نام تھا جسے سلطان شاہ نے زہریلی گیس دے کر اوبرائن کے مقفل فلیٹ میں ہلاک کیا تھا۔

"اب اوبرائن بھی جہنم واصل ہو چکا ہے جہاں سے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب صرف ایک آدمی ہے جو میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ کسی وقت اسے بھی دیکھا جائے گا۔"

"وہ کون ہے؟"

"بھاری قونصلیٹ کا میجر بخشی۔" میں نے اسے بتایا "میں کرنل جمال دستی کے نام سے اس سے روبہ رو مل چکا ہوں۔ بعد میں اسے شبہ ہوگیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اب مشتبہ سفارت کاروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر آجائے گا۔ بھارت نے نئی دہلی سے ہمارے کسی بھی سفارتی ملازم کو نکالا تو جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے میجر بخشی کو یہاں سے روانہ کیا جائے گا۔ آج کل ایسی کارروائیوں میں ذرا سی شدت آئی ہوئی ہے۔"

"فوری طور پر وہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے خوش فہمی ہے کہ کرنل جمال دستی پاکستان چھوڑ کر آج کل مسقط کے کسی ہوٹل میں بیروں کی فوج سے کام لے رہا ہے۔"

"پھر بھی تمہارا اور اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس کے اندیشے بیدار ہوجائیں گے۔" جلال اس وقت مجھ پر مہربان تھا "ہمارے لیے تمہاری سلامتی بہت اہم ہے۔ میں اس خطرے کو ذہن میں رکھوں گا۔"

وہ اپنے بڑوں سے رابطہ کرکے انہیں تازہ خبر سنانے کے لیے بے چین تھا اس لیے اس سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

تھوڑی دیر میں آئی بی والوں نے مجھے گھر پہنچا دیا۔ میرے بارے میں انہیں کچھ ایسی بریفنگ دی گئی تھی کہ میرے دوستانہ رویّے کے باوجود وہ ادب و احترام کی ایک حد سے تجاوز نہیں کررہے تھے۔ میرے اصرار کے باوجود انہوں نے چائے نوشی سے معذرت کی اور واپس روانہ ہوگئے۔

میں گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرے کی چادر گہری ہوچکی تھی اور روشنیاں جل رہی تھیں۔

میرے لیے دروازہ کھولنے کا فرض سلطان شاہ نے انجام دیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھ سے پہلا سوال ہی کیا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"تم میری آواز پہچان گئے نا؟ میں نیا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے گفتگو کا آغاز عجیب انداز میں کیا گیا۔ اس کا لہجہ دبا دبا اور پُرجوش تھا۔

"پہچان گیا، تم کیسی ہو؟" میں نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے روا روی میں پوچھا۔

غزالہ اور ویرا شاید بے چینی سے میری واپسی کی منتظر تھیں۔ میرے کان سے موبائل فون لگا دیکھ کر ویرا کا منہ بن گیا۔ میں ان دونوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"کل رات تمہاری وجہ سے مجھے اتنی مار کھانی پڑی کہ ابھی تک میری بوٹی بوٹی دکھ رہی ہے۔" میرے کانوں میں نیا کی میٹھی اور شکایتی آواز گونجی "مگر دیکھ لو کہ میں پھر بھی تمہیں فون کررہی ہوں؟"

"کس نے مارا تمہیں؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"

میرے دوسرے سوال کو نظرانداز کرکے وہ بتانے لگی "مقبول کے بھاگنے کے بعد باجی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور نوکر کے ساتھ مل کر گھونسوں اور لاتوں سے میرا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔"

"مگر کیوں؟ تمہارا قصور کیا تھا؟" مجھے وہ خبر سن کر نیا سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"میں نے تمہاری کہی ہوئی باتیں باجی کے سامنے مقبول کو بتادی تھیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا' وہ اس بری طرح گھبرایا کہ اسی وقت گھر سے چلا گیا اور باجی کو مجھ پر غصہ آگیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان کا خیال تھا کہ میں نے اپنی بے وقوفی سے ان کی ایک موٹی اسامی کو بھگادیا..... یوں سمجھو کہ میں خدا کے گھر سے واپس لوٹی ہوں۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ نسرین ایسی بدمعاش عورت ہوگی ورنہ میں تمہیں کوئی اور ترکیب بتادیتا۔"

"باجی کہہ رہی تھیں کہ مجھے وہ باتیں مقبول کے سامنے نہیں بتانی چاہیے تھیں۔ انہیں الگ بٹھا کر پوری کہانی سنادیتی اور پھر وہ خود مقبول سے نمٹ لیتیں۔ رات کو غصے میں انہوں نے مجھے نوکری سے بھی نکال دیا۔"

"اچھا ہوا کہ تم گند سے نکل گئیں۔ گزارے کے لیے میں تمہیں کچھ رقم دے دوں گا۔ کوشش کرو کہ تمہیں کوئی دوسری نوکری مل جائے۔ بعض اوقات تکلیف کے پردے میں راحت اور عزت بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج کے اخبار میں مقبول والی اکارڈ کی خبر پڑھ کر باجی کا سارا غصہ اتر گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ مقبول چوری کی کار چلا رہا ہوگا۔"

"وہ خبر پڑھ کر تمہیں میرا بھی یقین آگیا ہوگا کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

"میں نے تو تم پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرلیا تھا.... یقین نہ ہوتا تو تمہارے کہنے پر کیوں چلتی؟"

"مجھے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ غلط راستوں پر پڑ جانے کے باوجود تم اندر سے ایک اچھی لڑکی ہو اسی لیے میں نے تم سے اپنے دل کی کچھ باتیں کرلی تھیں۔"

"اخبار پڑھ کر باجی دوپہر کو میرے گھر آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں کسی نانغے کے بغیر آج پھر ڈیوٹی پر ہوں مگر باجی کے گھر پر آرام کررہی ہوں۔ فرصت تھی تو تمہیں فون کرلیا۔"

"خدا کا خوف کرو نیا۔ کسی نے سن لیا تو وہ مار مار کر تم سے میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون نمبر اگلوالیں گے۔"

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ باجی نرگس کے ساتھ کسی گجراتی سیٹھ کی دعوت میں گئی ہوئی ہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ ہماری باتیں کوئی نہیں سن سکتا۔"

"میری وجہ سے تمہیں مار کھانا پڑی۔ تم نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے فون کرلیا۔ آئندہ کسی شدید ضرورت کے بغیر مجھے فون نہ کرنا۔ میرے ساتھ تم بھی مشکل میں پڑجاؤ گی۔"

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ "تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے شادی کرکے میرا دامن خوشیوں سے بھردو۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نیا نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میں نے بوکھلا کر کہا "ہوش کی باتیں کرو نیا۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ تمہارے دماغ میں یہ فتور کیوں پیدا ہو رہا ہے۔"

"یہ فتور نہیں' دل کی مجبوری ہے ڈارلنگ۔" نیا جذباتی ہونے لگی "کل پٹتے ہوئے میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ رات کو تم خوابوں میں مجھے اپنے ساتھ لیے نہ جانے کہاں کہاں گھومتے رہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم چار شادیاں کرسکتے ہو۔ میں دل کھول کر تمہاری پہلی بیوی کی خدمت کروں گی؟"

"تم پاگل ہوگئی ہو۔ تمہاری شادی کے بعد تمہاری ماں' تین بہنوں اور چھوٹے بھائی کا کیا بنے گا۔ تمہاری روزی کا سہارا ختم ہوتے ہی وہ دربدر ہوجائیں گے۔"

"تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ میں نے سب سوچ لیا ہے۔" اس نے اپنی رو میں میری بات کاٹ دی "میں باجی کی الماری سے مقبول کی ساری دولت چرا کر اپنی ماں کے قدموں میں ڈال دوں گی۔ تم میرا ساتھ دو گے تو باجی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ میرا گھر آباد ہوجائے گا اور میری ماں بھی زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھ لے گی۔"

"مقبول کی دولت باجی کے پاس کہاں سے آگئی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس نے کافی دنوں سے ایک بند بریف کیس باجی کے پاس رکھوایا ہوا ہے۔ شاید اس میں وہی رقم ہے جو اس نے تم سے اور دوسروں سے ٹھگ لی تھی۔ باجی آج ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ بس ہفتے عشرے تک مقبول کنگلے کا انتظار کریں گی پھر بریف کیس کا تالا توڑ کر اس کے سارے مال پر قبضہ کرلیں گی کیونکہ اس نے دھوکا دے کر ان کی بیٹی نرگس کا دل توڑا ہے۔ تم ہاں کردو تو میں الماری سے وہ بریف کیس ہی اڑالوں گی۔"

"اتنی لمبی باتیں کس سے ہو رہی ہیں؟ کب فرصت ملے گی تمہیں؟" دروازے کی طرف سے ویرا کی اونچی آواز آئی۔

میں نے پلٹ کر اسے آنکھیں دکھائیں اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی آنکھیں نکال کر دندناتی ہوئی میری خواب گاہ میں گھس آئی۔

"یہ کس عورت کی آواز آئی تھی ابھی؟" نیا فون پر پوچھ رہی تھی "بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔"

"بیوی تھی میری۔" میں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ میرے الفاظ ویرا کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں پھر بات جاری رکھی "بہت بدمزاج اور تند خو عورت ہے۔ میری زندگی حرام کی ہوئی ہے۔"

"تم بالکل پروا نہ کرو۔" میرے الفاظ نے نیا کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔ وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی "تحمل اور اخلاق سے کام لے کر میں اس کا دل موم کرلوں گی۔ تمہاری پریشانیاں بھی دور ہوجائیں گی۔"

"وہ کسی بھی وقت ادھر نکل آئے گی۔ تم مجھے اپنی باجی کا نمبر دے دو۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔"

"نہیں!" اس نے فوراً انکار کردیا "تم یہاں فون نہ کرنا۔ باجی شک میں پڑجائیں گی۔ میں کل بھی بدن میں درد کا بہانہ بنا کر دھندے پر نہیں بیٹھوں گی۔ رات کو موقع دیکھ کر تمہیں فون کروں گی۔"

وہ عجیب خود سر لڑکی تھی۔ اپنے خوابوں کا گناہ میرے سر لادنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسے سختی سے ڈانٹ کر اس کے سر سے شادی کا بھوت اتار دوں لیکن اس نے مقبول کی دولت کا ذکر کرکے میرے دل میں ایک شبہ پیدا کردیا تھا۔ اس کی تائید یا تردید ہونے تک میں نیا سے رابطہ برقرار رکھنے کا ہنگامی فیصلہ کرچکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے "موقع ملے تو تم ہی فون کرلینا۔"

"موبائل فون اپنے پاس ہی رکھنا۔ تمہاری بیوی نے بات کی تو میں بولے بغیر فون بند کردوں گی۔" اس نے مجھے مشورہ دیا "تم سمجھ لینا کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "کام کے سلسلے میں میرے پاس فون آتے رہتے ہیں۔ میرے بعض دوست شان جتانے کے لیے اپنی آپریٹر سے نمبر ملواتے ہیں۔ میری بیوی مجھے بلا دے گی۔"

"نہیں' میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" نیا مصر تھی "تم ان بیویوں کو نہیں جانتے۔ بات چیت تو دور کی بات ہے۔ بیویاں غیر عورت کے سانسوں سے ہی سب کچھ پڑھ لیتی ہیں۔ تمہاری بیوی کو وقت سے پہلے کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تو وہ مجھے اس قابل ہی نہیں رہنے دے گی کہ میں تم سے شادی کرسکوں۔"

"اچھا بابا' جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرنا مگر مجھ سے بات ضرور کرلینا۔"

میرے اصرار پر وہ خوش ہوگئی۔ "تم اتنے پیارے ہو... اتنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے ہو کہ بس۔"

میں نے بٹن دبا کر وہ کال منقطع کر دی۔

ویرا میرے پہلو میں کسی فوج دار کی طرح تنی کھڑی تھی۔ کال ختم ہوتے ہی اس نے آنکھیں نکال کر ترش لہجے میں سوال کیا "یہ کس سے اتنے لمبے راز و نیاز ہو رہے تھے؟"

"دنیا تمہاری ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"غزالہ کو یہ سن کر ذرا بھی خوشی نہیں ہوگی۔" اس نے مجھے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ وہ میری خوشی میں خوش رہنے والی ایک معصوم اور فرماں بردار بیوی ہے۔ تمہاری باتوں میں نہیں آئے گی۔ اس نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا تو کسی اور سے کیا کہے گی۔"

"یہ مت کہو' وہ بہت گھنی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں بارہا زہریلے اشارے کنائے کر چکی ہے مگر میں ہمیشہ انجان بن کر اسے ٹال جاتی ہوں تاکہ گھر میں کوئی فساد کھڑا نہ ہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ وہاں آ پہنچا اور سرہلاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں ویرا کے ساتھ خوش گپیاں ہو رہی ہیں اور ہم اس انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے ہیں کہ تم فون پر اپنی بات ختم کرتے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ شرفا دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کیا کرتے۔"

"شرط یہ ہے کہ دوسرے بھی شرفا ہوں' تم جیسے نہ ہوں۔" ویرا بول پڑی۔

"تو کیا ہم لچے لفنگے اور بدمعاش ہیں؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"یہ فیصلہ تم خود کر سکتے ہو کہ تم کیا ہو۔ میں نے ایسی کوئی ناروا بات نہیں کہی۔" ویرا اطمینان سے بولی۔

ان دونوں کی بحث کا فائدہ اٹھا کر میں خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ ڈرائنگ روم میں غزالہ اطمینان سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اسے میرے پاس آنے والی فون کال کی کوئی فکر تھی' نہ کمرے میں ویرا کے پہنچنے کا کوئی اندیشہ۔ اس کی بے نیازی پر میرا دل چاہا کہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں مگر ویرا اور سلطان شاہ کی قریب آتی ہوئی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لڑتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔

"کل سے آپ مسلسل مصروف ہیں' تھک گئے ہوں گے۔" غزالہ نے میری طرف محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا "جلدی سے نہا دھو کر کھانا کھا لیں پھر آرام کی تیاری کریں۔"

میری حالت دیکھ کر اس نے اپنے تجسس کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اپنی آمد کے بعد کے واقعات کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجائے اسے میرے آرام کی فکر ہو گئی تھی۔

"تم اسٹیشن فور سے بوب رائیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ اتنی کہانی ہم نے ویرا سے سن لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہوا؟" سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا؟" پروگرام کے مطابق دو امریکی افسر وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بوب کو ان کے حوالے کر کے ہم تینوں واپس چلے آئے۔ یہ سب ویرا کی موجودگی میں طے ہو چکا تھا۔"

"اس کے سوا کچھ نہیں ہوا؟" ویرا نے حیرت اور مایوسی سے سوال کیا۔

"کچھ اور ہونے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تم خود بتاؤ کہ وہاں اور کیا ہو سکتا تھا۔"

"تم خود کو اوّل درجے کا باتونی اور باریک بین سمجھتے ہو۔ تمہاری اور ان کی باتیں بھی ہوئی ہوں گی۔ ان میں کوئی کام کی بات بھی سامنے آ سکتی تھی۔"

"وہ دونوں اناڑی نہیں تھے۔ اپنا آدمی واپس لینے کے لیے امریکیوں نے اپنے خرانٹ افسر بھیجے تھے۔ وہ ضرورت سے زیادہ بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اس لیے ہم واپس آ گئے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" ویرا نے اپنی گردن جھٹک کر کہا "تم کوئی بات چھپا رہے ہو؟"

میں کچھ دیر تک۔۔۔ ان دونوں کو زچ کرتا رہا پھر انہیں پوری

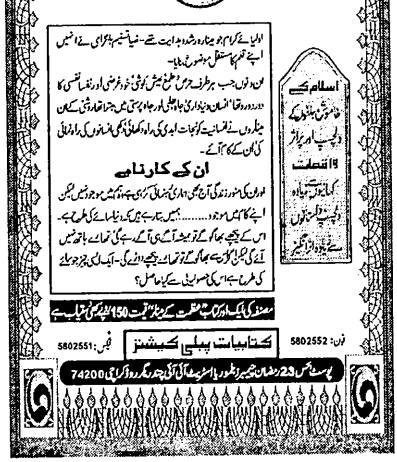

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات بتادی۔ میں خود بھی تھکا ہوا تھا۔ ان دونوں کی تفتیش سے فارغ ہو کر جلد از جلد غزالہ کے مشوروں پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

بوب رافیل کی برطرفی کی خبر میری طرح ان کے لیے بھی اطمینان بخش تھی۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کہ جو کچھ ہوا' وہ بہت آبرومندانہ انداز میں ہوا تھا۔

"تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ فون پر تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟" وہ موضوع سمیٹتے ہی ویرا نے ایک مرتبہ پھر موبائل فون پر آنے والی نیا کی کال کا ذکر نکال دیا۔

غزالہ کو شاید ویرا کا تحکمانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا "چھوڑو ویرا۔ یہ نہیں بتانا چاہتے تو تم کیوں اصرار کر رہی ہو۔ ایک ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک دوسرے پر مسلط رہیں۔"

"الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے مگر نسوانی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کیا اب بھی تم اپنی رائے پر قائم رہو گی؟"

ویرا کے انکشاف پر غزالہ کے چہرے کے تاثرات میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ وہ سکون سے بولی "ہو سکتا ہے کہ نیا نے فون کیا ہو۔ یہ کل اسے اپنا فون نمبر دے آئے تھے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔"

"اسی کا فون تھا۔" میں نے فاتحانہ لہجے میں کہا اور ویرا اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گئی "وہ کام کی لڑکی ہے اس لیے میں اسے وقت دے رہا ہوں۔ وہ کسی وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔"

"اپنی بات کرو۔ سب کو نہ لپیٹو۔" ویرا نے کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کی "ایسی آوارہ اور پیشہ ور لڑکی تمہارے ہی کام آسکتی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"آج کے دن کی کامیابیوں کو تلخی سے برباد نہ کرو۔" غزالہ کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھ کر سلطان شاہ نے اعلان کیا "جب تک ڈینی نہا دھو کر نکلے' کھانے کی میز تیار ہو جانی چاہیے۔"

غزالہ فوراً ہی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ معمول کے برعکس ویرا نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"تم بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" سلطان شاہ نے اسے شرم دلائی۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ چند ثانیوں کے لیے ملتوی کر دیا تاکہ نئی بحث کا انجام دیکھ سکوں۔

"کبھی کبھی تم بھی گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہم سے زیادہ کھاتے ہو تو اتنا کام بھی کیا کرو۔ عورتیں تمہاری زرخرید غلام نہیں ہیں۔"

"عورتوں کے کام عورتوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ چلو شاباش' جلدی سے کچن میں جاؤ۔"

"تم بہت حرام خور ہو گئے ہو۔" ویرا ملامت بھرے لہجے میں بولی "تم جیسے مردوں کو کسی مال بردار جہاز کے کارگو ہولڈ میں ٹھونس کر دو چار مہینوں کے لیے یورپ یا امریکا کے کسی شہر میں ڈال دیا جائے تو اپنے کام کر کر کے دماغ پر چڑھی ہوئی ساری چربی پگھل جائے گی۔ وہاں ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔"

"کبھی کبھی میں اپنا ہی نہیں' تمہارا کام بھی کر دیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "یہ جلے کٹے طعنے تم ڈینی کو سناؤ۔ اس شخص نے آج تک پانی کا گلاس بھی خود سے نہیں لیا۔"

سلطان شاہ نے اپنی بلا میرے سر ٹالنے کی کوشش کی تھی جو رائیگاں گئی۔

ویرا منہ بنا کے کہہ رہی تھی "پانی کے گلاس تم کو ہی مبارک ہوں۔ ہم اسکاچ والے لوگ ہیں۔ اپنا گلاس لبریز ہو تو اتنی احتیاط سے اٹھاتے ہیں کہ ایک بوند بھی نہیں چھلکنے پاتی۔"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا "مجھے معلوم تھا کہ کھانے سے پہلے تم کسی نہ کسی بہانے سے ایک دو گلاس ضرور چڑھاؤ گی۔ اسٹیشن فور سے یہاں آتے ہی تمہاری پرانی عادتیں دوبارہ ابھر رہی ہیں۔"

ویرا نے مزید جلانے کے لیے اسے آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "وہ سنگلاخ ویرانہ تھا' یہ گلشن ہے۔ یہاں عربی' عجمی اور افریقی طالب علموں کی سہولت کے لیے بہت سی دکانوں سے شراب مل جاتی ہے تو میں اس سہولت سے فیض کیوں نہ اٹھاؤں؟ میں تمہاری طرح کفرانِ نعمت نہیں کرتی۔"

سلطان شاہ اسے کوئی جواب دیے بغیر ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"تم جلدی سے نہا کر آجاؤ۔ میں تمہارے لیے بھی ایک تگڑا گلاس بنا کر لا رہی ہوں۔ تمہاری ساری تکان اتر جائے گی۔" ویرا نے مجھ سے کہا "کل تم نے نیا پر محنت کی اور آج بھی سارا دن مصروف رہے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔"

میری تکان کا خیال اسے بھی آیا مگر دیر سے آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ میری بیوی نہیں تھی!

وہ مے نوشی کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ میں نہانے کے لیے اپنی خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے تیز شاور نے ذرا سی دیر میں میری طبیعت تازہ کر دی۔ بدن پر پانی پڑا تو اشتہا کی خواہش جاگ اٹھی۔ مجھے یاد آیا کہ ہم نے وہ سارا دن محض چائے وغیرہ پر گزارہ تھا۔ اسٹیشن فور پر سارا دن کچھ ایسے حالات رہے کہ ہم میں سے کسی کو دوپہر کے کھانے کا دھیان تک نہیں آیا تھا۔

میں غسل مختصر کر کے باہر نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر میں نے کچن میں جھانکا تو غزالہ روٹیاں پکا رہی تھی۔ سلطان شاہ مقدور بھر اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ویرا نے اس وقت کچن میں جانے سے انکار کر دیا تھا اس لیے غزالہ پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا اور کھانا لگنے میں تاخیر ہونے کے روشن امکانات نظر آرہے تھے۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز' سگریٹ کا کش لے رہی تھی۔ اس کے سامنے میز پر مونڈ دونوں شفاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گلاسوں میں موجود سیال کا رنگ خطرناک حد تک گہرا تھا۔

ایک گلاس لبریز تھا' دوسرا نصف رہ گیا تھا۔ ویرا نے خاصی بے صبری سے مے نوشی کی ابتدا کی تھی۔

"کیا نیٹ ہی بھر لائی ہو؟" میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"فنٹی فنٹی' یعنی نیا نیم ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانک کر مسکرائی "اسکاچ میں برابر کا ٹھنڈا یخ پانی ملایا ہے۔ تیزی سے پیو گے تو نیا والا سرور تازہ ہو جائے گا۔"

"اب وہ مجبور لڑکی نہ جانے کب تک تمہارے ذہن پر سوار رہے گی۔" میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو ڈیئی! تم میرے شوہر نہیں' دوست ہو۔ سمجھے؟" اس نے آگے جھک کر تیز لہجے میں سرگوشی کی "میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں... تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میرے سامنے تمہارے جھوٹ نہیں چل سکتے۔ سچ سچ بتاؤ کہ کل اسے اس کے اڈے سے نکال کر کہاں لے گئے تھے؟"

"صرف ساحلِ سمندر تک۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا "ہم کہیں بھی گاڑی سے نہیں اترے۔ نسرین کے گھر سے ساحل اور پھر واپس۔"

ویرا کچھ کہے بغیر چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر اس نے اپنا گلاس اٹھالیا "گلاس اٹھاؤ... یہ پہلا لمبا جام تمہاری نیا کے نام ہوگا۔"

"میں نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

"ہائیں!" ویرا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "کیا میں تمہارے دعوے پر اعتبار کرلوں؟"

"گلاس سامنے ہے اور میں تمہیں پیتے ہوئے دیکھوں گا۔ میرے دعوے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

"مگر کیوں؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی خاموشی سے کب اور کیسے کرلیا۔"

"بڑے فیصلے خاموشی سے اور اچانک ہی کیے جاتے ہیں۔" میں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا "اپنا گلاس ختم کرکے میرا گلاس بھی تم ہی پی لینا۔ اپنے کمرے کا ایک چکر لگانے سے بچ جاؤ گی۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ میرے اس فیصلے کا محرک کیا تھا۔

میرے انکار پر ویرا اپنے گلاس کو لبوں تک لے جانا بھول بیٹھی تھی۔ اس نے پوچھا "ایسا تو نہیں کہ تم نے میرے ساتھ بیٹھ کر پینے سے توبہ کی ہو۔ غزالہ ہماری ایسی بیٹھکوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔"

"میرے اس فیصلے کا غزالہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ کہیں بھی میرے ہاتھ میں شراب دیکھ لو تو تم میرا ہاتھ توڑ دینا۔ نہیں پیتی تو پھر کہیں بھی نہیں پیتی۔"

"شاید تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں رہا۔ ڈرتے ہو کہ کہیں زیادہ پی کر بہک نہ جاؤ۔" اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"تم جو چاہو' سمجھ سکتی ہو۔ میں کوئی صفائی پیش نہیں کروں گا۔" بات کہتے کہتے میری نظر اس کے گلاس پر پڑی اور میں نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا "دیکھو' تمہارا گلاس ٹیڑھا ہو رہا ہے۔ اسکاچ گرنے والی ہے۔"

اس نے چونک کر اپنا ہاتھ سیدھا کیا۔ گلاس اوپر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہونٹوں سے لگالیا۔

تیز اسکاچ کا بقیہ نصف گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرکے اس نے میز پر رکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تیز اسکاچ کا لمبا گھونٹ لیا جائے تو حلق سے معدے تک آگ کی ایک لکیر سی تیرتی چلی جاتی ہے اور اس لذت انگیز سوزش سے آنکھوں میں خود بہ خود آنسو آجاتے ہیں۔

ویرا چند ثانیوں تک خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر دوبارہ بھولے ہوئے موضوع پر آگئی "تو تم نیا کو صرف ساحلِ سمندر تک لے گئے تھے۔"

"تم بلاوجہ اس بات پر اپنا سر کھپا رہی ہو۔ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"پھر آج اس نے تمہیں کیوں فون کیا تھا؟" ویرا نے دوسرا' بھرا ہوا گلاس اپنے سامنے سرکالیا۔

"اس وقت کافی الحال تمہارے معدے میں اتر چکی ہے اس لیے مجھے زبان کھولنی ہی پڑے گی۔" میں نے پہلو بدل کر کہا "کل وہ

الجھن

پوچھا ایک کسان کے بیٹے نے دوسرے کسان کے بیٹے سے "تمہارے ابا آج کل بڑی الجھن میں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کیا ہے؟"

دراصل ان کے پاس پچیس ہزار روپے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے بھینس خریدیں یا سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر۔ ان پیسوں میں صرف ایک ہی چیز آسکتی ہے۔"

"بھئی اسکوٹر خرید لیں تو بہتر ہے۔ اگر وہ بھینس پر بیٹھ کر سفر کریں گے تو لوگ ہنسیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن انہوں نے اسکوٹر سے دودھ دوہنے کی کوشش کی تو لوگ اس سے بھی زیادہ ہنسیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقبول کو خوف زدہ کر کے بھگانے پر پٹی تھی۔ آج مسروقہ اکارڈ کی خبر اخبار میں پڑھنے کے بعد اس کی مالکن یا نائکا نے اسے معاف کردیا۔ یہ باتیں وہ میرے علم میں لانا چاہتی تھی۔"

"تمہاری گفتگو اس سے جان چھڑانے والی نہیں تھی۔ تم فون کرنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کررہے تھے بلکہ اس کا نمبر لے کر خود اس سے رابطہ برقرار رکھنے کے خواہاں تھے۔ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں ویرا کو اس کے سوال کا مسکت جواب دے سکتا تھا مگر میں اس موضوع پر زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "وہ بھی جان چھڑانے کی کوشش تھی۔ کیا تم مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتی ہو کہ جو عورت چند سکوں کے مول ہر وقت حاصل کی جاسکتی ہے' اس کے لیے میں اپنا وقت برباد کرتا پھروں گا۔"

"اس وقت میں تمہارے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ شراب تمہارے خون میں رچی ہوئی تھی۔ آج تم نے اچانک اسے ترک کردیا۔ راجر بروک کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سن کر تم یکایک بھڑک اٹھے تھے۔ میرے لیے یہ باتیں کسی خاص سمت کی نشان دہی کررہی ہیں۔ ایسی حالت میں تم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہو۔"

"حالت!" میں بے ساختہ ہنس پڑا "تم کس حالت کی بات کررہی ہو؟ کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میرا دماغ چل گیا ہے' میں پاگل ہوگیا ہوں۔"

"جہاں بات ہورہی ہے' اسے وہیں رہنے دو۔" اس نے دوسرے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "اسے اتنا آگے مت لے جاؤ۔ مجھے تم اس وقت کسی خاص رو کے زیر اثر آئے ہوئے نظر آرہے ہو۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ پوری طرح سنجیدہ تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' میرے لیے دلچسپ لیکن ذرا غیر واضح تھا۔ میں نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں ہوں۔ تمہیں سینگ نہیں ماروں گا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو' ذرا کھل کر کہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ نے ڈائننگ ٹیبل پر چمچے سے ایک پلیٹ کو بجانا شروع کردیا۔ وہ اس کی طرف سے میز تیار ہونے کا اعلان تھا۔

"اپنی یہ بے تکی موسیقی بند کرو۔" ویرا نے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لے کر کہا "ہم بہرے نہیں ہیں۔ ایک منٹ میں میز پر آرہے ہیں۔"

"آجاؤ۔" وہ اپنا گلاس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی "اچھا ہے کہ اس گفتگو میں سب شامل ہوجائیں ورنہ بعد میں ہر ایک کو الگ الگ پوری بات بتانے میں میرا دماغ خالی ہوجائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ پہلے ہی خالی ہوچکا ہے۔" میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "مگر پھر بھی میں تمہارے نادر خیالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔"

کچن کے معاملات میں اس وقت ویرا کے عدم تعاون کے اثرات زائل کرنے کے لیے سلطان شاہ نے پوری طرح غزالہ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ دونوں میز لگائے ہمارے منتظر تھے۔ ویرا نے وہاں پہنچتے ہی تعریفی نظروں سے میز کا جائزہ لیا اور سلطان شاہ کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے بولی "شاباش! اسی طرح غزالہ کا ہاتھ بٹاتے رہا کرو تاکہ مجھے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔ چند دنوں میں خاصے گھڑ ہوجاؤ گے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے وقت پر ناشتا اور کھانا تیار نہیں ملا تو میں بلا تکلف ہوٹل بازی شروع کردوں گا۔"

"ہونہہ!" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا اور کہا "اس وقت کڑوی باتیں مت کرو۔ تمہیں جشن منانا چاہیے کہ ڈینی نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔"

ان دونوں کے لیے وہ واقعی بڑی خبر تھی۔ ان کی تحیر زدہ نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ ویرا کے برعکس میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ کی آنکھوں میں محبت' اپنائیت اور فخر سے ملی جلی چمک تیرنے لگی۔

"کیا ویرا واقعی سچ کہہ رہی ہے؟" سلطان شاہ نے تحیر زدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں!" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "مگر یہ اتنی زیادہ خوشی کی بات نہیں ہے۔ راجر بروک نے بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر ڈینی کے ذہن میں دبی ہوئی کسی چنگاری کو ہوا دے دی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈینی نے شراب چھوڑ دی اور اب شاید گندے بازار کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر ایک اور نیکی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نیا کو اپنا گھر اور اپنا شوہر مل جائے گا' ڈینی کا ضمیر مطمئن بلکہ کچھ زیادہ ہی مطمئن ہوجائے گا..."

اس وقت ویرا اسکاچ کے زیر اثر کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔ اس نے کئی باتوں کو غیر ضروری طور پر یک جا کرکے اپنے طور پر ایک کہانی بنالی تھی جس کی تردید ضروری ہوگئی تھی۔

میں نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا "نیا تمہارے اعصاب پر چھائی ہوئی ہے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف بنائی ہوئی' اکرم الٰہی کی فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔"

ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔ غیر متوقع طور پر ہمارا یہ مشن نہایت آسان ثابت ہوا۔ رستم نے بیسرا کے محاصرے کے بعد اپنے نواسے سمیت خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہرلال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ تفتیش کے دوران میں اس نے انکشاف کیا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے اخبار کے ذریعے اطلاع ملی کہ رابن نامی امریکی یہودی موہنی پنڈت سے ملنے اس کے گھر آرہا ہے۔ رابن، پنڈت اور رستم پر بہت برہم تھا۔ اس نے منوہرلال کی خواب گاہ میں موہنی پنڈت کو گولی مار کر ہلاک کردیا مگر خود میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگیا۔ پنڈت منوہرلال کو اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ائرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مائر کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ... ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا۔ وہ چرس، ہیروئن کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن فور پہنچایا جاچکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آفوز اور فریڈم انٹرنیشنل کے کلیرنس کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آفوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے تحت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کر چکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے جبکہ وہ ہمیں دور سے شناخت کرسکتا تھا۔ حسب توقع وہ ریستوران میں بوب رائفل کے ساتھ موجود تھا۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی۔ کمرویرا کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ ہمارے قابو میں آگیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بھارا نسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔ مجھے نیما نے بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس رکھوایا تھا اور اس کی حفاظت کی آمادگی بھی میں نے یہ بتا کر کہ اکرم الٰہی کی مرتب کردہ فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے سب کو حیران کردیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اکرم الٰہی کی فائل سے نیما کا کیا تعلق نکل آیا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اس سے بلاوجہ باتیں کرنے کا شوق نہیں تھا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وہ لاعلمی میں کچھ کار آمد باتوں کی نشاندہی کر بیٹھی تھی۔ میں اس سے ہونے والی گفتگو کو طول دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔"

"پھر تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟" ویرا نے سوال کیا "ہوسکتا ہے کہ کل اسے تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت وہ روانی میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔"

"وہ ضرور بتاتی اور میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ اس سے ہر بات اگلوالوں مگر تم ایک مصیبت بن کر میرے سر پر مسلط ہوچکی تھیں۔ تمہاری کسی بے جا مداخلت سے وہ بھڑک جاتی تو اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں اس سے گفتگو مختصر کردوں۔"

"تمہاری باتوں سے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے تم اس سے رومانس لڑا رہے ہو۔" ویرا نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا "اپنے لب و لہجے سے تم اس پر فدا ہوئے جارہے تھے۔"

میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اگر یہ کسی لڑکی سے عشق لڑا رہے تھے تو مجھے فکر مند ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا پریشانی تھی؟"

"اگر تم نے ڈینی کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈینی پورے شہر میں عشق لڑاتا پھرے' میں اسے بالکل نہیں روکوں گی۔"

"حالات کی ستائی ہوئی لڑکیاں باہر سے بہت خود غرض اور شاید سنگ دل نظر آتی ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں مداخلت کرکے ان دونوں کو خاموش کردیا۔ "لیکن اندر سے وہ بہت حساس ہوتی ہیں۔ کسی پر ذرا بھی بھروسا ہوجائے تو اس کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھتی ہیں۔ یہی حال نیما کا بھی ہے۔..."

"یعنی وہ تمہیں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر تائید طلب لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "تم شروع ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میری اور اس کی ملاقات کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھیں لیکن یقین کرو کہ ہم گاڑی میں ساحل تک گئے اور واپس آئے تھے۔ میں نے نسرین کو پوری رقم ادا کی تھی مگر نیا کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اسی بات نے اس کا دل موہ لیا تھا۔"

"اور تم نے اس کی توقعات پر پورا اترنے کی کوششیں شروع کردیں۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"بار بار دخل اندازی مت کرو۔" میں نے ناگواری سے کہا۔ "ایک مرتبہ پوری بات سن لو پھر جو کچھ کہنا چاہتی ہو' اطمینان سے کہتی چلی جانا' میں بالکل نہیں بولوں گا۔"

"اس بارے میں تمہارا اعتراف ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ کہہ ڈالو' میں سن رہی ہوں۔"

"یہ اعتراف نہیں' حقیقت ہے کہ وہ مجھ سے کچھ عجیب سی توقعات وابستہ کر بیٹھی ہے جن کا پورا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔" میں نے بات شروع کی "مگر اس نے ایک ایسے بریف کیس کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا جو مقبول چوہدری نے کچھ دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا تھا۔"

"اس بریف کیس میں کیا ہے؟" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔

میں مسکرا کر رہ گیا "وہی بتانے جارہا ہوں۔ نیا کا خیال ہے کہ اس بریف کیس میں مقبول کی بھاری دولت ہوگی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں وہی کاغذات ہیں جو اکرم الٰہی نے فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں کے بارے میں یک جا کیے تھے۔ اپنے ماموں کو قیدی بنانے کے ساتھ ہی مقبول نے ان کاغذوں پر بھی قبضہ کرلیا ہوگا۔"

"اور تم اس بریف کیس پر قبضہ کرنے کے لیے نیا کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجھے نیا کی ذات میں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اقرار کیا۔

"شرم کی بات ہے۔" ویرا نے یکایک ہی اپنی کینچلی بدل لی "تم اس کے جذبات سے کھیل کر اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہے ہو۔ تمہارا ضمیر اس فعل پر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟"

"میں اپنی کسی ذاتی غرض کے حصول کے لیے اسے دھوکا دیتا تو میرا ضمیر مجھے ضرور ملامت کرتا۔ وہ ایک پیشہ ور لڑکی ہے۔ نسرین کے ایما پر اب تک نہ جانے کتنے مردوں کو فریب دے چکی ہے۔ اگر میں ایک عظیم تر اور قومی مقصد کے لیے اسے استعمال کرلوں گا تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وقت نے تمہیں اتنا سفاک بنادیا ہوگا۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اپنے اندازے کی غلطی پر ڈینی کو الزام نہ دو۔"

سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارا خیال تھا کہ ڈینی اس لڑکی سے سادی کے لیے پر تول رہا ہے۔"

"تم خود سن چکے ہو۔" ویرا نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کی نیّت جو بھی رہی ہو' یہ نیا سے فون پر بہت والہانہ انداز میں باتیں کررہا تھا۔"

"اور کچھ نہیں' یہ ذہنیت کا فتور ہے۔" سلطان شاہ نے غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا "آدمی کے اپنے دماغ میں گند بھرا ہوا ہو تو وہ دوسرے کو بھی گندہ سمجھتا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس بات کو اب یہیں ختم کردو۔"

"ابھی تو بات ڈالی ہی نہیں گئی تھی۔ ویرا چاہے تو میں زبان بند کیے لیتا ہوں۔"

"میں آج پیش گوئی کررہی ہوں کہ تمہارا حشر بیل کوّے جیسا ہوگا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا "تم چاہو یا نہ چاہو' تمہارے پلّے نیا جیسی کوئی آوارہ لڑکی ہی پڑے گی۔"

"دوسروں کے بارے میں رائے زنی کرنے سے پہلے آدمی کو اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "آج کل کی آزادیوں میں سب کچھ ہی چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ وار خاصا برمحل اور کاری ثابت ہوا۔ ویرا اس کے جواب میں فوری طور پر ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی اور غزالہ کو وہ ناخوش گوار موضوع تبدیل کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آگیا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مقبول کے بریف کیس میں اکرم الٰہی کے کاغذات ہوں گے؟"

"یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" میں نے بحث سے بچنے کی کوشش کی۔

"غزالہ کا سوال معقول ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی تائید کی "اگر وہ بریف کیس کئی دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا گیا تھا تو اس میں کاغذات کی موجودگی کا امکان نظر نہیں آتا۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" ویرا نے خفّت مٹانے کے لیے زبان کھولی۔

"چند روز پہلے حالات پوری طرح مقبول چوہدری کے کنٹرول میں تھے۔" سلطان شاہ اسی سے مخاطب ہوکر بولا "اکرم الٰہی اس کی قید میں پوری طرح بے بس تھا۔ مانگیٹر کی پوری عمارت پر اس کا مکمل تسلط تھا۔ اسے کاغذات نسرین کے پاس رکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یوں اچانک پلٹا کھا جائیں گے۔ آئی بی والوں کے بھیجے ہوئے' سادہ پوش احتجاجی وفد کی جارحانہ کارروائیوں سے پہلے مائیکرو سینٹر اس کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔" غزالہ نے دلائل میں اضافہ کیا۔

"یہ سب درست ہے مگر یہ نہ بھولو کہ ہم منظم جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن یا اس میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کے لیے اکرم الٰہی کو مروانا کوئی بڑا کام نہیں تھا مگر وہ ان کاغذات کی وجہ سے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اکرم مارا گیا اور وہ فائل غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو فورڈ فاؤنڈیشن کو عالمی سطح پر روسیاہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اکرم سے فائل واپس لیے بغیر وہ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔"

"میں خاک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اسٹیشن فور پر ویرا نے اپنے طور پر رافیل سے بازپرس کی تھی۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا "اکرم الٰہی کی فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ اور مذموم سرگرمیوں کا ناقابلِ تردید ریکارڈ موجود ہے۔ بوب رافیل نے بتایا کہ وہ اسی ریکارڈ کی بنا پر فاؤنڈیشن کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں بٹور رہا تھا اور وہ مجبور تھے۔"

"اور یہ بات مقبول چوہدری بھی جانتا تھا۔" ویرا نے موقع پاتے ہی میری بات آگے بڑھائی۔

"اکرم الٰہی انہیں بلیک میل کر رہا تھا' مقبول چوہدری ان کا دوست تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی ان کاغذات کی تلاش کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ امریکی سفارت کاروں نے فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ مقبول چوہدری کی حمایت میں احتجاج کیا تھا۔ جوں ہی انہیں پتا چلا کہ مقبول چوہدری کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور اکرم دوبارہ میدان میں آگیا ہے تو ان پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور اسی بوکھلاہٹ میں بوب رافیل' اسلام آباد سے کراچی دوڑا چلا آیا۔"

"بریف کیس کی بات اب بھی واضح نہیں ہو سکی۔" غزالہ نے مجھے ٹوک دیا۔

"حیرت ہے کہ تم پر بھی سلطان شاہ کا سایہ پڑنے لگا ہے۔" اس مرتبہ بھی ویرا نے میرا ساتھ دیا "سیدھی سی بات ہے۔ مال کمانے کے لیے مقبول چوہدری بھی ان کاغذات سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آقاؤں کو تاثر دیا ہو گا کہ وہ اکرم الٰہی کے سازوسامان میں ان کاغذات یا کسی فائل کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اسے یہ اندیشہ بھی رہا ہو گا کہ فائل یا کاغذوں کی تلاش کے لیے فورڈ

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
روشنی کے مینار
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
عظمت کے مینار
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے' جن کی آپ کو تلاش ہے۔
ایمان کا سفر
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
کچرا گھر
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بلندی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
آدھا چہرہ
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

جرائم' جادو' شیطان' ازمنۂ ارواح' طنز' مزاح' اسرار و خوف' سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
کالی کہانیاں
قیمت ۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

مشہور سپورٹنگ ڈیلٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چرتا ہے۔
نک ویلوٹ کی چوریاں
قیمت جلد اول ۴۰ جلد دوم ۴۰ روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منزل بلیو ایریا اسٹریٹ ۱ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاؤنڈیشن والے اپنے آدمی مائیکرو سینٹر نہ بھیج دیں۔ اس نے فوری طور پر سارے کاغذات بریف کیس میں مقفل کر کے نرگس یا نسرین کے گھر پر حفاظت سے رکھوا دیے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے راز ایک قحبہ خانے میں پہنچ چکے ہوں گے۔" وہ اپنے ذہن سے نشے کے اثرات جھٹکنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"ویری گڈ!" سلطان شاہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "اب پوری طرح صورتِ حال واضح ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ نیما کے بارے میں تمہیں ڈینی کے نیک عزائم کا بھی اندازہ ہو چکا ہو گا۔"

"میرے سامنے اب اس کمینی کا نام نہ لینا۔" ویرا غصیلے لہجے میں بولی "مجھے ایسی لڑکیوں سے سخت نفرت ہے جو زبردستی ہر مرد کے گلے کا ہار بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"نادرہ سے بھی تمہیں اسی لیے نفرت تھی۔" سلطان شاہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہیں ہر اس عورت یا لڑکی سے نفرت ہو جاتی ہے جو کسی بھی وجہ سے ڈینی سے مراسم استوار کرنے لگے۔"

مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ کے اس الزام پر ویرا بھڑک اٹھے گی لیکن میری توقع کے برعکس، وہ مسکراتے ہوئے بولی "ڈینی کو میں اپنا دوست سمجھتی ہوں اور دوست ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ غزالہ اور ڈینی کے درمیان تیسرے درجے کی کسی عورت کی وجہ سے کوئی تلخی پیدا ہو۔"

ایسی چھوٹی موٹی تلخیوں کے لیے ویرا کا وجود ہی کافی تھا اس کے لیے مزید کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر ویرا سے کہا "تم واقعی ایک عظیم اور راست باز عورت ہو۔"

"عورت نہیں، لڑکی کہو۔" ویرا نے شگفتہ انداز میں فوراً میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی۔ "روایتی طور پر ہر غیر شادی شدہ خاتون لڑکی ہوتی ہے بلکہ بعض عورتیں خاصے باوقار شوہروں اور کئی کئی بچوں کی مالک ہونے کے باوجود خود کو مس یا لڑکی کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ دانستہ اپنے نام کے ساتھ مسز نہیں لگاتیں تاکہ انہیں عمر بھر شک کا فائدہ ملتا رہے۔"

"ایسا مغرب میں ہوتا ہو گا۔ یہاں شک کی صورت میں نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "خاص طور پر عورت پر ذرا بھی شک ہو جائے تو اس کی عمر بھر کی نیک نامی خاک میں مل جاتی ہے۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کی نکتہ آفرینی کو خراجِ تحسین پیش کیا پھر بولی "یہاں تک ہم چاروں کے درمیان اتفاقِ رائے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس بریف کیس کا کیا کیا جائے۔"

"تم نے گڑبڑ کر دی ورنہ ڈینی نے شاید آج ہی نیما کو شیشے میں اتار لیا ہوتا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اب وہ کل رات تمہیں فون کرے گی؟" ویرا نے مجھ سے استفسار کیا۔

"ہاں، اس شرط پر کہ اسے موقع مل سکا ورنہ انتظار طول پکڑ سکتا ہے۔"

"تم نے اس پر کافی زور دیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں فون کرے گی۔" ویرا نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"اتنے واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد کل رات تک کون انتظار کرے گا؟" سلطان شاہ بولا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اسے فون نہیں کر سکتا۔ نسرین کے اڈے پر اس کی پوزیشن مخدوش ہو جائے گی۔"

"تم پورے حالات سے باخبر ہو، اس لیے تمہارا قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ ہم بے خبری میں اس فائل کی نوعیت پر شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے۔" سلطان شاہ نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس فائل کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیے۔"

"لے سکتے ہو تو لے لو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے فرمان جاری کر دیا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے گھورا لیکن کوئی کڑوا کسیلا تبصرہ کرنے کے بجائے قدرے توقف اختیار کیا پھر بولا "آج کل شہر میں ڈکیتیوں کا زور ہے۔ ہم بھی نسرین کے گھر ڈاکا ڈال سکتے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ صرف نسرین کا گھر نہیں بلکہ بے راہ روی کا ایک باقاعدہ اڈا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے زیرِ سایہ کام کرنے والی لڑکیاں گاہکوں کے ساتھ اس کی چار دیواری میں بنے ہوئے کمروں میں محصور رہتی ہیں۔ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں جبکے ہوئے گاہکوں میں سے کسی نے آتشیں اسلحے کا استعمال شروع کر دیا تو تم کسی بدنصیب غنچے کی طرح بن کھلے مرجھا جاؤ گے۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" سلطان شاہ نے میری تاویل قبول کرتے ہوئے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انتظار اور صرف انتظار۔" میں نے پورے سکون سے جواب دیا "اب نیا سے دوبارہ بات ہونے کے بعد ہی کوئی لائحہ عمل طے کیا جا سکے گا۔"

کھانے کی میز تیار تھی۔ ہم چاروں نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں تو سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے کہا "باتوں میں الجھ کر ہم سب سے اہم نکتہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھے۔ کیا یہ درست ہے کہ تم شراب نوشی ترک کر چکے ہو؟"

"اب یہ ایک حقیقت ہے۔ تمہیں اس پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ تم جیسا پرانا پاپی اتنی آسانی سے تائب ہو سکتا ہے۔"

"اب بلاوجہ حجت مت کرو۔" غزالہ نے منہ بنا کر سلطان شاہ سے کہا "اچھے فیصلے اسی طرح اچانک کیے جاتے ہیں۔ تمہیں اس پر اتنی حیرت کیوں ہے؟"

"مچھلی اگر سمندر چھوڑ کر ساحل کی ریت پر زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لے تو حیرت ضرور ہوگی۔" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "دیکھنا ہے کہ ڈینی کا یہ فیصلہ کتنے دن چلتا ہے۔"

"یہ تم نے میرے دل کی بات کی ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی کی "بسیار نوشی کی انتہا کے بعد میں بھی ماضی میں کئی بار ایسے جذباتی فیصلے کر چکی ہوں لیکن ان پر کبھی بھی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ ہفتے عشرے کے بعد ایسا ہر فیصلہ خود بہ خود ٹوٹ جاتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا" غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا "یہ جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں' سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں۔"

وہ تینوں اس بارے میں اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے۔ میں سر جھکائے' خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں غزالہ کے پندار کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے آ بیٹھا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی ہمارے ساتھ آ ملی۔ غزالہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"آج سب کچھ بہت تیزی سے ہوتا چلا گیا۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ بولا "لیکن اب مجھے یہ بات عجیب سی لگ رہی ہے کہ ایک اجنبی اور مقامی ٹیکسی ڈرائیور' ویرا پر کوئی شبہ کیے بغیر آسانی کے ساتھ اس کی ہر ہدایت پر عمل کرتا چلا گیا۔ کیا تمہیں یہ بات غیر فطری محسوس نہیں ہو رہی؟"

"واقعات سے الگ تھلگ ہو کر سوچو گے تو یہ واقعی عجیب واقعہ محسوس ہوگا مگر ویرا نے اس کی حب الوطنی سے فائدہ اٹھایا اور اس سے کام لیتی چلی گئی۔ بعد میں مجید کو خود بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی غلط عورت کا آلہ کار نہیں بنا ہے۔"

"بعد میں تو سب کچھ سامنے آ گیا۔ مجھے الجھن یہ ہے کہ اس نے ویرا کی باتوں پر من و عن یقین کیسے کر لیا جب کہ اکرم الٰہی ایک مقامی تھا اور ویرا ایک مستند سفید فام ہے۔"

"ویرا سفید فام ضرور ہے لیکن اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ ایک مدت سے یہاں رہ رہی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ غیر ملکیوں کو اپنی زبان بولتے دیکھ کر عام لوگوں کو کیسی حیرت اور خوشی ہوتی ہے۔ ایسے غیر ملکیوں کے لیے ہر ایک اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"ابتدا میں وہ میری اردو سے ہی مرعوب ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھے کسی پاکستانی مرد کی غیر ملکی بیوی سمجھ رہا تھا" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورتوں کے لیے ہر دل میں نرم گوشہ موجود ہوتا ہے پھر ویرا غیر ملکی اور خوب رو ہے۔ وہ اردو داں ہے۔ اردو اتنی بڑی زبان نہیں ہے کہ غیر ملکیوں میں اس کا استعمال عام ہو" میں نے وضاحت کی "مجید کی ساری فطری حمایت اور ہمدردی ویرا کے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکرم الٰہی مشتبہ انداز میں دوڑ لگاتا ہوا ہوٹل سے نکلا اور اپنے سامنے آنے والی پہلی خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ وہ ایک سادہ لوح اور محب وطن آدمی تھا۔ اس کے پاس ویرا کی کہانی پر یقین کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

"ویرا کی سچائی کا ثبوت سامنے آنے سے پہلے اس کے ذہن میں یہ خوف بھی رہا ہوگا کہ اگر ویرا کوئی مجرمانہ مقصد لے کر اپنے گھر سے نکلی تھی تو ڈرائیور کے عدم تعاون کی صورت میں اس پر ہتھیار بھی نکال سکتی تھی" سلطان شاہ نے تفہیمی لہجے میں گویا خود کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"منطق کی حد تک تم یہ دلیل دے سکتے ہو" ویرا بولی "لیکن ہم دونوں کے درمیان ابتدا سے آخر تک شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ واقعات کے ڈھب اور اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذہنی کیفیت کا اندازہ تم اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ گلشن اقبال میں اس نے دگنے کرائے کے لالچ میں تیز رفتاری کے جوہر دکھانے شروع کیے تھے لیکن آخر میں جب اس پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ اپنے ملک کے ایک غدار کے خلاف مہم سر کر رہا ہے تو اس نے کرائے کی مد میں یا اپنی خدمات کے عوض ایک پیسا بھی لینے سے انکار کر دیا۔ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ گرہیں یکے بعد دیگرے کھلی تھیں۔"

"ویرا نے گیارہ بجے اپنی منزل پر پہنچنے کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی تھی" میں نے سلطان شاہ کی ذہنی کیفیت کا ادراک کرتے ہوئے آخری نکتہ پیش کیا" وہ ڈرائیونگ کے سارے کمالات دکھانے کے باوجود چند منٹ کی تاخیر سے وہاں پہنچا تو اکرم الٰہی فرار ہو رہا تھا۔ اسے قلق ہوا ہوگا کہ وہ چند منٹ پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا۔ وہ ذہین اور حساس آدمی تھا۔ غبی ہوتا تب بھی سمجھ لیتا کہ وقت کتنا اہم تھا۔ ویرا چند منٹ پہلے ہوٹل پہنچ جاتی تو شاید اکرم الٰہی کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔"

"ہونہہ!" سلطان شاہ نے تضحیک کے انداز میں کہا "ویرا چند منٹ پہلے پہنچ گئی ہوتی تو کون سا تیر مار لیتی۔ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم نے آخری لمحات میں ریستوران پر چڑھائی کر کے اسے بدکنے پر مجبور کر دیا ورنہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کے مسلح اور ذہین کارندے آخر تک ہوٹل میں داخل ہونے کے راستوں کی کڑی نگرانی کرتے رہے۔ انہیں آخر تک بھنک نہیں مل سکی کہ اکرم الٰہی بدلے ہوئے حلیے میں ان کی ناکوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ وہ اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور وہ وہاں پہنچنے کے بعد' خطرہ بھانپتے ہی' سو نمنگ پول کی سمت سے فرار ہو چکا تھا۔"

"تم نرے بدھو ہو" میں ہنس پڑا "میں حقائق کی نہیں' مجید کی سوچ کی بات کر رہا تھا۔"

"ہاں' اس کے نزدیک تو ویرا ہی اس واقعے کی ہیرو بلکہ ہیروئن تھی اور تم جانتے ہو کہ ہیروئن کتنی بھیانک شے ہے۔ تمہارا پیدا کیا ہوا فساد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ تمہاری اصل لڑائی ہیروئن سے ہے۔"

"تم حقائق کو دھندلا سکتے ہو' جھٹلا نہیں سکتے" ویرا تلملا کے بولی "میں نے تن تنہا اکرم الٰہی کو فرار کے بعد پکڑا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کی حاشیہ برداری کرنے کے سوا کیا تیر مارا۔"

"میں اکیلا نہیں تھا' غزالہ بھی میرے ساتھ تھی"

سلطان شاہ نے غزالہ کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے د
کر مدافعانہ لہجے میں کہا "یہ بتائے گی کہ ہم وہاں کیا کر ر
تھے۔"

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اپنا نام سن کر حیرت
پوچھا "میرے بارے میں کیا بحث ہو رہی ہے؟"

"ویرا جاننا چاہتی ہے کہ بوب رافیل اور اکرم الٰہی
سلسلے میں تم نے کیا کارکردگی دکھائی ہے" سلطان شاہ
اپنے سر آیا ہوا سوال بہت خوش اسلوبی سے غزالہ کے
ڈال دیا۔

"میں کیا کر سکتی تھی؟" غزالہ نے شانے اچکا کے
بسی سے کہا "ہمیں کو جو ذمے داری سونپی گئی تھی' ہم نے
پوری کی۔ اکرم الٰہی ہماری طرف سے ہوٹل میں داخل نہیں
ہوا تھا۔"

"یہ بلاوجہ تمہیں مجھ سے لڑوانے کی کوشش کر
ہے۔" ویرا نے صفائی پیش کی "میں نے تمہاری کارکردگی
بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سلطان شاہ
شرارت ہے۔"

"اپنی بات تبدیل مت کرو۔ ابھی تم دعویٰ کر رہی تھیں
کہ تم نے اکرم الٰہی کو پکڑا مگر میں نے اور غزالہ نے یک
ہونے کے باوجود کوئی تیر نہیں مارا۔ ہم دونوں بس ڈینی کی
حاشیہ برداری کرتے رہے۔"

"وہ میری اور تمہاری بات تھی۔ میں نے غزالہ کا نا
نہیں لیا تھا" ویرا غرائی۔

"ہم دونوں ایک ساتھ تھے" غزالہ نے بات کی نوعیت
سمجھے بغیر وضاحت کی "ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں تھا پھر ہ
کیا کرتے؟ طویل انتظار کے بعد جوں ہی گڑبڑ کا پیغام ملا' اند
پہنچ گئے۔ ہوٹل کے اگلے اور پچھلے حصے کے درمیان اتنا
فاصلہ حائل ہے کہ ایک طرف کچھ بھی ہوتا رہے' دوسری
طرف کانوں کان پتا نہیں چلتا۔"

غزالہ کی آمد سے ان کی بحث نے پھر طول پکڑ لیا تھا مگر
میں ان کی موشگافیوں سے زیادہ محظوظ نہیں ہو سکا کیونکہ اسی
وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔

میں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے اول خان بول
رہا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" سلام دعا کے بعد اس نے تحیر
زدہ لہجے میں پوچھا "اسلام آباد میں عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے
اور افواہوں کے طوفان میں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم کیا
کر گزرے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "تمہیں جو کچھ کرنا تھا، کر گزرے ہو اور اب چین کی بانسری بجا رہے ہو لیکن میں اسلام آباد سے ابھی ابھی اسٹیشن فور پہنچا ہوں۔ دارالحکومت کی فضاؤں میں بس دو نام سرگوشیوں کی طرح گونج رہے ہیں۔ امریکی صدر اور پاکستان کا ڈینی۔۔۔ حامد کی کہانی بھی حیران کن ہے۔ تم نے بوب رافیل پر کیسے ہاتھ ڈال دیا؟ امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا۔" میں نے دل ہی دل میں اس کے اضطراب سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا "ہمارا نشانہ بوب رافیل نہیں تھا بلکہ ایک مشتبہ امریکی تھا جس نے اسٹیفن کوائے کے نام سے اسلام آباد سے کراچی کا سفر کیا تھا۔"

"اوہ!" اول خان کی تحیر زدہ آواز میرے کانوں میں گونجی "اس کا مطلب ہے کہ وہ محض کسی اتفاق کی بنا پر اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں دے بیٹھا اور امریکی صدر کی جان کا روگ بن گیا۔"

"یہ حقیقت نہیں بلکہ وہ موقف ہے جو آئی بی والوں نے اختیار کیا ہے۔"

"حامد نے مجھے بتایا ہے کہ اسٹیشن فور پر اس کا بہت برا حشر کیا گیا تھا۔"

"بُرے اور بھلے کے بارے میں تو بوب رافیل ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ پہلے میں نے اس پر کچھ تجربہ کیا اور پھر ویرا نے اپنے داؤ آزمائے اور وہ خاصی باتیں اگلتا چلا گیا۔"

"یعنی۔۔۔ یعنی تمہیں معلوم تھا کہ تم نے بوب رافیل کو اپنی گرفت میں لیا ہے؟" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"اکرم الٰہی سے اس کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ وہ کسی خاص مشن پر صبح کی فلائٹ سے کراچی اور پھر مقررہ ہوٹل کے ریستوران میں پہنچا تھا۔ وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا تو شاید میں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔"

"سنا ہے کہ وقت کے فرق کو نظر انداز کر کے منہ اندھیرے امریکی صدر کو گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔"

"ابتدائی افواہوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ بعد کے واقعات نے اس افواہ کی تائید کر دی۔ میں نے جس وقت بوب رافیل کو اس کے ہم وطنوں کے حوالے کیا، امریکا میں دفتری اوقات کار کا آغاز ہی ہوا ہوگا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سارے فیصلے نہایت سرعت سے کیے گئے تھے۔"

"اگر امریکی صدر نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے تو بوب رافیل کی واپسی ایک انعام سے کم نہیں تھی۔ تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ وہ کس طرح تمہارے ہاتھ لگا۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کا کیا چکر تھا؟"

ہم بوب رافیل ہی کی راہ پر لگے ہوئے تھے۔ اس کی احتیاط اور رازداری اپنی جگہ پر تھی مگر اکرم الٰہی نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف والے مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرتے رہے۔۔۔

"کہانی کا یہ حصہ مجھے معلوم ہے۔" اول خان نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا "حامد سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اس نے اسٹیفن کوائے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"ہم نے اسے بوب رافیل کی حیثیت میں پکڑا تھا۔ بعد میں اس کی زبان سے یہ حقیقت اگلوائی کہ اس نے اسلام آباد سے کراچی تک کا سفر اسٹیفن کوائے کے نام سے کیا تھا۔ باتوں کے چکر میں آ کر اس نے اپنے بیان کی تصدیق کے لیے خود ہی اپنے ٹکٹ کا بقیہ حصہ ہمارے حوالے کیا تھا۔ وہیں سے اس کی بدبختی کا آغاز ہو گیا۔"

"صاف ظاہر ہے کہ تم نے اسے بوب رافیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہوگا اور اسٹیفن کوائے کی مشتبہ حیثیت میں تم اس کے ساتھ ہر من مانا سلوک کر سکتے تھے۔" اول خان فوراً ہی پوری بات سمجھ گیا۔ اس نے فون پر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "حیرت ہے کہ حامد نے اس اہم ترین واقعے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس نکتے کی اہمیت نہ سمجھ سکا ہو۔ اسے علم نہیں تھا کہ میری اور جلال کی کیا گفتگو ہو چکی تھی۔ یہ جلال کا مشورہ تھا کہ میں بوب رافیل کو اس کی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دوں۔ میں نے اپنی گفتگو اسی ڈھب پر جاری رکھی اور وہ نہایت بے بسی سے میرے ٹریپ میں پھنستا چلا گیا۔"

"اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اپنے دہرے نام کا اعتراف کر کے اس نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی تھی۔ نام کے بارے میں ثبوت حاصل ہو جانے کے بعد تم اس کی چمڑی بھی ادھیڑ سکتے تھے۔"

"ہمیں معلوم تھا کہ وہ بوب رافیل ہی ہے اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود اسے جلد ہی سفارتی مراعات کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیانا کنونشن کے تحت رہا کرنا پڑجائے گا مگر ہم نے اسے اسٹیفن کوائے قرار دیا۔"

"تمہیں اس کا پورا اختیار تھا۔" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے تائید کی "تمہارے سامنے دو باتیں تھیں۔ ایک اس کا دعویٰ اور دوسرا اس کا اعتراف جس کا ثبوت بھی موجود تھا۔ تمہیں پورا حق حاصل تھا کہ ان دو میں سے کسی ایک کو مسترد کردو۔"

"اس بارے میں حامد کو کوئی لکچر دینے نہ بیٹھ جانا۔" میں نے اسے تاکید کی "جلال سے میرا براہِ راست رابطہ رہا۔ حامد کو ذرا بھی علم نہیں کہ میرے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوتی رہیں۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں نے بوب رائیل کو دانستہ ایک ایسی راہ پر ڈالا تھا کہ وہ اپنے خفیہ سفر کے حوالے سے کوئی بات چھیڑے۔"

"جو کچھ بھی ہوا ہے' یہ طے ہے کہ اس بار تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ آئی بی والے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کچھ اتنی سرعت سے رونما ہوا کہ خبروں اور افواہوں کے ساتھ تمہارا نام سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا گیا۔ یہ بات ہر ایک کے لیے حیران کن تھی کہ امریکا جیسے طاقت ور ملک کے سفارت خانے میں مامور ایک سوشل منسٹر پر کس بنیاد پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔"

"واقعات اسی طرح رونما ہوتے ہیں مگر ان کا ذکر چلتا رہتا ہے۔" یہ بتاؤ کہ تم اپنے مشن سے فارغ ہوکر آئے ہو یا دوبارہ شہر سے باہر جانے کا کوئی پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو اپنی دانست میں فارغ ہوکر ہی آیا ہوں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا "لیکن ایسی ملازمت میں ہر وقت پابہ رکاب رہنا پڑتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا حکم آجائے۔"

وہ ایک انتہائی خفیہ ادارے بلکہ تنظیم سے وابستہ تھا جو ذہنوں میں بستی تھی اور پاکستان کی سرزمین پر پوری طرح فعال تھی مگر دستیاب کاغذات پر کہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اس کے مشن کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ویسے مجھے یہ خلش ضرور تھی کہ جب اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن ملک بھر کے شہروں میں پھیلے ہوئے تھے تو شمال میں کسی کام کے لیے وہاں کے کسی مقامی اسٹیشن کے سربراہ سے کام لینے کے بجائے اول خان کو کیوں طلب کیا گیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ حامد نے کاموں کے سلسلے میں تمہاری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اس سے وہ دوستی اور بے تکلفی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے میں چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ایک بار پھنس گیا تھا۔"

"فون پر حامد نے مجھے بتایا تھا۔ اب تم جس وقت بھی آؤ گے' تمہارا شناختی کارڈ بن جائے گا۔"

"تو کیا کرنل جمال دستی کا کارڈ تلف کردوں؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ نام اب بہت مخدوش ہے۔ اسے تلف ہی کردو۔ وہ کسی بھی وقت تمہاری جان کا جنجال بن سکتا ہے۔ بظاہر بوب رائیل کا معاملہ نمٹ گیا ہے مگر جان اسمتھ کے آدمی اس وقت بھی ہوٹل کے عملے اور گاہکوں سے ذاتی رابطے کرکے یہ جاننے کی کوششیں کررہے ہیں کہ اس کی گرفتاری کن حالات میں ہوئی تھی اور اس میں کون سی ایجنسیاں ملوث تھیں۔"

"تو کیا یہ خبر درست ہے کہ جان اسمتھ کراچی میں سی آئی اے کا مقامی چیف ہے؟"

"چند روز پہلی تک مجھے بھی یہی غلط فہمی تھی۔ جان اسمتھ صرف کراچی کے لیے نہیں بلکہ ایک بڑے خطے کے لیے کام کررہا ہے۔ وہ پورے پاکستان کے ساتھ ایران اور افغانستان میں بھی سی آئی اے کو کنٹرول کرتا ہے۔ میں اسی کے پیدا کیے ہوئے ایک فتنے کے سدِباب کے لیے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔"

"شدید خواہش کے باوجود میں نے اس بارے میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھا!"

"اچھا کیا۔ اب بھی خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اصل خوشی اس بات کی ہے بوب رائیل کو بری طرح رگڑنے کے ساتھ تم نے ایک اور زیادہ بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"جب مناسب سمجھو تو مجھے اس سے آگاہ کردینا.... فی الحال تم نے مجھے نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"تمہیں خود اندازہ ہوجانا چاہیے۔ تم آئی بی کے دو مقامی افسران کے ساتھ براہِ راست سی آئی اے کے ایک بڑے عہدے دار سے ملے ہو اور اسے شبہ بھی نہیں ہوا کہ تم ڈبل ایجنٹ ہوسکتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ درمیانی خراب دور گزر چکا ہے اور اب تم ماضی کی طرح ایک بار پھر امریکیوں کے لیے محض ایک نام بن کر رہ گئے ہو۔"

"واقعی' تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "شروع سے اب تک میرا ذہن اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکتے کی طرف مبذول نہیں ہو سکا تھا۔ ایسی صورت میں کرنل جمال دستی والا مفروضہ واقعی دفن ہو جانا چاہیے۔"

"اب اپنی الجھن کے بارے میں بتا ڈالو۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے سیدھی سیدھی باتیں کی ہیں۔"

"اگر جان اسمتھ تین اہم ملکوں میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا نگران ہے تو وہ کراچی میں کیا کر رہا ہے؟ اس کی تعیناتی کا بہتر مقام اسلام آباد ہونا چاہیے۔ وہاں وہ زیادہ باخبر رہ سکتا ہے۔"

"اسلام آباد ہمارے ملک کا حساس ترین شہر ہے۔ وہاں ہماری ایجنسیوں کا نیٹ ورک اور حفاظتی حصار بہت مضبوط ہے۔ ہر مشتبہ شخص پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اپنے تلخ تجربات کی بنا پر آئی بی اور آئی ایس آئی کو بھی افسانوی درجے پر فائز کیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی بنا پر اسے کراچی میں رکھا گیا ہو۔"

"آئی بی والے یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں تو ان کے پاس صدف مینشن جیسی خوف آور عمارت بھی ہے۔"

"ادارہ ایک ہی ہوتا ہے مگر مقام کی اہمیت کے اعتبار سے اس کی عمومی کارکردگی مختلف ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں ان کے بہترین اور تجربے کار آدمی یک جا ہیں اور اب تو تم بھی آدھے آئی بی والے ہو گئے ہو۔"

اس نے آخری فقرہ ہنسی کے دوران میں ادا کیا تھا مگر میں نے سنجیدگی سے کہا "وقتی طور پر کسی سے بھی مل بیٹھوں' ایس ٹی ایف سے میری وابستگی کمزور نہیں ہو سکتی کیونکہ تم لوگ میرے طریقوں کے مطابق کام کرتے ہو۔"

"اسلام آباد میں فون پر جلال سے دو مرتبہ بات ہوئی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تمہارے ساتھ بہت بے تکلف ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے پاس بلانے کی کوشش کرے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ ہماری بے تکلفی میں اضافہ ہوا ہے۔ خشک' نازک اور اعصاب شکن فرائض کی مسلسل ادائیگی سے اکتا کر اس نے مجھ سے کچھ بے سروپا باتیں بھی کی ہیں جنہیں میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ اپنے بڑے عہدوں کے حصار میں گھرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں سے کھل کر بات نہیں کر سکتے' جاننے والوں سے سوچ سوچ کر ہر لفظ بولتے ہیں۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے کسی قول یا فعل سے کوئی اہم سرکاری راز افشا نہ ہو جائے۔ یہ بوجھ حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو انسان کسی قریبی دوست کے ساتھ فضول گوئی کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ اور بس!"

"تمہارا تجزیہ قابلِ قدر ہے۔ اسلام آباد کو ویسے بھی گریڈوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ میل جول اور سماجی زندگی میں بھی لوگ ایک دوسرے کے گریڈ کا دھیان رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جلال اسی تصنع سے اکتایا ہوا ہو۔" اول خان کو مجھ سے فرصت سے بات کرنے کا موقع ملا تھا تو وہ ہر ہر موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کرنے پر تلا ہوا تھا۔

مجھے اپنے مثانے پر ہلکے سے دباؤ کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "اب ہمیں ان دو قیدیوں کو دیکھنا ہے جو تمہارے اسٹیشن فور میں بند ہیں۔ کل صبح وہیں ملاقات ہو گی۔"

"ابھی کیوں نہیں آ جاتے؟" اول خان نے جھٹ سے سوال کر دیا "وہ دونوں بُرے حال میں ہیں اور ان کی زبانیں چل پڑی ہیں لیکن حامد اس صورتِ حال سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسے نہیں معلوم کہ تم ان سے اپنے کن سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ابھی آ جاؤ تو صبح دیر تک نیند پوری کر سکتے ہو۔ میں بھی اپنا وزن ہلکا کر لوں گا۔"

"تمہیں اپنا کون سا وزن ہلکا کرنا ہے؟" میں نے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔

"فنڈز آ گئے ہیں۔ تمہارا وہ ادھار ادا کرنا ہے جو اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے لیے تم نے رستم ایرانی کو ادا کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا "ایس ٹی ایف کافی دن تمہاری مقروض رہی ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے رقم کی اتنی زیادہ حاجت نہیں ہے۔ رستم کو وہ رقم ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں گمان بھی نہیں تھا کہ میں وہ رقم تم سے وصول کروں گا۔ ویسے تم اصرار کر رہے ہو تو میں آ جاؤں گا۔"

اس مرحلے پر میں نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اکرم الٰہی کی خفیہ فائل کے بارے میں حالات نے یکایک کیا قلابازی کھائی تھی۔ اسے نیا والے معاملات کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیوں میں کیا کچھ موجود ہے اور اس میں سے کیا کچھ اگلوا کر ہم اپنے کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جائیں تو مجرموں کے لیے رات کی ہیبت بہت زیادہ ڈراؤنی ہو جاتی ہے۔ دن کے اجالے کے مقابلے میں وہ اندھیرے میں زیادہ آسانی سے سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ میں یہاں سے نکل رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔" میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا اور فون بند کردیا۔

ویرا نے کچھ ہی دیر پہلے خاصی مے نوشی کی تھی مگر مباحثے میں الجھ جانے کے باعث اس کا خاصا خمار اتر چکا تھا۔ پھر بھی وہ اس وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ معمول کے برعکس اس وقت سلطان شاہ نے بھی میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی۔ میرے لیے گھر سے اسٹیشن فور تک کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن پھر بھی میں ان میں سے کسی کی پیش کش کا منتظر تھا۔

"آپ چاہیں تو میں ساتھ چلوں؟" غزالہ نے شاید میری آنکھوں سے میری وہ خواہش پڑھ لی۔

"نہیں، نہیں۔" سلطان شاہ جلدی سے بول پڑا "تم جاکر کیا کروگی۔"

میں جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ میری خواہش کے سامنے کسی کے مشورے کو وقعت نہیں دے گی۔

سلطان شاہ کے لہجے کی بوکھلاہٹ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ویرا کے ساتھ ایک لمبی مدت گزار لینے کے باوجود اس نفسیاتی خوف سے نجات نہیں پاسکا تھا جو اسے ویرا کی طرف سے تنہائی میں لاحق رہتا تھا۔

ویرا بظاہر سلطان شاہ سے ہروقت کسی نہ کسی مسئلے پر الجھتی رہتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ کے لیے پسندیدگی کے جراثیم پرورش پارہے تھے۔ سلطان شاہ سے ہروقت مخالفت کے اظہار پر کمر بستہ رہنے کے جواب وہ اس سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ بس اپنی پیش رفت کے جواب میں منفی ردِعمل کا سامنا کرنے کی وجہ سے چڑچڑے پن کا شکار رہتی تھی اور وہی اس کی کمزوری تھی۔

مجھے غزالہ کی روانگی پر سلطان شاہ کی تشویش کا سبب معلوم تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہم دونوں کی غیر حاضری میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان کچھ خوش گوار سی جھڑپیں ضرور ہوسکتی تھیں، کسی بڑے فساد کا امکان نہیں تھا کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جارحانہ تیوروں کے باوجود کچھ اخلاقی حدود سے بہت زیادہ تجاوز نہیں کرتی تھی۔

غزالہ میرے ساتھ چلی تو سلطان شاہ نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی مگر غزالہ نے بات ہنسی میں اڑادی۔

"تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارے ساتھ ویرا بھی گھر میں رہے گی۔"

"یہی تو میری پریشانی کی جڑ ہے۔" سلطان شاہ کراہا "یہ پی کر بہکے گی اور میرے لیے مسائل کھڑے ہونے شروع ہوجائیں گے۔ اس کے ساتھ سے بہتر ہے کہ میں اکیلا عیش کرتا رہوں۔ تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

میں نے اس کی سنی ان سنی کردی اور غزالہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گو رات ہوگئی تھی مگر زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ گلشن اقبال کی سڑکوں پر ٹریفک کے ہجوم میں قدرے کمی ضرور آئی تھی مگر پھر بھی یونیورسٹی روڈ پر بھرپور ٹریفک کی روانی بہار دکھا رہی تھی۔

ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

اول خان نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ حامد بھی پورے ادب واحترام کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

اس وقت پاکستان میں بے شمار این جی اوز کام کررہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض اپنی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کے بارے میں مخلص رہی ہوں مگر ہمارے تجربے نے ثابت کردیا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل اس نقاب کی آڑ لے کر خود غرضی، مفاد پرستی اور اس سے بھی بڑھ کر، ملک سے غداری کی راہ پر گامزن تھی۔

وہ زہریلا پودا اکرم الٰہی کا لگایا ہوا تھا جو وقت کے ساتھ بار آور ہوکر پاکستان کی جڑوں میں زہر پھیلا رہا تھا اور اس کے بدترین دشمنوں کو اپنا سایہ فراہم کررہا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کے برعکس، اس کا بھانجا مقبول چوہدری زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے اپنے ماموں کو منظر سے ہٹاتے ہی اپنے مذموم عزائم کے حصول کی کارروائیاں بہت تیز کردی تھیں مگر مقبول کی ان حرکتوں سے اکرم الٰہی کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوتی تھی۔

مقبول چوہدری کی گرفتاری میں نرگس کے نام کا گہرا دخل تھا۔ اکرم الٰہی نے اول خان کی موجودگی میں اس شبے کا اظہار کیا تھا کہ اس کے بھانجے نے مائیکرو سینٹر سے فرار ہوکر اپنی دوست، نرگس کے گھر پناہ لی ہوگی۔

میں نے نرگس اور پھر اسی کے حوالے سے اس کی ماں نسرین کے بارے میں پوری کہانی اول خان کو سنادی۔ نیما کا نام میں نے دانستہ گول کردیا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ مقبول چوہدری کا ایک مشتبہ بریف کیس نسرین کی تحویل میں تھا۔ دونوں مجرموں سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس کا ذکر خود بہ خود سامنے آجاتا۔

ہم نے اکرم الٰہی کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کیا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر چھوڑ دینا تھا یا اس کے جرائم کی پاداش میں خاموشی سے کیفرِ کردار کو پہنچا دینا تھا۔ اس بے یقینی کی وجہ سے حامد نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس کا کوئی آدمی غیر ضروری طور پر اکرم الٰہی کی نظروں میں نہ آنے پائے۔

اس احتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو اول خان کے دفتر میں چھوڑا اور خود حامد کے ساتھ اس کمرے کی طرف چل دیا جس میں اکرم الٰہی قید کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔

وہاں موجود محافظ نے ہم دونوں کو پوری مستعدی سے تعظیم دی۔ حامد باہر ہی رک گیا اور میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

سپاٹ فرش، ننگی دیواروں اور بند دروازوں اور کھڑکیوں کے سوا اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اونچی چھت سے لٹکا ہوا ایک بلب کمرے میں اجالا کر رہا تھا۔ اس اجالے میں اکرم الٰہی کسی گٹھڑی کی صورت میں سمٹا ہوا فرش پر پڑا.... کراہ رہا تھا۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر اس نے فرش سے سر اٹھایا اور پھٹی پھٹی، دہشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر بولا "اوہ.... تو آخر کار تم بھی اپنے اصل روپ میں سامنے آ ہی گئے۔" اس کے حلق سے رک رک کر اور پھنسی پھنسی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

"جب تم نے اپنا اصلی چہرہ بے نقاب کر دیا ہے تو یہ سب ہونا ہی تھا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میرا اندازہ تھا کہ تم مظلوم ہو اور تمہارا بھانجا تمہاری بے خبری میں فریڈم انٹرنیشنل کو گندا کر رہا ہے مگر...."

"خدا کی قسم، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں ہی بول پڑا "سارا قصور مقبول چوہدری کا ہے۔ وہ پکا نمک حرام ہے۔ اس نے بڑھاپے میں میرا منہ کالا کر دیا۔ میں بے قصور ہوں۔"

"شٹ اَپ!" میں نے سرد لہجے میں جھاڑ دیا "اب یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ بوب رافیل سے ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر سے فرار ہو کر تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہے۔"

"میں مجبور تھا۔" وہ بے بسی سے کراہا "مجھے اس سے ملنے میں ہمیشہ ہی ایسی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی غیر سفارتی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو وہ مجھے مروا دیتا۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ بوب رافیل کو یہ ضرور معلوم تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں گڑبڑ ہوئی ہے لیکن اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کن حالات سے دوچار تھا۔ اس نے اکرم سے فون پر بھی بہت مختصر گفتگو کی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے اکرم الٰہی نے جو پراسرار اور رازدارانہ طریقہ اختیار کیا، وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا۔

"وہ تم سے کیوں ملنے آیا تھا؟" میں نے اس بحث میں الجھے بغیر پوچھا۔

"وہ کافی عرصے سے میرے چکر میں ہے۔ دھوکا دے کر مجھے ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ میں اس وقت مقبول کے عذاب سے تازہ تازہ آزاد ہوا ہوں، اس کے دباؤ میں آ کر کاغذات اس کے حوالے کر دوں گا۔"

اس کے اعصاب واقعی جواب دے چکے تھے۔ اس نے میری کسی محنت کے بغیر از خود وہ اہم ترین اعتراف کر لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنی بات جاری رکھے گا مگر وہ درمیان میں ہی خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا اور سوچتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کی پشت کے نچلے حصے پر زور سے ٹھوکر لگائی اور وہ چیخ کر فرش پر تڑپتا رہ گیا۔ غالباً وہ اس وقت اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

"میں کچھ پوچھوں تو جواب مکمل ہونے تک رکے بغیر بولتے رہو ورنہ ٹھوکروں سے تمہاری پشت لہولہان کر کے رکھ دوں گا۔"

"مم.... میری اس سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔ ہماری ملاقات مشکل سے چند منٹ جاری رہی پھر تم نمودار ہو گئے۔" وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان جلدی جلدی بولنے لگا "وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری اور مقبول کی لڑائی نے حالات بگاڑ دیے ہیں۔ کوئی ایجنسی، فریڈم انٹرنیشنل کے پیچھے لگ گئی تو وہ کاغذات کسی بھی لمحے میری تحویل سے نکل جائیں گے۔"

"بولتے رہو!" اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے اسے ٹوکا "خاموش ہوئے تو میری ٹھوکر ایک نیا زخم پیدا کر دے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت برے لوگ ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کر دیا "محض اپنے کاغذوں کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بار جس کے خلاف ہو جائیں، اسے کبھی معاف نہیں کرتے۔ کاغذات واپس لیتے ہی مجھے اپنے راستے سے ہٹا کر مقبول کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے لے آئیں گے۔ ان کی شہ پر مقبول مجھے معزول کر ہی چکا تھا مگر تم نے دخل دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔ یہ لوگ ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔ بوب کو پتا نہیں کہاں سے پتا چل گیا کہ میں مقبول کی قید سے نکل کر دوبارہ آزاد ہو گیا ہوں۔ اس نے کل بہت رات گئے مجھے فون کر کے آج صبح ہوٹل کے ریستوران میں ملنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے آکر پوری بازی الٹ دی۔"

"انسانی حقوق کے بارے میں جاری کیا جانے والا پیغام کس کا بنایا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت قیدی بنایا جا چکا تھا۔ مجھے مقبول کی زبانی پتا چلا کہ اسے وہ پیغام فورڈ فاؤنڈیشن سے ہی ملا تھا۔ اس نے ہدایت کے مطابق فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے وہ متن اخباروں کو جاری کر دیا۔ وہ اسی سلسلے میں میرے ذریعے فورڈ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین سے رقم کا مطالبہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

ایک پرانا سوال میرے ذہن سے صاف ہو گیا۔ میں نے دوبارہ تازہ موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھا "تمہارے جمع کیے ہوئے وہ کاغذات اب کہاں ہیں؟"

"مقبول چوہدری میری آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔" وہ پشیمان آواز میں بولا "اسے شروع سے آخر تک ہر بات کا علم تھا۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ میں نے کبھی اس سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک وہ کاغذ میرے قبضے میں ہیں، ہم محفوظ رہیں گے اور ہمیں فورڈ فاؤنڈیشن سے امدادی رقوم ملتی رہیں گی۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ وہ کاغذات اب کہاں ہیں!" میں نے سختی سے اسے یاد دلایا۔

"وہ مقبول چوہدری کے پاس ہوں گے۔" اس نے بلا توقف کہا "اس کی قید سے رہائی پانے کے بعد میں نے کل رات ہی اپنی تجوری اور الماریوں کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں سے فائل اور بھاری نقدی غائب ہے۔"

"نقدی غائب ہے؟" میں نے چونک کر کہا "جب مقبول ہر چیز پر قابض ہو چکا تھا تو اسے رقم چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے ہٹ جانے کے بعد سب کچھ اس کا ہو چکا تھا۔"

اکرم الٰہی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن فرش پر ڈال دی اور مایوسانہ آواز میں کہا "وہ صورت حرام ثابت ہوا۔ میں شروع ہی سے اس کے کچھن نہیں سمجھ سکا۔ وہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے ٹھاٹ باٹ شاہانہ تھے۔ وہ یقیناً لمبی رقموں کا مقروض رہا ہوگا۔ میری دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے پہلی فرصت میں اپنے پرانے قرضے چکائے ہوں گے۔ اس نے تجوری سے اپنی ضرورت کی رقم نکال لی۔ باقی رقم اور پونڈز وغیرہ جوں کے توں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں نہیں چھیڑا۔"

"اور فائل کہاں تحلیل ہو گئی۔" میں ہر بات اس کی زبان سے سننے کا خواہاں تھا۔

میں نے فائل اسے بتا کر تجوری میں رکھی تھی۔ میرے ساتھ کوئی برا واقعہ پیش آنے پر اسے وہ فائل پریس کو جاری کرنی تھی۔ جب اس نے میرا تختہ الٹا تو اس کے لیے بھی وہ فائل اتنی ہی اہم تھی۔ اس نے اسے کہیں اور پہنچا دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے وہ فائل کسی کو واپس نہیں کی تھی۔ ایسا ہو چکا ہوتا تو بوب رافیل اسلام آباد سے کراچی نہ آتا۔"

"اسے اس کے ستاروں کی گردش کراچی لائی تھی۔ اب وہ ساری زندگی کراچی کے نام سے ڈرتا رہے گا۔"

"وہ کہاں ہے؟ میں تو ہوٹل سے بھاگ گیا تھا مگر تم نے اسے وہیں گھیر لیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

وہ اکرم الٰہی کا پہلا سوال تھا۔ میں نے اس کا گول مول جواب دینا ضروری سمجھا۔ اس کی کہانی بھی وہی ہے جو ابھی تم نے سنائی ہے۔ اگر تم نے کہیں بھی جھوٹ بولا ہوتا تو میں اسی وقت ٹھوکریں مار مار کر تمہارا بھیجا بہا دیتا۔"

"مگر وہ اب ہے کہاں؟" اکرم الٰہی نے خوف زدہ لہجے میں اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔

"وہ کسی کتے کی طرح پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ سفارتی افسر نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بھی بُرے حال میں ہوتا۔ اب وہ رہا ہو کر اپنے ریوڑ میں جا چکا ہے۔" میں نے بات کھول دی۔

میرا جواب سن کر اس کی بے نور آنکھوں میں امید کی چمک سی کوند گئی اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اگر تمہیں قاعدے قانون کا اتنا پاس ہے تو تم یقیناً کسی ذمے دار سرکاری ایجنسی کے آدمی ہو۔ تمہارا تعلق آئی بی سے ہے نا؟"

"اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹک دو۔ ہم جو بھی ہیں، مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ ظالموں اور غداروں کی کلائی توڑ ڈالتے ہیں۔ جب تک تم مظلوم نظر آتے رہے، ہم نے مدد کر کے تمہیں آزادی دلائی لیکن تمہارے اصل کرتوت سامنے آجانے کے بعد اب ہم تمہارے سب سے بڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمن ہیں۔ جلد ہی تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔"

میرے ان الفاظ نے اسے دہلا دیا۔ وہ گھگیا کر رو پڑا اور فرش پر اس کے جسم کے گرد نمی کا ایک دائرہ سا پھیلتا چلا گیا۔

"خدا کے لیے، مجھے نہ مارنا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں..... سارا قصور مقبول کا ہے....."

اس وقت وہ اپنی ہی بکھیری ہوئی آبی غلاظت میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس کے قرب سے گھن آنے لگی۔ میں نے بلند آواز میں اسے لتاڑا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

باہر حامد میرے انتظار میں برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ آیا۔

اکرم الٰہی کے ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے اس وجہ سے میرے نکلتے ہی مسلح محافظ نے اس کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے بولٹ کر دیا۔ اکرم الٰہی تو پھر بھی بہت صحت مند اور بہتر حالت میں تھا۔ اس سے بھی گئے گزرے بلکہ قریب المرگ مجرموں کو جب اپنے آس پاس موت کے بھیانک سائے رقص کرتے نظر آتے ہیں تو وہ اپنی ساری توانائیاں یک جا کر کے نکل بھاگنے کی دیوانہ وار کوشش کر ڈالتے ہیں۔ ایسے کسی خطرے کے تدارک کے لیے اس کے کمرے کا بند رہنا ہی بہتر تھا۔

وہاں سے نکل کر میں ایک اور قریبی کمرے میں پہنچا۔ وہاں مقبول الٰہی اپنے ماموں سے زیادہ ابتر حالت میں تھا۔ بے احتیاطی اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پرانے زخم بھی خراب ہو رہے تھے۔

وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے میری موجودگی کا ادراک کرتے ہی اپنے مقدر کو غلیظ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مسلح محافظ بھی بوکھلا کر اندر آ گیا۔

اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر میرے لیے اس کا وہ رویہ توہین آمیز تھا۔ دشمن سے ویسے بھی اخلاق و شائستگی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کی زبان بند کرانے کے لیے میں نے مسلح محافظ کو اشارہ کیا اور اس نے مقبول کے چہرے پر چند ہی مکے لگائے تھے کہ اس کا سارا کس بل نکل گیا اور وہ گڑ گڑانے پر اتر آیا۔

اکرم الٰہی نے سارے الزام اس پر عائد کیے تھے۔ مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے خلاف شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ اس کا ماموں بلا کا شراب نوش اور عورتوں کا رسیا تھا۔ ان عیبوں کی وجہ سے اس کی شادی ناکام رہی تھی اور پھر وہ شان و شوکت سے تجرد کی آزادانہ زندگی کا عادی ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے کاموں میں مدد کے لیے مقبول کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مقبول کو اپنی آمدنی کے بڑے ذرائع کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنی بنیاد فورڈ فاؤنڈیشن کے پیسے سے بنائی پھر اپنے مراسم کے سہارے ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والوں کے ساتھ سرمایہ کاری شروع کر کے لمبی رقمیں بٹورنے لگا۔

کچھ دنوں میں مقبول کو اندازہ ہوا کہ اس کے ماموں کی بیشتر آمدنی اس کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ وہ خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا اور مقبول کو احکام جاری کرتا رہتا۔ اپنے اخراجات کے معاملے میں وہ پوری فیاضی سے کام لیتا لیکن مقبول کو سسکا سسکا کر رقم دیتا تھا۔ اخراجات کی اس تنگی نے مقبول کے دل و دماغ میں بغاوت کا بیج بو دیا۔

پہلے اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کے کچھ عہدے داروں سے قریبی مراسم استوار کیے پھر ان سے امریکی شہریت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کو خاموشی سے ٹھکانے لگا کر ساری جمع پونجی سمیت امریکا منتقل ہو جائے گا مگر فورڈ فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کو پاکستان میں اپنے کام کی تکمیل کے لیے اکرم الٰہی کے متبادل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امریکی شہریت کے حصول کے لیے مقبول کی حوصلہ شکنی کی مگر اکرم الٰہی کے خلاف اسے اکساتے رہے۔

مقبول کو اندازہ تھا کہ اس کھیل میں اصل اہمیت اس کی نہیں بلکہ اس کے ماموں کی بنائی ہوئی فائل کی تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے مقبول کے ذریعے وہ کاغذات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

ایک مناسب موقع پر مقبول نے چالاکی سے کام لے کر اکرم الٰہی کو مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں قید کر کے خود فریڈم انٹرنیشنل کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی نے اسے کوئی رقم دینے سے صاف انکار کر کے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے اخراجات کے لیے صرف مائیکرو موٹرز سے ہونے والی آمدنی کا چوتھائی حصہ لیتا رہے۔

مائیکرو موٹرز سے ہونے والی یافت کا دوسرا چوتھائی حصہ، اکرم الٰہی اپنی بہن یعنی مقبول چوہدری کی ماں کو لاہور بھجوا دیتا تھا جہاں وہ بیوگی کے عالم میں سات بچوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ مقبول اس کی آٹھ اولادوں میں سب سے بڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

اس نے اپنے ماموں پر ہاتھ ڈالتے ہی یہ مشہور کردیا کہ وہ بیرون ملک چلا گیا ہے اور خود پورے نظم و نسق پر اپنا اختیار مضبوط کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے ہیروئن کے ان سوداگروں سے بالکل قطع تعلق کرلیا جو اس کے ماموں کے چہیتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے ذرائع سے ہونے والی آمدنی ہی اس کے لیے کافی تھی۔

ماموں کو زندہ رکھنا اس کی ایک مجبوری تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں موجود افراد مقبول سے کام ضرور لیتے تھے لیکن فاؤنڈیشن کے بھاری فنڈز ان کی دسترس سے باہر تھے۔

ہر سماجی تنظیم کی طرح فورڈ فاؤنڈیشن سے ایشیائی ہمدردوں کے لیے رقوم کی فراہمی کا اختیار صرف اور صرف فاؤنڈیشن کے امریکی نژاد وائس چیئرمین کو تھا۔ جب سے اکرم الٰہی نے اپنے مطالبات کی تکمیل کے لیے اسے آنکھیں دکھائی تھیں، اس نے فنڈز کے اجرا کا روایتی طریقہ اچانک ترک کردیا تھا اور رقوم صرف اکرم الٰہی سے براہِ راست بات کرنے کے بعد جاری کرتا تھا۔

"اکرم الٰہی کی وہ فائل کہاں ہے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا؟" اس کی کتھا پوری ہوجانے کے بعد میں نے سختی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"فائل؟" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا پھر ہذیانی لہجے میں بولا "میں کسی فائل سے واقف نہیں۔ مجھے تم بھی ان لوگوں کے گرگے معلوم ہوتے ہو جو کبھی کبھی میرے ماموں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔"

وہ اندیشہ شروع سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے دوستی اور ہمدردی کی آڑ میں اس سے کاغذات واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ میں نے فوری طور پر مقبول چوہدری کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "شاید تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ جو چیز حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں، اس تک پہنچے بغیر دم نہیں لیتے۔ تم نے سیدھی طرح تعاون نہ کیا تو ہم ایک ایک کرکے تمہاری ساری ہڈیاں توڑ دیں گے۔"

"تم جو بھی ہو، پاکستانی ہو۔" میرے ان الفاظ پر اس کا لب و لہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا "تمہیں نہیں معلوم کہ تم کن لوگوں کے جال میں پھنس گئے ہو۔ بیچ میں مت آؤ۔ میں ان لوگوں کو خود دیکھ لوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کے زخمی اور متورم چہرے پر تھپڑ مار کر کہا "تم ایک مدت سے ان کا مال کھا رہے تھے۔ اب ہماری باری آئی ہے تو تمہیں پاکستان یاد آرہا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ فرش پر خون تھوکتے ہوئے بولا "دم خم ہے تو وہ فائل خود ڈھونڈ لو۔"

"ہم نرگس کو بھی یہیں اٹھا لائیں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں اسے دھمکی دی "اس کی ماں کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ تم کوئی کروڑ پتی نہیں، بالکل کنگال آدمی ہو۔"

"تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" وہ تڑپ کر بولا "مرد ہو تو مجھ سے لڑو۔ عورت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟"

"وہ تمہاری عورت نہیں، محفلوں کی جان ہے۔ تمہارا سوگ منانے کے بجائے وہ آج شام ایک گجراتی سیٹھ کے مجرے میں گئی ہوئی ہے۔ ایسی عورتیں صرف پیسے کی یار ہوتی ہیں۔" میں نے اسے غیرت دلائی۔

"تم مجھے اس کے خلاف نہیں بہکا سکتے۔ وہ گندے ماحول میں ضرور رہتی ہے مگر بہت اچھی لڑکی ہے، کیچڑ میں کھلے ہوئے خوب صورت کنول کی طرح.... خدا کے لیے اس کا ذکر ایسی بے دردی سے نہ کرو۔"

"تم سے یہ ساری پوچھ گچھ رسمی سی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو بھاری خسارے میں رہو گے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ وہ فائل میری ہے۔ اس کے بارے میں، میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اکرم الٰہی اکیلا نہیں تھا۔ تمہاری آپس کی لڑائیاں دکھاوے کی تھیں ورنہ اس فائل کے بارے میں تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔ اب اکرم الٰہی مر کر بھی ان کاغذوں تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"مگر میری یہ بات لکھ لو کہ ان کاغذات کے ساتھ تم بھی بے موت مارے جاؤ گے۔"

"مفلسی کی زندگی سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے اثاثوں کے لیے جان دے دے۔"

وہ کسی وجہ سے دوبارہ حوصلہ پکڑ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ میں نے چوہے اور بلی کا وہ کھیل وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر تم فائل کے بارے میں زبان نہیں کھول رہے تو پھر یہ بتاؤ کہ نسرین کے پاس رکھوائے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے۔ وہ تمہارا شجرۂ نسب تو ہو نہیں سکتا ورنہ تم اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسے گند خانے میں نہ پہنچاتے۔"

نسرین اور پھر بریف کیس کے ذکر پر اسے شدید ذہنی جھٹکے لگے۔ اس کے زخم خوردہ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"وہ اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی۔ تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

اس نے سارا پس و پیش ختم کر کے خوش امیدی کا سہارا لینا شروع کر دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "تم نے سچ بولنے کا موقع کھو دیا ہے۔ تمہیں یہاں لانے کے بعد ہم سو نہیں گئے تھے۔ تمہارے اور نرگس کے تعلق کے بارے میں مسلسل کام ہوتا رہا ہے۔ وہ بریف کیس کسی بھی وقت ہمارے قبضے میں آجائے گا۔"

وہ انکشاف سن کر مقبول چوہدری کا ذہن پٹڑی سے اتر گیا۔

"نسرین باجی اس بریف کیس کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر میں نے تین مسلسل راتیں وہاں بسر نہ کیں یا نرگس کو ساتھ نہ لے گیا تو وہ بریف کیس نسرین کا ہو جائے گا۔ اس میں رکھی ہوئی رقم اس کی ہوگی اور وہ فائل والا لفافہ کسی پولیس افسر کو پہنچا دے گی۔" وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چیخ رہا تھا "میں ایک رات یہاں گزار چکا ہوں۔ دوسری شروع ہو چکی ہے اور تیسری گزرتے ہی کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"اس سے پہلے وہ بریف کیس ہمارے پاس آچکا ہوگا۔ ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

وہ حلق پھاڑ کے ہنسا "ہاتھ لمبے ہیں تو پھر مجھے کہانیاں کیوں سنا رہے ہو....؟ وہ بریف کیس اب تک تمہارے قبضے میں کیوں نہیں آیا....؟ نرگس اور نسرین باجی تمہیں اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی۔"

اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر نسرین سے اپنا بریف کیس واپس لے کر ہمارے حوالے کر دے گا۔ اس نے میرے اس شبے کی تصدیق کر دی تھی کہ اکرم الٰہی کی فائل اسی بریف کیس میں تھی لیکن میرا یہ خیال باطل ثابت ہوا تھا کہ اس بریف کیس میں صرف فائل ہی تھی۔

اس نے اپنے کسی بُرے انجام کے پیشِ نظر اکرم الٰہی اور فورڈ فاؤنڈیشن کی ساکھ کی تباہی کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ نسرین ایک حریص اور بدکردار عورت تھی۔ نیا کے مطابق وہ پہلے ہی مقبول چوہدری کے بریف کیس پر دانت لگائے بیٹھی تھی۔

یہ پتا نہیں تھا کہ مقبول نے رقم اور فائل کے بارے میں نسرین کو زبانی کچھ بتایا تھا یا پھر اس بارے میں بریف کیس ہی میں کوئی ہدایت نامہ رکھا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس نے میرے ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔

دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہوتی، وہ حریص عورت بریف کیس ضرور کھولتی اور پھر رقم اپنی تحویل میں لے کر شاید وہی کر گزرتی جو مقبول چوہدری چاہتا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے بریف کیس حاصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

○☆○

اکرم الٰہی اور مقبول، دونوں ہی ملک و قوم کے کھلے غدار تھے اور انہیں اس سرزمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا جس سے وہ نمک حرامی کر رہے تھے۔ میں نے اسٹیشن فور سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اول خان اور غزالہ سے اس بارے

♣♣♣

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مشورہ کیا تھا اور وہ دونوں میرے ہم خیال تھے۔

ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کا کام ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ بھی آسانی سے انجام دے سکتا تھا۔ وہ ذمے داری اول خان کے سرڈال کر میں غزالہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا اور اول خان بھی ہمارے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

میں بریف کیس کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ نیا ایک جلد باز اور جذباتی لڑکی تھی۔ میں آسانی سے اپنی باتوں کا جادو چلا کر، اس کے ذریعے بریف کیس نکلوا سکتا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اناڑی لڑکی اپنی ذات کو ہر شک و شبے سے دور رکھنے میں کامیاب ہوجاتی۔

جوں ہی نسرین پر بریف کیس غائب ہونے کا انکشاف ہوتا، اس چار دیواری میں اپنا وقت گزارنے والی لڑکیاں عتاب میں آجاتیں۔ نسرین ایک پورے گروہ کی سربراہ تھی۔ اس کے سامنے نیا زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتی تھی۔ وہ بریف کیس میرے حوالے کرنے کے بعد ان کا سامنا کرتی تو تشدد کے نتیجے میں سب کچھ اگل دیتی اور اگر بریف کیس کے ساتھ خود بھی غائب ہوجاتی تو نسرین کو کسی سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ فوری طور پر نیا کی تلاش شروع کردی جاتی۔

معاملہ صرف نیا کی ذات کا ہوتا تو اسے کوئی معقول رقم دے کر کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ کیا جاسکتا تھا جہاں وہ نسرین اور اس کے غنڈوں کی دست برد سے محفوظ رہتی لیکن اس کے ساتھ اس کے ماں، بھائی اور بہنوں کا بھی مسئلہ تھا۔ نیا کا سراغ نہ ملنے کی صورت میں نسرین اپنے آدمیوں یا شناسا افسروں کے ذریعے ان سب کا جینا حرام کردیتی۔

میں سارے راستے اس مسئلے میں الجھا رہا۔ نیا گھر کی بھیدی ہوتے ہوئے بھی میرے لیے کار آمد نہیں تھی۔ اسے استعمال کرنے کے نتیجے میں جو حالات رونما ہوتے، وہ مجھے زندگی بھر ضمیر کی ملامت میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی ہوتے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ کام ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا چاہیے۔

نسرین کے گھر کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں کی تمام تر رونق اور رنگینی اندھیرا ہونے کے بعد پروان چڑھتی ہوگی دن کے اجالے میں وہ سب اپنے بے روپ چہرے چادروں میں لپیٹ کر اپنے اپنے کونوں کھدروں میں پڑی سوتی رہتی ہوں گی۔

نیا نے مجھ سے کسی اور کا ذکر نہیں کیا تھا مگر نسرین اور اس کی دو بیٹیوں کے بارے میں یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ تینوں اسی گھر میں رہتی تھیں۔ اپنے گھروں میں کہیں نہ کہیں ملازمت کا بہانہ کرکے نسرین کے اشاروں پر ناچنے والی دوسری لڑکیاں شام کے مقررہ اوقات میں وہاں آتی تھیں اور وقت گزار کر رات گئے یا منہ اندھیرے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔

ان کلیدی نکات کی روشنی میں نسرین کے گھر دھاوا بولنے کے لیے صبح کا وقت ہی بہترین تھا۔ نو بجے کے بعد اس علاقے کے بیشتر مرد اپنی ملازمتوں یا کاروبار کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے ہوتے۔ چند اجنبی نسرین کے گھر پہنچتے تو محلے میں کسی کو شبہ نہ ہوتا کیونکہ اس گھر میں اجنبیوں کی آمد و رفت ایک معمول کا درجہ رکھتی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اراکین ایسی مہمات میں عام طور پر سادہ، شہری لباس ہی استعمال کرتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر کی وضع قطع ایسی تھی کہ مسلح حالت میں ان پر فوجیوں کا گمان ہوتا تھا۔

حسن اسکوائر سے ذرا پہلے تک ہمارا اور اول خان کا راستہ ایک ہی تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر غزالہ سے باتیں کرتا ہوا آگے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اول خان میرے پیچھے آرہا تھا۔ صبح کی کارروائی کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے انڈیکیٹر اور ہاتھ کا اشارہ دے کر اول خان کو اپنے پیچھے، سڑک کے کنارے رکنے کا اشارہ دیا اور بتدریج گاڑی روک دی۔

اول خان کو شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی ہے۔ وہ انجن بند کرتے ہی فکر مندانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا مگر میں اسی اثنا میں اپنی گاڑی سے اتر چکا تھا۔

"کیا ہوا.....؟ خیریت تو ہے؟" اس نے اسٹریٹ لیمپس کی ملگجی روشنی میں میرے لبوں کی مسکراہٹ دیکھے بغیر سوال کیا۔

"سب ٹھیک ہے۔ تم نے میری تھوڑی سی رات کالی کی ہے تو میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ تمہارا دن خراب کروں۔ بریف کیس کے لیے ہمیں صبح ہی کارروائی کی تیاری کرنی پڑے گی۔"

"تم جس وقت اور جہاں چاہو، ملاقات ہوسکتی ہے۔" اس نے کسی عذر کے بغیر کہا۔

"یہ کام تمہارے آدمی ہی کرسکتے ہیں۔ میرے یا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں پھر بھی میں نے تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تین آدمیوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سبب یہ ہے کہ وہ گھر کسی حد تک میرا دیکھا بھالا ہے۔ تلاشی میں ذرا سی سہولت رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے نیا کے فون کا انتظار کرنے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔"

میں نے سرہلا کر اس کے اندازے کی تائید کی اور پھر اختصار سے اسے اپنے فیصلے کی وجوہ سے آگاہ کرنے لگا۔

ایک پروگرام طے کرکے ہم دوبارہ چل پڑے۔ میں نے گاڑی بائیں جانب موڑلی۔ اول خان جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر کے لیے یونیورسٹی روڈ پر سیدھا نکلتا چلا گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے اس بات پر اطمینان کا سانس لیا کہ فضا خوشگوار تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان دور دور تک تکدر کے ذرا بھی آثار نہیں تھے۔ وہ دونوں ٹیلی وژن کھولے، ہمارے انتظار میں پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اسٹیشن فور پر جو کچھ ہوا، وہ کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ میری طرح ان دونوں کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ بے بسی کے احساس میں پوری طرح گھر جانے کے باوجود مقبول چوہدری نے فائل کے بارے میں اپنی زبان کیوں نہیں کھولی۔

ڈھانچے اور ساخت میں بنیادی مماثلت کے باوجود ہر انسان اپنے مزاج اور ذہنی ساخت میں دوسروں سے اتنا مختلف ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حتمی طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی بھی لمحے اپنے مقابل کو چونکانے یا متحیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مقبول چوہدری نے اپنے رویے سے اس اصول کی توثیق کی تھی جبکہ اکرم الٰہی اس کے برعکس ثابت ہوا تھا۔

اگلی صبح نو بجے اول خان کے تین آدمی اس کی لینڈ روور میں ہمارے دروازے پر آپہنچے۔ اس مہم میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔

اول خان نے اپنے تینوں آدمیوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا تھا۔ ان کے جثے اور چہرے مہرے واقعی مرعوب کن تھے۔ ان پر پہلی نگاہ پڑنے کے بعد یہ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی کہ وہ کس ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔

لینڈ روور کی نمبر پلیٹ بھی بدلی ہوئی تھی۔ اصلی نمبر پلیٹ کی جگہ نیا شہری نمبر نظر آرہا تھا۔ نمبر پلیٹ کے اوپری حصے پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ میں نے فوجی نمبر پلیٹ والی گاڑیوں پر ایسے ڈھکے ہوئے حصے دیکھے تھے جن پر شاید ستارے بنے

آپا میری مجبوری کو سمجھ نہیں رہے

گونگے بہروں کے اسکول میں اشاروں کی زبان سکھانے والی ایک ٹیچر قدرے عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں تیز تیز چلتی ہوئی اسکول میں داخل ہوئیں۔ وہ لیٹ ہوچکی تھیں۔ ان کے دونوں بازوؤں پر بہت سی موٹی موٹی کتابیں لدی ہوئی تھیں۔

پرنسپل نے دور سے اشاروں کی زبان میں ان سے پوچھا "آج آپ بہت لیٹ آئی ہیں۔"

وہ بہ آواز بلند بولیں "میں اس وقت آپ کو جواب نہیں دے سکتی۔ میرے دونوں بازوؤں پر کتابیں ہیں۔"

****

ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے اس گاڑی میں کس رتبے کا حاضر سروس جرنیل سفر کررہا ہے۔

عام سی شہری نمبر پلیٹ کے ساتھ وہ غلافی حصہ نامانوس ہونے کے باوجود مرعوب کن تھا۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ والی نشست سنبھال لی اور گاڑی برق رفتاری کے ساتھ نئی مہم پر روانہ ہوگئی۔

غریب آباد کی طرف سے موڑ کاٹ کر شریف آباد میں نسرین کے مکان تک پہنچنے کے لیے خاصی گنجان آبادی سے گزرنا پڑتا تھا جبکہ دوسری طرف سے اتنی زیادہ آبادی نہیں پڑتی تھی۔ میں نے دانستہ پہلا راستہ لیا اور آبادی والے علاقوں میں ہلکی سی ویرانی دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اس کام کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کیا تھا۔

نہ صرف مرد روزگار کے سلسلے میں نکلے ہوئے تھے بلکہ بچے بچیاں بھی اسکولوں اور کالجوں کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔ ایسے میں نسرین کے محلے داروں یا پڑوسیوں کی طرف سے کسی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

لینڈ روور سبک رفتاری سے سفر طے کرتی ہوئی نسرین کے گھر کے سامنے رکی اور ہم چاروں پھرتی سے اپنے اپنے دروازے کھول کر نیچے اتر گئے۔ گھنٹی بجانے سے پہلے ہی کسی نے آہنی دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور دروازہ فوراً بند کرلیا۔ میں چاہتا تو اسی لمحے پھاٹک کا وہ ذیلی پٹ دھکیل کر اندر گھس سکتا تھا مگر میں نے کال بیل بجانے کو ترجیح دی۔

اس وقت تک ہم چاروں کے ہاتھ خالی تھے لیکن پوشیدہ ہولسٹرز میں بھرے ہوئے آتشیں ہتھیار بالکل تیار تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے روپ چہرے اور اڑی اڑی سی رنگت والی ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ ہم چاروں اور ہمارے عقب میں کھڑی ہوئی لینڈ روور پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور ہونٹ خشک ہو گئے۔

میں اس گھر میں صرف نیما سے ملا تھا' نسرین سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ میں نے نیما کی زبانی اس کا نام سنا تھا۔ میں نے اندازہ لگاتے ہوئے اس سے کہا "ہمیں نسرین سے ملنا ہے۔"

"مم... میں... ہی... نس... نسرین ہوں۔" اپنے چپکتے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے وہ بمشکل کہہ سکی۔

"اندر چلو۔ ہمیں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہمیں معلوم ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا "ہمیں شکایتیں ملی ہیں کہ سرِشام سے اس گھر میں اجنبی مردوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔"

میری زبان سے وہ دو ٹوک الفاظ سن کر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں راستہ چھوڑ دیا۔

وہ کتنی بھی گئی گزری تھی مگر اسے یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں گلی میں کھڑے ہو کر تبادلہ خیال کیا جائے۔ اپنے گھر کی بات وہ گھر کی حدود میں ہی طے کرنا چاہتی تھی۔

وہ سیدھی اپنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو باہر' احاطے میں ہی رکے رہنے کی ہدایت کی اور نسرین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ محلے والے تم سے کتنے بدظن ہیں" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی بات چھیڑ دی "تھانے میں تمہاری شکایتیں آتی ہیں اور دبادی جاتی ہیں۔ شرفا اپنی عزت کی وجہ سے کھل کر تمہارے سامنے نہیں آتے مگر اب بات بگڑ گئی ہے۔"

"محلے والے بلاوجہ ہمارے دشمن ہیں صاحب!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر' ہکلاتے ہوئے خوشامد پر اتر آئی "کئی بدمعاش میری بیٹیوں پر بری نظر رکھتے ہیں۔ ہم ماں بیٹیوں کو بدنام کرنے کے لیے وہ ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے رہتے ہوں گے... آپ تھانے والوں سے پوچھ لیں۔ انہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہم تو ہر افسر کی عزت اور خدمت کرتے ہیں۔"

میں نے اس کے آخری اور ذومعنی فقرے کی گرفت کرنے کے لیے کہا "مقبول چوہدری نے تمہیں اس سے بھی بڑے چکر میں پھنسا دیا ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو اس کا رکھوایا ہوا بریف کیس لے آؤ۔ ہم خاموشی سے واپس لوٹ جائیں گے۔"

"وہ... وہ تو اس کی امانت ہے" اس نے مزاحمت کی مگر وہ بریف کیس کی موجودگی سے انکار نہیں کر سکی۔

"لالچ میں مت پڑو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بریف کیس میں تھوڑی سی رقم کے ساتھ صرف کاغذ بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی خزانہ نہیں ہے جو تمہاری زندگی بدل سکے۔"

"کاغذ ہیں!" اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں "وہ تو اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز بتا رہا تھا۔"

"ان کاغذوں کی اہمیت ہمارے لیے ہے یا اس کے لیے تھی۔ وہ غدار اور جاسوس ہے۔ تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تو ہم اس گھر کی تلاشی لے کر وہ بریف کیس ڈھونڈ لیں گے اور تم اندر ہو جاؤ گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غداری اور جاسوسی کے الزامات نے اس پر براہِ راست اور گہرا اثر کیا تھا۔

"آپ یہیں بیٹھیں۔ میں بریف کیس لے کر آتی ہوں" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا اور اندر چلی گئی۔

مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھیوں نے اس دوران میں گھر سے نکاسی کا ہر راستہ مسدود کر دیا ہوگا۔ اگر نسرین بریف کیس لے کر بھاگنے کی کوشش کرتی تو ایس ٹی ایف والے اسے ناکام بنا دیتے۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی لیکن نسرین میری توقع سے پہلے ہی لوٹ آئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں قیمتی برانڈ کا سیاہ بریف کیس جھول رہا تھا۔

نسرین نے بریف کیس کے بارے میں میری باتیں سن لی تھیں پھر بھی اس کی جان اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا اور بولی۔ "مقبول آیا تو میں اس سے کیا کہوں گی۔"

"وہ اب ہمارا مہمان ہے۔ زندگی بھر تمہارا رخ نہیں کر سکے گا" میں نے اسے یقین دلایا۔

نسرین نے بریف کیس میرے حوالے کر دیا تھا مگر حسرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھری حریصانہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے محرومی کے بعد وہ ہر ایک سے روتی گاتی رہے گی کہ کچھ افسروں نے اسے ایک بھرے خزانے سے محروم کردیا۔ اس سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن ہماری غیر حقیقی فوجی شناخت کے حوالے سے ایک بے بنیاد کہانی پھیل سکتی تھی۔

میں نے بریف کیس نسرین کے سامنے کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ اس طرح آگے بڑھ آئی کہ بریف کیس کھلتے ہی اس کا اندرونی جائزہ لے سکے۔

بریف کیس مقفل تھا۔ میں نے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا تو نسرین سہم گئی۔ میں نے احتیاط سے چیمبر خالی کرکے گولیاں اپنی جیب میں ڈالیں اور خالی ریوالور کے آہنی دستے کی ضربات سے یکے بعد دیگرے دونوں تالے توڑ دیے۔

سب سے اوپر ایک کاغذ پر نسرین کے لیے من و عن وہی ہدایات درج تھیں جو مقبول چوہدری مجھے بتا چکا تھا۔ میں نے جلی حروف میں لکھا ہوا' وہ کھلا ورق تہ کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے نیچے ہزار روپے کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی اور پانچ سو کی دو گڈیاں موجود تھیں۔ اگر ان تینوں گڈیوں میں نوٹ پورے تھے تو وہ کل رقم دو لاکھ روپے بنتی تھی۔

گڈیوں کے نیچے بڑے سائز کا ایک لفافہ تھا جس میں ہماری مطلوبہ فائل موجود تھی۔ فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کے متعدد لیٹر ہیڈز اور ان پر مطبوعہ پیغامات موجود تھے۔ کئی لمبے ٹیلیکس پیغام بھی تھے۔ میں نے فائل دوبارہ لفافے میں رکھ لی۔

"اس میں تو کاغذوں کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی ہیں" نسرین نے اپنی ہتھیلیاں ملتے ہوئے کہا "آپ کو کاغذوں کی تلاش تھی۔ مجھے اپنی بچیوں کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ آپ مجھ پر رحم کریں تو ہم دونوں کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔"

میں نے خفگی سے اسے گھورا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف اچھال کر کہا "یہ رکھ لو اور اب بھول جانا کہ مقبول نے تمہیں کوئی بریف کیس دیا تھا۔"

بقیہ دونوں گڈیاں بھی میں نے فائل والے لفافے میں ڈالیں اور شکستہ بریف کیس وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

مفت میں پچاس ہزار روپے ہاتھ آجانے پر نسرین بہت خوش تھی۔ ہماری آمد پر اسے جس خوف اور دہشت سے گزرنا پڑا تھا' وہ سرے سے غائب ہو چکی تھی۔

اس نے دروازے پر ہمیں ایسے تپاک سے رخصت جیسے اپنے قریبی رشتے داروں کو الوداع کہہ رہی ہو۔

○☆○

اس فائل میں کل چھتیس کاغذ تھے جو تاریخوں حساب سے ترتیب دار لگے ہوئے تھے۔ آخری کاغذ کی تا تقریباً چھ ماہ پرانی تھی اور وہ ساری پیغام رسانی کم و بیش سال کے عرصے پر محیط تھی۔

ایس ٹی ایف والوں نے واپسی پر مجھے گھر پر اتارا تو خان کی دوسری گاڑی باہر موجود تھی۔ وہ اپنے دفتر جانے بجائے میری کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے وہاں آگیا تھا ان کاغذوں کو پنسل سے ترتیب وار نمبر ڈال کر ہم آپس میں بانٹ لیا۔

اکرم الٰہی نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے جو مواد اکٹھ تھا۔ وہ ہمارے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ فورڈ فاؤنڈ والے خود پس پردہ رہ کر فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے پاک کے قومی مسائل میں کھل کر مداخلت کر رہے تھے۔ ان بھیجے ہوئے پیغامات میں کام اور موضوعات کی نشان دہی ساتھ ساتھ ان افراد کے نام بھی موجود تھے جن کو مقامی حمایت اور پشت پناہی فراہم کی جاتی تو وہ سنگین مسا کھڑے کرسکتے تھے۔ ان میں سے بعض نام اخباری سرخ کی زینت بن چکے تھے۔

وہ چھتیس ٹیکس اور ٹیلیکس پیغامات یہ ثابت کرنے لیے کافی سے زیادہ تھے کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق' آزا اظہار اور باہمی رواداری جیسے دل خوش کن نعرے لگا والی فورڈ فاؤنڈیشن پاکستان میں علاقائی اور لسانی عصبیتو پروان چڑھانے کی سازشیں کر رہی تھی۔ بات یہیں پر نہیں ہو جاتی تھی بلکہ تین مختلف پیغامات میں ایک ایسا مشترک تھا جس سے تعاون پر گہرا زور دیا گیا تھا۔

وہ نام مراد ظریف کا تھا۔ اپنی لفظی ترکیب سے وہ مقامی مسلمان کا نام معلوم ہوتا تھا۔ پیغامات میں کہیں اس کوئی پتا یا فون نمبر موجود نہیں تھا۔ بس پہلے پیغام میں یہ تھا کہ باقی تفصیلات فون پر بتا دی جائیں گی جب کہ ان چھت کاغذوں میں گاہے گاہے نظر آنے والے ناموں کے بار میں ایسی رازداری سے کام نہیں لیا گیا تھا۔

ہر نام کے ساتھ اس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ رابطے کا مقصد بھی درج تھا لیکن مراد ظریف بس ایک تھا۔ سراغ کے علاوہ یہ تذکرہ بھی نہیں تھا کہ وہ فو

Courtesy www.pdfbooksfree.pp

فاؤنڈیشن والوں کے لیے کام کیا کررہا تھا۔ تین پیغامات میں اس کے نام کی تکرار سے یہ ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ وہ شخص فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ ان تین میں سے آخری پیغام اس فائل کا بھی آخری پیغام تھا جو چھ ماہ پرانا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ جب فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی نیت پر شبہ ہوا اور اس نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کیا تو مراد ظریف' اکرم الٰہی سے سرگرم اور گہرے رابطے میں آچکا تھا۔

خدا خدا کرکے اکرم الٰہی کی فائل کا صبر آزما مسئلہ حل ہوا تو مراد ظریف کا نام ایک بڑا سوالیہ نشان بن کر سامنے آچکا تھا۔

اکرم الٰہی نے جو کچھ کیا' بہت قرینے سے کیا تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں پر اچھا خاصا قرطاس ابیض تیار کرکے رکھ دیا تھا۔ اس سے ایک طرف فاؤنڈیشن کے عزائم بے نقاب ہوئے تھے تو دوسری طرف یہ بات سامنے آئی تھی کہ مقامی این جی اوز کس طرح اور کس حد تک غیر ملکی مفادات سے وابستہ ہوکر پاکستان کے خلاف کام کررہے تھے۔

"فورڈ فاؤنڈیشن امریکا میں قائم ایک بین الاقوامی این جی او یا غیر سرکاری ادارہ ہے۔ ہم اس فائل سے اس کا کیا بگاڑلیں گے؟" سلطان شاہ نے کافی دیر تک کاغذوں پر مغزماری کے بعد پوچھا۔

"تم دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ان کاغذوں کی ایک نقل اسلام آباد بھیجوں گا اور پھر یہ دستاویزات مغربی پریس کو جاری کی جائیں گی۔ ان لوگوں کو ذرا سا بھی سراغ مل جائے تو وہ اندر تک نیچے ادھیڑ ڈالتے ہیں" اول خان نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا "تازہ واقعات کے بعد فاؤنڈیشن والوں کا اسکینڈل امریکیوں کے لیے مزید شرمندگی کا باعث بنے گا۔"

"انہیں کتنی شرم دلاؤ گے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا "امریکی بہت بے شرم ہوتے ہیں' تمہاری طرح نہیں ہوتے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرم سے لال گلابی ہوکر زمین میں گڑ جائیں۔"

"اوہ... میرے خدا؟" اول نے اچانک ہی میز پر سے موبائل فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"کیا ہوا؟ تم ایک دم کیوں پریشان ہوگئے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اکرم اور مقبول" اول خان نے نمبر ملاتے ہوئے عجلت میں جواب دیا "میں نے حامد کو ان کے ڈسپوزل کے لیے کہہ دیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس نے اپنا کام پورا کرلیا ہو۔"

مختصر مختصر

● اس کی بھویں مصنوعی ہیں' پلکیں مصنوعی ہیں' ناک کا تیکھا پن سرجری کا مرہون منت ہے... صرف جھریاں اس کی اپنی ہیں۔

● ایک امریکی کا مطالبہ۔

"خطرناک سائنسی تجربات میں آئندہ چوہوں کی جگہ سیاست دانوں کو استعمال کیا جائے۔"

● ایک صاحب بیک وقت جانوروں کے ڈاکٹر بھی تھے اور جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر انہیں محفوظ کرنے کا کام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔

"دونوں صورتوں میں آپ کا جانور آپ کو واپس مل جائے گا۔"

● ایک گاڑی کے پیچھے ایک اسٹکر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

"اگر آپ یہ پڑھ سکتے ہیں تو پھر آپ یقیناً بس ڈرائیور نہیں ہیں۔"

● فوج میں جاکر مجھے معلوم ہوا کہ "یہ کام ابھی کرنا ہے" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

○☆○

● "میں فیصلہ نہیں کرپارہی کہ مجھے یہ مضمون لکھنا چاہیے یا نہیں۔ اخبار والے مجھ سے یہ مضمون لکھوانے کے لیے اصرار کررہے ہیں۔"

"مضمون کا عنوان کیا ہے؟"

"اپنی قوت فیصلہ بڑھایئے۔"

○☆○

● مچھلی کا شکار بہت عمدہ مشغلہ ہے... لیکن بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مچھلی پکڑی کیسے جائے۔

● "اپنا رپورٹ کارڈ دکھاؤ۔"

"وہ تو میرا دوست مانگ کرلے گیا ہے۔ وہ اپنے ڈیڈی کو ڈرانا چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اول خان کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا۔ اس نے لائن پر آنے والے کو ہدایت کی کہ وہ حامد کو بلا دے۔

"انہیں اوّل و آخر مرنا ہی تھا۔" ویرا نے اس دوران میں حیرت سے کہا "اول خان کو یکایک ان کی زندگی کی فکر کیوں لاحق ہوگئی؟"

"وہ کل رات کا فیصلہ تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ایک نئی بات سامنے آئی ہے" غزالہ بولی۔

"ایک نہیں، کئی نئی باتیں سامنے آئی ہیں" ویرا نے سرہلا کر غزالہ کی تائید کی پھر پوچھا "ان باتوں کا اکرم اور مقبول سے کیا تعلق ہے؟"

دوسری طرف حامد لائن پر آگیا تھا اور اول خان اس سے بات کررہا تھا۔

غزالہ بولی "اس وقت مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

میرے کان بیک وقت دونوں طرف لگے ہوئے تھے۔ اول خان کی متاسفانہ آواز سنتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ حامد نے اپنے فرض کی ادائیگی میں تاخیر کیے بغیر اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"صرف چند منٹ کی دیر ہوئی ہے" اول خان فون بند کرکے افسوس سے بولا "میں نے وہ مسئلہ سامنے آتے ہی فون کرلیا ہوتا تو دونوں بچ سکتے تھے۔ حامد انہیں شوٹ کرکے میری کال سننے آیا تھا۔"

"ان کی زندگی اتنی ہی تھی، اب انہیں بھول جاؤ" ویرا بولی "جب کسی کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی کو طول نہیں دے سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ ذرا سی مہلت ملنے پر وہ کوئی اور فساد کھڑا کردیتے۔"

"نام سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟" اول خان نے سوچتے ہوئے سوال کیا "مراد ظریف جیسے نام کس علاقے میں پائے جاتے ہیں؟"

"نام سے علاقے کے تعین کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی" میں نے مایوسی سے کہا "پورے پاکستان کے شہری علاقوں میں نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔ صرف سرحد کا معاملہ ذرا مختلف ہوسکتا ہے مگر وہاں بھی ملے جلے نام ہوتے ہیں۔ جھنڈا خان اور تازہ گل کے ساتھ مراد ظریف اور انور کمال بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ذرا محنت طلب نظر آتا ہے۔"

"تم اپنی نگرانی میں احتیاط سے ان کاغذوں کی فوٹو کاپیوں کے دو سیٹ بنوالاؤ" اول خان نے کاغذوں کا وہ پلندا فائل میں سمیٹ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نئی پہیلی پر کچھ مغزماری کرتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اٹھتے ہوئے کہا "بند کمرے میں اگر دروازہ چھوڑ کر دیواروں پر زور آزمائی کی جائے تو نکاس کی راہ پیدا ہونے کے بجائے آدمی خود ہلکان ہوجاتا ہے۔"

"اوہ...!" ویرا نے اوہ کو طول دے کر حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "تم نے تو اچھی خاصی افلاطونی بات کہہ ڈالی۔ حیرت ہے کہ تمہاری یہ صلاحیت ابھی تک کسی خفیہ اور پوشیدہ مرض کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔"

"تمہیں اس بند کمرے میں کون سا دروازہ نظر آرہا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"اگر مراد ظریف کی کوئی اہمیت تھی تو تمہیں مائیکرو سینٹر جانا چاہیے..."

ویرا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اچک لی اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی "ہوسکتا ہے کہ مراد ظریف کسی کونے کھدرے میں دبکا ہوا تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر جھلاّہٹ کی علامات عود کر آئیں۔ میری استفسار طلب نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس کا پتا یا کم از کم فون نمبر ان دونوں میں سے کسی نہ کسی کی ڈائری میں درج ہونا چاہیے" آخر کار سلطان شاہ کو اپنا جواب مکمل کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ اس نے بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ یوں ہوتا ہے کہ بعض اوقات آدمی کسی مسئلے میں الجھ کر نہایت پیچیدہ اور دور از کار رخوں میں سوچنا شروع کردیتا ہے اور بالکل سامنے کی بات کو نظرانداز کردیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ یہی ہورہا تھا مگر سلطان شاہ نے سب کو دوبارہ پٹڑی پر لا ڈالا تھا۔

سلطان شاہ فوٹو کاپیاں کرانے چلا گیا۔ اس کی بات اول خان کے دل کو ایسی لگی کہ وہ اسی وقت مائیکرو سینٹر روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کبھی کبھی میں بھیڑ میں بیٹھ کر بات کرتے ہوئے الجھ جاتا ہوں" اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اول خان نے آسودہ لہجے میں "مگر دیکھ لو کہ آپس کے مشورے کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ سلطان شاہ سنجیدہ تھا مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا اس کی ٹانگ کھینچنے پر تلی ہوئی تھی۔"

"جہاں چار آدمی یک جا ہوں وہاں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ ویرا اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ خوش اور چاق وچوبند رہنے کے لیے اسے اپنے سامنے ہر وقت ایک ٹارگٹ کی ضرورت ہوتی ہے" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

مائیکرو سینٹر سے اکرم الٰہی کے خفیہ فرار اور پھر ویرا کے ہاتھوں دوبارہ گرفتاری کے بعد وہ عمارت ویران ہوگئی تھی۔ اس میں باہر سے داخلے کا کوئی راستہ غیر مقفل نہیں تھا لیکن چھت کے راستے اندر اترا جاسکتا تھا۔ حامد نے اسی راستے سے اپنے آدمی اندر اتار کر مائیکرو سینٹر میں بٹھادیے تھے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے ہم آسانی سے عمارت میں داخل ہوسکتے تھے۔

اول خان نے اپنی گاڑی عمارت سے کچھ دور چھوڑدی۔ ہم دونوں درمیانی فاصلہ طے کرکے عمارت کی پشت پر پہنچے تو بلٹ پروف شیشے کے پیچھے اول خان کا ایک آدمی کرسی پر براجمان تھا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی اس نے وزنی آہنی دروازہ کھول کر اول خان کو تعظیم پیش کی مگر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی گھبراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے دلیر خان!" اول خان نے نرمی سے سوال کرکے اس کا حوصلہ بڑھایا "تم پریشان نظر آرہے ہو؟"

"صاب! بوت پریشانی کا بات ہے" دلیر خان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ام بیس دفعہ نیچے اوپر گیا مگر اکبر علی غائب ہے۔ آدھے گھنٹے سے ام پریشان ہے۔"

اول خان کے ساتھ میں بھی چکرا کر رہ گیا "چھت کا دروازہ بند ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"سب بالکل بند ہے۔ ام نیچے آیا تو وہ آرام کرنے کا واسطے اوپر گیا پھر غائب ہوگیا" دلیر خان کی بے چارگی قابلِ رحم تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ام نیچے اوپر سب دیکھا' آواز دیا... مالوم نئیں پڑتا وہ کدر گیا؟"

"وہ کہاں جاسکتا ہے؟" اول خان خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور خود ہی بول پڑا "اوہ... وہ لفٹ سے آنے کے چکر میں تہ خانے میں نہ پہنچ گیا ہو... مگر آدھے گھنٹے سے وہ وہاں کیا کررہا ہے؟"

اس دوران میں میری بے چین نظریں اپنا جائزہ مکمل کرچکی تھیں۔ لفٹ کی روشنیوں سمیت ہر چیز گل تھی۔ حد یہ تھی کہ قدرے گرمی ہونے کے باوجود پنکھا تک نہیں چل

****

سوالاً جواباً

✧ "اب جبکہ تم دولت مند ہوچکے ہو... تمہیں غربت کے زمانے کے دوست پریشان تو نہیں کرتے؟"

"جب میں غریب تھا تو میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا۔"

✧ "یہ پرانا گراموفون ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا؟"

"یہ گراموفون نہیں پاپا! یہ تو ممی نے آپ کی سالگرہ کے لیے کیک تیار کیا ہے۔"

✧ "اس اسامی کے لیے ہمیں ایک مضبوط اور طاقتور آدمی کی ضرورت ہے۔ کیا آپ خود کو مضبوط اور طاقتور سمجھتے ہیں؟"

"سر! باہر دوسرے جو دس امیدوار انٹرویو کے لیے آئے ہوئے تھے انہیں میں نے ہی اٹھا کر باہر پھینکا ہے۔ میرے مضبوط اور طاقتور ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

○☆○

✯ .... "بیٹا! تم نہانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو... کھانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو... اسکول ایک گھنٹے میں پہنچتے ہو۔ کوئی ایسا کام بھی ہے جس میں تمہیں صرف پانچ منٹ لگتے ہوں؟"

☆ .... "جی ہاں... پڑھائی۔"

○☆○

✯ .... "کاہلی کا علاج کیا ہے؟"

☆ .... "بہت آسان... ذرا میری چھڑی پکڑانا..."

○☆○

✯ .... "اگر میرے پاس یہ ساری دولت نہ رہے... کیا تب بھی تم مجھ سے محبت کرتی رہوگی؟"

☆ .... "ہاں... اور میں تمہیں یاد بھی کیا کروں گی۔"

○☆○

****

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔ میں نے دلیر خان سے پوچھا "بجلی کب سے گئی ہوئی ہے؟"

"یہ پہلے سے گیا ہوا ہے۔ اور گرمی تھا۔ ام اکبر علی سے نسوار لینے اوپر گیا' وہ غائب تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اول خان کو دلاسا دیا "میرا خیال ہے کہ وہ نیچے پھنسا ہوا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ادھر وہ نیچے گیا اور ادھر بجلی چلی گئی۔ جنریٹر چلا کر ابھی دیکھے لیتے ہیں۔"

سٹم میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر اسے سمجھنے میں مجھے ذرا سا وقت صرف ہوا۔ جنریٹر چل جانے کے بعد جوں ہی بجلی بحال ہوئی' چند ثانیوں بعد لفٹ اندھے تہ خانے سے گراؤنڈ فلور پر آگئی۔ دروازہ کھلا اور اکبر علی نے باہر آتے ہی اول خان کو دیکھا اور تپاک سے سیلوٹ پیش کردیا۔ وہ دلیر خان کی طرح زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"تم تہ خانے میں کیوں گئے تھے؟" اول خان نے ناراضی سے سوال کیا۔

"صاب! غلطی سے آخری بٹن دبادیا تھا۔ دروازہ کھلا تو وہ نئی جگہ تھی۔ پھر ہر طرف اندھیرا ہوگیا۔ میں نے ایک ایک کرکے سارے بٹن دبائے لیکن لفٹ ٹس سے مس نہ ہوئی" اکبر علی نے معصومیت سے بتایا۔

وہ پہاڑوں اور ویرانوں میں بسیرا کرکے بے جگری سے دشمن کے سر اتار لینے والے بے لوث سپاہی تھے' شہری زندگی کے جھمیلوں سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اول خان نے اسے مزید کوئی سرزنش نہیں کی کیونکہ وہ سراسر بے قصور تھا۔ دلیر خان اپنے ساتھی کو صحیح سلامت دیکھ کر خوش نظر آنے لگا تھا۔

ہم دونوں لفٹ سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اکرم الٰہی کی خواب گاہ تھی۔ اسے معزول کرنے کے بعد مقبول نے بھی اپنا فلور چھوڑ کر اسی کمرے پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔

کمرے میں ٹیلی فون کی دو ڈائریاں تھیں۔ ایک زیادہ پرانی تھی جس میں نمبروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ دوسری نسبتاً نئی معلوم ہورہی تھی۔ ہمارے پاس ان دونوں کے انداز تحریر کا کوئی موازنہ نہیں تھا جس کی بنا پر ڈائریوں کی ملکیت کا تعین کیا جاسکتا۔ ہم نے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پرانی ڈائری اکرم الٰہی کی ہونی چاہیے تھی۔

اس ڈائری میں ہمیں مراد ظریف کے نام کے سامنے چار فون نمبرز مل گئے جو مختلف شہروں کے تھے۔ دوسری ڈائری میں مراد ظریف کے صرف دو نمبر تھے۔ ان میں سے ایک مشترک تھا۔ دوسرا نمبر نیا مگر حیدر آباد کا تھا۔

سلطان شاہ کے مشورے کے نتیجے میں ہمیں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ مراد ظریف جو ہمارے لیے صرف ایک نام تھا' اس کا ابتدائی سراغ مل چکا تھا۔ میں نے شہروں کے کوڈ سمیت' وہ پانچوں فون نمبرز ایک الگ کاغذ پر نوٹ کرلیے۔

اگلا مرحلہ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی تلاش کا تھا کیونکہ حیدر آباد کے سوا باقی شہروں کے کوڈ ہمارے لیے نئے تھے مگر پھر مقبول کی ڈائری کی ابتدا میں ہی ہمیں پاکستان بھر کے شہروں کے کوڈ نمبروں کی فہرست مل گئی۔

دونوں ڈائریوں کا مشترک نمبر نواب شاہ کا تھا۔ بقیہ چاروں نمبر حیدر آباد' شہداد پور' عمرکوٹ اور میرپور خاص کے تھے۔

"مراد ظریف سیلانی آدمی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے وہ کام مکمل ہونے پر تبصرہ کیا۔

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا سیر سپاٹا سندھ کے مخصوص علاقے تک محدود ہے۔ عمرکوٹ سے شہداد پور تک کی پوری پٹی تھر کے صحرائی علاقے سے بہت قریب بلکہ متصل ہے اور وہاں رسل ورسائل کی مناسب سہولتیں نہ ہونے کے باوجود بہت سی این جی اوز خاموشی سے کام کررہی ہیں" میں نے اس کی توجہ دلائی۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو' ممکن ہے کہ مراد ظریف بھی کسی این جی او کا سربراہ ہو" اس نے اعتماد سے کہا "اب ہم جلد ہی اس کا سراغ لگا کر اس تک پہنچ جائیں گے۔"

میں کام میں تاخیر کا قائل نہیں تھا۔ مائیکروسینٹر کے تمام ٹیلی فون کاٹے جاچکے تھے لیکن اس کمرے میں اکرم الٰہی کے زیر استعمال ایک نمبر ہم نے دانستہ کھلا رکھا تھا۔ اس نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے بعد ہی بوب رافیل ہمارے ہتھے چڑھا تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد سب سے پہلے نواب شاہ کا نمبر ملانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ نمبر دونوں ڈائریوں میں مندرج تھا اور اس پر مراد ظریف کے ملنے کے زیادہ امکانات تھے۔

دوسری گھنٹی پر کسی مرد نے نرمی سے ہیلو کہا تھا۔ جوں ہی میں نے مراد ظریف سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی' اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کہا "یہاں کوئی مراد' نامراد نہیں رہتا۔ آئندہ تم نے اس کے لیے یہاں فون کیا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا" یہ کہہ کر میری مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کردیا گیا۔

میری مایوسی پر اول خان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے تسلی دی "بہت اچھی ابتدا ہے۔ نواب شاہ والے کے غصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے جانتا ہے اور کسی وجہ سے اس کا دشمن ہے۔ ایسے معاملوں میں دوستوں سے زیادہ اچھی مخبری دشمن کرتے ہیں۔"

اس کی بات معقول تھی۔ اگر کہیں اور سے اس کا کوئی پتا نہ ملتا تو نواب شاہ والوں پر محنت کی جاسکتی تھی۔

میں نے بقیہ نمبروں پر قسمت آزمائی شروع کردی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ہم مائیکرو سینٹر سے نکلنے سے پہلے اپنے نئے حریف کا کوئی پتا یا ٹھکانا دریافت کرلیں تاکہ اگلی کارروائی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

شہداد پور اور میرپور خاص کے نمبر ایسے ہوٹلوں کے تھے جہاں قرب وجوار کے دیہات اور منڈیوں سے آنے والے بیوپاری ایک دو روز کے لیے چھوٹے چھوٹے کمروں میں قیام کرتے اور چلے جاتے تھے۔ ایسے چھوٹے ہوٹلوں میں سب کچھ مالکان کی یادداشت اور صوابدید پر چلتا ہے اس لیے آنے جانے والوں کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ مراد ظریف کے بارے میں ان ہوٹلوں سے کوئی مدد نہیں ملی۔

عمرکوٹ کے فون نمبر میں کوئی خرابی تھی کہ وقفے وقفے سے کی جانے والی کئی کوششوں کے باوجود وہ نمبر مصروف ملتا رہا۔ آخر کار میں نے حیدر آباد کا نمبر ملا ڈالا۔ پہلی بار وہ نمبر بھی مصروف تھا مگر دوسری کوشش میں مل گیا۔

نواب شاہ والوں کی طرح وہ شخص مراد ظریف کا بدخواہ نہیں تھا۔ اس کا نام سن کر وہ بولا "بابا' ذرا صبر کرو۔ نیچے بات کراتے ہیں" یہ کہہ کر فون کا ریسیور نیچے رکھ دیا گیا۔ پس منظر میں بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبر کا وہ سلسلہ خاصا طویل ثابت ہوا پھر کسی نے دوسرا ریسیور اٹھالیا۔

"کون ہے؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟" مجھ سے محتاط لب ولہجے میں پوچھا گیا۔

"میں اللہ بخش بول رہا ہوں۔ مراد سے میری بات کرادو" میں نے نرمی سے التجا کی۔

"کون اللہ بخش؟ تم کہاں سے بول رہے ہو؟" اس نے مراد کے بارے میں میری بات سنی ان سنی کردی۔ اس دوران میں بچوں کی آوازیں غائب ہوچکی تھیں۔ شاید اوپر کا ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

"میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کون اللہ بخش ہوں؟" میں نے بے بسی سے کہا "مراد ہوتا تو وہ میری آواز سے پہچان لیتا کہ میں میرپور خاص والا اللہ بخش ہوں۔ آلو اور پیاز کا بیوپاری۔"

"وہ تو ادھر ایک مہینے سے نہیں آیا۔ کوئی کام ہو تو بتادو۔ اسے پیغام پہنچادیں گے۔"

"مجھے اس سے ملنا ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟" میں نے زور دے کر کہا "تمہارے پاس اب کب آئے گا؟"

"بابا! مراد سائیں میرا یا تمہارا نوکر نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ اپنی مرضی سے آتا جاتا ہے۔ مجھے کیا پتا کہ وہ کدھر ہوگا" میرا مخاطب میرے اصرار پر چڑ کر بولا "میں کوئی اس کا اردلی یا چپڑاسی نہیں ہوں۔"

"وہ ملے تو اسے میرا پیغام ضرور پہنچادینا" میں نے تاکید کی اور فون بند کردیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے شہرہ آفاق ادارے کی نظروں میں آیا ہوا کوئی شخص اتنا غیر معروف اور خانہ بدوش بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے پانچ فون نمبروں میں سے ایک پر بھی نہ ملے۔

وہ جو کوئی بھی تھا' اتنا غیر معروف نہیں تھا۔ بس اپنی نقل وحرکت کے بارے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔ کسی مخصوص حوالے یا شناخت کے بغیر اس سے براہِ راست رابطہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہم نے وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریاں اپنے ساتھ لیں' اول خان نے نیچے آکر اپنے دونوں آدمیوں کو مائیکرو سینٹر کے گورکھ دھندوں کے بارے میں بریفنگ دی' میں نے جنریٹر بند کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

راستے میں اول خان کو یاد آیا کہ وہ حیدر آباد میں ایک ایسے شخص سے واقف تھا۔ جو کچھ عرصے پہلے خفیہ ایجنسیوں کے انفارمر کے طور پر خاصا نام کما چکا تھا "خود شہر در شہر بھٹکنے سے بہتر ہوگا کہ تمام فون نمبر دے کر ہم جی آر کو اس کام پر مامور کردیں" وہ خیال آنے پر اول خان نے کہا "وہ ایک دو روز میں خود ہی مراد ظریف کی پوری ہسٹری کھود نکالے گا۔"

"جی آر؟" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا یہ اس کا کوئی خفیہ پاس ورڈ ہے؟"

اول خان نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا "پاس ورڈ نہیں' اس کا خبط ہے۔ پورا نام غلام رسول بھمرو ہے مگر وہ خود کو جی آر بھمرو لکھتا ہے تاکہ لوگ مخفف کو چھوڑ کر اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف بھمر وصاحب کہا کریں۔"

"یہ بھنبھور کا کوئی باسی معلوم ہوتا ہے" میں نے ازراہِ مذاق کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نام کے بجائے اپنے گاؤں کی تشہیر کا رسیا ہو۔ بعض لوگوں کو اپنی مٹی سے اسی قدر پیار ہوتا ہے۔"

"مجھے یا تمہیں اس کی کارکردگی سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔"

اول خان کو اس کا فون نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ وہ نمبر اس کے دفتر سے مل سکتا تھا۔ اس کے ایمپاریر میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر موبائل فون اسے تھمادیا۔ اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جی آر کا نمبر پوچھا اور چند ثانیوں بعد موبائل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے جی آر کا نمبر دہرایا جو میں نے اس کی ہدایت کے مطابق موبائل فون کی میموری پر محفوظ کرلیا۔

گھر پہنچتے ہی اول خان نے موبائل کی اسکرین سے دیکھ کر جی آر کا نمبر ملالیا۔ اول خان اور جی آر کے درمیان بے تکلفانہ اور گہرے مراسم کا اظہار اول خان کے یکطرفہ مکالموں سے ہورہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد اول خان نے مراد ظریف کے پانچوں فون نمبر اسے دے دیے تاکہ وہ اس کا کھوج لگاسکے۔

جی آر کے لیے مراد ظریف کا نام اجنبی نہیں تھا لیکن وہ فوری طور پر یہ یاد کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ اس نے مراد کا نام کہاں سنا تھا۔ بہرحال اس نے وعدہ کرلیا کہ وہ جلد از جلد اپنی معلومات سے آگاہ کردے گا۔

اول خان ہمارے گھر سے اکرم الٰہی کی تیار کی ہوئی فائل کی دو نقلیں لے کر چلا گیا۔

مراد کا معاملہ اس وقت بالکل ٹھپ ہوکر رہ گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اول خان ان نقلوں کے ذریعے کس کس کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس وقت کوئی ہدف سامنے نہیں رہا تھا اور ہمارے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

رات کو موبائل پر نیا کا فون آیا تو وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔ میرے لیے پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ وہ نسرین کی الماری سے مقبول کا بریف کیس اڑانے پر تلی بیٹھی ہوئی تھی۔

نیا کی بے خبری سے مترشح ہورہا تھا کہ مقبول چوہدری کے بریف کیس سے دیے ہوئے پچاس ہزار روپے نسرین کے لبوں کا قفل بن گئے تھے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو بریف کیس کے سامان سے محرومی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

نیا نے مجھے مقبول چوہدری کے بریف کیس کے بارے میں اشارہ دے کر بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیا کی اس خدمت کے صلے میں، میں نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس سے پہلے اسی نے نسرین کے گھر میں مقبول کی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ کر اس کی مکمل تباہی کی بنیاد رکھی تھی اور میرے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

اس کی خدمات کی وہ پسندیدگی اس قسم کی نہیں تھی جس کا وہ اظہار کررہی تھی۔ میں نرمی سے اسے ٹالتا اور سمجھاتا رہا۔ میری ہر دلیل کا محور ایک ہی نکتہ تھا کہ میری بیوی بہت حاسد اور زبان دراز عورت تھی۔ اسے شک بھی ہوجاتا کہ نیا میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی تو وہ نسرین کے گھر پہنچ کر نیا کو لہولہان کردیتی۔

کبھی کبھی فون پر مجھ سے بات کرنے اور پھر ملنے جلنے کی اجازت لے کر اس نے میری جان چھوڑ دی۔

اگلے دن کے اخبارات بہت صاف ستھرے تھے۔ بوب رافیل کے اسکینڈل کے بارے میں ایک لفظ بھی پریس میں نہیں آیا تھا۔ دوسری طرف امریکیوں نے فریڈم انٹرنیشنل، اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی حمایت میں اپنے یومیہ بیان سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ وہ دونوں مارے جاچکے تھے لیکن ان کے انجام کے بارے میں بھی کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔

راوی ہر طرف چین ہی چین لکھتا تھا مگر مجھے اس خاموشی سے سخت وحشت ہورہی تھی۔

رات کو ذرا دیر سے اول خان نے اطلاع دی کہ جی آر نے کافی محنت کے بعد مراد کا کھوج نکال لیا تھا۔ ان دنوں اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ حیدرآباد اور کبھی کبھی کراچی کے چکر بھی لگا رہا تھا۔

"یہ اندازے تو ہم بھی لگاسکتے تھے کہ وہ ان ہی شہروں میں منڈلا رہا ہوگا۔ جی آر نے کیا کھوج نکالا ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ ہیرآباد کے علاقے میں تین سو روپے ماہوار کرائے کی ایک پھٹیچر سی کوٹھری میں اپنا دفتر چلایا کرتا تھا جہاں فون تک نہیں تھا۔ تم نے اسی پتے پر اس کے لیے فون کیا تھا۔ وہ فون مالکِ جائیداد کے پاس ہے۔ وہ چاہتا ہے تو مراد کے دفتر والوں کو لائن دے دیتا ہے ورنہ وہاں رکھا ہوا نمائشی فون ہر وقت بے جان رہتا ہے" اول خان نے بات آگے بڑھائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے ہر جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آج کل کی صورت کیا ہے؟"

"اب وہ پجیرو جیپ میں گھومتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل فون اور دوسرے میں گولڈ لیف کا پیکٹ دبا ہوا ہوتا ہے۔ سب حیران ہیں کہ برسوں کے بعد اس کی یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی ہے۔"

"جی آر بھی اس کے حالات میں تبدیلی کا سبب معلوم نہیں کرسکا؟"

"اسے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ اس کے بتائے بغیر بھی تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ سب فورڈ فاؤنڈیشن کی عنایات کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ جس پر مہربان ہوں' اس کے دن پھر جاتے ہیں۔"

"اگر اس پر بڑی سرمایہ کاری کی گئی ہے تو وہ کوئی بڑا کام ہی کررہا ہوگا" میں نے کہا "پجیرو' میں گھومتے ہوئے وہ خود کو میرپور خاص کا شہنشاہ ضرور سمجھتا ہوگا۔"

"میرپور خاص چھوٹا سا زرعی شہر ہے مگر تم اسے بے مایہ نہ سمجھو۔ فصل کٹنے کے بعد دھول اور کیچڑ سے اٹے ہوئے کچے راستوں پر زمینداروں کے بچے نئے ماڈل کی پجیرو اور دوسری گاڑیاں دوڑاتے پھرتے ہیں۔"

"اور پھر اگلی فصل کی تیاری اور کٹائی سے پہلے ہی قلاش ہوکر ان گاڑیوں کو اونے پونے میں بیچ ڈالتے ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر ایک سنی سنائی حقیقت بیان کردی۔

"زراعت کے شعبے میں ہاری سے زمیندار تک کا یہی حال ہے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب ہر سال اس گردش سے گزرتے ہیں۔ بُرے دنوں میں بنائے ہوئے اچھے منصوبے اور نیک ارادے نئی فصل کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں" اول خان دردمندی سے بتارہا تھا۔ "یہ ہماری معیشت کی سب سے زیادہ سفاک حقیقتیں ہیں۔"

"ہم مصلح نہیں ہیں" میں نے اسے ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ مراد ظریف ہے۔"

"مراد کا ہیر آباد کا دفتر ابھی تک برقرار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ابھی سے سوچ لیا ہو کہ بھلے دن خواب کی طرح گزر گئے اور دوبارہ غربت نے ڈیرے ڈالے تو وہ اپنے ہیر آباد والے دفتر میں تو بیٹھ سکے گا۔"

"اس دفتر میں وہ کرتا کیا ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔

"اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"بدمعاشی!" اول خان کی طرف سے بے ساختہ جواب آیا "اس نے صحرا کے نام سے ایک کاغذی این جی او بنائی ہوئی ہے جو رجسٹرڈ ہے۔ وہ سرکاری گرانٹ پر ہی گزارہ کرتا تھا جو صحرا میں پہنچنے سے پہلے اس کے مصرف میں آجاتی تھی۔"

"جی آر نے خاصے کم وقت میں بہت سی کار آمد باتیں معلوم کرلی ہیں" میں نے اعتراف کیا۔

"سب سے زیادہ کار آمد بات یہ ہے کہ اس نے مراد کی کار یعنی پجیرو کا نمبر بھی بتادیا ہے۔ وہ حیدر آباد کے رجسٹریشن پر چل رہی ہے۔ میں نے کراچی میں داخلے کے ناکوں پر یہ نمبر بھجوانے کا بندوبست کرلیا ہے۔ جوں ہی وہ کراچی کی حدود کے آس پاس نظر آیا' ہمیں اطلاع مل جائے گی اور اس کا ہانکا شروع ہوجائے گا۔"

"اس کا موبائل نمبر مل جاتا تو اس سے براہِ راست کچھ چھیڑ چھاڑ کی جاسکتی تھی۔"

"وہ خود ہر ایک کو فون کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نمبر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ جی آر نے اس سلسلے میں کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نصیب نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔"

"جی آر' ایک کامیاب مخبر ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مراد کو اس کے گھر میں پکڑوا دے؟"

"مگر کس جرم میں...؟" اول خان نے پوچھا "ابھی تک اس کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہے۔"

"وہ اپنے وسائل سے کہیں اونچا معیار زندگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ پیسا کہاں سے آرہا ہے۔"

اول خان تلخ انداز میں ہنس پڑا "ہمارے یہاں وسائل سے بڑھ کر رہنا سہنا روایت بن چکا ہے۔ چنگی کلرک لاکھوں کی ذاتی جائیداد میں رہتے ہیں اور ہر ایک ان کی عزت کرتا ہے' ان سے ڈرتا ہے۔ ہمارا قانون وسائل سے باہر' شاہانہ زندگی گزارنے والوں سے ڈرتا ہے۔ جی آر کی شکایت پر کوئی مراد کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔"

"مگر اس کا تو کوئی باقاعدہ روزگار ہی نہیں ہے" میں نے اصرار کیا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم اسی ملک میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہو" اول خان کی آواز میں ہلکی سی خفگی عود کر آئی "ہمارے یہاں یہ ساری خرابیاں نہ ہوتیں تو تمہیں میدان میں اترنا پڑتا' نہ ایس ٹی ایف کی ضرورت پیش آتی۔"

ٹیلی فون بند ہوگیا مگر میرا ذہن اول خان کی کہی ہوئی باتوں میں الجھا رہا۔ مراد ایک پاکستانی تھا لیکن اس نے آسودہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی گزارنے کے لیے کسی خلش کے بغیر خود کو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔

اکرم الٰہی کے یک جا کیے ہوئے کاغذات کی بنا پر یہ فرض کیا جاسکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے اس معاملے میں کھل کر مراد کے سامنے نہ آئے ہوں۔ اسے جال میں پھانسنے کا فریضہ فریڈم انٹرنیشنل اور اکرم الٰہی نے انجام دیا ہو۔ پھر بھی مراد کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اسے کس کام کے لیے خطیر معاوضہ دیا جارہا تھا۔

مجھے کامل یقین تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے ایما پر دیا جانے والا کام نیک نہیں ہوسکتا تھا اور اگر مراد نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک غلط کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ذمّے داری قبول کی تھی تو اس کی گردن ماردی جانی چاہیے تھی۔

فورڈ فاؤنڈیشن' فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا..... یہ ایک بے تکی مثلث کے تین اضلاع تھے جن میں آپس کی کوئی نسبت نہیں تھی۔ بس ایک بات مشترک تھی کہ تینوں این.جی اوز تھیں۔ ایک بہت بڑی بین الاقوامی تنظیم تھی' دوسری پاکستان کی حدود میں انسانی حقوق پر کام کرنے والی مقامی یک نفری تحریک تھی اور تیسری محض ایک علاقائی انجمن تھی جو تین سو روپے ماہانہ کرائے والے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک آدمی نے اپنی آتشِ شکم سرد کرنے کے لیے بنائی ہوئی تھی۔

ان تینوں کا باہمی گٹھ جوڑ بالکل غیر منطقی اور غیر حقیقی تھا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ کہیں نام کی یکسانیت کی وجہ سے ہم مراد ظریف نام کے کسی غلط آدمی کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔

مجھے فوراً ہی اپنی اس بدگمانی کو ذہن سے جھٹک دینا پڑا۔ مراد' صحرا کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کے مالی حالات میں اچانک ہی حیران کن بہتری پیدا ہوئی تھی جو کسی دریا دل اَن داتا کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

اگلی صبح مراد کے موبائل فون کا نمبر اول خان کو مل چکا تھا۔ جی آر کو جو کام دیا گیا تھا' وہ دل وجان سے اس کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے مراد کی تجیر وحیدر آباد میں قاسم آباد کے علاقے میں دیکھی گئی تھی۔

اول خان کے لیے سہولت یہ تھی کہ ہماری جائے پناہ اس کے گھر اور اسٹیشن فور کے درمیان ایسی جگہ پر واقع تھی کہ وہ اپنے راستے سے چند منٹ کے لیے ہٹ کر ہم تک پہنچ سکتا تھا۔ اسے جی آر کی طرف سے دیا ہوا فون نمبر گھر پر ملا تھا۔ نمبر ملنے کے بعد وہ جوش میں سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔

"گاڑی کے بعد اب فون نمبر بھی مل گیا۔ تم اس سے کیا چھیڑ چھاڑ کرنا چاہتے ہو؟" اس نے آتے ہی مراد کے فون نمبر والا رقعہ میرے حوالے کرکے سوال کیا "جی آر ہماری اس سے زیادہ مدد نہیں کرسکے گا۔"

"ہمیں اس کے دوسرے روابط کا کوئی علم نہیں..... بس اتنا معلوم ہے کہ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے رابطے میں تھا۔ اس سے اسی حوالے سے بات شروع کی جاسکتی ہے" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن تم کیا بات کروگے؟" اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا' پہلے سے سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"اس کا تعین اس کا ردِ عمل جاننے کے بعد ہی ہوسکے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ مجھے فریڈم انٹرنیشنل والوں کا آدمی سمجھتا ہے یا اس دعوے پر اعتبار کرنے سے انکار کردیتا ہے؟"

"فرض کرو کہ وہ تمہاری بات تسلیم نہیں کرتا پھر تم کیا کروگے؟" ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس کا کوئی سبب بتائے گا اور اسی سبب سے کوئی راہ نکلے گی۔"

"پھر بھی تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی نہ کوئی خاکہ تو موجود ہونا چاہیے۔"

"تم میرے ساتھ کسی وکیل کی سی جرح کررہی ہو" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "ایسے موقعوں پر سوچی سمجھی باتیں دھری رہ جاتی ہیں۔ جو وقت پر سوجھ جائے' وہی بات سب سے بہتر رہتی ہے۔"

"اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو" سلطان شاہ نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "سب جانتے ہیں کہ آڑا وقت آنے پر تم فوری فیصلے کرتے ہو جو اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ یہ پھر بھی تم سے کچھ اگلوانے کی کوششیں کررہے ہیں۔"

"ڈینی کوئی سازش نہیں کررہا جو میں اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں" ویرا چیخ کر بولی "ہوسکتا ہے کہ ہم مل جل کر کوئی بہتر فیصلہ کرسکیں۔ مراد کو شبہ ہوگیا تو ہمارا کام بہت لمبا ہوجائے گا۔"

"یہ خطرہ موجود ہے اور ہمیں مول لینا پڑے گا" میں نے اقرار کیا۔

بات طے ہوگئی اور میں نے گھر کے سی ایس ڈی والے فون پر مراد کا نمبر ملالیا تاکہ اس سے بے خوف وخطر ہوکر ہر موضوع پر کھلی کھلی گفتگو کی جاسکے۔

دوسری گھنٹی پر موبائل فون آن ہوا اور ایک مضبوط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مردانہ ہیلو سنائی دی۔

"مجھے مراد ظریف سے بات کرنی ہے" میں نے پورے سکون سے کہا "میں کراچی سے بول رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟ کیا مراد تم کو جانتا ہے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

"جانتا ہے" میں نے قدرے ناگواری اور تحکم سے جواب دیا "اسے بتاؤ کہ میں مقبول چوہدری کا آدمی ہوں۔"

"مقبول چوہدری خود کہاں غائب ہے؟" اس بار بولنے والے کی آواز میں خفیف سا تجسس تھا۔

"جرح مت کرو" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ، درشت لہجے میں کہا "فون مراد کو دو ورنہ میں لائن بند کردوں گا۔ میرے پاس تمہارے سوال جواب کے لیے فالتو وقت نہیں ہے۔"

"میں مراد ہی بول رہا ہوں۔ میرا یہ نمبر تمہیں کس نے دیا؟" وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی۔

"مقبول چوہدری نے نمبر دیا ہے۔ وہ آج شام تم سے ملنا چاہتا ہے" میں نے روانی سے کہہ ڈالا۔

"میں نے یہ کنکشن تین چار دن پہلے لیا ہے۔ اسے یہ نمبر معلوم ہی نہیں تھا تو اس نے تمہیں کیسے دے دیا؟"

"یہ وہی بتائے گا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل چلا رہا ہے۔ اس کے اپنے بھی ذرائع ہیں۔"

"وہ خود کہاں ہے؟ میں کئی روز سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اس کے سب فون بند پڑے ہیں۔"

مجھے یاد آیا کہ مشتعل مظاہرین کے ہاتھوں مقبول کے زخمی ہونے کی خبر اخباروں میں چھپ چکی تھی۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت کہا "وہ زخمی ہو گیا تھا، اسپتال میں ہے مگر آج شام اسے چھٹی مل جائے گی۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ اسے کچھ لوگوں نے دفتر میں گھس کر مارا تھا اور توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔"

"پڑھ چکے تھے تو کیا میرا امتحان لے رہے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔ اس کے دبے دبے رویے کی وجہ سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے جال سے نہیں نکل سکے گا۔"

"تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟" مراد کی متجسس آواز ابھری۔ وہ چاروں سانس روکے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ اسپیکر فون کے ذریعے ہونے والی وہ دو طرفہ گفتگو سن رہے تھے۔

"میں اسپتال کے قریب ایک بوتھ سے بول رہا ہوں۔ کیا تمہیں اب بھی مجھ پر شبہ ہے؟"

"شبہ نہیں ہے۔ مگر بوتھ محفوظ نہیں ہوتا..... تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سب فون کیوں بند ہیں۔"

"فسادی آدمی کو چھوڑتے ہیں نہ تاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا صرف ایک نمبر کام کر رہا ہے۔"

"فون بند کر کے میں تھوڑی دیر بعد اسی نمبر پر رنگ کروں گا۔ مجھے نمبر دے دو۔ اس وقت میں ٹریفک کی بھیڑ میں ہوں۔ مجھے ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی ہے۔"

سب کچھ قابو میں تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے فون نمبر پر مجھ سے بات کر کے اس کا اطمینان ہو جاتا کہ وہ غلط آدمی کے چکر میں نہیں پھنس رہا۔ شاید وہ خود ہی مجھ پر کسی شبے کا اظہار کیے بغیر وہی اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے اکلوتے فون کا نمبر بتا دیا اور کہا۔ "مجھے بیس منٹ بعد فون کرنا تاکہ میں وہاں پہنچ سکوں۔"

"یہ نمبر میرے پاس تھا مگر یہ مقبول کے گھر کا ہے۔" میرا پھینکا ہوا ہر یانسا سیدھا پڑ رہا تھا۔ "اس نے مجھے تاکید کی ہوئی ہے کہ ایمرجنسی کے سوا اسے اس نمبر پر فون نہ کروں۔"

"اب ایمرجنسی ہی ہے۔ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تمہاری کال میں وصول کروں گا۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ تم فریڈم انٹرنیشنل میں کیا کرتے ہو؟"

"اکاؤنٹنٹ ہوں اور میرا نام اسلم ہے۔ باقی سوال بعد میں کر لینا" یہ کہہ کر میں نے کسی سلام دعا کے بغیر فون بند کر دیا۔ اپنی اس بے اعتنائی سے میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس سے زیادہ اہم اور بالاتر تھا۔

"ویری گڈ!" ویرا نے میری پشت پر زور سے ہاتھ رسید کر کے کہا "وہ تمہارے لہجے اور تیوروں سے ہی مرعوب ہو گیا۔ تم جھوٹ اتنے اعتماد سے بولتے ہو کہ وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"اس نے کم از کم دو مرتبہ ڈینی کو پھانسنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ نے اپنے مشاہدے کا اظہار ضروری سمجھا "لیکن ڈینی اپنے صحیح ترین جوابات کی وجہ سے صاف بچ نکلا۔"

"وہ اب بھی سو فیصد مطمئن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے دفتر کا نمبر لیا ہے۔ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ فون پر ٹریفک کے غیر معمولی شور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلو! پھر جلدی کرو" اول خان عجلت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں وہاں تک پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ ہی لگ جائیں گے۔"

"مجید والے جذبے سے ڈرائیونگ کروگے تو بروقت پہنچادوگے!" میں نے ہنس کر کہا۔

مراد کا خشک اور مایوس کن معاملہ یکایک بہت دلچسپ مرحلے میں داخل ہوگیا تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس مرحلے میں شریک رہے۔ میں نے کسی کی مخالفت نہیں کی۔ مراد سے اتنی گفتگو ہونے کے بعد میں نے جو نقشہ بنایا تھا' اس کے مطابق ہمیں مراد کی آمد تک مائیکرو سینٹر میں ہی رکنا تھا تاکہ اسے آسانی سے جوہے دان میں بند کیا جاسکے۔

اول خان سمیت ہم پانچ نفوس تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی مائیکرو سینٹر پر قابض تھے۔ میری دانست میں مراد کو بے دست وپا کرنے کے لیے ہمیں مزید نفری کی ضرورت نہیں تھی۔

"سنا ہے کہ سانپ اپنی زد میں آئے ہوئے شکار کو اپنی آنکھوں کی مقناطیسی قوت سے بے بس کرکے مارلیتا ہے" ویرا نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا "ڈینی' یہ کام اپنی زبان کی قوت سے لیتا ہے۔ تابڑتوڑ جھوٹ اور سچ ملا کر ایسی کہانی بناتا ہے کہ سامنے والے کو سوچنے یا سنبھلنے کی مہلت نہیں ملتی۔ وہ بے موت مارا جاتا ہے۔"

"ہری اَپ!" اول خان نے ہانک لگائی "ہم تین منٹ یہیں گنوا چکے ہیں۔"

گھر کا بیرونی دروازہ مقفّل کرکے ہم پانچوں تیزی سے مائیکرو سینٹر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کردی تھی اور خود موبائل فون لے کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

مجھے پہلے سے علم تھا کہ مائیکرو سینٹر میں دلیر خان اور اکبر علی کو ضرورت کے تحت یکجا رکھا گیا تھا۔ ان میں سے ایک نیچے بیٹھ کر چوکیداری کرتا تھا' دوسرا اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں فون کے قریب موجود رہتا تھا تاکہ اسٹیشن فور کو کسی بھی وقت ان دونوں سے رابطے میں دشواری نہ ہو۔ اپنی سہولت کے مطابق وہ ڈیوٹیاں بدلنے کے مجاز تھے۔

اول خان نے راستے سے وہاں کا نمبر ملایا تو دلیر خان سیکنڈ فلور کی خواب گاہ میں ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ اول خان نے اسے بھی نیچے پہنچنے کی ہدایت کی تاکہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے مراد کی متوقع فون کال وصول کرنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس سے بجلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں رپورٹ لے کر اول خان نے فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈینی سے دوستی کرنے سے پہلے شہر میں منی بس چلاتے رہے ہو" ٹریفک کے بہاؤ میں سلطان شاہ کی رف اور تیز رفتار ڈرائیونگ دیکھ کر ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں ٹرانسپورٹ لائن سے ہی وابستہ تھا" سلطان شاہ نے کسی شرمندگی کے بغیر اعتراف کیا "اس چکر میں کئی بار بیمار ڈرائیوروں کی جگہ ٹرک اور بسیں بھی چلانی پڑیں مگر اس وقت وہ تجربہ نہیں' تمہارے ٹیکسی ڈرائیور مجید کا جذبہ کام آرہا ہے۔ ڈینی نے اس کا حوالہ دے کر وقت کو میرے لیے چیلنج بنادیا ہے۔"

"ڈینی کی بات اپنے دل پر نہ لو۔ سڑک سے براہ راست عالم بالا کی طرف روانگی سے بہتر ہے کہ ہم چند منٹ کی تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تم کئی جگہ حادثوں سے بال بال بچ چکے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ گاڑی کے بریک عمدہ ہوں تو حادثے خود بہ خود ٹلتے چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے ہمیں مقررہ وقت کے اندر اندر منزل پر پہنچادیا اور کار مائیکر آٹوز کی دیوار کے سائے میں پارک کردی۔ ہم پانچوں کار سے نکل کر تیزی سے عمارت کے پچھلے حصے کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر دونوں محافظ موجود تھے۔ لفٹ بھی وہیں تھی۔ عمارت میں گھستے ہی ہم پانچوں لفٹ میں سوار ہوگئے۔ دوسری منزل پر میں لفٹ کے دروازے سے نکلا تو اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں دبیز فرشی قالین پر تقریباً دوڑتا ہوا اندر پہنچا اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو! کیا یہ فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر ہے؟" دوسری طرف سے مراد کی شناسا آواز آئی۔

"ہاں۔ وہی ہے اور میں اسلم بول رہا ہوں" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے" مراد کی بے ساختہ آواز میرے کان میں آئی "اب مجھے اطمینان ہوا کہ تم صحیح آدمی ہو۔ اس وقت تمہاری طرف سے میرا دل مطمئن نہیں تھا۔"

"میں عقل سے عاری نہیں ہوں۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم بلاوجہ ڈرائیونگ میں پریشانی کی بات کررہے تھے۔ فون پر تمہاری گاڑی کے انجن کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔"

"تم مقبول جیسے گریٹ آدمی کے لیے کام کرتے ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں اتنا چالاک ہونا چاہیے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم آج شام کس وقت یہاں آرہے ہو۔ مجھے مقبول کو تمہارے جواب سے آگاہ کرنا ہے۔"

"مجھے مقبول کے بارے میں تشویش ہے۔ پچھلے دنوں اس کے بارے میں اخبارات میں زیادہ خبریں نہیں آئیں لیکن اس کے گیراج سے چوری ہونے والی ایک اکارڈ کے ائرپورٹ سے ملنے کی خبر چھپی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کراچی میں کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ پھر فون بھی کٹے ہوئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مقبول کسی خطرے کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔"

میں نے زیادہ شدت سے اس کی بات کی تردید کرنے میں خطرہ محسوس کیا اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ مقبول اس حد تک انڈر گراؤنڈ ہے کہ ایک نجی اسپتال میں خاموشی سے علاج کرا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں تک وہ منظر عام پر آنے سے گریز کرتا رہے۔ اسی لیے وہ آج تم سے مل کر کچھ اہم معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید تم کو علم نہ ہو مگر میں نے آج تک اکرم یا مقبول سے ملاقات نہیں کی۔ یہ احتیاط عام حالات میں بھی ہمیشہ ضروری سمجھی گئی۔ اب حالات مخدوش ہیں تو مقبول مجھ سے ملنے پر کیوں مصر ہے؟"

"دیکھو مراد! میں اس کا ماتحت ہوں۔ وہ ہمیں ہمارے کام کی بات بتاتا ہے۔ تمہارے سوال کا تفصیلی جواب وہی دے سکتا ہے۔ مجھے تم صرف اتنا بتادو کہ تم آنا چاہتے ہو یا نہیں اور آؤ گے تو کس وقت آؤ گے۔"

"تم نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے؟" اس کی آواز پُر تشویش تھی۔

"تم ہر طرح اپنا اطمینان کر چکے ہو کہ تمہارا رابطہ غلط آدمی سے نہیں ہوا۔ پھر بھی تم ڈر رہے ہو تو ہرگز مت آؤ۔ میں مقبول کو بتادوں گا" میں نے سرد اور روکھے لہجے میں جواب دیا "تم نہ آئے تو مجھے جلد چھٹی مل جائے گی۔"

"میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ مقبول کو میرا موبائل نمبر کیسے ملا۔ ابھی تک میں نے اپنے چند دوستوں کے سوا کسی کو یہ نمبر نہیں دیا" وہ میری بے رخی کو نظرانداز کرکے اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہا۔

"تمہارے دل و دماغ میں شکوک و شبہات کے زہریلے بچھو رینگ رہے ہیں۔ میں مقبول سے کہے دیتا ہوں کہ تم آج نہیں آرہے۔ تمہارے پاس یہ فون نمبر موجود ہے۔ جب کوئی فیصلہ کرلو تو فون کرلینا۔ میں موجود ہوا تو بات کرلوں گا۔"

"نہیں... اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو۔ مجھے بھ
مقبول کی تلاش تھی۔ میں بھی مسائل کا شکار ہوں۔ ان
حل صرف مقبول کے پاس ہے۔ میں آج آؤں گا۔ میر
کوشش ہوگی کہ سات بجے وہاں پہنچ جاؤں۔"

"سات بجے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ میر
کوشش تھی کہ میں اپنی لاتعلقی برقرار رکھ سکوں۔

"ہاں... میں سات بجے مائیکرو سینٹر پہنچوں گا۔ میں پہ
بار وہاں آرہا ہوں۔ تم باہر میرا انتظار کرسکو تو بہت مہر
ہوگی۔"

"پہلی بار آرہے ہو تو پہنچنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوگی
میں تمہیں باہر مل جاؤں گا۔"

"میں اندر نہیں آیا لیکن باہر سے مائیکرو سینٹر دیکھ چ
ہوں۔ شاندار عمارت ہے۔ اسی سے میری روزی وابس
ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری پہچان کیا ہوگی۔ میں کسی دھوکے
ہر قیمت پر بچنا چاہتا ہوں۔"

"سات بجے اندھیرا پھیل رہا ہوگا۔ کہو تو سر پر ایک آد
بلب جلالوں" میں نے جل کر کہا۔

اس کی خفت آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی "تم ناراض
ہوگئے۔ دراصل تمہیں میری پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے..."

"بس اب بار بار ایک ہی ریکارڈ نہ سناؤ" میں نے اس ک
بات کاٹ دی "میرے بدن پر سفید لباس ہوگا۔"

"میں سات بجے تم سے آملوں گا" اس کا جواب سنتے
میں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات تھی؟ اس سے بہت اکھڑی اکھڑی باتیں
کررہے تھے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی چھٹی حس کام کررہی ہے۔ وہ آنا چاہتا ہے مگ
خوف زدہ ہے۔ بھانت بھانت کے اندیشے اسے ستا رہے
ہیں" میں نے انہیں بتایا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ آخری لمحات
پر اپنا ارادہ نہ بدل دے۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ ہمیں آخری نتیجے
انتظار تو کرنا ہی ہوگا" سلطان شاہ بولا "ہم صرف دعا کرسکت
ہیں کہ وہ اپنا ارادہ نہ بدلے اور مقررہ وقت پر یہاں پہنچ
جائے۔"

میں خاموشی سے اپنی سوچ میں کھویا رہا۔ میری توقعات
اور دعائیں ان سے مختلف نہیں تھیں مگر میں نے براہِ راست
اس سے مذاکرات کیے تھے۔ اس کے لب و لہجے میں پوشید
بے اطمینانی نے مجھے فکر و تشویش میں ڈال دیا تھا۔

مائیکرو سینٹر کا اقامتی حصہ ہر طرح کی رہائشی سہولتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آراستہ تھا۔ دوسری منزل کا ریفریجریٹر تازہ اور جمی ہوئی اشیائے خورونوش سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ ہم پانچوں باہر سے کچھ خریدے بغیر کئی دن تک اس رسد پر آسانی سے گزارہ کرسکتے تھے۔ اول خان کی فرمائش پر غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

ہم لوگ کافی دیر تک مراد سے ہونے والی گفتگو پر مغز سوزی کرتے رہے لیکن کوئی نیا نتیجہ اخذ نہیں کرسکے۔ ہر شخص میری قائم کی ہوئی رائے سے متفق تھا۔

"اس کے بارے میں اتنی بے یقینی کی صورت حال ہے تو پھر تمہیں سات بجے باہر نہیں نکلنا چاہیے" اول خان نے کچھ دیر کے بعد رائے دی "اگر اس کی نیت میں کوئی فتور ہے تو کھلی فضا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اندھیرے میں کہیں سے بھی آنے والی ایک گولی تمہارے لیے مہلک بن سکتی ہے۔"

"وہ بنیادی طور پر کسی دیہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کراچی کے اس بارونق بازار میں اتنی دیدہ دلیری نہیں دکھاسکے گا" ویرا نے اس سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ مقررہ وقت پر آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ نہیں آئے گا۔ مجھے کسی تیسری صورت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"ہم سات نفوس مائیکروسینٹر کے اندر ہیں۔ کیوں نہ ایس ٹی ایف کی کچھ نفری باہر بھی مامور کردی جائے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "وہ پوشیدہ ٹھکانوں میں رہ کر مراد کی کسی امکانی شرارت کا سدباب کرسکیں گے۔ انہیں متحرک ہونے کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ ہمارے اشارے پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

"تم گیدڑ کے شکار کے لیے وہ بندوبست تجویز کررہے ہو جو کسی آدم خور شیر کے شکار کے لیے ضروری ہوتا ہے" ویرا نے منہ بنا کر اس کی تجویز پر اعتراض کیا "جو چاہو کرلو' بعد میں تم کو نادم ہونا پڑے گا۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی رائے سے اتفاق کیا "ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دانش مندی کے منافی ہوگا۔"

اس بندوبست میں عملی طور پر کوئی اضافی خطرہ پنہاں نہیں تھا بلکہ امکانی خطرے کے سدباب کی صورت ہی پیدا ہورہی تھی۔ ویرا سے تھوڑی سی بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ اول خان کے چار آدمی حامد کی معیت میں توحید کمرشل کے ایسے مقامات پر مامور رہیں گے کہ مائیکروسینٹر کی طرف آنے والی ہر گاڑی ان کی نظروں میں رہے۔

"سات بجے والی تجویز کے بارے میں میری بات ادھوری رہ گئی تھی" چائے پیتے ہوئے اول خان کو خیال آگیا۔

"اگر وہ آجاتا ہے تو مائیکروسینٹر کے باہر کسی سفید پوش کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا" میں نے اسے یاد دلایا "یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"وہ تمہیں نہیں پہچانتا۔ تمہاری جگہ اکبر علی یا دلیر خان یہاں کی کسی وارڈ روب سے سفید قمیص شلوار پہن کر باہر چلے جائیں گے۔ ان دونوں میں اتنی صلاحیت ہے کہ اسے اندر لے آئیں۔"

"یہ سراسر خود غرضی ہوگی۔" میں نے احتجاج کیا "میں اپنی جگہ اکبر علی کو قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا۔"

"اسے قربانی کا بکرا نہیں کہتے۔ یہ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول ہے' اہم تر آدمی کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو ہراگلے محاذ پر فوجی جرنیلوں کو جانا پڑے اور دوسرا ہر کام ادھورا رہ جائے۔ کامیاب لڑائی کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں کی پیچھے موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔"

اس بار تینوں اول خان کے ہم خیال تھے۔ طے ہوگیا کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حکیم شاکر ہومیو کلینک
ڈاکٹر آصف شاکر ◆ ڈاکٹر نرگس معمل
تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک
ڈسپنسری: توحید کمرشل ایریا، شاہراہ قائد اعظم روڈ بلمقابل مسٹر برگر۔ کراچی
اوقاتِ ملاقات: دوپہر ۱۲ تا ۳ بجے
گلشن اقبال برانچ
6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ سفاری پارک گلشن اقبال کراچی
اوقاتِ ملاقات: شام ۶ تا ۹ بجے رات
شاکر ہیرہ آئل بھی دستیاب ہے!
مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری جگہ اکبر علی سفید کپڑے پہن کر مراد کا انتظار کرے گا۔ دلیر خان کو اس کی بگڑی ہوئی اردو کی وجہ سے زیر غور نہیں لایا گیا۔

"یہ سب تیاریاں کرلو لیکن مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم لوگ مراد کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" سب کچھ طے ہوجانے کے بعد ویرا نے ہلکی سی اکتاہٹ کے ساتھ کہا "اول خان نے اس کی پیجرو کا نمبر شہر کے ناکوں کو دیا ہوا ہے۔ وہ شہر میں داخل ہوگا اور اول خان کو علم ہوجائے گا۔ ایک بار وہ نظروں میں آگیا تو اس کے گرد جال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ کوئی بڑی کارروائی کیے بغیر بے بس کرلیا جائے گا۔"

مائیکرو سینٹر کی وہ منزل اتنی کشادہ تھی کہ ویرا نے سلطان شاہ اور غزالہ کو ساتھ لے کر برج کی بازی جمالی۔ میں اول خان کے ساتھ درازوں اور الماریوں کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا۔ اکرم الٰہی کی تجوری میں نقد رقوم اور تمسکات کی بڑی مالیت موجود تھی۔ حامد نے اس کی دیکھ بھال کے بعد تجوری کی چابی دفتر میں محفوظ کردی تھی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اول خان نے فون پر حامد سے رابطہ کیا اور اسے مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی اور حفاظت کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

پانچ بجے تک ہم سب پُرسکون رہے۔ کھانے کے بعد سب ہی کچھ دیر ستا بھی لیے تھے لیکن اس کے بعد میرے اعصاب پر ہلکا سا اضطراب سا طاری ہونے لگا۔

اگر مراد میری طرف سے شبہات میں مبتلا تھا تو اسے قبل از وقت کراچی پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ مجھے بے چینی سے ایسی کسی اطلاع کا انتظار تھا جس سے پتا چل سکے کہ مراد کی پیجرو کسی مخصوص راستے سے کراچی کی حدود میں داخل ہوچکی ہے۔

میرے ایما پر اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے سینٹرل کنٹرول سے رابطہ کیا۔ وہاں سے تصدیق کی گئی کہ مطلوبہ پیجرو کا نمبر ہر داخلی چیک پوسٹ پر پہنچا دیا گیا تھا مگر اس وقت تک پیجرو کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دن کے اجالے کو شام کا دھندلکا نگلتا جارہا تھا۔ فلیٹ کے اندرونی حصوں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں پھر سورج غروب ہوگیا۔ ہم نے خواب گاہ بھی روشن کرلی۔ میں نے ایک کھڑکی کا پٹ سرکا کر باہر جھانکا تو عمارت کے بیرونی حصے پر لگی ہوئی گلیزنگ کے اس پار اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے۔

ساڑھے چھ بجے تک مراد کی پیجرو کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی۔ وقت سر پر چلا آرہا تھا۔ اول خان ہتھیار بند ہو کر نیچے چل دیا تاکہ اکبر علی کو سات بجے باہر جانے کے لیے تیار کرسکے۔

"اوپر اب کتوں کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویرا کو ساتھ لے کر چھت پر چلے جاؤ۔" میں نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔ وہاں سے تم دور تک نگاہ رکھ سکو گے۔"

"غزالہ کے ساتھ تخلیہ چاہ رہے ہو تو سیدھی بات کرو۔" ویرا بولی اور پھر میرا جواب سنے بغیر، اٹھتے ہوئے سلطان شاہ سے بولی "ان دونوں کو یہاں چھوڑ دو۔ ہم آسمان کے نیچے، تاروں کی چھاؤں میں باتیں کریں گے۔ آجائے گا تو یہ لوگ ہمیں خود ہی اوپر سے بلالیں گے۔"

"ہم دونوں بھی نیچے جارہے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں اسے آگاہ کیا "اسے آنا ہے تو وہ گلیزنگ توڑ کر سیکنڈ فلور نہیں آئے گا۔ اس سے گراؤنڈ فلور پر ہی سامنا ہوگا۔"

"ویرا ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہے۔" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے کچھ دیر [illegible] بند رکھی تو وہ بیمار ہوجائے گی۔"

معاً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حامد بول رہا تھا۔

"ہم پانچ بجے سے اس علاقے میں موجود ہیں۔" [illegible] رپورٹ دے رہا تھا "ابھی تک اس علاقے میں حیدر آباد [illegible] رجسٹریشن پلیٹ والی کوئی پیجرو نہیں نظر آئی مگر ابھی ایک سفید کرولا دوسری بار نظر آئی ہے۔"

"اس پر نظر رکھو۔ اس میں کتنے آدمی سوار ہیں؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"بھری ہوئی ہے۔" "پورے پانچ آدمی سوار ہیں۔ [illegible] لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں بے مقصد گھوم رہے ہوں۔"

"پیجرو کا کچھ پتا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے گاڑی تبدیل کرلی ہو۔ مشتبہ گاڑی کا پیچھا کرو کہ وہ اس علاقے میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔

"اوکے سر! میں ایک آدمی کو فوراً گاڑی میں روانہ کرتا ہوں۔ وہ کار ابھی داہنی طرف گئی ہے۔"

"اب ضرورت پیش آئے تو موبائل پر رابطہ کرنا۔ میں نیچے جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں لفٹ کی طرف جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ فون [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتابی شکل میں 4 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ 50 روپے ڈاک خرچ 16 روپے

چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ معاف

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جاتا۔ رقم پیشگی بذریعے منی آرڈر روانہ کریں کسی قسم کی نقد رقم خط میں ہرگز نہ بھیجیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔

میں نے بیزاری اور بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور مراد کی آواز سن کر چونک پڑا۔

"میں نے تیسری بار کوشش کی ہے۔ تمہارا فون مصروف تھا۔" اس کی پُرسکون آواز میں شکوہ تھا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہارا کیا پروگرام ہے۔" میں نے اس کی شکایت کو نظرانداز کرکے پوچھا۔ اس کی آواز نے مجھے ہیجان میں مبتلا کردیا تھا۔ میں بمشکل اس جھٹکے پر قابو پاسکا تھا۔

"بس میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ وہ فکر و تشویش ذرا بھی نہیں تھی جو صبح اس کے لہجے پر بری طرح حاوی تھی۔

"آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" میں نے روانی میں کہا۔

"تم کیوں انتظار کررہے ہو؟ اس وقت تو مقبول چوہدری کو میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کاٹ پیدا ہوگئی "وہ کہاں ہے؟ ذرا اس سے میری بات کرا دو۔"

"وہ باتھ روم میں ہے.... میرا مطلب تھا کہ میں سات بجے مائیکرو سینٹر کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہو کر دھیرے سے ہنسا ہو پھر اس کی آواز آئی "تم نے سفید کپڑے پہن لیے ہوں گے۔ خیال رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ورنہ میں باہر سے ہی لوٹ جاؤں گا۔"

"تم بے خوف و خطر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

فون بند ہوگیا۔ میں نے کریڈل کئی مرتبہ دبانے کے بعد ریسیور کریڈل کے بجائے تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ مقبول کی تلاش میں دوبارہ فون کرے گا۔ گھنٹیاں مسلسل بجتی رہتیں تو وہ شک میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ فون مسلسل مصروف ملنے پر اس کا جھنجلانا فطری ہوتا لیکن اسے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

میری رسٹ واچ کی سوئیاں دھیرے دھیرے سات بجے کی طرف سرک رہی تھیں۔ میں غزالہ کے ساتھ لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچ گیا۔

دلیر خان کسی فرض شناس محافظ کی طرح بند دروازے کے پاس تنا ہوا کھڑا تھا۔ اکبر علی موجود نہیں تھا۔ شاید اول خان اسے میری جگہ باہر بھیج چکا تھا اور خود کرسی پر بیٹھا ایک خودکار رائفل کا جائزہ لے رہا تھا۔

وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اسے حامد اور پھر مراد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"پیجرو کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور گاڑی میں حیدرآباد سے کراچی آیا ہے" اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "حامد تجربے کار افسر ہے۔ اس کی نگاہیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سفید کرولا میں مراد ہی اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"

"اس کے فون کا مطلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرکے آیا ہے اور چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں ہے۔"

"آنے دو۔ اسے آنے دو۔ اس نے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو حامد اور اس کے آدمی اسے باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"لیکن ہم اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے" میں نے بے چینی سے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں نتیجے پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ وہ نتیجہ کون حاصل کرتا ہے' اس وقت یہ بات قطعی غیر ضروری ہے۔ تم پرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ ہیجان میں مبتلا ہو۔"

گھڑی کی سوئیاں سات پر پہنچیں اور پھر وہیں اٹک کر رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہر طرف مہیب سناٹا چھا گیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں خود بہ خود تیز ہونے لگیں۔

اچانک باہر کی فضا ایک فائر کے ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ اسی دھماکے کے جلو میں ایک بھیانک انسانی چیخ سنائی دی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی ٹھنڈک پھیلنے لگی۔ میرے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا تو وہ چیخ اکبر علی کی تھی جو میری جگہ مراد کا استقبال کرنے کے لیے باہر کھڑا ہوا تھا۔

اکلوتے فائر کے بعد بس لمحہ بھر کے لیے خاموشی ہوئی اور پھر باہر کی فضا زبردست فائرنگ کے شور سے لرزنے لگی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کسی بڑے گروہ نے بہ یک وقت اپنے خودکار آتشیں ہتھیاروں کے دہانے کھول دیے ہوں۔

اول خان نے دروازہ کھولا اور رائفل لے کر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں بھی ریوالور تان کر اس کے پیچھے ہولیا۔

اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کربیٹھا تھا۔ میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے صرار شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں پر روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مقبولی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر خزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں راس المیڈا نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ وسائل پر قابض ہو کر انیس ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد راس المیڈا اس نطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بیماریوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیمپ کے انقطاع کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے اور واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایرانی ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیٹی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دو سرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا، اس نے میرے اور اول خان کے فکر پر شش بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بدھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے ایوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا، اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے انکشاف کیا کہ ڈیٹی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے اغوا پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خود کشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خود کشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خود کشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رابنل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ہم اسے بوب رابنل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رابنل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں بوب رابنل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا، اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رابنل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسانی دہشت گردی کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کر کے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کر لیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔

مجھے نیا نے فون پر بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس حفاظت کی تاکید کے ساتھ رکھوایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وہی ہمارا مطلوبہ بریف کیس ہے۔ مجھے اس بریف کیس کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور میں نرگس سے قانون کے نام پر وہ بریف کیس لے آیا۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی ہمارے لیے زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوئے اس لیے ان سے چھٹکارے کا فیصلہ کر لیا گیا اور وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچے۔ مقبول الٰہی کے بریف کیس سے ملنے والے کاغذات کی چھان بین سے مراد ظریف کا نام سامنے آیا۔ اس نے غیر معمولی طور پر بہت کم عرصے میں ترقی کا سفر طے کیا تھا اور اندرون سندھ ... ایک این جی او چلا رہا تھا۔ وہ مقبول اور اکرام الٰہی سے غائبانہ واقف تھا۔ میں نے اسے مقبول چوہدری کا حوالہ دے کر ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر بلایا۔ وہ مائیکرو سینٹر کے اطراف میں تھا جب وہاں کی فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے استقبال کے لیے بھیجے گئے ایس ٹی ایف کے کارکن اکبر علی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی ہو۔ میں دیوانہ وار باہر کی طرف دوڑا۔ اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا، میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم سب مائیکرو سینٹر میں محصور تھے۔ ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ مراد ظریف اور اس کے حواری کس سمت سے نمودار ہوئے تھے۔ میں جوں ہی مائیکرو سینٹر سے نکلا، ایک گولی میرے چہرے سے اتنے قریب سے گزری کہ اس کی حرارت مجھے اپنے بائیں رخسار پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس ہوئی اور میں اپنے تحفظ کی حیوانی جبلت کے تحت بے اختیار دیوار سے چپک گیا۔

اس دن علاقے میں گھور اندھیرا نہیں تھا' شام کے محض سات ہی بجے تھے لیکن دفاتر اور دکانوں وغیرہ کی متعدد روشنیوں کے ساتھ اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے اور قرب وجوار کے مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

باہر خاصے تواتر سے فائرنگ ہورہی تھی۔ یہ ایک یقینی بات تھی کہ اس تصادم کی ابتدا' مراد ظریف یا اس کے کسی آدمی نے اکبر علی پر گولی چلا کر کی تھی۔ حامد اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس واقعے پر خاموش رہنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ فضا میں اکبر کی چیخ بلند ہوتے ہی ان لوگوں کا پوری قوت سے حرکت میں آنا قطعی فطری تھا۔

پھر فائرنگ کے شور میں مختلف ساخت کے ہتھیاروں کی ملی جلی آوازوں سے یہ اندازہ بھی ہورہا تھا کہ وہ فائرنگ یک طرفہ نہیں تھی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ جم کر فائرنگ کی جارہی تھی۔ اگر حامد اپنے مجرموں کو زیر کرنے کے لیے کوشاں تھا تو مراد ظریف کے آدمی انہیں دہشت زدہ کرکے بھاگ نکلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

مائیکرو سینٹر کی عقبی گلی میں' میرے چہرے سے ذرا سے فاصلے سے گزرنے والی گولی اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ وہ گلی..... مخدوش تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کس رخ پر تھا اور میں کس کی گولی سے بچا تھا۔ ایک بار بال بال بچ جانے کے بعد میں دوبارہ وہ خطرہ مول لینے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان رائفل سنبھال کر مجھ سے پہلے مائیکرو سینٹر کے عقبی دروازے سے نکلا تھا۔ اس کی پوزیشن بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ سینے کے بل سخت اور کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا اور پیٹ کے بل رینگ کر عمارت کے کونے تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا تاکہ وہاں سے بہتر طور پر حالات کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرسکے۔

میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ گونجنے والی' اکبر علی کی بے ساختہ چیخ کے بعد اس کی کوئی دوسری درد آمیز آواز نہیں سنائی دی تھی اور وہ مجھے کوڑے کے ایک ڈرم کی اوٹ میں بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے سات بجے' سفید کپڑوں میں ملبوس ہوکر اس کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان نے اپنے طور پر میری جگہ اکبر علی کو وہ کام سونپ دیا تھا۔ اپنے مکمل سفید لباس کی وجہ سے وہ دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا مگر اس کی شلوار کا داہنا پائنچا خون سے سرخ ہورہا تھا۔

شاید مراد ظریف نشانے کا کچا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی اکبر علی کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے اس کی پنڈلی کو زخمی کرگئی تھی۔ میرے دل اور ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اکبر علی زندہ تھا اور بادی النظر میں اس کا زخم مہلک نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی اصل جگہ چھوڑ کر کوڑے کے ڈرم کی اوٹ میں پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوپاتا۔ اپنے سفید کپڑوں اور کم رینج کے ہتھیار کی وجہ سے وہ خطرے کی زد سے باہر نہیں تھا۔

جس طرح اکبر علی کوئی زیادہ مہلک ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جاسکا تھا۔ اسی طرح میں بھی عجلت میں محض ایک ریوالور لے کر باہر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے ہتھیار کسی بھی قابل ذکر فاصلے پر موجود حریف کو نشانہ بنانے کے لیے ناکافی تھے جبکہ اول خان کو یہ برتری حاصل تھی کہ اس کے پاس لمبی رینج کی جدید اور خود کار رائفل موجود تھی۔ اسے دوسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنے عملے کے ہر فرد کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور محض ایک جھلک دیکھ کر دوست اور دشمن میں تمیز کرسکتا تھا۔ اس نے خود کو خطرے سے بچاتے ہی ان مثبت نکات سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا تھا۔

اس نے کافی فاصلے پر بھاگتے ہوئے ایک شخص پر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد رائفل کے میکانزم کو تبدیل کرتے ہی اس پر برسٹ کھول دیا۔

اس کا شکار دوڑتے دوڑتے فضا میں یوں اچھلا جیسے اس کے جوتوں کے نیچے اسپرنگ نکل آئے ہوں پھر وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ منہ کے بل زمین پر جارہا۔

یکایک فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں صرف ایک جیسے ہتھیاروں کی آوازیں فضا میں گونجتی رہ گئیں۔ اس وقت تک اول خان مائیکرو سینٹر کے کونے تک پہنچ کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔

"الفا! زمین پر رینگتے ہوئے واپس لوٹ آؤ!" فضا میں اول خان کی اضطراری آواز گونجی۔

اس کا وہ حکم واضح طور پر اکبر علی کے لیے تھا جس کے نام کا پہلا حرف اے تھا اور ہنگامی ضروریات میں اے کے واضح اظہار کے لیے الفا اور بی کے لیے برادو استعمال کیا جاتا تھا۔

اکبر علی نے زمین پر لیٹ پر کہنیوں کے بل تیزی سے ہماری طرف رینگنا شروع کیا تو میں دیوار کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا' اول خان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر اپرٹس فوراً کان سے لگالیا۔

"سر! وہ لوگ شاید گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں..." میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کان میں حامد کی شناسا آواز گونجی۔

"پھر یہ اتنی فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ صرف میرے آدمیوں کا فائر ہے' سر!" دوسری طرف سے جواب آیا۔

"بلاوجہ اپنا میگزین برباد مت کرو۔ شاید اول خان نے ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔"

"میں نے دیکھا ہے سر! وہ بھاگتے ہوئے گولیوں کی زد میں آیا تھا" حامد کی آواز آئی پھر وہ شاید ٹرانسیٹر پر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "فائر بند کر دو!" اس کی وہ آواز فون پر بھی سنائی دی تھی۔

یک لخت فضا میں گونجتا ہوا فائرنگ کا شور تھم گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت غیر فطری اور مہیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

حامد نے اپنے آدمیوں کو فائرنگ روکنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا پر جو سکوت طاری ہوا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ مراد ظریف اپنے آدمیوں سمیت میدان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

"وہ بھاگ گئے!" میں نے اونچی آواز میں اکبر علی سے کہا "اگر تم اپنے قدموں پر چل سکتے ہو تو اب پیٹ کے بل زمین پر رینگنے کی ضرورت نہیں۔"

یہ دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اکبر علی زخمی ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھا۔ وہ زمین سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔

میدان صاف ہونے کا یقین ہونے کے بعد حامد اپنی مختصر سی نفری کے ساتھ ہم سے آملا۔

اس سے پتا چلا کہ اکبر علی کے اوپر وار ہوتے ہی ان لوگوں کی جوابی فائرنگ سے مجرموں کی سفید کرولا کا پچھلا حصہ بری طرح چھلنی ہو گیا تھا۔ دونوں ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے ان کی گاڑی چلنے کے قابل نہیں رہی تھی لہٰذا انہوں نے زبردست فائرنگ کرتے ہوئے گاڑی سڑک پر ہی چھوڑ دی تھی۔

وہ کچھ دیر تک رکاوٹوں کی آڑ لے کر فائرنگ کرتے رہے مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ اپنے حریفوں سے مقابلے میں گھر کر وہ مارے یا پکڑے جائیں گے' فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ فائرنگ کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے وہاں سے غائب ہوتے چلے گئے۔

سفید کرولا میں سوار ہو کر توحید کمرشل کے علاقے میں چکر لگانے والوں کو' ان میں سے کسی نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں لیکن پھر بھی حامد نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو دو گاڑیوں میں پورے علاقے کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا۔

بھاگنے والوں کے حق میں دو نکات سخت نقصان دہ تھے۔ اول یہ کہ وہ شہر کے اس صاف ستھرے کاروباری علاقے میں اجنبی تھے۔ دوئم یہ کہ وہ حالت فرار میں تھے۔ ان کا حد سے بڑھا ہوا اضطراب اور چوکنا پن ان کے لیے کہیں بھی عذاب بن سکتا تھا اور حامد شاید ان ہی امکانات کی طرف سے پرامید تھا۔

وہ سب بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ حامد کے آدمی علاقے کی ریکی پر روانہ ہوئے اور میں اول خان کے ساتھ دور پڑے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو اول خان کی رائفل کی گولیاں کھا کر ڈھیر ہوا تھا۔ دلیر خان نے باہر آکر اکبر علی کو سنبھال لیا تھا۔ غزالہ اکیلی اس تباہ حال کرولا کی طرف بڑھ گئی تھی جو مجرم چھوڑ کر بھاگے تھے۔

وہ گورے رنگ کی قمیص اور شلوار میں ملبوس ایک درشت رو نوجوان تھا جس کے چہرے پر گھنے اور سخت بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی پر کسی پرانے زخم کا ایک لمبا سا نشان اس امر کی چغلی کھا رہا تھا کہ اس کا ماضی بے داغ نہیں رہا ہوگا۔ اپنے چہرے مہرے سے ہی وہ لڑنے مرنے والا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف کسی مذموم منصوبے کے تحت اسے چھوٹے سے آہنی دستے والی خودکار رائفل سے لیس کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی وہ رائفل دھول میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا میگزین چیک کیا تو وہ نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ قضا کے سفاک ہاتھوں نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنا میگزین خالی کر سکے۔

اس کی پشت پر تین گولیاں لگی تھیں۔ دو اس کے جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ تیسری سینہ چیر کر پار نکل گئی تھی اور شاید وہی اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی تھی۔

اچانک ہونے والی فائرنگ کی وجہ سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جو دکانیں وغیرہ کھلی ہوئی تھیں وہ بھی تیزی سے بند ہونے لگی تھیں۔ ہر شخص اس واقعے کی گواہی میں ملوث ہونے سے جان بچانے کی فکر میں مبتلا تھا۔ وہ لوگ چند روز پہلے وہاں ہونے والے واقعات کو نہیں بھولے تھے جن میں کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر زبردست افراتفری دیکھنے میں آئی تھی۔

حامد کے آدمیوں کی واپسی تک ہم وہیں رکے رہے۔ قریب آئے بغیر لوگ جان چکے تھے کہ اس مقابلے میں کم از کم ایک شخص مارا گیا تھا اور دوسرا زخمی ہوا تھا۔

ہم میں سے کسی کے جسم پر کوئی وردی تھی نہ کسی گاڑی پر کوئی سرکاری نشان تھا پھر بھی ہمارے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے لوگوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم قانون کے محافظوں میں سے تھے۔ وہ ہمارے قریب آنے سے گریزاں تھے اس لیے ان کی طرف سے کسی بھی تعرض کا اندیشہ خارج از امکان تھا۔

اول خان وہاں سے ہٹنے سے پہلے حامد کو بریفنگ دے رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ سائرن بجاتی ہوئی دو پولیس موبائلیں تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور ہمارے قریب رک گئیں۔

ان دونوں گاڑیوں کے پچھلے حصوں سے باوردی سپاہی اپنے ہتھیار سیدھے کرتے ہوئے بہت تیزی سے نیچے آئے۔ اگلی پولیس موبائل میں ڈرائیور کے برابر والی نشست سے انسپکٹر کے عہدے کا ایک صحت مند افسر نیچے اترا۔ تمام سپاہی مشینی انداز میں اس کے پیچھے صف آرا ہوگئے۔ ان کے ہتھیار ہماری طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"آرمز ڈاؤن!" اول خان نے سرد اور تحکم آمیز آواز میں کہا "ہم دشمن نہیں' دوست ہیں۔ ہمارا آپریشن ختم ہوچکا ہے۔ یہ لاش تم ہی کو لے جانی ہے۔"

انسپکٹر نے مڑے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کا اشارہ کیا اور پولیس والوں کے ہتھیاروں کی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ انسپکٹر کا داہنا ہاتھ بھی جھک گیا جس میں سروس پسٹل دبا ہوا تھا۔

"ہمیں اس علاقے میں کسی آپریشن کی کوئی اطلاع نہیں ہے" انسپکٹر نے ہماری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مہذب اور دبے لہجے میں احتجاج کیا "ہم ایک گمنام فون پر یہاں آئے ہیں۔"

"ہر شخص ہر بات سے باخبر نہیں ہوتا" اول خان نے سنجیدگی سے جواب دے کر حامد کو اشارہ کیا اور وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتا ہوا انسپکٹر کی طرف بڑھ گیا۔

حامد کی پشت میری جانب تھی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس نے اپنی جیب سے کیا چیز نکال کر پولیس انسپکٹر کو دکھائی تھی مگر اس کا نتیجہ اسی لمحے سامنے آگیا۔ انسپکٹر نے فوراً ہی سیلوٹ کیا تھا۔

وہ سیلوٹ واضح طور پر حامد کے لیے نہیں تھا بلکہ اس بیج یا شناخت نامے کے لیے تھا جو حامد نے انسپکٹر کو دکھایا تھا۔ مجھے بے اختیار جمی لائیڈ کے زمانے میں شی کے بڑوں کی باہمی شناخت کے لیے استعمال ہونے والی طلسماتی سلور آئی یاد آگئی جس نے متعدد اہم مواقع پر مجھے مہلک خطرات سے بچایا تھا۔

وہ شی کے عروج کے زمانے کی کہانی تھی جب ہر طرف جمی لائیڈ کے نام کا طوطی بولتا تھا اور میں صرف ایک آئی مین کو ہلاک کرکے اس کی سلور آئی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا لیکن جب پے در پے کئی سلور آئیز ان لوگوں کی تحویل سے نکل گئیں تو سنگین دھوکوں سے بچنے کے لیے باہمی شناخت کے ان ذرائع کو یکسر ختم کردیا گیا۔

گاڑی سے اترتے وقت انسپکٹر کا انداز قدرے تحکمانہ تھا لیکن وہ فضا چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکی۔ اس نے پروقار انداز میں آگے بڑھ کر ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اول خان حامد کو وہاں چھوڑ کر واپس چل دیا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ راستے میں غزالہ ہم دونوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ پولیس پارٹی کی آمد پر اس نے خود پر قابو پائے رکھا تھا اور ان تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا" تیزی سے رونما ہوتے ہوئے واقعات کے گرداب سے باہر نکلتے ہی میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اپنی دانست میں وہ مجھے مار کر یا زخمی کرکے نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔"

"یہ ان کی کامیابی نہیں' بدترین ناکامی ہے" اول خان نے زور دے کر کہا "تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا' اکبر علی کو معمولی سا زخم آیا ہے جو چند روز میں مندمل ہوجائے گا۔ ان کا ایک ساتھی کتے کی سی موت مارا گیا ہے۔ مراد ظریف اپنی اس احمقانہ مہم جوئی پر مدتوں پچھتاتا رہے گا۔ یہ اس کا..."

"اوہ! تو کیا وہ مرگیا؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا "زندہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔"

"میرے نزدیک یہ ہماری ناکامی ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "ہماری ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں' وہ آئے اور گولیوں کی برسات کے سائے میں بھاگ گئے۔ مرنے والا ہمارے کس کام آئے گا؟"

اول خان نے میری بددلی بھانپ لی اور خاموش ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دوبارہ مائیکرو سینٹر پہنچ چکے تھے۔

دلیر خان پورے حوصلے کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ ویرا نیچے آئی تھی اور اکبر علی کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اسے ڈریسنگ کے لیے اوپر لے گئی تھی۔

لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے بھی یہ خیال مجھے پریشان کرتا رہا کہ مراد ظریف میرے جال میں کیوں نہ پھنس سکا۔

اوپر اطلاع ملی کہ اکبر علی کا زخم واقعی معمولی تھا۔ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ تھی۔ گولی اس کی جلد اور گوشت کا کچھ حصہ پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ چند روز کی مرہم پٹی اور آرام کے نتیجے میں زخم بھرنے کی امید تھی۔

جب تک ویرا کسی پیشہ ور نرس کے انداز میں اکبر علی کی مرہم پٹی کرتی رہی' سب اپنی اپنی جگہ خاموش اور غورو فکر میں غلطاں رہے۔ ویرا' اکبر علی کو دوسرے کمرے میں پہنچا کر واپس آئی تو اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکا؟"

"ایک ہاتھ آیا ہے مگر وہ مارا جاچکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے" مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی۔

"گڑبڑ کچھ نہیں ہوئی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر اپنی رائے دی "ویرا کا بڑا بول سامنے آیا ہے۔ ابھی کا خیال تھا کہ ہم گیدڑ کے لیے آدم خور شیر کے شکار جیسی تیاریاں کررہے ہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہی تھی" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی "تم لوگوں کی تیاریاں فول پروف تھیں۔ شرم کی بات ہے کہ پھر بھی ان میں سے کوئی زندہ تمہارے ہاتھ نہ آسکا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لڑنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا "اصل غلطی یہ ہوئی کہ ہم میں سے کوئی بھی مراد کی چالاکی اور ذہنی سطح کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس کے بارے میں ہمارا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟" میری توقع کے برعکس، ویرا نے سنجیدگی اور دلچسپی سے پوچھا۔

ویرا کی سنجیدگی نے ماحول ہی بدل ڈالا۔ اول خان کہہ رہا تھا "ہمارا خیال تھا کہ وہ قلاش آدمی تھا۔ اچانک مال ہاتھ آجانے کے بعد اس کا دماغ عرش پر پہنچا ہوا ہوگا مگر تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے رہا ہے اور متوقع خطرات سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"یہ سب تم اپنے کس تجربے کی بنا پر کہہ رہے ہو۔ ابھی تو اس سے ہمارا سامنا ہی نہیں ہوا۔ اس نے یہاں آکر مار دھاڑ کی اور کسی چور کی طرح بھاگ گیا" ویرا کی آواز سے ہلکی سی الجھن مترشح ہونے لگی۔

"ہمارا اندازہ تھا کہ وہ شان و شوکت کے ساتھ پجیرو میں سوار ہوکر حیدرآباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوگا تاکہ مقبول چوہدری سے برابری کی سطح پر ملاقات کرسکے۔ اس نے اپنی پجیرو کے بجائے ایک عام سی گاڑی کو ترجیح دی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے ابتدا سے ہی ڈینی کی کہانی پر شبہ ہوگیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" اول خان نے پرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسے حیرت تھی کہ اس نے محض چند روز پہلے موبائل فون کا کنکشن لیا ہے اور اپنے چند مخصوص دوستوں کے سوا کسی کو اس کا نمبر نہیں دیا پھر مقبول چوہدری یا اس کے کسی معتمد کو اس کا فون نمبر کیسے مل گیا۔ ہم نے مراد کے اس سوال کو نظرانداز کرکے غلطی کی تھی۔"

"ڈینی نے اسے مطمئن کردیا تھا۔ اس نے اپنے سوال پر زیادہ زور نہیں دیا تھا" ویرا بولی۔

"یہ تمہاری رائے ہے۔ اس کے ذہن میں ایک شبہ سرابھار چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے منصوبے کے ہر مرحلے پر احتیاط سے کام لیا۔ پجیرو کے بجائے کرولا میں کراچی آنا اسی احتیاط کا ایک حصہ تھا" اول خان نے کہا۔

"اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا احساس دلا رہی تھی اس لیے وہ اکیلا کراچی نہیں آیا، اپنے ساتھ چار مسلح محافظوں کو بھی لیتا آیا تاکہ برے وقت میں وہ اس کا ساتھ دے سکیں" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو۔ اس کے اور مقبول چوہدری کے درمیان اس قدر گہرا اور پراسرار تعلق تھا کہ وہ ڈینی کے پیغام کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا" اول خان نے جواب دیا "اسے ہر حال میں یہ دیکھنا تھا کہ مقبول چوہدری کے نام کی آڑ لے کر کون اس کے پیچھے لگا ہے۔ اس کی مقبول سے ملاقات ہوجاتی تو وہ مطمئن ہوکر لوٹ جاتا ورنہ تصادم ناگزیر تھا جو ہوکر رہا۔"

"اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی ہتھیار اٹھالیے" ویرا بولی "اسے سفید کپڑوں میں ملبوس شخص تک پہنچ کر یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کیا کہتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"آرام دہ کرسی میں بیٹھ کر یہ سب کہنا بہت آسان ہے" میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچو گی تو ہر سوال کا جواب ملتا چلا جائے گا۔"

"اگر میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم ہی میرے سوال کا جواب دو" ویرا نے مطالبہ کیا۔

"حامد کے آدمیوں نے سات بجے کے مقررہ وقت سے پہلے ان کی مشتبہ گاڑی کو اس علاقے میں گھومتے دیکھ لیا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے توحید کمرشل میں موجود تھے۔ انہوں نے مائیکرو سینٹر کا رخ کرنے سے پہلے فریڈم انٹرنیشنل پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں چھان بین کی ہوگی۔ پچھلے چند روز میں یہاں جو کچھ ہوا، وہ پوری تفصیل سے اخباروں میں نہیں چھاپا گیا لیکن علاقے کے مکینوں کو بہت کچھ معلوم ہے کہ مقبول چوہدری روپوش ہوگیا۔ اکرم الٰہی بحال ہوا اور پھر غائب ہوگیا..."

"اور اسی بنیاد پر اس نے بھڑ جانے کا فیصلہ کرلیا؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"مراد کا دماغ الجھ گیا ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن کی ہدایت پر فریڈم انٹرنیشنل والے مراد کی پشت پناہی کررہے تھے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ اس کے سارے مہرے مضبوط تھے۔ مراد کو اپنی سلامتی اور خوش حالی داؤ پر لگی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے سات بجنے سے چند منٹ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے نمبر پر فون کیا اور مجھ سے بات کی۔ وہ مقبول چوہدری سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اگر پروگرام میں کہیں گڑبڑ نہیں تھی تو مقبول چوہدری کو اس وقت موجود ہونا چاہیے تھا..."

"بس، یہی فیصلہ کن موڑ تھا۔" ہیجان کے باعث اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "ڈینی نے مقبول چوہدری کے باتھ روم میں ہونے کا عذر پیش کیا اور فون بند ہونے کے بعد ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ کر فون لائن کو مصروف کردیا۔ مراد نے یقیناً آخری لمحے تک فون پر مقبول چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر اس نے اکبر علی سے ملنے کے بجائے اس پر فائر کردیا... ہوسکتا ہے کہ اس کے اس فیصلے میں ارادے سے زیادہ اضطرار اور بے چینی کا دخل رہا ہو۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے" سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا "وہ منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کرتا تو اتنی آسانی سے اس کے پاؤں اکھڑنے ممکن نہیں تھے۔ اسے آخر تک پتا نہیں تھا کہ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کرنا ہے۔"

"وقت سر پر آچکا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات مقبول سے ہوگی یا کوئی اور اس پر ہتھیار تان لے گا" ویرا تفہیمی انداز میں بولی "اس کا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔"

"اس وقت دونوں فریقوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے" غزالہ نے سکوت توڑتے ہوئے کہا "ہم اسے کھو کر پشیمان ہیں اور اسے کچھ نہیں معلوم کہ کون اس کی راہ پر لگا ہوا ہے۔"

"تم لوگ بڑی بڑی باتوں کے چکر میں چھوٹے نکتوں کو نظرانداز کررہے ہو" اول خان نے پہلو بدل کر قدرے درشتی سے کہا "اس کے نکل جانے کے باوجود ہم ناکام نہیں ہوئے۔ ہماری کامیابی کا تمغا ہمارے پاس موجود ہے۔"

ویرا دھیمے سے ہنس کر بولی "اکبر علی کی پنڈلی کا زخم واقعی تمغا ہے مگر چند روز میں ہم اس سے محروم ہوجائیں گے۔ کوشش کی جانی چاہیے کہ ایسی ہی کسی اور کامیابی تک اس کا زخم ہرا رہے۔"

"ویرا!" اول خان نے برہم نظروں سے اسے گھورا "بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرجاتی ہو۔ مراد کے ساتھی کی لاش کو تم کیوں بھول رہی ہو۔ اس کی ہسٹری سے پتا چلے گا کہ فریڈم انٹرنیشنل والے مراد سے کیا کام لے رہے تھے؟"

ویرا کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ زبان سے معذرت طلبی اس کے مسلک سے باہر تھی۔ شرمندہ ہوکر وہ بس خاموشی سے اپنی پسپائی تسلیم کرلیتی تھی اور ہم لوگ اسی کو کافی تصور کرتے تھے۔

"لاش کو مقامی پولیس کے حوالے کردینے کے بعد ہم اس کیس سے دستبردار نہیں ہوگئے؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا "وہ اپنے روایتی انداز میں کئی روز بعد کسی نتیجے تک پہنچیں گے۔"

"پولیس کی کارکردگی کے بارے میں تم تعصب کا شکار معلوم ہوتے ہو" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ لوگ بھی ہمارے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں' ان سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہوں گی لیکن انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ قتل اور ڈکیتی کی وارداتوں سے لے کر ٹریفک کی معمولی خلاف ورزیوں تک' ہر روز ہزاروں افراد کا ہر سطح کے پولیس افسروں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اچھے تجربات فرائض منصبی قرار دے کر بھلادیے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے تلخ تجربات کی کہانیاں بنالیتے ہیں جو سینہ بہ سینہ پروان چڑھتی رہتی ہیں۔ ہماری پولیس اتنی خراب نہیں ہے۔"

"تم نے پولیس والوں کی حمایت میں اچھی خاصی تقریر کرڈالی" سلطان شاہ کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیرنے لگی "میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مرنے والے کے بارے میں معلومات کون حاصل کرے گا؟"

"مقامی پولیس!" اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر جواب دیا "کوئی نتیجہ سامنے آنے تک حامد ان کے ساتھ رہے گا۔"

"تم نے بھی ان پر ایک چوکیدار مسلط کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟" سلطان شاہ کھل کر ہنس پڑا۔

اول خان جھنجلا گیا "حامد چوکیداری نہیں کرے گا۔ وہاں پہنچنے والی اطلاعات کو بلا تاخیر مجھ تک پہنچاتا رہے گا۔ علاقے کا تھانے دار اپنے ڈی ایس پی اور ایس پی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باقاعدہ چینل سے معلومات حاصل کرنے میں تاخیر ہوسکتی ہے۔"

"ابھی تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مرنے والے کا تعلق حیدر آباد سے ہے یا میرپور خاص سے!" ویرا نے لب کشائی کی "ہم نے اپنے طور پر فرض کرلیا ہے کہ مراد حیدر آباد سے کراچی آیا ہوگا۔"

"وہ دونوں چھوٹے اور قریبی شہر ہیں۔ میرپور خاص سے سڑک کے ذریعے کراچی پہنچنے کے لیے وہ حیدر آباد سے ضرور گزرا ہوگا" اول خان بڑھتی ہوئی جرح سے بے زار ہونے لگا تھا۔

"ابھی وہ کراچی کی ہی حدود میں ہوگا" میں نے چونکتے ہوئے کہا "موبائل فون پر اسے چھیڑ کر دیکھا جائے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس وقت اس کا ردعمل ہمارے لیے راہ نما ثابت ہوسکتا ہے۔"

"مگر اس کا موبائل فون تو حیدر آباد یا میرپور خاص کے لیے ہوگا۔" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

وہ موبائل فون کی آمد کا ابتدائی دور تھا۔ اسے ایک حیرت انگیز ایجاد اور فیشن کا درجہ حاصل تھا مگر عام لوگ اس کی کارکردگی اور دائرہ کار کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔

"موبائل فون کے لیے کراچی سے حیدر آباد اور اس کے مضافات تک کے لیے ایک ہی زون ہے" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تم اسے فون کرو۔ کام کی کوئی نہ کوئی بات مل ہی جائے گی۔"

مراد ظریف کا موبائل فون کنکشن دوسری کمپنی کا تھا۔ میں نے اپنے موبائل پر اس کا کوڈ اور نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی پر ہی سلسلہ مل گیا۔ "ہیلو! کون بول رہا ہے؟" مراد کی آواز سے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار ہورہا تھا۔

"مقبول چوہدری کا خاص آدمی بول رہا ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنا ایک آدمی مفت میں چھوڑ دیا۔ اس کی لاش حیدر آباد پہنچانے کا کرایہ کون دے گا؟"

دوسری طرف سے سندھی زبان میں بے ساختہ جو کچھ کہا گیا وہ صوتی اعتبار سے میرے لیے ناقابل فہم تھا مگر میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ مراد کے جواب کا وہ حصہ غلیظ ترین گالیوں پر مشتمل رہا ہوگا۔ اپنے غیر ارادی ردعمل کے اظہار کے بعد وہ بولا "تم جھوٹے' بدمعاش' کتے اور کمینے ہو۔ تم دیکھنا میں تمہارا کیا حشر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہوں..."

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مراد؟" میں نے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی "مقبول تم پر بہت برہم ہے۔ وہ تمہیں کوڑی کوڑی کو محتاج کرکے دوبارہ فٹ پاتھ پر پہنچادے گا۔"

"وہ میرا سائیں اور میں اس کا غلام ہوں" مراد ظریف کا لب ولہجہ یکایک تبدیل ہوگیا "تم سچے ہو تو اب بھی سائیں مقبول چوہدری سے میری بات کرادو۔ میں اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگ لوں گا" میری پراعتماد دھمکی نے مراد کو تذبذب میں ڈال دیا تھا مگر اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مفاہمت کے لیے ایک کڑی شرط رکھ دی تھی۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "چند سیکنڈ توقف کرو۔ میں مقبول چوہدری سے تمہاری بات کراتا ہوں۔"

ان چاروں کی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے پاس مشق کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد فون اپنے کان سے لگایا اور اپنی دانست میں مقبول چوہدری کی آواز کی نقل کرتے ہوئے مجروح آواز میں کہا "مراد۔ آج تم نے میرا مان توڑدیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر گولیاں برساؤ گے۔"

مجھے پتا نہیں تھا کہ میری وہ کوشش کہاں تک کامیاب تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے مخاطب کے ردعمل کا منتظر تھا۔ اس نے کسی سکوت یا وقفے کے بغیر سپاٹ آواز میں کہا "اگر تم سائیں مقبول چوہدری ہی ہو تو میں ہاتھ جوڑ کر اور تمہارے پاؤں چھو کر معافی چاہتا ہوں۔ میں تم سے ملنے آیا تھا لیکن تمہارے آدمی نے مجھے شک و شبے میں ڈال دیا..."

"تم اب بھی شک و شبے والی بات کررہے ہو" میں نے ہلکی سی خفگی کا مظاہرہ کیا "کیا مجھ سے براہ راست بات کرنے کے باوجود تمہیں میرے اوپر یقین نہیں ہے؟" مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میری بدلی ہوئی آواز پر شبہ نہیں ہوا تھا۔

"سائیں!" فون پر اس کی لجلجائی ہوئی آواز ابھری "تم خود بتاؤ کہ اندھے وسوسوں میں گھرا ہوا آدمی کسی پر کیسے بھروسا کرسکتا ہے؟ آج تک تم نے مجھے ملنے کی عزت نہیں دی۔ میں گولی چلانے سے پہلے تک تم کو فون کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن تمہارا فون انگیج تھا۔ میں کیا کرتا؟ اب تم نے مجھ سے بات کی ہے تو میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا ہے.... بھلا میں شبے میں کیوں نہ پڑوں؟ تم تو اتنے محتاط آدمی ہو کہ مجھے فون پر ہمیشہ مجھے میرے کوڈ سے پکارتے ہو۔"

میرے ذہن پر لمحہ بھر کے لیے سناٹا سا چھا گیا پھر مجھے یاد آیا کہ نسرین کے گھر سے برآمد ہونے والی فورڈ فاؤنڈیشن کی فائل میں جہاں جہاں مراد ظریف کا نام آیا تھا وہیں بریکٹ میں ایم زیڈ کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔ روایتی تلفظ کے مطابق وہ ایم زیڈ ہی تھے، جدید رجحان کے تحت اسے ایم زی بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

وہ ایک سخت مرحلہ تھا، میرے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں کہا "وہ سب عام حالات کی احتیاطیں تھیں، انہیں بھول جاؤ۔ ایم زیڈ، ایم زی یا مراد ظریف سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا اسی لیے میں نے تم کو بلایا تھا مگر تم نے میرے سارے منصوبے پر پانی پھیردیا۔"

میں نے بات چالاکی سے گھمائی تھی۔ ان الفاظ میں مراد ظریف کا صحیح کوڈ بھی شامل تھا کیونکہ اس نے اس بارے میں کوئی نیا سوال کیے بغیر تشویش آمیز آواز میں پوچھا "تو کیا اب حالات بدل گئے ہیں؟"

"بہت زیادہ بدل گئے ہیں۔ ہمارے دشمن ہماری سن گن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں" میں نے دھیمی اور ڈرامائی آواز میں رک رک کر کہا "ان سے بچنے کے لیے ہمارا مل بیٹھنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر اس کی آواز میں گہرا خوف سمٹ آیا تھا "دشمن پیچھے لگا ہوا ہو تو سب کو الگ الگ راستوں پر بھاگنا چاہیے تاکہ دشمن کی طاقت بھی بکھر جائے۔ تم مجھے کیوں بلا رہے ہو....؟ تم ان کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ تمہیں مارا پیٹا گیا ہے۔ میں تمہاری طرف آیا تو خود بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔"

"یہ سب باتیں فون پر نہیں بتائی جاسکتیں۔ تم فوراً لوٹ آؤ!" میں نے سختی سے کہا۔ مقبول چوہدری کی آواز کی کامیاب نقل پر میرے اعتماد میں بہت زیادہ اضافہ ہوچکا تھا۔

"یہ عام فون نہیں، موبائل فون ہے۔ اس کی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔ تم مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔"

"تم دس منٹ میں لوٹ آؤ، میں تمہیں ہر بات بتادوں گا" میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔

"نہیں سائیں، مجھے ایسا حکم مت دو" اس کی آواز سے عاجزی کے ساتھ مزاحمت بھی جھلک رہی تھی "ابھی وہاں سیکڑوں گولیاں چلی ہیں۔ میرے آدمیوں نے میگزین خالی کیے ہیں، تمہارے آدمیوں نے بے حساب راؤنڈز فائر کیے ہیں۔ میری گاڑی کھڑی ہے، دھنی رام کی لاش وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم تک پہنچنے سے پہلے پولیس مجھے دھرلے گی۔"

دھنی رام.... وہ نام میرے ذہن کے کمپیوٹر میں فوراً ہی محفوظ ہوگیا۔ باتوں کے جال پیچ میں مجھے پہلی کارآمد بات معلوم ہوچکی تھی کہ مراد کے مرنے والے ساتھی کا نام دھنی رام تھا۔ وہ نام میرے لیے بالکل ہی نامانوس نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے فوری طور پر یاد نہیں آسکا کہ میں نے وہ نام کہاں اور کس حوالے سے سنا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے مراد سے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "تم احمق ہو.... ان خطرات سے میں خود بھی واقف ہوں۔ میں تمہیں مائیکروسینٹر نہیں بلا رہا۔ تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ' میں ملاقات کے لیے کوئی محفوظ جگہ تجویز کروں گا دس منٹ کے اندر اندر ہم دونوں وہاں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر مراد کی آواز ابھری "نہیں سائیں' تمہارا ایم زی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اپنی گردن خود کٹوا لے۔ خطرہ تم کو ہے۔ وہ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے درشت آواز میں کہا "تمہیں اپنے انکار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"سائیں ایسا ظلم مت کرو" اس کی التجا آمیز آواز ابھری "یہ ساری عقل اور احتیاط تم نے ہی مجھے سکھائی ہے کہ ماں کے دامن کو آگ لگی ہوئی ہو تو سگی اولاد کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے ورنہ وہ بھی ماں کے ساتھ جل مرے گی۔"

"میرا سکھایا ہوا سبق مجھے نہ سناؤ" میں نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "جو کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔"

"یہ مشکل ہے" وہ اپنی بات پر اڑا رہا "ابھی میں نے دھنی رام کو تمہارے حکم پر قربان کیا ہے۔ مجھ میں اپنی گردن کٹوانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں تم نے مجھے ہی اپنے راستے سے ہٹانے کا ارادہ نہ کر لیا ہو۔"

"اب تم میری نیت پر بھی شبہ کر رہے ہو! میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں سائیں۔ میں تمہارا غلام ہوں" وہ گھگھیانے لگا۔ عدم تحفظ کے احساس نے اس کی ذہنی حالت ابتر کی ہوئی تھی "میں خود کئی دن سے تمہاری تلاش میں تھا۔ ایک بڑے آدمی کو خریدنے کے لیے مجھے مدد درکار تھی۔ اس کی دعوتوں کے لیے تین چار لاکھ روپے مل جائیں تو ہمارا کام بہت تیز ہو جائے گا۔ وہ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کا رسیا ہے..."

"اسے جہنم میں ڈالو۔ مجھے تمہاری باتوں سے بغاوت اور لالچ کی بو آ رہی ہے۔ میں اپنے قریب ایسے کسی سازشی آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا" میں نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی تم غصے میں ہو۔ باہر کے حالات بھی خراب ہیں۔ میں کل تم کو فون کروں گا" ایک گہرے سانس کے بعد آواز آئی۔

میں نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ وہ اپنی راگنی الاپے جا رہا تھا۔ اسے فوری طور پر گھیرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہر قسم کے رابطے سے روک دینا چاہیے تھا مگر میں وہ راستہ مسدود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں بہتر راہ اختیار کی تھی۔ کچھ نہ کہہ کر میں نے اپنا بھرم رکھ لیا تھا۔

"تم بلا کے اداکار تو ہو ہی' آج تمہاری صداکاری بھی سن لی" گفتگو کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ویرا نے کہا "تمہاری بدلی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔"

"معلوم ہو رہا تھا کہ مقبول چوہدری دوبارہ زندہ ہو گیا ہے" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"اس وقت وہ بری طرح دہشت زدہ ہے۔ یہ داؤ چل گیا تو وہ جلد ہی ہماری گرفت میں آ جائے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی زبانی مرنے والے کا نام معلوم ہو گیا ہے۔ اسے دھنی رام کہتے تھے۔"

"دھنی رام!" سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "وہ تو بدنام سندھی دہشت گرد تھا۔"

"شاید اس نے چند ماہ پہلے نواب شاہ کے ایک وڈیرے کے گھر میں گھس کر خاندان کے سات افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا" اول خان نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا "اور گھر سے ہر قیمتی شے لوٹ کر لے گیا تھا۔"

"دھنی رام کو سندھی مت کہو" میں نے ملامت سے سلطان شاہ کو سمجھایا "ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی کوئی زبان ہوتی ہے نہ کلچر۔ وہ صرف ڈاکو اور دہشت گرد ہوتے ہیں اور کسی سے رو رعایت نہیں کرتے۔"

"مگر وہ سندھی ہی تھا" سلطان شاہ نے اپنی بات پر اصرار کیا "اخبارات نے یہی لکھا تھا۔"

"بعض اخبارات ناقابل اعتبار' دو پیسے کے چیتھڑے ہوتے ہیں۔ اخبار بیچنے کے لیے لوگوں میں سنسنی' ہیجان اور تعصبات کو ابھارتے ہیں۔ دھنی رام کو تم صرف اس وقت سندھی دہشت گرد کہہ سکتے تھے جب وہ سندھیوں کے سوا دوسروں کو مارتا۔ اس نے تو ایک ہی واردات میں نواب شاہ کے ایک گھرانے کے سات چراغ گل کر دیے۔ دوسرے واقعات میں اس نے نہ جانے کتنے سندھی مارے ہوں گے۔ اس جیسے قابل نفرت آدمی کو اس کی قومیت کے حوالے سے پکارنا گھناؤنا فعل ہے جو شرانگیزی کے زمرے میں آتا ہے" میں نے اپنی سوچی سمجھی اور نپی تلی رائے ان چاروں کے سامنے پیش کر دی۔

"سوال یہ ہے کہ دھنی رام جیسا مجرم مراد اور اس کی این جی او کے لیے کیا کار خیر سرانجام دے رہا تھا" ویرا نے اس ضمنی موضوع کو فوراً ہی صحیح رخ پر ڈال دیا۔

"اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بہت سی این جی اوز غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر یہاں شورش' افراتفری اور عدم استحکام پھیلانے کے لیے کام کر رہی ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "مراد کی بنائی ہوئی صحرا نامی تنظیم بھی کسی بھاری غیر ملکی امداد کی آس میں اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جال بچھائے بیٹھی تھی۔ ان کا انتظار رنگ لایا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے ان پر اپنی تجوری کا منہ کھول دیا۔"

"صحرا والے تھر کے بھوکے پیاسے خانہ بدوشوں کے نام پر ایک تہمت ہیں۔ اس فراڈ میں دھنی رام جیسے مستند مجرم ہی مراد کا ساتھ دے سکتے تھے" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "اس کے دوسرے ساتھی بھی چور، ڈاکو اور قاتل ہی ہوں گے۔"

"ہمیں پہلی فرصت میں ہیر آباد کے علاقے میں صحرا کا دفتر تباہ کردینا چاہیے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "تم اس دفتر کی یتیمی کا احوال سن ہی چکے ہو۔ وہ کرائے کی ایک کوٹھری میں قائم ہے، وہاں رکھا ہوا بے جان فون محض نمائش کے لیے ہے۔ وہاں ایک آدمی دن بھر بیٹھا، مکھیاں مارتا رہتا ہے۔"

"دفتر کی تباہی سے سارا نقصان مالک دکان کا ہوگا۔ صحرا کا ملازم اپنا دامن جھاڑ کر گھر چل دے گا" ویرا بولی۔

"وہ مجرموں کا ٹھکانا ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہوگا۔ اس کا ختم کیا جانا ضروری ہے" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"جرم دفاتر میں بیٹھ کر کیے جاتے ہیں نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہوتا ہے" اول خان نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جرم کا بیج مجرموں کے ذہن میں پھوٹتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ پیروں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ صحرا کے دفتر سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے اپنا وہ دفتر محض آڑ کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔"

"یہی بات ہے تو ڈینی کو اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل کی جستجو کیوں تھی؟ اسی فائل نے مراد ظریف کی نشاندہی کی تھی۔ آج اس نشان دہی کے نتائج ہم سب کے سامنے ہیں" سلطان شاہ کے پاس نیا سوال موجود تھا۔

"جس طرح کاروبار کی دو اقسام ہیں۔ انفرادی اور کارپوریٹ۔ اسی طرح جرائم بھی انفرادی اور منظم درجوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل والے چلتے پھرتے مقامی مجرم ہیں جو ہر جرم کی کلید اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔" میں نے اس کی بے اطمینانی دور کرنے کے لیے جواب دیا "اس کے برعکس شی، ڈیوڈ اسٹارز اور فورڈ فاؤنڈیشن منظم جرائم کے گویا کارپوریٹ ادارے ہیں۔ ان کی اپنی عالمی مجبوریاں ہوتی ہیں اس لیے کچھ نہ کچھ ریکارڈ پر آجاتا ہے۔"

"جب سے فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی بدنیتی کا اندازہ ہوا، ریکارڈ غائب ہوگیا اور سارے کام زبانی طے پانے لگے" اول خان نے میری بات پوری کرتے ہوئے کہا "ہمارے لیے ریکارڈ اور ثبوت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس مجرموں کے عزائم کا ٹریک ملنا چاہیے پھر ہم ان کی نیتوں کی بنیاد پر اپنا کام آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ مراد مجھ سے کل تک ضرور رابطہ کرے گا اور میں اسے گھیرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔" میں نے اپنی پُرامیدی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "وہ خوف زدہ ضرور ہے مگر مجھے مقبول سمجھ رہا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کبھی بھی اور کہیں بھی مقبول نہیں رہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور سب ہنس پڑے۔

"کل تک انتظار میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہوگا کہ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کو اجاڑ دیا جائے" سلطان شاہ کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی "وہ بُری طرح بوکھلا جائے گا۔"

"بوکھلا نہیں جائے گا، ہوشیار ہوجائے گا کہ کوئی اس کے پیچھے لگ چکا ہے۔ ڈینی سے رابطہ ہونے تک اسے یہ اطمینان رہنا چاہیے کہ وہ ہر طرح سے محفوظ ہے" ویرا نے بھرپور دلیل کے ساتھ سلطان شاہ کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

بدلے ہوئے حالات کے تحت مائیکرو سینٹر کا آباد رہنا بلکہ میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ مراد کب مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر بیٹھتا۔ اس کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں مجھے کم از کم اگلے چوبیس گھنٹے اسی عمارت میں بسر کرنے تھے۔ ویسے بھی گلشن اقبال والے گھر میں میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر میں رہائش اور خورونوش کا پورا بندوبست تھا۔ میں کسی بھی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر مطلوبہ وقت وہاں گزار سکتا تھا۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی ان تینوں نے بھی میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ مائیکرو سینٹر کی رہائشی سہولت میں ان کے لیے ضرورت سے کہیں زیادہ گنجائش موجود تھی۔

اول خان کا مسئلہ ذرا مختلف تھا۔ اس کی بیوی چند روز قبل ہی میکے سے واپس آئی تھی اور اس کے آتے ہی اول خان کو اہم کام سے پشاور جانا پڑگیا۔ اسے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ رکنے میں دلچسپی ظاہر کی نہ کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ سوا نو بجے وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

اس کے روانہ ہونے تک دھنی رام کے بارے میں حامد کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

○☆○

مائیکرو سینٹر کی عمارت ویرا کے لیے جنتِ ارضی ثابت ہوئی کیونکہ وہاں ہر منزل پر بیش قیمت اور پرانی شرابوں کے بھاری ذخائر موجود تھے۔ اس نے اول خان کے جاتے ہی عمارت کی تلاشی لینے کا قصد کیا تھا، دونوں رہائشی منزلوں کے علاوہ فریڈم انٹرنیشنل والے فرسٹ فلور پر بھی ایسی الماریاں دریافت کرلی تھیں جن میں وہسکی، وائن، رم، جن، واڈکا اور شیمپین کی متعدد اقسام قطار در قطار سجی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی تھیں۔ دفتر میں موجود ریفریجریٹر کا ایک پورا خانہ ولایتی بیئر کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔

ویرا کو بہت زیادہ نفیس اور پرانی وہسکی سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اس کی منطق تھی کہ پرانی اسکاچ دیر سے اثر دکھاتی ہے اور پھر اس کے اثرات بھی زیادہ دیر تک اعصاب پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے عجلت پسند تھی اس لیے ہمیشہ ڈی لکس کے بجائے اسٹینڈرڈ اسکاچ کو ترجیح دیتی تھی۔

اس روز وہ نہ جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے الماری سے رائل سیلیوٹ کا چمکتا دمکتا ہوا ڈبا نکال لیا۔ ویرا کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی اور مقبول کے ذخیرے کی خوبی یہ تھی کہ الماریوں میں ہر بوتل اپنی اصل پیکنگ میں موجود تھی۔

ویرا نے میز پر لوازم جمع کرنے کے بعد جب بلور کے دو پیمانے نکالے تو سلطان شاہ چونک پڑا "یہ دوسرا پیمانہ کس کے لیے ہے؟"

"چاہو تو تم میرا ساتھ دے سکتے ہو" ویرا نے اسے آنکھ مار کر کہا "یہ دنیا کی بہترین اسکاچ ہے۔"

"ہوگی۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میرے لیے تو یہ ناپاک پانی سے زیادہ نہیں ہے۔"

ویرا نے ڈبا کھول کر سرخ مخمل کی تھیلی میں ملفوف بوتل باہر نکالی اور جواب دیا "ایک دفعہ چند گھونٹ لے کر دیکھو، دنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا نظر نہ آئے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اسے پینے والوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے" سلطان شاہ اس کی تذلیل پر تلا ہوا تھا۔

"ہوا کرے" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "رحمت ہو یا لعنت، بندہ اپنے خالق سے براہِ راست رابطے میں تو رہتا ہے۔ تمہاری طرح بیچ میں معلق نہیں رہتا۔ خدا اور وصالِ صنم، دونوں سے یکسر محروم!"

"یہ وصالِ صنم کا کیا تذکرہ ہے؟" غزالہ نے باہر سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اسے سمجھاؤ کہ شراب نوشی حرام ہے۔ یہ اس سے توبہ کرلے" سلطان شاہ نے غزالہ سے سفارش کی۔

"تمہارے لیے حرام ہوگی مگر بہت سے مسلمان اسے عزیز رکھتے ہیں اور میں تو عیسائی ہوں" ویرا نے اسے چڑایا۔

"نشہ دنیا کے ہر مذہب میں حرام ہے۔ عیسائیت میں بھی اس کی ممانعت ہے" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"خبردار!" ویرا نے اسے گھورا "میرے مذہب میں دخل مت دو۔ اپنے مذہب پر میں خود اتھارٹی ہوں۔"

"مگر میز پر یہ دو گلاس کس کس کے لیے ہیں؟" غزالہ نے حیرت اور دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک میرے لیے اور دوسرا میرے اس مرحوم دوست کے لیے ہے جو اب شراب سے تائب ہوچکا ہے" ویرا نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے جواب دیا "اب میں دونوں گلاسوں سے باری باری گھونٹ لیتی رہوں گی۔"

اس وقت تک میں بظاہر ان سرگرمیوں سے لاتعلقی اختیار کیے، ان کاغذوں کے مطالعے میں مصروف تھا جو نسرین کے گھر سے حاصل کی جانے والی فائل میں لگے ہوئے تھے۔ ویرا کے جواب پر مجھے بولنا پڑ گیا "تم مرحوم کے کہہ رہی ہو؟"

"تمہارے سوا اور کس کو کہہ سکتی ہوں؟ رائل سیلیوٹ لوگے؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میں مرا نہیں، ابھی زندہ ہوں" میں نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرکے تلخی سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ تم زندہ نہیں ہو؟" ویرا کے چہرے پر معصومانہ حیرت ابھر آئی۔

"پھر مرحوم کسے کہتے ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اردو بہت ناقص ہے" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہیں مرحوم و مغفور بھی کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم پر جیتے جی رحمت ہو اور تمہاری مغفرت ہوجائے۔ شراب تم کچھ عرصے سے... چھوڑ ہی چکے ہو۔ یہ دونوں درجے بھی مل جائیں تو کسی فرشتے کی طرح پاک صاف ہوجاؤ گے۔"

"اپنی اردو دانی اپنے ناریل تک محدود رکھو اور مجھے ڈسٹرب نہ کرو ورنہ سر توڑ دوں گا۔"

"ڈسٹرب ہو رہے ہو تو کسی اور کمرے میں چلے جاؤ۔ اسی فلور پر کئی کمرے ہیں۔ یہاں یہی ہوتا رہے گا کیونکہ اس فلور کی وائن کیبنٹ بدقسمتی سے اسی کمرے میں موجود ہے۔"

"ویرا! پلیز شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ" میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں فون کی وجہ سے اس کمرے میں رہنے پر مجبور ہوں۔ آنے والی ہر کال میں خود ریسیو کرنا چاہتا ہوں۔"

ویرا نے مجروح نظروں سے لحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا۔ اور پھر بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"اس کا سازوسامان بھی اس کے پاس پہنچادو" میں نے رواروی میں غزالہ سے کہا۔

"میں اس کی نوکرانی نہیں ہوں" غزالہ نے دبی آواز میں کہا۔

"ضرورت ہوگی تو خود لے جائے گی، کچن میں ہر چیز موجود ہے۔"

"واہ!" سلطان شاہ سینے پر ہاتھ مار کر بازاری انداز میں اچھلا۔ "آج تم نے میرا جی خوش کردیا۔"

"اچھل کود کرنے کے بجائے خاموشی سے بیٹھو ورنہ میں تمہیں بھی باہر نکال دوں گا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

وقتی طور پر سکون ہوگیا اور میں نے اپنی توجہ دوبارہ فائل پر مرکوز کردی۔ اس میں موجود دوسرے مقامیوں کے نام اور فون نمبر نوٹ کرتے ہوئے میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ فائل میں موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخری کاغذ کی تاریخ تقریباً چھ ماہ پرانی تھی جبکہ رستم ایرانی کے بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کے اخباری بیان کو مشکل سے دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اکرم الٰہی نے بتایا تھا کہ اس بیان کا متن فورڈ فاؤنڈیشن سے فیکس پر موصول ہوا تھا جو مقبول چوہدری نے اپنی تنظیم کی طرف سے جاری کردیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ فیکس کہاں تھا!

میرے ذہن میں یہ نکتہ محفوظ تھا کہ اکرم الٰہی کی طرف سے ریکارڈ کے ذریعے بلیک میلنگ کا علم ہوتے ہی فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اس سے تحریری پیغامات کے تبادلے کا سلسلہ موقوف کردیا تھا تو رستم ایرانی کے لیے فیکس کیوں بھیجا؟ اس سوال کا جواب دینے والے دونوں افراد جہنم واصل ہوچکے تھے اور وہ فیکس غائب تھا۔

میں نے فرض کرلیا کہ غیر اہم پیغامات کے لیے شاید فیکس اور ٹیلکس وغیرہ استعمال کیا جاتا رہا ہو یا پھر اکرم الٰہی کی جگہ مقبول چوہدری کے آنے کے بعد فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اپنی پالیسی کچھ نرم کرلی ہو۔ صورت جو بھی رہی ہو' وہ فیکس مقبول چوہدری کو موصول ہوا تھا اور اس نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد اس پیغام کو ضائع کردیا۔

اس ذہنی مشقت سے فارغ ہوکر میں نے سر اٹھایا تو کمرے میں میرے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ کسی اندرونی کمرے سے ویرا کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویرا کی عادات اور حرکات سے بے زاری کے مسلسل اظہار کے باوجود غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے زیادہ دیر تک اس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنی نوک جھوک سے کسی کو بھی ذہنی اضمحلال کا شکار نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی اس خوبی کی بنا پر ویرا کی شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش پیدا ہوگئی تھی کہ اس سے ملنے والے ہمیشہ کے لیے اس کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔

ویرا کی مے نوشی کے اختتام پر ہم کھانے کی میز کے گرد جمع ہوئے' کسی کے چہرے پر تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ویرا اپنے دھیمے اور مخمور لہجے میں سب سے باتیں کررہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں کی چمک گہری ہوچکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر تیزی سے کمرے کی طرف دوڑا اور ریسیور اٹھالیا۔

"مرنے والا ایک بدنام دہشت گرد اور ڈکیت تھا" دوسری طرف سے حامد اطلاع دے رہا تھا "اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر تھا۔ یہ واقعہ مقامی پولیس کے کھاتے میں گیا ہے۔"

"اس کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نواب شاہ میں قتل اور ڈکیتی کی ایک بڑی واردات کے بعد

فیروپائرین (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1956

T.M. Reg. 7635

فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کردیتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کردیتی ہے۔
فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کرکے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کرکے ورم اور سوزش اتارتا ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کرکے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے۔
فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا لبانے کا سبب بنتے ہیں۔
فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کرکے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔
فیروپائرین جراثیم کش ہے زخموں پر لگائی جاسکتی ہے۔

Packing
10 ml Rs. 12.00.
25 ml Rs. 24.00

ہر اچھے گھر کی ضرورت

تیار کردہ: فیر لیبارٹریز O/1084، غازی روڈ، راولپنڈی۔ فون (051-451631)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ روپوش تھا۔ فی الحال مفرور مجرموں کی فہرست سے اس کی شناخت ہوئی ہے۔ یہاں ایک جشن کی سی کیفیت ہے۔ تفصیلات بعد میں مل سکیں گی۔"

"تم نے ابھی تک اس کا نام نہیں بتایا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نام بدل بدل کر وارداتیں کرتا تھا۔ اکبر ملاح' دھنی رام اور کھیرو مل جیسے کئی نام ریکارڈ پر ہیں۔"

"اس کا اصل نام دھنی رام ہے!" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"اب تم جاکر آرام کرو۔"

فون بند کرنے کے بعد مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ اپنے چکروں میں پڑکر میں حامد کو بھول ہی گیا تھا اور وہ بے چارہ ایک بے مصرف بات معلوم کرنے کے لیے اس وقت تک تھانے میں بندھا بیٹھا تھا۔

دھنی رام کا قصہ تازہ ہوا تو سلطان شاہ کو پھر صحرا کا دفتر یاد آگیا۔

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ان بدمعاشوں کی سرکوبی کے لیے ہمیں حیدر آباد ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔" ویرا نے خفگی سے کہا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ دفتر بند ہوچکا ہوگا" سلطان شاہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت تم مراد ظریف کو قابو کرنے میں کامیاب ہوجاؤ تو میں حیدر آباد میں موجود رہوں۔ تم فون پر مجھے ایک اشارہ دوگے اور میں صحرا کے دفتر کا کریا کرم کردوں گا۔"

دوسروں نے سلطان شاہ کی اس تجویز پر کان نہیں دھرا مگر میرے لیے وہ مشورہ قابلِ غور تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "ٹھیک ہے.... تم غزالہ کو ساتھ لے کر گاڑی سے حیدر آباد نکل جاؤ۔ وہاں جس ہوٹل میں ٹھہرو' فون پر ہمیں بتادینا تاکہ ضرورت پیش آنے پر تم سے رابطہ کیا جاسکے۔ یہ خیال رکھنا کہ صحرا کے دفتر میں بیٹھنے والا کوئی تنخواہ دار نادار آدمی بھی ہوسکتا ہے۔"

"اس کے رنگ ڈھنگ سے ہی پتا چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔" سلطان شاہ نے خوش ہوکر کہا "تمہیں میری طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

ویرا کے لیے میرا وہ اعلان غیر متوقع تھا۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا "جانا ضروری ہے تو پھر غزالہ کو یہیں روک لو۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ حیدر آباد چلی جاتی ہوں' اس بہانے میری آب و ہوا بھی تبدیل ہوجائے گی۔"

سلطان شاہ کے چہرے کے نقوش پر فریاد ہی فریاد ابھر آئی مگر اس کے زبان کھولنے سے پہلے میں بول پڑا "نہیں' تم نہیں جاؤ گی۔ تمہاری وجہ سے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں" غزالہ مسکراتی ہوئی میز سے اٹھ گئی۔

میرا فیصلہ سن کر سلطان شاہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات سمٹ آئے اور ویرا چڑچڑے لہجے میں احتجاج کرنے لگی "مجھ میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ میں سلطان شاہ کے لیے مسائل کھڑے کردوں گی؟"

"خرابی یہ ہے کہ تم ہر وقت جلنے بھننے کے باوجود اب بھی سفید فام ہو۔ حیدر آباد چھوٹا سا قدامت پرست شہر ہے۔ تم جہاں سے گزروگی' ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ اس معاملے میں بے جا ضد نہ کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے اپنا منہ کالا کرنا ہی پڑے گا" ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

"ڈان مرسیانو کی نگرانی میں تم یہ کام کرتی رہی ہو۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے" گلوخلاصی کا یقین ہوتے ہی سلطان شاہ کی شگفتہ مزاجی دوبارہ عود کر آئی "مم.... میرا مطلب میک اَپ وغیرہ سے ہے۔"

ویرا کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر اسے فوراً ہی اپنے طنز کی وضاحت کرنی پڑ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس وقت غزالہ میز پر موجود نہیں تھی۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاید سلطان شاہ کا گہرا مذاق بلکہ طنز ذرا بھی ہضم نہ کرپاتی۔ ویرا نے غزالہ کی خالی کرسی پر ایک نگاہ ڈالی اور ترشی سے کہا۔ "تم نے اب کبھی میرے سامنے ڈان مرسیانو کا نام لیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"بہت بہتر!" سلطان شاہ نے سر جھکا کر سعادت مندی سے کہا۔ "مگر تم نے ڈینی کا یہ فیصلہ ضرور سن لیا ہوگا کہ تمہارے حیدر آباد جانے سے میرے لیے کیسے سنگین مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔"

"تم جاؤ' مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دعائیں نہیں' بددعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اس کی بات اڑا دی۔

"ویرا! تم اس کے ساتھ زیادتی کررہی ہو" میں نے اسے ٹوکا۔

"دعا نہیں دے سکتیں تو خاموش ہی رہو۔"

ویرا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کھانا ختم کرکے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی' میز سے اٹھ گئی۔

"بعض اوقات تم بہت بونگی بات کہہ جاتے ہو" ویرا کے چلے جانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں سلطان شاہ کو نصیحت کی "مذاق کو مذاق کی حد تک رہنا چاہیے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے رنجشیں پیدا ہوجاتی ہیں۔"

"بس وہ بات میری زبان سے پھسل ہی گئی ورنہ میں نے کبھی بھی اس کے ماضی کو نشانہ نہیں بنایا۔"

یہ ایک اچھی علامت تھی کہ خود اسے بھی اپنی غلطی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس ہو چکا تھا۔

ایک بجے کے قریب وہ دونوں گاڑی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں رخصت کر کے میں ویرا کے ساتھ پہلی منزل پر گیا تو اکبر علی' ویرا کی دی ہوئی مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دوسری منزل پر اکرم الٰہی کے کمرے میں آ گئے۔

میرے دل میں رہ رہ کر ویرا کی دعا اور بددعا والی بات چبھ رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کو چلتے چلتے تاکید کر دی تھی کہ وہ حیدر آباد کے کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالتے ہی مجھے فون کرنا نہ بھولے۔

ویرا کمرے میں پہنچنے کے بعد میرے روبرو کرسی پر بیٹھ کر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی "سچ سچ بتانا کہ غزالہ جانے سے پہلے تمہیں میرے بارے میں کیا ہدایت دے کر گئی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں فضول باتیں نہیں سوچتے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"کیا اسے اندازہ ہے کہ میرے اور تمہارے مراسم میں اب بھی کبھی کبھی بہت قرب پیدا ہو جاتا ہے؟"

"وہ دودھ پیتی بچی نہیں' سمجھ دار اور شادی شدہ عورت ہے۔ میرے اور تمہارے مراسم سے خوب واقف ہے۔ وہ اس بارے میں مجھ سے کبھی بات تک نہیں کرتی' خوش ہے کہ اسے اس کا جائز مقام ملا ہوا ہے۔"

"امریکا سے ہماری واپسی کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں پوچھا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھ سے کچھ پوچھا' نہ تمہارے ساتھ رویہ تبدیل کیا' تم نے کوئی تبدیلی محسوس کی ہو تو خود ہی بتا دو!"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری بیوی ہوتے ہوئے وہ یہ سب کیسے برداشت کر لیتی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کوئی بیوی اتنی چشم پوشی سے کام لے سکتی ہے۔ یہ سب انسانی سرشت کے خلاف ہے۔"

"ہم دونوں کے شب و روز تمہارے سامنے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے حال میں مگن رہتی ہے۔"

"وہ اپنی مجبوریوں کو سمجھتی ہے" ویرا نے اٹھ کر اپنے لیے پھر ایک گلاس بناتے ہوئے کہا "جانتی ہے کہ تم سے بگاڑ کر کہاں جائے گی۔ اس کے خاندان میں اب کوئی بھی نہیں ہے' اس کا سفینہ جل چکا ہے۔"

وہ مجھے ورغلانے اور اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم فضولیات میں الجھ رہی ہو۔ بدترین مجبوریاں بھی انسان کی فطرت کو نہیں بدل سکتیں۔ ہماری جبری شادی سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم نے اسے کیوں اغوا کرایا تھا۔ تمہاری فطرت میں رقابت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' وہ درگزر کی قائل ہے۔"

"لو! یہ تمہارے لیے ہے" ویرا نے اپنا بنایا ہوا گلاس میری طرف بڑھا دیا "یہ نہ کہنا کہ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔ اس وقت کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ رات لمبی ہے جو ہمیں مل جل کر گزارنی ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی چمکتی ہوئی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے ارادے کسی بھی طرح نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا "میں نے غزالہ یا سلطان شاہ کے دباؤ سے نہیں' از خود شراب چھوڑی ہے۔ یہ تم ہی کو مبارک ہو بلکہ گلاس سمیت دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔"

"خوف!" وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم بولنے پر آتے ہو تو الفاظ کے معنی تک بدل ڈالتے ہو۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی غیر معمولی سرخی اس خوف کی چغلی کھا رہی ہے جو تم مجھ سے محسوس کر رہے ہو" یہ کہتے ہوئے وہ میرے برابر میں ہی مختصر سے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرا بازو تھام

عیسائی ڈاکٹر کا حیرت انگیز کمال

پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں ایک عیسائی ڈاکٹر نے میرے مطب کے چند کامیاب نسخوں کو اپنے مریضوں پر آزما کر انکا کامیاب علاج کیا۔ تو وہ میرا اور بھی گہرا دوست بن گیا پھر وہ ریٹائر ہو کر انگلستان چلا گیا۔ یہ دوستی پھر خط و کتابت کی صورت میں جاری رہی' وہ میرے بہت سے نسخے تو اپنے ساتھ لے گیا' لیکن اپنی دواؤں کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ آخر انتقال سے ایک سال قبل ڈاکٹر ولیم نے اپنا ایک مشہور نسخہ مجھے تفصیل سے لکھ کر بھیج دیا۔ جو کہ کمزور نوجوانوں کو بہت کم دنوں میں قابل فخر صحت کا مالک بنا دیتی تھیں میں نے خاص بیماریوں کا نسخہ پاتے ہی فوراً دوائیں تیار کر کے اپنے مطب میں آنے والے بالکل کمزور نوجوانوں کو استعمال کرائیں خدا نے میرے مریضوں کو مکمل شفا عطا فرمائی اور ساتھ ہی میرے مطب کو ایسی شہرت بخشی جیسی ولیم کو اپنے ملک میں حاصل تھی۔ اس نسخہ کے استعمال کے فوراً بعد ہی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے سدا نوجوانی کا راز پا لیا ہو۔ مایوس مریضو! یہ اشتہار نہیں بلکہ حقیقت ہے اگر خدانخواستہ آپ بھی کسی ایسی ہی شکایت میں مبتلا ہوں تو آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ روانہ کر دیں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائیگا۔

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا۔

"تم یقین کرو کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ شاید بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا چہرہ تمتما رہا ہوگا" میں نے بہت نرمی سے کہا "تم اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا پھر میرے کان کی لو کو ہولے سے کھینچ کے بولی "میں آتش نہیں مگر آتش صفت ضرور ہوں۔ تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر مجھے خود شناسی کی کیسی کیسی بھٹیوں سے گزارا تھا..."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "میں سلطان شاہ کے بے ہودہ مذاق پر شرمندہ ہوں۔ میں نے اس کی گوشمالی بھی کی ہے۔ اب تم ڈان مرسیانو کا نام لے کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔"

اس نے میری پوری بات سکون سے سنی پھر کہا "میں نے اس کے مذاق کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ میں نے اسے سخت جواب صرف اس لیے دیا تھا کہ کہیں وہ غزالہ کے سامنے بھی ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھے۔ غزالہ کے سامنے میں سربلند رہنا چاہتی ہوں" اس نے رک کر رائل سیلیوٹ کا مزید ایک لمبا گھونٹ لیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہاں، تو میں کہہ رہی تھی کہ من آنم کہ من دانم۔ میرے قرب سے روم کے بڑے بڑے امرا اور جاگیرداروں تک کے چہرے تمتما اٹھتے تھے۔ تم تو ابھی نوجوان بلکہ بہت کم سن ہو۔"

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟ مجھے کیوں تنگ کر رہی ہو؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مجھ سے یہ جھوٹ مت بولو کہ تمہیں نیند آرہی ہے۔ تمہیں سلطان شاہ کے فون کے انتظار میں جاگنا ہے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے حیدر آباد نہیں پہنچے گا۔ یہ وقت عیش میں گزار لو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیا ہوا شباب اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔"

ویرا نے میرا جواب سنے بغیر اچک کر دیوار گیر سوئچ آف کر دیا اور کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔

"ہائیں ہائیں!" میں بوکھلا گیا کیونکہ ویرا کے گلاس سے کچھ اسکاچ چھلک کر میرے چہرے پر آرہی تھی "روشنی کرو۔ کسی بھی وقت مراد یا سلطان شاہ کا فون آسکتا ہے۔"

اندھیرے میں اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "فکر نہ کرو۔ فون کی گھنٹی کی آواز اندھیرے میں بھی بالکل صاف سنائی دیتی ہے۔"

○☆○

آدھا دن گزر گیا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی۔ انتظار کرتے کرتے طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ رات گئے سلطان شاہ کے حیدر آباد پہنچنے کی تصدیق ہو چکی تھی۔ وہ بھی وہاں بیٹھا انتظار میں سوکھ رہا تھا لیکن شکایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہ خود اپنی مرضی سے بلکہ اصرار کرکے حیدر آباد گیا تھا۔

دن میں اس سے دو مرتبہ میری بات ہو چکی تھی۔ اس دوران میں وہ ہیر آباد میں واقع صحرا نامی این جی او کے دفتر کا جائزہ لے آیا تھا۔ وہ واقعی ایک اجاڑ اور خستہ حال کمرا تھا جس میں ایک میز، دو کرسیوں اور ایک ناکارہ ٹیلی فون کے سہارے غیر سرکاری تنظیم کے دفتر کا نام دے دیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھنے والا بھی دفتر کی طرح ایک مسکین سا لڑکا تھا۔

جی آر کے ذریعے اول خان وہ معلومات پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ سلطان شاہ کی چشم دید گواہی کے بعد میں ایک مرتبہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ صحرا جیسی بے یارومددگار بلکہ کاغذی تنظیم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اس کی سرپرستی اور بھاری مالی اعانت کرنی پڑ گئی تھی۔

وہ واضح طور پر بے زر و بے گھر مگر محنتی کارکنوں کی خدمات کی خرید و فروخت کا پراسرار معاملہ تھا۔ جس میں ساری اہمیت صرف اور صرف مراد ظریف کی تھی جو اپنی نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا این جی او کے ذریعے آخر کار اپنے خوابوں کی مالی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس خبیث نے مجھ سے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر غائب تھا۔

دو بجے اول خان بھی اپنی دفتری ذمے داریوں سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر آپہنچا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ اور غزالہ کو حیدر آباد کی طرف دوڑ لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی دانست میں وہ وقت کے ضیاع کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہم حیدر آباد میں ان دونوں کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

تین بجے پہلی خبر آئی جو ہم سب کے دلوں کو اداس کر گئی۔ حامد نے اسٹیشن فور سے۔ اول خان کو فون پر اطلاع دی کہ حیدر آباد میں نامعلوم کار سواروں نے جی آر یا غلام رسول بھمرو کو دورانِ سفر گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

واقعے کی تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ جی آر اپنی موٹر سائیکل پر لطیف آباد سے ٹھنڈی سڑک کے راستے رانی باغ کی طرف جا رہا تھا کہ خلاموشی سے اس کا پیچھا کرنے والی کار اس کے برابر میں آئی۔ گاڑی سے اس کی کھوپڑی پر دو فائر کیے گئے اور وہ کار برق رفتاری سے کوثر ہی جانے والے اسی راستے پر فرار ہو گئی۔

جی آر موٹر سائیکل سمیت سڑک پر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس واقعے کے عینی شاہدین دوڑتے ہوئے اس کی مدد کو پہنچے تو وہ ہر دیکھ بھال کی ضرورت سے بے نیاز ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملا تھا۔

"جی آر کے مارے جانے سے مجھے ذاتی طور پر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" اول خان سنانے وہ تفصیل سنانے کے بعد کہا "میں نے اسے مراد ظریف کے پیچھے لگایا تھا۔ ابھی اسے اس کی خدمات کا معاوضہ بھی ادا نہیں کیا گیا تھا کہ اس کا خون ہو گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ مراد کا کام معلوم ہوتا ہے" ویرا نے اطمینان سے کہا۔ "اس نے ابھی تک ڈیبی سے رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کل رات ہی حیدر آباد لوٹ گیا۔ اسے خلش تھی کہ اس کے موبائل کا نمبر ہم تک کیسے پہنچا۔ چھان بین کے بعد اسے پتا چل گیا ہوگا کہ جی آر شہر میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا..."

"یہ سو فیصد اس کا یا اس کے آدمیوں کا کام ہے" اول خان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنا فیصلہ سنا دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "ذرا سلطان شاہ سے کہو کہ صحرا کے دفتر کا جائزہ لے ڈالے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد وہاں پہنچا ہو۔"

"وہ خود بے کار بیٹھے بیٹھے بے زار ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ وہاں کا چکر لگا چکا ہے۔ میں اسے دوبارہ وہاں بھیجتا ہوں۔ وہ بہت شوق سے جائے گا" یہ کہہ کر میں نے بلا توقف فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"وہ ایک دفعہ اُدھر جا چکا ہے تو اسے دوبارہ نہ بھیجو۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ سلطان شاہ ان کی نظروں میں آگیا تو مشکل ہو جائے گی۔ جی آر جیسا زیرک آدمی ان سے نہیں بچ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

اول خان بھی سلطان شاہ کی عزت کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو جی آر سے کم تر تصور کیا تھا۔ میں خاموش رہا لیکن ویرا بھڑک کر بول پڑی "خطروں سے لڑ کر زندہ رہنا ہی مردانگی ہے۔ سلطان شاہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ آسانی سے مار لیا جائے' اسے وہاں ضرور بھیجو۔"

پچھلی رات ویرا نے مجھے ہلکان کیے رکھا تھا۔ وہ نشے کی ترنگ میں اور دیر تک جاگنے کے موڈ میں تھی۔ طرح طرح کے حیلوں' طریقوں اور اپنائیت سے مجھے تنگ کرتی رہی پھر آسودہ ہو کر گہری نیند سو گئی۔ اس وقت وہ سلطان شاہ کا یوں دفاع کر رہی تھی جیسے وہ اس کا مرد ہو اور اس کی مردانگی ویرا کے لیے عزت کا معاملہ ہو۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی ایک پہیلی تھی۔

وہ ہوٹل کا فون تھا۔ لائن پر آپریٹر کی موجودگی کی وجہ سے میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ نمبر ملاتے ملاتے مجھے خیال آیا کہ میں دو مختلف آپریٹروں کے ذریعے سلطان شاہ سے بات کر چکا تھا اور لب و لہجے سے دونوں سندھی معلوم ہوئے تھے۔ وہ اردو اور انگریزی ضرور بول سکتے تھے لیکن پشتو زبان کو سمجھنا ان کے بس سے باہر تھا۔

میں نے جلدی سے ریسیور اول خان کو تھما دیا اور کہا "اسے پشتو میں پوری بات سمجھا دینا۔"

اول خان ذہین آدمی تھا۔ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ لائن ملنے پر اس نے آپریٹر سے سلطان شاہ کا کمرا مانگا اور پھر پشتو میں بولنا شروع کر دیا۔ میری طرح ویرا پشتو سے نابلد نہیں تھی۔ ہیروئن کی خرید و فروخت کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کے بار بار کے سفر میں اس نے اس زبان پر خاصی قدرت حاصل کر لی تھی جو اس کے کام آتی تھی۔

اول خان کی گفتگو زیادہ طویل نہیں تھی لیکن ریسیور رکھتے ہوئے وہ مطمئن تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ٹھنڈی سڑک پر ایک موٹر سائیکل سوار کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی تھی مگر سلطان شاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ مارا جانے والا اول خان کا مخبر جی آر تھا۔

ہم اس نئے اقدام کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"بوب رافیل کے کیریئر کی بربادی کے بعد سے تم کہاں غائب ہو؟" دوسری طرف سے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا گیا اور آئی پی کے جلال کی آواز پہچان کر میرا دل خوش ہو گیا۔ مراد ظریف کے بارے میں وہ ہماری کوئی نہ کوئی مدد کر سکتا تھا۔

"وہ پرسوں کی بات ہے۔ ہمارے رابطے کو اتنے زیادہ دن تو نہیں ہوئے!"

"یہاں اب تک تمہارے چرچوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ طبیعت خوش ہوتی ہے کہ تم میرے ذاتی دوست ہو۔"

"ڈپلومیسی چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ اس وقت کیسے یاد کیا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"مراد ظریف نام کا ایک آدمی میرے اسٹاف کی نظروں میں آیا مگر پھر جل دے کر نکل گیا۔ میں اس کے بارے میں بہت فکر مند

نقصان

آفاقی صاحب لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے تو ایک شام ہوٹل کا مالک گپ شپ کرتے ہوئے خاصے غمزدہ لہجے میں انہیں بتانے لگا "کاروبار بہت مندا جا رہا ہے... میں تو اس ہوٹل کی طرف سے فکر مند ہو چلا ہوں۔"

"لیکن مجھے تو ہمیشہ آپ کے ہاں ایڈوانس بکنگ کرانی پڑتی ہے اور . . . میں آتا ہوں تو باہر "نو ویکنسی" کا بورڈ لگا ہوتا ہے" آفاقی صاحب نے قدرے حیرت سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے..." مالک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "لیکن پہلے ہمارے ہاں سے روزانہ کم از کم چالیس پچاس افراد کمرا نہ ملنے پر مایوس واپس جایا کرتے تھے۔ اب صرف پندرہ بیس واپس جاتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔ اگر ہو سکے تو تم اس بارے میں کوئی خیر خبر نکالنے کی کوشش کرو" جلال فوراً مطلب کی بات پر آگیا۔

میں اس اتفاق پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اس سے امید باندھے بیٹھا تھا اور وہ مراد کے بارے میں مجھ سے مدد کا خواہاں تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ "یہ پاکستان کے کس شہر کا قصہ ہے؟"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ میں وہاں کے علاوہ کس شہر کی بات کر سکتا ہوں۔"

"شاید تم بہت اختصار سے کام لے رہے ہو۔ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہیں اپنے مطلوبہ شخص کے نام کا علم کیسے ہوا؟ ایسا تو نہیں کہ تمہیں کوئی دھوکا ہوا ہو؟"

"ذرا لمبی لیکن دلچسپ کہانی ہے۔ یوب رائیل کا قصہ نمٹنے کے بعد ہم نے کراچی میں جان اسمتھ کی سخت نگرانی شروع کر دی تھی" دوسری طرف سے جلال بتانے لگا "وہ پورے جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ ایران اور افغانستان میں جاری سی آئی اے آپریشنز کا نگراں ہے اور اسلام آباد کے بجائے نہایت خاموشی سے کراچی میں دبکا ہوا بیٹھا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی میں اتنی گہری دلچسپی کیوں لے رہا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں؟"

"اول خان کا خیال ہے کہ اسلام آباد میں آئی بی اور آئی ایس آئی کا نیٹ ورک بہت مضبوط اور فعال ہے۔ جان اسمتھ کو ان دونوں اداروں کے عقابوں سے بچانے کے لیے کراچی میں مامور کیا گیا ہے۔"

"صرف یہ سبب نہیں ہو سکتا۔ پوری بات سن کر تم بھی مجھ سے متفق ہو جاؤ گے۔"

"میرا سوال رہ گیا۔ اس وقت میرے لیے مراد ظریف ہر شخص سے زیادہ اہم ہے۔"

"میں اسی طرف آ رہا ہوں۔ یہاں کے حالات کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کی نقل و حرکت بہت محدود کر دی گئی ہے۔ انہیں اجنبی مقامیوں سے ہر قیمت پر دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن کل رات، دفتری اوقات کے بعد ایک پاکستانی، امریکی قونصل خانے پہنچا تھا۔ اس وقت جان اسمتھ اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ وہ پاکستانی جان اسمتھ سے ملنے کے بعد ٹیکسی سے واپس روانہ ہوا تو میرے آدمی نے اس کا پیچھا کیا۔ صدر کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ایم اے جناح روڈ پر میرا آدمی ٹیکسی کے قریب پہنچا تو وہ خالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "وہ راستے میں دروازہ کھول کر کہیں اتر گیا ہو گا؟"

"ہاں! ڈرائیور نے بتایا کہ محبوب کلاتھ مارکیٹ والے سرخ سگنل پر وہ ڈرائیور کو سو روپے کا نوٹ تھما کر اچانک ہی رکے ہوئے ٹریفک میں اتر گیا۔ ڈرائیور نئے مسافر کی تلاش میں آگے نکلتا چلا گیا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ اس پاکستانی کا نام مراد ظریف تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"قونصل خانے کے سیکیورٹی رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج ہے۔ وہ صرف اٹھارہ منٹ بعد وہاں سے نکل آیا تھا۔ ان کے سیکیورٹی اسٹاف میں ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔ ہر سفارتی عمارت میں سرکاری طور پر ہمارے کچھ نہ کچھ آدمی ضرور شامل ہوتے ہیں۔ عام طور پر انہیں ریکارڈ وغیرہ سے دور اور الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں لیکن گیٹ پوسٹ پر موجود سیکیورٹی رجسٹر کو کہیں بھی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ پتا نہیں مراد کون تھا اور وہاں کیوں گیا تھا؟"

"مراد، صحرا نامی ایک این جی او کا سربراہ بلکہ مالک ہے جو کچھ عرصے پہلے تک کوچہ نوردی کرتا تھا۔ اب اچانک مالا مال ہو گیا ہے۔ میں خود بھی کل سے اسی کے چکر میں ہوں۔"

میرا وہ انکشاف جلال کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثابت ہوا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس کے ایک پیچیدہ ترین سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے تیار تھا۔ میں نے اسے اپنی جملہ معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"وہ واقعی بہت مخلص اور محنتی انفارمر تھا" جی آر کے قتل کی خبر سن کر جلال نے اسے کھلے دل سے خراج تحسین پیش کیا "وہ کئی بار ہمارے لیے بھی کام کر چکا تھا۔ اس کی کارکردگی ہمیشہ قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔"

"اب مراد کی گردن پر ایک خون بھی ہے۔ میں اس کا منتظر ہوں لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ اس کی اصل ڈور جان اسمتھ کے ہاتھ میں آگئی ہے۔"

"تمہارے دام میں آتے آتے وہ پھسل کر ادھر کیسے نکل گیا؟" جلال متحیر تھا۔

"بظاہر مجھ پر اعتبار کرنے کے باوجود وہ میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے کسی ناپاک منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس دور تک کی متبادل ہدایات موجود رہی ہوں گی۔ مقبول چوہدری سے رابطہ مشکوک ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں جان اسمتھ اس کا نگراں مقرر کیا گیا ہو گا۔ اس نے وہاں پہنچ کر میری اور اپنی گفتگو دہرائی، جان نے اسے خاموشی سے لوٹ جانے کی ہدایت دی اور وہ حیدر آباد چلا گیا۔"

"میرے فون سے تمہیں یہ فائدہ تو ہوا کہ اب تمہیں اس مردود کا انتظار نہیں رہے گا۔ تم نے اس کے خلاف کافی مواد فراہم کر دیا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم اپنے طریقے سے اسے گھیرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اسے کیا کام سونپا ہے اور مراد کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

وہ جلال کا پیشہ ورانہ اخلاق تھا کہ اس نے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہمیں صحرا اور فورڈ فاؤنڈیشن یا فریڈم انٹرنیشنل کے رابطوں کا سراغ کیسے ملا؟

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اب ہماری لڑائی صرف این جی اوز کے خلاف رہ گئی ہو" میں نے کہا "فریڈم انٹرنیشنل کے بعد اب صحرا کا نام سامنے آیا ہے۔ پتا نہیں ابھی ایسے کتنے ادارے نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"سب کچھ کل ہی سامنے آگیا ہوتا۔ بدقسمتی آڑے نہ آتی تو اسے جان اسمتھ سے ملنے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور وہ اس وقت تمہارا قیدی بنا ہوا ہوتا۔ تم نے اسے بہت خوبصورتی سے گھیر کر مائیکرو سینٹر تک بلالیا تھا۔ وہاں اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد وہ آج دوبارہ اُدھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔"

میں نے اسے جزئیات نہیں بتائی تھیں' موٹے موٹے واقعات سنادیے تھے۔ ان کو جانے بغیر وہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ مراد ظریف کیسے نازک حالات میں نکل بھاگا تھا۔ اگر مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہوگیا ہوتا کہ وہ مقبول چوہدری کی عمارت میں موجودگی کا یقین کیے بغیر مائیکرو سینٹر میں قدم نہیں رکھے گا اور میں اسی وقت آواز بدل کر اسے مطمئن کردیتا تو بہت کچھ ٹالا جاسکتا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ میری غلطی نہیں تھی بلکہ حالات کے شدید دباؤ کا منطقی نتیجہ تھا۔

گنتی کے اعتبار سے عمارت کے اندر سات افراد موجود تھے' حامد اپنے چار آدمیوں کو لیے باہر تیار تھا مگر فیصلہ کرنے کی ساری ذمّے داری صرف میری تھی۔ سات بجنے سے چند منٹ پہلے تک مجھے پورا یقین تھا کہ مراد میرے جال میں پھنسنے والا تھا۔ مجھ سے اس کی ذہانت کا اندازہ کرنے کی غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مکار تھا کہ اس نے اپنے مسکن سے کراچی کی راہ اختیار کرنے سے پہلے ہی اپنی معروف پجیرو کو خیرباد کہہ کر دوسری گاڑی سنبھال لی تھی۔ آخری لمحات سر پر آنے سے پہلے یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور وہ کن تیوروں کے ساتھ ہمارے مقابل آنے والا تھا۔

ایک دوسرے کو تازہ ترین تبدیلیوں سے بروقت باخبر رکھنے کے وعدوں کے ساتھ وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

"اس وقت صرف جان اسمتھ ہمارے سامنے ہے" میں نے فون بند کرنے کے بعد خودکلامی کے انداز میں کہا۔

"اسے ہرگز نہ چھیڑنا" اول خان میری خودکلامی پر چونک کر بول پڑا "درونِ خانہ سازشیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ جب تک امریکی' رابن مائریا بوب رائیل کے کیس کی طرح کھل کر سامنے نہیں آتے' ہمیں ان سے دور رہنا ہوگا۔ یہ اسپیشل ٹاسک فورس کی موجودہ پالیسی ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔"

"جب ایس ٹی ایف کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں تو تم دوسروں کے بارے میں خود اندازہ لگا سکتے ہو" اس بار وریا بولی تھی۔ "جان اسمتھ کی نگرانی ہوتی رہے گی۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکے گی۔"

"میں ایک حقیقت دہرا رہا تھا۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ امریکی افسروں کو اتنے تسلسل سے نشانہ بنانے کے لیے کتنے سنگین مضمرات ہوسکتے ہیں۔ اس وقت مسائل میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"بس اپنی پوری توجہ مراد ظریف پر مرکوز کردو۔ وہ بہت سفّاک اور خونی دشمن ہے۔ اس نے چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے جی آر کو قتل کرکے دھنی رام کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اس کی رسّی دراز نہیں ہونی چاہیے" اول خان نے کہا۔

"سوا چار بج رہے ہیں" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تشویش ظاہر کی "ابھی تک سلطان شاہ کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا۔ اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہوچکی ہوگی۔"

"کیا اس کا ہوٹل ہیر آباد سے قریب ہے؟" اول خان نے نرم آواز میں پوچھا۔

"ہاں' رسالہ روڈ پر کینٹ کے علاقے میں ہے۔ اسے اب تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔"

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ حیدرآباد فون کروں مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا کہ میرے فون سے غزالہ کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ سلطان شاہ کے نکل جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی ہوگی۔ میری ذرا سی فکرمندی اسے سنگین اندیشوں میں مبتلا کردے گی۔

ساڑھے چار سے ذرا پہلے فون کی گھنٹی بول اٹھی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے براہِ راست غزالہ کی رندھی ہوئی آواز آئی "سلطان شاہ کو گئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا ہے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ اسے کہاں تلاش کروں؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" میں نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے' رسانیت سے پوچھا۔

"ہوٹل کے کمرے سے کھل کر بات نہیں کرسکتی تھی اس لیے لابی کے کارڈ فون پر ہوں" میری آواز سن کر اس کے الفاظ بکھرنے لگے۔

"خود پر قابو رکھو اور کمرے میں جانے کے بجائے خاموشی سے ہوٹل چھوڑدو" میں نے اسے حوصلہ دلانے کے بجائے سختی سے کہا۔ "جیل روڈ پر پہنچ کر کوئی بس پکڑو اور سیدھی کراچی پہنچ آؤ!"

"اور سلطان شاہ؟" اس کی آواز میں گہرا کرب اور اضطراب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ں تھا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ اور خود کو بچانے کی کوشش کرو۔ یدہ کہیں پھنس گیا ہے۔"

"صبح وہ گیا تھا تو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں جائزہ لے کر یا تھا۔"

"اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ راز جلد کراچی پہنچنے کی کوشش کرو تاکہ ہم یک جا ہو کر سلطان شاہ ے لیے کچھ کر سکیں۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔"

"اگر وہ دیر سے آیا تو مجھے نہ پا کر پریشان ہو جائے گا" غزالہ لطان شاہ کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔

"وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ فوراً کراچی فون کرے گا اور اس کی ں ہو جائے گی مگر تم وقت برباد مت کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ کہیں س چکا ہے۔ تو اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔" میں نے ایک ایک لفظ ور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے جا رہی ہوں۔ رے...." باقی الفاظ غزالہ کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے اور فون کا لہ یکایک منقطع ہو گیا۔

"صبح سلطان شاہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا تھا' اب غائب ۔ میں نے غزالہ کو بس سے کراچی بلا لیا ہے" میں نے جذبات ے عاری لہجے میں اعلان کیا "خدا کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔"

"ذرا سی دیر میں یہ تیسری بُری خبر ہے" اول خان نے اپنی یاں مروڑتے ہوئے کہا "پہلے جی آر کے قتل کی خبر آئی پھر جلال ۔ بتایا کہ پچھلی رات مراد دوبارہ جل دے کر نکلنے میں کامیاب یا' اب سلطان شاہ غائب ہے۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے کہنے پر نے اسے صحرا کے دفتر کی مزید دیکھ بھال کے لیے بھیجا تھا۔"

"تمہارا نہیں' یہ میرا قصور ہے" ویرا کا چہرہ بھی مایوسی سے ۔ گیا "تم نے منع کر دیا تھا مگر میں نے ڈینی سے اصرار کیا تھا۔ پھر ت کو بھی میں نے جانے سے پہلے اسے دعا نہیں دی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ یہ ہو جائے گا۔"

"ہمیں بعد میں بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے گا" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اپنی جیب سے ایک کاغذ ا اور اول خان کی طرف بڑھا دیا "یہ چار نام اور فون نمبر ہیں۔ میں سے ایک کراچی میں ہے۔ مجھے جلد از جلد اس کا پتا درکار ۔"

اول خان نے اس کاغذ پر سرسری نظر دوڑائی اور مجھ سے کچھ جھے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود میں انتقام کا جوالا ی زور پکڑتا جا رہا تھا اور میری طبیعت چاہ رہی تھی کہ اپنے منے آنے والی ہر رکاوٹ کو اپنی مٹھیوں میں پیس کر ریزہ ریزہ دوں مگر میں برداشت سے کام لیتا اور سگریٹیں پھونک پھونک کر کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ غزالہ خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ جائے گی مگر سلطان شاہ کی طرف سے میرا ذہن مایوسی کا شکار تھا۔

اول خان کو دیے جانے والے چاروں نام پہلے سے میرے پاس موجود تھے۔ وہ نام اور فون نمبر میں نے اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل سے حاصل کیے تھے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے ان چاروں کو مراد کا طاقت ور حامی اور سرپرست قرار دیا تھا۔

جب تک مراد کے ہاتھ آنے کی امید باقی تھی' میں نے ان چاروں میں سے کسی کو نہیں چھیڑا تھا کہ کہیں وہ مراد کو ہوشیار نہ کر دیں لیکن سلطان شاہ کے غائب ہو جانے کے بعد اگر اور مگر کی وہ تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ میں نے پوری طاقت کے ساتھ ان میں سے پہلے آدمی کی گردن ناپنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو میری پُرامید نظر اس کی طرف اٹھی کہ کہیں وہ سلطان شاہ کی کال نہ ہو۔ اول خان نے فون پر بات کی تو میری اس امید پر اوس پڑ گئی۔ وہ کسی سے پتا لے رہا تھا۔

وہ ناظم آباد کا پتا تھا۔ چمن علی نامی وہ شخص ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں رہتا تھا۔

پتا لینے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ شام کے پانچ بجے کسی بھی ملازمت پیشہ یا کاروباری شخص کا اپنے گھر پر موجود ہونا غیر یقینی تھا جب کہ میں اپنے شکار کی موجودگی کا پورا یقین کر لینے کے بعد ہی اس کی کمین گاہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

کراچی میں رات کے بارہ بجے کے بعد ہی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوں گے۔ میرے لیے وہ طویل انتظار ممکن نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ زندہ تھا اور مراد کی قید میں تھا تو اس کے لیے ہر گزرتا ہوا لمحہ ایک عذاب سے کم نہیں تھا۔

میں سوچتا رہا اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارتے رہے۔ چمن علی عیال دار بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کتنا ہی بدکردار اور سازشی ہو' اس کے اہلِ خانہ کے ساتھ بدسلوکی میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان سب کی موجودگی میں چمن سے زیادہ پر تشدد باز پرس بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بس ایک ہی صورت تھی کہ اسے گھر سے اٹھا لیا جاتا۔

"تم خاموشی سے مسلسل کیا سوچے جا رہے ہو؟" اول خان نے مجرمانہ احساس کے ساتھ سوال کیا۔

"اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا ہے؟"

"چمن علی کا نام تم نے اکرم الٰہی کی فائل سے نوٹ کیا ہے؟"

"پرچے پر لکھے ہوئے چاروں نام اسی فائل سے لیے گئے ہیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود ہو۔ اسے کیسے تلاش کیا جائے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صدمے سے تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

اول خان نے وہی کیا جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلا رہا تھا مگر ابھر کر سامنے نہیں آ رہا تھا۔ اس نے چمن علی کے لاہور سے آئے ہوئے دوست کے فرضی نام سے اس کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ علالت کی وجہ سے وہ اس روز اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔ فون اٹھانے والی خاتون نے چمن سے بات کرانے کی پیشکش کی مگر اول خان نے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

"زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں، بس دو آدمی کافی رہیں گے" میں نے اول خان سے کہا "ویرا گھر پر رک کر غزالہ کی واپسی کا انتظار کرے گی۔ وہ سات بجے کے بعد کسی بھی وقت مائیکرو سینٹر پہنچ سکتی ہے۔"

اول خان نے بتایا کہ اکبر علی کے زخم کی حالت بہتر تھی اور وہ تھوڑا بہت چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ اس کی رائے تھی کہ احتیاطاً ہم دونوں دلیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تو بہتر رہے گا۔ میں نے اس کی وہ تجویز قبول کر لی اور ہم تینوں اول خان کی گاڑی میں فوری طور پر ناظم آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

چمن کو اس کے گھر سے لانے کے لیے ہمارے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ بس یہ طے تھا کہ اسے ہر قیمت پر وہاں سے نکال لے جانا ہے۔ طریقہ کار اس سے ملنے کے بعد طے کیا جاتا۔ یہ بات ہم دونوں ہی سمجھ رہے تھے کہ وہ جس مزاج کا مالک ہو، آسانی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہو گا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کے نامزد کیے ہوئے مراد کی سخت جانی اور فطینی کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے تھے۔ بقیہ چاروں کے بارے میں بھی میں نے اسی قسم کا اندازہ قائم کیا تھا۔

ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں بیشتر مکان بڑے رقبے پر آباد ہیں مگر وہاں چھوٹے مکان بھی موجود ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چمن کا گھر ایک چھوٹے پلاٹ کی زیریں منزل پر تھا۔ دلیر اور اول خان کو گاڑی میں چھوڑ کر میں نے ہی نیچے اتر کر ڈور بیل بجائی تھی۔ جواب میں بھاری بدن کی ایک متوسط عمر والی خاتون نے دروازہ کھولا اور استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"میجر اسد!" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہم چمن علی سے ملنے آئے ہیں۔"

عورت کے چہرے پر پریشانی کے آثار ابھر آئے اور اس نے کہا "آپ ٹھہریں، میں انہیں بتاتی ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ راستہ دے دیں۔ ہم خود انہیں بتا دیں گے، معاملہ کچھ سنگین ہے۔" میں نے نہایت بے رخی سے کہا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر سلطان شاہ کا اذیت میں ڈوبا ہوا چہرہ ناچ رہا تھا۔

"یہ گھر ہے۔ یہاں فیملی رہتی ہے۔ کیا چمن کوئی مجرم ہیں جو آپ اس طرح پیش آ رہے ہیں۔"

میرے جواب دینے سے پہلے اندر سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری "کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"کوئی میجر اسد ہیں۔ گھر میں آنا چاہتے ہیں" عورت نے پلٹ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اسی اثنا میں کرتے شلوار میں ملبوس ایک صحت مند شخص عورت کو ہٹا کر میرے سامنے آ گیا۔ چہرے مہرے سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"تم چمن علی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اس کا سر اثبات میں ہلتے ہی میں نے اپنی بات پھر شروع کر دی "تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ کوئی ہنگامہ کیے بغیر خاموشی سے گاڑی میں آ جاؤ۔"

"ہائے میرے خدا!" میری وہ ہدایت سنتے ہی چمن کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت تقریباً چیخ پڑی۔

"بیگم! تماشا مت بناؤ" چمن نے پلٹ کر غصے اور بوکھلاہٹ میں اپنی بیوی کو ڈانٹا "مجھے بات کرنے دو..."

"بات یہاں نہیں، ہمارے دفتر میں ہو گی۔ یہاں تم واقعی تماشا بن جاؤ گے۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود چمن کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں "سس.... سر! آپ کچھ تو بتائیں کہ میرا قصور کیا ہے؟ مجھے کس سلسلے میں لے جانے کی ضرورت پیش آ رہی ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے اسکالرشپ پر میں نے ورجینیا سے ایم بی اے کیا تھا۔ یہ برسوں پرانی بات ہے۔"

میرے ذہن میں کڑیاں مل گئیں۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا پرانا نمک خوار تھا۔ ورجینیا میں سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر موجود تھا۔ شاید دوران تعلیم ہی اس کے رجحانات دیکھ بھال کر اسے فاؤنڈیشن کی لسٹ پر لے لیا گیا تھا۔ میں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اگلا سوال کیا "مراد ظریف کو جانتے ہو؟"

مراد کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا "اندر آ جائیں۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

بس لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر رحم آیا پھر میرا دل سخت ہو گیا۔ سفید پوش طبقے کے بہت سے لوگ عبرت ناک امکانات کے بارے میں سوچے سمجھے بغیر کسی چھوٹی موٹی خود غرضی کے لیے جرائم کی دلدل میں اتر جاتے ہیں اور بظاہر موج کرتے رہتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو عزت کو خاک میں ملتا دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔"

میں نے اول خان کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں تیار بیٹھے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ے۔ فوراً ہی گاڑی لاک کرکے آگئے۔

چمن کی بیوی دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھامے پھٹی پھٹی نگھوں سے ہمیں دیکھتی رہی اور ہم تینوں، چمن کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے جو مختصر لیکن گھر کی طرح صاف ستھرا ر قرینے سے آراستہ تھا۔ دلیر خان، اول خان کے اشارے پر باہر ں گیا اور حاضر باش کی حالت میں ڈرائنگ روم کے داخلی دازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ ہم دونوں اندر صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"مزید گفتگو ہونے سے پہلے میں اپنا اجمالی تعارف کرادوں" ن نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے پرتشویش اور ذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں شریف اور عزت دار پاکستانی ں اور ایک غیر ملکی بینک میں اچھے عہدے پر ملازم ہوں..."

"تمہاری شرافت اور عزت کی شہرت ہی ہمیں تمہاری دہلیز پر ئی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کے درشتی سے کہا "ان زیروں کے بجائے اصل معاملے کی طرف آؤ۔ ہمارا وقت برباد ت کرو۔"

اس نے رحم طلب اور قدرے نم ناک آنکھوں سے میری رف دیکھا اور بولنے لگا "سب کچھ میری نیک نیتی سے شروع ہوا مگر اب مجھے علم ہوا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ مراد املات کو بہت غلط اور خطرناک رخ پر لے جارہا ہے۔"

"رکے بغیر تفصیلات بتاتے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں اٹھالے ئیں گے" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں امریکا میں تعلیم کے دوران میں فورڈ فاؤنڈیشن کی ہیومن ٹس کمیٹی کا سرگرم رکن تھا۔ گریجویشن، ماسٹر اور پھر دو سالہ زمت سمیت میں نے امریکا میں عزت اور خوش حالی کے چھ سال دارے پھر پاکستان آگیا۔ یہاں فورڈ فاؤنڈیشن کی سفارش پر مجھے یڈم انٹرنیشنل کی اعزازی رکنیت مل گئی۔ میں کبھی کبھی ان کے لاسوں میں شریک ہوتا اور چندہ بھی دیتا رہا۔ انہوں نے مجھے یت تحریر و تقریر کے شعبے کا نگراں مقرر کردیا۔ یہ میرا پسندیدہ ضوع تھا۔ اب سے کوئی آٹھ ماہ پہلے اکرم الٰہی نے مراد ظریف ے میرا تعارف کرایا۔ وہ پڑھا لکھا اور پرجوش نوجوان ہے۔ جو رکے بھوکے، پیاسے اور پس ماندہ باشندوں کے لیے بہت کچھ رگزرنا چاہتا ہے۔ میں اسے اَن پڑھ لوگوں کے لیے آسان اردو ں اسکرپٹ لکھ کر دیتا رہا تاکہ ان میں بیداری کی لہر پیدا ہو۔ مجھے ھ ہی عرصے پہلے پتا چلا ہے کہ مراد نے ان اسکرپٹس کو پس منظر ٹنری بنا کر ایسی فلمیں بنا ڈالیں جو دیہاتیوں میں شہری بالادستی کے اف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ تھر میں پانی کی بوند بوند کو ترسے ہوئے ب جب اسکرین پر کراچی کے بڑے بڑے بنگلوں کے لان کی رابی اور قیمتی گاڑیاں دھلنے کے مناظر دیکھتے ہیں تو ان سے نفرت وس کرتے ہیں۔ وہ اس طرح تھر میں بغاوت کی فضا پیدا کرنے توڑ کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ اب میں مجبور ہوکر اس کے مطالبوں کے مطابق اسکرپٹ لکھتا ہوں۔ نادانی میں کی جانے والی غلطی اب میری مجبوری بن چکی ہے۔"

"مراد حیدر آباد میں کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "مجھے صحیح علم نہیں ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے بڑے چکر میں پھنس چکے ہو۔ یہ واقعی ریاست سے بغاوت کا کیس ہے۔ تم نے زبان نہ کھولی تو تمہاری ساری عزت اور خوش حالی خاک میں مل جائے گی" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"وہ بہت سفّاک آدمی ہے۔ ہر وقت خون اور غارت گری کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ میرا گھر اجاڑ دے گا۔"

"تم اپنی زبان بند رکھوگے اور اسے ہمارے بارے میں نہیں بتاؤگے تو محفوظ رہوگے!"

اچانک اندرونی دروازے سے اس کی بیوی ڈرائنگ روم میں آگئی اور اپنا دوپٹا پھیلا کر چمن کے سامنے گڑگڑائی "تم سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان شریف افسروں نے تم پر احسان کیا ہے تو ہر بات بتادو۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی تم ایسی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ تم تو اپنے ساتھ ہم سب کو لے ڈوبوگے۔"

اس نے باقاعدہ بین کرنا شروع کردیا۔

وہ فضا مکدّر کررہی تھی لیکن میں نے اسے نہیں روکا۔ چمن کے لیے بیوی کے آنسو اور فریادی فقرے زیادہ اثر انگیز ہوسکتے تھے۔ چمن نے گھبرا کر اسے خاموش کرانا چاہا لیکن اس نے اپنے شوہر کو گریبان سے جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ آج کل حیدر آباد میں ہوتا ہے تو ہیر آباد میں گوپال چند کے گھر پر رہتا ہے" آخر کار چمن نے زبان کھول ہی دی۔

گوپال چند کا نام بھی اکرم الٰہی کے جمع کیے ہوئے کاغذوں میں موجود تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ چمن نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ناگہانی افتاد کے سامنے حوصلہ ہار بیٹھا تھا اور وہی ہماری کامیابی تھی۔

اسے گوپال چند کے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا مگر وہ گھر اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے نشانیوں کے ذریعے اتنی رہنمائی کردی کہ ذرا سی کوشش کے بعد ہم اس کے گھر پہنچ سکتے تھے۔

"یہ یاد رکھنا کہ مراد کو ہماری اس ملاقات کی بھنک بھی ملی تو تمہاری خیریت نہیں ہوگی" اول خان نے چلتے چلتے چمن اور اس کی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہم وعدہ خلافی ذرا بھی برداشت نہیں کرتے۔"

اسی لمحے مجھے ایک اور سوال یاد آگیا جو میں نے فوراً پوچھ ڈالا۔

"تم گوپال چند سے کیسے واقف ہو؟"

"میری اور اس کی ملاقات فریڈم انٹرنیشنل کے ایک اجلاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہوئی تھی۔ تعلقات بڑھے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی امریکا میں رہ چکا ہے اور فورڈ فاؤنڈیشن کا تاحیات رکن ہے۔" چمن نے بتایا۔

وہ مماثلت قابل غور تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے صرف ان ہی لوگوں پر اعتماد کرتے تھے جو امریکا میں ایک لمبی مدت تک ان کے قریبی مشاہدے میں رہے ہوں۔ کردار اور شخصیت کے مکمل تجزیے کے بعد ہی کسی کو فاؤنڈیشن کی رکنیت اور دیگر ذمّے داریوں کا اہل تصور کیا جارہا تھا۔

وہ عالمی بساط پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے جدید امریکی طریقے تھے۔ باہر سے اپنے چیدہ چیدہ نگراں مسلط کرنے کے ساتھ وہ عملی میدان میں مقامیوں سے کام لینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے جس کے نفاذ کے لیے منظم اور لمبی مدت کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے تھے جبکہ ان کے آلہ کار بننے والوں کو ابتدا میں شبہ تک نہیں ہوتا ہوگا کہ انہیں کسی سازش میں ملوث کیا جارہا ہے۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے عالمی شہرت یافتہ ادارے یا اس کی کسی کمیٹی کی رکنیت کو اپنے لیے اعزاز سمجھ کر قبول کرلیتے ہوں گے۔

چمن علی کے بارے میں ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ سلجھے ہوئے ذہن کا مالک تھا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر حالات سے مکمل سمجھوتا کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے اور یوں سلطان شاہ کی تلاش کا ابتدائی مرحلہ کسی الجھن یا تصادم کے بغیر طے ہوگیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک مراد کو گوپال چند کے مکان سے کہیں اور نکل جانے کا موقع نہ مل سکے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس کا نیا سراغ حاصل کرنے میں دانتوں پسینہ آسکتا تھا۔

"تم نے یہ نوٹ کیا کہ مراد کے ساتھیوں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد شامل ہے۔" ناظم آباد سے واپسی کے سفر میں اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے تبصرہ کیا "دھنی رام کے بعد اب گوپال چند کا نام سامنے آیا ہے۔"

"یہ صرف دو نام ہیں جب کہ مراد سمیت دوسرے مشتبہ افراد اپنے ناموں سے مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ سلطان شاہ بازیاب ہوجائے تو شاید یہ رخ بھی خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"چمن سے ملاقات کے بعد کم از کم یہ پتا چل گیا ہے کہ مراد کس سمت میں جارہا ہے۔"

"چمن سے اس کی استعداد کے مطابق ایک خاص کام لیا جارہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "جن لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی کے دو چلو اور کھانے کے لیے اناج کی ایک مٹھی تک دستیاب نہ ہو وہ ایسی فلموں میں کیا دلچسپی لیں گے۔ یہ ایک نظریاتی طریقہ تو ہوسکتا ہے مگر اس کی عملی افادیت مشتبہ ہے۔"

"بغاوت کے لیے فلم سازی کا نظریہ مجھے بھی احمقانہ لگتا ہے۔ میں مقصد کی بات کررہا تھا۔ مراد، مملکت اور اس کے مفادات کے خلاف کام کررہا ہے۔ پاکستان کے دشمن آج بھی اسے توڑنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"دشمنوں نے ہمیں کھلے دل سے تسلیم ہی نہیں کیا تو ان سے یہ شکوہ بے کار ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان مراد ظریف، کرم الٰہی اور مقبول چوہدری جیسے سانڈ پل رہے ہیں جو ہماری اپنی فصلوں کو روندتے پھرتے ہیں۔"

"شاید یہ لوگ ملّا سرکار والا منصوبہ ابھی تک لیے بیٹھے ہیں۔ اس کی موت کے کافی عرصے بعد ہم پر اس سمت سے وار ہوا ہے۔" اول خان نے وہ ذکر چھیڑ کر میرے پرانے زخم ہرے کردیے۔

"وہ بھی ہماری اپنی کمزوری تھی کہ ایک غیر مسلم ہماری آبادیوں میں روحانی پیشوا کے روپ میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب ہمارے اپنے آدمی کم و بیش اسی منصوبے کو آگے بڑھا رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکی اتنے تسلسل کے ساتھ کیوں ہماری شکست و ریخت کے درپے ہیں؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

کہنے کو میں نے اول خان سے وہ بات کہہ دی تھی مگر میں خود اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ امریکا نے ابتدا سے ہمیں ایک زیردست دوست کے روپ میں دیکھنا چاہا تھا۔ اس پر انحصار کرنے والے پاکستان سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی کیونکہ وہ ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں بھارت کو کھڑا کرنا چاہ رہا تھا۔ جب تک پاکستان اس منصوبے میں رکاوٹ نہیں بنا، سکھ چین سے رہا۔ جس روز سے ملک میں ایٹمی اور معاشی خود کفالت کا ڈنکا بجنا شروع ہوا، مصائب اور مسائل کا آغاز ہوگیا۔

وہ سب سیاست کے بکھیڑے تھے جن میں، میں نے کبھی بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ میرے سامنے ہمیشہ ملک و قوم کا مفاد رہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر پاکستان کے گلی کوچوں کی رگ رگ میں ہیروئن پھیلانے والی "شی" کے اصل مقاصد سے آگاہ ہوکر میں نے اس سے بغاوت کی تھی اور پھر اپنی ایک الگ راہ متعین کرلی تھی۔ وہ میرے لیے ایک نئی زندگی کی ابتدا تھی۔ میں استقامت کے ساتھ اپنی اس راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ حالات کی کھلی ستم ظریفی تھی کہ میرے راستے میں بعض سیاسی سنگ ہائے گراں بھی آتے رہے تھے۔ میں انہیں چوم کر چھوڑ سکتا تھا نہ انہیں عبور کرکے آگے نکل جانے کی قدرت رکھتا تھا۔

ان سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کردینے یا اسی کوشش میں خود ریزہ ریزہ ہوکر بکھرنے کے سوا میرے سامنے کوئی تیسری راہ کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس وقت بھی کچھ یہ ہی صورت تھی کہ مراد ظریف ایک منظم تخریب کار کے روپ میں میرے سامنے تھا، سلطان شاہ اس کی تحویل میں تھا۔ میں چاہتا تب بھی اسے نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ندازنہیں کرسکتا تھا۔

سلطان شاہ کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر بار میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ جی آر کی موت کی صورت میں مراد کی سفاکی کا ایک کھلا ثبوت سامنے آچکا تھا۔ مجھے بدترین خوف یہ تھا کہ کہیں مراد نے سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے کے بجائے ہلاک نہ کردیا ہو۔ ایک بات شدّت سے میرے اس خوف کی نفی کررہی تھی کہ مراد کو اس وقت تک یہ علم نہیں تھا کہ اس کے خلاف کون سی قوت میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہے۔ اپنے دشمنوں کے اصل چہروں سے واقفیت کے تجسّس کا تقاضا تھا کہ وہ سلطان شاہ کو اس وقت تک زندہ رکھتا جب تک وہ اپنے اور ہمارے بارے میں سب کچھ اگلنے پر آمادہ نہ ہوجاتا۔

مائیکرو سینٹر اور چمن علی کا گھر ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ ہم اپنی مہم سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر پہنچے تو وہاں ویرا تنہا اور اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ ہماری غیر حاضری میں فون بھی مسلسل خاموش رہا تھا۔ جلال سے بات ہوجانے کے بعد مجھے ذرا بھی امید نہیں رہی تھی کہ مراد مجھے فون کرنے کی کوئی کوشش کرے گا۔

حیدر آباد کے لیے ہمیں زیادہ نفری اور تیاریوں کی ضرورت تھی۔ میں اول خان کے ساتھ وہ بندوبست طے کرنے میں مصروف ہوگیا اس طرح میں غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں پیدا ہونے والے تفکرات کو بھی اپنے ذہن سے دور رکھ سکتا تھا۔ ہم افراد اور ہتھیاروں کی تعداد اور ترتیب کے بارے میں تقریباً ہر بات طے کرچکے تھے کہ غزالہ واپس آپہنچی۔

اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہورہی تھیں۔ شاید وہ دورانِ سفر شال میں منہ چھپا کر روتی رہی تھی۔

وہ جذبات سے اس قدر مغلوب ہورہی تھی کہ اول خان اور ویرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر' اندر آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ گھٹ کر اندر ہی اندر رو رہی تھی' ہونٹوں سے سسکیوں کے سوا کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ ہنستا ہوا گیا تھا کہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔" دل کا غبار ہلکا کرکے وہ ہچکیوں کے درمیان بتانے لگی "پتا نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ اس نے آج دوپہر میں ایک آدمی کو مار ڈالا۔ سلطان شاہ نے جانے سے پہلے بتایا کہ وہ غلام رسول تھا۔ کاش! اس نے حیدر آباد جانے کی ضد نہ کی ہوتی....!"

"اب یہ سب باتیں دہرا کر ہمیں اداس مت کرو۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیا "ہمیں بس تمہارا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم اس کی تلاش میں روانہ ہوجائیں گے۔ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا۔"

"حیدر آباد کافی بڑا اور گنجان شہر ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈیں گے؟"

"ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ مراد کے ایک ٹھکانے کا سراغ ملا ہے۔" اول خان نے غزالہ کو سمجھایا "ذرا اندھیرا ہوجانے پر ہم اسی گھر پر دھاوا بولیں گے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ زندہ ہوگا۔"

"اسے کچھ ہوا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گی۔" غزالہ پچھتاوے کے ساتھ بولی "میں اس کے ساتھ گئی ہوتی تو شاید یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح نکل ہی آتے۔"

میں نے دخل اندازی نہیں کی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا ہوا کہ غزالہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ دھر لیے گئے ہوتے تو غزالہ کی خاطر سلطان شاہ ان کے سامنے ذرا بھی مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ درندہ صفت دشمن صرف عورت کو مغلوب کرلینا ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ غزالہ کو بے دست و پا کرکے مراد' سلطان شاہ کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔

اول خان نے حامد کو فون پر تیاریاں مکمل کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ اسٹیشن فور پر ہتھیاروں اور نفری کے ساتھ ایک ٹرک اور جیپ تیار تھی۔ ہم چاروں کو وہیں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہونا تھا۔

دوسروں کی طرح میری توقعات بھی بہترین تھیں لیکن میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں خود کو بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار کررہا تھا۔ اس کی دو صورتیں ممکن تھیں۔ نصیب دشمناں' سلطان شاہ زندہ نہ ہوتا تو ہمارا سوگوار قافلہ اس کی لاش لے کر کراچی لوٹ آتا اور پھر بھرپور طاقت کے ساتھ مراد سے انتقام لینے کی تیاری شروع کردی جاتی۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ سلطان شاہ' گوپال چند کے مکان پر موجود نہ ہوتا۔ آپریشن کی کامیابی کے باوجود ہم سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں مجھے حیدر آباد میں ہی رکنا پڑتا۔ اس قیام کی طوالت کا انحصار نتائج کے حصول پر ہوتا۔ اس کے لیے اسی وقت کچھ تیاری ضروری تھی۔

ہم اپنا مختصر سامان سمیٹ کر وہاں سے روانگی کی تیاری کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا فون سے قریب تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر میں نے چیخ کر اسے روک دیا۔ میں مراد سے رابطے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

وہ وہی موہوم ترین متوقع موقع تھا۔ دوسری طرف سے مراد بول رہا تھا۔ میں نے پرسکون رہ کر مقبول چوہدری جیسی' بدلی ہوئی آواز میں کہا "ایم زی! تم نے میرا آج کا پورا دن برباد کرادیا۔ فون کرکے کم از کم یہی بتا دیتے کہ تم نہیں آرہے تو میں یہاں بندھا ہوا نہ بیٹھا رہتا۔"

"معاف کرنا' مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔" مراد کی آواز بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نرم تھی "کئی باتوں میں فرق کی وجہ سے میں متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر تم واقعی سائیں مقبول چوہدری ہو تو تمہیں علم ہوگا کہ متبادل راستہ کیا تھا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے جان سے ہدایات لی ہوں گی۔"

قیاس کے سہارے اندھیرے میں چلایا ہوا میرا وہ تیر نشانے پر لگا اور اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم سب کچھ جانتے ہو۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے۔ تم سے غلطیاں کیوں ہوتی رہیں....؟ جان نے مجھے تم سے دور رہنے کا حکم دیا ہے....؟ اس نے بتایا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کسی ایجنسی کا قبضہ ہے، تمہارا سایہ بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا مگر تم وہیں ہو اور مجھ سے بات کر رہے ہو۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت تم سے بات ہو سکے گی۔"

میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس نے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا تھا، میں اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ان ہی غلط فہمیوں کے چکر میں میرے ایک خاص آدمی کو زخمی کیا، اپنے ایک آدمی کو مروایا اور ابھی تک تم بے یقینی میں مبتلا ہو۔ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"اگر تم مقبول چوہدری ہو اور شاید ہو تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ ساری گڑبڑ تمہارے خاص آدمی نے کی تھی۔ اس نے مجھے شک میں ڈالا اور اسے اس کی سزا مل گئی۔ اب میں جان کے حکم کا پابند ہوں، تم سے نہیں مل سکتا لیکن یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح میرے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے ہیں مگر قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت اور دلچسپی ظاہر کی۔ میں اس کی زبان سے سلطان شاہ کے بارے میں جلد از جلد کوئی خبر سننے کے لیے مضطرب تھا۔

"ایک سرکاری انفارمر میرے بارے میں معلومات جمع کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا پھر آج ہی ایک مشتبہ آدمی صحرا کے دفتر کے پاس نظر آیا۔ اسے میں نے پکڑوالیا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کیا بولتا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سلطان شاہ زندہ تھا۔ میرا دل چاہا کہ مراد سے اس کی رہائی کے لیے کوئی سودے بازی کروں مگر وہ میری جذباتی سوچ تھی۔ میرا کہا ہوا کوئی بھی فقرہ سلطان شاہ کے لیے نت نئے عذابوں کا پیغام بن سکتا تھا۔

"غیر ضروری خوں ریزی سے بچو۔ یہ کبھی کبھی مصیبت بن جاتی ہے۔" میں اس سے سلطان شاہ کو زندہ رکھنے کی التجا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک عام سا مشورہ دے دیا۔

"مشورے کا شکریہ۔ وقت اور حالات نے اجازت دی تو جلد ہی حاضری دوں گا۔" اس کی آواز میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"اب میں مائیکرو سینٹر چھوڑ دوں گا۔ تمہاری فائرنگ کے بعد یہ ٹھکانا میرے لیے خطرناک ہو گیا ہے۔"

"وقت آنے پر میں خود تمہیں تلاش کرلوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار مراد نے اپنی مالی ضروریات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید جان نے اس کا وہ مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

سلطان شاہ کی زندگی کی نوید سن کر ان تینوں کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان آخری لمحات پر مراد خود ہی فون کر کے ہمیں وہ خوش خبری سنائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اگر مقدر کی یاوری سے وہ اس وقت تک زندہ تھا تو اس کی رہائی کی کوئی سبیل بھی پیدا ہو سکتی تھی۔

اس کے زندہ ہونے کی خبر نے ہمارے درمیان مسرت و شادمانی کی ایسی لہر دوڑائی کہ ویرا وائن کیبنٹ کی طرف جھپٹی اور اس میں سے وائٹ ہارس اسکاچ کی لیٹر والی دو بوتلیں نکال کر اپنے ساتھ لے لیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" غزالہ کی آواز بوجھل تھی، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک عجیب سی کیفیت رقصاں تھی "سلطان شاہ کی آزادی تک تم اس نابکار شے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔"

"یہ دونوں بوتلیں اس کی آزادی کا جشن منانے کے لیے لی ہیں۔" ویرا نے جخم کم کرنے کے لیے بوتلوں کو پیکنگ سے نکالتے ہوئے کہا "حیدر آباد تک یہ اسی طرح جائیں گی۔"

ہم نے غلط میں مائیکرو سینٹر کو خیرباد کہا۔ اکبر علی نیچے دلیر خان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اول خان نے انہیں عمارت کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور ہمارے پیچھے باہر آگیا۔

ہماری گاڑی سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ ہم تینوں اول خان کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"مراد پر رہ رہ کر ذہنی دورے پڑ رہے ہیں۔" راستے میں غزالہ نے کہا "کبھی وہ عقل و شعور سے اتنا عاری ہو جاتا ہے کہ انہیں مقبول چوہدری ماننے لگتا ہے اور کبھی بدک کر خوں ریزی پر تل جاتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک وہ کوئی نیا فیصلہ نہ کر پائے۔"

میں زیر لب آمین کہہ کر رہ گیا۔ اول خان نے اپنی پوری توجہ تیز رفتار ڈرائیونگ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے آگے نکل جانے پر مجھے یاد آیا کہ سی ایس ڈی ہمارے گھر پر بیکار پڑی ہوئی تھی۔ اسے ساتھ لے کر ہم حیدر آباد میں استعمال کر سکتے تھے مگر چوراہا گزر جانے کے بعد گھر تک رسائی اور پھر واپسی میں خاصا وقت صرف ہو جاتا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمارے اور سلطان شاہ کے لیے وقت ہر شے سے زیادہ اہم اور قیمتی تھا۔

اول خان کو حیدر آباد میں پولیس کے سوا کہیں اور سے فوری کمک ملنے کی امید نہیں تھی۔ میں اس معاملے میں پولیس کی شمولیت کے خلاف تھا کیونکہ قانون نافذ کرنے والے اس نیم شہری ادارے سے اس رازداری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو ہم چاہتے تھے۔ چھاؤنی سے فوری درخواست پر کوئی فوجی دستہ ملنا محال تھا۔ اس کے لیے پیشگی بندوبست ضروری تھا۔

اس مسئلے کی وجہ سے اول خان نے ٹرک میں حامد کی نگرانی میں ڈرائیور کے علاوہ دس جوانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ انہیں شہر سے بہت دور بلکہ دوسرے شہر میں مہم درپیش تھی اس لیے وہ کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھے۔ محدود رینج کے وائرلیس سیٹ سے لے کر رائفل، میگزین، فاضل راؤنڈز اور دوربین تک ہر فرد کے پاس موجود تھی۔ اس مہم کے لیے چھ ڈارٹ گنز بھی ساتھ لے لی گئی تھیں کیونکہ دشمن کو بے خبری میں خاموشی سے ہلاک یا بے ہوش کرنے کے لیے ایسی ہر گن لاثانی تھی۔

اول خان کو حامد پر پورا اعتماد تھا۔ وہ ذمے دار افسر تھا اور موقع محل کی مناسبت سے ضروریات کا تعین کرسکتا تھا۔ اول خان نے اپنے اسکواڈ کا رسمی جائزہ لیا اور پھر ہم تینوں کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوگیا۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے باہر نکلی تو ایس ٹی ایف کا ٹرک بھی ہمارے پیچھے تھا۔

چھاؤنی کی حدود اور شہر کے مضافاتی علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ہمارا قافلہ جلد ہی سپرہائی وے پر نکل آیا۔

سپرہائی وے دو رویہ اور بہت کشادہ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس پر رات کا سفر آرام دہ نہیں۔ ناتجربے کار اور بے پروا ڈرائیوروں نے اپنے ہیڈ لیمپس کا بے جا استعمال کرکے وہ دشواری پیدا کی تھی جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ مخالف سمت سے براہِ راست ڈرائیور کی آنکھوں پر پڑنے والی ہائی بیم نگاہوں کو اتنا خیرہ کردیتی تھی کہ وہ بیم گزر جانے کے بعد بھی چند ثانیوں تک سامنے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاروں ہی خوب بولتے رہے لیکن ٹول پلازا سے تیس چالیس کلو میٹر دور نکل جانے کے بعد سب کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔ سڑک کے اطراف میں دور دور تک رونق اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر اکتا دینے کی حد تک طویل اور صبر آزما معلوم ہورہا تھا۔ دورانِ سفر بدلتے ہوئے مناظر کی دلچسپی اور رنگینی میں نے صرف پنجاب اور سرحد میں ہی دیکھی تھی ورنہ پورے سندھ کے بڑے زمینی راستے اسی طرح اجاڑ اور بے کیف نظر آتے تھے۔

دس بجنے سے پہلے ہم نے حیدر آباد ٹول پلازا عبور کرلیا۔

سڑک کا خم شروع ہونے سے پہلے اول خان نے اشارہ دے کر اپنی جیپ سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق غزالہ جیپ سے اتر کر ٹرک کے ڈرائیور کیبن میں چلی گئی، حامد ہمارے ساتھ آملا۔

پروگرام یہ تھا کہ اصل کارروائی جیپ والی چار نفری پارٹی انجام دے گی۔ ٹرک اور اس میں سوار مسلح نفری کمک کے طور پر جیل روڈ کے کسی مناسب مقام پر منتظر رہے گی۔ ہماری طرف سے پیغام ملتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

جیل روڈ سے شہر کی طرف مڑتے ہی ٹرک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اول خان نے پہلی ذیلی سڑک پر جیپ بائیں طرف موڑلی اور سیدھا ہیر آباد کے علاقے میں داخل ہوتا چلا گیا۔

اِکّا دُکّا دکانوں کے استثنیٰ کے ساتھ وہ شہر کا خالص رہائشی علاقہ تھا۔ اس میں گھستے ہی رونق اور گہما گہمی میں کمی سے اندازہ ہوا کہ وقت کافی ہوچکا تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اول خان نے جیپ کا انجن بند کردیا کیونکہ فیروزی دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ سفید رنگ کا وسیع مکان ہمارے سامنے آچکا تھا۔

جیپ اپنے زور میں کچھ دور تک رینگتی رہی پھر اول خان نے اسے کنارے سے لگا کر ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ میں فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ میری نگاہیں گوپال چند کے دو منزلہ مکان پر جمی ہوئی تھیں۔

میں نارمل انداز میں چلتا ہوا اس مکان سے سامنے سے گزرا اور میں نے بھانپ لیا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اس سمت سے گھر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر مکان کی تنگ سی عقبی گلی میں گھس گیا۔ گلی کے تقریباً سب دروازے بند تھے مگر آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں رہنے والے اپنی معمول کی آمدورفت کے لیے اسی عقبی راستے کو ترجیح دیتے تھے۔

مکانوں کی گنتی کے حساب سے گوپال چند کے گھر کے پچھلے دروازے کا جائزہ لے کر میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرے رخ سے سڑک پر نکلنے کے بعد میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندھیرے میں کھڑی ہوئی جیپ تک پہنچا۔ وہ تینوں میرے انتظار میں تنے بیٹھے تھے۔

"کوئی دروازہ توڑے بغیر اندر داخل ہونا مشکل نظر آرہا ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"اس طرف کچھ اجالا ہے۔ پچھلی گلی کا کیا حال ہے؟" اول خان نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"اُدھر بہت اندھیرا ہے۔ صرف ایک دو گھروں کے باہر بلب جل رہے ہیں۔" اول خان کے سوال پر میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن ابھری "ہم اُدھر سے کامیاب ہوسکتے ہیں۔"

"تم نے اتنی جلدی رائے بدل دی۔" ویرا کی سرگوشی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یرت تھی "اب کیا کرو گے۔"

"ایک کنکر اور ڈارٹ گن۔" میں نے اختصار سے جواب دیا۔

تم میرے ساتھ آجاؤ۔ یہ دونوں تھوڑے سے وقفے کے بعد پچھلی گلی کے مخالف سروں سے ہماری طرف آئیں گے۔ جلدی آجاؤ۔"

ویرا بے چون و چرا جیپ سے باہر آگئی اور میں دوبارہ پچھلی گلی کی طرف چل دیا۔

ہر مکان کی چوکی گلی کی سطح سے کچھ نہ کچھ اونچی ضرور تھی۔ گھروں میں رسائی کے لیے دروازوں کی سطح پر گلی میں جا بجا پختہ چبوترے بنے ہوئے تھے۔ گھر میں داخلے کے لیے گلی سے دو تین سیڑھیاں طے کرکے اس چبوترے پر پہنچنا ضروری تھا۔ ان نکات کو اپنے ذہن میں گھماتے ہوئے میں نے راستے سے ایک قدرے بڑا کنکر اٹھایا اور ویرا کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

گوپال چند کے گھر کا پچھلا دروازہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں گلی میں پھیلے ہوئے سناٹے سے خوش تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا۔ تاریک گلی میں کھلے ہوئے دروازے کا روشن مستطیل بننے لگا۔ میں نے بے اختیار اپنی رفتار سست کردی۔ گلی کی زمین پر گرنے والے روشن مستطیل میں کسی عورت کا متحرک سایہ نظر آیا۔ چند ثانیوں بعد وہ عورت گھر سے نکلی اور دروازہ بند کرکے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے ہماری مخالف سمت بڑھتی چلی گئی۔

اس سے پہلے کہ کہیں سے کوئی اور نمودار ہوتا، میں اپنی رفتار بڑھا کر گوپال چند کے دروازے کی چوکی تک پہنچا اور تین زینے چڑھ کر پھرتی سے کنکر اندر اچھال دیا۔ ذرا سے سکوت کے بعد اُس کنکر کے پختہ فرش پر گرنے کی پرشور آواز آئی۔ میں سانس روک کر دیوار سے چپک گیا۔ میں نے بائیں بازو سے ویرا کو بھی دھکیل کر دیوار سے لگا دیا۔ وہ دروازے کے اطراف میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے چوکی یا چبوترے سے ایک سیڑھی نیچے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے اعصاب کا زیروبم بہت تیز ہوچکا تھا۔

کنکر کی آواز پر اندر سے ایک مردانہ آواز آئی "کون ہے؟" پختہ فرش کے ساتھ پختہ قدموں کی دھیمی آہٹیں محسوس ہوئیں جو آہستہ رفتہ دروازے کے قریب آتی جارہی تھیں۔

میں دروازے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔ دروازہ میرے داہنے ہاتھ پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ گلی کے اس سرے سے ایک ہیولا اندر بڑھا چلا آرہا تھا اور وہ چال ڈھال کے اعتبار سے اول خان تھا۔

اندر کنڈی اور پھر بولٹ کھلنے کی آواز آئی، دروازہ کھلا اور اس خلا میں سے ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ میں نے پلک جھپکتے میں اس کے چہرے پر ڈارٹ فائر کردیا۔ زن کی ہلکی سی آواز کے ساتھ بلیو ڈارٹ اس کے چہرے کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اگر میں فوراً ہی قدموں پر گھوم کر اسے اپنے ہاتھوں پر نہ سنبھال لیتا تو وہ سر کے بل پختہ چبوترے کو چاٹتا ہوا گلی میں جاگرتا۔ قدرے بلندی سے اس کے گرنے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی، وہ دوسروں کو متوجہ کرسکتی تھی۔

اس وقت میرے ذہن سے ہر خوف مٹ گیا تھا۔ میں بے ہوش ہونے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھالتا اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے میں سے ہو کر اندر گھس گیا۔ ویرا نے اندر سے کسی اور کی مداخلت کے امکان کا توڑ کرنے کے لیے بہت تیزی سے پیش قدمی کی تھی اور میرے ساتھ ہی اندر چلی آئی تھی۔

میں نے بے ہوش شکار کو سرعت سے دیوار کے سہارے، فرش پر لٹا دیا۔

ہم اس وقت قدیم طرز پر بنے ہوئے مکان کے صحن کے آخری سرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ صحن سے آگے دالان تھا جس میں دو کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ صحن اور کمروں میں تاریکی تھی۔ بس دالان میں جلتا ہوا اکلوتا بلب اس اندھیرے سے لڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ دالان کی اوپری منزل پر خاصی روشنی تھی جو براہِ راست ہم تک پہنچ رہی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ ہماری مداخلت پر کہیں سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ نچلی منزل پر شاید ہمارا شکار اکیلا ہی تھا۔ دوسرے اہل خانہ اوپر کی منزل پر تھے۔

اس وقت ہماری پوزیشن بہت مخدوش تھے۔ اوپر سے کوئی بھی ہمیں دیکھ کر باڑھ پر رکھ سکتا تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور اسے بولٹ کیے بغیر پنجوں کے بل دالان کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ تھی۔

دالان میں پڑے ہوئے ایک پردے کے پیچھے ہمیں وہ چارپائی بھی نظر آگئی جس کا شکن آلود بستر بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک اس پر کوئی موجود تھا۔ شاید کنکر کی آواز پر دروازہ کھولنے والا گوپال کا کوئی گھریلو نوکر تھا اور چارپائی پر موجود بستر اسی کا معلوم ہورہا تھا۔ ہم خود دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے بچ گئے تھے لیکن بے ہوش ملازم کی صحن میں موجودگی بھی خطرناک تھی کیونکہ اسے اوپر سے دیکھا جاسکتا تھا جبکہ اوپر والوں کی بے خبری ہمارے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

میں بے ہوش ملازم کو اٹھانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا پھر اول خان اور حامد اندر آگئے۔ میرے ایک اشارے سے انہوں نے میرا مدعا بھانپ لیا۔ دروازہ بند کرکے اسے چاروں ہاتھ پیروں سے اٹھایا اور ہماری طرف لے آئے۔ میں راستے سے ہی الٹے قدموں، دالان کے سائے میں لوٹ گیا تھا۔ میرے اشارے پر ان دونوں نے نوجوان ملازم کو اس کے بستر پر ڈالا اور اس کے رخسار کی جڑ میں اتری ہوئی ڈارٹ کھینچ کر ایک طرف اچھال دی۔

ہم چاروں بس ذرا سی دیر کے لیے یکجا رہے پھر پہلے کی طرح دو ٹولیوں میں بٹ کر دالان میں کھلنے والے دونوں دروازوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ دونوں خواب گاہیں تھیں جن میں زیادہ سازو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامان نہیں تھا لیکن منقش اور رنگین پایوں والی قدیم سندھی طرز کی چارپائیاں ضرور موجود تھیں۔ ان کمروں کے پیچھے بھی دو کمرے تھے۔ بڑا کمرا ڈرائنگ روم کے انداز میں سجایا گیا تھا۔ چھوٹے کمرے کو برآمدے کی حیثیت دی گئی تھی۔ اس کمرے کا سائز زینے کی وجہ سے خاصا چھوٹا رہ گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دیوار گیر طاق میں کسی دیوی کا مجسمہ نقش تھا۔

وہ گھر ضرور تھا مگر اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کی تزئین اور دیکھ بھال میں کسی عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ ہم نے چمن سے مراد اور گوپال کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی لیکن گوپال کے اہل خانہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا جب کہ اس گھر میں گھسنے سے پہلے ہمارے لیے وہ سب جاننا بہت ضروری تھا۔

زینوں کے قریب اوپر سے دبی دبی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم چاروں کان لگا کر وہیں رک گئے۔ وہ ایک مرد اور عورت کی آوازیں تھیں۔ عورت بار بار ہنسے جارہی تھی۔ ہم دبے قدموں دوبارہ دالان میں آگئے۔

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہمارے مشوروں کے لیے دالان سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ وہاں سے ہماری سرگوشیانہ آوازیں اوپر نہیں جاسکتی تھیں۔ میں اشارے سے ان تینوں کو وہیں لے گیا۔

"حیرت ہے۔ سلطان شاہ کا کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔

"اوپر بھی اتنے ہی کمرے ہوں گے۔ وہ وہیں کہیں ہوسکتا ہے۔" ویرا نے رائے دی۔

"تم نیچے رکو!" میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں اوپر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اوپر سے آنے والی آوازوں سے تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" اول خان نے پوچھا "وہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں اسی وجہ سے ویرا کو نیچے روک رہا ہوں۔ پتا نہیں اوپر کیا حالات ہوں۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر اندر چل دیے۔ نچلی منزل پر دالان کے ایک بلب کے سوا سب روشنیاں گل تھیں۔ اس اکلوتے بلب کی روشنی اندر والے کمروں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے بھی کہیں اجالا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اچانک انعکاس بڑھ جانے سے بھی اوپر والے چونک سکتے تھے۔

ہم پہلے کمرے سے گزر کر چھوٹے کمرے میں گھسے ہی تھے کہ اچانک فضا کسی دھاتی چیز کی جھنکار سے گونج اٹھی اور ہم سب اچھل پڑے۔ اندھیرے میں ویرا بوکھلا کر فرش پر جھکی ہوئی کچھ اٹھا رہی تھی۔ دھات سے بنی ہوئی چیز کی کھوکھلی جھنکار سے میں نے اندازہ لگایا کہ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کسی گلدان وغیرہ سے ٹکرا گئی تھی۔

"کیا ہے؟ یہ شور کیوں ہو رہا ہے؟" اوپر سے کوئی غصے میں دہاڑا۔ وہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔

"میاؤں!" ویرا کے حلق سے مسکین سی آواز نکلی جو بلی کی آواز سے سو فی صد مشابہ تھی۔

"اب گھر میں بلیاں لوٹ لگائیں گی!" اوپر سے وہی جھلائی ہوئی بلند آہنگ آواز گونجی پھر اس نے کسی کو پکارا "راجو! ابے او راجو.... !تو کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ آسان شہری سندھی میں اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا تھا جس میں اردو کی آمیزش کی وجہ سے اس کی ہر بات کم از کم میری سمجھ میں آرہی تھی۔

راجو شاید اسی ملازم کا نام تھا جو میرے ہاتھوں ڈارٹ کا نشانہ بن کر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"چھوڑ مراد! کیوں غصہ کرتا ہے۔" اس بار نسوانی آواز بلند' مخمور اور ناز آفریں تھی "اپنی طرح بلیوں کو بھی آزاد پھرنے دے۔ بلاوجہ گوپال کی نیند بھی خراب ہوگی۔"

"راجو حرام خور ہوگیا ہے۔" قدموں کی وزنی چاپ کے درمیان مراد ظریف کی آواز ابھری "اس نے کوئی دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہوگا۔ بلیاں کمروں کو گندا کردیتی ہیں۔"

قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ ہم چاروں تیزی سے اوٹ میں ہوگئے۔

چٹ کی آواز کے ساتھ زینوں کا کوئی بلب روشن ہوا اور چھوٹا کمرا یکایک روشنی سے بھر گیا۔ ہمیں سرعت سے وہ کمرا چھوڑنا پڑ گیا۔ وہاں کہیں بھی ایسی کوئی آڑ نہیں تھی کہ اجالے میں ہم اس کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے۔"

"سالا' حرام کا پلا...." مراد کے قدموں کی چاپ زینوں پر منتقل ہوچکی تھی "پتا نہیں کیا پی کر سویا ہے کہ سنتا ہی نہیں ہے۔ ابھی دو ہاتھ ماروں گا تو ساری نیند کافور ہوجائے گی۔"

وہ راجو پر برستا ہوا نیچے آرہا تھا۔ ہم چھوٹے کمرے کے ساتھ والی خواب گاہ میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ راجو کی چارپائی تک پہنچنے سے پہلے اسے اس کمرے سے ضرور گزرنا پڑتا۔ ویرا کی ایک غیرارادی غلطی مراد کے لیے اچھا خاصا جال بن گئی تھی اور وہ اپنے قدموں سے چل کر اس جال میں پھنسنے کے لیے آرہا تھا۔

مراد کو ناز نخرے دکھانے والی عورت اس کے پیچھے پیچھے نہیں آئی تھی' نہ ہی اس نے دوبارہ مراد کو آواز دی تھی۔ اس کے بلند آواز میں کہے ہوئے فقروں سے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ گوپال بھی اوپر سو رہا تھا۔

مراد وقفے وقفے سے راجو کو آوازیں دیتا اور پھر گندی گندی گالیاں بکتا سیڑھیوں سے نیچے آیا۔ وہ چھوٹے کمرے سے گزر کر جوں ہی سونے کے کمرے میں داخل ہوا' میں نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر ایک مکا رسید کیا۔ اس کے لیے وہ وار غیر متوقع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلکی سی چیخ اور غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلا

شاید ہم سب نے ہی دیکھ لیا تھا کہ مراد کے ہاتھ میں کوئی
نہیں تھا۔ وہ راجو اور بلی سے اپنا حساب چکانے کے لیے
شرت کدے سے باہر آیا اور ہمارے نرغے میں پھنس گیا۔
"اب کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔" ویرا یہ کہہ کر اچھلی
اد کے سامنے فرش پر جا ٹکی۔
وہ خوف ناک اور غیر یقینی مہم اچانک یک طرفہ رخ اختیار
تھی۔ میں نے دروازے کے قریب سوئچ بورڈ سے اس کمرے
ں روشنی کردی۔ حامد اپنے لباس میں پوشیدہ رائفل نکال کر
کمرے کے درمیانی دروازے پر جم گیا تاکہ اوپر سے آنے
کسی نئے دشمن کو بروقت اپنے نشانے پر لے سکے۔
میرے زوردار مکے کے اثرات سے سنبھل کر مراد سیدھا ہوا
ویرا کسی ماہر لڑاکا کی طرح اپنے بائیں پنجے پر گھومی اور اس کی
لات مراد کے منہ پر اتنی زور سے پڑی کہ وہ بلبلاتا ہوا عقبی
سے جا ٹکرایا۔ اس مرحلے پر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں
پر وہ پیدائشی سیاہ مسّا موجود تھا جو اس کی شناخت قرار دیا جاتا

مراد پھر سنبھل کر اٹھا' اس بار ویرا نے اسے فلائنگ کک
ی۔ اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے مراد کے سینے پر
ور وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتا ہوا
گیا۔ ویرا کسی ماہر بازی گر کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو فرش پر
ر فضا میں کھڑی قلا بازی لیتی ہوئی اگلے وار کے لیے تیار

شاید اس کی گھٹی گھٹی چیخوں اور دھما چوکڑی کی آوازوں نے
لی کا نشہ ہرن کردیا تھا اور اس نے بوکھلا کر گوپال کو نیند سے
کردیا تھا۔ اس نے نشے میں چور آواز میں اوپر سے بنگارنا
کردیا تھا۔
مراد کے سر اور دہانے سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ میرے
گھونسے کے بعد ویرا نے اپنے تابڑ توڑ حملوں سے اسے اتنا بد
کردیا تھا کہ وہ صحیح طریقے سے اپنا دفاع کرنے کے قابل بھی
ہا تھا۔
"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ سب کو فنا کردوں گا۔" اوپر
سری مردانہ آواز آرہی تھی۔
ں مراد کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے حامد کے برابر
کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں ہدایت کی "فائر مت کرنا۔
ی کی آواز دور دور تک سنی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ باہر بھیڑ جمع
ئے۔"
"اگر اس نے پہل کی تو کیا ہوگا؟" حامد نے سنجیدگی سے

→→→

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بدن پر صرف پاجامہ تھا جس کے نچلے حصے پر صرف خون نظر آرہا تھا مگر اس کی بے ہوشی سیڑھیوں کے کناروں سے سر کے کسی نازک حصے پر آنے والی ضرب ہی ہو سکتی تھی۔

میں اپنا پستول لے کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اوپر سناٹا تھا۔ نشے میں مخمور عورت بھی شاید دہشت سے کسی کونے میں جا چھپی تھی کیونکہ وہاں کہیں سے کوئی آواز نہیں تھی۔

"اندر جو بھی ہے' ہاتھ اٹھا کر باہر آجائے' اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" میں نے ایک ستون کی اوٹ لے کر کہا۔

میرے کانوں میں مبہم سی سرگوشیوں کی آواز آئی۔ وہاں وہ عورت اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جس سے وہ مشورے کر رہی تھی۔ میں نے انہیں دوبارہ باہر آنے کی وارننگ دی۔ اس بار میں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ انہوں نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو کمروں میں گھس کر ہر ایک کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

نیچے کی لڑائی سمٹی ہوئی تھی۔ ویرا بہت بے رحمی سے مراد سے باز پرس کر رہی تھی۔ اول خان بھی میرے پیچھے آکھڑا ہوا۔ نیچے ویرا کے ساتھ صرف حامد رہ گیا تھا۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک منتظر رہے پھر ایک دروازے سے دو عورتیں عجیب حلیے میں برآمد ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ کاجل پھیلا ہوا تھا۔ غازہ و سرخی ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے بنے سنورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے حلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیشہ ور عورتیں تھیں جو ہمارے پہنچنے سے بہت پہلے سے گوپال اور مراد کے ساتھ موجود تھیں۔

"اندر اور کون ہے؟" اول خان نے درشت لہجے میں ان سے سوال کیا "یہاں ایک آدمی کو قید کیا گیا تھا۔"

دونوں نے بیک وقت رونا شروع کر دیا۔ ان میں سے نسبتاً معمر عورت نے بین کرنے کے انداز میں بتایا کہ وہ دونوں بازار والیاں ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لیے وہاں بلایا گیا تھا لیکن دونوں مردوں نے زیادہ نشہ کر کے انہیں زبردستی وہاں روک رکھا تھا اور ان کے ساتھ دراز دستی کی کوششیں کر رہے تھے۔ گھر میں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

مکاری ان دونوں کے خمیر میں شامل تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ کوئی بھی بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتی تھیں۔ اپنے دونوں پر ستاروں کا پلڑا ہلکا پڑتا دیکھ کر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا۔

"ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے پستول کی نال سے اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔

دونوں سہمتی لرزتی ہوئی دیوار سے جا لگیں۔ ان کے چہرے میری طرف تھے۔ انہیں خوف تھا کہ انہوں نے منہ پھیرا تو پشت سے انہیں گولیاں مار دی جائیں گی۔ ان کی ذہنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اپنی ہدایت پر مزید اصرار نہیں کیا۔ انہیں اول خان کی نگرانی میں چھوڑ کر میں کمروں کی طرف بڑھ گیا۔

اس منزل پر دو خواب گاہیں تھیں ایک کمرا بیٹھک معلوم ہو رہا تھا۔ خواب گاہوں کی بے ترتیبی زبانِ حال سے گزرے ہوئے وقت کی کہانی سنا رہی تھی لیکن وہاں کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ اوپر کا دالان بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

"دونوں اندر جاؤ اور ایک گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہ نکلنا۔" میں نے انہیں مژدہ سنایا "اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی کہ یہیں سوتی رہو یا خاموشی سے فرار ہو جاؤ۔"

انہوں نے میرے فیصلے پر عمل کرنے میں بالکل تاخیر نہیں کی۔ تقریباً دوڑتی ہوئی اسی کمرے میں جا گھسیں جس سے وہ برآمد ہوئی تھیں۔ اندر جاتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

اوپر کی تلاشی لینے کے بعد میرے ذہن پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ ہم نے سلطان شاہ کی تلاش میں وہ دوڑ لگائی تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اول خان بھی اس ناکامی پر آزردہ تھا۔ ہم دونوں نیچے پہنچے تو مراد بھی ویرا کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ویرا ایک کرسی پر بیٹھی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مراد ظریف سے کچھ نہیں اگلوا سکی تھی۔

ہم نے بہت غور سے اس قدیم مکان کے چپے چپے کا جائزہ لے ڈالا' فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا لیکن کہیں کسی تہ خانے کی موجودگی دریافت نہیں کر سکے۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر ہم مراد کے قریب یک جا ہو گئے۔

"یہ کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو' کہیں نہ کہیں اس کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"اب ہمیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے مراد کو ساتھ لے کر جلد از جلد نکل جانا چاہیے۔"

"سلطان شاہ کو اس کی قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ہم تمہارے ہر مشورے پر عمل کریں گے۔"

ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "کیا تم مراد کو کراچی لے جانا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال یہاں سے نکلو۔ یہ فیصلے بعد میں ہوتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

حامد نے عقبی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اول خان نے گوپال کے گھر کا اگلا دروازہ کھولا تو قرب و جوار کے بعض مکانوں کی کھڑکیوں میں متجسس انسانی چہرے موجود تھے۔ اول خان نے اپنی رائفل کی نال آسمان کی طرف کر کے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ نظر آنے والے سارے چہرے یکایک روپوش ہو گئے۔ اس اثنا میں حامد جیپ لینے کے لیے دوڑ لگا چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیپ اگلے دروازے پر رکی۔ خون میں لتھڑے ہوئے' خستہ
ل مراد کو چاروں نے احتیاط سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا اور
رہم مناسب رفتار سے وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"ایگل کالنگ!" اول خان نے اپنے اپریٹس پر پیغام نشر کیا۔
م باہر جیل روڈ پر آرہے ہیں۔ واپسی کے لیے رخ موڑ لو اور
پ پر نگاہ رکھو۔ تمہیں ہمارے پیچھے پیچھے آنا ہے۔ اوور!"

"یس سر! ہم اباؤٹ ٹرن ہو رہے ہیں۔ اوور... ار... یہ بیگم
احب کچھ کہنا چاہ رہی ہیں سر! اوور۔"

"بے بی۔ آئی ایم سوری۔" اول خان نے غزالہ کے لیے
یام دیا "وہ نہیں ملا مگر مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ باقی باتیں بعد
ں ہوں گی۔ ابھی ہمیں شہر سے نکلنے کی فکر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"تم نے اچھا کیا کہ غزالہ کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ
یلی ہے۔ زیادہ جذباتی ہو جاتی۔" میں نے اول خان کی حکمتِ عملی
ی تائید کی "وہ آملے گی تو اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لے
ں۔"

"سب اچھا ہوا مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوپال جیسے
ر آستین کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا۔" ویرا بول پڑی "اس کا پورا
ن اس کی پنڈلیوں کی طرح چھلنی کر دینا چاہیے تھا۔"

"وہ مائیکرو سرجری اور خطیر خرچ کے باوجود ایک لمبے عرصے
ک بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔
وہ بستر سے اٹھے گا' تب بھی شاید لنگڑائے بغیر چلنے کے قابل نہیں
ر سکے گا۔ آسان موت کے مقابلے میں ایسی خستگی ہوئی زندگی
یادہ عذاب ہوتی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے گا' اپنے اور
رسروں کے لیے عبرت کا مرقع بنا رہے گا۔"

"اس کا انجام چمن علی کی روح تک کو لرزا کر رکھ دے گا۔"
ول خان نے خیال انگیز آواز میں کہا "جلد ہی بقیہ دونوں افراد کو
ی پتا چل جائے گا کہ گوپال چند کے اپنے کن اعمال کا خمیازہ
گتنا پڑا ہے۔"

جیپ جیل روڈ پر آکر بائیں طرف مڑ گئی۔ کچھ دور کھڑا ہوا
ک بھی اپنی جگہ سے رینگ کر سڑک پر آگیا۔

جیپ نے رفتار پکڑلی۔ جیل روڈ کے چوراہے پر اول خان کے
یا پر حامد نے کراچی کی راہ لینے کے بجائے' سڑک کا عجیب سا
اویہ طے کر کے گاڑی حیدر آباد چھاؤنی جانے والی بائیں سڑک پر
وڑ دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جیپ داہنی طرف گھوم گئی۔
و ہیکل ٹرک مستقل فاصلے سے ہمارے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر موجود گارڈ' ایس ٹی ایف کی
صطلاح کو نہیں سمجھ سکا اور اول خان کو جیپ سے اتر کر ڈیوٹی
ارجنٹ کے کیبن تک جانا پڑا۔ وہاں سے اسے بلا توقف پیش
ری کا پروانہ مل گیا۔

فوجیوں کی زندگی میں وقت اور ڈسپلن کی کیا قدر و قیمت ہوتی
ہے' اس کا صحیح اندازہ کسی فوجی چھاؤنی میں جا کر ہی ہوتا ہے۔ منہ
اندھیرے اپنے اپنے کام پر حاضر ہونے والوں کے لیے اس وقت
رات کا ایک لمبا وقفہ گزر چکا تھا۔ ہر طرف روح کی گہرائیوں میں
اتر جانے والا عجیب سا سکون محیط تھا۔ ہماری گاڑیوں کے انجنوں کا
شور اس سکون و سکوت کو بہت بے رحمی سے مجروح کر رہا تھا۔

اول خان کو دونوں گاڑیوں کے سواروں میں ردوبدل کے لیے
کسی پارکنگ لاٹ کی تلاش تھی۔ اس وقت سی ایس ڈی اور اس
سے ملحقہ دکانیں بند تھیں' حامد نے جیپ وہیں اتار دی اور اسے
آگے لے جا کر انجن بند کرتے ہی نیچے اتر کر ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ
کے اشارے سے سگنل دینے لگا۔

فوراً ہی ٹرک کا رخ تبدیل ہوا اور چند ثانیوں بعد وہ اپنا رخ
بدل کر اس طرح جیپ کے پیچھے آلگا کہ دونوں گاڑیوں کے عقبی
حصوں میں صرف چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے سوار انجن بند ہونے کے بعد نیچے اتر
آئے۔ ٹرک سواروں کو کراچی سے روانگی کے بعد پہلی بار نیچے آکر
اپنی پشت اور ٹانگیں سیدھی کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس سے
فیض یاب ہو رہے تھے۔

اس علاقے میں گشت پر مامور' ملٹری پولیس کے ایک باوردی
سپاہی نے بند اسٹورز کے پاس سادہ لباس والوں کی غیر معمولی بھیڑ
دیکھی تو کھوجی نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا اس طرف آگیا۔
مختصر سی گفتگو میں حامد نے اسے مطمئن کر دیا اور وہ سڑک پر جا کر
دوبارہ اپنے گشت میں مصروف ہو گیا۔

اسی اثنا میں غزالہ میرے پاس آپہنچی تھی اور تفکر آمیز لہجے
میں پوچھ رہی تھی "جب مراد ہاتھ آگیا تو سلطان شاہ کہاں ہے؟
اسے بھی گوپال چند کے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔"

"ہم سب کا یہی خیال تھا مگر ایسا نہیں ہے۔ ویرا نے مراد کا
جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے مگر وہ بہت سخت جان ہے۔ جب تک وہ زبان
نہیں کھولے گا' ہم سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں جان سکیں
گے۔ اس کا بولنا ضروری ہے۔"

"ویرا اسے مارتی رہے گی اور اس کے آدمی سلطان شاہ کو
ادھیڑتے رہیں گے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ سلطان شاہ اگر اب تک
زندہ ہے تو اب وہ اپنی آزادی تک زندہ رہے گا۔ اس کے آدمیوں
کو معلوم ہو جائے گا کہ اب وہ مراد کے خسارے میں ہیں۔ مراد کی
آزادی کے لیے انہیں سلطان شاہ کو لوٹانا ہوگا۔"

اول خان کے آدمیوں نے مراد کو جیپ سے اتار کر ٹرک کے
پچھلے حصے میں منتقل کر دیا تھا۔ حامد کو اسی حصے میں سفر کرتے ہوئے
مراد پر اپنے حربے آزمانے تھے۔ غزالہ کو دوبارہ جیپ میں بلا لیا
گیا۔ ایس ٹی ایف کے چند کارکن آزادی سے سگریٹ وغیرہ پینے
کے لیے اپنے افسران سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے لوٹتے ہی چھاؤنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے روانگی ہوگئی۔

اس بار جیپ کے ڈرائیونگ وہیل پر اول خان خود موجود تھا۔ چھاؤنی کی حدود سے نکل کر اس نے کراچی سے جانے والی راہِ اختیار کرلی۔ میں کچھ دیر تک خاموش رہا پھر منزل کے بارے میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں سلطان شاہ کے معاملے کو معلّق چھوڑ کر کراچی واپس جانے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟"

"تم اپنے ساتھ حامد کو بھی لے آئے ہو۔ اسٹیشن فور پر تم دونوں میں سے ایک کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم واپسی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنے ذہن میں موجود شبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ہنگامی ضروریات اور فیصلوں کے لیے ہماری ضرورت پڑتی ہے ورنہ درمیانے درجے کے افسران کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کسے کیا کرنا ہے۔ اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی ایس ٹی ایف کی سب سے بڑی ایمرجنسی ہے۔"

"لیکن ہم اسے کب تک سڑکوں پر لیے گھومتے رہیں گے؟" ویرا نے احتجاج کیا "میں نے اس پر جو بے رحمانہ تشدد کیا ہے' وہ قبر کے مردے کو بھی بولنے پر مجبور کردیتا ہے۔ وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔"

"ابتدا میں ہر مجرم ایسا ہی نظر آتا ہے مگر پھر بول پڑتا ہے۔ تشدد چار چوٹ کی مار کا نہیں' مجرم کی ذہنی توڑ پھوڑ کا نام ہے۔ یہ ایک باقاعدہ فن ہے جس میں جسمانی تشدد کے ساتھ نفسیاتی حربے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ وہ ہوش میں آجائے پھر ہمیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمیں کدھر کا رخ کرنا چاہیے۔"

"دو تین گھنٹے گزارنے کے بعد تم نے کراچی جانے کا فیصلہ کیا تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔ اتنی دیر میں ہم دو مرتبہ کراچی تک جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اول خان کی باتوں کو اہمیت دیے بغیر کہا۔

اس نے ویرا کی بات خندہ پیشانی سے سن لی لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔

جام شورو سے کراچی کی طرف مڑنے کے بجائے اول خان سیدھا کوٹری کی طرف جانے والے راستے پر نکل گیا۔ وہ ویسے ہی سست رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا۔ اس خراب سڑک کا آغاز ہوا تو رفتار مزید کم ہوگئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس راستے سے کوٹری کا پورا صنعتی علاقہ عبور کرکے وہ دوسری طرف حیدر آباد پہنچا تو آسانی سے ایک گھنٹا گزر جائے گا۔

ناہموار اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی سنسان سڑک پر ہمارا سفر جاری رہا۔ سڑک کے دونوں طرف موجود ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دھرتی کے پھوڑوں کی طرح نظر آرہے تھے۔

"برڈ کالنگ ایگل... اوور!" ویرا نے کہا... سفر ختم ہونے سے پہلے حامد کا پیغام آیا۔

"کہے جاؤ' میں سن رہا ہوں۔ اوور!" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر کہا۔

"زخموں پر بیڑی کے پانی کے استعمال سے وہ ہوش میں آگیا ہے مگر بہک رہا ہے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' اس کے نتیجے میں یہ چیخیں مارنے لگے گا... اوور۔"

"سامنے روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ہمیں جلد از جلد نتیجے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کرسکیں۔ آدھے گھنٹے بعد ہم اسے ریلوے لائن سے باندھ کر کسی ٹرین کی آمد کا انتظار کریں گے اور اس کے ٹکڑے ہوتے ہی واپس کراچی لوٹ جائیں گے... اوور۔"

"اوکے سر! اب میں آدھے گھنٹے بعد رپورٹ دوں گا۔ اوور۔" حامد کا جواب آیا۔

"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے گفتگو ختم کردی مگر اس کا اپریٹس بدستور آن تھا۔

"تم واقعی اسے ٹرین کے نیچے کٹوا دو گے یا اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب سنا رہے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ہم اسے کٹوا سکتے ہیں مگر سلطان شاہ کی آزادی کے بعد۔ اس وقت ساری گفتگو اسے سنانے کے لیے کی گئی ہے۔ اسے یہ احساس دلانا ضروری تھا کہ ہم اسے سلطان شاہ کی واپسی تک پالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"

جیپ میں خاموشی چھائی۔ اس وقت ہم لیول کراسنگ عبور کرنے کے بعد صنعتی علاقے میں داخل ہوچکے تھے۔

صرف پندرہ منٹ گزرے تھے کہ حامد پھر لائن پر آگیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سن کر ویرا حیرت سے اپنی نشست پر اچھل پڑی۔ چیرا لگنے کے بعد مراد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس نے سلطان شاہ پر گوپال کے مکان میں کچھ تشدد کے بعد اسے میرپور خاص روانہ کردیا تھا۔ حیدر آباد میں اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔

"آگے دور تک آباد علاقہ ہے۔ میں جیپ واپس گھما رہا ہوں۔" اول خان نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا "سنسان سڑک پر رک کر میں خود اس سے بات کروں گا۔ اس سے میرپور خاص کا پتا اور فون نمبر حاصل کرو۔ اوور۔"

"پتا مل چکا ہے۔ وہاں فون نہیں ہے اوور!" حامد نے جواب دیا۔

"کیا پورے میرپور خاص میں فون نہیں ہے؟" اول خان محض مراد کو مرعوب کرنے کے لیے غرایا "اسے اپنے کسی دوست کا نمبر یاد ہوگا۔ یہ وہاں آپریٹ کرتا ہے اور وہاں سے اتنا کٹا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ ناقابلِ یقین ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"حامد کمال کا آدمی ہے۔" ویرا کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔" اس کے بدن کے کس حصے پر چیرا لگایا گیا ہے؟"

میں ہنس پڑا "تم بعض اوقات بالکل احمق ہو کر رہ جاتی ہو۔ یہ نشتر زنی والا نہیں' دوسرا چیرا ہے۔ شکار کی ٹانگیں پھیلا کر سر پر اچانک وزن گرایا جاتا ہے اور ٹانگیں اپنے جوڑ سے چر جاتی ہیں۔ پتا نہیں حامد نے چلتے ٹرک میں یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ مجھے اس سے یہ طریقہ ضرور معلوم کرنا ہوگا۔"

"ہمارے ٹرک آہنی باڈی والے ہوتے ہیں جن پر پیر خود پھسلتے ہیں۔ ڈرائیور کے کیبن کی پشت والی دیوار پر تیل لگا کر مجرم کو ٹرک کے فرش پر لٹا دیا جائے' ہاتھ باندھ دیے جائیں' ٹانگیں پہلے سے کھلی ہوئی ہوں اور تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرک کو اچانک بریک لگا دیے جائیں تو چیرا خود بہ خود وجود میں آجاتا ہے۔" اول خان نے بتایا "دوسرا طریقہ دو آدمیوں کے استعمال کا ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو بہت سفاکانہ عمل ہے۔" ویرا شاید پھریری لے کر بولی تھی "آدمی زندگی بھر کے لیے معذور ہو سکتا ہے۔"

"معذور اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن یہ دیکھ لو کہ اس کے بعد مراد جیسے سخت جان مجرم سرعت سے راہِ راست پر آکر سچ اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"بعض مجرموں کے لیے بہیمانہ سزائیں ضروری ہوتی ہیں۔" اس نے مجھ سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "ان کو ہر ایک پر نہیں آزمایا جا سکتا۔ اگر یہ احتیاط برتی جائے تو پھر کہیں کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔"

اول خان جیپ کو واپس اسی سمت میں لے جا رہا تھا۔ جدھر سے آیا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف والوں کا سفری تفتیش کا وہ تجربہ بالکل نیا تھا۔ ویران سڑک کے تقریباً وسط میں اول خان نے اپنی جیپ روک لی۔ اس کے ساتھ میں بھی جیپ سے اتر گیا۔ اپنے اعلیٰ افسر کے احترام میں حامد کے ماتحت ایک ایک کر کے ٹرک سے نیچے کود رہے تھے۔

ٹرک کا پچھلا حصہ خالی ہونے کے بعد ہم دونوں اچک کر ٹرک پر سوار ہو گئے۔ اندر ہلکی سبز روشنی کا ایک بلب روشن تھا جو گھور اندھیرے میں بہت غنیمت نظر آرہا تھا۔ مراد کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے' وہ بدستور ٹرک کے آہنی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ چیرا لگنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ اپنے نچلے دھڑ پر ذرا بھی زور ڈال سکے۔

ہم دونوں ٹرک میں نصب بینچوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کسی کے کچھ بولنے سے پہلے مراد نے کراہتے ہوئے بولنا شروع کر دیا۔ "مجھے جو معلوم تھا' وہ میں بتا چکا ہوں۔ اب میرے اوپر ظلم مت کرو۔ تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

اول خان نے حامد کی طرف دیکھا اور وہ بول پڑا "اس نے اپنے ایک دوست کا نمبر دیا ہے۔ باقی نمبر زبانی یاد نہیں ہیں' ڈائری میں درج ہیں جو گوپال کے گھر پر رہ گئی ہے۔"

"تم اپنے دوست سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے ٹھکانے سے قیدی کے بارے میں پتا کرے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تمہارا قیدی کہاں اور کس حال میں ہے۔"

"مجھے گوپال کے گھر لے چلو' میں مولا داد سے بات کر لوں گا۔" اس کی آواز سے تنویمی کیفیت جھلک رہی تھی۔

"وہاں جانے کی ضرورت نہیں' ہمارے پاس موبائل فون موجود ہے۔" میں نے جیب سے اپنا فون نکال لیا۔

ہم تینوں میں سے کسی کو سندھی زبان پر مکمل عبور نہیں تھا۔ وہ مولا داد سے گفتگو کے دوران میں کوئی معنی خیز پیغام بھی دے سکتا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے اول خان نے بخشل کو ٹرک میں بلا لیا۔ وہ پیدائشی سندھی تھا اور فورس کے بہتری کارکنوں میں شمار ہوتا تھا۔ اول خان کا مدعا جانتے ہی اس نے مراد کو سندھی میں ڈانٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے دھمکا رہا تھا کہ اس نے فون پر کوئی بدمعاشی کرنے کی کوشش کی تو اسے الٹا چیرا لگا کر موت کے منہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ میرے لیے الٹے چیرے کی اصطلاح بالکل نئی تھی مگر اس وقت میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فون آن کر کے حامد کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔ بخشل نے مراد کے ہاتھ کھول دیے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون لائنیں مصروف نہیں تھیں اس لیے پہلی کوشش میں نمبر مل گیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر میں نے اسے بتایا کہ مراد اس سے بات کرے گا پھر فون مراد کو دے دیا۔

ان دونوں کے درمیان قدرے طویل بات ہوئی۔ مراد نے اپنے ڈیرے سے حسن نامی کسی شخص کو بلوانے کی فرمائش کی تھی پھر مولا داد کو یہ سمجھاتا رہا کہ رات ضرور زیادہ ہو گئی تھی مگر وہ اہم معاملہ تھا۔ حسن سے اس کی بات ہونی ضروری تھی۔

گفتگو ختم کر کے اس نے بتایا کہ مولا داد اس کے آدمی کو پندرہ منٹ بعد اپنے گھر لے آئے گا۔ اس وقت وہ دوبارہ اسی نمبر پر حسن سے بات کر کے کچھ بتا سکے گا۔

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد اب جان اسمتھ تم سے کیا کام لے رہا ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر اس سے پوچھا۔

اس وقت تک مراد سے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی۔ سارا زور سلطان شاہ والے معاملے پر تھا۔ میرے سوال پر اس کے دہانے سے ایک گہرا سانس خارج ہوا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میں اب سمجھا کہ تم سب فوجی ہو مگر سادہ کپڑوں میں آئے ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ سارا مال کسی اور کو جا رہا ہے' میں بیچ کا آدمی ہوں۔"

"ہم اسے بھی دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس مال کے بدلے کیا کام ہو رہا ہے۔"

"وہ نیا چھور کے قریب جنگل میں لڑکوں کو ہتھیاروں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استعمال کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اس کی گاڑیاں تھریوں میں اناج بانٹتی ہیں۔ ان کو خاص خاص فلمیں دکھاتی ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کرتا' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے اور وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ شاید اسے اپنا انجام قریب نظر آنے لگا تھا۔

"وہ کون ہے.... ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ تمہاری جان بچ سکے۔ ابھی تک تم ہی ہمارے سامنے ہو اور سارا پیسا تمہاری این جی او کو دیا جارہا ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"وہ کھوکھراپار کا کرشن کمار ہے جو آزادی سے سرحد کے دونوں طرف آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ بڑے شہروں کا رخ کرنے سے ڈرتا ہے لیکن صحرا کا بادشاہ ہے۔ وہ میری این جی او کا نام استعمال کرنے کے لیے اچھا کمیشن دیتا ہے۔"

"وہ خود اپنی این جی او کیوں نہیں بنالیتا؟ اسے تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"رجسٹریشن کراچی میں ملتا ہے۔ بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں' ریکارڈ رکھنا پڑتا ہے۔ پیسا خرچ ہوتا ہے تب کام بنتا ہے اور وہ شہروں سے ڈرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نفرت کرتا ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کو ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دینا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ بغاوت ہے مگر میں باغی نہیں ہوں' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس نے آخر میں پھر گرہ لگادی۔

"تم نے فورڈ فاؤنڈیشن کا نام سنا ہے؟" میں نے دھیرے سے سوال کیا۔

"میں چار برس سے انہیں خط لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔ سارا ریکارڈ بھیجتا ہوں' سالانہ رپورٹ بھیجتا ہوں مگر وہ جواب ہی نہیں دیتے۔ وہ میری صحرا کا ہاتھ تھام لیتے تو آج میں یوں ذلیل نہ ہوتا۔ وہ جس کی مدد کرتے ہیں' اس کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ اسے دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اس وقت تک اس نے شاید وہی ایک بات سچ کہی تھی اور اس کا سرا مل رہا تھا۔ اس کی خط و کتابت فورڈ فاؤنڈیشن کے ریکارڈ پر تھی۔ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ مراد ان کے ذریعے بھاری مالی فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے۔ انہوں نے آخر کار اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس کے عوض وہ مراد سے جو کام لینا چاہتے تھے' اس میں نیک نامی نہیں تھی۔ انہوں نے براہ راست خود سامنے آنے کے بجائے فریڈم انٹرنیشنل کے اکرم الٰہی کو اس کی امداد پر مامور کردیا۔ ساتھ ہی ان چار افراد کے ناموں کی نشاندہی کردی جو فورڈ فاؤنڈیشن کے مطلوب مقاصد کو آگے بڑھانے میں مراد کا ہاتھ بٹا سکیں۔

مراد دولت کمانے کی ہوس میں مرا جارہا تھا۔ وہ بہت آسانی سے اکرم الٰہی کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ سارا اس کا اپنا کھیل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کرشن کمار کا بھی کوئی اہم کردار رہا ہو مگر وہ اصل آدمی نہیں تھا۔ اصل آدمی مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا عذاب کرشن کمار کے سر لاد رہا تھا۔ بیچ کے آدمی کا سہ لفظی فقرہ وہ ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہا تھا۔

اس کی سنائی ہوئی کہانی پر وہ یقین کرتا جس نے اکرم الٰہی کی فائل میں موجود فورڈ فاؤنڈیشن کے پیغامات نہ دیکھے ہوتے۔ میں نے اس وقت تک دانستہ چمن علی کا نام نہیں لیا تھا۔ میری زبان سے وہ نام سنتے ہی مراد کی ہر آس ٹوٹ جاتی' وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ اس کی مایوسی کے نتیجے میں سلطان شاہ کی رہائی کا معاملہ خطرے میں پڑ سکتا تھا۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حیدر آباد میں اس سازش کے دو مہرے ہمارے سامنے آئے اور دونوں ہی کم و بیش یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ گوپال چند کی ٹانگیں میری فائرنگ کے نتیجے میں ٹوٹ گئیں تھیں۔ اس کی پنڈلیوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا دوبارہ صحیح حالت میں جڑ جانا' میرے نزدیک ناممکنات میں سے تھا اور مراد پر حامد نے چرا آزمایا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ ایسی شکست و ریخت کا شکار ہوا تھا کہ اس کی مکمل صحت یابی کی امید کم ہی تھی۔

میں نے مراد سے کہا "یہ نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ساری زندگی کسی سراب کا پیچھا کرتے کرتے خاک میں مل جاتے ہیں' کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہ چلتے اپنے خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے۔ تمہیں وہ نہیں' ان جیسے سرپرست مل گئے۔"

"وہ مجھے نہیں ملے۔ تم میری بات سن نہیں رہے یا سن رہے ہو تو سمجھ نہیں رہے کہ کرشن کمار شہروں کے انسانی جنگل سے ڈرتا ہے۔ میرے ذریعے یہ سب اسی کو ملا ہے۔ میرا کیا تھا؟ بس تھوڑا سا کمیشن۔ میرے خواب تو ابھی تک ادھورے ہیں۔"

"گوپال کے گھر کے باہر تمہاری ہیجیرو نظر نہیں آئی؟" میں نے لطیف کنائے میں اسے اس کے فوائد یاد دلائے۔

"وہ گاڑی ضرور میری ہے اور میں اسے احتیاط سے ایک بند گیراج میں رکھتا ہوں۔ نہ جانے اب میں کتنے دنوں تک اسے نہیں چلا سکوں گا۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں فورڈ فاؤنڈیشن اچانک کیوں یاد آگئی تھی۔"

"تمہارا دوست گوپال فورڈ فاؤنڈیشن کا آدمی ہے۔" موقع ملنے پر میں نے چار میں سے ایک نام اس پر کھول دیا پھر بھی چمن علی کا کوئی حوالہ نہیں دیا "جب تم پٹ رہے تھے تو وہ نشے میں دہاڑ رہا تھا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا معزز رکن ہے۔"

"وہ کہہ رہا تھا تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ میری اس سے دوستی ضرور ہے مگر اس بارے میں اس سے کبھی میری بات نہیں ہوئی۔" میں اس کی زبان سے وہ سفید جھوٹ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بکھر جانے کے باوجود آخری بڑی بازی جیتنے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا اور بڑے تسلسل کے ساتھ اپنا دامن بچائے رکھنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میری آواز نہیں پہچانی تھی یا پھر یہ اصل آواز اور موبائل فون پر گونجتی ہوئی آواز کا فرق تھا کہ وہ دھوکا کھا رہا تھا اور مجھ پر مقبول چوہدری کا خاص آدمی ہونے کا الزام نہیں لگا سکا تھا۔

"سر! مولا داد سے بات ہوئے سولہ منٹ ہو چکے ہیں۔" حامد نے ادب سے یاد دلایا۔

میں نے پہلے ملایا ہوا نمبر ری ڈائل کرتے ہی فون مراد کو دے دیا اور جلدی سے کہا "حسن کو بتا دینا کہ تم کس حال میں ہو۔"

اس کی گفتگو شروع ہو گئی۔ ہم تینوں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن ہی رہے تھے، بخشل بھی پوری توجہ اور فرض شناسی کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ اپنے ایک ملازم یا کارکن سے بات کر رہا تھا۔ حسن کیا کہہ رہا تھا، یہ ہمارے علم میں نہیں تھا۔ ہم صرف وہ سن رہے تھے جو مراد کہہ رہا تھا۔

اس نے سارے کھیل میں اپنے کردار کے بارے میں جس تواتر سے جھوٹ بولے تھے، ان کے پیشِ نظر اس سے کوئی بات بعید از قیاس نہیں تھی اس کا جسم بری طرح مجروح تھا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا یا پھر وہ خود کو ابتدائی صدمے سے بہت جلد سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ قابلِ اعتبار نہیں تھا۔

فون پر اس کی باتوں سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے مطلوب قیدی میرپور خاص میں نہ ہو اور کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہو۔ اس نے حسن کو اپنی پوزیشن بتا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شاید قیدی کے بدلے ہی فوجیوں کی تحویل سے نجات ملے گی۔ قیدی کو کچھ ہوا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کرشن کمار کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے تھی۔

عین ممکن تھا کہ وہ اپنے یک طرفہ مکالموں سے حسن کو سمجھا رہا ہو کہ وہ ہمیں کس راہ پر لے جانا چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت میں حسن سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بھی وہی راگ الاپتا جو مراد سنا رہا تھا۔

حسن سے بھی اس کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اس نے فون مجھے لوٹاتے ہوئے مایوسانہ آواز میں کہا "قیدی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کرشن کمار اسے میرپور خاص سے کہیں آگے نکال لے گیا ہے۔ قیدی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تم نے ایک بے گناہ شہری کو پکڑا ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ اسے چھڑا لیں۔ اگر وہ تمہارے بس سے باہر ہے تو پھر مجبوری ہے۔ ہم کرشن کمار کو ڈھونڈیں گے۔ تمہاری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔"

"میں نے تمہارے سامنے کہا ہے کہ قیدی کے بدلے تم مجھے

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ۔ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول۔ ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ازمنۂ ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

بنک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور بینک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گرانقدر معاوضے پر بیچتا ہے۔
قیمت جلد اول ۵۰، جلد دوم ۵۰
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منشن، ٹیلیفونیا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوڑ دو گے....."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیدی ہمارے لیے اتنا اہم تھا.... اور نہ ہے۔"

"تمہارے آدمی کا سارا زور اسی پر تھا۔ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے میرا حشر خراب کر دیا گیا۔"

"ایک آدمی کو بچانے کے لیے ہم جو کچھ کر سکتے تھے' وہ کر لیا۔ ہم نے تمہارے لیے آدھے گھنٹے کا وقت رکھا تھا۔ تم زبان نہ کھولتے تو تمہیں کسی ٹرین کے نیچے دے دیا جاتا۔ تم نے زبان کھولی ہے اس لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے اس کی تکلیف میں ایک دم اضافہ ہو گیا ہو۔ میں نے اول خان کو اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصے سے نیچے اتر گئے۔

"اس نے تو سب کچھ الجھا دیا ہے۔" ٹرک سے قدرے دور ہٹتے ہی اول خان پر تشویش آواز میں بولا۔

"سب اس کی بدمعاشی ہے۔ اس کا دم خم آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے۔"

"کمال ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تم اس کی باتوں سے متفق ہو۔"

"سلطان شاہ کی زندگی کی خاطر میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا ورنہ میں نے اس کی نیت کا کھوٹ بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس سے چمن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

اول خان کو ٹرک میں موجود ناکافی سبز روشنی کی وجہ سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھنے کا موقع ملا' نہ ہم دونوں کے درمیان براہِ راست بات چیت کی نوبت آئی تھی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں مراد کے بارے میں کس نہج پر سوچ رہا تھا۔ میں نے مراد کے بیان کے تضادات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تو وہ فوراً میرا ہم خیال ہو گیا۔

"ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔" اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "اگر مراد جھوٹ بول رہا ہے تو سلطان شاہ کہاں ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھے شبہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک میرپور خاص میں ہے۔ مراد اور حسن کی بات ہونے کے بعد اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے تو اور بات ہے۔ دوسری طرف نیا چھور کے تربیتی کیمپ کا معاملہ بھی سنگین ہے۔ ہمیں تیزی کے ساتھ وہاں پہنچنا ہو گا۔ زیادہ وقت گزر گیا تو سلطان شاہ کے ساتھ مراد کے اہم ساتھی بھی غائب ہو جائیں گے۔"

"اگر تم اس فیصلے پر پہنچ چکے ہو تو ہم اسی وقت میرپور خاص کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"اس طرح بات نہیں بن سکے گی۔ وہ پہلے ہی ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہم میرپور خاص پہنچیں گے تو وہ کسی سرحدی گاؤں میں ہوں گے۔ خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر وہ سرحد پار نکل گئے تو قصّہ طول پکڑ جائے گا۔"

اول خان چکرا کر رہ گیا "پھر تمہاری تجویز کیا ہے۔ میرا تو ذہن کام نہیں کر رہا۔"

"اگر ہمیں ایک ہیلی کاپٹر مل سکے تو ہم بہت تیزی سے ان کے سروں پر پہنچ سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوئے' ہم انہیں جا لیں گے۔ ان کو سرحد پار کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"ہیلی کاپٹر ملنا مشکل ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "کسی طرح آرمی والوں سے کوئی ہیلی کاپٹر مل بھی گیا تو ہمیں اس کو سرحد سے بارہ پندرہ میل دور رکھنا ہو گا۔ کوئی فوجی ہوا باز اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔"

"سرحد سے اتنی دور رہ کر سرحدوں کی نگرانی کیسے ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"فضائی حدود کی یہ پابندی دونوں فریقوں کے لیے ہے۔ ان حدوں سے آگے ساری ذمّے داری زمینی دستوں کی ہوتی ہے۔ ہیلی کاپٹر میں ہمیں ہر حال میں سرحد سے دور رہنا ہو گا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان پھر بولا "اس کی زبان سے کرشن کمار اور اس کے تربیتی کیمپ کا ذکر سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چکر سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔"

"اس کے انکشاف پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ حالات کے رخ سے پتا چل رہا تھا کہ ان معاملات میں سرحد پار والے ضرور ملوث ہیں۔ دھنی رام' گوپال چند اور اب کرشن کمار کی موجودگی کے بعد کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس وقت سلطان شاہ کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ ان سے آرام سے نمٹ لیا جاتا۔"

"کیوں نہ ہم تبادلے کے بارے میں مراد کی تجویز قبول کر لیں۔" اول خان نے یوں کہا جیسے اسے کوئی انوکھی بات سوجھی ہو۔

میں تلخی سے ہنس پڑا "بعض اوقات تم بہت سی اہم باتیں نظر انداز کر دیتے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کی یہ پیشکش ایک چال سے زیادہ نہیں ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں سیدھے اور صاف ذہن کا آدمی ہوں۔ چال پیچ کی باتیں کرتا ہوں نہ ایسی باتیں آسانی سے میری سمجھ میں آتی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ بھی ہنسا پھر بولا "ایسے معاملات میں ہمیشہ تم میری مدد کرتے ہو۔"

"ایک طرف وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کرشن کمار نے سلطان شاہ کو میرپور خاص سے آگے بڑھا دیا ہے اور دوسری طرف وہ اپنے اور سلطان شاہ کے تبادلے کی بات کر رہا ہے۔ کیا یہ دونوں متضاد باتیں نہیں ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔
"ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی متبادل راہ ہو۔"
"کوئی راہ نہیں ہے۔" میں نے وثوق سے کہا "چرا لگنے کے بعد وہ اتنا خستہ حال ہے کہ جسمانی طور پر فرار کی کوئی کوشش نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیں گھیر گھار کر اپنے گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ اس کے آدمی اسے ہمارے قبضے سے نکال سکیں۔"
"وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے!" اول خان نے حیرت سے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مجرم فوج سے اس قدر کھلا تصادم مول لینے کے بعد عافیت کے ساتھ یہاں رہنے کا تصور کرسکے؟"
"سرحد پار اس کے ہمدرد موجود ہیں تو اسے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ ایک بار رسّی تڑانے میں کامیاب ہوجائے تو پل بھر کے لیے بھی اس سرزمین پر نہیں رکے گا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی آزادی کا خواہاں ہے۔ دوسری صورت میں اسے نوشتۂ دیوار صاف نظر آرہا ہوگا۔" اسی وقت ویرا اور غزالہ بھی ہمارے پاس آموجود ہوئیں۔
"آزادی یا موت۔ اس کے سامنے ان دو کے سوا تیسرا راستہ نہیں ہے۔"
"پھر بھی میں تمہاری تسلی کے لیے اس سے تبادلے کے موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔"
"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تمہاری وضاحتوں کے بعد اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔" اول خان نے پورے خلوص کے ساتھ اپنے مؤقف سے پسپائی اختیار کرلی۔
"اس سے بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اس وقت وہ ہمارا قیدی ہے۔ ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ سلطان شاہ کے لیے ہمیں ہر امکان پر کام کرنا چاہیے۔"
"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" اول خان نے اسے بتایا "تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ ابھی ابھی اِدھر آئی ہو۔ تم نے ڈینی کا تجزیہ نہیں سنا۔ اس کی نگاہیں بہت دور تک کام کرتی ہیں...."
غزالہ نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ جو کچھ کہے، اس پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا شروع کردو۔ وہ واقعی بہت مکّار اور جھوٹا آدمی ہے مگر ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟"
ویرا نے بھی غزالہ کی تائید کی اور میں چڑ گیا۔ میرے دماغ میں اتنا دم نہیں تھا کہ ساری باتیں ان کے سامنے دہرا کر انہیں اپنی رائے تبدیل کرنے کا مشورہ دیتا۔ میرے انکار کے بعد اگر خدانخواستہ سلطان شاہ کے ساتھ کوئی سانحہ رونما ہوجاتا تو غزالہ اور ویرا کے دلوں میں عمر بھر کے لیے، میری طرف سے بدگمانی جڑ پکڑ لیتی۔

"میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ تم دونوں بھی ٹرک میں آجاؤ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"شاید ہمارا اس کے سامنے جانا مناسب نہ ہو۔" غزالہ نے کہا "آپ ہی اول خان کے ساتھ ہو آئیں۔"
"ٹرک میں بہت کم روشنی ہے۔ وہ پلٹ کر تمہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری گفتگو اپنے کانوں سے سن لو تاکہ بعد میں کوئی دلیل یا حجت باقی نہ رہ جائے۔ ایک مرتبہ یہ قصہ ختم ہوجانا چاہیے۔"
"شاید ہمارا مشورہ تمہیں ناگوار گزرا ہے۔" ویرا نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے صفائی سے اس کا صحیح اندازہ مسترد کردیا "ہم میں سے کوئی بھی سلطان شاہ کا بدخواہ نہیں ہے۔ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں کچھ کر گزرنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔ بعض اوقات عقل اور دلیل دھری کی دھری رہ جاتی ہے، محض مقدر کی یاوری کی بنا پر کوئی معجزہ رونما ہوجاتا ہے۔ شاید اس بار بھی ایسا ہوجائے۔"
حامد ٹرک سے اتر آیا تھا۔ ٹرک میں ہتھیاروں کے ساتھ فاضل گولیوں وغیرہ کی بھاری مقدار بھی موجود تھی اس لیے بخشش کو مراد کی نگرانی کے لیے ٹرک میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم چاروں وہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصفہ شاکر ہومیو کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر ◆ ڈاکٹر نرگس مغل

تعطیل بروز _____ جمعۃ المبارک

C-2/960 کمرشل ایریا طارق روڈ بالمقابل مسٹر برگر۔ کراچی

اوقاتِ ملاقات: دوپہر ۱۲ تا ۳ بجے

گلشنِ اقبال برانچ

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ سفاری پارک

گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام 6 تا 9 بجے رات

شاکر پیسر آئل بھی دستیاب ہے

مزید معلومات کے لئے فون: 4966698

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچے تو خواتین کی سہولت کے لیے کلیمپ کھول کر ٹرک کی پچھلی دیوار نیچے گرا دی گئی۔ وہ دونوں اچھل کود میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ کسی سہارے کے بغیر ٹرک میں سوار ہو کر خاموشی سے بینچ کے آخری سرے پر بیٹھ گئیں۔ بخشل فوراً نیچے آگیا اور ہم دونوں پھر سے مراد کے سر پر سوار ہو گئے۔

ٹرک میں ہونے والی ہلچل نے مراد کو مضطرب کیا ہوا تھا۔ ہلکی روشنی میں اس نے ہمارے چہرے دیکھے تو اس کی آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا "ٹرک بہت دیر سے رکا ہوا ہے۔ تم سفر شروع کیوں نہیں کرتے!"

"ٹرک اپنے وقت پر چلے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہلنے جلنے سے معذور' ایک بے بس قیدی ہوں۔ میں اپنے مستقبل کے سوا کیا سوچ سکتا ہوں؟"

"تم آج پکڑے جانے والے آدمی کے ساتھ اپنے تبادلے کی بات کر رہے تھے۔ وہ کب تک حیدر آباد آسکتا ہے؟"

"وہ کرشن کمار کے قبضے میں ہے۔ اس کا حیدر آباد آنا مشکل ہے۔ تمہیں میر پور خاص جانا ہوگا۔"

اول خان نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں بدستور مراد سے بات کرتا رہا "قیدی میر پور خاص میں نہیں ہے تو ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"مجھے اب پھر حسن سے بات کرنی پڑے گی۔ کرشن کمار کے پیچھے آدمی دوڑانا پڑے گا۔ وہ بڑا آدمی ضرور ہے مگر میری عزت کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ قیدی کے بدلے میری جان بچ سکتی ہے تو وہ اسے میر پور خاص لے آئے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو...." میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ میرا مان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کرشن کمار میرا مان نہیں توڑے گا۔ اسے شہروں میں بھاگ دوڑ کرنے والے ایک پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔"

"تم نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا کیا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔" اول خان خاموش نہ رہ سکا۔

"تم فوجی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں دھوکا دے کر میں کہیں نہیں بچ سکوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کرشن کمار میرا مان نہ رکھے' آنے سے انکار کر دے۔ تم لوٹ آنا۔ میں بھی خود کو اپنے نصیب کے حوالے کر دوں گا۔"

اول خان نے پہلو بدل کر بے چینی سے میری طرف دیکھا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بادی النظر میں مراد ظریف کی تجویز بہت سیدھی اور قابلِ عمل نظر آرہی تھی۔ اس میں اس کے من میں چھپے ہوئے اس کھوٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ ایک مشکل صورتِ حال تھی۔ سلطان شاہ سے ویرا اور غزالہ کی گہری جذباتی وابستگی کی وجہ سے میں اس نازک موڑ پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون نکال کر ری ڈائل بٹن دبایا اور ایک مرتبہ پھر فون مراد کو دے دیا۔ اس بار اس کی گفتگو کا مکمل مفہوم سمجھنے کے لیے میں نے بخشل کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہی چکر چلے گا۔ مراد' مولا داد کو پیغام دے گا۔ وہ حسن کو بلانے جائے گا تب کہیں مراد اور حسن کی بات ہو سکے گی مگر مراد کے ابتدائی جملوں سے واضح ہو گیا کہ حسن اپنے ٹھکانے پر لوٹنے کے بجائے اس وقت تک مولا داد کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مراد نے اسے اپنے تبادلے کی خوش خبری سنا کر تاکید کی کہ وہ اسی وقت میر پور خاص سے نیا چھور تک سارے ٹھکانوں پر کرشن کمار کو تلاش کرے اور اسے سب کچھ بتا کر قیدی کے ساتھ میر پور خاص لے آئے۔

"اب ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کرشن کمار میر پور خاص پہنچ گیا ہے؟" اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ہمیں حیدر آباد میں رک کر اس امر کی تصدیق کرنے کے بجائے میر پور خاص کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوتا کہ کرشن کمار کون ہے اور کس حد تک مراد کی توقعات پر پورا اترتا ہے۔

"یہاں رک کر انتظار کرو تو تین چار گھنٹوں تک پتا چل جائے گا۔" مراد نے اپنی پچھلی بات دہرانے کے بجائے تحمل سے جواب دیا "وقت بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ ہم میر پور خاص چل دیں۔ تمہیں وہاں زیادہ نہیں رکنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے!" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم چاروں ٹرک سے نیچے اتر آئے۔

ویرا اور غزالہ اس گفتگو سے بہت خوش تھیں' اول خان مضطرب تھا اور میں دل ہی دل میں صرف بہتری کی دعا کر رہا تھا۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے یہ خبر خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ سفر کی منزل بدل گئی تھی اور قافلے کو کراچی کے بجائے میر پور خاص کی طرف جانا تھا۔

ایک فیصلہ ہونے کے بعد سب چند منٹ میں اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ رات کے سناٹے میں جیپ اور ٹرک کے انجنوں کی تیز غراہٹیں گونجیں اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نئے سفر کا آغاز ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیوکل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹرول رابوٹی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے پھکنی پھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایس ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ڈی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیٹا کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اولبی سے رابطہ کیا مگر وہ مخاطب ہوتا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کی میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کروایا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جانتا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی' نام بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اولبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسکیم کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اولبی ہنٹ کے لیے ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیٹا کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خود کشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ورا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبت وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائیل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انڈاور ایبروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کر کے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی غیر قانونی سرگرمیوں کی فائل مرتب کی تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کر کے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں رکھوا دیا تھا۔ ہم نے وہ فائل بہ آسانی حاصل کر لی۔ جس کے بعد مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی سے چھٹکارے کا فیصلہ کر لیا گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے آیا۔ وہ اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا اور غیر معمولی ترقی کر رہا تھا۔ میں نے مقبول چوہدری کے حوالے سے اسے ماٹیگرو سینٹر بلایا مگر وہ کوڈ کے بجائے نام سے پکارے جانے کے سبب بدک گیا اور اس نے ماٹیگرو سینٹر پر چڑھائی کر دی۔ ایس ٹی ایف کے ایک جوان کو زخمی کر کے اور اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد اسے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ میں نے اس سے مقبول چوہدری بن کر بات کی اور وہ حیران رہ گیا مگر اس نے بتایا کہ غیر معمولی حالات کے باعث وہ امریکن قونصلیٹ کی جان امتحت سے رابطہ قائم کرتا ہے اور اس کی ہدایت کے بہ موجب مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ جلال نے اسلام آباد سے بتایا کہ مراد ظریف ان کے بھی ہاتھ آتے آتے پھسل گیا تھا۔ سلطان شاہ اور خوالد نے باہمی طور پر حیدر آباد جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ مراد ظریف کو تلاش کر سکیں۔ مراد ظریف بہت تیز جا رہا تھا' اس نے نکومتی اداروں کے لیے کام کرنے والے مخبر کو سرعام گولی مار کر ہلاک کروایا اور سلطان شاہ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم نے اکرام الٰہی کی فائل میں سے ایک شخص چن نلی کا سراغ نکالا' اس نے بازپرس کے دوران میں مراد ظریف کے حیدر آباد میں ٹھکانے کی نشاندہی کر دی۔ ایس ٹی ایف اور ہماری مشترکہ کارروائی کے بعد مراد ظریف ہمارے پاس تھا مگر وہ سلطان شاہ کو میرپور خاص بھجوا چکا تھا اور اپنی گلوخلاصی کی قیمت پر سلطان شاہ کو واپس کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ میرپور خاص جانے کا فیصلہ کیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کی ابتدا خاموشی سے ہوئی پھر اس سکوت کو اول خان کی آواز نے توڑا۔

"اس سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد تمہاری کیا رائے ہے...؟ پہلے فیصلے پر قائم ہو یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟" اس کی آواز گمبھیر اور پُرتشویش تھی۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں وہ خاصی جسمانی توڑ پھوڑ کا شکار ہوا ہے مگر اس کا ذہن اب بھی کام کر رہا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جواب دیا۔ "ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ حیدر آباد سے میرپور خاص کے درمیان سفر کے دوران میں بھی وہ کچھ نہ کچھ سوچتا رہے گا..."

"بدترین حالات کا حوالہ دے کر تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" ورا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ میرپور خاص میں ہمیں دوستانہ ماحول ملے۔ وہاں کوئی نیا فساد کھڑا ہو سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ سلطان شاہ کی سلامتی بلکہ زندگی کے لیے بھی خطرات پیدا ہو سکتے ہیں؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "مراد کے آدمی سلطان شاہ کو بلاوجہ اپنے ساتھ لیے نہیں پھر رہے۔ وہ اسے مارنا چاہتے تو جی آر کی طرح حیدر آباد میں ہی ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ ان کی سفاکی اور سرد مہری کا ایک ثبوت ہمارے سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آچکا ہے..."

"میں تم سے متفق ہوں" اول خان نے رائے دی "انہوں نے کسی مقصد کے لیے اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ سلطان شاہ بہت مضبوط آدمی ہے۔ ابھی تک اس نے تشدد سہ کر اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ اسی لیے زندہ ہے۔ وہ لوگ جاننا چاہ رہے ہوں گے کہ اسے صحرا کے لاوارث دفتر سے کیا دلچسپی تھی اور اب تو مراد نے خود ہی اپنے آدمیوں کو یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ وہ خود مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور اسے سلطان شاہ کے بدلے ہی آزادی مل سکتی ہے۔"

"اسے ان لوگوں کے قبضے میں گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔" غزالہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔ "انہوں نے اب تک اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا۔"

"ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے" ویرا کی آواز ابھری "لڑائی میں آدمی پر برا وقت آتا ہے تو چھٹی کا دودھ تک یاد آنے لگتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ ذرا سی دیر میں ہم نے مراد ظریف کو کس حال میں پہنچادیا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک زندہ ہے اور مراد ظریف کا پیغام پہنچنے کے بعد اس کی زندگی کو لاحق مزید خطرات ٹل گئے ہیں۔"

"اس نے بتایا ہے کہ سلطان شاہ میرپور خاص میں نہیں ہے۔ کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہے۔" غزالہ کے ذہن میں وسوسے مسلسل سر ابھار رہے تھے "ہمارے پہنچنے تک بھی کرشن کمار نہ مل سکا یا واپس نہ آیا تو کیا ہوگا۔"

"یہ سوال قبل از وقت ہے۔ میرپور خاص پہنچنے کے بعد ہی اس کا کوئی جواب تلاش کیا جاسکے گا۔"

جیپ میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔ رات کے سناٹے میں بس انجنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس وقت تک جو شواہد ہمارے سامنے آئے تھے ان کی روشنی میں مراد ظریف ہی سب سے اہم مجرم نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی صحرا نامی این جی او کی کارکردگی کے بارے میں رپورٹیں وغیرہ بھیج بھیج کر امریکا میں بیٹھے ہوئے' فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم لوگوں کی نظروں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیا تھا۔ امریکیوں سے مدد اور تعاون کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کی وجہ سے مراد ظریف' فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے ان ایجنٹوں کے لیے کام کا آدمی تھا جو پاکستان میں اپنی سازشوں کی آبیاری کے لیے ہر وقت وفادار مہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس کی یکطرفہ خط و کتابت کا کوئی جواب نہ دے کر وہ اس کی آتشِ شوق کو بھڑکاتے رہے اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ پاکستان کے خصوصی حالات میں سفید فام امریکی ایجنٹ بذاتِ خود کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے اور ایسی کوششوں میں منہ کی کھاکر جہنم واصل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کو بھی خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہوں نے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے وہ مشن مراد ظریف کو سونپنے کا فیصلہ کرلیا۔

مراد ظریف ان کا کلیدی مہرہ تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے خود پس منظر میں رہے اور انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے مراد ظریف پر اپنی مالی نوازشات کی بارش کردی۔

اسے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری مالی وسائل مہیا کررہے تھے' فکری مواد کی فراہمی کے لیے فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے عقل و فہم سے عاری ان چار پاکستانیوں کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کردیا جو تعلیم یا ملازمت کے سلسلے میں برسوں امریکا میں رہے تھے اور شاید امریکی خفیہ اداروں نے کڑی جانچ پڑتال کے بعد ہزاروں کی بھیڑ میں سے ان کا انتخاب کیا تھا۔

توقع یہ تھی کہ چمن علی اور گوپال چند کی طرح بقیہ دونوں افراد بھی نام نہاد تعلیم یافتہ ہوں گے جو عالمی برادری' مکمل آزادی اور بقائے باہمی کے بلند بانگ امریکی نعروں سے مرعوب ہوکر اپنی جڑوں کو فراموش کرچکے ہوں گے۔ ایسے لوگ کسی بھی بدیتی یا بے ایمانی کے بغیر' پورے خلوص سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر نسلِ انسانی کی بہبود بلکہ بقا کا تمام تر دارومدار اس ایک نکتے میں پنہاں ہے کہ امریکیوں کے فلسفۂ حیات کو نہ صرف اپنایا جائے بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی کام کیا جائے۔

اس دو طرفہ اعانت کے بعد مراد ظریف اس قابل تھا کہ اکرم الٰہی کے ذریعے ملنے والے مشن کو پورے زور و شور سے آگے بڑھا سکے۔ اس کے عزائم کی جھلک تضادات میں ملتی تھی۔ ایک طرف وہ چمن علی جیسے روشن خیال اور آسودہ حال شہری کی تحریروں سے فیض اٹھا رہا تھا اور کم و بیش اسی قابلیت والے گوپال چند کے مکان میں عیش کررہا تھا تو دوسری طرف دھنی رام جیسا مسلّمہ دہشت گرد اس کے آدمیوں میں شامل تھا۔

مائیکرو سینٹر کے باہر ہونے والے تصادم میں جب دھنی رام' اول خان کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں کا نشانہ بنا تو مجھے قلق ہوا تھا کہ ایک جیتا جاگتا انسان یوں بے دردی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارا گیا مگر جب حامد نے مرنے والے کے بارے میں کھوج نکالا تو پتا چلا کہ دھنی رام اس سے بھی زیادہ عبرت ناک موت کا مستحق تھا۔

چمن علی اور گوپال چند کے برعکس وہ ایک پیشہ ور قاتل اور ڈکیت تھا جو نواب شاہ کے ایک وڈیرے کی حویلی میں ڈکیتی اور سات افراد کے قتل کی لرزہ خیز وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا اور اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے مجرم مراد ظریف کے لیے کام کررہے تھے۔

مراد ظریف خود بھی مجھے ذہین نظر آیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو آسانی سے دوسروں کی بالادستی قبول کرلیتے ہیں۔ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری سے ضرور مرعوب تھا کیونکہ بظاہر وہی دونوں اس کے ان داتا تھے۔ ان کی توجہ سے مراد کے دن پھرے تھے لیکن وہ کسی اور کو خاطر میں لانے والا نہیں تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میرپور خاص میں بھی صحرا کے کارکنوں اور ان کی کارروائیوں پر مراد کا مکمل کنٹرول تھا۔ اول تو کرشن کمار کا وجود ہی مشتبہ تھا اور اگر وہ واقعی کوئی شورہ پشت تھا تو مراد کا تنخواہ دار، وفادار اور ماتحت تھا جو اس کے حکم کے بغیر سلطان شاہ کو میرپور خاص سے نکال کر کہیں نہیں لے جاسکتا تھا۔

وہ مراد ظریف کی مکمل ہسٹری شیٹ تھی جو دورانِ سفر کسی فلم کی طرح میرے ذہن کے پردے پر چلتی رہی اور میں سگریٹ کے کش لگاتا، خاموشی سے اس کے ایک ایک حصے پر غور کرتا رہا۔

ابتدائی طور پر میں نے ویرا اور غزالہ کا دل رکھنے کے لیے میرپور خاص جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میرا پہلا نظریہ یہ تھا کہ مراد ظریف ہم لوگوں کو ہر قیمت پر اپنے مضبوط گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ وہاں اپنے آدمیوں کی طاقت کے بل پر ہمارے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرسکے لیکن اس کی ہسٹری شیٹ پر غور کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے تبدیل کرلی تھی۔

کراچی سے نکلتے ہوئے ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمیں سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے حیدر آباد سے بھی آگے کا سفر اختیار کرنا ہوگا مگر پھر بھی اول خان نے احتیاطاً اپنے ساتھ دس افراد کی مسلح اور تربیت یافتہ نفری لے لی تھی جو مجرموں سے کسی بڑے سے بڑے مقابلے کے لیے بھی کافی تھی۔

میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مراد نے میرپور خاص پہنچنے کے بعد کوئی گندی چال چلنے کی کوشش کی تو کسی کمک کے بغیر ایس ٹی ایف کی نفری کو استعمال کرکے صحرا کے دفتر کو تاخت و تاراج کردیا جائے گا۔

میں اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میرے ہم سفر بھی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفر بہت طویل نہیں تھا مگر میرا خیال تھا کہ سڑک کی خستہ حالی کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سست تھی۔

اتنی رات گئے اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک کے اطراف میں کہیں کہیں دھندلائی ہوئی روشنیوں کے جھنڈ چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی موجودگی کا اعلان کررہے تھے۔ روشنی کی سہولت سے محروم نہ جانے کتنے ہی تیرہ و تار گاؤں رات کے گہرے اندھیرے میں یوں چھپ کر رہ گئے تھے کہ ہمیں ان کے وجود کا احساس تک نہ ہوسکا۔

حیدر آباد سے تقریباً ایک گھنٹے یا اس سے کچھ کم مسافت پر پہلی بڑی آبادی کے روشن مگر خوابیدہ آثار نظر آئے۔ میں نے ان اطراف میں سفر نہیں کیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ وہ ٹنڈوالہ یار کی آبادی تھی۔ وہاں رہنے والے اسے چھوٹے سے شہر کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ کسی شہر سے بہت چھوٹا اور گاؤں سے بڑا علاقہ ہے جہاں روزگار کے بیشتر ذرائع زراعت اور گلہ بانی سے وابستہ ہیں۔ چونکہ وہاں خاصی آبادی ہے اس لیے آبادی کی ضروریات پورا کرنے والے دوسرے کاروبار بھی دیہی انداز میں چلائے جاتے ہیں۔

"شاید ہم اپنی منزل کا آدھا سفر طے کرچکے ہیں" پچھلی نشست سے ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے" اول خان نے اس کی تائید کی "ہم خاصی رات گئے وہاں پہنچیں گے۔"

"رات تو گزر ہی گئی۔ یہ کہو کہ صبح سویرے پہنچیں گے۔" ویرا خاموشی سے اکتائی ہوئی تھی۔

"انگریزی حساب سے تو رات کے بارہ بجے کے بعد ہی صبح ہوجاتی ہے۔" اول خان نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری سمجھا "مشرق میں صبح کا آغاز طلوعِ آفتاب سے ہی ہوتا ہے۔"

"مغرب میں بھی یہ تصور صرف وقت کی پیمائش تک محدود ہے۔ عملاً وہاں بھی دن، سورج نظر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے" ویرا نے وضاحت کی "رات کے دو بجے ہر معقول شخص گہری نیند سوتا ہوا ملے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پتا نہیں سلطان شاہ کس حال میں ہوگا؟" غزالہ
ئی "مجھے اس کی فکر کھائے جارہی ہے۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرپور خاص میں سلطان شاہ
یا نہ ملے' اس کا سراغ ضرور مل جائے گا۔"

"یہ کیسے کلمات منہ سے نکال رہی ہو" غزالہ نے ویرا
رائے زنی پر احتجاج کیا "اس کے لیے اور کچھ نہیں
کتیں تو کم از کم توقعات تو اچھی رکھو۔"

"میں اس بے چارے کے لیے تم سے زیادہ فکر مند ہوں
ن ہم حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ شترمرغ کی طرح
ت میں گردن دے کر طوفان کو نہیں ٹالا جاسکتا۔"

"تو کیا تمہیں مراد کی کہانی پر پورا یقین ہے؟" غزالہ کی
فسرانہ آواز سے صدمہ جھلک رہا تھا۔

"اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ بہت
ی طرح ہمارے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور جانتا ہے کہ ہم
ہ رکھ کر اس کا جوڑ جوڑ کھول سکتے ہیں۔ ڈینی بلاوجہ اس کی
ف سے بدگمان ہے۔"

"تم میری بات لکھ لو کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کرشن کمار
روپ میں اس نے اپنے بچاؤ کے لیے قربانی کا ایک بکرا
ر کیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنی گردن بچانے
ں کامیاب ہوجائے گا۔"

"یہ تم کوئی نئی بات کہہ رہے ہو" اول خان نے چونک کر
۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی باتوں کی تہیاں
جھتی جارہی ہیں....

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"
ل خان نے میری بات کاٹ دی۔

"اس نے ہمیں یہ تاثر دیا ہے کہ کرشن کمار اس کا آدمی
یں ہے بلکہ اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ
تہ ذہن میں رکھو کہ وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے۔ بات خود
ل جاتی ہے۔"

"تمہارے لیے کھل گئی ہوگی' میری سمجھ میں خاک بھی
یں آیا۔" ویرا بولی۔

"اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ نیا چھور میں کرشن کمار
غیوں کی تربیت کے لیے نیم جنگی کیمپ چلا رہا ہے۔ اگر ہم
جی ہیں تو معاملہ سلطان شاہ کی بازیابی پر ختم نہیں ہوگا۔ بات
ا چھور تک جائے گی۔ مراد سارا بوجھ بار کرشن کمار کے
لندھوں پر ڈال کر ابھی سے خود کو الگ تھلگ رکھنے کا ارادہ
کرچکا ہے۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے" اول خان کی پُرخیال آواز
ابھری۔

"پہلے کے مقابلے میں اب تمہاری بات قرین قیاس نظر
آرہی ہے" ویرا نے کہا "وہ واقعی بہت مکار ہے۔ اپنے لیے
ہر راستہ کھلا رکھنا چاہ رہا ہے۔ کرشن کمار کو پھنسوا کر خود بچ گیا
تو مزے میں رہے گا۔ یہ داؤ کارآمد ثابت نہ ہوا تو سرحد
پار بھاگ جائے گا۔ بس اسے ایک موقع ملنے کی دیر ہے۔"

"ہماری مجبوری یہ ہے کہ سلطان شاہ کی آزادی تک ہم
اس کی کسی بات کو چیلنج نہیں کرسکتے۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے'
مانتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی باتوں کی تصدیق
کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"

"میں اس بارے میں سوچ چکا ہوں۔ میرپور خاص کی
حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہم کچھ نہ کچھ معلوم کرچکے
ہوں گے۔ مراد کو آزادی سے اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں دیا
جائے گا۔"

"اپنے اس فیصلے میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں
کروگے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم سب ہی اس میں شریک ہوں گے۔ اہم ترین کردار
بخشل ادا کرے گا۔"

ہر لمحہ شخصیت سیہ ہالوں کے ظلم سے

ایک سنسنی خیز سرگزشت

جال

قیمت 50 روپے

ڈاک خرچ 16 روپے

- ایک ایسے انسان کی کہانی جسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے
- جب اس نے آنکھ کھولی تو وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا
- دنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں اس کے تعاقب میں تھیں
- اس پر نہ کوئی گولی اثر کرتی تھی اور نہ ہی کوئی زہر

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ!" اول خان چونک پڑا "کیا اس لیے کہ وہ سندھی ہے؟"

"ہماری ساری نفری سادہ لباس میں ہے۔ تمہارے آدمی ہتھیار الگ رکھ دیں تو کوئی ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرسکتا۔ بخشل پیدائشی سندھی ہے۔ مقامی زبان اور رسوم ورواج سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ ہم براہِ راست شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ باہر پڑاؤ کریں گے۔ بخشل ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر میں جائے گا۔ ہم مراد سے صحرا کے دفتر اور اس کے آدمیوں کے پتے حاصل کریں گے۔ بخشل آسانی سے سراغ لگالے گا کہ کرشن کمار اور سلطان شاہ کے بارے میں مراد کی بنائی ہوئی کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی روشنی میں ہم پیش قدمی کریں گے۔"

"تم سارے راستے خاموش بیٹھے ہوئے تھے" ویرا کی طنز بھری آواز گونجی "مجھے اندازہ تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اور آخر میں تم کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاؤ گے۔"

اول خان بے ساختہ ہنسی کے دوران میں بولا "خود غورو خوض سے گھبراتی ہو۔ ڈینی سب کی بھلائی کے لیے یہ نیک کام کرتا ہے۔ تو تم بلاوجہ اس پر غرانے لگتی ہو یا آنکھیں دکھانے لگتی ہو۔"

"مجھے اس کے سوچنے پر نہیں، گھنّے پن پر غصہ آتا ہے۔ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر بس خاموشی سے سوچنا شروع کردیتا ہے..."

اداس اور بوجھل ماحول کے باوجود اول خان اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ بلند آواز میں بھی سوچا جاتا ہے۔"

"میری بات مت پکڑو" مضحکہ اڑائے جانے پر ویرا چڑ گئی "ڈینی کے دماغ میں کوئی نکتہ آتا ہے تو یہ خاموشی سے اسے اپنے ہی ذہن میں گھمانا اور نتیجے اخذ کرنا شروع کردیتا ہے۔ معقول راستہ اختیار نہیں کرتا۔"

"معقول راستہ تم کسے کہتی ہو؟" غزالہ بھی اس بحث میں شامل ہوگئی۔

"آدمی کے ذہن میں کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ دوسروں سے اس کا ذکر کرتا ہے، خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے اور آخرِ کار سب ایک نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اکثر یہی ہوتا ہے" میں نے اصرار کیا "کبھی کبھی بعض باتیں اچانک سوجھتی ہیں۔ ان پر تبادلۂ خیال کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ مجھے ایک دم ہی خیال آیا کہ بخشل کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں ہے، وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"بخشل کی رپٹی کارآمد ثابت ہوگی۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "بخشل ذہین اور محنتی آدمی ہے۔ وہ کسی کو شبے کا موقع دیے بغیر بہت کچھ معلوم کرلے گا۔ اس طرح ہمیں مراد کے سچ اور جھوٹ کا بھی پتا چل جائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بطورِ خاص ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "ذہن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اب میرے ذہن میں ایک نیا خطرہ سر ابھار رہا ہے۔ مراد اپنے آدمیوں کو میرپور خاص پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہوکر حیدر آباد سے میرپور خاص میں داخلے کے راستے کی نگرانی کررہے ہوں..."

"اس اندیشے میں جان ہے" ویرا نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اندھیرے میں سڑک کے دونوں اطراف میں چھپے ہوئے لوگوں نے ہم پر اچانک فائر کھول دیا تو ہم مشکل میں پڑجائیں گے۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ ڈینی نے صرف ایک خدشہ ظاہر کیا ہے" اول خان بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ڈینی کی زبان کالی ہے۔ یہ جو کچھ کہہ دیتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے" ویرا نے تیزی سے کہا۔ "کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے دشمن ڈینی سے مشورہ کرکے اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوں۔"

"کبھی کبھی تم ڈینی کی طرف سے بہت بدگمان ہوجاتی ہو" اول خان ہنس کر رہ گیا۔

"آپ ایک شوشا چھوڑ کر خاموش کیوں ہوگئے؟" غزالہ نے اضطراب کے ساتھ مجھے ٹوکا۔

"معقول راستہ اختیار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ دیکھو، ویرا کیا کہتی ہے۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔ ہم بے خبری میں مارے جاسکتے ہیں" ویرا بولی۔

"اب تم بے خبری کا عذر پیش نہیں کرسکتیں۔ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کردیا ہے۔"

"اس کے آدمی نگرانی ضرور کرسکتے ہیں مگر ہم سے اندھادھند تصادم کا خطرہ مول نہیں لیں گے" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہماری طرف سے کسی انتہائی جوابی کارروائی کا خوف انہیں ایسے اقدام سے روکے رکھے گا۔"

"مایوس دشمن سب کچھ کرگزرتا ہے۔ میں خوں ریزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بُو سونگھ رہی ہوں۔"

"اپنی ناک کا علاج کراؤ" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "تمہاری عقل پر ضرورت سے زیادہ بال اُگے ہوئے ہیں اس لیے تم عجلت سے فیصلے کر گزرتی ہو۔ اول خان صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔"

"تم کون سی انتہائی کارروائی کر سکتے ہو؟ ان کی گولیوں کا جواب گولیوں سے ہی دو گے نا! ہماری تو نہیں کر سکتے؟"

"وقت گزارنے کے لیے باتوں میں مصروف رہنا بہترین شغل تھا اور ویسے بھی اس وقت ویرا کو ساگانے میں لطف آرہا تھا۔ میں نے کہا "تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اول خان پوری تیاری کے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلا ہے۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں دستی بموں سے بھرا ہوا کریٹ موجود ہے۔ ہم ضرورت پڑنے پر ان کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔"

"جب تم اس حد تک جانے پر تلے ہوئے ہو تو پھر کچھ سوچنا سمجھنا بے سود ہے۔ وہ ذرا سی دیر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ حریف کو واضح برتری حاصل ہو تو بڑے بڑے سورماؤں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔"

"تم اُکتا کر فرار کی راہ اختیار کر رہی ہو۔ مسائل اتنی آسانی سے حل نہیں ہوا کرتے۔"

اول خان کو ویرا کی بے چارگی پر رحم آگیا اور اس نے کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ہمارا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ مراد ہماری قید میں ہے۔ ان کی طرف سے ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو ہم اسے ماردیں گے۔"

"ان کے پاس سلطان شاہ ہے۔ جواب میں وہ اسے ماردیں گے۔" ویرا بولی۔

"وہ اسے مار سکتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں مراد کو زندہ نہیں کر سکتے۔ یہ خوف انہیں خاموش رکھے گا۔"

"تم اتنے پر یقین ہو تو تم نے تصادم کا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"اس وقت وہ ایک اہم ترین سوال بلکہ جیتا جاگتا خطرہ تھا۔ باہمی مشاورت نے یہ ثابت کیا ہے کہ میں غیر حقیقی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔"

"سایوں سے لڑنا تمہارا شوق ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان فضولیات میں سر کھپاتی رہوں۔"

"ہم سب یوں مطمئن نظر آرہے ہیں جیسے سلطان شاہ کو گھر پر سوتا ہوا چھوڑ کر آئے ہوں" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر تفکر آمیز آواز میں کہا "پتا نہیں وہ کیسی اذیت سے گزر رہا ہوگا۔"

"ہم نے یہ سفر اسی کے لیے اختیار کیا ہے" اول خان نے نرمی سے اسے دلاسا دیا "سڑک خراب ہے۔ زیادہ تیز رفتاری کے جوہر دکھائے تو جیپ الٹ بھی سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آنا شروع ہو جائے گا۔"

"اس کے لیے سب سے زیادہ فکر مجھ کو ہے" ویرا نے کلامی کے انداز میں بولی "کاش! میں نے حیدر آباد روانہ ہونے پہلے اسے کچھ دعائیں دی ہوتیں.... مجھے کیا معلوم تھا کہ مذاق میں کہے ہوئے الفاظ بددعا بن کر واقعی اسے مصیبت میں پھنسا دیں گے۔ میں نے اس کے ساتھ بدشگونی کی تھی اور اب میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے پیچھے یہ سب کہہ رہی ہو۔ وہ آجائے گا تو پھر اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ گی۔"

"یہ میرا نہیں، اس کے مزاج کا قصور ہے۔ وہ خود مجھے چھیڑ چھاڑ پر اکساتا رہتا ہے" ویرا کی آواز بوجھل ہو گئی۔

فوری طور پر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے اپنے حلق میں ایک گولا سا پھنستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

باقی راستہ وجود کو چاٹ جانے والی گمبھیر خاموشی میں طے ہو گیا اور پھر میرپور خاص کی مضافاتی روشنیاں نظر آنی شروع ہو گئیں۔ اول خان نے اشارہ دے کر جیپ سڑک سے نیچے اتاری اور انجن بند کر دیا۔

سفر کے تسلسل سے سب ہی اس بُری طرح اُکتائے ہوئے تھے کہ انجن بند ہوتے ہی جیپ اور ٹرک سے اتر پڑے۔

حامد نے بتایا کہ سفر کے دوبارہ آغاز کے چند منٹ بعد ہی مراد ظریف دوبارہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس پر غیب کی غنودگی طاری تھی وہ وقفے وقفے سے کراہ کر آنکھیں کھولتا تھا اور کچھ بڑبڑانے کے بعد دوبارہ غافل ہو جاتا تھا۔

اول خان کے ایما پر حامد اسے ایک مرتبہ پھر ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ ہم دونوں بخش اور اس کے ایک ساتھی کو نئے کام کی جزئیات سے آگاہ کرنے لگے۔

مراد خاصی دیر کے بعد ہوش میں آکر اس قابل ہو سکا کہ اس سے کوئی بامقصد باز پرس کی جا سکے۔ اس دوران میں ہم بخش اور اس کے ساتھ جانے والے کو یہ بتا چکے تھے کہ انہیں میرپور خاص میں داخل ہو کر کیا کام سرانجام دینا ہے۔ حامد کا پیغام ملتے ہی میں اول خان کے ساتھ ٹرک میں پہنچ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے ہوشی کی وجہ سے مراد کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم نے کتنا وقت سفر میں گزارا تھا اور اس وقت کہاں تھے۔ وہ حامد سے بھی اس بارے میں استفسار کرتا رہا لیکن کسی نے اسے ان سوالوں کے جوابات نہیں دیے۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اس کی بے خبری ہمارے مقاصد کے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔

"انجنوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہم نے درمیان میں پڑاؤ کیا ہے۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے مبہم سا جواب دیا "یہ بتاؤ کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کہاں جانا ہو گا۔ صحرا کا دفتر کہاں ہے؟ مولاداد، حسن اور کرشن کمار سے کہاں رابطہ ہو گا؟"

ٹرک کے پچھلے حصے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں مراد کے مجروح اور متورم چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے پھر اس نے کمزور آواز میں کہا "صحرا کا دفتر شاہی بازار میں ہے۔ وہ صرف ایک دفتر ہے۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں ملے گا۔"

"وقت ضائع مت کرو۔ ہمیں دوسرے سوالوں کے جواب چاہئیں۔" اسے خاموش پا کر میں نے ترشی سے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرشن کمار قیدی کو لے کر میرپور خاص سے کہیں نکل گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے تلاش کر لیا ہو۔ اس کے بارے میں میرپور خاص پہنچ کر ہی کچھ پتا چل سکے گا۔"

"ہم وہی جاننا چاہ رہے ہیں کہ اس کے بارے میں کہاں سے پتا چلے گا۔"

"میری ٹیلی فون ڈائری گوپال کے گھر رہ گئی۔ مجھے مولاداد سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

وہ گول مول جواب دے کر ہمیں الجھا رہا تھا۔ مجھے اس پر سخت تاؤ آنے لگا مگر میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے بازپرس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگر وہ اس وقت بھڑک کر تعاون سے انکار کر دیتا تو ہمارا کام طول پکڑ سکتا تھا۔ ہم اسے یہ اندازہ لگانے کا موقع نہیں دینا چاہ رہے تھے کہ ہم اسے الگ تھلگ رکھ کر بالا ہی بالا کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وہ ٹرک میں ایسی زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ شہر کے راستوں کے بارے میں ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔ ہم جیپ میں رہنمائی کر رہے تھے۔ یہ بات آسانی سے اس کی سمجھ میں آئی کہ ہم اسے مولاداد کو فون کرنے کا موقع فراہم کیے بغیر براہِ راست اس ٹھکانے پر پہنچنا چاہتے ہیں جہاں بیٹھ کر مراد اپنے رابطوں کو بروئے کار لا سکے۔

حسن اس کا خاص آدمی تھا اور میرپور خاص میں مراد کے بیشتر کام وہی انجام دیتا تھا۔ مراد نے شہر کے راستوں کے حوالے سے اس مکان کا پتا بتانا شروع کر دیا جو وہاں صحرا کی سرگرمیوں کا اصل مرکز تھا۔ حسن دن رات اسی مکان میں رہتا تھا۔

○☆○

رات اندھیری تھی۔ شہر کی بیشتر سڑکیں روشنی سے محروم تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا اسٹریٹ لیمپس روشن تھے تو وولٹیج کی کمی یا پھر گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے یرقان زدہ نظر آ رہے تھے۔ شہر کی سڑکوں پر اور گلیوں میں آوارہ کتوں کا راج تھا جو غول در غول منڈلاتے پھر رہے تھے۔ بخش اور میر محمد کو کئی جگہ پتھراؤ کر کے یا بھاگ کر ان کتوں سے جان بچانی پڑی جو ان کی آہٹوں پر اپنی تمام مصروفیات کو فراموش کر کے ان پر لپکنے لگے تھے۔

میرپور خاص، بخش کا دیکھا بھالا شہر نہ ہوتا تو وہ ان بدحواسیوں میں راستہ بھٹک چکا ہوتا۔ میر محمد کے لیے شہر اجنبی تھا۔ اسے ایک مددگار کے طور پر شروع سے آخر تک بخش کی پیروی کرنی تھی۔ وہ دونوں آخری موڑ گھوم کر گلی میں داخل ہوئے تو بخش نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پیلی دیواروں والا مطلوبہ مکان ان کے سامنے تھا۔

"حیرت ہے کہ سارے راستے کسی پولیس والے سے ہمارا سامنا نہیں ہوا" میر محمد نے منزل سامنے آ جانے پر بخش سے کہا۔

"وہ بھی بے چارے بندے بشر ہیں" بخش نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا "بے چارے کہیں سوئے پڑے ہوں گے۔ چھوٹے شہروں میں تو چور چکار بھی تھک ہار کے سو جاتے ہیں، پولیس والے جاگ کر کیا کریں گے۔"

"ڈیوٹی، ڈیوٹی ہوتی ہے" میر محمد نے اعتراض کیا۔ "چوری، ڈکیتی ہو یا نہ ہو، پولیس والوں کو اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے کرنی چاہیے مجرم کبھی بھی وقت دیکھ کر یا اعلان کر کے واردات نہیں کرتے۔"

"اب یہ سب باتیں بھول جاؤ۔ تمہیں سب یاد ہے نا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"بالکل فکر نہ کرو" میر محمد نے بخش کو یقین دلایا "آج بہت دنوں بعد ایسا کام ملا ہے۔ صاحب لوگوں کا دل خوش ہو جائے گا.... بے چارے اپنے دن رات کے آرام کو بھول کر ہمارے ساتھ کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخشل کچھ نہ بولا۔ وہ خود بھی اکثر یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا تھا کہ اول خان اور اس کے چاروں دوست کس مٹی کے بنے ہوئے تھے کہ کام کے سامنے کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔

گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو اچانک ہی انہیں وہ نوجوان نظر آیا جو پیلی دیواروں والے مکان کے دروازے کے ساتھ بنے ہوئے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"اوئے! تم دونوں یہاں کہاں گھوم رہے ہو؟" بخشل کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے اس نوجوان نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہیں پتا ہے کہ اب کیا وقت ہو رہا ہے؟"

اس دوران میں وہ دونوں پیش قدمی کر کے اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں نوجوان کی گود میں رکھا ہوا ریوالور صاف نظر آگیا تھا۔ وہ شخص اپنے ہتھیار کو کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

"بابا! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم پردیسی ہیں' حیدر آباد سے آئے ہیں" بخشل نے کسی توقف کے بغیر بولنا شروع کر دیا "ہمیں حسن سائیں سے ملنا ہے۔ شاید یہ دروازہ اسی کا ہے۔"

نوجوان ریوالور داہنے ہاتھ میں تھام کر چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں باری باری بخشل اور میر محمد کے چہروں کا بے تابانہ طواف کر رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "تم کون ہو؟"

"ہم ثریا بائی کے ڈیرے سے آئے ہیں" بخشل نے رٹا رٹایا جواب دہرایا "ہمیں سائیں گوپال چند نے بھیجا ہے۔ وہ ہمارے ڈیرے کے بہت قدردان ہیں۔ آج رات بھی ڈیرے کی دو لڑکیاں ان کے گھر گئی ہوئی تھیں۔"

"گلو! کون ہے؟ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟" بند دروازے کے پیچھے سے ایک سخت مردانہ آواز گونجی۔

گلو نے جواب دینے کے بجائے دروازے کے پٹ کھول دیے جو اندر سے بولٹ نہیں تھے "آجاؤ!" اس نے بخشل اور میر محمد سے کہا پھر اندر والے سے مخاطب ہو کر قدرے اونچی آواز میں بولا "حیدر آباد سے مہمان آئے ہیں۔"

بخشل اور میر محمد دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کی کہانی مضبوط تھی مگر دونوں کے دلوں میں چور موجود تھا۔ ایک بار گھر میں داخل ہو جانے کے بعد ان کی پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی تھی۔

"اندر والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں جھول رہی تھیں۔ انہیں بعد میں پتا چلا کہ اسی کا نام حسن تھا۔ ایک اہم کردار ان کے سامنے تھا۔ دوسرے کا پتا نہیں تھا۔

وہ قدیم وضع کا گھر تھا جس میں کئی کمرے ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ صحن میں دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گھر کی بے سروسامانی چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ اس چار دیواری کی دیکھ بھال میں کسی عورت کا دور دور تک دخل نہیں تھا۔

رات تقریباً گزر چکی تھی یا آخری سانسوں پر تھی مگر وہاں بستر کے آثار تھے نہ دونوں مکینوں کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلسل بیداری اور اضطراب کی حالت سے دوچار تھے۔

"یہ حسن ہے" گلو نے مونچھوں والے کا تعارف کراتے ہوئے ان دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وقت تنگ ہے" حسن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا "روٹی پانی کے تکلف سے پہلے یہ بتا ڈالو کہ کس کام سے آئے ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"یہ سرے گھاٹ کی کسی ڈیرے دارنی کے آدمی ہیں۔ انہیں سیٹھ گوپال چند نے بھیجا ہے" بخشل یا میر محمد سے پہلے ہی گلو نے زبان کھول کر مسئلہ حل کر دیا۔

حسن نے اسے خشمناک نظروں سے گھورا پھر تحکم سے کہا "تو باہر کھڑے رہ بیٹھ۔ ان سے میں خود بات کر لوں گا۔ یہ آپہنچے ہیں تو کوئی اور بھی آنے والا ہو گا۔"

بخشل نے حسن کے مزاج کی تیزی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ گلو کے باہر جاتے ہی اس نے خود بخود بولنا شروع کر دیا "آج رات ڈیرے کی دو لڑکیاں سائیں گوپال چند کے گھر پر تھیں۔ نشے پانی کے بعد سب آرام کر رہے تھے کہ کچھ آدمی اندر گھس آئے۔ لڑکیوں کو ڈانٹا پھٹکارا' سائیں گوپال کو زخمی کیا اور سائیں مراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سائیں گوپال نے لڑکیوں سے ثریا بائی کو بلوایا تھا۔ اس نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ لوگ کسی آدمی کی تلاش میں تھے جو شاید یہاں ہے۔"

"حیدر آباد سے تم پیدل آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں تک ان دونوں کو گھورتے رہنے کے بعد پوچھا "اس وقت وہاں سے کون سی گاڑی یہاں آتی ہے؟"

"ہم کار سے آئے ہیں۔ ہماری گاڑی شہر کے شروع میں خراب ہو گئی۔ جب وہ کسی طرح چل کر نہ دی تو ہم اس کے دروازے لاک کر کے پیدل ہی چل پڑے۔ سائیں گوپال کی تاکید تھی کہ پیغام بہت ضروری ہے۔"

"کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں آنے والے فوجی تھے؟" حسن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں!" بخشل نے معصومیت سے نفی میں سر ہلا دیا "ثریا بائی کہہ رہی تھی کہ وہ سادہ کپڑوں والے تھے.... آج کل تو سب کچھ ہونے لگا ہے۔ پولیس والے بھی بغیر وردی پہنے ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"تم مجھے صرف یہی بتانے کے لیے حیدر آباد سے دوڑے چلے آرہے ہو؟"

"ہاں۔ سائیں گوپال کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ وہ اسپتال میں ہیں مگر انہیں سائیں مراد کی فکر تھی۔ اب تمہیں خبر مل گئی ہے تو تم انہیں بچانے کے لیے کچھ کر سکتے ہو۔"

"وہ فوج والے تھے" حسن کو بخشل کی کہانی پر شاید یقین آگیا اور اس نے سگریٹ سلگا کر اپنے یقین کا اظہار کر ڈالا "تمہاری مہربانی کہ تم خبر لے کر یہاں تک آئے مگر یہ باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔"

اس دوران میں بخشل نے اندازہ لگانا چاہا کہ اس وقت وہاں گلو اور حسن کے علاوہ اور کتنے افراد موجود ہیں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ گھر میں ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ بظاہر وہاں کسی اور کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

"وہ قیدی کون ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا پھیلا ہے؟" بخشل نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"اس چکر میں نہ پڑو!" حسن معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہمارے لیے وہ قیدی اب بالکل بے کار بلکہ بے گار بن کر رہ گیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کن لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس نے زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ اب بات کھل گئی ہے کہ وہ فوج کا آدمی ہے۔ اسپتال جا کر گوپال چند کو یہ بات بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے" بخشل نے اپنی جگہ چھوڑی "اگر تمہارے پاس کوئی آدمی ہے تو ہمیں ہماری گاڑی تک بھجوا دو۔ ہم اجالا ہونے سے پہلے حیدر آباد واپس پہنچ جائیں گے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہاری گاڑی خراب ہے۔ اب وہ کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟" حسن نے چونک کر پوچھا۔

"اس کا انجن زیادہ گرم ہو جانے کے بعد اسی طرح جام ہو جاتا ہے۔ اب تک وہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم تمہارے آدمی کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ صبح کوئی مکینک اسے دیکھ لے گا۔"

بخشل کے بے پروائی سے کہے ہوئے ان فقروں نے حسن کو مطمئن کر دیا مگر ساتھ ہی اسے دوسری فکر لاحق ہو گئی "آدمی کا مسئلہ ہے۔ ہم دونوں بھی یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ پتا نہیں کب مولا داد کا پیغام آجائے۔"

بخشل کو پوری بریفنگ دی گئی تھی۔ مولا داد کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

"تم دونوں نہیں جا سکتے تو فون کر کے کسی کو بلا دو" بخشل نے فرمائش کی "ہمارے لیے اتنی دور پیدل واپس جانا مشکل ہے۔ گاڑی ضروری نہیں۔ موٹر سائیکل پر ہم تین آدمی چلے جائیں گے۔"

"دراصل تم غلط موقع پر یہاں آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "اس گھر میں فون نہیں ہے۔ فون پر لوگ بے احتیاطی سے باتیں کرتے ہیں جو کوئی اور بھی سن سکتا ہے۔ مولا داد کا پیغام آگیا تو مجھے فون سننے کے لیے اس کے گھر جانا ہو گا۔ یہاں صرف گلو رہ جائے گا۔ یہاں کم از کم ایک آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ ہم قیدی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

حسن کا آخری فقرہ سن کر بخشل کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں مگر اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا "تو کیا قیدی بھی یہیں موجود ہے۔"

بخشل کے سوال پر حسن جھنجلا گیا "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس چکر میں نہ پڑو۔ جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں کوئی چکر چل پڑا تو تم زندگی بھر حیدر آباد پہنچنے کے لیے ترستے رہو گے۔"

"اوہ!" بخشل نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی، قدم بدل کر اپنی پوزیشن درست کی اور اچھل کر حسن پر حملہ کر دیا۔

اس وقت تک یہ بات حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ کسی جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ بخشل نے وحشیانہ جوش کے ساتھ بے خبری میں اس کی گردن دبوچ لی۔ میر محمد بھی ہوشیار آدمی تھا۔ اس وقت تک اس نے گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا تھا لیکن وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ حسن نے گھر میں قیدی کی موجودگی کا اشارہ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کیے ہیں۔ اس نے حسن کو بخشل کے زورِ بازو پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب سے ڈارٹ گن نکال کر، بجلی کی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرعت سے حسن کے بائیں پہلو پر مہلک ڈارٹ فائر کردیا۔

شپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ڈارٹ حسن کے پہلو میں پیوست ہوا اور اس کا زہریلا سیال بدن میں سرایت ہوتے ہی حسن کا جسم ایک ناگوار بوجھ کی طرح بخشل کے ہاتھوں میں آرہا۔

بخشل اور میر محمد کا وہ مشن بہت جاں گسل اور خوفناک تھا۔ اس کے لیے تیاری کرتے ہوئے ہم نے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ ڈارٹ گن کے ساتھ ان دونوں کو صرف وہی ڈارٹ دیے گئے تھے جو جسم میں اترتے ہی شکار کو جہنم واصل کردینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بے ہوش کرنے والے ڈارٹس کی اس مشن پر گنجائش ہی نہیں تھی۔

بخشل نے حسن کی بے جان لاش کو سہارا دے کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔ میر محمد اپنا ایک کام مکمل کرکے تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازے کے پٹ بند تھے مگر پہلے کی طرح کنڈی سے آزاد تھے۔

"جلدی اندر آؤ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی گھبرائی ہوئی آواز میں گلو سے کہا "حسن کی طبیعت خراب ہے۔"

گلو کے لیے وہ انکشاف اس قدر ناگہانی ثابت ہوا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آیا۔ ریوالور اس نے اپنی جیب میں اڑس لیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی میر محمد نے اس پر ڈارٹ گن تانی اور دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈی لگادی۔

"ہاتھ اٹھالو ورنہ مارے جاؤ گے" میر محمد نے دبی دبی ہذیانی آواز میں اسے حکم دیا۔

میر محمد پہل کا فائدہ اٹھاچکا تھا۔ گلو کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ اس نے بے چون وچرا ہاتھ اٹھالیے۔

"قیدی کہاں ہے؟" میر محمد نے اس کی پشت پر اپنے داہنے گھٹنے سے زوردار ضرب لگاکر پوچھا۔

میر محمد حلق سے دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے نکل گیا۔ میر محمد لپک کر اس کے پیچھے ہولیا۔

"جلدی بولو!" بخشل نے دانت پیس کر گلو سے کہا۔ وہ اس قدر بدحواس ہوچکا تھا کہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا موت کا سایہ نہ دیکھ سکا۔ اس نے زبان کھولنے میں تاخیر کی اور بخشل نے اس کے سینے میں بھی ڈارٹ اتار دیا۔

گلو تیورا کر ہلکے سے دھماکے کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ دونوں میں سے کسی نے اسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بخشل اور میر محمد اس وقت خوں خوار درندوں کے مسکن میں گھسے ہوئے تھے۔ اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ انہوں نے موقع پاکر ہماری ہدایات سے تجاوز کیا تھا۔ اگر وہ اپنی کارروائی مکمل کرکے وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو بہت بُرے انجام سے دوچار ہوسکتے تھے۔

ان دونوں کو اتنا کام سونپا گیا تھا کہ وہ اس مکان میں موجود نفری کا اندازہ لگانے کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ سلطان شاہ وہاں موجود تھا یا نہیں اور پھر وہاں سے نکل کر اپریٹس کی مدد سے اپنی معلومات ہم تک پہنچادیں تاکہ ہم مراد کے ساتھیوں کے خلاف اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرسکیں۔

لیکن وہاں حالات کا رخ ہی کچھ اور نکلا۔ بخشل کو غیر متوقع طور پر علم ہوا کہ قیدی اسی گھر میں موجود تھا اور گھر کی چار دیواری میں دشمن کا صرف ایک آدمی موجود تھا جبکہ دوسرا دروازے سے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ صورتِ حال اس قدر ولولہ انگیز اور حوصلہ افزا تھی کہ بخشل ایک لمحے کے لیے بھی خود پر قابو نہ پاسکا اور اس نے اچانک ہی حسن پر حملہ کردیا پھر میر محمد دوسرے کو بھی اندر گھسیٹ لایا۔

دو دشمنوں کی سرولاشوں کے ساتھ وہ اس چار دیواری میں محصور تھے۔ دونوں ہی سلطان شاہ کی تلاش میں دیوانہ وار اندرونی کمروں کی طرف لپکے لیکن اس دوران میں بخشل اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنا اپریٹس آن کرکے بے تابی کے ساتھ 'اول خان کے لیے اپنی رپورٹ نشر کرنی شروع کردی تھی۔

○:☆:○

ہمارے کارواں میں شامل ایس ٹی ایف کے ہر کارکن کے پاس اپریٹس موجود تھا اس لیے اول خان اور بخشل کے درمیان ہونے والی گفتگو سب ہی نے سنی اور ہر چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

قیدی کی بازیابی کی ابتدائی خبر سنتے ہی ویرا نے بے اختیاری کے عالم میں غزالہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "مل گیا.... خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمیں مل گیا" ویرا مسرت سے مغلوب آواز میں بولی۔

"ملا نہیں' ابھی صرف امید بندھی ہے۔ بخشل اور میر محمد اسے تلاش کررہے ہیں" میں نے کہا۔

"وہ دونوں اتنے احمق نہیں ہیں کہ کسی جھوٹی امید پر اتنا بڑا قدم اٹھالیتے" ویرا بدستور پُرامید تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"... سر! مجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے" اپریٹس پر بخشل کی آواز آرہی تھی "ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں ہر سزا قبول کرلوں گا مگر یہاں سب کچھ اتنی تیزی سے بدلا کہ میں جذبات سے مغلوب ہوگیا۔ مکار دشمن ہتھیار خالی ہونے کے بعد ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہو تو لڑنے والا سپاہی اس کی گردن اتارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس دعا کریں کہ ہم کسی کے آنے سے پہلے قیدی کو تلاش کرلیں اور اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں.... اوور!"

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اور سزا کا بھی اندازہ ہے" اول خان اس کی رپورٹ سننے کے بعد کہہ رہا تھا "جو کچھ کرگزرے ہو' اب اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو' اوور!"

"ہم دو کمرے دیکھ چکے ہیں' سر! ابھی تک کوئی ذی روح نظر نہیں آیا۔ میر محمد اس کا نام بھی پکار رہا ہے مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں مل رہا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں حسن نے مجھ سے جھوٹ نہ بولا ہو.... اوور!"

"کاش! تمہارا یہ خیال غلط ہو" اول خان کا لہجہ خشک ہوگیا "تم نے ان دونوں کو مار کر سنگین غلطی کی ہے۔ قیدی کی بازیابی تک ان میں سے ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا.... ہم ادھر آرہے ہیں۔ اوور اینڈ آل!"

کوچ شروع ہوچکا تھا۔ شہر سب ہی کے لیے اجنبی تھا اس لیے میں احتیاط سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس بار اول خان نے میرے برابر والی نشست سنبھالی ہوئی تھی اور راستوں کے بارے میں میری رہنمائی کررہا تھا۔

ہم چاروں میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ بخشل سے ملنے والی اطلاعات پر مراد کا کیا ردِّعمل تھا۔ وہ سلطان شاہ کے ساتھ اپنے تبادلے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ نئی خبر نے اسے مایوسی کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہوگا۔

"اپنے اسٹاف کے اپریٹس بند کرادو" میں نے چند ثانیوں بعد اول خان کو مشورہ دیا "ٹرک والوں کے اپریٹس کے ذریعے مراد تمہارے آدمیوں کی ہر رپورٹ سنتا رہے گا۔ اس کی یہ باخبری نقصان دہ ہوسکتی ہے۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی اور اس نے اس بارے میں فوراً ہی ہدایت جاری کردی۔

چند منٹ بعد بخشل پھر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز سے سراسیمگی جھلک رہی تھی "ہم نے ساتوں کمروں سمیت اس گھر کا چپّا چپّا دیکھ ڈالا ہے سر! ہمارے مطلوبہ آدمی کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ اوور!"

"صحن میں پڑی ہوئی لاشوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرو ورنہ تم مشکل میں پڑجاؤ گے۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے خفگی سے مختصر سا جواب دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

"اس نے جو کچھ کیا' نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہے۔ تم اس کے ساتھ زیادتی کررہے ہو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ایس ٹی ایف میں نیت اور خلوص سے زیادہ ڈسپلن کی اہمیت ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس بارے میں تمہاری دخل اندازی کی ضرورت نہیں" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"ڈسپلن پر اتنا زیادہ زور نہ دو۔ اس کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔ حسن یا گلو میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو شور مچا کر ان دونوں کو عذاب میں ڈال دیتا' ان کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرنے کے لیے سوال داغ دیا "حسن کو بخشل سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی...؟"

"وہاں حسن تھا' کرشن کمار نہیں تھا اور مراد بتا چکا ہے کہ سلطان شاہ' کرشن کمار کے ساتھ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ابھی تک کرشن کمار اور سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے ہوں" ویرا نے رائے دی۔

"میں یہی پوچھ رہی ہوں" غزالہ نے زور دے کر کہا "ان دونوں سے رابطہ نہیں ہوا تھا تو حسن نے جھوٹ کیوں بولا؟ اس وقت تک اسے بخشل کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔"

میں ذہن میں کچھ اور ہی حساب لگا رہا تھا۔ بخشل کے بیان کے مطابق حسن کو آخر تک مولاداد کے کسی پیغام کا انتظار تھا۔ وہ پیغام یہی ہوسکتا تھا کہ حسن فوری طور پر مولاداد کے گھر پہنچ کر مراد سے بات کرے۔ خود مراد بھی کہہ چکا تھا کہ وہ میرپور خاص پہنچنے کے بعد فون پر رابطہ کرکے معلوم کرسکے گا کہ کرشن کمار' سلطان شاہ سمیت کہاں تھا۔

ہم نے میرپور خاص میں داخل ہونے سے پہلے اپنا کھیل بدل دیا تھا۔ مراد کو فون کرنے کا موقع دینے کے بجائے بخشل اور میر محمد کو اس کے ٹھکانے پر بھیج دیا تھا۔ اس تبدیلی کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے مولاداد کا کوئی آدمی حسن کے ٹھکانے پر پہنچ کر ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کے لیے خطرہ بنے۔

وہ دونوں پریشان ضرور تھے مگر محفوظ تھے۔ جب تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مراد کو مولاداد کو فون کرنے کا موقع نہ ملتا' وہاں سے کوئی حسن کے گھر... کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ ہم وہاں پہنچ جاتے تو پھر بے فکری کے ساتھ مکان میں کسی خفیہ تہ خانے وغیرہ کی تلاش شروع کی جاسکتی تھی۔

شہر میں سفر کے آخری مرحلے پر ہم نے حامد کی نفری کو ٹرک سمیت گلیوں سے باہر ہی روک دیا۔ ان تنگ گلیوں میں ٹرک کا راستہ کہیں بھی مسدود ہوسکتا تھا۔ ضرورت پڑتی تو اپریٹس پر پیغام دے کر ان لوگوں کو ذرا سی دیر میں موقع پر طلب کیا جاسکتا تھا۔

میں نے جیپ گلی میں گھمائی تو اول خان اپریٹس پر بخشل سے بات کررہا تھا۔

اول خان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی برقرار تھی مگر بخشل نے اس پر کوئی شکوہ نہیں کیا۔ وہ امید افزا لہجے میں بتا رہا تھا کہ وہ غسل خانے کی ایک مشتبہ دیوار پر زور آزمائی کررہے تھے جو غیر معمولی طور پر سپاٹ تھی۔

اول خان نے اپنے پہنچنے کی اطلاع دے کر اپریٹس بند کردیا۔ میں نے اول خان کے ایما پر آخری موڑ کاٹا تو جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں پیلی دیواروں والے مکان کے باہر بخشل اور میر محمد موجود تھے۔

فضا پر اس وقت بھی گہرے اندھیرے کی چادر مسلط تھی مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اندھیرا بس کچھ ہی دیر کا مہمان تھا پھر صبح صادق کا ملگجا اجالا ان اندھیروں کو نگلنے والا تھا۔

ہم چاروں جیپ سے اترے اور بخشل کی رہنمائی میں مکان کے اندر گھستے چلے گئے۔ میر محمد جیپ کی نگرانی کے لیے باہر ہی رک گیا۔

حسن اور گلو کی لاشیں اس اجڑے اجڑے مکان میں عبرت کا سماں باندھ رہی تھیں۔ جو لوگ کچھ دیر پہلے تک بہت کچھ تھے' اس وقت کچھ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے جب وہ گورو کفن کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوکر رہ جاتا ہے۔ سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اپنی آخری منزل کے ازخود ایک دمڑی تک خرچ نہیں کرسکتا۔

گھر میں ہم نے سب سے پہلے وہ غسل خانہ دیکھا جس کی ایک دیوار پر بخشل کو شبہ تھا۔ ہم نے خوب ٹھونک بجا کر دیوار کا جائزہ لیا۔ وہ ٹھوس اور سپاٹ تھی۔ بخشل کا اندازہ غلط تھا مگر وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ ہم سب مختلف کمروں میں پھیل گئے۔ وہ قدیم ہندووانی طرز پر بنا ہوا مکان تھا۔ دیوار گیر طاق' طاقچوں اور مورتیوں کی کثرت' اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ اس پرانے گھر میں کہیں نہ کہیں کوئی خفیہ کمرا یا تہ خانہ ضرور ہوگا۔

آخرِ کار غزالہ نے ایک قد آدم آئینے کے پیچھے چھپے ہوئے آہنی دروازے کا سراغ لگا ہی لیا۔ اس دیوار پر لگے ہوئے ایک شمع دان پر زور ڈالتے ہی وہ آئینہ اپنے فریم سمیت' قبضوں پر گھوم کر دیوار سے الگ ہوگیا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی دروازہ تھا۔ جس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ استعمال ہوتا رہا تھا۔

دروازہ بہت مضبوط اور وزنی تھا۔ اصل چابیوں کے بغیر اسے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔ سب وہیں جمع ہوگئے تھے۔ وہ دروازہ ہمارے لیے امید کی آخری کرن تھا۔ سلطان شاہ اگر اسی چاردیواری میں تھا تو وہ دیوار کے موٹے آثاروں میں چھپی ہوئی اس اونچی تجوری ہی میں ہوسکتا تھا۔ حبس اور گھٹن کی وجہ سے وہ تجوری اس کے لیے خطرناک تھی۔

آخرِ کار ویرا نے تجوری کا دروازہ کھولنے کے لیے بیم گن استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے ہم نے آہنی دروازے کو زور زور سے بجا کر سلطان شاہ کو آوازیں دیں لیکن اندر سکوت چھایا رہا۔ وہ اگر موجود تھا تو ہوش میں نہیں تھا۔ ویرا نے مہارت کے ساتھ وقفے وقفے سے بیم گن کی باریک نیلگوں دھار سے قفل کے اردگرد کا فولاد کاٹنا شروع کردیا۔

وہ کام بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ تین جگہ کٹائی کے بعد دروازہ کھل گیا اور یہ دیکھ کر مسرت سے ویرا کی بے ساختہ چیخ نکل گئی کہ اس تجوری کے فرش پر سلطان شاہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ تجوری ہوا بند نہیں تھی۔ اس کی اندرونی ساخت میں کچھ ایسا اہتمام رکھا گیا تھا کہ اندر گھٹن نہیں تھی۔ سلطان شاہ کا سانس معمول کے مطابق چل رہا تھا۔

ہم نے احتیاط کے ساتھ اسے باہر نکال لیا۔ اس کے بدن پر کہیں ٹوٹ پھوٹ کی کوئی علامت تھی نہ لباس پر خون کا نشان تھا مگر چہرے پر چھائے ہوئے ورم سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے ہلکے پھلکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بخشل کے لٹکے ہوئے چہرے پر عجیب سی رونق آگئی تھی جو قابلِ فہم تھی۔

سلطان شاہ کی بازیابی ہماری اس لمبی دوڑ کا مقصد تھی۔ اس کے زندہ و سلامت مل جانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ بخشل نے مجھے روک کر سلطان شاہ کو اپنے کندھے پر لادا اور ہم ایک ایک کرکے اس گھر سے نکل گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا نے آخر میں باہر آنے کے بعد دروازے کو کنڈی لگادی۔
بخشل اور میر محمد نے سلطان شاہ کو جیپ کی پچھلی نشست پر لٹادیا مگر میری توجہ ان چند افراد پر مرکوز ہو چکی تھی جو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر ان کی دبی دبی سرگوشیوں کی کچھ بھنبھناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔
"سر! یہ آس پاس کے مکانوں سے نکلے تھے" میر محمد ہمیں بتانے لگا "سب حیرت سے جیپ کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی بھی قریب آنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ بس یہ وہاں جمع ہو کر نیچی آواز میں باتیں کررہے ہیں۔"
وہ ایک چھوٹے شہر کا رہائشی علاقہ تھا۔ وہاں کسی گاڑی کے انجن کی آواز سے لوگ مانوس نہیں رہے ہوں گے۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر جیپ کے انجن کی تیز غراہٹ کچی نیند سونے والوں کی بیداری کا سبب بن گئی اور وہ صورت حال جاننے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے۔
میں نے ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا اور ان کی طرف چل دیا۔
مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر ان میں کچھ بے چینی کے آثار نمودار ہوئے مگر کسی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ میں نے قریب جاکر ان کو ادب سے سلام کیا اور خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر پوچھا "پیلی دیواروں والا مکان کس کا ہے؟"
کسی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر ایک معمر شخص نے ہمت کرڈالی "یہ گھر تو کرشن کمار کا ہے مگر وہ یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"
"شریفوں کے محلے میں کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا؟ یہاں غلط کام ہوتے رہے ہیں۔"
"بس جی! کون کسی کے منہ لگے۔ سب کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے" اسی شخص نے جواب دیا۔ میرے تیکھے سوال پر دوسروں کے چہروں پر خوف و ہراس امڈ آیا تھا۔
"مولاداد کہاں رہتا ہے؟" اس بار میں نے براہِ راست اسی معمر شخص سے پوچھا۔
"پچھلی گلی میں آگے، کبوتروں کی چھتری والا مکان ہے۔ وہ بھی ان ہی کا سا جھی ہے۔"
"پولیس کے آنے تک کوئی اس گھر میں نہ جائے۔ اندر دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔ سب کے دہانوں سے لاشوں کے بارے میں تحیرزدہ، سرسراتی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں اور ادھیڑ عمر سمیت ہر شخص نے اپنی جگہ چھوڑدی۔ وہ سب تیزی سے اپنے اپنے گھروں کی طرف لپکے جارہے تھے۔
میں نے کسی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ لاشوں کی موجودگی کے انکشاف پر ان لوگوں کا ردِعمل قطعی فطری تھا۔ ہر شخص ایسی بھیانک واردات میں کسی گواہی وغیرہ میں ملوث ہونے سے گھبراتا اور پھر وہ کرشن کمار اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ تھا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ اہلِ محلہ ان کی سرگرمیوں سے نالاں بلکہ خائف تھے اور ان کی مخالفت میں زبان کھولنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔
بخشل اور میر محمد نے اپنے ہاتھ لگنے والے دونوں افراد کو ٹھکانے لگاکر اپنا کام ضرور آسان کرنا چاہا تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہم ہر گواہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد، ہمارے لیے میرپور خاص میں کام آگے بڑھانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اس سے مراد، کرشن کمار اور ان کے حواریوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔
باز پرس کے معاملے میں مراد ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا، کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ تازہ ترین واقعات پر وہ کس ردِعمل کا مظاہرہ کرتا۔ اس کا حوصلہ تباہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہمارے ساتھ سلطان شاہ کے علاوہ ایک دو زندہ قیدی بھی ہوتے۔ ان کے اعترافات مراد کو زبان کھولنے پر مجبور کرسکتے تھے۔
میں واپس آیا تو اول خان اپریٹس پر حامد سے بات کررہا تھا۔ وہ لوگ اس محلے کی قدرے تنگ گلیوں سے باہر، مین روڈ پر رکے ہوئے تھے مگر ہمارے اور ان کے درمیان لاسلکی رابطہ برقرار تھا جس سے فائدہ اٹھاکر اول خان شاید اسے سلطان شاہ کی زندہ و سلامت بازیابی کی اہم ترین خبر سنا رہا تھا۔
ویرا اور غزالہ جیپ میں گھسی ہوئی تھیں اور اندر کی بتی جلا کر سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کی ناکام کوششیں کررہی تھیں۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگالیا تھا کہ سلطان شاہ کی بے ہوشی نقاہت یا ضربات کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کو مسکن ادویہ کے زیر اثر دانستہ بے ہوش رکھا گیا تھا۔ دواؤں کا اثر ختم ہونے سے پہلے اسے ہوش میں لانا ممکن نہیں تھا۔
جیپ کے سواروں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا مگر اس کشادہ گاڑی میں اتنی گنجائش تھی کہ سلطان شاہ کو بے آرام کیے بغیر سب لوگ اس میں سما گئے اور میں نے جیپ کو ادھیڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمر شخص کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف مولا داد رہ گیا تھا اور میں اسے کراچی کی سیر کرانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

مولا داد کا گھر وہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ کبوتروں والی چھتری اس کے مکان کی ایسی واضح شناخت تھی کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا مضبوط بانسوں پر بندھی ہوئی کشادہ چھتری کے نیچے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا جو دور ہی سے توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ چھتری پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی نگاہیں گلی میں مرکوز کر دیں۔

اس مکان کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اتنی رات گئے گھر سے باہر کسی کی یوں موجودگی غیر معمولی تھی۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک جا رہی تھی اسی طرح طاقت ور انجن کی آواز نے بھی شاید اس شخص کو چونکایا تھا۔ اس نے مڑ کر بھرکے ہوئے انداز میں جیپ کی طرف دیکھا۔ پتلی اور ناہموار گلی کی وجہ سے میں ڈرائیونگ میں محتاط تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ شخص چند ثانیوں تک یوں ہی ہماری طرف دیکھتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر بہت تیزی سے پلٹا اور گھر کے دروازے میں غائب ہو گیا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں میں ہم مولا داد کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر دروازے پر پہنچا تو مجھے اندر کچھ ہڑبونگ اور بھگدڑ کی سی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے زور سے دروازے کی کنڈی بجا ڈالی۔

"ٹھہرو.... ابھی آتے ہیں!" اندر سے ایک اونچی آواز آئی۔ میرے لیے وہ جواب غیر متوقع تھا۔ اندر والے نے اتنی رات گئے ہونے والی دستک پر کسی پوچھ گچھ کے بغیر یوں جواب دیا تھا جیسے وہ پہلے سے کسی کی آمد کی توقع کیے بیٹھا ہو۔

اندر سے آنے والی آوازوں میں یکایک کمی واقع ہو گئی۔ وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا اور میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ انتظار کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تو میں نے بے چینی سے دوبارہ کنڈی کھڑکا دی۔

اس بار ایک ادھیڑ عمر عورت نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا جیسے وہ اندر، پٹ سے لگی، دوسری دستک کا انتظار کرتی رہی ہو۔

"کون ہو تم....؟ کس سے ملنا ہے؟" عورت نے سہمی ہوئی نظروں سے میرا اور پھر جیپ کا جائزہ لیتے ہوئے وقت سے پوچھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دہشت سے اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔

ہماری لڑائی ملک اور قوم کے غداروں سے تھی۔ جن کے لیے میرے دل کے کسی گوشے میں ہمدردی کی کوئی رمق موجود نہیں تھی مگر وہ ان کے گھر کی ایک عورت تھی۔ اس کے لیے میرے پاس ادب و احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

غزالہ کو میرے مزاج کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ میرا تذبذب ختم ہونے سے پہلے ہی وہ جیپ سے اتر کر نیچے آ گئی۔ اندر سے برآمد ہونے والی عورت کسی درشت اور کھردرے سوال کے انتظار میں، خوف سے اپنے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہی تھی۔

"مولا داد کہاں ہے۔ اسے باہر بلاؤ!" غزالہ نے وہاں پہنچتے ہی عورت سے مطالبہ کیا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ پتا نہیں کب واپس آئے گا۔" اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تم اندر جاؤ اور کسی مرد کو باہر بھیج دو۔ ہمیں ضروری بات کرنی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ عورتیں ہیں یا بچے ہیں جو سب سو رہے ہیں۔"

"ابھی اندر سے کسی مرد نے جواب دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ اس بار میں سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ مولا داد تھا۔" جواب دیتے ہوئے عورت کی آنکھیں دھندلا گئیں "تمہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا....؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "دروازے پر تو ہم کھڑے ہوئے ہیں۔"

"بس چلا گیا۔ وہ پیچھے سے بھاگا ہے۔ تم سے ڈر گیا تھا۔"

غزالہ نے شکست خوردہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس سے پوچھا "اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"پانچ آدمی تھے۔" عورت نے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگاتے ہوئے خود ہی سچ بولنا شروع کر دیا تھا "رات سے وہ سب کسی فون کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہارے آتے ہی پچھلے دروازے سے بھاگ گئے۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر چوٹ ہو گئی تھی۔

"یہاں سے بھاگ کر وہ کہاں گئے ہوں گے؟" غزالہ نے کس قدر تیزی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں!" غزالہ کے لہجے پر وہ عورت روہانسی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بولی "سب بگڑے ہوئے لڑکے ہیں۔ کرشن نے اپنے ساتھ ان سب کو بھی خراب کردیا ہے۔ منہ پھٹ ہیں۔ بات بات پر ہتھیاروں کی دھمکی دیتے ہیں۔ وہ اسی کے پاس گئے ہوں گے۔"

صاف ظاہر تھا کہ وہ اسی گھر کا ذکر کررہی تھی جہاں سے ہم وہاں پہنچے تھے۔ اس گھر کو ہمارے لیے چوہے دان بنا کر وہ ٹولی مولا داد کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تاکہ مراد کی طرف سے اشارہ ملتے ہی کوئی کارروائی کرسکے مگر مراد کا فون نہ آنے کی وجہ سے ان کا سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا تھا اور انہیں افراتفری کی حالت میں فرار ہونا پڑ گیا تھا۔

وہ عورت خود بھی مولا داد اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں سے بدظن تھی۔ اس پر زیادہ دباؤ ڈالنا بے سود تھا۔ وہ انہیں بُرا بھلا کہتی اور ہمارے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ آخر کار ہم نے وہاں سے لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے ہم بہت محتاط تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے مگر پھر بھی ایک موہوم سا خطرہ تھا کہ کہیں مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھی پلٹ کر ہم پر حملہ نہ کردیں۔ ان کے لیے مراد ظریف کی آزادی اسی قدر اہم اور ضروری تھی جتنی ہمارے لیے سلطان شاہ کی رہائی تھی۔

ہم گلیوں سے نکل کر آخر کار سڑک پر آگئے۔ اس دوران میں اول خان نے واپسی کے پروگرام کے پیشِ نظر، حامد کو اپنے ٹرانسمٹر پر سمجھا دیا تھا کہ اسے میرپور خاص میں ہی رکنا تھا تاکہ وہ دونوں لاشوں کے بارے میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل کرا کے وہ قصہ مقامی کوتوالی کے سربراہ کے حوالے کرسکے۔

اپنے اس مختصر قیام میں اسے اس گروہ کے کسی سرگرم کارندے کو بھی تلاش کرنا تھا جو اس اُلجھی ہوئی کہانی کے پوشیدہ گوشوں سے نقاب ہٹا کر پیش رفت کی کوئی راہ فراہم کرسکے۔

"سر! اب مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو مار کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" جیپ میں خاموشی ہونے پر بخشل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ان میں سے کسی ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا۔"

غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے مگر جان بوجھ کر کی جانے والی غلطی بھول کی غلطی سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔" اول خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "اب یہ بات بھول جاؤ۔ اس پر اسٹیشن فور میں بات ہوگی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان کے ان الفاظ میں بخشل کے لیے تادیب کا پیغام پوشیدہ تھا۔ ایس ٹی ایف کے کارکنوں کے تمام تر اخلاص کے باوجود اس تنظیم کا جزا اور سزا کا ایک اپنا نظام تھا جس سے کسی کو مفر نہیں تھا۔

مین روڈ پر پہنچنے کے بعد بخشل اور میر محمد ٹرک میں سوار ہوگئے اور ہمارا قافلہ واپسی کے لیے چل پڑا۔

شہر چھوڑنے سے پہلے ہمیں حامد کو مقامی تھانے پر اتارنا تھا۔ ہمیں تھانے کا محل وقوع معلوم نہیں تھا، ویران سڑکوں پر کہیں کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا جس سے مدد لی جاسکے۔ میں اندازے سے کشادہ تر راستوں پر جیپ چلاتا رہا اور ہم جلد ہی تھانے کے سامنے پہنچ گئے۔

اول خان نے خود افسران سے ملنا قرین مصلحت نہیں سمجھا۔ گاڑی میں سلطان شاہ بے ہوش تھا۔ مراد ٹرک کے فرش پر سخت زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا تھا کہ اس سے کوئی کام لیے بغیر ہم لوگوں نے سلطان شاہ کو رہا کرالیا تھا۔ وہ رہ رہ کر اونچی آواز میں مغلظات بک رہا تھا۔ سینیئر پولیس افسران لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اول خان کے لیے اخلاقی طور پر لازم ہوتا کہ ان کے ہر سوال کا جواب دے اور یوں ایک نئی کہانی شروع ہوجاتی۔

حامد کو خاموشی سے تھانے کے باہر چھوڑ کر ہم تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے۔

○☆○

سلطان شاہ کی کہانی زیادہ پُرپیچ نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار ہیر آباد کے علاقے میں واقع صحرا کے دفتر کا طواف کیا تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کچھ نادیدہ نگاہوں نے صحرا میں اس کی دلچسپی کا اندازہ لگالیا ہے۔ جب وہ مراد ظریف کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے دوبارہ اس علاقے میں پہنچا تو اس کی گاڑی پہچان لی گئی۔

اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ صحرا کا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ہیر آباد کے علاقے سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جارہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے اسے اوورٹیک کیا اور سائیڈ دبا کر اسے گاڑی روکنے پر مجبور کردیا۔

موٹر سائیکل پر دو صحت مند اور لڑاکا قسم کے لڑکے سوار تھے۔ انہوں نے سلطان شاہ کی کار کے عین سامنے موٹر سائیکل روکی اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ قریب آکر اس پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی موٹر سائیکل کو سائیڈ ماری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ سلطان شاہ مشتعل ہوگیا لیکن اسے اپنی نشست چھوڑ کر نیچے اترنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک لڑکے نے بہت نپے تلے انداز میں اس کی داہنی کنپٹی پر زوردار مکا رسید کیا اور وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری دلدل میں اترتا چلا گیا۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ راہ گیروں میں سے کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی کچھ سمجھ لیتا شاید تب بھی سلطان شاہ کا ساتھ دینے کی ہمت نہ کرپاتا کیونکہ دونوں لڑکے شکل صورت سے ہی بدمعاش معلوم ہورہے تھے۔

سلطان شاہ کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کسی کمرے میں بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی اس کے سر پر مسلط ہوگئے۔ اس وقت تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ کون تھے لیکن کراچی پہنچنے اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے مراد کو شناخت کرلیا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی گوپال چند ہی ہوسکتا تھا۔ وہ دونوں اس سے یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے تھا اور بار بار صحرا کے دفتر کے گرد کیوں دیکھا جارہا تھا۔

سلطان شاہ کو اس معاملے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ ان دونوں کا تشدد سہ کر بھی اڑا رہا کہ وہ صحرا کے وجود تک سے ناواقف ہے اور اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کا ایک ٹرانسپورٹر ہے جو کسی سے ادھار کی رقم وصول کرنے کے لیے حیدرآباد آیا ہوا ہے۔ مراد نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اس کا مقروض تھا۔ سلطان شاہ کے پاس اس جھوٹ کو نبھانے کے لیے کوئی نام اور پتا نہیں تھا۔ اس پر مکوں اور تھپڑوں کی برسات شروع ہوگئی۔

اسے حیدرآباد سے میرپور خاص منتقلی کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اس نے یہ ضرور بتایا کہ اگلی بار وہ ایک مختلف کمرے میں تھا جہاں ایک خوش رو اور دراز قامت شخص اس کے مقابل تھا۔ وہ بھی سلطان شاہ سے گھما پھرا کر مختلف سوال کرتا رہا لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کے واپس نہ لوٹنے پر غزالہ ہوٹل سے ہی ہم لوگوں سے رابطہ کرے گی اور ہم اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس خوش فہمی میں وہ آسانی سے دو چار روز گزار سکتا ہے۔

اس کی وہ توقع جلد ہی پوری ہوگئی۔ قید کے دوران میں اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ہر بار پرس کے بعد وہ لوگ اسے کھانے پینے میں کوئی ایسی دوا دے دیتے تھے جس کے زیر اثر وہ طویل بے ہوشی کا شکار ہوجاتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے دشمنوں کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع نہیں مل سکا مگر اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ زیادہ تشدد سے محفوظ رہا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ انہوں نے تمہارے ہاتھ پیر نہیں توڑے۔" سلطان شاہ کی باتیں سن کر وہ برجستہ کہا "انہوں نے تمہیں بہت احتیاط سے ایک دیوار گیر تجوری میں بند کیا ہوا تھا۔ ہم نے تمہیں وہیں سے برآمد کیا تھا۔"

"تجوری میں!" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "حیرت ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی تجوری بھی ہے۔ حیدرآباد میں صحرا کے دفتر سے ایسی بے سروسامانی ٹپکتی ہے کہ اس این جی اوپر رحم آتا ہے۔"

"وہ ان کا ڈراما ہے ورنہ مراد کو بہت زیادہ مالی وسائل دستیاب ہیں۔" غزالہ نے کہا "آج کل وہ چاہے تو فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ شاندار دفتر بنا سکتا ہے۔"

"اب تو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کا قصہ ہی ختم ہوچکا ہے۔" وہ بولا "وہ تمہارا قیدی ہے۔ مجھے حسرت ہے کہ اس کے پیچھے حیدرآباد جانے کے باوجود میں اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وہ یہیں مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں ہے جہاں مقبول چوہدری نے اکرم الٰہی کو قید کیا ہوا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اب تک اس کے سارے کس بل نکل چکے ہوں گے۔ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ تم سے زیادہ ڈھیٹ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "انہوں نے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا لیکن اس کا حال ابتر ہے۔ کراچی آنے کے بعد اس پر مایوسی غالب آرہی ہے پھر بھی وہ خاموش ہے۔"

"اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب میں دل کھول کر اس کی خبر لوں گا۔" سلطان شاہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ابھی اس کو بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا "کراچی واپس آنے تک اسے یہ غلط فہمی تھی کہ ہم لوگوں کا تعلق فوج سے ہے۔ وہ حیران ہے کہ ابھی تک کوئی باوردی فوجی اس کے سامنے نہیں آیا۔ تذبذب اور خلش کے باعث وہ جلد ہی بکھر کر رہ جائے گا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ اس وقت وہ زخمی ہے۔ گرم لوہے پر چوٹ پڑتی ہے تو زیادہ اثر کرتی ہے۔"

"یہ سب بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ اب وہ کہیں نہیں جاسکتا۔"

میرپور خاص سے ہم لوگ صبح نو بجے کے بعد ہی کراچی پہنچ گئے تھے۔ دورانِ سفر سلطان شاہ مسلسل بے ہوش رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وہ لوگ اسے بے ہوشی کے ایسے لمبے ڈوز دیتے رہے تھے کہ وہ بار بار ہوش میں آکر انہیں پریشان نہ کر سکے۔

یہ مشورہ اول خان کا تھا کہ مراد ظریف کو اسٹیشن فور کے بجائے مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں رکھا جائے۔ جب سے امریکیوں کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ جب تک وہ کھل کر سامنے نہ آئیں' ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے' اول خان کچھ محتاط ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ جواز تو پیش کر سکتا تھا کہ سلطان شاہ کے اچانک غائب ہو جانے کے باعث اسے اپنی قابلِ ذکر نفری کے ساتھ حیدر آباد اور پھر میرپور خاص تک جانا پڑ گیا لیکن وہ کراچی میں مامور' سی آئی اے کے چیف' جان اسمتھ کے منظورِ نظر کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا اندرونی معاملہ تھا۔ اسے اول خان ہی بہتر سمجھتا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان' مراد ظریف کو ہمارے ساتھ مائیکرو سینٹر چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم طویل سفر کی تکان اتارنے کے لیے کمروں میں جا گھسے۔ یہ سلسلہ سلطان شاہ کی بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے پر منقطع ہوا اور تینوں اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔

سلطان شاہ پر اپنی ناکامی کی خفّت طاری تھی یا وہ مراد ظریف کے خلاف کچھ زیادہ ہی مشتعل تھا کہ وہ اسی وقت تہ خانے میں جانے پر مصر رہا۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح کچن سنبھالنے کے لیے چل دی۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ تہ خانے کی طرف ہو لیا۔

نیچے جاتے ہوئے ہم پہلی منزل پر اکبر علی کی مزاج پرسی کے لیے رکے۔ اس کا زخم بہتر ہو رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی فکر بھی تھی۔

تہ خانے میں مراد مسہری پر اپنی دونوں ٹانگیں پھیلائے کسی معذور آدمی کی طرح پڑا ہوا تھا۔

"پھر آ گئے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے زہریلے لہجے میں کہا "تم لوگ بہت سفّاک ہو....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہم ہر شخص سے وہی سلوک کرتے ہیں جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو..... میں اب تک تمہیں غلط سمجھ رہا تھا۔ فوج سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہم نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ویسے تم نے اتنی باریک بات کیسے سمجھ لی؟" ویرا نے مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"تم سب سادہ کپڑوں میں تھے۔ یہاں بھی کوئی وردی والا نہیں ہے۔ تم فراڈ ہو۔"

سلطان شاہ نے اس کے بائیں پیر کو جھٹکا دیا اور درد کی لہر سے مراد اچانک چیخ پڑا۔ سلطان شاہ نے کہا "خدا کا شکر ادا کرو کہ تم وردی والوں کی قید میں نہیں ہو۔ وہ اب تک تمہاری کھال میں بھس بھروا چکے ہوتے۔"

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "تم لوگ کچھ بھی نہیں' پکے حریص اور لٹیرے ہو۔ مقبول چوہدری کو ہٹا کر فریڈم انٹرنیشنل پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اسی لیے میں تمہاری آنکھوں میں کھٹک رہا ہوں۔"

"کیونکہ تم خود بھی یہی خواب دیکھ رہے تھے۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "صحرا کے نام پر فریڈم والوں سے مال لوٹ کر اپنی جیبیں بھرنا چاہ رہے تھے مگر اب تمہارا یہ خواب بکھر کر رہ گیا ہے۔"

"کل تک مقبول چوہدری یہاں' مائیکرو سینٹر میں موجود تھا۔ آج یہاں تمہارا راج ہے۔ یاد رکھنا کہ تمہارا یہ ذلیل منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ میری اور مقبول چوہدری کی پشت پر بہت مضبوط ہاتھ ہے۔ وہ تمہارے حلق سے سب کچھ نکال لے گا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو؟ تمہیں کس مضبوط ہاتھ پر گھمنڈ ہے؟" سلطان شاہ نے مسہری کے سرہانے جا کر مراد ظریف کے مجروح اور متورم چہرے پر سختی سے ایک ہاتھ جڑ دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"مقبول کل یہاں بیٹھا ہوا تھا مگر بتانے والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کوئی قبضہ کر چکا ہے۔ میں اسی لیے اندر نہیں آیا تھا۔ تمہارے لیے فضا میں بارود کی بو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"اس کے ساتھ دھنی رام کی بے یار و مددگار لاش بھی چھوڑ بھاگے تھے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"لڑائی میں یہ ہوتا رہتا ہے۔ شاید تم نے مقبول چوہدری کو زیر کر لیا ہو مگر میں اس کی طرح آسان چارہ ثابت نہیں ہوں گا۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارا حشر بہت بُرا ہو گا۔ تم موت مانگو گے مگر موت خود تم سے پناہ مانگے گی۔"

اس کے دماغ میں جان اسمتھ کی حمایت کا غرور گھسا ہوا تھا۔ جس کا زائل ہونا ضروری تھا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا "سنو ایم زی! مجھے معلوم ہے کہ تم کئی باپوں کی اولاد ہو۔ تمہارا پہلا باپ وہ تھا جو شاید تمہارے پیدا ہوتے ہی شرم اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صدمے سے مرگیا ہوگا۔ دوسرا اکرم الٰہی تھا جس نے تمہیں دولت مندی کی راہ دکھائی، تیسرا مقبول چوہدری تھا جس نے تمہیں گود لیا اور چوتھا وہ گورا ہے جس نے اب تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ تمہاری پوری ہسٹری ہمارے سامنے ہے۔ تمہیں اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہنی چاہیے۔"

میری زبان سے ترتیب وار وہ سب سن کر مراد مکتے کی سی حالت میں رہ گیا پھر اس کے دہانے سے کمزور سی آواز برآمد ہوئی "ایم زی.... !اس کا مطلب ہے مجھ سے تم نے بات کی تھی۔ تم پہلے مقبول چوہدری کے خاص آدمی بن کر مجھے بہلاتے رہے اور جب میں تمہارے جال میں نہیں آیا تو تم خود آواز بدل کر مقبول چوہدری بن گئے۔ تم مسلسل میرا پیچھا کر رہے ہو...."

"غیر ملکی ٹکڑوں پر پلنے والوں کا پیچھا کرنا ہماری ہابی ہے اور تم تو بالکل آوارہ کتے ہو۔ جانتے بوجھتے ہوئے جان! تمہارے پاس گئے تھے کہ تاکہ اس ملک کی بیخ کنی کے لیے اس سے تازہ ہدایات لے سکو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

سلطان شاہ نے پھر بے رحمی سے اس کی ٹانگ ہلائی اور وہ اذیت سے دہرا ہوگیا۔ سلطان شاہ دانت پیستے ہوئے بولا "یہ تمہارے کرتوت ہیں۔ تم باہر کے پیسے پر پلنے والے غدار ہو جس کی سزا موت سے بھی کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔ میں نے باہر سے کوئی رقم نہیں لی۔ فریڈم انٹرنیشنل والے صحرا کی مدد کر رہے تھے۔"

"وہ بھی اسی غلیظ جوہڑ سے سیراب ہو رہے تھے جس میں تم ڈبکیاں لگا رہے ہو۔"

"میں قسم کھا رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر باہر سے کوئی مدد نہیں لی۔" اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"تم اعتراف کر چکے ہو کہ تم سچ کے آدمی تھے۔" میں نے سفاکی سے کہا "اکرم اور مقبول سے رقم لیتے تھے اور اپنا کمیشن کاٹ کر کرشن کو بڑھا دیتے تھے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تب بھی تم سازشی ہو۔ تمہیں معلوم تھا کہ کرشن اس پیسے سے نیا چھور میں ایک مفت تربیتی کیمپ چلا رہا ہے، ہتھیاروں کے استعمال اور دہشت گردی کی تربیت دینے والا وہ کیمپ ملک کے دوستوں کا نہیں ہو سکتا۔"

"وہاں ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی تعلیم دی جاتی ہے، ظلم کرنے کا سبق نہیں دیا جاتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ چمن علی کی تحریروں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" آخر کار میں نے وہ نام بھی لے ڈالا۔ مراد کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بلیگرگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ازدواج، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

بنک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور بینک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چرتا ہے۔
قیمت جلد اول ۵۰، جلد دوم ۵۰ روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منشن، بلیو ایریا، اسٹریٹ ۱۱ آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گوپال چند تمہارا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟ دھنی رام جیسا قاتل اور ڈاکو تمہارا وفادار کیوں تھا؟ مولا داد کے گھر پر بیٹھے ہوئے پانچ مسلح آدمی کل رات بھر کیا کر رہے تھے؟"

مسہری پر پڑے ہوئے مراد کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں ابھر آئیں "تم بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پانی میرے سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں غدار اور نمک حرام نہیں ہوں۔ میں دولت کے لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔ زندگی بھر کی محرومیوں نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے۔ میری اس بھول کو معاف کر دو!"

"معافی!" سلطان شاہ یک بیک بھڑک گیا۔ اس نے مراد کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔ تہ خانے کی محدود فضا مراد کی دل دوز چیخوں سے لرز اٹھی۔ اس کا سر خاصی زور سے فرش سے ٹکرایا تھا۔

"میرا بس چلے تو تمہیں اسی طرح گھوڑے کے سم سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جائے۔" سلطان شاہ نے آخری جھٹکا دے کر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس سے سوکھتے ہوئے زخموں سے دوبارہ تازہ خون جاری ہو گیا۔

"ایسی زندگی سے بہتر ہے کہ تم مجھے گولی ہی مار دو!" وہ روتے اور کراہتے ہوئے بولا۔

"اتنی آسان موت تمہیں نہیں مل سکتی۔" سلطان شاہ غرایا "سب کچھ اگل دو تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔"

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری نے تمہیں کیا کام سونپا ہوا تھا؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

اس کے چہرے پر اذیت کے آثار عود کر آئے کیونکہ وہی اس کی سب سے کمزور رگ تھی۔

"سوچ کر جواب دو گے تو جھوٹ بولو گے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بس فی البدیہہ بولنا شروع کر دو۔"

"وہ ایک پرائیویٹ یوتھ فورس قائم کرانا چاہتے تھے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"پوری بات بتاؤ!" ویرا تجسس آمیز لہجے میں گرجی "کوئی فرضی کہانی سوچنے کی کوشش مت کرو۔"

"میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ اس فورس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں مگر میں جانتا تھا کہ وہ کوئی نیک اور اچھا کام نہیں ہو گا۔ ان کے ذہنوں میں کوئی بڑا منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ کسی مقصد کو سامنے رکھے بغیر ایسی تربیت کا آغاز کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ تربیت لینے والوں کو ہر ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور گوریلا کارروائیوں کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔"

"دوسری طرف تم دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں میں دستاویزی فلموں کے ذریعے ظلم اور زیادتیوں کو اجاگر کرتے پھر رہے تھے۔ صحرا کے ذریعے انہیں بتا رہے تھے کہ شہروں میں بسنے والے کس طرح ان کا استحصال کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی تم اتنے معصوم ہو کہ ان کا پورا منصوبہ نہیں سمجھ سکے۔" ویرا نے میری بات آگے بڑھائی۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا تھا مگر اس بارے میں ان سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔"

"تم اُلو کے پٹھے ہو!" سلطان شاہ نے غرا کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی "ہمیں الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ ہم ہر قیمت پر تمہاری زبان سے سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے پسلیاں دبا کر کراہتے ہوئے کہا "صحرا کو میں نے بہت محنت سے قائم کیا تھا۔ وہ میری ذاتی این جی او تھی۔ لوگ ستار ایدھی کو تھیلے بھر بھر کر بے حساب رقمیں دیتے ہیں، مجھے کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکی۔ جب اکرم سے مدد ملی تو اس کے ساتھ کلنک کے داغ لگے ہوئے تھے۔ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے سب کچھ قبول کر لیا۔ کرشن، یوتھ فورس بنانے میں مصروف ہو گیا۔ یوتھ فورس اندرونی علاقوں میں شورش کے لیے قائم کی جا رہی تھی اس کے لیے احتجاج اور بے چینی کی فضا تیار کرنے کا کام میری صحرا کر رہی تھی۔ صحرا کے تنخواہ دار آدمی دور دراز علاقوں میں جا کر تھوڑی سی امداد کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بہت ساز ہرانڈیل آتے تھے۔"

"گڈ!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا "اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔"

"اس کے لیے تم نے ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجبوری تھی۔ برے کاموں کے لیے برے لوگوں سے ہی ابتدا کرنی پڑتی ہے۔ بعد میں دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔"

"اچھے لوگوں کو تم اپنی راہ سے ہٹاتے رہے؟" سلطان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"بلاوجہ میں نے کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی کیونکہ میں نے خود وقت کی بہت مار کھائی ہوئی ہے۔"

"غلام رسول کو کس نے مارا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا

"میں جی آر بھمرو کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے وجہ کے بغیر کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی۔" اس نے اپنی پچھلی بات دہراتے ہوئے کہا "اور اپنا راستہ کاٹنے والے کو معاف نہیں کیا۔ میرا موبائل فون نمبر گئے چنے دوستوں کے پاس تھا۔ جب اس پر تم میں سے کسی نے مقبول چوہدری کا پیغام دیا تو میں نے چھان بین شروع کر دی کہ میرا نمبر باہر کیسے نکلا۔ مجھے پتا چل گیا کہ جی آر میرے بارے میں چھان بین کرتا پھر رہا ہے۔ وہ انفارمر تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔"

اس نے خاموش ہو کر فرشی قالین پر اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی پھر اپنی بات جاری رکھی "میں ٹرک میں بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ بغاوت، قتل اور غداری جیسے جرائم کی سزا جانتا ہوں مگر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے میرے سامنے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی پینتیس سالہ زندگی میں کئی کئی وقت فاقوں سے کاٹے ہیں۔ میں اس زندگی سے اکتا گیا تھا۔ برسوں میں نے دو کے سوا تیرے جوڑے کی صورت نہیں دیکھی، پورے حیدر آباد کی خاک پیدل چھانی ہے، رکشے اور ٹیکسی کا سفر میرے لیے ایک خواب تھا کیونکہ میری جیبیں ہمیشہ خالی ہوتی تھیں۔ اکرم کی پیشکش پر میں نے آنکھیں بند کر کے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ آج میری جیبیں بھری ہوئی ہیں اور میں پچیرو کا مالک ہوں۔"

"اور تمہارا ضمیر تمہیں کبھی ملامت نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ یکایک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا "سائیں! تم کس ضمیر کی بات کرتے ہو۔ پیٹ چار دن تک خالی رہے تو سب سے پہلے بھوکے کا ضمیر مرجاتا ہے، وہ خود نہیں مرتا.... ڈھیٹ بن کر زندہ رہتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح زندہ رہنا سیکھا ہے۔"

"اور ابھی مزید زندہ رہنا چاہتے ہو!" ویرا نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ اور میں اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔ اپنا سب کچھ دے دوں گا۔"

"خالی ہاتھ زندہ رہ کر تم کیا کرو گے۔ پھر وہی دو جوڑے، شہر کی خاک اور کئی کئی دنوں کی بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"زندگی رہی تو پھر کوئی موقع مل جائے گا۔ اب میں نے زندگی کے دونوں روپ دیکھ اور پرکھ لیے ہیں۔"

"اپنی زندگی کی یہ قیمت تم کسے ادا کرنا چاہتے ہو؟" ویرا نے تمسخر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم کو!" اس بار اس نے بلا تردد جواب دیا "میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں، تمہارا قیدی ہوں۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تم فوجی نہیں ہو۔ میں آزادی کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم تمہاری طرح دولت کے بھوکے یا ضرورت مند نہیں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مقبول چوہدری کی این جی او پر قبضہ کر کے مالا مال ہو چکے ہو لیکن دنیا میں دولت ایسی شے ہے جس کی طلب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پرائی دولت تھوڑی ہو تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنا مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے، ہمیشہ کم لگتا ہے۔ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی سودا کر لو۔"

قدر و قیمت

پبلک لائبریری میں میاں بیوی بیٹھے الگ الگ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ بیوی اپنی کتاب لیے اٹھ کر لائبریرین کے پاس پہنچی اور بولی "میں اس کتاب میں سے یہ آرٹیکل فوٹو اسٹیٹ کرا کے تھوڑی دیر میں واپس لا رہی ہوں۔"

"اس کے لیے آپ ضمانت کے طور پر اپنا شناختی کارڈ یا پانچ سو روپے رکھوا جائیں۔" لائبریرین نے کہا۔

"اس کیا کیا ضرورت ہے... وہ سامنے میرے شوہر بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں۔" خاتون نے اشارے سے بتایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" لائبریرین نے شائستگی سے کہا "لیکن ہم چاہتے ہیں کتاب باہر لے کر جانے والا ہی فرد کوئی ایسی چیز چھوڑ کر جائے جس کے لیے وہ لازماً واپس آئے۔ یہ لائبریری کا اصول ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ہم تینوں کے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے اور ویرا کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دنیا میں ہر ایک دولت کے لیے نہیں جیتا۔" ویرا نے میری اور سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کچھ لوگ ان جیسے بھی ہیں جو دولت کو ہر وقت جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اور پھر بھی سدا خوش رہتے ہیں۔"

بات کسی اور رخ پر نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے مراد سے کہا "یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ زیادہ ہندو کیوں ہیں؟"

"ہندوؤں سے زیادہ مسلمان ساتھ ہیں۔ بس اتفاق ہے کہ وہ تم کو زیادہ نظر آتے ہیں۔"

"کرشن کمار اور گوپال کے علاوہ دھنی رام بھی تم سے بہت قریب تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پاکستان میں ایک سے ایک محب وطن ہندو رہتا ہے مگر ان میں خوبی یہ ہے کہ وہ اس بارے میں کبھی جذباتی نہیں ہوتے۔ ہر بات بہت صبر اور سکون سے سنتے ہیں اس لیے ان سے بات کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب وہ پوری بات سن لیتے ہیں تو ذرا آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں۔ گوپال چند سے میں اپنے دل کی ہر بات کرلیتا ہوں مگر چمن علی سے نہیں کرسکتا۔"

"حالانکہ دونوں امریکا کے پڑھے ہوئے اور آزاد خیال ہیں۔" ویرا نے پھر ٹانگ اڑادی۔

"تمہیں جو منصوبہ دیا گیا تھا اس کا ٹارگٹ اور ٹائم شیڈول کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔" اس نے اپنی پسلیاں سہلاتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"جان اسمتھ بھی تمہیں عمر بھر مفت وظیفہ نہیں دے سکتا۔ ہر منصوبے کا کوئی وقت اور ہدف ہوتا ہے، کارکردگی کا معیار ہوتا ہے۔ تمہاری ان سب تیاریوں کے بعد وہ کب تک اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہمارے ٹارگٹ کا انحصار کرشن پر ہے۔ وہ نیا چھور کے جنگلوں میں چھوٹا سا کیمپ چلا رہا ہے۔ ابھی تک ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہوئے ہیں۔ جس دن ہماری یوتھ فورس کے تین ہزار آدمی تیار ہوں گے، سب کو پتا چل جائے گا یوتھ فورس میدان میں آچکی ہے۔"

"ہتھیار اٹھا کر میدان میں اتر آنے کو بغاوت کہا جاتا ہے۔ کیا تم اسی کی تیاریاں کررہے ہو؟"

"تم اسے جو نام چاہو، دے لو۔ جان اسمتھ لوگوں کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف منظم کرنا چاہتا ہے۔"

"جان اسمتھ دوسرے ملک اور براعظم کا باشندہ ہے۔ اسے یہاں کے مظلوموں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ کیا اسے امریکا کے مظلوم اور پسے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے جو کڑکتے ہوئے جاڑوں کی سرد راتیں گتے کے ڈبوں میں بند ہو کر گزارتے ہیں اور طوفانی بارشوں سے بچنے کے لیے عظیم الشان فلائی اوورز کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔" اس بار ویرا نے بہت مناسب مثالیں دیں۔

"وہ مجبوراً میدان میں آیا ہے۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری یہی کام کررہے تھے۔"

"کیا یہ موٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان دونوں کا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے سرمائے پر پل رہے تھے اور اسی میں سے تم کو تمہارا حصہ دے رہے تھے۔"

"اس وقت بہت سی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔ یہ میں وہ سب بتا رہا ہوں جو پہلے میں سمجھتا تھا۔ اس وقت میں نے جان بوجھ کر کسی بات کی گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ شاید مجھے معلوم تھا کہ ہر گہرائی میں گند ہی گند ملے گا۔"

"تم بیچ میں سے نکل گئے تو کرشن بھی یوتھ فورس کا منصوبہ مکمل نہیں کرسکے گا....."

مراد نے میری بات کاٹ دی اور فضا میں ہاتھ اٹھا کر کہا "تم تینوں نے باتیں کرکے مجھے تھکا دیا ہے، میرے دماغ کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ تم مجھ سے اعتراف در اعتراف کرائے جارہے ہو، میری بات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔"

"تمہیں اپنی بات کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہمیں تمہاری پیشکش پر مشورہ کرنا پڑے گا۔ بس کرشن کے بارے میں ہمارے چند سوالوں کے جواب اور دے دو پھر تمہیں آرام کا وقفہ مل جائے گا۔"

"مجھے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے۔" اس کی آواز میں مایوسی در آئی "مگر میں پھر بھی تمہاری زبان سے تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے تم اپنی خواہش پوری کرلو۔ کرشن میرے ساتھ مل کر تیزی سے کام کررہا تھا، میرے بغیر اس کی رفتار سست ہوجائے گی مگر وہ کام کرتا رہے گا کیونکہ یہ اس کا مشن بھی ہے۔"

"کیا وہ جان اسمتھ کو جانتا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "یہ اس کا مشن کیسے ہوگیا؟"

"جان اسے پہچاننے سے بھی انکار کردے گا۔ وہ لوگ روٹین سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتے۔ کرشن بھارتی ایجنٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اسے یہاں لائن مل گئی ہے۔ رقم اور ہتھیاروں کے لالچ میں لڑکے اس کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ اپنے فنڈز سے کام کرتا رہے گا۔"

مراد کے انکشاف پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور پوچھا "تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟"

"نہ جانتا ہوتا تو شاید اکرم الٰہی کی دی ہوئی ذمے داریوں کو آسانی سے قبول نہ کرتا۔"

میں خاموشی سے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے احتجاج کرنا شروع کر دیا "تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ مجھے اپنا فیصلہ سناؤ اور نیچے سے اٹھا کر مسہری پر لٹاؤ۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں از خود اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

اس کا دوسرا مطالبہ جائز تھا۔ سلطان شاہ نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے اذیت سے چیخنا شروع کر دیا۔ جھٹکے سے اسے نیچے کھینچ لینے کی بات اور تھی لیکن احتیاط سے اسے بلانا جلانا بھی دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے اسے دوبارہ فرشی قالین پر ڈال دیا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا الگ ہو گیا۔

"تم نے اپنی جو رام کہانی سنائی ہے اس پر خود غور کر لینا۔" میں نے نکاس کے راستے پر رک کر اس سے کہا "تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہارے لیے ہم کیا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"مجھے سب اندازہ ہے۔ میں تمہارا ارادہ جاننا چاہتا ہوں...." وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہم تینوں ہی وہاں سے نکل گئے۔

"یہ میری توقع سے زیادہ بے ضمیر آدمی ثابت ہوا ہے۔" لفٹ میں سلطان شاہ نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ ایسے لوگوں کی رسی زیادہ دراز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جلد ہی مکافاتِ عمل سے دوچار ہو جاتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا "یہ بھی اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ جب چاہو اس کا کام تمام کر سکتے ہو۔"

"تم نے ایک فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ ابھی اس کا قصہ ختم کر دیا ہوتا۔" ویرا بولی۔

"اول خان ہمارا مخلص ساتھی ہے۔ اس کے مشورے کے بغیر میں ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

اتنی دیر میں لفٹ دوسری منزل پر پہنچ کر رک چکی تھی۔ ہم تینوں نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

○:○

شام ہوئی اور ویرا نے محدود پیمانے پر اپنے شغل کا آغاز کر دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے سارا ساز و سامان میز پر سجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیبنٹ میں سے ایک گلاس لے کر خاموشی سے کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ مے نوشی کی عادت پختہ ہو اور آدمی کی قوتِ ارادی ذرا بھی کمزور ہو تو خون میں الکحل کی سطح گرتے ہی جسم اور ذہن کا ایک ایک حصہ اسے ساغر و مینا کے تعاقب پر اکسانے لگتا ہے اور ویرا اسی کمزوری میں مبتلا تھی۔ اسے حیرت تھی کہ میں مے نوشی ترک کرنے کا فیصلہ کر کے اس پر کیسے قائم تھا۔

"مائیکرو سینٹر میں قیام میں جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ مقبول نے یہاں شراب کا وافر ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے جو تمہیں ہر وقت پینے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔" میں نے ویرا کے چہرے پر نظریں جما کر سنجیدگی سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں یہاں سے جو سربند بوتلیں اپنے ساتھ حیدر آباد لے گئی تھی، وہ اسی حالت میں واپس آئی ہیں۔ ذخیرہ ہونے یا نہ ہونے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"وہاں ہم جن حالات سے گزر رہے تھے ان میں تم بوتل کو ہاتھ لگانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم سب کے

مکرر

کامل اپنے بچوں کے لیے ہانگ کانگ کا بنا ہوا ایک کھلونا طوطا لائے۔ اس کے سامنے جو کچھ بولا جاتا تھا، وہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے اسے دہراتا تھا۔ ابھی بچے آزمائشی طور پر ہی اس کے سامنے دو چار جملے بول کر اسے بولتے سن رہے تھے کہ وہ میز سے گر پڑا۔ بظاہر تو وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا لیکن اس نے پھڑپھڑانے بند کر دیے۔ کامل کی بیوی نے اسے دوبارہ ڈبے میں پیک کرتے ہوئے کہا "آپ یہ دکان دار کو واپس کر آئیں۔ اس سے کہیے گا کہ اس نے خراب پیس دیا ہے۔ اسے یہ مت بتائیے گا کہ یہ میز سے گر گیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے ڈبے میں سے آواز آنے لگی "میز سے گر گیا تھا.... میز سے گر گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعصاب پر سلطان شاہ کی واپسی کا مسئلہ چھایا ہوا تھا۔ تم بھی اس سے محفوظ نہیں تھیں۔"

"سلطان شاہ کے بارے میں' میں اب بھی فکر مند ہوں۔" وہ بولی "اس نے اپنے اوپر ہونے والے تشدد کو چھپایا ہے۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تو تم نے بھی نوٹ کی ہوگی۔"

"اس کی چوٹیں اس سے زیادہ ہیں جو نظر آرہی ہیں۔" میں نے اس کی تائید کی "تم ہی اس کی مزاج پرسی اور دیکھ بھال کرسکتی ہو۔ وہ مجھے یا غزالہ کو کچھ بھی نہیں بتائے گا' خاموشی سے تکلیف برداشت کرتا رہے گا۔"

"میں ایک کوشش کرچکی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا "مشکل یہ ہے کہ وہ میری نیت پر شبہ کرتا ہے۔ وہی کیا' اب تو تم بھی ہر وقت مجھ سے دور بھاگنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہو۔"

ہماری وہ گفتگو جاری تھی کہ اول خان آپہنچا۔ وہ خاصا بشاش نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ حامد نہ صرف میرپور خاص سے لوٹ آیا تھا بلکہ اپنے ساتھ کرشن کمار کی کچھ تصاویر بھی لے آیا تھا جن کی مدد سے اسے گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

"مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھیوں کا سراغ نہیں ملا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"وہ سب خوف زدہ ہوکر روپوش ہوچکے ہیں۔ حسن اور گلو کی موت نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔"

"خوف و ہراس کیوں ہے؟ ہمارا تو اندازہ تھا کہ لوگ ان سے خوش نہیں تھے۔"

"لوگ کسی سے کتنے ہی ناخوش بلکہ خوف زدہ کیوں نہ ہوں' اس کی موت پر خوش نہیں ہوتے۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ کن لوگوں نے ان جیسے شورہ پشتوں کو اتنی آسانی اور خاموشی سے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"پولیس نے اس واقعے کو کس انداز میں ریکارڈ پر لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں مراد اور کرشن کمار کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ حامد کے مطالبے کے باوجود پولیس نے ان دونوں کے قتل کا سہرا اپنے سر لینے سے انکار کردیا۔ وہ واقعہ نامعلوم افراد کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے وہ لوگ بھی اپنی زبانیں بند رکھیں گے جنھوں نے ہمیں جائے واردات سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ کہیں کہیں مجرم قانون کے محافظوں کے لیے بھی ہوّا بن جاتے ہیں۔"

"لیکن اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔ حامد کو سیدھا سا جواب ملا کہ جب پولیس والوں نے سرے سے کوئی کارروائی نہیں کی تو انہیں اس قصے میں کیوں ملوث کیا جائے۔ وہ لاجواب ہوگیا۔" اول خان نے بتایا۔

"یہی غنیمت ہے کہ انہوں نے حامد کی بات سن لی۔" ویرا نے ہنس کر کہا "وہ تفتیش کے لیے اسے روکنے کا اختیار رکھتے تھے۔"

"کوئی قانونی موشگافیوں پر اتر آئے تو بے شمار مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ دراصل کسی بھی صورتِ حال کا انحصار تھانے دار کے مزاج اور حوصلے پر ہوتا ہے۔ حامد وہاں سے ناخوش لوٹا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ ہم اپنے بندوبست کے ساتھ وہاں گئے تھے۔ آڑے وقت میں وہاں کسی مدد کی ضرورت پیش جاتی تو ہمیں تارے نظر آسکتے تھے۔" ویرا نے کہا "بہرحال اب تو اس معاملے کو داخل دفتر ہی سمجھنا چاہیے۔ مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کے تمام ساتھی زیرِ زمین جاچکے ہیں۔ حسن اور گلو کے لیے کوئی بھی پیروی کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم شاید اس وقت اسی بات کا جشن منا رہی ہو!" اول خان اس کے گلاس کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"یہ مائیکرو سینٹر کی خرابی ہے۔" ویرا سے پہلے میں نے جواب دیا "ابھی تک ہم یہاں مراد کے چکر میں رکے ہوئے تھے کہ وہ نجانے کب فریڈم انٹرنیشنل کے فون پر مقبول چوہدری سے رابطہ قائم کر بیٹھے۔ اب وہ کھیل ختم ہوچکا ہے۔ صبح ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"گھر کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ چاہو تو اسی وقت گلشن اقبال چلے جاؤ مگر جانے سے پہلے مجھے اپنے ساتھ مراد سے ملوا دو۔ وہ کس حال میں ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔" اول خان نے بے تکلفانہ خوش دلی سے کہا۔

"بُرے حال میں اور مایوس ہے۔ اس کی ساری تیزی و طراری کافور ہوچکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اس نے شروع سے آخر تک سارے اعترافات کرلیے ہیں جن میں کرشن کا بھارتی ایجنٹ ہونا بھی شامل ہے۔"

میں اسے مراد کے بارے میں بتاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حامد کے جگر خراش تشدد کے بعد مراد نے مزید کسی محنت کے بغیر سب کچھ اگل دیا تھا۔ اس کے بیان کی روشنی میں صحرا کے رہے سہے اثرات کو ختم کیا جاسکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم دونوں لفٹ کے ذریعے تہ خانے میں پہنچے تو دل کو شدید دھچکا لگا۔ وہاں ایک عبرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ تہ خانے کا پورا قالین خون کے لوتھڑوں میں چھپا ہوا تھا اور اس خونی تالاب کے وسط میں مراد کی بے نور لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہلدی کی طرح زرد چہرے پر اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحوں کی ایسی دردناک اذیت ثبت ہو کر رہ گئی تھی کہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

اس زیر زمین کمرے کا ایک بڑا آئینہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا ایک تیز دھار ٹکڑا خون کے لوتھڑوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ مراد نے وہ آئینہ توڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے اپنی بائیں کلائی اور گردن کی کئی رگیں کاٹ لی تھیں جن سے اس کے جسم کا سارا خون بہہ کر قالین پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اپنی خودکشی کے لیے بہت سست اور اذیت ناک طریقہ اختیار کیا تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" اول خان دھیرے سے بڑبڑایا "اس نے خود اپنے لیے سزا کا انتخاب کرلیا۔ ہم اسے ایسی سزا دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس کے سینے میں ایک دو گولیاں اتار دیتے۔"

"اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کی ہر آس ٹوٹ چکی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "مگر میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مراد اتنی خاموشی سے اپنی جان لے لے گا۔"

"وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا ورنہ اس بے سروسامان تہ خانے میں بھی اسے آسان تر خودکشی کا کوئی ذریعہ مل سکتا تھا۔ یہ انسان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں جو اس کو کسی بہتر یا بدتر انجام کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں اور پھر اسے قبر میں پہنچا دیتے ہیں۔"

"چند دنوں میں جہنمی روحوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اور وہ سب ہی مراد ظریف کی شناسا تھیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری، دھنی رام، حسن اور گلو، سب اسی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔"

وہ ایک حقیقت تھی جسے دہراتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ کوئی ایک شخص غلط راستے پر چل رہا ہو تو وہ اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو لے ڈوبتا ہے۔ اول خان نے جھک کر اس کے زرد بلکہ تاریک چہرے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے اپنی جگہ منجمد ہوگئے تھے۔ اس کے خون کے جمے ہوئے لوتھڑوں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے خودکشی کیے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لاش کے سارے عضلات سرد ہو چکے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ نیچے رکی ہوئی فٹ کی طرف چل دیے۔

کسی کے لیے بھی مراد کی موت کی خبر متوقع نہیں تھی مگر اس کے لیے ان تینوں کے جذبات نفرت آمیز تھے۔ سلطان شاہ اس کے ہاتھوں مار کھا چکا تھا۔ ویرا اور غزالہ سلطان شاہ کی وجہ سے اس سے متنفر تھیں۔ وہ تینوں ہی مراد کی لاش دیکھنے کے لیے چل دیے۔ ویرا جاتے ہوئے اپنا اسکاچ کا گلاس بھی ساتھ لیتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنا پڑے گا۔ مراد کی ڈراؤنی لاش کے ساتھ مائیکرو سینٹر میں رات بسر کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسی وقت اپنے گھر روانہ ہوجائیں۔" میں نے کہا "ویرا پینے کے بعد بے سدھ ہو کر سو جائے گی مگر غزالہ رات بھر چونکتی رہے گی۔ اس کا دل بہت گداز ہے۔ وہ دشمن کے لیے بھی ایسا انجام نہیں سوچ سکتی۔"

"بالکل چلے جاؤ۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر یہ بتا دوں کہ اس کی لاش رات بھر یہاں نہیں پڑی رہے گی۔ لاش کو اسی وقت مردہ خانے بھیج کر تہ خانہ صاف نہ کروایا گیا تو وہاں خون کی بُو رچ جائے گی۔"

مراد کی خودکشی کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ ہم ان تینوں کی واپسی تک اسی کے بارے میں بات کرتے رہے۔ جائے واردات کا منظر دیکھ کر ان کی طبیعتیں بھی مکدر ہوگئی تھیں مگر وہ موضوع زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی نے سب کو خاموش کردیا۔ میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف انٹیلی جنس بیورو والا جلال بول رہا تھا۔

"تم کہاں غائب ہو؟ میں تین مرتبہ تمہارے گھر فون کرچکا ہوں۔ گھنٹیاں بج رہی ہیں مگر کوئی جواب نہیں مل رہا۔" میری آواز سنتے ہی جلال نے اپنائیت بھرے لہجے میں شکوہ کیا "اب گھر آیا ہوں تو نوٹ بک سے نمبر لے کر موبائل پر کوشش کی ہے۔"

"میں شاید تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ دو راتوں سے ہم اپنے گھر پر نہیں ہیں...."

"کیوں؟ خیریت تو ہے؟ کیا وہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس کررہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر ایک سانس میں تین سوال کرڈالے۔

میں ہنس پڑا "کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس ذرا مراد ظریف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"میں خود بھی اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی جان اسمتھ سے ملاقات ریکارڈ پر ہے۔ اب ہر شخص اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میرے پاس صرف اتنی اطلاع ہے کہ وہ حیدر آباد میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے کئی رابطے بھی نظروں میں آچکے ہیں مگر مراد کے سامنے آنے سے پہلے ان کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"وہ کل رات سے ہمارے قبضے میں تھا اور اب سے تھوڑی دیر پہلے اپنی دو شہ رگیں کاٹ کر خودکشی کرچکا ہے۔"

"خودکشی کرچکا ہے؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا "جلدی سے تفصیلات سناڈالو۔"

میں نے چھن علی کے ذریعے مراد کے ٹھکانے کی نشاندہی سے اس کی خودکشی تک کے واقعات کا خلاصہ اسے سناڈالا۔

"تم بہت تیزی سے کام کررہے ہو۔ یہ بات ذرا ناقابلِ یقین سی ہے کہ تم سے ٹکرانے والا ہر شخص کسی نہ کسی طرح موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مراد ظریف نے خودکشی کی ہے۔"

"تمہارے آدمی صبح سرکاری مردہ خانے میں اس کی لاش دیکھ سکتے ہیں۔ چاہو تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی بھیجی جاسکتی ہے۔"

"اوہ۔ شاید تم بُرا مان گئے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی جلدی اس کا قصہ ختم ہوگیا۔"

"مجھے تو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ میں اس سے ملنے گیا تو وہ خودکشی کرچکا تھا۔"

"ہائیں۔ تو کیا تمہیں اس سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا؟"

"پوچھ گچھ ہوچکی تھی۔ اس سے وہ دل برداشتہ تھا۔ میں اول خان کو اس سے ملوانے کے لیے لے گیا تو وہ مرچکا تھا۔"

"وہ نورڈ فاؤنڈیشن والوں کے لیے کیا کام کررہا تھا؟" جلال کی آواز سے بے صبری عیاں تھی۔

"مسلح شورش کی تیاری۔ اس میں تین ہزار تربیت یافتہ دہشت گردوں کی تیاری بھی شامل ہے۔"

وہ مراد ظریف کی کہانی کا دوسرا حصہ تھا۔ جلال کے لیے وہ حصہ بہت اہم تھا۔ میں نے اس سازش کے بارے میں حاصل ہونے والی تمام معلومات تسلسل کے ساتھ دہرانی شروع کردیں۔

"وہ تین ہزار کی نفری کے ساتھ ریاست سے ٹکرا جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی تربیت کا معیار بھی بہت اونچا ہوگا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ ہماری سرحد کے قریب ایسے ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہوچکے ہیں۔" پوری بات سن کر وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ایسی تربیت مکمل کرنے والے آخری سگنل کے انتظار میں خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے گزارے بلکہ عیاشیوں کے لیے کچھ نہ کچھ غیر قانونی کام کرتے رہیں گے۔ میں امن وامان کے سنگین مسائل کو سر ابھارتا دیکھ رہا ہوں۔"

"تربیت کے بعد ان دہشت گرد لڑکوں کو کہاں رکھا جاتا ہے؟" جلال کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری تھی۔

"یہ معلوم ہوتا تو میں اس وقت وہیں ہوتا۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہوگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں بہت سے شہروں میں پھیلے ہوئے ہوسکتے ہیں۔"

"یہ ڈیڑھ سو تو وقت کے ساتھ خود بہ خود ختم ہوجائیں گے۔" جلال کی پرامید آواز ابھری "مراد کی خودکشی کے بعد تربیت کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ ہم بھی ان علاقوں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھیں گے۔"

"مراد کی موت کے بعد بہت سے سلسلے دم توڑ جائیں گے مگر دہشت گردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ یہ کام ایک خطرناک آدمی نے سنبھالا ہوا ہے اور وہ بھارتی ایجنٹ ہے۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہا۔

"بھارتی ایجنٹ!" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ان الفاظ نے اسے چونکا دیا تھا "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس وقت ہر بات اس کے اعترافات یا حقائق کے حوالے سے کررہا ہوں۔ اس نے خود بتایا تھا کہ کرشن کمار نامی ایک بھارتی ایجنٹ یوتھ فورس بنانے کا کام کررہا ہے۔"

"اور اس کا مرکز نیا چھور میں ہے؟" جلال کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"تربیتی مرکز نیا چھور میں ہے لیکن کرشن کمار کا ایک مکان میرپور خاص میں بھی ہے۔ وہ خود وہاں نہیں رہتا۔ وہ لھر مراد اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں رہتا تھا۔" میں نے کہا "وہ خود کھوکھراپار میں رہتا ہے۔"

"یہ سب ہمارے اپنے علاقے ہیں۔ ہم چند روز میں انہیں چھان ڈالیں گے۔"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ورنہ مراد کے لگائے ہوئے زخم رفتہ رفتہ ناسور بن جائیں گے۔"

"کرشن کمار کا نام میں نے ذہن نشین کرلیا ہے۔ وہ زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔"

"بس یہ خیال رکھنا کہ وہ پیشہ ور آدمی ہے۔ اس نے مراد جیسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کر کے اپنا ایک نیٹ ورک بنایا ہوا ہے۔ اسے خطرے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سرحد پار نکل جائے گا۔"

"وہ بھارتی ایجنٹ ہے تو سرحد پار کرتا رہتا ہوگا۔ اسے صرف مکاری سے ہی پکڑا جا سکتا ہے۔"

"کل سے رہ رہ کر میرے ذہن میں خیال آرہا ہے کہ جارحیت ہی بہترین دفاع کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے گھر کو بچانے کے ساتھ دشمن کے گھر کو پھونکنے کی کوششیں بھی کرنی چاہئیں۔"

"اگر تم سرحد پار جا کر کام کرنے کا ارادہ کر رہے ہو تو میں تمہیں بہت سی سہولتیں دلا سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی پیش کش کر ڈالی "ہمارے بعض بہترین آدمی پہلے سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "میں اتنا عجلت پسند نہیں ہوں۔ ابھی میں نے سوچنا شروع کیا ہے۔ کوئی فیصلہ کر لیا تو تمہیں ضرور آگاہ کروں گا۔ اس وقت میرے سامنے کچھ اور کام بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ان کاموں کے بارے میں بھی کچھ بتاتے چلو!"

"فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے چار افراد کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کیا تھا۔ ابھی ان میں سے دو باقی ہیں۔ کوئی اور کام کرنے سے پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں مراد کے کاموں میں کہاں تک ملوث تھے اور اب کیا کر رہے ہیں۔"

"باقی دو کا انجام کیا ہوا؟" جلال کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔

"چمن علی اور گوپال چند کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ایک شریف آدمی ہے۔ گوشہ نشین ہو جائے گا۔ دوسرے کی ٹانگیں چھلنی کی جا چکی ہیں۔ وہ شاید زندگی بھر اپنی معذوری پر کڑھتا رہے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں ہمیشہ کی طرح تمہاری اور اول خان کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ تم دونوں مل کر دن رات اس قوم کی جو خدمت کر رہے ہو، اس پر ہم سب کے سر فخر سے بلند ہیں۔" جلال کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا۔

جلال سے میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اب تم دو چار دن آرام بھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ سپرمین بننے کی کوشش میں لمبے ہی پڑ جاؤ۔ ان دونوں سے چند روز بعد بھی نمٹا جا سکتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ تمہارے چہرے سے سوجن کے خاتمے تک میں آرام ہی کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو اول خان نے مجھے ان دونوں کے پتے بھی فراہم نہیں کیے ہیں۔"

"چمن علی سے ملاقات کے بعد مجھے وقت ہی نہیں مل سکا مگر میں نے وہ پرچا اپنے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ اب تک وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہوگا۔ میں ابھی فون پر اس سے معلوم کیے لیتا ہوں۔"

"اتنی پھرتی نہ دکھاؤ۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "پتے ملتے ہی ڈینی کے پیروں پر سفر سوار ہو جائے گا۔ ان چاروں میں سے صرف چمن علی ہی کراچی میں رہتا ہے۔ باقی تینوں فون نمبر کراچی سے باہر کے تھے۔ ہمیں ایک دو راتیں اپنے گھر میں بھی گزارنے دو۔"

میری یاددہانی پر اول خان کا تجسس بیدار ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا، یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ کون تھے، ان کا پس منظر کیا تھا اور ان دنوں وہ کیا کر رہے تھے۔

اول خان نے فوراً ہی اسٹیشن فون میں کسی سے بات کی اور کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد اس کی تحیر زدہ آوازوں نے سب کی توجہ مبذول کرا لی۔ وہ نواب شاہ کے بارے میں اپنے آدمی سے بار بار حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کیا اور ہمیں بتایا کہ ان دونوں میں سے ایک نام نواب شاہ کے اسی وڈیرے کے لڑکے کا تھا جس کے گھر میں دھنی رام نے ڈکیتی کی واردات کی تھی اور اس دوران میں گھر کے کئی افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ دھنی رام کے ڈاکے میں مرنے والوں میں وہ لڑکا بھی شامل تھا جس کا نام اکرم الٰہی کی بتائی ہوئی فائل میں موجود تھا۔

وہ چونکا دینے والی اطلاع تھی اس لیے اول خان نے پہلے اسی کا ذکر کیا اور سب اس بارے میں بحث میں الجھ گئے۔

یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خطوط میں اس رئیس زادے کو مراد کا طاقت ور حریف اور حامی قرار دیا گیا تھا جب کہ اس کو قتل کرنے والا مراد کا دستِ راست تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ ناموں کی یہ مشابہت اتفاقیہ ہو۔ وہ دونوں الگ الگ شخصیات ہوں۔" ویرا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم تیسرا گلاس خالی کرنے والی ہو' اس لیے تمہیں سات خون معاف ہیں۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "نام یکساں ہوسکتے ہیں۔ فون نمبر ایک نہیں ہوسکتے۔ یہاں معاملہ فون نمبر سے شروع ہوا تھا۔ مغالطے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"لیکن دھنی رام کو اپنے آقا کے ایک حامی کو ٹھکانے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ قصہ قدرے پرانا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا "ضروری نہیں کہ فورڈ فاؤنڈیشن یا سی آئی اے والوں کا ہر تجزیہ درست ہو۔ اس نے مراد کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیا ہو..."

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مراد نے اس کے انکار کا بدلا لینے کے لیے دھنی رام کو اس پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا۔" سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک کر تحیر زدہ لہجے میں کہا "دھنی رام نے وہاں ڈاکا ڈالا۔ خون ریزی کی اور اس گھرانے کو انکار کا مزہ چکھا کر فرار ہوگیا؟"

"واقعات سے یہی ثابت ہورہا ہے۔ چمن علی نے بھی بتایا تھا کہ مراد بات بات پر دھمکی آمیز رویہ اختیار کرلیتا تھا۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "اس سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔"

"ایک آدمی کو سزا دینے کے لیے اس کے گھرانے کے سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا کھلی بربریت ہے۔" غزالہ پھریری لے کر بولی "کوئی صحیح الدماغ آدمی یوں بلاوجہ خون کی ہولی نہیں کھیل سکتا۔"

"مراد اور دھنی رام کے لیے سب کچھ ممکن تھا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دھنی رام کو اپنے اصل شکار تک پہنچنے کے لیے چھ خون کرنے پڑے ہوں۔ تب وہ ساتویں کو گرانے میں کامیاب ہوا ہو یا پھر اس نے سامنے آنے والی پوری بھیڑ کو ہی اندھا دھند گولیاں چلا کر بھون ڈالا ہو۔"

"کوئی واقعہ دوسرے واقعے سے الگ نہیں ہوتا۔" سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا "سب کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ یوں جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ کسی ایک کڑی کو بھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دھنی رام اپنی اسی واردات کے بعد مفرور قرار دیا گیا تھا اور وہی اس کی شناخت بن گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ وہ ہم سے پہلے مقابلے میں ہی مارا گیا تھا۔"

"اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں تو گناہ گار اور بے گناہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتیں۔ یہ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ ظالم اور سفاک درندے ہمیشہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہم بارہا گولیوں کی برسات سے بچے ہیں۔ دھنی رام بھاگتے ہوئے اول خان کی گولیوں کی زد میں آکر مارا گیا۔ مراد کا تازہ ترین انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"چلو' مان لیا کہ تم سب ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی "اب کتنی دیر تک ان کے نوحے پڑھتے رہو گے؟ فہرست کے تیسرے آدمی کا انجام سامنے آگیا۔ اب چوتھے کے بارے میں بھی کچھ بتادو۔"

"چوتھا قادر خان ہے۔" اول خان نے کہا "فائل میں اس کے آبائی گھر کا نمبر ہے جو ٹنڈوباگو میں واقع ہے لیکن وہ کراچی میں رہتا ہے اور تیل کی ایک بڑی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ اس کے کراچی کے نمبر پر ابھی تک رابطہ نہیں کیا گیا۔"

"یہ اچھی خبر ہے کہ وہ کراچی میں رہتا ہے۔" ویرا نے خوشی کا اظہار کیا "ورنہ میرپور خاص کے بعد ٹنڈوباگو کی طرف دوڑ لگانی پڑتی۔"

"اس کا نمبر مجھے دے دو۔ اس سے ابھی رابطہ ہوجائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "یہ طے ہوچکا ہے کہ دو دنوں تک صرف آرام کیا جائے گا۔"

"یہ طے کرتے ہوئے تم بھول گئے تھے کہ مراد کی گمشدگی اور پھر خودکشی کی خبر پھیلنے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا "یہ وقت نکل گیا تو قادر خان اپنا دامن بچانے کے لیے ہر بات سے منکر ہوجائے گا۔"

"تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور اس کے لیے ایسے نکتے لاتے ہو کہ خاموش ہونا پڑتا ہے۔"

"یہ من مانی کی بات نہیں ہے۔ ڈینی درست کہہ رہا ہے۔ مراد کی خودکشی کی خبر کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جاسکے گا۔ گوپال چند سے مولا داد تک سب کو علم ہے کہ مراد کسی مشکل سے دوچار ہوچکا ہے۔" اول خان نے میرا ساتھ دیا۔

"ہونے والا کام جتنی جلدی کرلیا جائے' اچھا ہوتا ہے۔" غزالہ نے بھی اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈال دیا۔

اول خان نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ قادر خان کے نام کے سامنے جمشید روڈ کے کسی مکان کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور کہا "یہ تو تمہارا پڑوسی ہے۔ تم نے یہ اہم بات نہیں بتائی۔"

"اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے معلوم تھا کہ تم جمشید روڈ کا نام دیکھ کر چونکو گے مگر یہ پتا میرے لیے نامانوس ہے۔"

"ابھی کا کوئی پروگرام نہ بنالینا۔" میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" ویرا نے ہانک لگائی۔

اس وقت تک میں ان چاروں میں چمن علی اور گوپال سے ملا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے' اس کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ چمن علی جیسے شریف آدمی نے بھی دھمکیوں کے بغیر اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ گوپال سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ قادر خان بھی آسانی سے راہِ راست پر نہیں آئے گا۔

اس نشیب و فراز پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے قادر خان کا فون نمبر ملالیا۔

اُدھر سے دوسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بھاری اور تحکم آمیز ہیلو کے جواب میں' میں نے قادر خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بولنے والے کا لب ولہجہ واضح ہو گیا "تم کون بول رہے ہو؟" وہ خاصا درشت مزاج معلوم ہو رہا تھا۔

"میں ابرار بول رہا ہوں۔ مجھے ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"کون ابرار؟" دوسری طرف سے خشک اور تیز آواز میں سوال کیا گیا۔

"تم انہیں بلا دو۔ میں ان کو بتادوں گا۔" میں نے اپنے لہجے کی نرمی کو برقرار رکھا۔

"میں قادر خان بول رہا ہوں۔" تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا پورا نام بتانا ضروری سمجھا "میں کسی ابرار کو نہیں جانتا۔ اب بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔" میں نے براہِ راست کہہ دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں اپنے فائدے نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو میرا نمبر کس نے دیا۔"

"تم مراد ظریف کو ضرور جانتے ہو گے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"پتا نہیں' تم کیا بکے جا رہے ہو۔" اس بار بہت مختصر سے وقفے کے بعد جواب دیا گیا "دوسروں کے بجائے اپنی بات کرو۔"

اس کے تیوروں کا اندازہ لگا کر میں نے فوراً ہی اپنی بات کا رخ بدل دیا اور کہا "میں میرپور خاص سے یہاں آیا ہوں۔ مراد کو کچھ لوگوں نے پکڑلیا ہے۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ یہ خبر تم کو پہنچادی جائے۔"

"یہ خبر تم فون پر بھی دے سکتے تھے۔ وہاں سے کراچی آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ آپس کی باتیں دشمن بھی سن سکتے ہیں۔"

"پھر اب فون پر یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ کیا اس وقت سب مرے ہوئے ہیں۔" وہ کسی بات سے مرعوب نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے مجبور کیا ہے تو بتا رہا ہوں کہ میں زبانی بتانا چاہ رہا تھا۔ میرپور خاص میں بھی آفت آئی ہوئی ہے۔"

"تم نے اپنا وقت برباد کیا ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا چل چکا ہے کہ مراد کو حیدر آباد سے اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چھتوں میں سے ایک تھا۔ اسے وہ خبر گوپال سے ہی مل سکتی تھی۔ میں نے کہا "وہ اسے گوپال چند کے گھر سے لے گئے تھے۔ گوپال بھی گولیوں سے زخمی ہوا ہے۔"

"اسے لے جانے والوں نے اسے فون بھی کرنے دیا...؟" پہلی بار اس کی آواز میں حیرت کی آویزش محسوس ہوئی "کیا انہوں نے اس کے لیے کوئی تاوان مانگا ہے؟"

"ایک قیدی اور پچاس لاکھ روپے نقد۔" قیدی کا ذکر یوں ضروری تھا کہ اسے وہ خبر کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ پچاس لاکھ کی رقم میں نے اپنی طرف سے بڑھادی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ مراد کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

"مراد نے کہا تھا کہ یہ خبر مجھے پہنچادو؟" مزید کوئی بات کرنے سے پہلے اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔ یہ اسی کا حکم تھا۔ اس کے بعد سب یتیم ہو چکے ہیں۔ میرپور خاص میں دو آدمی مارے گئے ہیں۔ اب ہماری آس امید تم ہی سے ہے۔ تم نے منہ پھیرلیا تو پتا نہیں کیا قیامت..."

"اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "فون پر زیادہ بک بک مت کرو۔ گھر آجاؤ۔ میں خود تاوان کی رقم لے کر چلوں گا۔ اسے چھڑانے کے لیے ایک بار یہ رقم دینی ہوگی۔ بعد میں وہ ہاتھ جوڑ کر دگنی رقم واپس کریں گے۔"

اپنی بات پوری کر کے اس نے فون بند کردیا۔ میں نے اسپیکر فون کا بٹن آف کردیا۔ لائن منقطع ہو گئی۔

ویرا نے اچانک ہی کھانسنا شروع کردیا۔ گلا صاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کے بعد وہ بولی "کبھی کبھی اسپیکر فون عذاب بن جاتا ہے۔ کھانسی روکے روکے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ تمہاری باتیں ذرا سی دیر اور جاری رہتیں تو میرے لیے کھانسی روکنا مشکل ہوجاتا۔"

"تم اٹھ کر دبے قدموں کہیں اور بھی جاسکتی تھیں۔" سلطان شاہ نے کہا "مگر تمہاری عقل پر تو شراب طاری ہے۔"

"چلی جاتی تو پوری بات نہیں سن سکتی تھی۔" ویرا نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے اس سے سب کچھ طے کرلیا۔ اب تاوان کسے دلواؤ گے اور قیدی کہاں سے لاؤ گے؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ سب فرضی باتیں تھیں۔ ان سے قادر خان بے نقاب ہوگیا ہے۔ اس نے مراد کے لیے پچاس لاکھ جیسی خطیر رقم کی ادائیگی پر اپنی آمادگی ظاہر کرکے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ وہ مراد کے کاموں میں پوری طرح شریک ہے۔"

"تم کیا کرو گے؟ کیا اسے بھی مراد کے پیچھے روانہ کرنے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ضروری نہیں کہ اسے مار دیا جائے۔" اس جیسے مغرور، متکبر اور باحیثیت لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی سزائیں بھی سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ اسے کوئی سبق ضرور دیا جائے گا۔" میں نے ایمانداری سے اپنی رائے پیش کردی۔

"مراد اپنے انجام سے دوچار ہوچکا ہے۔ قادر کا پیچھا کرکے تم کیا حاصل کرو گے؟"

"یہ محفوظ رہا تو اپنے آقاؤں کے اشارے پر پھر کسی سازش میں شریک ہوجائے گا۔ مناسب سزا مل گئی تو وہ آئندہ کوئی غلط بات سوچتے ہوئے بھی گھبرائے گا۔"

قادر سے جو گفتگو ہوئی وہ اسی وقت کے لیے تھی۔ بعد میں اس تک رسائی بہت مشکل نظر آرہی تھی۔ اول خان کی رائے بھی یہی تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تھا تو اس کے لیے وہی وقت مناسب تھا۔ بعد میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک بار اسے یہ اندازہ ہوجاتا کہ کسی نے ابرار کے نام سے فراڈ کیا تھا تو وہ مزید محتاط ہوجاتا اور اس کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہ رہتا۔

اس وقت تک حیدرآباد سے ہماری وہ گاڑی واپس نہیں پہنچی تھی جو سلطان شاہ کے اغوا کے وقت چھینی گئی تھی اور چند گھنٹوں پہلے ایک ویران میدان میں لاوارث کھڑی ہوئی مل گئی تھی۔ ہم نے اس مہم کے لیے بھی اول خان کی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان نے روانگی سے پہلے اپنے آدمیوں کو فون پر مراد کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں اور تیار ہوگیا۔

ویرا اور غزالہ کو گھر پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر علی اور دلبر خان کی موجودگی میں ان دونوں کو مائیکرو سینٹر میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔ ہلکی پھلکی تیاریوں کے ساتھ ہم تینوں افراد قادر کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

وہ پتا تلاش کرنے کے لیے ہمیں زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک نیم تاریک اور سنسان سڑک کا پتا تھا۔ قادر کا مکان سڑک کے آخری سرے پر واقع تھا۔ اس سے آگے کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے وہاں کا چکر لگا کر اندازہ لگایا کہ اس گھر کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت انہیں آسانی سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

دوسرے چکر میں اول خان نے اپنی گاڑی قادر کے مکان سے کچھ فاصلے پر روک کر مجھے اتار دیا۔ میری جیب میں ڈارٹ گن اور ایک ریوالور موجود تھا۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اس عمارت سے واپس لوٹ آنا تھا۔ میری آمد میں تاخیر کی صورت میں وہ دونوں بھی میدان میں آجاتے اور پھر حالات کے مطابق فیصلہ کرکے اس مہم کو انجام تک پہنچا دیتے۔

میں تنہا گھر میں جارہا تھا اس لیے میری سلامتی کا دارومدار میری حاضر دماغی اور پھرتی پر تھا۔ وہ دونوں میری اس رائے سے متفق تھے کہ قادر کو میری کہانی پر یقین آچکا تھا اور گھر میں داخل ہونے پر میری جان کو کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے قادر کے مکان کے پھاٹک پر گھنٹی بجائی اور چوکیدار نے فوراً ہی ایک پٹ قدرے وا کردیا۔ میرا نام سنتے ہی اس نے مجھے اندر بلایا اور دروازہ بولٹ کرکے عمارت کے داخلی دروازے کی طرف ہولیا۔ میں خاموشی سے اس کی تقلید کرتا رہا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر چوکیدار نے انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود لیٹ کی طرف لوٹ گیا۔

مکان میں چھائی ہوئی خاموشی اس قدر مکمل تھی کہ ذرا سی دیر میں مجھے وحشت سی ہونے لگی پھر کسی اندرونی حصے سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور صوفے میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد قمیص اور پتلون میں ملبوس گندمی رنگ کا ایک صحت مند مگر ترش رو نوجوان میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور پیشانی پر چند پیدائشی شکنیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر آ رہی تھیں۔

میں اسے دیکھتے ہی مودب ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی زحمت کیے بغیر مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا "ہوں.... اب بتاؤ کہ وہ قیدی کیا کیا معاملہ تھا۔" اس نے بیٹھتے ہی سوال کیا جیسے اس نے میری گفتگو کا وہ اہم ترین نکتہ پہلے سے اپنے دماغ کے کسی خانے میں محفوظ کیا ہوا ہو۔

وہ مجھے اپنے اور گوپال کے رابطے کے بارے میں فون پر بتا چکا تھا۔ میں نے ہیر آباد میں صحرا کے دفتر کے قریب سے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر اس کی میرپور خاص منتقلی کا واقعہ من و عن سنا دیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں گوپال سے یہ سب سن چکا ہوں۔ ساری گڑبڑ اسی قیدی سے شروع ہوئی۔ اسے نہ پکڑا جاتا تو شاید مراد بھی اغوا نہ ہوتا۔ مگر یہ بتاؤ کہ حیدر آباد میں ہونے والے اس قصے کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟ اغوا کرنے والوں نے مراد کو اتنی دیر تک بات کرنے کی اجازت دی ہوگی' نہ اسے یہ سب بتانے کا ہوش ہوگا۔" بولتے بولتے وہ درمیان میں چونکا تھا۔

مجھ سے پہلی غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اسے اپنے اعتماد میں لینے کے چکر میں' میں نے اس واقعے کو کچھ زیادہ ہی تفصیل سے دہرا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "وہ قیدی میرپور خاص میں ہی ہے۔ اسے وہاں مار لگائی گئی تھی۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ بے قصور تھا۔ اسے صحرا کے دفتر کے پاس سے گزرنے کے جرم میں بلاوجہ پکڑ لیا گیا تھا۔"

"قیدی اور تاوان کی رقم کس کو دو گے؟" اس نے سادہ کارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "یہ سب مولا داد کو معلوم ہوگا۔ مجھے حکم ملا تھا کہ تم کو پیغام پہنچا دوں۔ میں تو اتنی بڑی رقم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میرپور خاص میں کیا آفت آئی ہے؟ وہاں کون کون مرا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

وہ کرید کرید کر سوال کرتا رہا۔ میں سنبھل کر جواب دیتا رہا۔ آخر اس نے مطمئن ہو کر کہا "تم یہیں لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح بینک کھلے گا تو رقم لے کر میرپور خاص چلیں گے۔ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو ملازم آئے گا' اس کو بتا دینا۔"

وہ اٹھ گیا' میں بھی اٹھا۔ اس مرتبہ اس کی نظر میری جیب پر جم گئی۔ "تمہاری جیب اتنی بھاری کیوں ہے؟"

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے جیب سے

جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و
تہذیب کے حیات افروز واقعات
صدیوں سے زندہ ایک پُراسرار شخص
کی آپ بیتی، ھوا جس کی دوست
تھی، سمندر جس کے لیے آغوش مادر
تھا، آگ اس کے بدن کو نمو دیتی تھی۔

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے
کے ریکارڈ توڑ دیے

صدیوں
ڈائیٹا

پانچ حصوں میں مکمل

قیمت فی حصہ ۵۰ روپے + ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶ روپے

مکمل سیٹ منگانے پر قیمت صرف ۲۰۰ روپے، ڈاک
خرچ معاف۔ صرف ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ
فرمائیں۔ یہ رعایت صرف منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی مل سکے گی

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳
سیڈ منشن، بلیو ایریا مارٹ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریوالور نکال کر اسے دکھایا۔ "میرا ہتھیار ہے۔ اسے ہوٹل میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے آیا۔ چھوٹے ہوٹلوں میں ہتھیار اور رقم کی چوری ضرور ہوتی ہے۔"

"لاؤ' یہ مجھے دے دو۔ صبح واپس مل جائے گا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں ہوٹل سے صبح سویرے یہاں آجاؤں گا۔ وہاں میرا تھیلا پڑا ہوا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس وقت ریوالور کا دستہ میری گرفت میں تھا اور اس کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

اس وقت تک ہر بات بالکل صحیح تھی۔ میرے جواب پر قادر کے ذہن میں نہ جانے کس وسوسے نے سر ابھارا کہ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر' میری توقع کے خلاف اچانک میری طرف جست لگادی۔ اس کا ہاتھ میرے ریوالور پر پڑا۔ ریوالور کے ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ خود بہ خود بڑھتا گیا۔ وہ مجھ سے ریوالور چھیننے کی پوری سی کوشش بھی نہ کرپایا تھا کہ پُرشور دھماکے سے گولی چل گئی۔

وہ ایک ناگہانی حادثہ تھا۔ گولی اس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی۔ وہ چیخ مار کر منہ کے بل نیچے آرہا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں کہ گولی اس کی پشت میں بڑا سا شگاف ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور زخم سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

گھر کے اندرونی حصوں سے کئی ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخیں ابھریں۔ باہر چوکیدار نے للکارتے ہوئے' پے در پے دو ہوائی فائر کر ڈالے۔ میں اچانک ایک ہولناک مشکل سے دوچار ہوگیا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' پوری قوت سے ڈرائنگ روم سے باہر دوڑ لگادی۔

مجھے دیکھ کر چوکیدار لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے ایک ہوائی فائر کر ڈالا۔ چوکیدار کھلے میدان میں تھا جو پورچ کا ڈرائیو وے تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتی تھی۔ جب کہ میرے اور پھاٹک کے درمیان مسلح چوکیدار حائل تھا۔ میں نے اپنا رخ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف کرلیا۔

چوکیدار نے میرا ارادہ بھانپ کر پھر دو گولیاں چلائیں لیکن بدحواسی کی وجہ سے وہ نشانہ نہیں لے سکا۔ وہ خود متحرک تھا اور میں بھی زاویے بدل کر بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ عمارت میں سے ابھرنے والی چیخ وپکار کی آوازیں باہر آچکی تھیں لیکن ان میں سے شاید کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ میں دیوار تک پہنچا ہی تھا کہ چوکیدار نے پھر دو فائر کیے۔ اس نے تیسرا فائر بھی کرنا چاہا لیکن فضا میں صرف گھوڑے کی کھٹاک گونج کر رہ گئی۔ چھ مرتبہ آگ اگلنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہوچکا تھا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ دیوار سے ہوتا ہوا باہر کودا تو اول خان گاڑی وہاں لاچکا تھا۔ فائرنگ کے پُرہول دھماکوں سے اس نے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا تھا۔ سلطان شاہ نے میرے لیے عقبی دروازہ کھولا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا اندر کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی؟" گاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ سڑک پر لے آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اس کے مقدر میں موت لکھ دی گئی تھی جو آلر رہی۔ میرا آخر تک فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

پوری روداد سن کر اول خان نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اچھا ہوا کہ تمہارے ارادے کے بغیر گولی چل گئی اور تم وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ تم پر غالب آجاتا تو مشکل کھڑی ہوجاتی۔"

"یہ عجیب واقعہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہونا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے جرائم سنگین رہے ہوں۔ قدرت نے اسے تمہارے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچادیا۔" سلطان شاہ نے کہا۔ وہ اس واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہورہا تھا۔

قادر خان کے جرائم کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں تھا لیکن وہ جس آسانی اور فکرمندی کے ساتھ مراد کی رہائی کے لیے تاوان کی خطیر رقم کا بندوبست کرنے پر آمادہ ہوا تھا' اس سے مراد کی سازشوں میں اس کا بھرپور کردار پوری طرح سامنے آگیا تھا اور میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا کہ میری گولی سے کوئی بے گناہ مارا گیا ہو۔

ہماری واپسی پر ویرا اور غزالہ حیران رہ گئیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ ہم قادر خان سے نمٹ کر اتنی جلدی واپس لوٹ آئیں گے۔ غزالہ رات کے کھانے کی تیاری کرچکی تھی اور ویرا اپنے شغل سے بظاہر سیر ہوچکی تھی۔ ہم نے ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھ کر ان دونوں کو نئے واقعے سے آگاہ کیا۔ ایک مرتبہ پھر بھروں کا مختصر سا دور چلا اور پھر ہم نے مائیکرو سینٹر سے روانگی کی تیاری کرلی۔

اس دوران میں انٹرکام پر اطلاع ملی کہ مراد کی لاش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منتقلی اور خون آلود تہ خانے کی صفائی کے لیے اول خان کی نفری مائیکرو سینٹر پہنچ چکی تھی۔

○☆○

فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم عہدوں پر قابض سی آئی اے کے ایجنٹوں نے دو پاکستانی این جی اوز کے ذریعے جو سازش تیار کی تھی' اس کا تانا بانا بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ اس منصوبے کے بیشتر شرکا کو ان کے حصے کی عبرت ناک سزائیں مل چکی تھیں۔ بس ایک کردار آزاد تھا اور میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔

اول خان ہمیں مائیکرو سینٹر سے گھر پہنچا کر واپس جا چکا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ کارڈز وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھا۔

کرشن کمار سے قطع نظر' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے خلاف ہمارا کام پورا ہو چکا تھا۔ قادر خان کا رہا سہا قصہ بھی تیزی سے نمٹ گیا تھا۔ اس سے آگے بے کاری نظر آ رہی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گیارہ بجے گھر کے فون پر جلال کی کال آ گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے وہ دوسری کال بلاوجہ نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر خود ہی کرشن کمار کے موضوع پر آ گیا۔

"مجھے وہ نام سنتے ہی جھٹکا سا لگا تھا مگر میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" وہ کہہ رہا تھا' کرشن کمار کا نام ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔ وہ بہت سی مذموم سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے باوجود کبھی ہماری باضابطہ گرفت میں نہیں آ سکا۔"

"ایسے مجرموں کے خلاف ضابطے رکاوٹ بن جاتے ہیں کیونکہ وہ دامن بچا کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"اسی لیے تمہاری کامیابیوں کی رفتار تیز بلکہ قابلِ رشک ہوتی ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "تم لوگ ضابطوں سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق ہر فیصلہ کر گزرتے ہو۔"

"کرشن کمار کے بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھارتی فوج میں کمانڈو رہ چکا ہے۔ وہاں سے اس کی خدمات سیکرٹ سروس کو دے دی گئیں۔ وہ پچھلے پانچ سالوں سے تھر اور راجستھان کے علاقوں میں دیکھا جاتا رہا ہے۔"

"راجستھان کے بارے میں تم کو کیسے علم ہوا؟" میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"طویل' بے ترتیب اور دشوار گزار سرحد کے چپے چپے کی نگرانی ان کے لیے ممکن ہے نہ ہمارے لیے آسان ہے۔ تخریب کار اور اسمگلر سرحد کے ایسے حصوں کو بے خوفی سے استعمال کرتے ہیں' جس طرح کرشن یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ ہمارے آدمی بھی ضرورت کے تحت خاموشی سے سرحد پار کرتے رہتے ہیں اور اُدھر کی خبریں جمع کر کے لوٹ آتے ہیں۔"

"وہ بھارتی شہری ہے۔ غیر قانونی طور پر یہاں آتا ہے اور دیکھ لیا جاتا ہے تو پھر وہ اب تک آزاد کیوں ہے؟"

"وہ ایک جگہ نہیں ٹکتا۔ چھلاوے کی طرح اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرپور خاص میں اس کا گھر موجود ہے۔ مگر وہ شاذ و نادر ہی وہاں دیکھا جاتا ہے۔"

"کوشش کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ہاتھ آ سکتا ہے۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

"یہ ممکن ہے لیکن اس پر آج تک زیادہ دھیان نہیں دیا گیا۔ دونوں فریق اپنی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ ہم اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔ وہ اپنے کسی شہر میں ہمارے ایک دو آدمیوں کو پکڑ لیں گے۔ یہ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ایسا سلسلہ ہے جسے مخصوص حدود میں نظر انداز کرنا دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔"

"اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ نیا چھور میں اس کی سرگرمیاں ان مخصوص حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہوں گی۔

طریقۂ مرمت

شاہد کے نئے جوتے میں کتے نے دانت گاڑ دیے۔ جوتا مہنگا تھا۔ شاہد نے سوچا' مرمت کرا لیا جائے۔ اس نے جوتا موچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے ٹھیک کر دو.... اس پر کتے نے دانت مار دیے ہیں۔"

موچی نے جوتے کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "اس کی مرمت تو نہیں ہو سکتی... بہتر ہے کہ آپ دوسرا جوتا بھی کتے کو چبانے کے لیے دے دیں۔ دونوں جوتے ایک جیسے ہو جائیں گے۔ لوگ سمجھیں گے نیا ڈیزائن ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی سرکوبی اب ناگزیر ہو چکی ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ بہت سے حکام نیا چھور کے کیمپ سے ابھی تک بے خبر ہیں۔ تمہارے ذرائع سے یہ خبر نہ ملی ہوتی تو یہ سلسلہ خاموشی سے یوں ہی چلتا رہتا۔ مراد کے یکایک ہٹ جانے سے ان کی سرگرمیوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے' اس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان پر کاری ضرب لگا رہے ہیں۔"

"پھر کرشن کمار بھی ہاتھ آجانا چاہیے۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"وہ بہت چالاک اور مکّار ہے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو کر مونا باؤ کی طرف نکل چکا ہے لیکن اب نیا چھور میں وہ لوگ پھٹک بھی نہیں سکیں گے۔ اس علاقے میں مسلح دستوں کی پیٹرولنگ میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔"

"اسے یہ خبریں مل جائیں گی اور وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔"

"اسے اس کی سرزمین پر ہی کچلا جائے گا۔ وہ اِدھر ہاتھ پیر پھیلا سکتا ہے تو ہمارے آدمی بھی وہاں کام کر سکتے ہیں۔ بے خبری کی بات اور ہوتی ہے مگر ہم بے بس نہیں ہیں۔"

جلال کے آخری فقرے میرے لیے دلی اطمینان کا سبب بنے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود وہ بے بسی کے احساس کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بلند تھا۔ میں نے کہا "تم ہمارے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ امید ہے کہ ہمیں جلد ہی وہاں سے کوئی خوش خبری ملے گی۔"

"شام کو تم نے جارحیت کے ذریعے دفاع کی بات کی تھی۔ اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

میں ہنس دیا "دل میں ایسے ولولہ انگیز خیالات اکثر سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ابھی اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے بڑے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر اور کسی خاص مقصد کے تحت کیے جاتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے مسئلے میں..."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی اور اسے بتایا کہ بظاہر پیچیدہ محسوس ہونے والا وہ مسئلہ بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ نمٹ گیا تھا۔

"مراد نے اپنے ایک اشارے پر سات آدمی مروا دیے۔" اس موضوع پر باتوں کے درمیان اس نے کہا "کرشن کمار' اس سے زیادہ خطرناک مجرم ہے۔ اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز تھر کی صحرائی آبادیوں تک محدود ہے۔ وہ شہروں سے دور بھاگتا ہے۔ صحرا میں بسنے والے سادہ لوح لوگ اسے صحرا کا شیر اور اپنا مسیحا سمجھتے ہیں۔ مراد کو تم نے زیر کیا' اسے ہمارے آدمی ٹھکانے لگائیں گے اور اس کا قائم کیا ہوا سحر ٹوٹ جائے گا۔"

جلال اچانک ہی دوبارہ کرشن کمار کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ اس کی وہ باتیں کچھ بے ربط تھیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کرشن کمار کے بارے میں اس نے اپنے ریکارڈ میں جو کچھ پڑھا تھا' اس کی بنا پر وہ جلال کے ذہن پر مسلّط ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "لیڈر کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ کرشن کو یہ مقولہ یاد ہے' اپنی کھال بچانے کے لیے وہ شہروں سے دور رہتا ہے۔"

"دور ہی نہیں بلکہ بہت دور رہتا ہے۔ میرپور خاص سے پتا چلا کہ وہ وہاں بہت کم آتا ہے۔ زیادہ تر کھوکھراپار میں رہتا ہے اور اب تو وہ سرحد ہی پار کر چکا ہے۔ اس کے گھر سے دو لاشیں ملنے کے بعد میرپور خاص میں اس کی ہوا خیزی ہوئی ہے۔ اس کے واپس لوٹنے یا مارے جانے سے پہلے اس کو علاقے میں یوں بے نقاب کر دیا جائے گا کہ وہ سب کی ہمدردیاں کھو دے گا۔"

"ہر مجرم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جلد یا بدیر' وہ بے نقاب ہو کر رہتا ہے۔"

وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ باتوں کی بھول بھلیوں میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا اور میں حفظِ مراتب کی وجہ سے اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے' کھل کر کہہ ڈالے۔ آخر کار اس کی وہ گفتگو یوں ہی تشنہ سی رہ گئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ اس بار اس نے کرشن کمار کے کردار کی تصویر کشی کے سوا کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔

رات گئے اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ڈرائیور ہماری گاڑی پہنچا گیا۔ حیدر آباد میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد گاڑی چھوڑ دی گئی تھی۔ اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر اسے کراچی منگوا لیا تھا۔

وہ رات ہم نے اپنی چھت کے سائے میں گہری نیند سو کر گزاری۔ خاص طور پر میرے ذہن میں کوئی پریشانی یا آئندہ کی فکر سوار نہیں تھی۔ صبح میں اپنے معمول کے مطابق ان تینوں سے پہلے بیدار ہو گیا۔ غزالہ بستر کے ایک گوشے میں موم کے کسی نازک اور معصوم پیکر کی طرح سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے یوں ہی اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اس کی نیند خراب ہونے کے خیال سے میں نے اپنے دل پر جبر کیا اور سر جھٹک کر خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

باہر اخبارات آچکے تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر لپٹے ہوئے اخبارات اٹھا لیے۔

قادر خان کے قتل کی خبر ہر اخبار کے پہلے صفحے پر موجود تھی۔ ہر اخبار کا مضمون الگ تھا لیکن خلاصہ ایک ہی تھا کہ میرپور خاص سے آنے والا ابرار نامی شخص قادر خان کو اس کے ڈرائنگ روم میں ہلاک کر کے فرار ہو گیا۔

شاید قادر خان نے مجھ سے فون پر بات کرنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو بتا دیا تھا کہ ابرار نامی ایک شخص اس سے ملاقات کے لیے پہنچنے والا تھا۔ گھر والوں نے وہی بات پولیس اور اخبار والوں کے سامنے دہرا دی تھی۔ کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ ابرار اور قادر کی ملاقات کا پس منظر کیا تھا اور ڈرائنگ روم میں وہ کن حالات میں موت سے دوچار ہوا تھا۔

وہ ایک معزز اور باحیثیت گھرانے کا چشم و چراغ تھا اس لیے خبر کو بھرپور اہمیت دی گئی تھی۔ ٹنڈو باگو جو قادر خان کا آبائی گاؤں تھا، تھر کے علاقے میں بدین سے کچھ آگے واقع تھا۔ اس وقت تک مجھے خود علم نہیں تھا کہ وہ گاؤں کہاں واقع تھا۔ اخبارات میں قادر خان کے گاؤں کا محل وقوع پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود بھی تھری تھا اور اسی وجہ سے مراد سے زیادہ قریب تھا کیونکہ مراد اور کرشن کمار کی ساری گرمیوں کا محور اور مرکز تھرپارکر کا وسیع علاقہ ہی تھا۔

قادر خان کے قتل کو جتنی اہمیت دی گئی تھی، مراد ظریف کی خودکشی کو اسی قدر نظرانداز کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر تک نہیں چھپی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان نے کسی مصلحت کی بنا پر اس خبر کو سختی سے دبا دیا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل والوں کے خلاف کارروائی کے چند ہی روز بعد صحرا کے سربراہ کی خودکشی کی خبر لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جنم دے سکتی تھی کہ سرکاری ادارے کھل کر این جی اوز کے خلاف میدان میں آگئے تھے۔

بوب رافیل کے زیر دام آنے تک امریکیوں نے پاکستان میں این جی اوز کی آزادیوں کو کچلنے اور ان کا کردار مسخ کرنے کے بارے میں ایک سوچا سمجھا احتجاجی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سے رائے عامہ کے کسی نہ کسی حصے کا متاثر ہونا فطری امر تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور مراد ظریف جیسے نام نہاد، سماجی اور معاشرتی رہنماؤں کے انجام سے بے خبر رہنا بہتر تھا۔

میرپور خاص میں حسن اور گلو کے قتل اور حیدرآباد میں گوپال چند کے بری طرح زخمی ہونے کی خبریں اخباروں کے اندرونی صفحات میں جگہ پا سکی تھیں۔ میرپور خاص پولیس کے موقف کے مطابق دہرے قتل کو نامعلوم قاتلوں کے سر ڈالا گیا تھا۔ مرنے والوں کے جسموں سے خالی ڈارٹس نکال لی گئی تھیں جس کی وجہ سے پولیس کا کام مشکل ہو گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ زہر خورانی کی وارداتیں معلوم ہوئی تھیں جن پر تفتیش کا دائرہ پھیلا کر اس مکان کے مالک کی تلاش شروع کر دی گئی تھی۔

گوپال چند جب گولیوں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہوا تو گہرے نشے میں تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یاد نہیں تھا کہ اس کی ہڈیاں زخمی ہونے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔ اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے بازار حسن سے بلائی ہوئی طوائفوں کا ذکر گول کر دیا تھا اس لیے کسی کو کہانی کا وہ حصہ

اصل مقصد

امیرالدین کے اٹھارہ سالہ لڑکے نے امریکی فیشن کی تقلید میں "پنک" بننے کے لیے سر پر دائیں بائیں استرا پھروالیا۔ بیچ میں بالوں کی ایک پٹی سی رہنے دی اور اس میں جیل لگوا کر ان بالوں کو باڑھ کی طرح کھڑا کر لیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ان کا رنگ بھی نیلا کروالیا۔

باپ نے دیکھا تو بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا اور اس خیال سے بُرا بھلا نہیں کہا کہ بیٹا زیادہ سرکش نہ ہو جائے۔ اس نے صرف اتنا تبصرہ کیا "تم کچھ مختلف سے لگ رہے ہو۔"

دوسرے دن کالج میں لڑکے کے دوستوں نے پوچھا "تمہارے ڈیڈی نے تمہارا ہیرا سٹائل دیکھ کر کیا کہا؟"

"کچھ نہیں.... وہ بالکل پرسکون رہے۔" لڑکے نے بتایا۔

"پھر تو تم نے خوامخواہ ہی اتنا تردد کیا۔" ایک دوست مایوسی سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم نہیں ہو سکا تھا جو وہ دونوں عورتیں جانتی تھیں۔

میں نے گھر میں آنے والے سب اخبار غور سے دیکھ ڈالے لیکن کہیں ایسی کوئی خبر نظر نہیں آسکی جو میرے لیے پریشان کن ثابت ہوتی۔ حد یہ تھی کہ جان اسمتھ اندر کی کہانیوں سے بڑی حد تک واقف تھا اور اسی نے مراد ظریف کو مائیکرو سینٹر سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی مگر امریکیوں نے بوب رائیل کی گلو خلاصی کے بدلے کیے ہوئے وعدے کے عین مطابق فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کی مظلومیت کے حق میں کوئی پریس ریلیز جاری نہیں کیا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ پاکستان میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے ایک بدمعاش سفارت کار کی رہائی کے لیے صبح سویرے واشنگٹن میں ایوان صدر کے فون کھڑکانے پڑ گئے تھے اور پھر امریکی صدر کی یقین دہانیوں پر وہ معاملہ رفع دفع ہو سکا تھا۔

وہ لوگ ان یقین دہانیوں سے انحراف کر کے این جی اوز کے بارے میں لب کشائی کرتے تو دوبارہ محاذ آرائی کی فضا پیدا ہو سکتی تھی جس سے امریکیوں کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

امریکی خاموش تھے' بھارتی کمانڈو خوف زدہ ہو کر سرحد پار بھاگ چکا تھا۔ بیشتر بڑے مجرموں کا صفایا ہو چکا تھا اور راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ میں اخبارات ایک طرف اچھال کر سیدھا اپنے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں طویل غسل لے کر باتھ روم سے نکلا تو گھر میں بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی۔ غزالہ کا بستر خالی تھا اور ڈرائنگ روم سے ٹیلی وژن کی آواز آرہی تھی۔ میں قمیص کے بٹن لگاتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

"اخبار پڑھنے کا شوق ہے تو کم از کم صفحات کو یک جا تو رہنے دیا کرو۔" ویرا مجھے دیکھتے ہی منہ بنا کے بولی۔ وہ وہاں بیٹھی بکھرے ہوئے صفحات کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

"جس چھت کے نیچے دو جوان جہان عورتیں موجود ہوں وہاں رہنے والے مردوں کو ایسے کام زیب نہیں دیتے۔" میں نے چٹکی بجا کر شوخی سے کہا "ہر وقت اینڈ اینڈ کر تم نے اپنے وزن میں خاصا اضافہ کر لیا ہے۔"

"تم کون سا مجھے اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہو جو تمہیں میرا وزن بڑھنے کی فکر ہے۔" اس نے میرے چہرے پر تیکھی نظریں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا "مجھ پر ذرا سوچ سمجھ کر تنقید کیا کرو۔"

"اگر تم اسی طرح کام چوری اور کاہلی کی طرف مائل رہیں تو کچھ ہی دنوں میں بھونڈی ہو جاؤ گی۔" میں نے جواب دیا "تم نے اب کچن میں غزالہ کا ہاتھ بٹانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ بیوی پر ترس آرہا ہے۔" ویرا تیزی سے بولی "یہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا کتنا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ پتا نہیں تمہیں میرا کام کیوں نظر نہیں آتا۔"

سلطان شاہ اس کی بات سنتا ہوا آیا تھا۔ اس نے ویرا کے خاموش ہوتے ہی سوال کر ڈالا "پھر تم موٹی کیوں ہو رہی ہو؟"

"یہ مٹاپا نہیں ہے۔ میرا بدن ذرا گداز ہو رہا ہے۔ تم مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں جلتے ہو؟" ویرا نے اسے آنکھیں دکھائیں "ابھی ڈینی بھی یہی کہہ رہا تھا جیسے یہ دن رات مجھے اپنے کندھوں پر لیے پھرتا ہو۔"

سلطان شاہ نے خوش ہو کر میری طرف ہاتھ بڑھایا پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "واہ! کیا نظریں ہیں ہم دونوں کی.... میں نے تمہاری بات نہیں سنی تھی مگر ان دل گداز خانم کی باتیں سن کر اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی حرام خوری پر بات ہو رہی ہے۔"

"تم نے پھر حرام خوری کا طعنہ دیا؟" ویرا اسے گھورتے ہوئے غرائی۔

"تم پھر حلال خوری کا دعویٰ کر ڈالو۔ بات برابر ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔

"یہ خاصی تشویش کی بات ہے کہ آج ہم سب ناشتے سے پہلے ہی اتنے چاق و چوبند نظر آرہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جب اونٹ کے کوہان کی طرح جسم میں فاضل چربی جمع ہو جائے تو ہلکے پھلکے ناشتے کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی۔" سلطان شاہ نے برجستہ کہا "اس وقت سب سے اچھا موڈ ویرا کا ہے۔"

"ناشتا تیار ہے اور ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" غزالہ کی آواز آئی "میں بعد میں کوئی چیز گرم نہیں کروں گی۔"

میز پر ناشتے کے دوران میں ویرا کو اچانک چمن علی یاد آگیا "وہ سب سے سستا چھوٹا ہے۔ تمہیں چمن کی گوشمالی ضرور کرنی چاہیے۔"

"یہ اسی کا دم تھا کہ ہم بروقت گوپال کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور سلطان شاہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔" غزالہ نے کہا "تمہیں اس سے کیا پرخاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئی۔"

"وہ چاروں ایک دوسرے سے واقف تھے۔" ویرا نے ہاتھ روک کر کہا "اسے معلوم تھا کہ مراد کا ساتھ دینے سے انکار کے نتیجے میں منور اپنے گھر کے چھ افراد کے ساتھ مارا جا چکا ہے مگر اس نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔"

منور، نواب شاہ کے اس گھرانے کا فرد تھا جو دھنی رام کی بربریت کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بارے میں ویرا کے اعتراض میں وزن تھا مگر میں نے چمن کی وکالت کرتے ہوئے کہا "اسے منور کا انجام معلوم تھا اسی لیے وہ مراد سے دہشت زدہ تھا۔ وہ آخر تک زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا ہوگا۔ اگر اس کی بیوی دخل نہ دیتی تو ہمیں ناکام لوٹنا پڑتا۔"

"چمن علی کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ باز پرس کی تھوڑی سی سختی اس کے لیے ناکافی ہے۔ میری دانست میں اسے بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہیے۔ گوپال ہمیشہ کے لیے معذور ہوا ہے تو اسے بھی کم از کم چند روز صاحب فراش رہنا چاہیے۔"

"وہ شریف اور ملازمت پیشہ آدمی ہے۔" میں نے کہا "اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اسے وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"قادر بھی شریف اور ملازمت پیشہ تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔" ویرا نے طنزاً کہا۔

"وہ اپنی حماقت سے مرا تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"نہ چاہتے ہوئے بھی تم نے اسے مار دیا۔" ویرا نے کہا "یہ غیبی اشارے ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں ہے۔ تم اسے لنگڑا لولا کر کے زندہ چھوڑ دو تب بھی یہ تمہارا احسان ہوگا۔"

میں انکار کرتا رہا مگر ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔ ناشتا ختم ہونے کے بعد بھی وہ بحث جاری رہی تو بادل ناخواستہ مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے "میں فون کر کے دیکھتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"اس کا حال اچھا نہیں ہو سکتا۔ آج کے اخباروں میں گوپال اور قادر کے بارے میں تفصیلات پڑھ کر وہ ڈر گیا ہوگا۔" ویرا نے پر یقین لہجے میں کہا "تم فون کرو گے تو وہ گڑ گڑانے لگے گا۔"

میں نے کاغذ سے دیکھ کر چمن کا نمبر ملالیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھایا گیا تو میرے کانوں میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ بین کی آوازیں آئیں اور ایک گلوگیر مردانہ آواز نے ہیلو کہا۔

"میں چمن علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" بولنے والے کی آواز رندھ گئی "بھائی صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ اخبار بینی کے دوران میں تھوڑی دیر پہلے ان کے دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی۔ ابھی ابھی اسپتال سے خبر ملی ہے کہ وہ چل بسے ہیں۔"

مجھے وہ خبر سناتے سناتے وہ بلک کر رو پڑا۔ وہ چمن علی کا کوئی قریبی عزیز ہی ہو سکتا تھا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔

اس شخص سے کہنے سننے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان کے بدن میں سانس کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ساری اکڑفوں، دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے اور جب یہ لڑی ٹوٹ جاتی ہے تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ مرنے والا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ حساب کتاب کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔

میں نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔ میری زبان سے قرآنی کلمات سن کر ان تینوں کو صحیح صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ فوری طور پر کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہنستے مسکراتے ماحول پر یوں بوجھل سکوت طاری ہو گیا تھا جیسے ہمارے حریف کے بجائے کوئی ساتھی دنیا سے گزر گیا ہو۔

"وہی ہوا جو میں کہہ رہی تھی۔" چند ثانیوں بعد ویرا کہہ رہی تھی "میرا وجدان بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ اسے کیا ہوا؟ شاید دل کا دورہ پڑا ہوگا!"

"اخبار بینی کے دوران میں بلڈ پریشر بڑھنے سے دماغ کی شریان پھٹی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تم اس کی حمایت کر رہے تھے اور قدرت میرے ساتھ تھی۔" ویرا بولی "اس کے خلاف بڑی عدالت سے فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔"

"یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا "ذہنی کو فون کرنے پر مجبور کر کے تم نے سارا موڈ غارت کر دیا۔ اب پورے دن کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پتا نہیں تم اتنا کیوں بولتی ہو۔"

"اس کی موت کی خبر اخباروں میں نہیں آئے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا نے موڈ بحال کرنے کی کوشش میں اسے چڑایا "فون کرنے کے نتیجے میں تمہیں پتا تو چل گیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ واقعی شریف اور غیرت مند انسان تھا۔ اس کا احساسِ جرم اسے لے ڈوبا۔" غزالہ نے کہا۔

"تم تینوں کو اس کی موت کا اسی قدر صدمہ ہے تو اس کے جنازے میں شرکت کے لیے چلے جاؤ۔ شام تک فارغ ہو کر لوٹ آؤ گے۔ میں تمہارے لٹکے ہوئے' اداس چہرے دیکھنے سے بچ جاؤں گی۔"

"اس بار واقعی عجیب اور حیرت ناک واقعات پیش آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی پھریری لے کر کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عقل اور ہر دلیل ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اسے کسی برتر قوت کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"چور' ڈاکو' قاتل اور دہشت گرد لڑتے بھڑتے ہوئے کہیں نہ کہیں کتے کی سی موت مارے جاتے ہیں۔" ویرا کہنے لگی "سفید پوش مجرموں کا عام طور پر ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ اس پر دل گرفتہ ہونا حماقت ہے۔"

"وقت اور قسمت' دونوں اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارا کام خود بخود آسان اور ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔" سلطان شاہ نے یہ کہہ کر انگڑائی لیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

چمن علی کی موت کی خبر کے اثرات میرے اعصاب پر سے جلد ہی زائل ہو گئے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی کیونکہ وہ بہرحال ایک مجرم اور مراد کا مددگار تھا۔ گھر کا ماحول دوبارہ خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی نوک جھوک کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ویرا کسی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے کچن میں جا گھسی اور غزالہ کو میرے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔

اس وقت ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ غزالہ نے بہت لاڈ کے ساتھ ساحل کی سیر کی خواہش ظاہر کی اور میں سنجیدگی سے اس فکر میں مصروف ہو گیا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو کس ترکیب سے گھر پر چھوڑا جائے۔ دن رات کی مصروفیت کی وجہ سے وہ دونوں بھی ہر وقت تفریح کے لیے تڑپتے رہتے تھے۔ انہیں ہمارے اصل پروگرام کی بھنک مل جاتی تو انہیں گھر پر چھوڑنا دشوار ہو جاتا۔

اسی دوران میں' میں نے اول خان کو فون کر کے چمن علی کے المناک انجام سے آگاہ کر دیا۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں پر چلنے والا آدمی تھا۔ اسے وہ خبر سن کر ذرا بھی قلق نہیں ہوا بلکہ اس کا ردِ عمل حیرت انگیز طور پر وہی تھا جو ویرا کا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر غزالہ نے میری ہدایت کے مطابق کپڑوں کی خریداری کی فرمائش کر ڈالی جو میں نے قدرے چوں و چرا کے بعد منظور کر لی۔ اس کام میں سلطان شاہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ نے رسماً ویرا سے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ بس غزالہ کو یہ تاکید کر دی کہ وہ اپنی ہی پسند اور ناپ کے چند فاضل جوڑے بھی لیتی آئے جو اس کے کام آ سکتے تھے۔

میں نے ویرا کے فرمان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ خود ہی بول پڑی "میرا اور غزالہ کا قد اور بدن یکساں ہے۔ ہم آسانی سے ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اگر میں بھاری ہو رہی ہوں تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ غزالہ بھی موٹی ہو گئی ہے۔"

"ارے' وہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا "تم بلاوجہ اسے اپنے دل پر لے بیٹھیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ غزالہ پر تنقید تم برداشت نہیں کر سکتے۔ حسن اور نزاکت کو اس پر ختم سمجھتے ہو۔"

"یہ میں نے تم سے کب کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں کہے بغیر سمجھ لی جاتی ہیں۔ تم بلاوجہ ہی اپنی لیلیٰ کے مجنوں نہیں بنے ہوئے ہو۔"

"قد اور بدن تک تمہاری بات ٹھیک ہے مگر ہماری پسند یکساں نہیں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "تم شوخ اور بڑے پرنٹس پسند کرتی ہو۔ مجھے ہلکے پھلکے رنگ اور ڈیزائن اچھے لگتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بنیادی طور پر ہماری پسند بھی ایک ہی ہے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں بے باکی سے کہہ ڈالا "یقین نہ آئے تو اپنے ڈینی سے پوچھ لو۔"

میں بوکھلا گیا مگر غزالہ کی تیوریوں پر بل تک نہ آیا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا "پسند اتنی یکساں ہو تو کہیں کہیں ٹکراؤ بھی ہو جاتا ہے مگر ہمارے درمیان آج تک ایسی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ کے اس ذو معنی جواب پر میری طبیعت خوش ہو گئی۔ ویرا خفت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی "کبھی میں خاموشی سے اپنی ہار مان لیتی ہوں اور کبھی تم فراخ دل ہو جاتی ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید اب تک ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہوتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتیں چلتی رہیں مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ ہم دونوں کے ساتھ کوئی اور نہیں جائے گا۔

تین بجے ہم دونوں گاڑی لے کر گھر سے روانہ ہو گئے۔ غزالہ اپنی فرمائش پوری ہونے پر بہت خوش تھی اور بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔

اپنا جھوٹ نبھانے کے لیے ہم نے صدر کی ایک مشہور دکان سے عجلت میں چند زنانہ سوٹ خریدے اور پھر ٹاور کے راستے ہاکس بے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کلفٹن کے مقابلے میں کراچی کا وہ پرسکون اور رومان پرور ساحل ہمیشہ سے مجھے پسند رہا ہے۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ ہاکس بے کے صاف ستھرے ساحل پر خال خال ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ جنہوں نے شہر کے شور و غل اور کثافتوں سے اکتا کر اپنی گاڑیوں میں اس پُرفضا ساحل کا رخ کیا تھا۔

میں نے ایسے مقام پر گاڑی روک دی جہاں سمندر کی جھاگ اڑاتی اور دم توڑتی ہوئی موجوں کی طلسماتی گونج اور بحری پرندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے جوتیاں گاڑی میں لاک کیں اور غزالہ کا ہاتھ تھام کر ڈھلوان ساحل کی سرمئی ریت پر تقریباً دوڑتا ہوا گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلا گیا۔

وہ میری زندگی کا ایک حیات پرور اور یادگار دورانیہ تھا۔ مجھے زندگی میں یکایک نیا پن محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی ریت پر دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور پانی اڑاتے رہے۔ کھلے سمندر کی انجان گہرائیوں سے جنم لینے والی طوفانی لہریں ہمارے قدموں کو چھوتے ہوئے ساحل پر دور تک جھاگ پھیلا رہی تھیں۔ ہر نئی لہر کے ساتھ مجھے سرشاری کا عجیب احساس ہو رہا تھا۔

موسم اور ساتھ ایسا تھا کہ پانی سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر زندگی میں کچھ بھی امر نہیں ہوتا۔ انسان سمیت سب کچھ گزر جانے کے لیے وجود میں آتا ہے۔ غزالہ کے نازک ہونٹوں پر سردی کی ہلکی سی نیلاہٹ دیکھ کر میں نے واپسی کی راہ اختیار کر لی۔

بھیگے ہوئے کپڑوں کو ساحل کی دھوپ اور ہوا میں خشک کرنے کے لیے ہم دیر تک پانی سے ذرا دور چہل قدمی اور باتیں کرتے رہے۔ مسلسل باتیں کرتے رہنے کے باوجود بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔ پتا نہیں غزالہ کب سے وہ خوش گوار یادیں اور باتیں دل میں لیے بیٹھی تھی۔

جب سورج کی اکلوتی آنکھ زمین اور سمندر کو قہربار

انتہائے شکر گزاری

وکیل صاحب نے سخت محنت کے بعد ایک موکل کا مقدمہ جیتا تو اس نے انہیں شکریے کا خط لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھا:

"میں آپ کا اتنا احسان مند ہوں کہ آپ کو وکیل کے بجائے ایک دوست کے طور پر یاد رکھوں گا۔"

انداز میں گھورتی ہوئی سمندر اور آسمان کی ملتی ہوئی لکیر سے قریب ہونے لگی تو ہم گاڑی کی طرف ہو لیے۔ چند منٹ بعد ہم فسوں خیز ساحل کو چھوڑ کر شہر کی دھواں اگلتی چمنیوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔

ماری پور کے علاقے سے گزرتے ہوئے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور شریف آباد والی نسرین کے پاس کام کرنے والی نیما کی آواز سن کر فون جلدی سے غزالہ کو تھما دیا۔

وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی، مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے فون بند کر دیا اور پوچھا "کس کی کال تھی؟"

"وہی پاگل نیما تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ نیما کا فون آ جانے پر غزالہ میری اور اس کی کلفٹن کی سیر کا ذکر ضرور چھیڑے گی لیکن اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ویرا کے قول کے مطابق غزالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فراخ دل تھی اور ہر ضروری موقع پر چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔

فاصلہ گھٹنے کے ساتھ ساتھ راستے پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھنے لگی۔ ہماری رفتار کم ہو گئی۔

شہر بھر کی روشنیاں جل جانے کے بعد ہم گھر پہنچے تو ہماری حالت ہماری آوارہ گردی کی کہانی سنا رہی تھی۔ بالوں سے لے کر چہرے، لباس، پیروں اور گاڑی کے پائیدان تک میں سنہری سمندری ریت چمک رہی تھی۔

جب تک ہم سمندر کے پانی میں تھے، سب کچھ مزہ دے رہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی کھارے پانی کی چپچپاہٹ اور ریت کی چبھن ناقابل برداشت ہونے لگی۔ میں اپنے کمرے کے باتھ روم میں چل گیا۔ غزالہ، ویرا کے باتھ روم میں جا گھسی۔

میں نہا کر نکلا تو بھوک چمکی ہوئی تھی۔ باتھ روم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ کی واپسی تک مجھے ویرا اور سلطان شاہ کے کاٹ دار سوالوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں یہ یقین دلانا دشوار ہو رہا تھا کہ شاپنگ سے جلد فارغ ہونے کی وجہ سے ہم ساحل کی طرف نکل گئے تھے۔ وہ دونوں سمجھ چکے تھے کہ ہم تفریح کے لیے ان سے شاپنگ کا بہانہ کرکے گھر سے نکلے تھے۔

اس روز ویرا نے رضاکارانہ طور پر کچن کا سارا انتظام خود سنبھالا تھا اس لیے کھانے وغیرہ کی تیاری میں اپنے سگھڑ پن کے سارے جوہر یک جا کردیے تھے۔ غزالہ نے غسل سے فارغ ہوتے ہی اس کے ساتھ مل کر میز لگائی اور معمول کے وقت سے پہلے ہی ہمارے لذیذ ڈنر کا آغاز ہوگیا۔

تکان اور پھر شکم سیر ہونے کا خمار جلد ہی اپنا رنگ دکھانے لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں زیادہ دیر تک ان لوگوں کی مجلس کا ساتھ نہ دے سکا اور دو سگریٹیں ختم کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں چل دیا۔

میں نے کمرے کی روشنیاں گل کرکے اپنے سرہانے رکھا ہوا ٹیبل لیمپ روشن کیا اور پڑھنے کے لیے ایک کتاب اٹھالی۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ میں چند صفحات سے زیادہ نہ پڑھ سکا اور میرے پپوٹے نیند سے بوجھل ہوتے چلے گئے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ ان تینوں نے کب ڈرائنگ روم چھوڑا اور غزالہ کمرے میں آئی۔ گہری نیند سے میری آنکھ کسی آواز کی وجہ سے کھلی۔ میں بیدار ہوکر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ فضا پر رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، کہیں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سکوت برقرار رہا اور میری پلکیں ایک مرتبہ پھر نیند کے خمار سے بوجھل ہونے لگیں۔

ایک لمبا وقفہ گزرنے کے بعد پھر چرچراہٹ کی تیز آواز آئی اور تھم گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے سوکھی ہوئی پختہ لکڑی میں سے کچھ نکالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

پہلی آواز کو میں نے نیند کا دھوکا سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا مگر دوسری بار میرے کانوں نے اس آواز کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا ریوالور نکالا اور نہایت خاموشی سے بستر چھوڑ دیا۔

میں دبیز قالین پر ننگے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، بہت احتیاط سے ہینڈل گھما کر دروازے قدرے وا کیا اور سرعت سے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں رینگ گیا۔

اس بار وقفہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ آوازیں پھر آئیں۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ قریب ہی کوئی کچھ اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ آواز ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ میں ریوالور تانے اندھیرے میں آگے بڑھا اور پھر اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

ڈرائنگ روم میں مکمل اور گہری تاریکی تھی۔ اس کے مقابلے میں باہر تاروں بھرے آسمان تلے قدرے اجالا تھا جو شاید کہیں جلتے ہوئے کسی بلب کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ تھا۔ اس دھندلی روشنی میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پیچھے تین انسانی سراور دھڑ نظر آرہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر کپڑے لپٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کسی اوزار کی مدد سے کھڑکی میں لگی ہوئی مضبوط آہنی گرل کو چوکھٹ سے اکھاڑ لیا تھا اور اس وقت گرل کو چوکھٹ سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ تین چہرے نظر آرہے تھے۔ ان نامعلوم لوگوں کے دوسرے ساتھی احاطے میں پھیلے ہوئے ہوسکتے تھے۔ ان کی تعداد تشویش ناک حد تک زیادہ تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان آوازوں نے ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں ڈالا تھا۔

گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والے ان دیدہ دلیر اور نامعلوم لوگوں کو للکارنے کے لیے مجھے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے تشویش یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی تعداد میں برتری کی وجہ سے کسی طرح گھر میں گھسنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ تینوں گہری نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے مارے جائیں گے۔

اس وقت تک کھڑکی کی گرل اپنی جگہ چھوڑ کر لکڑی میں پھنسے ہوئے کچھ لمبے پیچوں کے سہارے الجھ گئی۔ ان میں سے ایک نے جوں ہی شیشے کا پٹ ایک طرف سرکا کر راستہ بنانے کی کوشش کی، میں نے آہستگی سے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

فریم سے اکھاڑی جانے والی گرل نے اتنی جگہ پیدا کردی تھی کہ انسان تو درکنار، نوجوان مگر سیک اندام سانڈ بھی آسانی سے وہاں سے گزر کر گھر میں آسکتا تھا۔

میں نے ہاتھ سیدھا کرکے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے